

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲ ٹیلی فون نمبر ۵۳۵۲۵

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمایندہ

نقوش

رسولؐ نمبر

جلد نہم

شمارہ نمبر ۱۳۰

جنوری سنہ ۱۹۸۴ء

مدیر:

محمد طفیل

اِدارۂ فروغِ اُردو • لاہور

قیمت لائبریری ایڈیشن : ۱۰۰ روپے

150/-

ترتیب

سیرت اور مطالعۂ سیرت

آثار

متعلقاتِ سیرت

جان نثارانِ محمدؐ [خلفاء]

محمد طفیل پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر ادارہ فروغِ اردو لاہور سے شائع کیا

طلوع

جب کفار نے حضورؐ کو تنگ کیا اُس میں شدت اختیار کی تو ناچار سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک مشرک کو اونٹ کی ہڈی کھینچ ماری، جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ خون بہنے لگا۔ مورخین کے نزدیک اسلام کی حمایت میں وہ پہلی خُونریزی تھی۔

دُوسرے ابوسفیان سے ایک مُٹھ بھیڑ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک تیر چلا ہی دیا، حالانکہ جانبین میں سے کسی کا ارادہ جنگ کا نہ تھا۔

یہ ذکر ایک صحابی کا تھا، مگر یہ جلد اُن جلیل القدر خلفاؓ کے بارے میں ہے کہ جن کے علم پر ساری دنیا نثار تھی، جن کے دبدبہ پر ساری دنیا لرزاں تھی، جن کی سخاوت پر ساری دنیا حیران تھی، جن کے علم پر ساری دنیا ششدر تھی۔ بس یہاں اس نکتہ پر غور فرمائیے، تربیت یافتہ کس کے تھے؟

میں نے بھی سیرت پر کام کا آغاز کیا (آج بھی آغاز ہی ہے) نامور سیرت نگاروں سے کسبِ فیض کیا اپنی بے بضاعتی کے باوجود میں نے اپنی سوچ اور اپنے انداز کا الگ سا کام کیا۔ میرے پیش کردہ موضوعات میں ایسے عنوانات متعدد ہیں جن پر پہلے کام نہ ہوا تھا۔ اگر ہُوا تھا تو اتنی تفصیل سے نہ ہوا تھا یا کسی ایک سیرت کی کتاب میں موجود نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو میرا اس موضوع پر کام کرنے کا کوئی جواز نہ تھا جہاں کہ ہر لفظ پر درُود پڑھ کر دوسرا لفظ لکھنا پڑے۔

ذرا رُکو، یہ کیا کہہ رہے ہو؟

چُپ رہتا ہُوں تو ما فی الضمیر کا اظہار نہیں کرسکتا۔ کُچھ کہتا ہُوں تو ڈر لگتا ہے۔ مجھے کچھ کہنا چاہیے، ورنہ جو تلاطم میرے سینے کے اندر ہے وہ مجھے بکھیر دے گا۔

خاتم النبیینؐ کے صحابی سعد بن ابی وقاصؓ کے جذبات ذہن پر مسلط ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کہہ رہا ہُوں، جذبہ سلامت ہو تو کوئی بھی پہلا تیر چلا سکتا ہے۔

محمد طفیل

اِس شمارے میں

آٹھ جلدیں حاضر کر چکا ہُوں۔ یہ نویں جلد ہے۔ میری پہلے لفظ سے لے کر آخری لفظ تک یہ کوشش رہی کہ کوئی ایسی بات درج نہ ہو، جو کسی بھی دوست کو کھٹکے۔ اس ریاضت میں مجھے کس حد تک کامیابی ہوئی' وُہ مجھے آپ بتائیں گے۔ میں تو اتنا جانتا ہُوں نیّت کا ثواب ملے گا۔

یہ جلد جو ہے، یہ تو چمن میں سیر کے مترادف ہے۔ ایسے چمن کی سیر' جہاں گلاب کے ہر رنگ کے پھُول کھلے ہوں۔ یعنی یہ جلد جملہ جلدوں کی خوشبوؤں کا مجموعہ ہے۔ اس جلد میں وُہ مضامین ہیں جو اپنی جلدوں سے بچھڑ گئے تھے۔ مگر کچھ مضامین ایسے ہیں جو اس جلد کے لیے مخصوص تھے۔

میرا ارادہ تھا کہ میں خلفا پر ایک الگ جلد پیش کرتا۔ کیونکہ حضورؐ کے بعد ہمارے خلفا کا' دین کے پھیلانے میں بڑا ہاتھ ہے۔ کیونکہ اُنھوں نے خدا کے احکامات کو پُورے طور پر مانا، حضورؐ کے ارشادات کی روشنی میں اپنے آپ کو ڈھالا، پھر اُن پر عمل کیا بھی' کرایا بھی!

اس جلد کے آخر میں خلفا پر مضامین ملیں گے۔ اُن سے خلفا کے کارناموں کی جھلک سامنے آئے گی کہ وُہ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کہتے سنتے، رسولؐ کی پیروی کرتے تھے۔ یعنی رسولؐ کی زندگی سے' جتنا گہرا اثر خلفا نے قبول کیا' وہ کم کسی کے حصّہ میں آیا۔ ہر وقت خدا کا دھیان، ہر وقت خدا کا خوف!

دسؔ جلدیں آپ کے سامنے آ رہی ہیں۔ اس کے باوجود ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ کرنے کا کچھ کام، ابھی اور بھی ہے!

میرے ایک دوست نے کہا تھا: سیرت پر خدمت گزاری' ہر ایک کو راس نہیں آتی۔ شبلی نعمانی نے کام شروع کیا۔ وُہ مر گئے۔ قاضی سلیمان منصور پوری کا' مفصّل کتاب لکھنے کا ارادہ تھا۔ وہ مر گئے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا بہ اطمینان لکھنے کا ارادہ تھا۔ وہ مر گئے۔ لہٰذا تم بچو!

میرا جواب تھا: زہے نصیب!

[محمد نقوش]

⊙

سیرتِ طیبہ حضورؐ کے اسمأ و القاب کے آئینہ میں

ڈاکٹر سیّد محمد عبد اللہ

آنحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ پاک اور اسوۂ حسنہ کے بارے اتنا کچھ لکھا گیا ہے اور آپؐ کے فضائل وشمائل کی جزئیات وتفصیلات کو جمع کرنے کے لیے اتنی توجہ اور محنت صرف کی گئی ہے کہ کسی دوسرے فردِ واحد کے لیے آج تک نہیں ہوئی یہ بات عرصہ ہوا سپرنگر اور مارگولیتھ نے لکھی تھی، اس قول پر ایک صدی کے قریب گزر گئی ہے اور اس عرصے میں وافر ذخیرہ مزید بھی جمع ہو گیا ہے لہٰذا اب اس کی صداقت کا وزن اور بھی بڑھ گیا ہے۔

برِصغیر میں قیامِ پاکستان کے بعد خصوصاً ماضی قریب میں سیرت کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی بحثیں ہوئی ہیں اور ابھی بہت کچھ ہے جو توجہ طلب ہے۔

موجودہ شذرے میں میرا موضوع ہے؛ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف ومنصب، حضور صلعم کے اسمائے مبارکہ القاب کے آئینے میں، ممکن ہے میرے علاوہ بھی کسی نے اس پر قلم اٹھایا ہو لیکن...... ؎

اگر گفتہ را باز گویم رواست
مرا معنیٔ "تازہ" مدعا است

اس سلسلے میں ایک عمدہ کتاب الصالحی شامی (م ۹۴۲ھ) کی سُبُلُ الھُدیٰ وَالرِّشَاد فِی سِیْرَۃِ خَیْرِالْعِبَاد ہے مصنف کا پورا نام محمد بن یوسف الصالحی الشامی ہے (کتاب قاہرہ میں دکتور مصطفی عبدالواحد نے ۱۹۷۲ء/۱۳۹۲ھ میں چھپوائی ہے۔ ۱۲ جلدوں میں ایک ہزار ابواب پر مشتمل ہے) اس ضخیم کتاب میں آج کے موضوع کے قریب، ایک باب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمأ والقاب کے بارے میں ہے جو پہلی جلد کے آخر میں (ص ۵۰۰) حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب کر کے تشریح کی گئی ہے، اور اس سے قبل ایک فصل میں پانچ خاص اسمائے مبارکہ کا تذکرہ اور تشریح ہے۔ (ص ۴۹۲) جن کے متعلق یہ حدیث ہے:

انا مُحمّد وانا احمد، وانا المَاحِی الذی یمحواللہ بی الکفر وانا الحَاشر الذی یحشرالناس علی قدمی، وانا العاقب الذی لیس بعدہ نبی۔

ترجمہ:

"میں ہی محمدؐ اور میں ہی احمد ہوں، میں ہی مٹانے والا ہوں کہ جس کے ذریعے خدا تعالےٰ کفر کو ختم کریں گے میں ہی جمع کرنے والا ہوں کہ لوگوں کو میرے (نقش) قدم پر جمع کیا جائے گا اور میں سب سے بعد آنے والا ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

مگر یہ خاص اسماء اپنے خاص وجوہ سے ہیں، القاب اور ناموں کی کثیر تعداد ایسی ہے جو قرآن و حدیث میں ہیں اور ان کو سامنے رکھ کر حضورؐ کی مکمل سیرۃ مرتب کی جا سکتی ہے۔

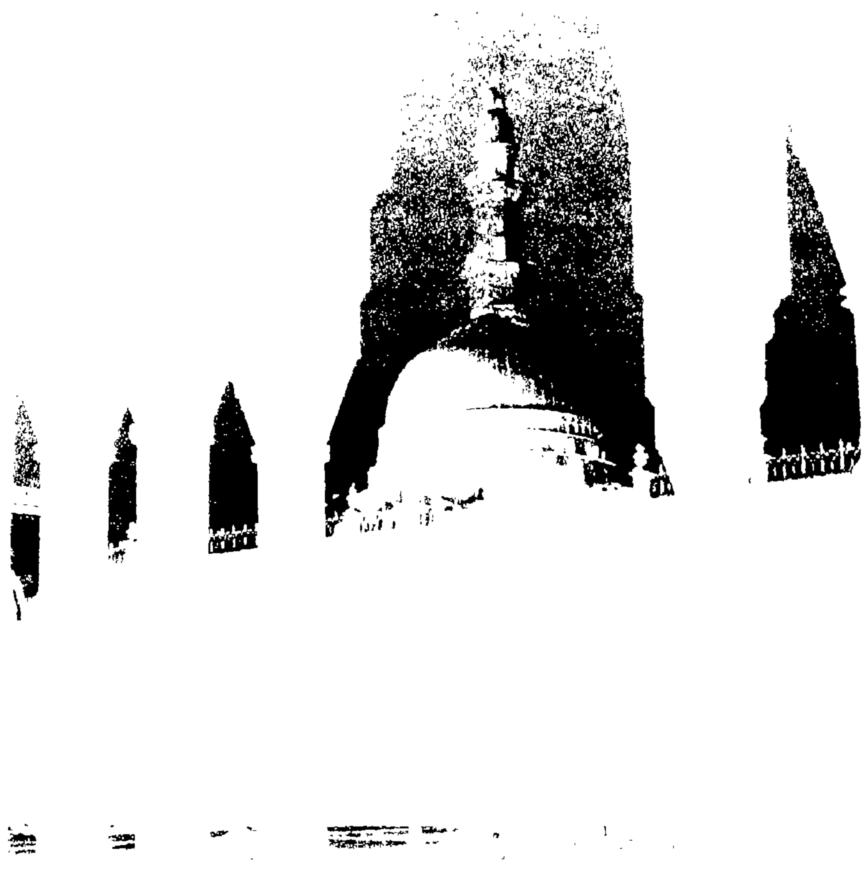
حضورؐ کے اسمائے مبارکہ کی فہرست مجمل بھی ہے اور مفصل بھی۔ لیکن میرے مدِ نظر صرف وہ اسماء ہیں جو قرآن مجید اور حدیث میں مذکور ہوتے ہیں۔ یہ فہرست طویل ہے (ملاحظہ ہو ضمیمہ الف) اسم خاص محمدؐ کے علاوہ احمدؐ محمودؐ اور حامدؐ بھی معروف ہیں اور قرآن سے ثابت ہیں اور القاب میں رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ میں اس وقت ان میں سے صرف چند القاب کو موضوعِ بحث بنا رہا ہوں۔ یہ بتانے کے لیے کہ سیرۃ رسولِ پاکؐ کے بنیادی مآخذ کا مستند ترین حصہ قرآن و حدیث میں اسماء و القاب کی صورت میں موجود ہے۔

سب سے پہلے وہ القاب آ رہے ہیں جو درج ذیل آیت میں ہیں:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا وَّدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا (الاحزاب ۴۵، ۴۶)

اسمائے مبارکہ کی اس فہرست میں، میں ایک اہم خصوصیت کی بنا پر دو القاب شَاهِدًا اور سِرَاجًا مُّنِيرًا کی اپنے مقصد خاص کے تحت تشریح کرتا ہوں۔ حضورؐ کو شاہد کا لقب کیوں دیا گیا ہے۔ تفاسیر میں بہت سی تعبیریں ملتی ہیں۔ امام رازیؒ سے لے کر مفتی محمد شفیع تک تقریباً سبھی یہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ قیامت کے روز اپنی اُمت اور اُمم سابقہ کے اعمال کے بارے میں بلکہ انبیائے سابقہ کے بارے میں شہادت دیں گے کہ پیغام پہنچا دیا گیا اور کس نے کیا کیا عمل کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ تعبیر بھی درست ہے لیکن سیرت کے نقطۂ نظر سے اگر ہم شَاهِدًا اور مُصَدِّق دو القاب کو یکجا کر کے تعبیر کریں تو ہمیں دو نکات ملیں گے۔ ایک تو یہ آپؐ قدیم اور جدید دُنیا کے درمیان ایک رابطِ اتصال کا درجہ رکھتے تھے۔ عقبیٰ کے علاوہ حیاتِ موجودہ میں بھی آپؐ ایک معیارِ حقیقی ثابت ہوئے۔ یعنی پچھلی تاریخ نے اِنسانوں کے لیے جو اسباق اور عبرتیں مہیا کیں، ان کی شہادت آپؐ نے دے کر دُنیا کے لیے ایک اخلاقی و روحانی معیار کی تصدیق کی جس کے سوا اِنسان نہ فوز و فلاح پا سکتے ہیں نہ سعادت سے بہرہ یاب ہو سکتے ہیں۔ لقب مصدّق اَلْحُجَّةُ الْبَالِغَه کے بھی یہی معنی ہیں کہ حق و باطل اور کامیابی کے اصولوں کی کمی کامیابی کے معیارِ مطلق کی آپؐ نے شہادت بھی دی اور اس کی تصدیق بھی آنے والی انسانیت کے لیے پیش کی۔ علامہ طنطاوی۔ — — — — — نے اپنی کتاب "رسُول اللّٰہ فی القرآن الحکیم" میں بھی کچھ اس قسم کا اشارہ کیا ہے۔ آجکل واضح ہے کہ ان دو لفظوں کے اِردگرد پوری سیرت اور پورے احکامِ قرآنی لپیٹے جا سکتے ہیں۔

امام الصالحی شامی نے القاب کی جو طویل فہرست دی ہے اس میں سے قرآن و حدیث کے مزید القاب، نبی الرَّحْمَة رسولٌ مِّن انفسکم، داعی إِلَى الله باذنہ، ارجح النّاس عقلاً، الاعلم باللّٰہ، اشجع النّاس، الامین، الاصدق، الحکیم، سید ولدِ آدم، الفاتح، الکامل، القیم المقوی اور دیگر درحقیقت سیرۃ رسُولِ پاکؐ کے وہ آئینے ہیں جن کے اندر حضورؐ کی مکمل حیاتِ پاک منعکس ہے اور ان القاب میں سے ہر لقب کو واقعات و شمائل کے چوکھٹے میں محکم رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس وقت میں صرف مزید دو القاب کے تجزیے پر اکتفا کر سکوں گا۔ یہ القاب ہیں قرآنی لقب سِرَاجًا مُّنِيرًا اور حدیث کا ایک لقب سیّد النّاس



گنبدِ خضریٰ

پہلے سراجًا منیرًا کو لیجئے۔ سراج کے معنی ہیں چراغ اور منیر کے معنی ہیں روشنی دینے والا مفسرین کی اکثریت نے سراج کے معنی چراغ لیے ہیں جو لغوی طور سے صحیح ہیں۔ لیکن قرآن مجید ہی میں آفتاب کو بھی سراج کہا گیا ہے اور چاند کو بھی اور منیر کا لفظ دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس کے باوجود مجموعی طور سے دیکھا جائے تو خود قرآن مجید ہی کی شہادت کی بنا پر سراج کا خصوصی اطلاق شمس پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قاری محمد طیب نے اپنی کتاب آفتاب نبوت میں لکھا ہے۔ درج ذیل آیت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے:

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ (نوح، ۱۵ تا ۱۶)

ترجمہ:

کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہہ بہ تہہ بنائے اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو سراج بنایا۔

قرآن مجید میں دوسری جگہوں میں چاند اور سورج اگرچہ دونوں سراج اور منیر بتائے گئے ہیں، مگر خصوصیت سے سراج منیر آفتاب ہی ہے اور اس کا یہ مفہوم اور بھی واضح ہوتا ہے جب سب متعلقہ آیتوں کے ساتھ اس آیت کو ملا کر پڑھتے ہیں۔

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (سورۃ النبا، ۱۲ تا ۱۳)

وہاج کے معنی ہیں روشنی بھی اور شدید گرم بھی — اور ظاہر ہے کہ یہ صفت صرف سورج کی ہے۔

چاند تو صرف روشنی دینے والا جرم ہے — اور وہ بھی سورج سے مستعار لے کر۔

یہاں تک تو ہم یہ فیصلہ کر سکے کہ قرآن مجید میں سراجًا مُنیرًا بمعنی آفتاب ہی اور سراجًا منیرًا آپ ہی کا خصوصی لقب ہے۔ لیکن اہم سوال یہ ہے کہ یہ لقب حضورؐ کے لیے کیوں مخصوص ہوا؟

ظاہر ہے کہ یہ حضورؐ کے بنیادی اور مرکزی کمالات و فیوض کی بنا پر ہے کیونکہ سورج (اور نظام شمسی) بھی کائنات میں ایک مرکزی افادیت و وسعت اثر کا منبع ہیں۔ لہٰذا سورج سے تشبیہ دے کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انبیاء و رسل کے نظام نبوت و رسالت نیز کائنات (روحی و مادی) میں آپ کا وجود عظیم ترین مرکز فیوض و کمالات ہے حضورؐ کے روحانی فیوض و کمالات کی پوری تفصیل کتاب آفتاب نبوت (از قاری محمد طیب) میں دیکھی جا سکتی ہے لیکن حضورؐ کی ذاتِ پاک کے فیوض ہماری اس مادی دنیا کے لیے بھی مکمل و کامل ہیں سورج سے بھی زیادہ ہیں۔

تھوڑی سی وضاحت کی خاطر یہاں ہم سورج کے متعلق فلکیاتی اور طبقاتی حوالے سے، کچھ اشارے کرنے پر مجبور ہیں۔

طبیعیات میں یہ امر ثابت شدہ ہے کہ سورج ہماری تمام تر زندگی کا سرچشمہ ہے، زندگی کے سب لوازم سورج کی برکت سے مہیا ہوتے ہیں مثلاً آبِ رواں ہی کو لیجئے۔ اس کی تخلیق و تشکیل برف کی رہین منت ہے جس سے چشمے دریا وغیرہ بنتے ہیں، سورج کی حرارت سے بخارات، پھر بادل، پھر پانی، پھر برف — لیکن اسی برف کو سورج کی حرارت پانی بنا کر آبِ رواں میں تبدیل کر دیتی ہے اور سب کو معلوم ہے کہ پانی سے دنیا کو کیا کیا فائدے پہنچتے ہیں، انسانی حیوانی خوراک کے علاوہ زراعت و باغبانی وغیرہ میں اس کا جو فیض ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں مگر اسی پانی سے ہم بجلی بھی حاصل کرتے ہیں جو آگے صدہا فوائد کا وسیلہ ہے۔

سورج کے فیوض کی اس صف میں پتھر کا کوئلہ، پٹرول اور خود ہمارا لباس، ہماری خوراک، پھل پھول، کنا متوں کی صفائی، پھولوں کی رنگت غرض ہزار ہا فائدے ہیں جن کی تفصیل نظامِ شمسی کی کتابوں سے حاصل ہو سکتی ہے شمسی توانائی سے ہم شمسی مقطر، شمسی چولھے، شمسی بھٹیاں وغیرہ بے شمار وسائلِ آرائش پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ ایک ہمہ گیر قوت و برکت ہے (ملاحظہ ہو کتاب شمسی توانائی از ڈاکٹر سلطان علی مشمولہ سائنسی موضوعات نمبر ۴، مطبوعہ مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی لاہور ص ۶، نیز مقالہ نظامِ شمسی از میجر شبیر احمد قادری، محولہ کتاب میں)

اِس وضاحتی گفتگو سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید کی اس تشبیہ یا لقب سے، حیاتِ پاک کے وسیع و محیط فیوض کو سمجھنے میں کتنی مدد ملتی ہے جن کے عملی نمونوں سے آپؐ کی سیرۃ پاک لبریز ہے۔ القاب کی اس طویل فہرست میں سے جو میں نے ضمیمہ الف میں درج کی ہے میں وقت کی مناسبت سے ایک اور لقب کا اِنتخاب کر کے اس پر مجمل بحث کرتا ہوں۔ یہ لقب ہے سید الناس (جو حدیث میں آیا ہے اور بدلی ہوئی صورتوں میں سید ولد آدمؑ، سید الثقلین اور سید الکونین کی شکل میں بھی دُہرایا گیا ہے۔)

عام ترجمے کے لحاظ سے اس کے معنی اُردو میں بنی آدم کے سردار اور انگریزی میں LEADER OF HUMANITY کے آتے ہیں اور کبھی کبھی HERO (جیسا کہ امیر حسن صدیقی نے اپنی انگریزی کتاب HEROES OF ISLAM میں اور کارلائل نے اپنے مقالہ HERO AS PROPHET میں اختیار کیا ہے) لیکن حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو محض LEADER یا HERO قرار دینا زیادتی ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ ترجمہ کرنے والے حضرات کو اس معاملے میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے کیونکہ یہ دونوں اصطلاحات اپنے جدید مفہوم میں (خصوصاً جدید عمرانیات میں) بعض ایسے کرداری مفہوم رکھتی ہیں جو نبی اور رسول کے رُتبے سے فروتر ہیں۔ آپؐ کا رتبہ تو بطور نبی اور رسولؐ کے بھی دوسرے انبیاء سے ارفع ہے۔ چہ جائیکہ عام اِنسانوں کے حوالے سے ہو۔ اسی لیے آپؐ کو سید الانبیاء و خاتم النبیینؐ بھی کہا گیا ہے۔ لیکن مغربی مصنفین اور ان کی تقلید میں ملکی سیرۃ نگار حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو محض لیڈر یا ہیرو کہہ کر اپنی کم فہمی کا ثبوت دیتے ہیں۔ نبی اور رسولؐ کی شانِ فضیلت اور ہے اور محض لیڈر اور ہیرو کی حیثیت یا نوعیت دوسری طرح کی شے ہے۔

یہاں میں ایک بار پھر ایک وضاحتی تجزیہ کر دوں۔

عمرانیات کی کتابوں میں لیڈر کے کئی اوصاف بیان ہوتے ہیں۔ عموماً اور قدرے ماضی میں، لیڈر شپ، اعلیٰ نسب و حسب یا اقتدار یا کثرتِ مال و دولت پر منحصر سمجھی جاتی تھی، یہ منفرد شخصیتوں پر مبنی نظریہ تھا لیکن رفتہ رفتہ اجتماعی نفسیات میں (خصوصاً وہ جس کا تعلق مادی تصورات زندگی اور گروپ کی فلاسفی سے ہے) لیڈر وہ شخص قرار پایا جو کسی جماعت یا گروہ یا اجتماع کے مادی فوائد کا علمبردار ہو کر، جماعت یا اجتماع کو مجتمع رکھنے یا اس کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس تصور کا نمائندہ مفکر (۱۹۰۶ء، ۱۹۰۷ء) یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ لیڈر شپ ہے۔

" CENTRALISATION OF EFFORT IN ONE PERSON
AS AN EXPRESSION OF THE POWER OF ALL "
(LLADBOOK OF LEADERSHIP BY R.M. STRGDILL,
1974)

میں نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے اس میں لیڈر کے اوصاف کے متعلق کم و بیش تیس بیانات موجود ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں PROPHET کے یہ عجیب و غریب معنی نظر آتے ہیں کہ PROPHET IS A LEADER BUT WITH NO ONFICE لیکن حضورؐ کے بارے میں یہ قطعاً غلط ہے، حضورؐ کی جامعیت اور اکملیت تو اتنی مکمل تھی کہ دین کے علاوہ دنیا کے تمام مناصب بھی آپؐ کی ذات میں مرکوز تھے جیسا کہ سیرۃ النبیؐ اور خطبات مدراس میں سید سلیمان ندوی نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے بہرحال دنیوی لیڈر میں لیڈر کا (مادی) تصور پایا جاتا ہے جو اپنی شخصیت کی مقناطیسیت سے یا اجتماع کے مفادات کی کامیاب وکالت سے لیڈر بن جاتا ہے لیکن نبی کے خصوصاً رسول اکرمؐ کے سلسلے میں تو یہ فائق امر واضح ہے کہ آپؐ خدا تعالیٰ کے فرستادہ تھے اور داعیاً الی اللہ باذنہٖ تھے اور ایک ایسے اجتماع میں آپؐ نے رسالت کا آغاز کیا جس کے خیالات و عقائد آپؐ سے مختلف تھے۔ اور ان میں سے اکثر نے ابتداء میں آپؐ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن حضورؐ اللہ تعالیٰ کی تائید سے کامیاب ہوئے پس آپؐ ایک معنی میں لیڈر ضرور ہوئے مگر وہ عام عمرانیاتی تصور کے لیڈر نہ تھے۔ اللہ کے رسولؐ تھے اور انھیں پیغام رسالت کے سوا کوئی دنیوی غرض یا دنیوی فائدہ (INTEREST) مدِ نظر نہ تھا

تو مقصود اس وضاحت سے یہ ہے کہ آپؐ محض لیڈر نہ تھے اور سید الناس کے وہ معنی نہیں جو اکثر ترجمہ کرنے والوں نے لکھے ہیں۔

یہی حال لفظ ہیرو کا ہے۔ جس کا کردار غیر معمولی تو ہوتا ہے لیکن ہمہ گیر اور ہمہ جہت تو نہیں ہوتا اور اب تو فن ڈراما (یا زندگی کو ڈراما سمجھنے کے تصور) نے لفظ ہیرو کی وہ شان بھی گھٹا دی ہے جو کبھی ہوا کرتی تھی۔ کارلائل نے حضورؐ کو محبت سے ہیرو کا لقب دیا ہوگا، لیکن اس کی کتاب نے بعض کم درجے کے ابطال کے ساتھ حضورؐ کو رکھا ہے جو ہمیں منظور نہیں۔

آخر میں دو گذارشات بے محل نہ ہوں گی۔ اول یہ کہ میرے تجویز کردہ موضوع کو قابلِ توجہ سمجھ کر حضورؐ کے اسماء والقاب کو سیرۃ کے ساتھ مربوط کر کے اس جگہ سے آگے بڑھانا مناسب ہوگا جس جگہ تک صالحی شامی نے اور بعد ازاں القسطلانی اور اس کے شارح الزرقانی (صاحب شرح المواہب، جلد سوم) نے اُسے پہنچایا ہے۔ کوئی نوجوان فاضل اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے کر ثواب اور اجرِ عظیم کا مستحق بنے۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ حضورؐ کی سیرۃ پر لکھنے والے یا ترجمہ کرنے والے تصنیف اور ترجمے کے وقت تقدس کی ان باریکیوں کو ضرور مدِ نظر رکھیں جن کی طرف میں نے اپنے مقالے میں اشارہ کیا ہے کیونکہ انگریزی اور (مغربی) زبانوں کا علمی محاورہ یا پس منظر سیرۃ پاک کی ارفع فضا سے مختلف ہے۔

اور اب ان سطور پر میں اپنی گذارش کو درود و سلام کے ساتھ ختم کرتا ہوں اور سامعین (و قارئین) کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فقط:

(نوٹ: اسمائے قرآنیہ باعتبار حروف تہجی اگلے صفحہ سے ملاحظہ فرمائیں)

اسمائے قرآنیہ باعتبار حروف تہجی

(الف)

اسم مبارک	مفہوم	حوالہ
۱۔ الآخِذُ الصَّدَقات	لوگوں سے صدقات وصول کرنے والے (اور انھیں راہ حق میں خرچ کرنے والے)	۹ (التوبہ) : ۱۰۳
۲۔ الآمِرُ وَالنّاہی	لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے منع کرنے والے	ماخوذ از، (الاعراف) : ۱۵۷
۳۔ احمد	سب سے زیادہ تعریف کیا ہُوا	۶۱ (الصف) : ۶
۴۔ اذن خیر	بھلائی کے کان	۹ (التوبۃ) : ۶۱
۵۔ الأُمّی	ناخواندہ	۷ (الاعراف) : ۱۵۸
۶۔ اَوَّلُ المُسلِمِین	سب سے پہلے مسلم	۶ (الانعام) : ۱۶۳
	(ب)	
۷۔ اَلبُرہان	لوگوں کے لیے اللہ کی دلیل و حجت	۴ (النساء) : ۱۷۴
۸۔ بَشَر	انسان (کامل)	متعدد مرتبہ مثلاً ۱۷ (بنی اسرائیل) : ۹۳
۹۔ بُشریٰ عیسیٰؑ	بشارت عیسیٰ (کے مصداق)	۶۱ (الصف) : ۶، نیز مستدرک حاکم ۲/۶۰۰
۱۰۔ بَشِیر	اہل ایمان کو خوشخبری دینے والے	متعدد بار، مثلاً ۲ (البقرۃ) : ۱۱۹
۱۱۔ بَیِّنَۃ	(اللہ تعالیٰ کی لوگوں پر حجت اور دلیل	۹۸ (البینۃ) ۱، ۲ (بقول بعض)
	(ت)	
۱۲۔ اَلتّالی	بعد میں آنے والے، مُتاخِر یا تلاوت کرنے والے	۱۶ (النحل) : ۱۲۳ ۲ (البقرۃ) : ۱۵۱
۱۳۔ تَذکِرَۃ	یاد دہانی (کا ذریعہ) (بقول بعض)	۶۹ (الحاقۃ) : ۴۸
	(ث)	
۱۴۔ ثانِیَ اثنَین	دو میں دوسرا	۹ (التوبۃ) : ۴۱
	(ح)	
۱۵۔ حاکِم	نفاذ حکم کرنے والے یا فیصلہ کرنے والے	۴ (النساء) : ۱۰۵

۱۶۔ حُجَّةُ البَالِغَه	(خدا تعالیٰ) کی حجتِ غالب	۶ (الانعام) ۱۴۹ بقول بعض
۱۷۔ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ	لوگوں کے ایمان پر حریص، اہلِ ایمان کے فائدے اور خیر خواہی پر حریص	۹ (التوبۃ) : ۱۲۸
۱۸۔ اَلْحَکِیْم	دانا اور صاحبِ حکمت و فراست	ماخوذ از ۶۲ (الجمعہ) : ۲
	(خ)	
۱۹۔ خَاتَمُ النَّبِیّٖن	نبیوں کی مہر نبوت	۳۳ (الاحزاب) : ۴۰
۲۰۔ خَافِضٌ	جابر و ظالم لوگوں کی گردنیں جھکانے والے	
	یا	
	اہلِ ایمان کے لیے اپنے رحمت کے پَر بچھانے والے	ماخوذ از ۲۶ (الشعرآء) : ۲۱۵
	(د)	
۲۱۔ دَاعِیٌ اِلَی اللّٰہ	اللہ کی طرف دعوت دینے والے	۳۳ (الاحزاب) : ۴۶
۲۲۔ دَانِیٌ	حق کا قرب پانے والے	ماخوذ از ۵۳ (النجم) : ۸
۲۳۔ دَعْوَةُ اِبْرَاھِیْم	دعائے ابراہیمؑ (کا مصداق)	۲ (البقرۃ) : ۱۲۹ کے مصداق، مستدرک حاکم، ۲ / ۶۰۰،
	(ذ)	
۲۴۔ الذَّاکِر	ہر وقت خدا تعالیٰ کو یاد رکھنے والے	ماخوذ از ۷ (الاعراف) : ۲۰۵
۲۵۔ ذُو الْخُلُقِ الْعَظِیْم	عظیم اور بے مثال اخلاق والے	ماخوذ از ۶۸ (القلم) : ۴
۲۶۔ ذُو السَّکِیْنَه	صاحبِ سکینہ (۔ رحمت خداوندی کا نزول)	ماخوذ از ۴۸ (الفتح) : ۲۶
۲۷۔ ذُو الْفُتُوْح	فتح و کامرانی والے	ماخوذ از ۴۸ (الفتح) : ۱
۲۸۔ ذُو الْقُوَّة	صاحبِ قوۃ و استطاعت	۸۱ (التکویر) (بقول بعض) : ۱۹ ۔ ۲۰
۲۹۔ ذُو الْمَقَامِ الْمَحْمُوْد	مقام محمود پر فائز ہونے والے	ماخوذ از ۱۷ (بنی اسرائیل) : ۷۵
	(ر)	
۳۰۔ رَاضِی	راضی برضائے الٰہی	ماخوذ از ۹۳ (الضحیٰ) : ۵
۳۱۔ رَاغِب	پروردگار کی طرف متوجہ ہونے والے	ماخوذ از ۹۴ (الانشراح) : ۸
۳۲۔ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن	تمام جہانوں کے لیے ذریعہ رحمت	۲۱ (الانبیآء) : ۱۰۷
۳۳۔ اَلرَّسُوْل	رسولِ کامل	متعدد مرتبہ مثلاً ۵ (المائدہ) : ۶۷

۳۴ - رَسُولُ الله	اللہ کے رسولؐ (کامل)	متعدد مرتبہ مثلاً ۴۸ (الفتح) : ۲۹
۳۵ - رَفِیعُ الذِّکْر	بلند ذکر	ماخوذ از ۹۴ (الانشراح) : ۴
۳۶ - رَفِیعُ الدَّرَجَات	بلند درجات والے	ماخوذ از ۶ (الانعام) : ۱۶۵
	(س)	
۳۷ - السَّاجِد	خدا کے حضور جھکنے والے	ماخوذ از ۷۶ (الدہر) : ۲۶
۳۸ - اَلسِّرَاجُ المُنِیر	روشن چراغ (= آفتاب)	۳۳ (الاحزاب) : ۴
	(ش)	
۳۹ - شَاهِد	گواہ	۳۳ : (الاحزاب) ۴۵
	(ص)	
۴۰ - صَابِر	راہِ حق و صداقت میں پامردی دکھانے اور مصائب پر صبر کرنے والے	ماخوذ از ۱۶ (النحل) : ۱۲۷، ۵۲ (الطور) : ۴۸ ؎
۴۱ - صَاحِبِ کوثر	صاحبِ خیرِ کثیر (یا) حوضِ کوثر والے	۱۰۸ (الکوثر) : ۱
۴۲ - صَاحِبُ الاِسْرَاء	شب میں سفر (اسراء) کرنے والے	۱۷ (بنی اسرائیل) : ۱
	(ظ)	
۴۳ - الظَّاهِر	غالب و قوی	ماخوذ از ۴۸ (الفتح) : ۲۸
	(ع)	
۴۴ - عابد	عبادت گزار	ماخوذ از ۱۵ (الحجر) : ۹۹
۴۵ - عامل	عمل کرنے والے	۳۹ (الزُّمر) : ۳۹
۴۶ - عَائِلاً	اللہ تعالیٰ کی مدد کے محتاج	۹۳ (الضحیٰ) : ۸
۴۷ - العَبد یا عبدہٗ	عبدِ کامل	۱۷ (بنی اسرائیل) : ۱
۴۸ - عَبدُالله	اللہ کے عبد (کامل)	۷۲ (الجن) : ۱۹
۴۹ - عَزِیز	غالب و قوی	ماخوذ از ۶۳ (المنافقون) : ۸
۵۰ - عَزِیزٌ عَلَیہِ مَاعَنِتُّم	تمہارا مشقت میں پڑنا آپ پر گراں ہے یعنی تم پر مہربان	۹ (التوبۃ) : ۱۲۸
	(غ)	
۵۱ - غَنِی	دوسروں کی مدد سے بے پروا	ماخوذ از (الضحیٰ) : ۸

(ف)

۵۲ - الفاتح	فتح و کامرانی سے ہمکنار	ماخوذ از ۴۸ (الفتح) : ۱

(م)

۵۳ - المؤیّد	تائیدِ ایزدی سے بہرہ ور	ماخوذ از ۹ (الانفال) : ۶۲
۵۴ - المؤمن	اللہ پر کامل ایمان رکھنے والے	ماخوذ از ۷ (الاعراف) : ۶۲
۵۵ - اَلمُبَشِّر	اہلِ ایمان کو رحمتِ حق کی بشارت دینے والے	۹ - (التوبۃ) : ۲۴
۵۶ - اَلمُبَلِّغ	تبلیغ کرنے والے	۵ (المائدۃ) : ۶۷
۵۷ - اَلمُتَبَتِّل	اپنی عبادت کو خالص اللہ کے لیے کرنے والے	۷۳ (المزمل) : ۸
۵۸ - اَلمُتَّبِع	اتباع کیے گئے	ماخوذ از ۷ (الاعراف) : ۱۵۸
۵۹ - اَلمُتَرَبِّص	امرِ خداوندی کا انتظار کرنے والے	ماخوذ از ۵۲ (الطور) : ۳۱
۶۰ - اَلمُتَہَجِّد	شب بیداری کرنے والے	ماخوذ از ۱۷ (بنی اسرائیل) : ۷۹
۶۱ - اَلمُتَوَکِّل	ذاتِ حق پر ہمیشہ توکل کرنے والے	۲۵ (الفرقان) : ۵۸
۶۲ - اَلمُجَاہِد	راہِ حق میں کوشش بلیغ صرف کرنے والے یا کفار سے جہاد کرنے والے	ماخوذ از ۹ (التوبۃ) : ۷۳
۶۳ - اَلمُحَرِّض	دوسروں کو جہاد (اور دیگر احکام خداوندی کی تعمیل) پر آمادہ کرنے والے اور رغبت دینے والے	۸ (الانفال) : ۶۵
۶۴ - مُخلِص	صاحبِ خلوص و للّٰہیّت	۳۹ (الزمر) : ۱۴
۶۵ - اَلمُدَّثِّر	چادر اوڑھ کر استراحت فرمانے والے	۷۴ (المدّثّر) : ۱
۶۶ - اَلمُذَکِّر	دوسروں کو نصیحت اور یاد دہانی کرانے والے	۸۳ (الغاشیۃ) : ۲۱
۶۷ - اَلمُزَّمِّل	چادر میں لپٹ کر لیٹنے والے	۷۳ (المزمّل) : ۱
۶۸ - اَلمُرَتِّل	قرآن کو ترتیل سے پڑھنے والے	۷۳ (المزمّل) : ۴
۶۹ - اَلمُرسَل	خدا کی جانب سے فرستادہ	۱۳ (الرعد) : ۴۳
۷۰ - اَلمُزَکِّی	تطہیرِ قلوب کرنے والے	۲ (البقرۃ) : ۱۲۹
۷۱ - اَلمُسَبِّح	تسبیح پڑھنے والے	ماخوذ از ۱۱۰ (نصر) : ۳
۷۲ - اَلمُستَغفِر مِن غَیرِ اِثم	باوجود گناہ نہ ہونے کے خدا سے مغفرت مانگنے والے	(ایضاً)
۷۳ اَلمُستَقِیم	راہِ حق پر سیدھا رُخ رکھنے والے	ماخوذ از ۱۰ (ہود) : ۱۱۲

۷۴ ۔ اَلْمُطَاع	اطاعت کیے گئے	ماخوذ از ۴ (النساء) : ۸۰
۷۵ ۔ اَلْمَعْصُوْم	گناہوں سے پاک و صاف کیا لوگوں کے شر سے محفوظ	۵ (المائدہ) : ۶۷
۷۶ ۔ مُتَلَقِّی الْقُرْآن	قرآن حکیم کی نعمت عطا کیے جانے والے	۲۷ (النمل) : ۶
۷۷ ۔ اَلْمُنَادِی	حق کی آواز بلند کرنے والے	۳ (آل عمران) : ۱۹۳
۷۸ ۔ اَلْمُنْذِر	لوگوں کو عذابِ الٰہی کی وعید سے ڈرانے والے	۱۳ (الرعد) : ۷
۷۹ ۔ اَلْمَهْدِیّ	ہدایت یافتہ	ماخوذ از ۴۸ (الفتح) : ۲ ۔ حسان بن ثابت کا شعر ہے : جزعًا علی المهدیّ اصبح شافیًا یا خیر من وطیٔ الحصا لا تبعد
۸۰ ۔ اَلْمولی	مومنوں کے آقا	۳۳ (الاحزاب) : ۶، البخاری ۴/۱۳۵، کتاب الفرائض

(ن)

۸۱ ۔ نذیر	عذابِ الٰہی کا ڈر سنانے والے	متعدد مرتبہ مثلاً ۳۳ (الاحزاب) : ۴۵
۸۲ ۔ نعمۃ اللہ	اللہ کا عظیم احسان	۱۶ (النحل) : ۸۳ نیز ۳ (آل عمران) : ۱۶۴
۸۳ ۔ النور	حق کی روشنی	۶ (المائدۃ) : ۱۵

(ھ)

۸۴ ۔ ھادیِ اعظم	ہدایت دینے والے	۴۲ (الشوریٰ) : ۵۲
۸۵ ۔ یتیم	بے باپ پرورش پانے والے یا گوہرِ نایاب	۹۳ (الضحیٰ) : ۶

(ی)

۸۶ ۔ یٰسین		۳۶ (یٰسین) : ۱

اسمائے مبارکہ مذکورہ کتب احادیث و سیر

(ب)

اسمِ مبارک	ترجمہ	حوالہ
۱ ۔ الابرّ	سب سے زیادہ نیکوکار اور سچا	سُبل الھدیٰ، ۱ : ۵۱۶

۲ - الأَبْطَحِيّ	ابطح (وادی مکہ) کی طرف نسبت	سبل الھدیٰ، ۱ : ۵۱۶
۳ - اَلأَبْلَجُ	خندہ رو، یا صاحب جود و کرم وغیرہ	ایضاً ۵۱۷
۴ - اَلأَبْيَضُ	سفید رنگ، دریا دل سخی۔ ابوطالب کے قصیدے کا مشہور شعر ہے :- وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ	ایضاً
۵ - اَلأَتْقَى	سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار	مسلم شریف (مرفوعاً)
۶ - اَلأَجود	جوّاد اور سخی	
اور أَجْوَدُ النَّاسِ	لوگوں میں سے سب سے زیادہ سخی	البخاری، (کتاب بدء الوحی)
۷ - اَلأَجَلّ	جلیل و عظیم	سبل الھدیٰ، ۱ : ۵۲۰
۸ - اَلأَحْسَنُ	متناسب الاعضاء، جامع صفات کمال حسان بن ثابت کے قصیدے کا ایک شعر ہے : وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ	حدیث انس، البخاری و مسلم
۹ - الآخِذُ الحُجُزَات	آتش جہنم میں گرنے والوں کو کپڑوں سے پکڑ کر پیچھے کو کھینچنے اور روکنے والا۔	متفق علیہ
۱۰ - الاخشٰى لِلّٰهِ	خدا تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا	سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب ۳۶، و مسلم، کتاب الصیام، حدیث ۷۴، ۷۹ -
۱۱ - الأَدْعَجُ	آنکھ کی کالی سیاہ پتلیوں والا	سبل الھدیٰ، ۱ : ۵۲۴
۱۲ - اَلأَدْوَمُ	(اللہ کی اطاعت پر) مداومت کرنے والا	ماخوذ از صحیح البخاری ۴/۱۰۲، (مطبوعہ مطبع الامیریہ) و مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، حدیث ۲۱۷ -
۱۳ - اَلأَرْجَحُ	دوسروں پر اپنے علم و فضل کی وجہ سے بڑھا ہوا	ماخوذ از حدیث عبداللہ بن عتبہ، سبل الھدیٰ، ۱ : ۴۷۵، ۵۲۹

۱۴۔ اَلْاَرْحَمُ	لوگوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا	سبل الہدای ، ۱ : ۵۲۷
۱۵۔ اَلْاَزْکیٰ	لوگوں میں سب سے زیادہ پاک و صاف	حوالۂ مذکور
۱۶۔ اَلْاَزْھَرُ	جسمانی رونق اور آب و تاب والا	ماخوذ از مسلم، کتاب الفضائل، حدیث ۱۱۳ ۔
۱۷۔ اَلْاَسَدُّ	لوگوں میں سب سے زیادہ سیدھا اور مستقیم	سبل الہدای ، ۱ : ۵۲۷
۱۸۔ اشجع النّاس	لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر	متفق علیہ
۱۹۔ الاشدّ حیاءً	لوگوں میں سب سے زیادہ شرم و حیا والے	البخاری
۲۰۔ اَلْاَصْدَقُ	حق پر قوی ہو کر ثابت قدم رہنے اور سب سے زیادہ سچ بولنے والے ۔	سبل الہدای ، ۱ : ۵۲۸
۲۱۔ اَلْاَطْیَبُ	لوگوں میں سب سے فضیلت ، شرف اور خوشبو والے	سبل الہدای ، ۱ : ۵۲۸
۲۲۔ اَلْاَعَزُّ	کثیر العزہ ، کثیر الغلبہ اور کثیر الفتوہ	ایضاً
۲۳۔ اَلْاَعْظَمُ	اپنی ذات اور صفات میں درجۂ عظمت پر فائز	ایضاً
۲۴۔ اَلْاَعْلیٰ	لوگوں میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ	سبل الہدای ، ۱ : ۵۲۹
۲۵۔ اَلْاَعْلَمُ بِاللّٰہِ	ذات و صفاتِ الٰہیہ کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا	البخاری
۲۶۔ اَلْاَغَرُّ	شریف ، کریم اور برگزیدہ	ماخوذ از قصیدہ حسان بن ثابت دیوان ، ۴۷
۲۷۔ اَفْصَحُ الْعَرَبِ	اہل عرب میں سب سے زیادہ فصیح اللسان	سبل الہدای ، ۱ : ۵۲۹
۲۸۔ اکثر الانبیا تبعاً	انبیاء کرام میں سب سے زیادہ متبع رکھنے والے	مسلم ، کتاب الایمان ، حدیث ۲۳۹ ، البخاری ، کتاب الاعتصام و کتاب فضائل القرآن
۲۹۔ اَلْاَکْرَمُ	دوسروں سے زیادہ جود و کرم والے	الترمذی ، ۲ / ۲۸۳ ، الدارمی ، سنن ، ۱ / ۲۶ ،
۳۰۔ اَکْرَمُ وُلْدِ اٰدم	اولادِ آدمؑ میں سب سے زیادہ معزز و مکرم	
۳۱۔ اَلْاِمَامُ	جس کی بھلائی وغیرہ کے امور میں متابعت کی جائے قصیدہ حسان بن ثابت کا ایک شعر ہے :	امام تھم یھدیھم الحق جاھداً معلم صدق ان یطیعوہ یھتدوا دیوان ، ص ۵۵

۳۲ ۔ اِمَامُ الْخَیْرِ	بھلائی کے امام	ابن ماجہ حدیث : ۹۰۶
۳۳ ۔ امام العالمین	جہانوں کے پیشوا	سبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۳۳
۳۴ ۔ امام المُتَّقِین	پرہیزگاروں کے امام	ایضاً
۳۵ ۔ امام النّاس	تمام لوگوں کے رہنما	ایضاً
۳۶ ۔ الآمِنُ	صاحب امن و عافیت	سبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۳۵
۳۷ ۔ اَلْاَمِیْن	صاحب قوّت اور پاسدارِ امانت	مسلم ، کتاب الزّکوٰۃ حدیث ۱۴۳ ، ۱۴۴
۳۸ ۔ اَلْمَأمُوْن	امانت دار	سبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۳۶
۳۹ ۔ اَوْفَی النَّاسِ ذِمامًا	اپنی ذمہ داری کو لوگوں میں سب سے زیادہ ادا کرنے والے ۔	قصیدہ حسان بن ثابت کا شعر ہے : وما حملت من ناقۃٍ فوق رحلھا اَبرّ واوفیٰ ذمۃً من محمّدٍ
۴۰ ۔ اَلْاَوْسَط	صاحب عدل و انصاف یا ہر چیز سے برتر و برگزیدہ	سبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۳۷ کسی شاعر نے کہا ہے : یا اوسط النّاس طُرًّا فی تفاخرھم وفی تفاضلھم یا اشرف العرب
۴۱ ۔ اَلْاَوَّلُ	دوسروں پر سابق اور متقدم	سبل الہدیٰ ، بحوالہ بیہقی
۴۲ ۔ اَوَّلُ شَافِع	سب سے پہلے بارگاہِ ایزدی میں شفاعت کرنے والے	مسلم، کتاب الفضائل، حدیث ۳
۴۳ ۔ اوّل مُشَفَّع	سب سے پہلے شفاعت قبول کیے جانے والے	ایضاً
۴۴ ۔ اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْض	جس کے لیے سب سے پہلے زمین شق ہوگی	ایضاً

(ب)

۴۵ ۔ اَلْبَارِع	اپنے ہم عصروں میں علم و فضل کے اعتبار سے ممتاز	سبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۴۰
۴۶ ۔ اَلْبَارْقلیط	حق اور باطل میں امتیاز پیدا کرنے والے یا تعریف کرنے والے	سبل الہدیٰ ، بحوالہ انجیل
۴۷ ۔ اَلْبَاھِر	منوّر و روشن	سبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۴۱
۴۸ ۔ اَلْبِرّ	سرچشمہ نیکی ، احسان ، طاعت اور سچائی وغیرہ ۔	سبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۴۲

	(ت)	
۴۹ ۔ التِّهامِي	وادی تہامہ (سرزمین مکہ) کے رہنے والے	سبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۴
	(ث)	
۵۰ ۔ الثِّمال	لوگوں کا ماوای وملجا ، مددگار وغیرہ	ابوطالب کے حسب ذیل شعر سے ماخوذ: وَاَبیَضَ یُستَسقِی الغَمامُ بِوَجهِہٖ ثِمالُ الیَتامیٰ عِصمَةٌ لِلاَرامِلِ (ابن ہشام ، ۱ : ۲۹۵)
	(ج)	
۵۱ ۔ اَلْجَلِيْل	صاحب جلالت وعظمت	سبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۴۷
۵۲ ۔ اَلْجَوَاد	صاحب جود وکرم	ایضاً
	(ح)	
۵۳ ۔ اَلْحَاشِرُ	جس کے پیچھے لوگوں کو جمع کیا جائے	مسلم کتاب الفضائل
۵۴ ۔ اَلْحَامِدُ	اللہ تعالیٰ کی ، جیسا کہ وہ ہیں ، تعریف بیان کرنے والے	سبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۴۹
۵۵ ۔ حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ	روزِ محشر میں عَلَم حمد اُٹھانے والے	الترمذی ، ۲ / ۲۸۲
۵۶ ۔ حَبِيْبُ الله	اللہ تعالیٰ کے محبوب	سبل الہدیٰ، ۱ : ۵۵۰ تا ۵۵۱
۵۷ ۔ اَلْحِجَازِيُّ	سرزمین حجاز کے باشندے	ایضاً ۵۵۲
۵۸ ۔ حُجَّةُ الله عَلَى الْخَلَائِقِ	لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت	ایضاً
۵۹ ۔ حِرْزُ الْاُمِّيِّيْن	لوگوں کو بُرائی سے روکنے والے اور ان کے امین محافظ	البخاری، ۲/۱۲، کتاب البیوع ۔
۶۰ ۔ اَلْحَلِيْمُ	حلیم اور بُردبار	ابوطالب کے حسب ذیل شعر سے ماخوذ: حلیم رشید عادل غیر طائش یوالی اِلٰها لیس عنه بغافل (ابن ہشام ، ۱/ ۲۹۹)
۶۱ ۔ اَلْحَمِيْدُ	تعریف کرنے والے یا تعریف کیے جانے والے	سبل الہدیٰ : ۵۵۷
۶۲ ۔ خَطِيْبُ النَّبِيِّيْنَ	خطیب الانبیاء	الترمذی ، ۲ / ۲۸۲

۶۳ ۔ خَلِیْلُ اللّٰہِ	اللہ کے خاص دوست	مسند احمد ، ۲/ ۴۶۲
۶۴ ۔ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ	اللہ کے اِس دنیا میں نائب	سبل الہدای ، ۱: ۵۶۲ تا ۵۶۳
۶۵ ۔ خَیْرُ الْاَنَام	لوگوں میں سب سے بہتر	ایضاً
۶۶ ۔ خَیْرُ الْاَنْبِیَاءِ	انبیاء میں سب سے بہتر	ایضاً ۵۶۳ تا ۵۶۴
۶۷ ۔ خَیْرُ الْبَرِیَّہ	مخلوقِ خدا میں سب سے بہتر	ایضاً ۵۶۴
۶۸ ۔ خَیْرُ النَّاس	لوگوں میں سب سے بہتر	ایضاً

(د)

۶۹ ۔ دَعْوَۃُ اِبْرَاھِیْم	ابراہیم کی دُعا	مستدرک حاکم ، ۲/ ۶۰۰

(ذ)

۷۰ ۔ ذَکَّارًا	کثرت سے ذکر کرنے والے	مسند احمد بن حنبل ، ۱/ ۲۲۷
۷۱ ۔ ذُوطَیْبَہ	اورِ طیبہ والے	سبل الہدای ، ۱/ ۵۶۹

(ر)

۷۲ ۔ اَلرَّاجِیْ	اُمیدوں کا مادی	ایضاً ۵۷۱
۷۳ ۔ رَاکِبُ الْبُرَاق	شبِ معراج میں براق کے سوار	ایضاً ۵۷۲
۷۴ ۔ اَلرَّجِل	گھنگھریالے بالوں والے	سبل الہدای ۱ : ۵۷۲
۷۵ ۔ رحمۃ مھداۃ	ہدایت کا ذریعہ بننے والی رحمت	الجامع الصغیر، للسیوطی ، ۱: ۳۴۸
۷۶ ۔ اَلرَّشِیْد	راہِ مستقیم کی ہدایت دینے والے	سبل الہدای ، ۱ : ۵۸۰
۷۷ ۔ رَھَّاب	خدا تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے	ابن ماجہ ، حدیث ۳۸۳۰

(ز)

۷۸ ۔ زَعِیْمُ الْاَنْبِیَاء	سردارِ انبیاء	ابو داؤد ۲/ ۲۸۷ ، کتاب الادب فی حسن الخلق

(س)

۷۹ ۔ سابق العرب	عربوں کا پیشرو	الجامع الصغیر للسیوطی ، ۱/ ۳۶۳
۸۰ ۔ سدید	راہِ مستقیم پر گامزن	سبل الہدای ، ۵۷۹
۸۱ ۔ السُّلطان	قوی اور غالب	ایضاً ، ص ، ۵۸۱
۸۲ ۔ السَّیِّد	سردار رئیس ، جس کی طرف لوگ ضرورت کے وقت رجوع کریں	ایضاً ۵۸۲

۸۳ ۔ سَیِّدُ الثَّقَلَین	جن و انس کے سردار	سبل الہدیٰ ، ۵۷۹
۸۴ ۔ سیّد الکونین	دونوں جہانوں کے سردار	ایضاً
۸۵ ۔ سَیِّدُ وُلدِ آدم	اولادِ آدمؑ کے سردار	الترمذی ، ۲ / ۲۸۱
۸۶ ۔ سَیِّدُ النَّاسِ	لوگوں کے سردار	مسلم، کتاب الایمان، حدیث ۳۲۷
	(ش)	
۸۷ ۔ الشَّارع	احکام خداوندی کا جاننے والا ، یا دین قیم کو بیان کرنے والا	سبل الہدیٰ ، ۵۸۴
۸۸ ۔ الشَّفِیع	شفاعت کنندہ	ایضاً
۸۹ ۔ شَکَّارٌ	اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرنے والے	ابن ماجہ حدیث ۳۸۳۰، کتاب الدعا
۹۰ ۔ شَکُورٌ	شکرگذار بندہ	البخاری، ۱/۱۴۷، باب التہجد
۹۱ الشَّمس	سورج	سُبُل الہدیٰ ، ۱ : ۵۸۷
۹۲ صاحبُ الآیات المعجزات	معجزات اور آیات بینات والے	سُبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۹۰
۹۳ ۔ صاحبُ التَّاج	صاحب تاج	ایضاً
۹۴ ۔ صاحبُ الرِّداء	چادر (رحمت) والے	ایضاً ، ۵۹۱
۹۵ ۔ صاحبُ السَّیف	صاحب سیف	مسند احمد حدیث ، ۵۶۶۷
۹۶ ۔ صاحبُ الشَّفاعة العظمیٰ	شفاعت عظمیٰ پر فائز	سبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۹۲
۹۷ ۔ صاحبِ محشر	محشر والے	ایضاً
۹۸ ۔ صاحبُ المِعراج	معراج والے	ایضاً ، ۵۹۳
۹۹ ۔ الصَّادق	ہمیشہ سچ بولنے والے	البخاری
۱۰۰ ۔ الصَّبُور	مصائب پر صبر کرنے والے	سبل الہدیٰ ، ۱ : ۵۹۴ - ۵۹۵
۱۰۱ ۔ الصَّدُوق	بار بار صدق اور اخلاص کا مظاہرہ کرنے والے	ایضاً ، ۵۹۵
۱۰۲ ۔ الصَّفُوح	عفو و درگذر کرنے والے	ابن ماجہ ، حدیث ، ۲۱۵۳ ، کتاب الزہد

۱۰۳ - الضّیاء	پُرنور اور ہمہ گیر نور	عمرو بن معدیکرب آپؐ کی شان میں کہتے ہیں : حکمة بعد حکمة و ضیاء قد هدینا بنورها مَنْ عمانا
(ط)		
۱۰۴ - الطّاہر	پاک وصاف ہستی	سبل الہدای ۱ : ۵۹۸ (طہارت کے دس معنوں کے لیے دیکھیے کتاب مذکور)
۱۰۵ - الطبیب	جسم اور نفس کا علاج کرنے والے	ایضاً ، ۵۹۸
۱۰۶ - الطّہور	بہت زیادہ پاک وصاف	ایضاً
۱۰۷ - العارف	اللہ کو صحیح طور پر پہچاننے والے یا صبور	سبل الہدای ، ۱ : ۶۰۰ تا ۶۰۱
۱۰۸ - اَلعَالِمُ	دنیوی اور اخروی حقائق سے آگاہ	ایضاً ، ص ، ۶۰۲
۱۰۹ - اَلعَلِیمُ	(عالم کی صفت مبالغہ)	سبل الہدای ۱ : ۶۰۲
۱۱۰ - اَلعَدْل	مجسّمہ عدل و انصاف	ایضاً ، ۶۰۳
۱۱۱ - اَلعِصْمَةُ	ہر قسم کے گناہ سے محفوظ	الخصائص الکبریٰ للسیوطی، ۱/ ۳۱۰ حسان بن ثابت کے حسب ذیل شعر سے ماخوذ : عطوف علیهم لا یثنی جناحه الی کنف یحنو علیهم و یمهد (ابن ہشام، ۴/ ۳۱۸)
۱۱۲ - العظیم	بہت بلند مرتبہ	سبل الہدای ، ۱ : ۶۰۶
۱۱۳ - العفوّ	بہت زیادہ معاف کرنے والے	حسّان بن ثابت کا شعر ہے : عفو عن الزلّات یقبل عذرهم وان احسنوا فَاللّٰه بالخیر اَجْوَد (سیرۃ ابن ہشام ۴ / ۳۱۸)
۱۱۴ - اَلعَفِیْف	لوگوں میں سب سے زیادہ عفت و عصمت والے	سبل الہدای ۱ : ۶۰۷
۱۱۵ - العِمَاد	مصائب اور ضرورت کے وقت لوگوں کی پناہ گاہ	ایضاً

۱۱۶ ۔ الغالب	غالب و قاہر	سبل الہدی ، ۱ : ۶۰۹
۱۱۷ ۔ الفائق	بلند و برتر	ایضاً ، ۶۱۱
۱۱۸ ۔ الفرط	پانی تلاش کرنے کے لیے آگے بھیجا ہوا ۔ مقدمۃ الجیش	البخاری ۴ / ۵)۱۱
۱۱۹ ۔ الفہیم	سریع الفہم	سبل الہدی ۱/ : ۶۱۳
۱۲۰ ۔ فئۃ المسلمین	مسلمانوں کی جماعت	ابو داؤد ، ۱ / ۲۶۱ ، کتاب الجہاد الترمذی ، ۱ / ۳۲۰

(ق)

۱۲۱ ۔ القاری	سخی اور فیاض	البخاری ، ۱/۳ ، مسلم حدیث ۲۵۳ کتاب الایمان
۱۲۲ ۔ القاسم	تقسیم کنندہ	البخاری
۱۲۳ ۔ القائد	قائد ، سردار	الترمذی ، ۲ / ۲۸۲
۱۲۴ ۔ قائد الخیر	قائد خیر	ابن ماجہ
۱۲۵ ۔ القرشی	قریش کی طرف نسبت	سبل الہدی ، ۱ : ۶۱۷
۱۲۶ ۔ الکریم	شریف اور سخی	سبل الہدی ، ۱ : ۶۱۹
۱۲۷ ۔ اللبیب	ذہین و فطین	ایضاً ، ۶۲۰
۱۲۸ ۔ الماحی	کفر کو مٹانے والے	بخاری و مسلم
۱۲۹ ۔ المأمون	قابل اعتبار و امانت	سبل الہدی ، ۱ ، ۶۲۱
۱۳۰ ۔ المبارک	صاحب برکت وغیرہ	حسان بن ثابت کا شعر ہے : صلی الالٰہ ومن یحف بعرشہ والطیبون علی المبارک احمد (دیوان : ۵۸)

۱۳۱ ۔ المبتہل	اللہ کے حضور عاجزی اور تضرع اختیار کرنے والے	سبل الہدی ، ۱ : ۶۲۳
۱۳۲ ۔ المبعوث بالحق	پیغام حق دے کر بھیجے جانے والے	ایضاً
۱۳۳ ۔ المتقن	حاذق ، عقلمند ، ذکی وغیرہ	ایضاً ، : ۶۲۵
۱۳۴ ۔ المتقی	پرہیزگار	سبل الہدای ، ۱ : ۶۲۵
۱۳۵ ۔ المتمم لمکارم الاخلاق	اخلاق حسنہ کی تکمیل کرنے والے	موطا ، باب حسن الخلق ، مسند احمد ابن حنبل وغیرہ ۔

۱۳۶۔ المجتبیٰ	منتخب اور برگزیدہ	سبل الہدیٰ، ۱ : ۶۲۷
۱۳۷۔ المجتہد	مقاصد معلومہ کے لیے جدوجہد کرنے والے	ایضاً
۱۳۸۔ المحمود	بے پناہ تعریف کیے ہوئے	حسان بن ثابت کا شعر ہے : فاصبح محمود الی اللہ راجعاً یبکیہ حق المرسلات و یحمد (دیوان حسان، ص : ۴۷)
۱۳۹۔ المختصّ بالقرآن	دوسروں پر قرآن کی بناء پر فضیلت رکھنے والے	سبل الہدیٰ، ۱ : ۶۲۹
۱۴۰۔ المدنی	صاحبِ مدینہ	ایضاً ۶۳۰
۱۴۱۔ مدینۃ العلم	شہرِ علم	الترمذی، ۲/۲۹۹ کتاب المناقب
۱۴۲۔ اَلْمُرتجیٰ	لوگوں کی اُمیدگاہ	سبل الہدیٰ، ۱ : ۶۳۱
۱۴۳۔ اَلْمُرتضیٰ	اپنے رب کے محبوب اور پسندیدہ	ایضاً ۶۳۲
۱۴۴۔ اَلْمُرشِد	ہادی	ایضاً
۱۴۵۔ اَلْمُصَدَّق	سچے تسلیم شدہ	ایضاً ۶۳۸
۱۴۶۔ اَلْمُصْطَفیٰ	منتخب و برگزیدہ	ایضاً
۱۴۷۔ اَلْمُعَلِّم	خیر اور بھلائی کی تعلیم دینے والے	(الدارمی، ابن ماجہ، حدیث ۲۲۹
۱۴۸۔ اَلْمُعِین	ضعیفوں اور بے آسرا لوگوں کی مدد کرنے والے	البخاری، ۱/۳
۱۴۹۔ اَلْمُقسِط	انصاف کرنے والے	سبل الہدیٰ، ۱ : ۶۴۳
۱۵۰۔ اَلْمُقفّیٰ	جس کے بعد اور کوئی نبی نہ آسکے	کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۱۲۱
۱۵۱۔ اَلْمُوْقِن	دعوتِ اسلام پر پختہ یقین رکھنے والے	سبل الہدیٰ، ۱ : ۶۵۰
۱۵۲۔ اَلنَّاسِخ	سابقہ شرائع کو منسوخ کرنے والے	ایضاً ۶۵۲
۱۵۳۔ نبی الرّاحۃ	آرام و آسائش والے نبی	ایضاً ۶۵۴
۱۵۴۔ نبی الرّحمۃ	رحمت والے نبی	ایضاً
۱۵۵۔ نجی اللہ	اللہ تعالیٰ سے مناجات (سرگوشی) میں گفتگو کرنے والے	ایضاً ۶۵۵
۱۵۶۔ ھاشمی	خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ	ایضاً ۶۵۹
۱۵۷۔ الھدیٰ	سرچشمہ ہدایت	ایضاً ۶۶۰
۱۵۸۔ اَلْوَافِی	اپنی ظاہری اور باطنی صفات میں مکمل	ایضاً ۶۶۱

ادبِ قبل از اسلام میں ذکرِ رسولؐ

سید آلِ احمد رضوی

جب سے انسان نے اس عالمِ رنگ و بو میں قدم رکھا ہے۔ اس وقت سے دنیا کے تمام خطوں، معاشروں اور قبائل اور بلاد و امصار میں مختلف اوصاف و کمال کے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کچھ نے اپنے کارناموں کی وجہ سے تاریخ انسانیت پہ گہرے نقوش ثبت کیے۔ بعض نے مقامی طور پر شہرت حاصل کی اور بعض اپنی تمام تر خوبیوں کے باوصف وقت کے دھارے کے ساتھ بہہ گئے۔ کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ بہرحال یہ سب عظیم شخصیتیں تھیں۔ جنہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ان میں بعض کا تعلق سائنس سے تھا بعض کا فنون سے۔ بعض مصلح تھے اور بعض محض کاروباری۔ بعض نے سوزنِ عقل سے چاک گریبانوں کی رفوگری کا کام کیا بعض نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا۔ بعض نے آسمانی بجلی، قوت اور خیرگی سے متاثر ہو کر پانی کی سیلابی قوت کو تسخیر کر کے بجلی کے قوی ہیکل دیو کو انسان کی خدمت پر مامور کر دیا۔ جس کے دم قدم سے آج عالمِ انسانیت بقعۂ نور بنا ہوا ہے اور انسانی ضروریات کی لاتعداد اشیاء پیدا ہو رہی ہیں۔ کسی نے طب کی دنیا میں انقلاب برپا کیا۔ کسی نے جراحت میں بڑا نام پایا کسی نے شعر و ادب سے انسانی جذبات کی ترجمانی کی۔ کسی نے شعر کو نغمے میں ڈھال کر موسیقی کو جنم دیا۔ جو ہمارے اذہان اور پژمردہ قلوب کے لیے اکسیر کا کام کرتی ہے۔ غرضیکہ زندگی کے مختلف شعبوں میں مختلف باہنر اور باصلاحیت لوگوں نے انسان کی خدمت کی اور لوگ ان سے ان شعبوں کی حد تک متاثر بھی ہوتے رہے لیکن ان تمام مادی ترقیوں اور آسائشوں کے باوجود انسان کو ہر دور میں ایسی شخصیت کی ضرورت رہی جو اسے ذہنی سکون، قلبی اطمینان اور روحانی بالیدگی دے سکے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان تمام شخصیتوں اور کیفیتوں کے درمیان ہر دور میں ایسی شخصیات جنم لیتی رہی ہیں۔ جنہوں نے انسان کی آسودگی اور رفاہیت کے لیے کام کیا۔ یہ مصلحین اور انبیاء علیہم السلام کی جماعت تھی۔

اس مقدس جماعت کے سامنے بہت سی مشکلات رہیں۔ خاص طور پر ازمنہ قدیم میں جب عقلِ انسانی محدود تھی، ذرائع حمل و نقل اور ابلاغ مسدود تھے۔ دنیا کا رقبہ وسیع لیکن آبادی کم اور منتشر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا پیغام نہ تو آفاقی تھا اور نہ عالمگیر ان سب نے اپنی اپنی جگہ پیغامِ حق سنایا اور انسانیت کی رہنمائی کی۔ تاہم ان برگزیدہ شخصیتوں نے ایک آفاقی اور عالمگیر شخصیت کی آمد کی نشاندہی ضرور کی۔

مذاہبِ عالم میں سب سے قدیم مذہب تاریخی طور پر ہندومت ہے جو تقریباً چھ ہزار سال پرانا ہے۔ ہنود کی یوں تو مختلف مذہبی کتب ہیں لیکن ان میں زیادہ مشہور چار وید یعنی "رگ وید" "سام وید" "یجر وید" اور "اتھر وید" جو اپنی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے آج بھی مقدس اور محترم مانے جاتے ہیں ان ویدوں میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کی طرف

نامے واضح اشارات ملتے ہیں۔ مثلاً سام وید کے ایک منتر میں اس کا اظہار یوں ہوتا ہے۔

احمد نے اپنے پرماتما سے سندر آورش اور پرکار سیکھا میں سورج کی طرح روشن ہو رہا ہوں (رشی ولتہ کنو)

(سام وید پر پیاٹک ۲ رشتی ۶ منتر ۸)

اس اشلوک میں ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام "احمد" کے متعلق واضح طور پر لکھا گیا۔ دوسرے آپ کی حکمت سے لبریز شریعت کا تذکرہ اور تیسرے آپ کو (رشی ولتہ کنو) یعنی سورج کی مانند روشن جو دراصل "سراجاً منیرا" کا متبادل لفظ ہے، سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یجروید میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کی طرف اشارہ یوں ملتا ہے۔

الانک نج الوجان محمد الانك کرمان حبان تیجان نند مانی حبان حبان منماھی جیوسان کحبان۔

(شہادۃ الاقوام)

اتھروید کے بعض منتروں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو اشارات ملتے ہیں وہ یہ ہیں

اے لوگو! بڑے زور شور سے سنو! مہامت لوگوں میں ظاہر ہوگا۔ ہم ہجرت کرنے والے کو ساٹھ ہزار اور نوّے دشمنوں سے پناہ دیں گے۔ اس نے مامح رشی کو سینکڑوں سونے کے سکے، دس حلقے، تین سو عربی گھوڑے اور دس ہزار گائیں دیں۔

(اتھروید کانڈ ۲۰۔ سوا کت ۱۲۷۔ منتر ۱ تا ۳)

یہاں مہامت اور مامح رشی سے مراد حضرت محمدؐ کی ذات گرامی ہے۔ زبان اور لہجے کے اختلاف کی وجہ سے لفظ "محمدؐ" کو مہامت بنا دیا گیا ہے۔ معنوں کے اعتبار سے بھی اس کا اطلاق حضورؐ ہی کی ذات پاک سے ہوتا ہے۔ مفہوم کے اعتبار سے بھی اس کا اشارہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرف ہے۔ ان منتروں سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مہامت رشی حضرت محمدؐ پہلے ہجرت کریں گے اور پھر ان کو فتح حاصل ہوگی۔ دس حلقے سے مراد عشرہ مبشرہ ہیں تین سو عربی گھوڑوں سے مراد اصحاب بدر ہیں اور دس ہزار گائیں سے مراد وہ دس ہزار صحابہ کرامؓ ہیں جو فتح مکہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آئے گا۔ (کتاب استثنا باب ۳۳ آیت ۱) اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا! دس ہزار آدمیوں کے درمیان جھنڈے کی مانند کھڑا ہوگا۔

(غزل الغزلات باب ۵)

بھگوت گیتا میں سری کرشن مہاراج کی تعلیمات میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق واضح اشارات موجود ہیں مثلاً ایک جگہ وہ فرماتے ہیں۔

جب دھرم کی ہانی ہوتی ہے اور ادھرم بڑھ جاتا ہے۔ تب خدا ایسے شخص کو کھڑا کرتا ہے جو نیک لوگوں کی رکشا کرتا ہے اور پاپوں کا ناس کر کے دھرم کو قائم کر دیتا ہے۔

(گیتا باب چہارم)

اس تحریر میں اگرچہ وضاحت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی نہیں بتایا گیا تاہم جو حالات بیان کئے گئے ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بین السطور آپ ہی کی ذات گرامی ہے ۔

مہابھارت بھی ہندوؤں کی مقدس کتاب ہے اس میں بھی بعض مقامات پر حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایک جگہ درج ہے۔

کل جگ کے آخر میں کلنکی اوتار پیدا ہونے والا ہے ۔

(مہابھارت شانتی پروا دھانیہ : ۳۴۰)

کل جگ سے مراد وہی زمانہ ہے جو قرآن کی زبان میں ظهر الفساد فی البر والبحر سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی حضورؐ کی بعثت کے وقت انبیاء سابق کی تعلیمات کو یا تو بھلا دیا گیا تھا یا ان سے بگاڑ پیدا کر دیا گیا تھا۔ افق عالم پر اندھیری راتوں اور طاغوتی طاقتوں کے حصار نے اچھے اور برے کی تمیز ختم کر دی تھی۔ لوگ خود تراشیدہ بتوں کی پوجا کرنے لگے تھے۔ وہ سچائی کو بھول بیٹھے تھے۔ حلال وحرام کی تمیز ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ عرب کا یہ حال تھا کہ وہاں نہ کوئی ضابطہ حیات تھا اور نہ وہاں کے رہنے والوں میں اطاعت امیر کا تصور تھا۔ بتوں کی خوشنودی کے لئے انسانوں کو بھینٹ چڑھانا۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور انہیں مار ڈالنے کا بھی رواج تھا۔ غرض ہر طرف جنگل کا قانون جاری تھا۔ دھرتی کا گوشہ گوشہ انسانوں کے لہو سے لالہ زار بنا ہوا تھا۔ ایسے لوگوں میں جہاں معاشرتی برائیاں عام تھیں۔ رہزنی، لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت گری کا بازار گرم تھا اور پورا معاشرہ انتشار اور فساد کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ورسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا۔ کلنکی اوتار سے مراد آپ ہی کی ذات اقدس ہے کیونکہ یہ "نشکلنک اوتار" بھی ہوگا جو دنیا کی حالت درست کرنے کے لئے پیدا ہوگا۔

بھوشیہ پران حصہ ۴ پرتی سرگ پرو باب ۲۵ صفحہ ۵۹۱، اشلوک ۸ - ۱۰۔ اس کا تذکرہ ان الفاظ میں بھی کیا گیا ہے۔

"اے دیوتاؤ! سنبل گرام میں یہ کشب پیدا ہوگا۔ وہ وشنو ایشیاء کے نام سے مشہور ہوگا۔ وشنو کیرتی اس کی چہیتی بیوی ہوگی۔

یعنی عرب میں وہ پیغمبر پیدا ہوں گے اور رسول اللہ کے نام سے مشہور ہوں گے۔ ان کی چہیتی بیوی کا نام خدیجۃ الکبریٰ (وشنو کیرتی) ہوگا۔

ایک سمرتی میں لکھا ہے کہ کلنکی اوتار (یعنی دنیا کا سب سے بڑا اوتار) کی جائے پیدائش کی نشانی یہ ہے کہ اس ملک میں دست آور پتی بہت ہوتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ سنا مکی جس کی خاصیت یہی ہے کہ معظمہ میں کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔

اسی مفہوم کی عبارت ہندوؤں کی مقدس کتب میں اور بھی کئی جگہوں پر لکھی ہیں۔ پستک بہادر دل کے دسویں اسکنڈ میں آپ کے بارے میں جو معلومات ملتی ہیں وہ یہ ہیں۔

"زمین کے بیچوں بیچ سورج کی طرف، بڑے خاندان میں خدا کا اوتار ہوگا۔ اس ملک کا پتہ یہ ہے کہ وہاں دست لانے والی پتی ہوگی۔ لوگ اس کے وسیلہ سے پاک ہوں گے۔ گناہوں سے نجات حاصل کریں گے اس

کا دامن پکڑ کر بڑے دریا کے پار اتریں گے۔ اس سرزمین پر جہاں پیارا لڑکا خدا کے قدموں کو چھوڑ کر ظہور کریگا ان پہاڑوں پر گھاس نہ ہوگی اس کا قول یہ ہوگا کچھ دیا کرو نہیں تو لڑو یا ہماری بات مانو۔ خدا کا نام ہوگا اس کے پاس وہ ایک دفعہ خدا کے پاس جائے گا۔ پھر اترے گا۔ کاٹنے والا گناہوں کا۔

(سمرت وسما اسکنت ۔ شہادت الاقوام)

اس عبارت کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ زمین کی ناف (مکہ) جہاں سنا مکی کی بوٹی پیدا ہوتی ہے۔ وہاں ایک عالی وقار رسولؐ کا ظہور ہوگا جن کے وسیلے سے لوگوں کو گناہوں سے نجات ملے گی۔ اور ان کے پیروکار سمندر پار کے علاقے تسخیر کریں گے۔ اور انہیں بارگاہ الٰہی میں معراج کی سعادت حاصل ہوگی۔ آپؐ دعوت حق اس طرح دیں گے کہ اسلام قبول کرو، یا جزیہ دو اور ہم تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔ ورنہ تلوار تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔

اس تحریر سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ زیر غور شخصیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ آپؐ کے اصحاب نے سلطنت روم اور سلطنت ایران میں پرچم اسلام لہرایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفر معراج پر لیجایا گیا۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ (محمدؐ) کو شب کے وقت مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گئی تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلا دیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا سننے والا اور بڑا دیکھنے والا ہے۔

ہندوؤں کی ایک اور مقدس کتاب پوتھی رامانسگھ رام مصنفہ بیاس جی و مترجمہ تلسی داس کانڈ ۱۲ اسکنڈ ۲۱۲ میں ہے۔

وید پران ست مت بھاکوں — نہ پر نہ کچھ بات میں راکھوں
برکھ سس وس سندرم ہوئی — نہ کی بعد نہ پاوے کوئی
عرب دیش بھر کتا سہائی — سو تھل بھوم کہت سکھ رائی
سمجھو سمت ، تاکو ، ہوئی — سندرم دیش تستہ کوئی
سبت بکرم دووان کا — مہاکوک سنس چہتر پتنگا
راج نیت بھو پریت دھمکارے — این مت سب کو سمجھاوے
چہتر سندرم ست چاری — تیکھے بتقش ہوا وے بہو بہاری،
تب لگ سندرم چھچو کوئی — بنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پار نہ ہوئی
تب ہوئے سنگ لنگ اوتارا — مہدی ہے سکل سنسارا

سندرم تمام پھر نہیں ہوئے
تلسی بچن ست مت کوئی

یعنی جو ویدوں اور پرانوں میں لکھا ہے وہی کہوں گا۔ طرف داری اور جانبداری میں کچھ نہیں کہوں گا۔ دس ہزار برس تک ولایت ختم ہوگی۔ اس کے بعد پھر یہ مرتبہ کسی کو نہ ملے گا۔ (نبوت ختم ہو جائے گی) ملک عرب میں ایک خوشنما ستارہ ہوگا۔ اچھی شان کی زمین ہوگی اس سے معجزات کا ظہور ہوگا۔ سمت بکرما جیت میں سمندروں کی تعداد کے برابر صدی میں پیدا ہوگا۔ سمندر سات ہیں اس لئے کہ ساتویں صدی بکرمی میں اندھیری رات میں آفتاب کی مانند چمکے گا۔ بہت عمدہ حکمرانی کرے گا۔ اپنا عقیدہ (دین) سب کو سمجھاتے گا۔ اس کے چار خلفاء ہوں گے۔ اس کی نسل سے بڑا رعب پیدا ہوگا۔ اس کے دین کے جاری ہونے سے جو کوئی خدا تک پہنچے گا۔ وہ بغیر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے پار نہ ہوگا۔ پھر ایک کامل شخص ہوگا (اس کی اولاد سے) جسے تمام دنیا اس کو مہدی کہے گی۔ اس کے بعد پھر ولایت نہ ہوگی۔ یعنی وہ قریب قیامت کے نزدیک آئیں گے۔ تلسی داس سچ کہتا ہے۔

ہندوستان بلکہ ایشیائے قدیم کا سب سے وسیع مذہب بدھ مت ہے۔ اس کے بانی گوتم بدھ تھے۔ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ۵۶۳ ق م میں پیدا ہوئے اور ۴۸۳ ق م میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ گوتم بدھ کے پرستار آج بھی دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بدھوں کے پاس کوئی روحانی کتاب نہیں جو کچھ بھی ہے وہ گوتم بدھ کے مکالموں اور خطبات کی صورت میں ہے۔ گوتم بدھ کے بارے میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ جب ان کا وقت رحلت آپہنچا تو ان کے ایک بھکشو نے ان سے عرض کیا کہ ان کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا؟ اس کے جواب میں گوتم بدھ نے فرمایا۔

نندہ! میں پہلا بدھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا۔ نہ میں آخری بدھ ہوں۔ اپنے وقت پر دنیا میں ایک بدھ آئے گا۔ نوتر، سندر، پردے والا، کرم کار، بے مثال، جو زندگی کے حقائق میں ظاہر کرتا ہوں وہ بھی ظاہر کریگا اور میری طرح ایک مکمل نظریہ حیات کا پرچار کرے گا۔"

بھکشو نندہ نے پوچھا! اس کو کس طرح پہچانیں گے؟ مہاتما بدھ نے فرمایا: کہ "متریا" کے نام سے موسوم ہوگا۔

(اقتباس اخبار لیڈر الہ آباد - ۱۶ر اکتوبر ۱۹۳۰ء)

متریا سنسکرت کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں۔ دوستی، خیر خواہی، رحم والا، محبت والا، ہمدردی والا، شفقت والا مخلوق کی خیر خواہی کرنے والا اور رحمت والا۔ یہ تمام صفات ہادی اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ رحمت والا۔ جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک لقب ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔

(سورۃ الانبیاء : ۱۰۷)

اور ہم نے (اے محمدؐ) آپ کو تمام عالموں کے لئے رحمت تمام بنا کر بھیجا۔ اس کے علاوہ بھی اس پیشین گوئی میں جو الفاظ ہیں وہ آپ پر پوری طرح صادق آتے ہیں۔ نیز مکمل نظام حیات آپ ہی نے دیا۔ جبھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقوام عالم کو وہ پیغام دے چکے۔ جس سے ان کی دنیوی اور اخروی فلاح وابستہ تھی اور یہ پیغام مکمل نظام حیات کی صورت میں تھا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

آج ہم نے آپؐ کیلئے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت آپؐ پر تمام کر دی اور آپؐ کیلئے دینِ اسلام کو پسند کر لیا ہے۔
گوتم بدھ کی ایک اور پیشن گوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے متعلق ملتی ہے۔ کتاب "چکا وتی سنگھ ناد" ستناڈی (۳ : ۶۴) میں لکھا ہے۔

بھائیو! اس وقت دنیا میں ایک اعلیٰ ہستی مبعوث ہو گی۔ اس کا نام برگزیدہ "میتریا" ہو گا۔ کامل معرفت والا حکمت، نیکی اور سرور مطلق والا۔ تمام عالمین کا عالم بے نظیر۔ ہدایت کے متمنی لوگوں کا ہادی، ملائکہ اور الانس کا معلم ایک بدھ اعظم جیسا میں اس وقت ہوں۔ وہ کامل طور پر جانے گا۔ اور دیکھے گا گویا کہ یہ کائنات اس کی رو برو اپنی ساری ارواح عرفا جن و شیاطین، برہمنوں، کشتریوں، ویشوں کے ساتھ موجود ہے۔ جیسا کہ میں برای العین اسے دیکھ اور جان رہا ہوں۔ صداقت اپنی اصل پیاری کامل اپنی اٹھتی ہوئی خوبصورتی میں ہو گی اور اعلیٰ زندگی کی معرفت مع اپنے کمال و صفائی اصلی روح اور الفاظ دونوں کی وساطت سے ظاہر کی جائے گی جیسا کہ میں اب ظاہر کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہزاروں صحابہ کی جماعت ہو گی جیسا کہ میرے ساتھ چند سو کی جماعت ہے۔

(اردو ترجمہ کتاب مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ از چوہدری غلام رسول صفحہ ۸۰)

گوتم بدھ کی یہ پیشن گوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی طرح واضح اشارہ کر رہی ہے جن صفات کا گوتم بدھ نے تذکرہ کیا وہ سب کی سب ہادی عالم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پائی جاتی ہیں۔ پیشن گوئی کے آخری الفاظ کہ آپؐ کے ساتھ ہزاروں صحابہ کی جماعت ہو گی۔ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ مراد ہیں۔ فتح مکہ کے وقت آپ کے ساتھ دس ہزار اصحاب تھے اور آخری خطبہ حجۃ الوداع کے وقت آپ کے سامنے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کا جم غفیر تھا۔

ایشیاء کے قدیم ترین مذاہب میں پارسی مذہب کا شمار بھی ہوتا ہے جس کے بانی زرتشت تھے۔ انہوں نے اپنی تبلیغ کا آغاز قفقاز شہر سے کیا پھر ان کے پیروکاروں کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے آذربائیجان اور ایران تک جا پھیلا۔ زرتشت کے زمانہ کے بارے میں محققین میں شدید اختلاف ہے۔ کچھ کے نزدیک زرتشت کا زمانہ ایک ہزار سال قبل مسیح ہے اور کچھ کے نزدیک گیارہ سو سال قبل مسیح۔ موجودہ تحقیق کے مطابق وہ ۶۶۰ ق م میں پیدا ہوئے اور ۵۸۳ ق م میں ان کا انتقال ہوا۔ جناب زرتشت کی تعلیمات ان کی مشہور زمانہ کتابوں "ژند اوستا" اور دساتیر (یعنی شرح و قوانین کی کتاب) میں ملتی ہیں۔ ان کتابوں میں بھی پیغمبر اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام کی بشارت کا ذکر ہے۔ ژند اوستا میں جو پیشین گوئی ہے اس کا مفہوم یہ ہے۔

عنقریب عرب میں ایک عظیم نبی مبعوث ہو گا۔ اس کا نام سوالیش انگینت (لوگوں کو فائدہ پہنچانے والا) ہو گا۔ اسکی سب سے بڑی صفت یہ ہو گی کہ وہ استوت اریتا ہو گا۔ اسے تمام بنی نوع انسان کی رہنمائی اور بہتری کے لیے بھیجا جائے گا اور جب اس کی شریعت پر ایک ہزار سے زیادہ عرصہ گذر جائے گا تو اس دین میں ایسی باتیں پیدا ہو جائیں گی کہ یہ پہچاننا مشکل ہو جائے گا کہ یہ دین وہی ہے جو قرن اوّل میں تھا۔"

یہ پیشین گوئی ایسی روشن ہے جیسے سورج کی چمک۔ اس کا اطلاق واضح طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک پر ہوتا ہے۔ پیشن گوئی میں "سوالیش ہینت" کے معنی ہیں لوگوں کو فائدہ پہنچانے والا جبکہ "استوت اریتا" کا مطلب ہے تمام قوموں کو یکجا کرنے والا، حامی، مددگار اور دستگیری کرنے والا۔ اسے تمام بنی نوع انسان کی رہنمائی اور بہتری کے لئے بھیجا جائے گا۔ قرآن میں اس کی تصدیق یوں کی گئی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سورۃ سبا: ۲۸)

ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کی طرف بھیجا۔ بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پورے عالم کے لئے تھی اور اس سے ہر قوم اور ہر ملک کے لوگ یکساں مستفید ہو سکتے ہیں۔

پارسیوں کی دوسری مذہبی کتاب "دساتیر" جو ان کے نزدیک مستند کتاب ہے اس کے دو حصے ہیں "خورد دساتیر" اور "کلاں دساتیر"۔ ان دساتیر کی جلدوں میں ۱۶ ارخطوط ہیں۔ جو علیحدہ علیحدہ پارسیوں کے پیشواؤں کی طرف منسوب ہیں۔ اس میں سلسان اول کے نامۂ مبارک میں یہ لکھا ہے۔

نامہ شت ساسان نخست آیۃ (۵۴) (بہ زبان ژند) کے مطابق

۱: چم چم کا جام کند ہرزوار جیام ورتارہ ہتبال ہلود چون چنیں (۵۴)

۲: یو ہزار نسا مام ہوتاک وبیزتاک ومیراک سردم ارتند کہ از پیروان (۵۵)

۳: بیرن فرشائے تیار وبیار وگوار آبادلی جوار بدہ ستابنید۔ بجائے پیکر (۵۶، ۵۷)

۴: وندرا ہند شائے بیارام مدیر وانتورام ہام وتیفوو تیواک وشابام شماور باز ستانند جائے آتش کدہ ہائے وگردہائے ان توس وبلخ وبابائے وبابائے بزرگ (۵۸، ۵۹)

اس نامہ مبارک کا فارسی میں بھی ترجمہ ہوا۔ جو یوں ہے۔

چوں ایرانیاں چنیں کارہا کنند از تازیان مردے پیدا شود۔ از پیروان او دیہیم وتخت وکشور وآئین ہمہ برافتند۔ وشوند سرکشاں زیر دستاں ببینند بجائے پیکر گاہ آتش کدہ آباد سے بے پیکر شدہ نماز بروں سو۔ وباز ستانند جائے آتش کدہ ہائے مدائن وگردہائے آں وطوس وبلخ وجائے بزرگ۔

یعنی جب ایرانیوں میں خرابیاں پیدا ہوں گی اور وہ بڑے افعال کریں گے تو عرب میں ایک مرد کامل (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیدا ہوگا۔ جن کے پیروکار ایران کے تاج وتخت اور قوانین کو مٹا دیں گے اور بڑے بڑے سرکش زبردست لوگ زیر دست ہو جائیں گے۔ تم دیکھو گے کہ بت خانہ اور آتش کدہ کی جگہ پر بے تصویر خانہ کعبہ ہوگا اور اس کی جانب نماز پڑھی جائے گی۔ یہی نہیں (لوگ) (مسلمان) شہروں کے آتش کدے اور ان کے قریب وجوار میں اور طوس اور بلخ اور بڑے بڑے مقامات اپنے قبضہ میں کر لیں گے۔

(سفرنگ دساتیر صفحہ ۱۸۸ مطبوعہ ۱۲۸۰ھ آیت ۵۴ تا ۶۰)

زرتشت مذہب کے ایک بڑے عالم حکیم جاماس نامی گذرے ہیں۔ جنہیں ستارہ شناسی میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ انہوں نے

گشتاسپ شاہ ایران کے حکم سے بجوم کی ایک کتاب "جاپاس نامہ" تیار کی اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں۔
"جب ستارے خانۂ آتش، برج حمل میں جمع ہو جائیں گے۔ زہرہ برج حمل میں ہوگا۔ آفتاب برج ثور اور برج جوزا دونوں میں اور مریخ برج دلو میں ہوگا تو اس وقت، ایک مرد کامل، سرزمین عرب سے نکلے گا جو نسل ہاشمی سے ہوگا۔ بزرگ سر مقدس وجود جو اپنے جد کے مذہب پر ہوگا۔ اور سپاہ کثیر کے ہمراہ ایران پر حملہ کرے گا اور گویا ایران کو از سر نو آباد کرے گا۔ زمین اس کے انصاف سے بھر جائے گی۔ حتیٰ کہ بھیڑیے بکری کے ساتھ پانی پئیں گے۔"

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کی پیشین گوئی اور کیا ہو سکتی ہے اور ہم نے صرف ان رہنماؤں اور کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جن کا تعلق غیر الہامی مذاہب میں ہوتا ہے۔ الہامی مذاہب میں اسلام کے علاوہ یہودیت اور عیسائیت دو مذاہب قابل ذکر ہیں۔ ان کے تمام انبیاء و رسل امت مسلمہ کے نزدیک محترم ہیں۔ اور وہ انہیں اللہ کے رسولوں اور پیغمبروں میں شمار کرتے ہیں قبل اس کے کہ ہم ان انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیوں کا تذکرہ کریں، بہتر ہوگا کہ ان برگزیدہ پیغمبروں کی پیشین گوئیاں تحریر کی جائیں جن کا تذکرہ تینوں الہامی مذاہب کی کتب میں ملتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر بھی تھے۔ تاریخ و سیر کی کتب میں ولادت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ان کی بہت سی پیشین گوئیوں کا ذکر ملتا ہے۔ صحف آدم علیہ السلام میں بہت سی ایسی بشارتیں ملتی ہیں۔ محققین کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو یوں مخاطب کیا۔

اے آدمؑ! جو شخص میرے اس گھر (خانہ کعبہ) کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ اسے میری زیارت نصیب ہوگی اور وہ میرے ہی خوان احسان پر مہمان ہوگا اور میرے ہی کرم و احسان سے محفوظ ہوگا۔ اور اسے میں اپنے وصال سے مشرف فرماؤں گا۔ ایک وقت آئے گا کہ تیری اولاد میں سے ایک سلیم القلب اور کریم النفس انسان آئے گا جس کا نام ابراہیم ہوگا۔ وہ میرے گھر کی تعمیر کرے گا۔ اسے ظاہری عمارت کی شکل دیگا۔ آب زمزم کا چشمہ اسی حرم کی حدود میں ظاہر ہوگا۔ میں ابراہیم کو حرم کے تمام مناسک اور شعائر سکھا دوں گا۔ پھر دنیا کے ہر گوشے سے رؤسا اور مخصوص لوگوں کو اس سرزمین میں آباد کروں گا۔ یہ لوگ میرے گھر کا احترام کریں گے اور اس کی عزت و توقیر میں اضافہ کرتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ تیرے فرزند ارجمند تک جو تیری اولاد میں افضل ترین ہوگا پہنچے گا۔ اس کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگا۔ وہ حسن و جمال میں بدر کامل ہوگا اور اوصاف و کمال میں انسانوں کا امام اور پیشوا ہوگا۔ اس شہر کی امامت اور پیشوائی اسی پیغمبر اور عالی ہمت ہستی کو بخشی جائے گی۔ وہ اس گھر کے احترام کو زندہ کرے گا۔ اور روز محشر تک اسے میری عبادت گاہ اور زیارت گاہ بنا دے گا۔ وہ برگزیدہ پیغمبر خاتم الانبیاء ہوگا۔ رسول آخر الزمان ہوگا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت شیث علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی نبوت سے سرفراز کیا۔

"خلاصۃ الحقائق" میں لکھا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو اللہ تعالےٰ نے وحی کے ذریعے حضرت آدمؑ کو فرمایا کہ اپنے بیٹے شیث (علیہ السلام) سے عہد لو اور وصایا و مواثیق پر کاربند کرو کہ وہ نور کامل السرور الانبیاء اور گوہر از ہر سند الاصفیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی صورت بھی ناراض نہ کریں اور یہ وصایا نسلاً بعد نسلٍ جاری رہیں۔ چنانچہ حضرت شیث علیہ السلام جب تک زندہ رہے ان کی زبان پر درودِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاری رہا۔

"شرح تعرف" میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت آدمؑ اپنے فرزند حضرت شیث سے گفتگو کر رہے تھے کہ میں نے عرش پر کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس پر نام محمدؐ نہ ہو۔ حتیٰ کہ عرش و کرسی، لوح و قلم، مدارج جنان رضوان کو اسم محمدؐ سے مزین اور آراستہ پایا۔ حضرت شیث نے اپنے والد سے پوچھا۔ آیا آپ بلند مرتبت ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حضرت آدم خاموش رہے۔ مگر تیسری بار دریافت کرنے پر آدمؑ نے فرمایا۔ بیٹا! محمدؐ رسول اللہ کی تعریف میں ایک ہی بات یاد رکھو جو مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اے آدمؑ! یہ اجرام علویہ اور اجسام سفلیہ تو تمہاری خاطر بنائے گئے ہیں مگر تم میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہو۔

حضرت ادریس علیہ السلام جن کا شمار حضرت آدم علیہ السلام کی ساتویں پشت میں ہوتا ہے اور جو قرآن کریم کے مطابق ایک سچے نبی تھے جن کا درجہ اللہ رب العزت نے بلند کیا۔ (سورۃ مریم آیت ۵۵، ۵۶) میں ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۙ وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا

اور اس کتاب میں ادریسؑ کا ذکر بھی کیجئے۔ بیشک وہ بڑے راستی والے نبی تھے اور ہم نے ان کو (کمالات میں) بلند مرتبہ پہنچایا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے سرور دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ میں یہ پیشن گوئی فرمائی۔

دیکھو! ہمارا آقا اپنے دس ہزار نیک ہمراہیوں کے ساتھ آ رہا ہے تاکہ سب لوگوں کا انصاف کرے اور ان میں سے جو گمراہی کی وجہ سے خدا سے منحرف ہو چکے تھے۔ انہیں یقین دلایا جائے کہ وہ کام جو ان سے سرزد ہوئے وہ ناجائز ہیں اور ان تمام سخت کلامیوں کے متعلق جو وہ منکر گنہگار ان کے متعلق کہتے رہے ہیں انہیں تلقین کریں۔

(کتاب یہودہ باب ۱ آیت ۱۴-۱۵)

حضرت ادریس علیہ السلام کی یہ واضح پیشن گوئی پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتی ہے۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب فتح مکہ کے موقع پر شہر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ہمراہ دس ہزار صحابہ کرام کا لشکر تھا۔ اسی موقع پر نبی اکرمؐ نے کفار مکہ کے متعلق فیصلے بھی فرمائے اور انہیں بتایا کہ ان کے تمام عقائد اور افعال محض سیاہ کارنامے تھے۔ آپ نے اس موقع پر کفار مکہ کے لئے عام معافی کا اعلان بھی فرمایا۔

حضرت نوح علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہیں۔ جنہیں آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے وہ تمام بڑے مذاہب کے نزدیک محترم ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا تذکرہ ہنود کی مقدس کتابوں، ویدوں اور شاستروں میں اور پارسیوں کی "ژنداوستا" اور دساتیر میں بھی ملتا ہے۔ ان کی وجہ شہرت طوفان اور کشتی ہے۔ طوفان! جو نافرمانوں کے لئے آیا اور کشتی! جس نے فرمانبرداروں کو طوفان سے

بچایا۔ اس نسبت سے جو پیشین گوئی حضرت نوحؑ کی زبانی حضور علیہ السلام کے بارے میں کی گئی اور جس کا حوالہ عہد نامہ عتیق میں بھی ملتا ہے۔ اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔

"اب میں اپنی کمان کو بادلوں میں رکھ دیتا ہوں۔ میری یہ نشانی اس عہد و پیمان کی ہوگی جو میرے اور زمین پر بسنے والوں کے درمیان قرار پایا ہے۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب میں زمین کے اوپر ایک بادل کو لاؤں گا۔"

یہ عبارت یوں تو مبہم ہے لیکن اگر اس کے اشارات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب تمام دنیا اندھیرے اور گمراہی میں غرق ہو جائے گی۔ لیکن خدا بنی نوع انسان سے ہمدردی سے پیش آئے گا کیونکہ اس زمانے کے دوران اس سحاب رحمت کا ظہور ہوگا جو رحمت للعالمین کے نام سے موسوم ہوگا۔ اس کا مفہوم یہی نکلتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد متعدد انبیاء اور مرسل دنیا میں تشریف لائے جو اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے مقام پر رشد و ہدایت کی تعلیم دیتے رہے۔ ان برگزیدہ شخصیتوں میں سب سے زیادہ ممتاز ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔ جو دنیائے قدیم اور جدید کے درمیان ایک اہم کڑی ہیں۔ بائیبل میں ایک جگہ ان کی اہلیہ حضرت ہاجرہ کی طرف خطاب کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں ان الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

"حضرت ہاجرہ کو اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے بتایا تھا "میں تمہارے نہج اولاد کو بہت پھیلاؤں گا اس قدر کہ اس کا گروہ گنتی میں لانا مشکل ہو جائے گا۔"

فرشتے نے مزید کہا۔

دیکھو تم حاملہ ہو اور تم سے ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اس کا نام اسماعیل ہوگا۔ کیونکہ خدا نے تمہاری تکلیفوں کو سن لیا ہے۔ اس کی اولاد میں سے ایک نبی ہوگا جو اُمّی ہوگا۔

(کتاب پیدائش باب ۱۰ آیت ۱۲)

اس پیشین گوئی کے الفاظ اگرچہ زیادہ واضح نہیں ہیں تاہم اس سے اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہے کہ اس میں جس شخصیت کی طرف اشارہ ہے وہ ذات گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہے۔ کیونکہ آپ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں اور آپ کے ذریعے حضرت ابراہیم اور حضرت ہاجرہؑ کی آل اس قدر پھیلی جس کا کوئی شمار نہیں۔ اگرچہ یہ پیشین گوئی توریت سے ماخوذ ہے لیکن اس کا تعلق ابوالانبیاء اور ان کی اولاد سے متعلق ہے۔

تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی۔ ان میں بھی نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کی پیشین گوئی ہوتی ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۸-۱۲۹)

اے رب! ہمیں اپنا مسلمان (فرمانبردار) بنالے اور ہماری اولادوں میں سے ایک اُمتِ مسلمہ کا قیام ہو اور ہمیں حج کے طریقے بتا دے اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بیشک تو بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے اور نہایت رحم والا ہے۔

الٰہی! اور اٹھا ان میں ایک رسول انہی میں سے جو ان پر تیری آیات پڑھے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے تو ہی اصل زبردست حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ دعا بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوئی۔ نسلِ اسماعیل سے ملّتِ اسلامیہ کی نمود ہوئی اور پھر انہی میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظہور ہوا۔

حضرت حبقوق علیہ السلام جن کا صحیفہ بائیبل کے عہد عتیق میں شامل ہے۔ انہوں نے پیغمبرِ اسلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری کی پیشین گوئی یوں فرمائی۔

> خدا تیمان سے آیا اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے ظاہر ہوا اس کے جلال نے آسمان کو ڈھانپ لیا اور اس کی حمد سے زمین معمور ہو گئی۔ اس کی تجلی نور کی مانند تھی۔ اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں اور وہاں اسکی قدرت مستور تھی۔ وبا اس کے آگے چلے اور اس کے قدموں پر دہکتا ہوا انگارہ روانہ ہوا۔ وہ کھڑا ہوا ہے اور اس نے زمین کو لرزا دیا۔ اس نے نگاہ کی اور قوموں کو پراگندہ کر دیا۔ قدیم پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے اور پرانی پہاڑیاں اس کے آگے دھنس گئیں۔

(باب ۳ آیت ۳ تا ۶ کتاب سیرت الرسول از انتظام اللہ شہابی صفحہ ۹-۱۰)

حضرت حبقوق علیہ السلام کی اس بشارت کی تصدیق تورات نے یوں کی ہے کہ پروردگار فاران کی پہاڑیوں سے قوتِ بیان کے ساتھ آیا تو نام احمد کی تسبیح سے آسمان معمور ہو گئے اور اس کی امت کا سمندروں پر تصرف ایسا ہی ہو گا۔ جیسا خشکی پر۔ وہ ایک ایسی کتاب لے کر آئے گا جس کا تعارف بیت المقدس کی تخریب کے بعد ہو گا۔

(شواہد النبوت از مولانا جامی صفحہ ۳۰ - ۳۱)

حضرت ملاکی علیہ السلام جو آلِ اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔ انہوں نے بھی ہادیٔ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کی بشارت ان الفاظ میں سنائی۔

> وہ خداوند جس کی تم تلاش میں ہو۔ ہاں عہد کا رسول۔ جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آئے گا۔ دیکھو وہ یقیناً آئے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے۔ لیکن اس کے آنے کے دن میں کون ٹھہر سکے گا اور جب وہ نمودار ہو گا۔ کون کھڑا رہے گا۔

(ملاکی نبی کی کتاب باب : ۳)

اس پیشین گوئی میں فتح مکہ کی طرف واضح اشارہ ہے۔ نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے لشکر کے ساتھ یوں مکہ پہنچے کہ کفار مکہ کو خبر تک نہ ہوئی۔ وہ حیران رہ گئے۔ کسی نے بھی لشکرِ اسلام سے مقابلہ کی جرأت

نہ کی اور مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔

حضرت اشعیاء علیہ السلام بھی آل اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی یوں پیشین گوئی فرمائی۔

عرب کے صحراؤں میں رات کاٹو گے۔

اے ددانیو کے قافلو!

پانی لیکر پیاسوں کے استقبال کو آؤ!

اے تیما کے باشندو!

روٹی لیکر بھاگنے والوں سے ملنے آؤ۔ کیوں کہ وہ ننگی تلواروں سے کھینچی ہوئی کمانوں سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں

یہ پیشین گوئی کتاب اشعیاء باب ۲۱ میں مذکور ہے۔ جسے مولانا طاہر حسن امروہی نے اپنی کتاب پیغمبر اعظم حصہ اول میں مرقوم کیا ہے۔ اس پیشین گوئی میں ددانیوا اور تیما کا ذکر ہے۔ ددان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ... کا نام ہے۔ جبکہ تیما حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے۔ انصار مدینہ انہی کی اولاد میں سے ہے۔ ددانی مدینہ کے باشندے کہلاتے تھے جبکہ تیما لوازاح مدینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس پیشین گوئی میں انصار مدینہ کی طرف سے مہاجرین مکہ کی نصرت وحمایت کا تذکرہ ہے جو کفار مکہ کے ظلم وستم سے مجبور ہو کر مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے۔ لہذا حضرت اشعیاء کی یہ پیشین گوئی "ہجرت" کی نشاندہی کرتی ہے۔

بخاری شریف کے مطابق حضرت احبار جو ایک ممتاز یہودی عالم کے فرزند تھے۔ دولت ایمانی سے سرفراز ہوئے اور جب ان سے کتب سابقہ میں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے حضرت اشعیار کی پیشین گوئیاں بیان فرمائیں۔

ابونعیم، شہر بن حوشب کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت کعب نے کہا کہ ان کے باپ تورات کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔ جب ان کا وقت رحلت آیا تو مجھے بلا کر کہا میں نے اپنے علم میں کوئی بات تم سے پوشیدہ نہیں رکھی۔ ہاں دو صفحات میں نے چھپالئے تھے جن میں آنے والے نبی کا تذکرہ تھا جن کی آمد کا وقت قریب آچکا ہے۔ میں نے تمہیں یہ دو صفحات اس لئے نہیں بتلائے کہ کبھی تم کسی جھوٹے نبی کے پیچھے نہ لگ جاؤ۔ میں نے یہ صفحات طاقچے میں رکھ کر اوپر سے لپائی کر دی ہے۔ تم انہیں ابھی نہ نکالنا۔ کیونکہ اگر تعالیٰ کو تمہاری بھلائی مقصود ہوئی اور آخری نبی کا ظہور ہو گیا۔ تو تم ان کے پیروکار بن جاؤ گے پھر میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کو دفنانے کے بعد مجھے ان دو صفحات کو دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ چنانچہ میں نے انہیں نکال لیا۔ ان میں یہ تحریر درج تھی۔

"محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ کی جائے پیدائش مکہ اور جائے ہجرت مدینہ ہے۔ آپ نہ بد مزاج ہیں اور نہ سخت ہیں۔ نہ بازاروں میں پھرتے ہیں۔ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں معاف کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں۔ آپ کی امت اللہ کی بہت حمد کرنے والی ہے۔ یہ لوگ ہر حال میں اللہ کی ثنا کرتے

ہیں اور ان کے نبی کی اللہ کی جانب سے ہر حال میں مدد ہوگی۔ یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو دھوتے ہیں۔ اپنی کمر کے درمیان تہبند باندھتے ہیں۔ ان کی انجیلیں (قرآن) ان کے سینے میں محفوظ ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے پر اس طرح رحم کرتے ہیں۔ جیسے ایک ماں کی اولاد میں محبت ہوتی ہے۔ یہ امت سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔"

کعب احبارؓ کا کہنا ہے کہ ان صفحات کے مطالعے کے کچھ ہی عرصہ بعد مجھے خبر ملی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہو گئے ہیں۔ میں نے تاخیر کی تاکہ اچھی طرح ثبوت مل جائے پھر آپ کی رحلت ہوئی اور آپ کے خلیفہ متعین ہو گئے اور ان کے لشکر ہم تک پہنچے۔ میں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ میں اس دین میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گا جب تک ان لوگوں کی سیرت نہ دیکھ لوں۔ اسی طرح میں تاخیر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے عمال آ گئے۔ جب میں نے ان لوگوں کا وفائے عہد دیکھا اور دشمنوں کے مقابلے میں خدائی مدد دیکھی تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا میں منتظر تھا۔ ایک رات میں نے اپنے مکان کی چھت پر کسی کو یہ آیات کریمہ پڑھتے ہوئے سنا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا۔ (سورۃ النساء آیت ۴۷)

"اے کتاب والو! مان لو اس کتاب (قرآن) کو جو ہم نے اب نازل کی ہے اور جو اس کتاب کی تائید و تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی اس پر ایمان لے آؤ قبل اس کے کہ ہم چہرے بگاڑ کر پیچھے پھیر دیں۔"

میں یہ آیات سن کر اس قدر ڈرا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ صبح ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ میرا چہرہ گدی کے بل پھیر دے گا چنانچہ صبح ہوتے ہی میں اسلام لانے کے لیے مسلمانوں کی جانب لپکا۔

اسی روایت کو ابن عساکر نے سعید بن رافع اور دوسرے بہت سے اصحاب سے نقل کیا ہے۔

آل اسرائیل میں حضرت شعیب علیہ السلام ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی دامادی کی شرف حاصل ہوا۔ حضرت شعیبؑ نے بھی اپنی قوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارت سنائی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے کلام میں ہے کہ میں نے دو سوار دیکھے جن کے نور سے زمین روشن ہو گئی۔ ان میں ایک خچر سوار تھا اور دوسرا شتر سوار۔ خچر سوار ماہتاب و آفتاب کے حسن کا مالک تھا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ جبکہ شتر سوار آفتاب و ماہتاب کے حسن کو شرمارہا تھا یہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

(معارج النبوت: ملا واعظ کاشفی، صفحہ ۴۲، ۴۸)

انبیائے آل اسرائیل میں حضرت یسعیاؑ علیہ السلام ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ (سورۃ الانعام: ۸۶)

یعنی اسمٰعیل کو اور یسعیا کو اور یونس کو اور لوط کو اور سب کو ہم نے بزرگی دی سارے جہان والوں پر۔ دیگر انبیاؑ کی طرح حضرت یسعیا علیہ السلام نے بھی حضور کی آمد کی پیشں گوئی فرمائی۔

"سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہو گی۔ اونٹنیاں کثرت سے تجھے آکر چھپالیں گی۔ مدیان اور عیفہ کے اونٹ وہ سب جو سبا کے ہیں آویں گے وہ سونا اور لوبان لائیں گے اور خدا کی بشارت سنائیں گے۔

قیدار کی بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔

(کتاب یسعیاہ باب: ۶۰ بحوالہ کتاب پیغمبر اعظم مولانا طاہر امروہی)

اگرچہ یہ عبارات مبہم ہیں لیکن ان کے اشارات کو دیکھا جائے تو اس سے جو مطلب واضح ہوتا ہے وہ کچھ یوں ہے کہ سرزمین عرب میں ایک نبی مبعوث ہوں گے جو لوگوں کو راہ ہدایت دکھائیں گے قیدار اہل قریش کی ساری حشمت خاک میں مل جائے گی سرزمین عرب ہی نہیں اس کے ساتھ دور دور تک پیغام حق پہنچے گا۔ لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہوں گے۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا جائے گا۔ وہاں لوگ اللہ کی عبادت کریں گے۔ دنیا کے کونے کونے سے زائرین آئیں گے۔ فریضہ حج ادا کریں گے اور جانوروں کی قربانی دیں گے۔

حضرت وھب بن منبہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یسعیا علیہ السلام جو انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے وحی کی کہ اپنی قوم میں تبلیغ کرو تاکہ میں اپنی روح سے تیری زبان میں فصاحت و روانی پیدا کر دوں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور تحمید و تہلیل بیان کی اور فرمایا۔

"اے آسمان! بگوش ہوش سن لے۔ اور اے کوہ و زمین! خاموش ہو جاؤ اور میرے ہم آواز بن جاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بنی اسرائیل جنہیں اس نے اپنی نعمتوں سے پالا اور جہاں میں بزرگی بخشی اور اپنے انعام و اکرام کے لئے مخصوص فرمایا۔" یہ کہہ کر حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے رب العزت کے حکم سے عتاب آمیز کلمات کہنے شروع کئے آپ کے اختتامیہ الفاظ یہ تھے

"میں اس روز سے جس دن سے میں نے زمین و آسمان پیدا کئے یہ مقدر کر چکا ہوں کہ نبوت بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور کو دیدوں اور ان سے ملک و حکومت بھی واپس لے لی گئی اور بھیڑ بکریاں چرانے والی جماعت کو اس کا محل ٹھہراؤں گا اور ایک ایسی جماعت کو عزت و توقیر بخشوں گا جو چشم عالم میں خوار ہو گی اور ایک ایسی جماعت کو طاقت بخشوں گا جو ضعیف و نزار ہو گی اور ایک ایسے طائفہ کو دولت و ثروت سے نوازوں گا جو فقیر و نامراد ہو گا اور ان میں سے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کروں گا جو بہروں کو کان عطا کرے گا۔ اندھوں کو آنکھیں عطا کریگا۔ اور دلوں کے پردے اتار دے گا۔ اس کا مقام پیدائش مکہ معظمہ ہو گا اور اس کی ہجرت گاہ مدینہ منورہ ہو گی۔

اور اس کا ملک شام ہوگا۔ وہ بندہ متوکل و برگزیدہ ہوگا۔ بدی کا بدلہ بدی سے نہ دے گا بلکہ عفو و درگزر سے کام لے گا۔ مومنوں پر رحیم و کریم ہوگا۔ جانوروں پر بوجھ کی زیادتی دیکھ کر افسوس و گریہ کرے گا۔ اور بیوہ عورتوں اور یتیموں کو آغوش شفقت میں لے گا۔ پہلو میں جلتا ہوا چراغ (دل) تو بجھ سکتا ہے۔ مگر اس کے دامن کی ہوا سے جلا ہوا چراغ نہیں بجھے گا۔ اور اگر بانس کی خشک لکڑی کو آپ زیر قدم رکھیں گے تو اس میں سے آواز نہیں آئے گی۔ اس کے اہل بیت سے سابقین، صدیقین، شہداء اور صالحین ہوں گے اور اس کے بعد اس کی امت حق و صداقت کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرے گی۔ امر معروف اور نہی منکر کا حکم دے گی۔ نماز و زکوٰۃ ادا کرے گی اور ایفاء عہد کرے گی اور جس چیز کا میں نے آغاز کیا ہے۔ اسی پر ختم کروں گا اور یہ سب کچھ ان کے لئے میرے فضل و عنایت سے ہے اور میں جسے چاہوں جو چاہوں عطا کر دوں میں ہی فضل عظیم والا ہوں۔

(شواھد النبوۃ : مولانا عبدالرحمٰن جامی)

حضرت یسعیاہ علیہ السلام کی یہ پیشین گوئیاں بالکل واضح ہیں۔ آپ مکہ میں پیدا ہوئے۔ مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ سرزمین شام پر مسلمانوں نے فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑے۔ آپ کی ایک بڑی صفت یہ تھی کہ آپ رحیم و کریم تھے، ہر ایک سے شفقت اور ہمدردی سے پیش آتے۔ یتیموں، بیواؤں اور مساکین کی تکالیف پر غمگین ہو جاتے ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم ۰

یعنی تمہارے پاس خود تم میں سے ایسا رسول آیا ہے۔ جسے ہر وہ چیز شاق گذرتی ہے جو تمہیں نقصان پہنچانے والی ہے۔ جو تمہاری فلاح کا حریص ہے اور اہل ایمان کے لئے نہایت شفیق و رحیم۔

آل اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان بہت بلند ہے۔ آپ ایک اولوالعزم، صاحب کتاب پیغمبر تھے۔ ان کی کتاب توریت میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے۔

"ہمارا آقا، ہمارا خدا، تیرے لئے تیرے ہی خاندان سے ایک پیغمبر اٹھائے گا۔ تمہارے بھائیوں میں سے میرے جیسا۔ تم نے اس کو کان لگا کر سننا ہے۔ ان تمام باتوں کے مطابق جن کی خواہش تم اپنے مالک خدا سے کرتے ہو۔"

ہوریب میں ایک جگہ جمع ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔ "میں یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے خداوند کی آواز کو دوبارہ سنوں یہ کہتے ہوئے اور نہ ہی کبھی میں اس بھاری آگ کو دیکھوں کہ میں کبھی نہیں مروں گا اور خداوند نے مجھے کہا۔ جو کچھ انہوں نے کہا۔ انہوں نے بہت ٹھیک کہا۔ میں ان کے لئے ایک پیغمبر پیدا کروں گا۔ انہی کے بھائیوں میں سے۔ تیرے جیسا اور میں اپنے الفاظ اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ پھر وہ لوگوں سے باتیں کرے گا۔ صرف وہ جن کا میں اسے حکم دوں گا۔

اس بشارت کو یہودیوں نے حضرت یوشع علیہ السلام اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب کرنا چاہا۔ جو

کسی طرح درست نہیں۔ کیونکہ پیشن گوئی کے الفاظ یہ ہیں کہ موعود بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مبعوث ہوگا۔ بنی اسرائیل کے بھائی بنو اسماعیل تھے۔ اس لئے بشارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ پیغمبر نسل اسماعیل سے ہوں گے قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا

ہم نے تمہاری طرف ایک پیغمبر کو بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے۔ جس طرح ہم نے فرعون کے پاس ایک پیغمبر بھیجا تھا۔

حضرت یوشعؑ صاحب کتاب پیغمبر نہ تھے بلکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کی پیروی کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تمام امور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نہیں تھے۔ دوسرے بقول نصاریٰ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) خدا ہیں اور مخلوق کو پیدا کرنے والے خالق ہیں۔ مگر حضرت موسیٰ محض خدا کے بندے ہیں عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کے گناہوں کا بوجھ برداشت کرنا پڑا تاکہ انہیں دوزخ کے عذاب سے بچایا جائے۔ انہوں نے صلیب پر چڑھ کر لوگوں کو دوزخ کے عذاب سے نجات دلائی۔ لیکن حضرت موسیٰؑ نے ایسی کوئی سزا نہیں پائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے سردار تھے اور انہوں نے اپنی پوری طاقت سے ان پر حکمرانی کی لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احکامات کی تعمیل ایک مختصر سے گروہ نے کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پیشن گوئی میں یہ واضح طور پر فرمایا تھا کہ اس پیغمبر کا وصف یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا۔ قرآن پاک اس کی تصدیق یوں کرتا ہے۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝

اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے بلکہ وہی کہتے ہیں جو انہیں خدا کی طرف سے کہا جاتا ہے۔

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس پیشن گوئی کے متن پر غور کیا جائے۔ تو یہ بات ظاہر ہوگی کہ اس کا اطلاق صرف نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشن گوئی کے الفاظ کے مطابق چند خصوصیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑی مماثلت رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ان کے دشمن سے نجات دی۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حکم نہ مانا وہ اپنی فوج سمیت دریا میں غرق ہوا جبکہ حضور کے مخالفین جنہوں نے آپ کی نافرمانی کی اور آپ کے خلاف فوج کشی کی وہ ان لڑائیوں میں تباہ و برباد ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کو ہجرت کرنا پڑی۔ ہر دو کو جو ساتھی ملے وہ ان کے خسر تھے۔ جنہوں نے اس ہجرت کے دوران ان کی مدد کی حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور علیہ السلام کا ساتھ دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے میڈئین میں جا کر پناہ لی جو لبعد میں یثرب کے نام سے مشہور ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ میں پناہ لی تو یہ وہی یثرب تھا۔ اس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ رکھا۔ ہر دو کی جائے پناہ ایک ہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس برس تک میڈئین (مدینہ) میں تبلیغ کی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی

مدینہ میں بھی فریضہ سرانجام دیا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ضخیم ضابطہ حیات توریت کی صورت میں ملا جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ایک مکمل ضابطہ حیات قرآن حکیم کی شکل میں عطا ہوا جو ہر عہد، ہر ملک اور ہر قوم کے لئے قیامت تک کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی جہاد کرنا پڑا۔ دونوں نے نکاح کئے۔ دونوں کے ہاں اولاد ہوئی اور سب سے بڑی بات یہ کہ دونوں ہی خدا سے ہم کلام ہوئے۔ ایک کوہ طور پر۔ اور دوسرے عرش عظیم پر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تجرد کی زندگی بسر کی۔ پس اس سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ رہبر انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہیں۔

آل اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام میں دو شخصیتیں ایسی گزری ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ ساتھ پرشکوہ حکومت و بادشاہت بھی عطا کی۔ یہ دونوں شخصیتیں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہیں۔ ان دو برگزیدہ ہستیوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی پیشین گوئی فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو کتاب دی وہ زبور ہے اس کے باب ۴۵ میں جو اشارات ملتے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

۱. تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔
۲. تیرے سارے لباس سے عود عنبر کی خوشبو آتی ہے۔
۳. بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والیوں میں ہیں۔
۴. تیرے بیٹے، تیرے باپ دادوں کے قائم مقام ہوں گے۔ تو انہیں تمام زمین کے لئے سردار مقرر کرے گا۔
۵. میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا پس سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے۔

ان اشارات میں جس شخصیت کی طرف نشاندہی ہوتی ہے وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ جہاں تک صداقت کا تعلق ہے تو یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچپن میں ہی مل چکے تھے ظاہر ہے جو صادق و امین ہوگا وہ شرارت کا دشمن بھی ہوگا۔

دوسری بات خاص طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ آپؐ کے جسم اطہر سے ہر وقت خوشبو نکلتی رہتی تھی جس گلی اور کوچے سے گزر جاتے تھے۔ وہاں کی فضا معطر ہو جاتی تھی۔

تیسرے اشارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان دو ازواج کا پتہ چلتا ہے جن کا تعلق شاہی خاندان سے تھا یعنی ام المومنین حضرت جویریہؓ اور ام المومنین حضرت صفیہؓ۔

چوتھا اشارہ ان فتوحات کی طرف ہے جو حضورؐ کے خلفاء اور آپ کے ماننے والوں نے صرف ایک صدی کے اندر حاصل کیں اور دنیائے قدیم کی سیادت اور سرداری حاصل کی۔

پانچواں اشارہ تو اتنا واضح ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کی امت حشر تک رہے گی اور آپ کی ستائش کرتی

رہے گی۔ اللہ رب العزت اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی خوب درود وسلام بھیجا کرو۔

کتاب زبور میں ہی حضرت داؤد علیہ السلام کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں ایک اور پیشین گوئی بھی ملتی ہے جو بالکل واضح ہے۔

> مبارک ہیں وہ لوگ جو تیرے گھر میں بستے ہیں۔ وہ سدا تیری تسبیح کرتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کی عزت و قوت تیری وجہ سے ہے۔ تیرے گھر کی راہیں ان کے قلوب میں ہیں وہ بکہ کی وادی میں گزرتے ہیں۔ اس میں ایک کنواں بناتے ہیں۔

(کتاب زبور باب ۸۴)

اس پیشین گوئی میں بکہ اور کنواں دو ایسے واضح الفاظ ہیں جن کی وجہ سے زیر غور شخصیت سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ بکہ مکہ مکرمہ ہی کا نام ہے۔ گھر سے مراد خانہ کعبہ ہے۔ اس میں ایک کنواں ہے جس کا نام چاہ زمزم کے نام سے مشہور ہے۔ خانہ خدا کی راہیں یعنی خانہ کعبہ سے محبت و عقیدت عالم اسلام کے مسلمانوں کے اذہان و قلوب میں موجزن ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سطوت و جلالت کا یہ حال تھا کہ سرکش سے سرکش مخلوق بھی آپ کے اشارہ پر ناچتی تھی۔ آپ کی بادشاہت و حکمرانی صرف عالم انسانیت پر ہی نہ تھی بلکہ حیوانات، جنات، ہواؤں اور پانیوں پر بھی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھے۔ بیت المقدس کی تعمیر بھی آپ نے کروائی۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی جو پیشین گوئی فرمائی وہ صحیفہ غزل الغزلات کے باب پنجم آیت ۱۰ میں نبی کریم کے اسم مبارک بمع حلیہ کے یوں ہے اصل عبارت عبرانی بخط عربی یہ ہے۔

دودی صح وادہ م دغول مربابا عدوش کشریاتِ قصوثا رتلیتلم شحوروت کعوریسیلط عناد
کیونیم ط مل انیعتی ما لمد بجا لاب طبو شیئوث علی صلیت لحایا وکعمر رغیث هیو ممعلو ث
مرتاحیم ط سفتونا ؤ شوشیم نطلغوث مودعو بیوط مادا ؤ الکیلیلہ ماب تملابیم ریتو سلیسن ط
مغیاؤ عشتِ شین ط معلفت سپریم ط شرقاو معمودی شیسن میادیم علی ادفی نارم طمیھوکلیا تو '
طیاجو دکار ادیم خلو محمد یم ط زہ دودہ رعی ما یتوث یرد شلادیم ط

یعنی۔ میرا دوست! نورانی گندم گوں، ہزاروں میں سردار، اس کا سر چمکدار، اس کی زلفیں! مثل کوے کی کالی

اس کی آنکھیں ایسی! جیسے پانی کے کنڈ پر کبوتر۔ دودھ میں دھلی ہوئیں۔ نگینے کی مانند جانے میں جڑی ہوئیں۔
اس کے رخسار ایسے! جیسے خس کی ٹٹی پر بیل اور لوح پر رگڑی ہوئی خوشبو۔
اس کے ہونٹ ! پھولوں کی پنکھڑیاں جن سے خوشبو مترشح ہے۔
اس کے ہاتھ! سونے سے ڈھلے ہوئے اور جواہر سے جڑے ہوئے۔
اس کا شکم!
جیسے ہاتھی دانت کی تختی
جواہر سے لپٹی ہوئی۔
اس کی پنڈلیاں!
جیسے سنگ مرمر کے ستون سونے کی بیٹھکی پر جڑے ہوئے۔
اس کا چہرہ مانند آفتاب !
جوانی مانند صنوبر !
اس کا گلا نہایت شیریں !
اور وہ بالکل محمدیم ہے
یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب
اے یروشلم کی بیٹیو !

اس الہامی کلام میں بھی بین السطور صرف ایک شخصیت ہے اور وہ ہیں سرورِ کشورِ رسالت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیونکہ اس میں بعض الفاظ صراحت کے ساتھ آپؐ ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

آپؐ کی شخصیت بڑی بھرپور اور جاذب نظر تھی۔ روئے اقدس چودھویں کے چاند کی طرح منور اور تاباں تھا، پستہ قد سے ذرا دراز تھے۔ بال کسی قدر گھنگریالے۔ سر کے بالوں میں اگر اتفاقاً مانگ نکل آتی تو مانگ نکال لیتے۔ بال سیاہ چمکدار، پیشانی کشادہ تھی ابرو خم دار، باریک اور گنجان تھے۔ آنکھوں کی پتلیاں سیاہ تھیں، رخسار مبارک ہموار اور ابھرے ہوئے تھے۔ دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔ دندان مبارک باریک اور چمکدار تھے۔ گردن انتہائی خوبصورت، سینہ ہموار، فراخ اور چوڑا، کلائیاں دراز، ہتھیلیاں فراخ، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں مناسبت کے ساتھ لمبی تھیں۔ غرضیکہ۔

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ   فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی پیش گوئی ان الفاظ میں بھی فرمائی۔

" اثر سلطنة ظهرة واسمه احمد" یعنی مہر نبوت ان کی پشت پر ہوگی اور ان کا نام احمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہوگا۔ (توریت یسعیاہ باب ۴۲ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء وکتاب سیرت الرسول از سید محمد رضوان اللہ وانتظام اللہ)

آل اسرائیل میں حضرت یحیٰی علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر گذرے ہیں انہیں بپتسمہ دینے والے یوحنا کے نام سے بھی موسوم کیا گیا (انجیل یوحنا باب اکی ۱۹ تا ۲۵) سطور کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عہدنامہ جدید کے دور میں یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند پیشین گوئی کی تکمیل کے منتظر تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کا مسیحا ہونے کا دعویٰ کیا تو یہود نے ایلیا (حضرت الیاسؑ) سے متعلق استفسار کرنا شروع کیا۔ کیونکہ ان کے پاس موجود ایک اور پیشین گوئی کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل ایلیا (الیاس) کو اپنی دوسری زندگی میں آنا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا۔

ایلیا البتہ آئے گا اور سب کچھ بحال کرے گا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیا تو آچکا ہے اور انہوں نے اسے پہچانا نہیں۔

(انجیل متی باب ۱۷ آیت ۱۱ تا ۱۳)

یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب سنا تو سمجھ گئے کہ انہوں نے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا تھا۔

انجیل یوحنا (باب ۱ آیت ۲۱) کے مطابق جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی، حضرت یحیٰیؑ کے پاس بھیجے۔ یہ پوچھنے کو کہ وہ کون ہیں؟ تو انہوں نے نہ تو کوئی اقرار کیا اور نہ ہی انکار۔ بلکہ یہ کہا۔ میں مسیح نہیں ہوں۔ پھر انہوں نے پوچھا؟ پھر تو کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے؟ جواب دیا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ پیغمبر ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔

سوال کرنے والے یہودیوں نے کہا اگر تو نہ مسیح ہے۔ نہ ایلیا ہے اور نہ ہی وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے۔

(انجیل یوحنا باب ۱ آیت ۲۵)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی جو چودہ سو سال سے تین شخصیتوں کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں، عیسیٰ علیہ السلام، الیاس علیہ السلام اور وہ پیغمبر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت الیاس علیہ السلام تو آچکے تھے۔ مگر جس پیغمبر کو بعد میں آنا تھا وہ ابھی تشریف نہیں لائے تھے حضرت یحیٰیؑ نے بلپتے تینوں ان تینوں میں سے کوئی ایک ہونے سے انکار کیا مگر بائیبل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے ان کی بعثت کو حضرت الیاس علیہ السلام کی آمد کا مصداق ٹھہرایا ہے۔ اس لئے اوّل الذکر دو بزرگ یعنی حضرت الیاسؑ اور حضرت عیسیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل ظاہر ہو چکے تھے۔

یہاں وہ نبی سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند ایک نبی کے ہیں۔ اور ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند سوائے ہادی اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی شخصیت ہے ہی نہیں۔

لفظ وہ نبی، پیغمبر اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ بعض سابقہ کتب آسمانی میں بھی مذکور ہے اور آج مسلمان بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے "آنحضرت" کا لفظ استعمال کرتے ہیں جبکہ اہل یورپ "دی پرافٹ" کہتے ہیں۔ تینوں الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں۔ چنانچہ تیسری حقیقت منتظرہ جس کو "وہ نبی" سے تعبیر کیا ہے۔ ذات محمدیؐ کے سوا اور کوئی

ذات نہ تھی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے "بروت بار بیت عینا" میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی نوید سناتے ہوئے کہا۔

"تمہارے درمیان ایک شخص کھڑا ہے۔ جسے تم نہیں جانتے۔ یعنی میرے بعد آنے والا، میں جس کی جوتیوں کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں۔"

(انجیل یوحنا باب ۱ آیت ۲۷)

یہ پیشین گوئی بہت ہی واضح ہے۔ حضرت یحییٰ ؑ کے عہد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہو چکا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آل اسرائیل میں نبوت کی آخری کڑی تھے۔ ان کے بعد صرف اور صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا۔ "میں جس کی جوتیوں کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں" کا مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ نبوت کے سورج، ادیان مذاہب کے سرتاج اور رہنمایانِ دین کے رہبر اعظم ہیں۔ آپ پر باب نبوت تمام ہوا۔ آپ کی شریعت تاحشر قائم و دائم رہے گی۔ آپ نوع انسانی کے لئے رحمت عام بنا کر بھیجے گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آل اسرائیل کے سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ ان کا شمار تاریخی دور میں ہوتا ہے ان کے بارے میں تاریخی طور پر بہت سی باتیں ہم تک صحت کے ساتھ پہنچیں اگرچہ اس دوران میں ان کی کتاب (انجیل مقدس) میں بھی بہت سی تحریف ہوئی اور یہ آج اپنی حقیقی صورت میں موجود نہیں۔ محققین یورپ بھی آج اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ابتدائی تین صدیوں میں تقریباً اڑھائی سو انجیلیں پائی جاتی تھیں ۳۲۵ء میں نیسیا کی کونسل نے ان سب انجیلوں کو جمع کیا اور صرف چار کو منتخب کر کے باقی کو متروک کر دیا۔ یہ انتخاب کسی تاریخی علمی بنیاد پر نہیں کیا گیا بلکہ ایک طرح کی فال نکالی گئی اور اس کو الہامی اشارہ تسلیم کر لیا گیا۔ آج جو انجیلیں دستیاب ہیں ان میں انجیل یوحنا، انجیل متی، انجیل مرقس اور انجیل لوقا عیسائیوں کے نزدیک محترم ہیں۔ ان اناجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت سی ایسی پیشین گوئیاں ملتی ہیں جن سے واضح طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی نوید ملتی ہے انجیل یوحنا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی پیشین گوئی یوں ملتی ہے۔

"لیکن جب فارقلیط آئے گا جسے میں تمہارے پاس بھیجوں گا۔ وہ خدا سے آئے گا۔ وہ سچائی کی روح ہو گا۔ جو خدا کی طرف سے آئے گا وہ میری گواہی دے گا۔"

(یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۶)

اس پیشین گوئی میں دو الفاظ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ پہلا لفظ فارقلیط "عبرانی زبان میں جس کے معنی حمد کیا گیا ہے۔ احمد، محمدؐ، تسلی دینے والا اور وکیل کے ہیں۔ دوسرا لفظ سچائی کی روح جو آپ کے صادق اور امین ہونے کی طرف دلالت کرتا ہے۔ ان الفاظ کی موجودگی میں کوئی دوسری شخصیت سامنے آ ہی نہیں سکتی۔

ایک دوسری جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی یوں ہے۔

میں خدا سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں اور کوئی تسلی دینے والا (فارقلیط) دے گا جو ہمیشہ تمہارے

ساتھ رہے گا۔

(انجیل یوحنا باب ۱۴۔ آیت ۱۶)

اس پیشین گوئی میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں واضح اشارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ کے بعد نہ کوئی شریعت آئی اور نہ کوئی نبی مبعوث ہوا۔ اور "جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا" سے مراد بھی دراصل یہ ہے کہ آپ کی شریعت، آپ کا قانون اور آپ کی نبوت باقی رہے گی۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں واضح طور پر اعلان کر دیا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط

(سورۃ احزاب آیت ۴۰)

یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول اور سب نبیوں میں پچھلے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ پر باب نبوت بند ہو گیا اور آپ کی شریعت تا قیامت جاری و ساری رہے گی۔

حضرت عیسیٰ ؑ کی ایک اور پیشین گوئی اسی قسم کے الفاظ پر مشتمل ملتی ہے۔

"لیکن وہ تسلی دینے والا (فارقلیط) وکیل اور مقدس روح جسے میرے نام پر خدا بھیجے گا وہ سب کچھ تمہیں پڑھائے گا اور ان تمام باتوں کی یاد دلائے گا جو میں نے کہی ہیں"

(انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۶)

اس پیشین گوئی میں دیگر باتوں کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت "مصدق" کی جانب اشارہ ہے۔ کیونکہ آپ نے دیگر انبیاء کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی بھی تصدیق فرمائی۔ انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک اور پیشین گوئی یوں ہے۔

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

(یوحنا باب ۱۶ آیت ۷)

مزید ارشاد ہوا

"بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا۔ اس لئے کہ اس جہاں کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں"

(یوحنا باب ۱۵ آیت ۳۰)

وہ تمہیں سچائی کی راہ دکھائے گا۔ وہ جو کچھ خدا سے سنے گا صرف وہی کہے گا۔ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ خدا کی تمجید کریگا اور اس کا جلال ظاہر کرے گا۔

(یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ سب پیشین گوئیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرف بحرف صادق آتی ہیں۔ جس صراحت اور اہتمام کے ساتھ حضرت عیسیٰ ؑ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی اور سے منقول نہیں۔ انجیل متی کے باب ششم

آیت ۱۰ کے مطابق حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو یہ دعا سکھائی اور انہیں ہدایت کی کہ اسی طور دعا مانگتے رہنا۔

"اے خدا! وہ حکومت آئے اور تیری حکومت کی عملداری اس زمین پر قائم ہو جیسی کہ آسمانوں میں ہے۔"

متی کی انجیل باب ۱۰ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو یہودیوں کے شہروں میں تبلیغ کرنے کے لئے بھیجا تو انہیں ایک نصیحت یہ بھی کی تھی کہ تم جہاں سے بھی گزرو۔ راہ میں یہ اعلان کرتے جانا کہ خدا کی حکومت نزدیک آرہی ہے۔ متی میں یوں مرقوم ہے۔

اور اس نے اپنے بارہ حواریوں کو اکٹھا کر کے انہیں یہ طاقت بخشی کہ انہیں تمام شیطانی روحوں پر پورا پورا اختیار ہو اور وہ بیماریوں کا علاج کر سکیں پھر انہیں خدائی حکومت کا وعظ کرنے کے لئے اور بیماروں کو شفایاب کرنے کے لئے باہر بھیج دیا گیا۔"

(انجیل متی باب ۹ آیت ۱ تا ۲)

انجیل متی کے اگلے باب میں ہے۔

"ملک میں بیماروں کو صحت و تندرستی عطا کرو اور انہیں بتاؤ کہ خدا کی حکومت ہمارے نزدیک آپہنچی ہے اور جو تمہاری نصیحت پر عمل نہ کریں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ کی حکمرانی نزدیک آگئی ہے۔"

(انجیل متی باب ۱۰ آیت : ۹)

انجیل کے ان مندرجات سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی یہ خوشخبری کسی آئندہ زمانے کے لئے تھی جس کا تعلق حضرت عیسٰی علیہ السلام یا اور کسی ذات سے ہے جو بھی اس وقت موجود تھی نہ تھا اگر ہوتا تو حضرت عیسٰی علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو اپنے حواریوں کو یہ دعا سکھانے کی کیا ضرورت تھی۔

کہ اے خدایا! وہ حکومت آئے یا حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواری شہر شہر، لوگوں کو یہ بتاتے پھریں۔ کہ اللہ کی بادشاہی نزدیک آرہی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت کے بعد بھی اگر ان کے حواری یہ دعا مانگتے ہیں تو اس سے مراد حضرت عیسٰی علیہ السلام کا عہد نبوت نہیں بلکہ ان کے بعد کسی عظیم شخصیت کی آمد کی نشاندہی ہو رہی ہے اور وہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اور کوئی نہ تھی۔ اناجیل میں حضرت عیسٰی کی پیشین گوئیوں کی تصدیق قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ قرآن پاک کے مطابق جہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اس بات کی تصدیق کی کہ میرا وجود تورات کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے وہاں یہ بشارت بھی سنائی۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (سورۃ الصف آیت ۶)

اور ایک رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اور اس کا نام احمدؐ ہوگا۔

اب آیئے انجیل برناباس کی طرف جو اگرچہ اہل نصاریٰ کے ہاں زیادہ معتبر کتاب نہیں لیکن اگر تمام اناجیل کا مطالعہ

کیا جائے تو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ "برناباس" جس کا اصل نام "Joseph" تھا حضرت عیسیٰ ؑ کے بارہ حواریوں میں سے سب سے زیادہ معتبر تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھا لیئے جانے کے بعد اناجیل سینکڑوں کی تعداد میں لکھی گئیں۔ کئی اناجیل ایسی تھیں۔ جن میں آپ کو اللہ یا ابن اللہ (معاذ اللہ) کہا گیا۔ جبکہ کچھ ایسی بھی تھیں جن میں اس نظریئے کی سختی سے تردید کی گئی اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے جہاں کا نبی بتایا گیا "انجیل برناباس" کا شمار بھی انہی کتابوں میں ہوتا ہے۔ تاریخی نظر میں اسی کو تمام انجیلوں کا اصل اور مرجع قرار دیا جاتا ہے۔ عیسائی "انجیل برناباس" کے قائل اس لئے نہیں ہیں کہ اس کے مندرجات سے عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث پر ضرب کاری پڑتی ہے۔

برناباس نے اپنی کتاب میں ہادی اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو بھی پیشن گوئیاں لکھی ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

> "وہ نشانیاں جو خدا میرے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے، ظاہر کرتی ہیں کہ میں اللہ کے ارادے سے کلام کرتا ہوں اور میں اپنے کو اس نبی جیسا نہیں سمجھتا۔ جس کے بارے میں تم کہتے ہو۔ اس لئے کہ میں تو اس کا بھی اہل نہیں، کہ رسول اللہ کے جوتوں کے تسمے کھولوں جسے تم "مسیا" کہتے ہو اور مجھ سے پہلے پیدا ہوا ہے اور میرے بعد کلام حق لیکر آئے گا اور اس کے دین کی انتہا نہ ہوگی۔
>
> (انجیل برناباس باب ۴۴، آیت : ۵ - ۱۱)

ڈاکٹر سعادت بک جنہوں نے برناباس کی انجیل کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔ وہ انجیل برناباس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں

> "برناباس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا ذکر کئی فصلوں میں صراحت کے ساتھ کیا ہے اور انہیں رسول اللہ بتایا ہے اور ذکر کیا ہے کہ جب آدمؑ جنت سے نکالے گئے تو جنت کے دروازے پر یہ سطریں نورانی حروف میں لکھی ہوئی دیکھیں۔ لاالٰہ اللہ محمد رسول اللہ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا اور اس کی آمد کی کیا نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔

اس مسیح کا نام "قابل تعریف" ہے۔ کیونکہ خدا نے جب اس کی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا یہ نام خود رکھا تھا۔ اور وہاں اسے ایک ملکوتی شان میں رکھا گیا تھا۔ خدا نے کہا! اے محمد! انتظار کر کیونکہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا اور بہت سی مخلوق پیدا کروں گا اور اس کو تحفہ کے طور پر تجھے دوں گا۔ یہاں تک کہ جو تیری تبریک کریگا۔ اسے برکت دی جائے گی سو اس کا نام نامی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے۔ (انجیل برناباس باب: ۹۷)

> "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ہر نبی جب آیا ہے۔ خدا کی رحمت کا نشان صرف ایک قوم کے لئے لایا اور اسی لئے ان کا کلام نہ پھیلا۔ سوائے ان لوگوں تک کے، جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ پر خدا کا رسول، جب وہ آئے گا۔ تو خدا اسے گویا اپنے ہاتھ سے مہر نبوت عطا کرے گا۔ کہ وہ دنیا کی ان تمام قوموں کے لئے جو

اس کا دین قبول کریں گے۔ نجات اور رحمت لائے گا۔ وہ بے دینوں پر طاقت کے ساتھ آئے گا، اور بت پرستی مٹا دے گا۔ یہاں تک کہ وہ شیطان کو مبہوت کر دے گا۔ کیونکہ خدا نے ابراہام سے یہی وعدہ کیا تھا کہ دیکھ، تیری نسل میں، میں زمین کے تمام قبیلوں کو برکت دوں گا۔ اور جس طرح اے ابراہام! تو نے بت پاش پاش کئے اسی طرح تیری نسل کرے گی!!!!!

(انجیل برناباس اردو ترجمہ آسی ضیائی صفحہ: ۷۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے ایک حواری اندریاس نے سوال کیا کہ آپ جس نبیؐ کے آنے کی نوید سنا رہے ہیں، ہمیں ان کی کوئی نشانی بتائیں تاکہ ہم اسے جان لیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

"وہ تمہارے وقت میں نہ آئے گا۔ بلکہ تمہارے چند سال بعد آئے گا۔ جب انجیل کالعدم کر دی جائے گی۔ یہاں تک کہ بمشکل تیس ایمان دار رہ جائیں گے۔ اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا۔ سو وہ اپنا رسول بھیجے گا۔ جس کے سر پر ایک سفید بادل چھایا رہے گا۔ جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جان لیا جائے گا۔ اور خدا اسی کے ذریعے دنیا پر ظاہر ہوگا۔ وہ بے دینوں پر بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا۔ اور زمین پر بت پرستی نیست کر دے گا۔ اور اس سے مجھے مسرت ہے۔ کیونکہ اسی کے ذریعے ہمارے خدا کی معرفت اور تمجید ہوگی اور میرا سچا ہونا معلوم ہوگا۔

انجیل برناباس اردو ترجمہ آسی ضیائی صفحہ (۱۱۲-۱۱۳)

ان اقتباسات کے بعد نہ کسی بحث کی ضرورت رہتی ہے اور نہ ہی کسی دلیل کی کیونکہ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

تورات اور اناجیل کی پیشین گوئیوں کی مزید تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے زمانے میں یہود و نصاریٰ دونوں عناصر عرب میں موجود تھے اور وہ ایک ایسے نبی آخر الزمان کی آمد کے منتظر تھے جو آلِ اسماعیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو راستہ دکھلائے۔ یہ عقیدہ یہود مدینہ کا بھی تھا اور انہی سے مدینہ منورہ کے قبائل اوس و خزرج نے سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کر کے اسلام میں سبقت کی۔ یہی عقیدہ عرب کے نصاریٰ کا تھا۔ وہ بھی منتظر ہی رہے۔ اور غالباً آج تک منتظر ہیں۔ لیکن انہی کے کلام سے اہل مدینہ اور دیگر بادیہ نشین عرب نے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کی طرف پہل کی اور رسولِ منتظرؐ کی امت میں داخل ہو گئے۔ کہ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اسلامی تاریخ نگاری میں زہری کا حصہ*

عبدالعزیز دوری ؛ مترجم : ظفر الاسلام

اسلام میں تاریخ نگاری کی ابتدا دو مرکزوں سے ہوئی۔ پہلا مرکز مدینہ تھا جو بنیادی طور پر اسلامی فکر کا ترجمان اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اسلام کی ابتدائی تاریخ کے ساتھ مخصوص تھا۔ دوسرا مرکز عراق (بصرہ و کوفہ) تھا جو قبائلی زندگی اور تاریخی مطالعہ کے مختلف پہلوؤں سے متعلق تھا۔ اسلامی تاریخ نگاری کی نشو و نما پہلے مرحلہ میں اجتماعی کوششوں کی مرہونِ منت تھی۔ انفرادی کوششیں ان میں سے کسی نہ کسی مرکز سے منسلک تھیں اور اس کو ترقی دینے میں ممد و معاون ثابت ہوئیں۔

مدینہ کے اہلِ علم حضرات نے سب سے پہلے احادیث نبویؐ کو اپنے مطالعہ و تحقیق کا موضوع بنایا جو بعد میں سیرت نبویؐ اور اُمت کے حالات و معاملات میں دلچسپی کا باعث بنے۔ اس طریقہ سے اسلامی تاریخ نگاری ابان بن عثمانؓ کے دور سے جو علم حدیث و فقہ میں دستگاہ رکھنے کے علاوہ مغازی میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ارتقا کر کے عروہ بن زبیر کے یہاں ایک فن کی شکل میں نمایاں نظر آتی ہے۔ ایک محدث و فقیہ کی حیثیت سے مشہور ہونے کے علاوہ عروہ بن زبیر مغازی ادب اور تاریخ نگاری کے مدنی اسکول کے بانی کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ ان کی بیان کردہ روایات سے سیرت نبویؐ اور اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اُن کی خاص دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن مدنی اسکول کی بنیادوں کو استوار کرنے اور تاریخی مطالعہ کو وسعت و ترقی دینے کا امتیاز زہری کو حاصل ہے۔ مزید برآں زہری کی تالیف سے اس امر کو سمجھنے میں بخوبی مدد ملتی ہے کہ مغازی ادب کی اصلیت مشہور و معروف قصّوں میں ہے۔ جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے[2]، بلکہ اس کی بنیاد دیں محدثین اور ان کے متبعین کی تالیفات سے فراہم ہوئی ہیں۔

زہری کی تاریخ وفات ۱۷ رمضان ۱۲۴ھ (۷۴۲ء) ہے۔ سوانح نگار اور مورخین عام طور سے اس پر متفق ہیں[3]۔ لیکن ان کی تاریخ پیدائش سے متعلق مختلف روایتیں ملتی ہیں جو درحقیقت وفات کے وقت ان کی عمر کی بابت مختلف اقوال۔ ۵۰، ۵۱، ۵۶، ۵۸ سال[4] پر مبنی ہیں۔ زبیر بن بکار[5] اور واقدی کی ایک روایت کے مطابق[6] انھوں نے ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی تھی۔ اس لحاظ سے ان کا سن پیدائش ۵۱-۵۲ھ (۶۷۱-۶۷۲ء) قرار پاتا ہے۔

زہری کے اساتذہ میں اس دور کے جلیل القدر محدثین شامل تھے۔ لیکن زہری کے نزدیک روایت کے اعتبار سے

---

* مطبوعہ "بلیٹن آف دی اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز" یونیورسٹی آف لندن، جلد ۲۹۔ جزو اوّل، ص ۱-۲۴)

ان میں سب سے زیادہ مقبول اور علم و فضل کے لحاظ سے نہایت معزز سعید بن مسیبؒ، ابان بن عثمانؓ، عبداللہ بن عتبہ[9] اور عروہ بن زبیر ہیں۔ زہری ان چاروں محدثین کو "علم کا سمندر"[10] تصور کرتے ہیں جن کے فیض سے ان کی صلاحیت و استعداد کو چار چاند لگ گئے[11]۔

زہری اپنی قوتِ حافظہ کے لیے بھی بہت مشہور ہیں۔ علمی میدان میں اس کی اہمیت و افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ زہری کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ یادداشت کو تقویت دینے کے لیے شہد کا استعمال کرتے تھے[12]۔ اس سے اہم بات یہ کہ وہ تختیوں اور کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر احادیث اور اُن کی تشریحات لکھنے میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ اس سے بھی انھیں اپنے علمی سرمایہ کے تحفظ میں مدد ملتی تھی۔ ان کی بابت یہ عام طور پر مشہور ہے کہ وہ جو کچھ سنتے تھے قلمبند کر لیا کرتے تھے[13] اور احادیث نبویؐ و آثار صحابہؓ کو نوٹ کرنے میں خصوصی توجہ سے کام لیتے تھے[14]۔ زہری اپنے تحریری کارناموں کی وجہ سے اپنے دور کے سب سے ممتاز اہلِ علم میں شمار ہوتے تھے۔

مغازی کے بیان میں زہری کے سب سے اوّل اور اہم ماخذ عروہ بن زبیر ہیں۔ وہ تحصیلِ علم کی خاطر کافی عرصہ تک اُن کی خدمت میں مقیم رہے۔ وہ انھیں علم کے "بحرِ زخار" سے تعبیر کرتے تھے[15]۔ ابن خلکان کی رائے میں عروہ بن زبیر مغازی کے سب سے پہلے مصنف ہیں[16]۔ حاجی خلیفہ نے بھی اسی خیال کی تائید کی ہے[17]۔ سخاوی نے اس پہلو پر خاص زور دیا ہے کہ زہری نے عروہ کی سند سے مغازی کی روایات کو ذکر کیا[18]۔ اس طرح مختلف ذرائع سے یہ ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ مغازی کے باب میں زہری نے عروہ کی روایات پر کافی اعتماد کیا ہے۔ عروہ کی بیان کردہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قصوں کے طرز پر ہیں۔ اور جزئی واقعات پر مشتمل ہیں[19]۔ تاریخ نگاری کا کوئی متعین خاکہ ان میں نہیں ملتا۔ لیکن زہری نے عروہ کے علاوہ سعید بن مسیب[20]، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ[21] اور بہت سے دوسرے راویوں کی سند سے مغازی کے واقعات کو بیان کیا ہے[22]۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زہری نے مدینہ میں رہ کر احادیث نبویؐ اور اقوال صحابہؓ کی چھان بین کی۔ اس اہم کام میں ان کی سماجی حیثیت، اچھے حافظہ اور تحریری یادداشت سے کافی مدد ملی۔ انھوں نے اپنی تحقیق و تفتیش کا دائرہ صرف اہلِ علم تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ ہر اس شخص سے رجوع کرنے کی کوشش کی جو احادیث و روایات کی بابت تھوڑی بہت بھی معلومات رکھتا تھا اور قابلِ اعتماد تھا۔ وہ مجلسوں میں شریک ہوتے اور لوگوں کے گھر جا کر انفرادی طور پر اُن سے رابطہ قائم کرتے۔ عورت و مرد، بچے و بوڑھے سب سے معلومات فراہم کرتے[23]۔ زہری کی یہ روایتیں زیادہ تر مغازی سے متعلق ہیں۔

پیشِ نظر مقالہ کا مقصد محدّث و فقیہ کی حیثیت سے زہری کے فضل و کمال پر روشنی ڈالنا نہیں بلکہ ایک سیرت نگار یا مورخ کی حیثیت سے ان کی خدمات کا جائزہ لینا ہے[24]۔ حدیث و فقہ کے میدان میں ان کی عظمت و فضیلت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ ذکر کافی ہے کہ وہ مدینہ کے معروف و مشہور محدثین و فقہا کی روایات کے امین تصور کیے جاتے تھے[25]۔

زہری کی معرکۃ الآرا تالیف سیرتِ نبویؐ کے جملہ ادوار (ماقبل اسلام و مابعد اسلام) کی عکاس ہے (بعثت سے قبل)

آپ کی زندگی میں جو اہم واقعات رونما ہوئے اُن کے ذکر کے علاوہ یہ کتاب مکی و مدنی زندگی کے مختلف پہلوؤں بالخصوص آپ کے پیغمبرانہ مشن اور نبویؐ کارناموں پر روشنی ڈالتی ہے۔ سخاوی کے خیال میں حجاج بن ابی منیع نے مغازی کی روایات میں زہری کو ماخذ کی حیثیت سے استعمال کیا ہے[۲۶]۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زہری نے مغازی پر ضرور کوئی کتاب تصنیف کی ہوگی۔ حاجی خلیفہ نے اس نوعیت کی ایک کتاب زہری سے منسوب کی ہے[۲۷]۔ زہری بار بار "سیرۃ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں[۲۸] اگرچہ ان کی کوئی کتاب اس نام سے معروف نہیں ہے۔

زہری کی مکمل کتاب دستیاب نہیں۔ صرف اس کے متفرق اجزاء واقدی، طبری اور بلاذری کی تالیفات میں ملتے ہیں۔ ان اجزاء کو ترتیب دے کر تاریخی واقعات کا ایک مربوط مجموعہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ مختصراً اس کا ایک خاکہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ زمانہ ماقبل اسلام:

(ا)۔ اس دن (جمعہ) کا ذکر جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، جنت میں دخول اور اس سے اخراج ہوا[۲۹]۔

(ب) حضرت نوح علیہ السلام کا بیان، اُن کی اولاد اور نسل کا کرۂ ارض پر منتشر ہونا اور اُن کے مابین زمین کی تقسیم[۳۰]۔

(ج) عرب (اولادِ اسمٰعیل) کی قدیم تاریخ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے واقعات سے شروع ہو کر عام الفیل تک پہنچتی ہے اور عہد ہجرت پر اختتام پذیر ہوتی ہے[۳۱]۔

(د) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا عہد اور اس کی عدم تکمیل کے لیے شیطان کی ناکام کوشش[۳۲]۔

تاریخی واقعات کے یہ اجزاء گزشتہ انبیاء کی زندگی کے مطالعہ میں زہری کی دلچسپی کو ظاہر کرتے ہیں قطعی طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بیانات مغازی کا حصہ تھے یا کسی اور باب کا۔ البتہ پہلی صورت قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ سخاوی کی روایت کے مطابق[۳۳] یونس بن فرید (وفات ۱۵۶ھ/۷۷۳-۷۷۲ء) نے بھی نبوت سے پہلے کے ان واقعات کو قلمبند کیا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ میں آئے تھے۔ مثلاً حرب فجار، تعمیر کعبہ اور حلف الفضول۔

(ر) زہری نبی موعود کے ظہور کے کچھ آثار کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً اس کی بابت ایک فرشتہ کا کسریٰ کو انتباہ[۳۴]۔ دورِ جہالت کے خاتمہ سے متعلق ایک کاہن کی پیشین گوئی اور ایک معجزاتی علامت کا ظاہر ہونا جس کی نشاندہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب کی جاتی ہے[۳۵]۔

(س) اس کے علاوہ تجارت کے لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات حاصل کرنے اور ان کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کا بیان اور آپ کی عمر مبارک کا ذکر ملتا ہے[۳۶]۔

۲۔ عہدِ رسالتؐ، مکی دور:

(الف) نزولِ وحی کی ابتدا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ و پریشاں حالی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تسلی و دلجوئی۔

اِس حقیقت کا انکشاف کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل کیسے ادراک کیا کہ انھیں پیغمبرانہ مشن کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔[37]
قرآن کریم کی پہلی و آخری آیت کا ذکر،[38] سلسلہ وحی کے انقطاع کے دوران پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانی[39]، اور قبولیت اسلام میں اوّلیت کا شرف حاصل کرنے والوں (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا و حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ) کا بیان۔[40]

(ب) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور تبلیغی جد وجہد، قریش کا ردِ عمل۔[41] قریش کے علاوہ دوسرے قبائل بالخصوص کندہ اور بنی عامر میں آپؐ کی دعوتی سرگرمیوں کا ذکر۔[42]

(ج) **ہجرت حبشہ** : نجاشی بادشاہ کے دربار میں مسلمانوں کا استقبال، نجاشی بادشاہ کے دربار میں ایک قریشی وفد کی آمد، مسلمانوں کو وہاں سے نکالنے اور اُن کے حوالہ کرنے کی ناکام کوشش، مسلمانوں کے تحفظ کے لیے نجاشی بادشاہ کی یقین دہانی اور اس سے متعلق دوسری تفصیلات۔[43]

(د) قریش کی جانب سے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا مقاطعہ۔[44] آپ کے عم محترم ابوطالب کی وفات اور کلمہ شہادت پڑھنے سے ان کی محرومی۔[45] شب اسراء و واقعہ معراج کا بیان۔[46]

(س) بیعت عقبہ اور اس کے خاص خاص نکات، مدینہ میں دعوتِ اسلام کی ابتدا۔[47]

مدنی دور :

(الف) **سفرِ ہجرت** : سراقہ بن جعشم کا آپؐ کے تعاقب میں نکلنا اور مشکلات سے دوچار ہونا۔[48] مدینہ منورہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور اس کا پس منظر، مسجد قبا کی تعمیر،[49] مہاجرین پر نئے ماحول کے طبعی اثرات اور ابتلاء بخار۔[50]

(ب) **سریہ بجار عبداللہ بن جحش** : شرکاء سریہ کی تعداد اور ان کا تعارف۔[51] محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر قریشی کاروان پر حملہ اور آپؐ کی جانب سے اظہار ناپسندیدگی۔[52]

(ت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید و رسالت اور یہودیوں کا ردِ عمل۔[53] مسلمانوں کے ساتھ ان کا برتاؤ، عبداللہ بن ابی کا معاندانہ رویہ،[54] تحویل قبلہ۔[55]

(ث) **غزوۂ بدر**[56] : کاروان قریش کی بابت عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب۔[57] قریش کی اعانت کے لیے ایما بن رحضہ کی دس اونٹوں کی پیشکش اور ضرورت کے وقت مزید کی یقین دہانی، فوج کے نظم و ضبط سے متعلق ایک قریشی نوجوان عمیر بن وہب کی رپورٹ اور قریش کو واپسی کا مشورہ، عتبہ بن ربیعہ کا اس مشورے سے اتفاق ابوجہل کا اس کی قبولیت سے انکار، جنگ کی ابتداء، اور دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ، مسلمانوں کو دیکھتے ہی ابوجہل کی زبان پر بد دعا کا جاری ہونا، کفار مکہ کی فوج پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نظر، مسلمانوں کی فتح و کامرانی اور دشمنوں کی پسپائی کے لیے خدائے تعالیٰ کے حضور آپ کی التجا، تمام مسلمانوں میں سب سے پہلے جامِ شہادت نوش کرنے والے اور ہر قبیلہ میں شہادت بہا اولیت حاصل کرنے والے کا ذکر۔[58] جنگ کے خاتمہ پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے میدانِ جنگ

کا معائنہ، قیدیوں کی حاضری اور ان کے ساتھ مثالی حسن سلوک کا بیان۔[۶۰]

(ح) **غزوہ سویق**: اس کی تاریخ اور متعلقہ تفصیلات۔[۶۱]

(د) مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین تعلقات کی خرابی، باہمی منازعت کی ابتدا، اوس کے ہاتھوں کعب بن اشرف کا قتل[۶۲] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے اوس و خزرج کی مسابقانہ کوشش، خزرج کا دوسرے یہودی ابو رافع ابن ابی الحقیق کو قتل کرنا[۶۳] یہودیوں کی جانب سے خطرات اور ان سے مصالحتی معاہدہ۔[۶۴]

(ذ) **غزوہ بنی قینقاع**: ایک آیت کے منشا کو ان کے خلاف اقدام کے لیے ارشاد ربانی تصور کرنا، اس قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں کے برتاؤ کا مفصل بیان۔[۶۵]

(ر) غزوہ قرقرۃ الکدر کا ذکر جو ہجرت کے بائیس مہینہ بعد واقع ہوا[۶۶]۔ اور ہجرت کے دو برس و دو مہینہ بعد بحران میں بنو سالم کے خلاف معرکہ کا پیش آنا۔[۶۷]

(ز) **غزوہ احد**[۶۸]: مدینہ کے اندر رہ کر یا اس سے باہر جا کر قریش سے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کا باہمی مشورہ[۶۹] عبداللہ بن ابی بن سلول کی رائے کا ذکر[۷۰] جنگ کے خاتمہ پر مسلمانوں کا ایک دوسرے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت معلوم کرنا[۷۱]۔ مشہور قریشی ابی بن خلف کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کی کوشش اور خود اس کا خاتمہ[۷۲]۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور متعلقہ واقعات کا بیان[۷۳]۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میدانِ جنگ پر ایک نظر اور اپنے تاثرات کا اظہار۔[۷۴]

(س) **مدینہ سے بنو نضیر کا اخراج**: پس منظر، تاریخ و حالات، اخراج، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مالِ غنیمت کی تقسیم۔[۷۵]

(ش) **غزوہ خندق**[۷۶]: اعداء اسلام کی مختلف جماعتوں کا اتحاد اور مسلمانوں کے لیے کٹھن صورتِ حال، بعض محاصرہ کرنے والوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو، دشمنوں سے مصالحت کرنے کے لیے انصار کی مخالفت، بعض قریش کی جانب سے خندق پار کر کے جنگ کرنے کی کوشش اور پسپائی[۷۷]، مسلمانوں کے خلاف بنو قریظہ کی سازش اور بدعہدی، قریش و یہودیوں میں پھوٹ ڈالنے کی کامیاب کوشش، سخت آندھی و طوفان اور محاصرہ کا خاتمہ۔[۷۸]

(ص) غزوہ خندق کے فوراً بعد بنو قریظہ کے خلاف اقدام[۷۹] اور ان کے ساتھ سخت برتاؤ[۸۰]، دیگر تفصیلات۔[۸۱]

(ض) بنو لحیان کے خلاف ایک مہم کی روانگی اور بعد کی تفصیلات کا ذکر۔[۸۲]

(ط) واقعہ افک کی تفصیلات۔[۸۳]

(ظ) سریہ زید بن حارث رضی اللہ عنہ کا ذکر جو ام قرفہ سے مقابلہ کے لیے بھیجی گئی۔[۸۴]

(ع) **صلح حدیبیہ**: اس کی غرض و غایت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہونے والے مسلمانوں اور قربانی کے لیے ساتھ جانے والے اونٹوں کی تعداد۔ راہ سفر کے انتخاب کے لیے نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت، حدیبیہ میں مسلمانوں کا قیام، قریش مکہ سے صلح کا معاہدہ کرنے کے لیے آپ کی خواہش اور پیش رفت، قریش کا ردِ عمل اور ان کا برتاؤ، بنو خزاعہ اور مسلمانوں کے مابین دوستانہ تعلقات، قریش کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادوں کی اطلاع[86]۔ تفتیش حالات اور پیغام رسانی کے لیے قریش کے متعدد سفراء کی آمد اور قریش کے سامنے صورتِ حال کی وضاحت، قریش کے نمائندوں سے بات چیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی، صلح کے لیے نیک ارادوں کا اظہار اور معاہدہ کا مشورہ۔ قریش کی جانب سے بات چیت کے لیے سہیل بن عمرو کی آمد۔ معاہدہ کے بعض الفاظ سے متعلق اختلافی بحث، معاہدہ کا طے شدہ متن اور گواہوں کے نام۔ معاہدہ کی بعض شرطوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اظہار ناپسندیدگی۔ حدیبیہ میں قربانی انجام دینے پر صحابہ کا پس و پیش صلح حدیبیہ اور اس کے نتائج کی اہمیت پر زہری کے تاثرات[87]۔

(ع) فتح خیبر: فتح کا پس منظر اور اس کی تاریخ، یہودیوں سے صلح کا معاہدہ، اس کے نکات پر عمل آوری اور کچھ قانونی باریکیاں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیالات[88]۔ فتح خیبر کے دوران پیش آنے والے واقعات[89]۔ فدک کے معاملات کا تصفیہ[90]، بعض چھوٹے چھوٹے معرکوں کا بیان[91]۔

(ف) فتح مکہ: حلیف اور مخبر کی حیثیت سے بنو خزاعہ کی خدمات کا ذکر[92]۔ صلح حدیبیہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنو خزاعہ سے باقاعدہ معاہدہ، بنو بکر اور قریش کا بنو خزاعہ پر حملہ اور فتح مکہ کے لیے مہم کا آغاز[93]، مسلمانوں کو اس سے باز رکھنے کے لیے ابوسفیان کی ناکام سفارت، اس مہم کو سرانجام دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاریاں[94]۔ آپؐ کی جانب سے مدینہ میں ایک قائم مقام کا تعین اور آپ کی قیادت میں مہم کی روانگی، روانگی کی تاریخ اور اس کے شرکاء کی تعداد[95]۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے اور دوسرے اہم فیصلوں کا اعلان۔ فتح کے بعد مکہ میں آپؐ کے قیام کی مدت کا ذکر[96]۔

(ق) فتح مکہ کے بعد کے غزوات: غزوہ ہوازن (یا غزوہ حنین) تعداد کی کثرت اور مسلمانوں کی خوش گمانی، کفار مکہ کے ایک مقدس درخت (ذات انواط) سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ کا ظہور[97]۔ ابتداءً مسلمانوں کی شکست کے آثار، انصار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپیل اور ان کا حوصلہ مندانہ جواب، جنگ فیصلہ کن مرحلہ میں، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں۔ فتح و کامرانی کا حصول[98] اور مال غنیمت کی تقسیم[99]۔ غزوہ تبوک[100] اور اس کی تفصیلات[101]، ایلہ، اذرح، اذرعات[102]۔ تبالہ اور جرش کے باشندوں پر جزیہ کا نفاذ[103]۔ دومۃ الجندل کا معرکہ اور وہاں کے لوگوں سے جزیہ کی تحصیل[104]۔

(ک) غیر مسلم سربراہانِ مملکت کے نام خطوط اور وفود کی آمد و رفت، کندہ کے وفد کی آمد[105]۔ بادشاہ ہرقل کے پاس دحیہ کلبی کے بدست ارسال مکتوب (زہری اس ضمن میں ہرقل کے ایک خواب اور اسلام کی جانب اس کے پوشیدہ رجحان کا ذکر کرتے ہیں، اور بطور ثبوت ایک پادری کے بیان کا حوالہ دیتے ہیں)[106]۔

کسریٰ بادشاہ کے نام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اور اس کو پھاڑنے کا واقعہ،[107] آپؐ پر اس کا ردِّعمل، یمن کے گورنر کو کسریٰ کا حکم کہ وہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اقدام کرے اور اُن سے مطالبہ کرے کہ یا تو وہ توبہ کر لیں ورنہ اپنی جان کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں، باذان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خط و کتابت، کسریٰ کے خاتمہ سے متعلق آپؐ کی پیشین گوئی پر یقین، باذان کا دیگر اہلِ فارس کے ساتھ اسلام قبول کرنا۔[108]

(ل) نجران کے قبیلۂ بنی حارث میں خالد بن ولید کا دعوتی مشن، بنو حارث کا مشرف بہ اسلام ہونا۔[109] بنو تمیم کا صدقہ کی ادائیگی سے انکار اور ان کے خلاف اقدام، مدینہ میں وفد بنی تمیم کی آمد اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت۔[110]

(م) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی زندگی سے متعلق تفصیلات،[111] ازواجِ مطہرات کا ذکر، پیغمبر کے بعض ناموں کی توضیح و تشریح۔[112]

(ن) حجۃ الوداع اور اُس سے متعلق تفصیلات،[113] رُومیوں کے خلاف حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک مہم کی تیاری۔[114]

(و) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری علالت، وفات کی قربت کا احساس اور ایک خطبہ میں اس کی جانب اشارہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مہم کو جلد روانہ کرنے کی ہدایت، خلافت کے مسئلہ پر بات کرنے کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس پر عمل کرنے سے انکار، اس ضمن کی دوسری تفصیلات۔[115] مسجد نبویؐ میں آخری بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمانوں سے ملاقات اور نماز کی امامت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنا۔[116] رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات اور آپؐ کا وصال، تاریخ وصال اور عمرِ مبارک کا ذکر،[117] آپؐ کی تجہیز و تکفین کا مفصل بیان۔[118]

مذکورہ بالا مضامین و واقعات کی اس بالترتیب تشکیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے پہلے زہری نے سیرت کا ایک متعین خاکہ فراہم کیا اور اس کے مختلف پہلوؤں کو اس انداز میں نمایاں کیا کہ بعد کے سیرت نگار اس کو وسعت دینے کے علاوہ اس پر کچھ اضافہ نہ کر سکے۔ مغازی یا سیرت پر زہری کی بحث کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ان اہم واقعات سے ہوتا ہے جو دورِ نبوت سے پہلے رونما ہوئے۔ زہری آپؐ کے شجرہ نسب سے متعلق بھی معلومات فراہم کرتے ہیں۔[119] آثار نبوت پر روشنی ڈالنے کے بعد نزول وحی کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر مکی و مدنی دونوں ادوار میں آپؐ کے نبویؐ کارناموں کا مفصل بیان پیش کرتے ہیں۔ ہجرت کی تفصیلات، مدینہ کے مخصوص حالات، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی سرگرمیاں، سفراء و وفود کی آمد و رفت، آپؐ کی آخری علالت اور وفات زہری کے بیان کے خاص و اہم موضوعات ہیں۔

زہری کے بیان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں واقعات کی ترتیب زمانی کی رعایت کی گئی ہے، وہ سیرت نبویؐ کے اہم واقعات، مثلاً ہجرت مدینہ، بدر، اُحد، خندق اور قرقرۃ الکدر کی جنگیں، بنو سالم، بنو قینقاع اور بنو نضیر کے خلاف معرکے، فتح خیبر، فتح مکہ، وفود کنندہ کی آمد اور آپؐ کے وصال کو خاص طور سے اُن کے وقوع کی تاریخ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔[120] واقعات کی

تاریخ کے تعین میں زہری کی دلچسپی سے فنِ سیرت نگاری کو ایک نیا اور اہم رُخ ملا۔

زہری کا اندازِ بیان بنیادی طور پر محدثانہ ہے[121]۔ ان کی علمی سرگرمیوں اور تصنیفی و تالیفی کارناموں کا خاص مُدعا علمِ حدیث کو فروغ دینا تھا۔ تاریخی روایات پر مشتمل حدیثیں محض اُن کا ایک حصہ ہیں۔ تحصیلِ علم اُن کے خیال میں ایک اہم سماجی و مذہبی ضرورت کی تکمیل کا نام ہے۔ ایک تعبدی عمل کی حیثیت سے بھی اس کا مقام کچھ کم نہیں ہے[122]۔ علم شرافت اور سماج میں اعلیٰ مرتبہ کے حصول کا ایک ذریعہ بھی ہے[123]۔

زہری کا طریقہ تحقیق و تفتیش اسناد یا سلسلہ روایت پر مبنی ہے۔ روایت کی پرکھ میں ان کا نظریہ ایک محدّث سے ملتا جلتا ہے۔ بعض اوقات ایک تابعی ہی کی روایت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان کی بیان کردہ حدیثوں میں تاریخی واقعات کی کثرت پائی جاتی ہے۔ زہری کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے اجتماعی روایت کے طریقہ کو ایجاد کر کے علم حدیث میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ اس نئے طریقہ کے تحت زہری متعدد احادیث کو ایک مربوط روایت میں مجتمع کر دیتے ہیں اور اس طرح ترتیب زمانی کی رعایت کے ساتھ تاریخی روایات کو بیان کر کے فنِ تاریخ نگاری کو ترقی و وسعت دیتے ہیں[124]۔ زہری اپنی روایات میں متعلقہ آیات قرآنی کا بھی بار بار حوالہ دیتے ہیں[125]۔ درحقیقت واقدی کی زہری سے بیان کردہ روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے مطالعہ نے جس میں متعدد مقامات پر مدینہ کے مسلمانوں کے حالات زیر بحث آئے ہیں۔ تاریخی مطالعہ اور علمی تحقیق کے لیے ایک اہم داعیہ فراہم کیا[126]۔

زہری کے بیان میں خاص کر جنگی مہمات کی تفصیل کے موقعہ پر ما فوق البشری اور انسانی دونوں کرداروں کی کارفرمائی نظر آتی ہے[127]۔ ان کے نزدیک واقعات کے ظہور اور نتائج کے رونما ہونے کا واحد مؤثر سبب تقدیر کے مطابق ان کا پہلے سے طے ہونا ہے۔ زہری نے صلح حدیبیہ کا اس طور سے جائزہ لیا ہے کہ یہ ایک ایسا اقدام تھا جو ابتدا میں مسلمانوں کے جوش و خروش کا مستحق نہ بن سکا[128]۔ لیکن یہ ایک عظیم الشان کامیابی (فتح مکہ) کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

زہری کی احادیث بالعموم آسان پیرایہ اور مختصر انداز میں حقائق کے بیان پر مشتمل ہیں[129]۔ زہری نے عام طور پر واقعات کو فاخرانہ انداز میں بیان کرنے سے گریز کیا ہے۔ گرچہ ان کے یہاں بھی کہیں کہیں، اس کی جھلک ملتی ہے۔ ان کے علاوہ دوسروں کے یہاں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں[130]۔ زہری کا تاریخی مواد مجموعی طور پر احادیث سے اخذ کردہ ہے۔ معروف و مشہور قصے ان کی رائے میں محض تفریح طبع کے آسان ذرائع ہیں[131]۔

زہری کے تاریخی مواد میں کچھ دوسرے عناصر کی آمیزش بھی نظر آتی ہے۔ یہ بعد کی تبدیلیوں کی نشاندہی کرتے ہیں مثلاً بعض مقامات پر مروجہ روایتوں اور قصوں کے اثرات دکھائی دیتے ہیں، خصوصاً رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر سے ہرقل کے ناروا برتاؤ[132]۔ کسریٰ کی پیشگی آگاہی[133]۔ کسریٰ کی حکومت کے خاتمہ کے سلسلہ میں ایک کاہن کا اپنے رفیق کو انتباہ[134]۔ اور ہجرت مدینہ کے وقت سراقہ کی جانب سے آپؐ کے تعاقب[135] جیسے واقعات کے ضمن میں۔ زہری گزشتہ پیغمبروں اور اہل کتاب کے مفاد میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں[136] اور اُن کے اس بیان میں بائبل کی روایتوں کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ اس نوعیت کے واقعات میں زہری کے واحد ماخذ کعب احبار ہیں[137]۔

زہری کے یہاں شعر و شاعری کی لطافت بھی ملتی ہے[138]۔ درحقیقت اس عہد کے تہذیب و تمدن میں شاعری کو جو مقبولیت حاصل تھی اس کی وجہ سے اسے نظر انداز کرنا مشکل تھا۔ شعر و شاعری میں زہری کی دلچسپی[139] اور اس میدان میں ان کے علم کی گہرائی عام طور سے مشہور و معروف ہے[140]۔ اشعار کے حوالے زیادہ تر مغازی کے بیان میں ملتے ہیں۔ لیکن ان میں دورِ جاہلی کی مخصوص شاعری "ایام" کا عکس نظر نہیں آتا۔

زہری کا تاریخی مطالعہ مغازی تک محدود نہیں ہے بلکہ انساب کی تفصیل اور اسلام کے ابتدائی حالات ان کی تاریخی روایات کے اہم اجزا ہیں۔ زہری کو علم انساب میں مہارت حاصل تھی[141]۔ ان کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے، کہ جب خالد القسری نے ان سے عرب کا نسب لکھنے کو کہا اور انھوں نے شمالی عرب کے قبیلہ مضر سے اس کی ابتداء کی۔ لیکن اس قدر تفصیل سے اُسے تحریر کرنا شروع کیا کہ یہ بھی مکمل نہ ہو سکا[142]۔ مصعب زبیری نے اپنی کتاب "نسب قریش" میں زہری کو ماخذ کی حیثیت سے استعمال کیا ہے[143]۔ اور اس سے قرہ بن عبدالرحمٰن کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ زہری نے اپنے لوگوں (قریش) کے نسب پر ایک کتاب تالیف کی تھی[144]۔

زہری نے خلافتِ راشدہ سے بھی بحث کی ہے۔ زہری نے اس عہد کے ان تمام واقعات کو بیان کیا ہے جو امت کی تعمیر و ترقی اور سنت کی آبیاری میں کافی اہمیت کے حامل تھے۔ انھوں نے آپ کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت کے رونما ہونے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کا تفصیل سے جائزہ لیا[145]۔ خلیفہ اول کے افتتاحی خطبہ کے ذکر کے بعد ایک خلیفہ کی حیثیت سے ان کے مثالی کردار کو نمایاں کیا ہے[146]۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر، ان کی جانب سے بیعت میں تاخیر اور فدک کی جائیداد پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دعویٰ استحقاق بھی زیر بحث آیا ہے[147]۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دیوان (سپاہیوں کے اندراج اور ان کے وظائف کی تعیین و تقسیم کا دفتر) کی تشکیل[148]۔ اور شوریٰ کی کارکردگی پر روشنی ڈالی گئی ہے[149]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عمر اور ان کے بعض خطبات کا بھی ذکر آیا ہے[150]۔ زہری کے یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت پر نہایت مفصل بیان ملتا ہے۔ سب سے پہلے قرآن کی ترتیب مذکور ہے[151]۔ اس کے بعد پُرفتن حالات کی عکاسی ہے۔ ان کا بیان اس حیثیت سے کافی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ اہلِ مدینہ کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتا ہے۔ زہری کی رائے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت کے چھ سال تک کافی مقبول رہے۔ اس کے بعد شکایتوں کی ابتدا ہوئی ہے جس میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا[152]۔ زہری نے ان شکایتوں[153] اور ان کے ازالہ کے لیے خلیفہ کی کوششوں کا مفصل بیان پیش کیا ہے[154]۔ مروان کے بیجا اثر و رسوخ[155]، اہلِ مدینہ میں افتراق و انتشار کا ظہور[156]، شورش و ہنگامے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت[157]۔ مدینہ کی اہم شخصیات پر اس کا ردِ عمل اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے واقعات بالترتیب قلمبند ہوئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور سے متعلق جو امور خصوصیت سے مذکور ہیں، وہ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے تاثرات، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان لوگوں کی گفتگو، بصرہ کے لیے تینوں کی روانگی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی بات چیت، جنگ جمل کا وقوع[158]، حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف، جنگ صفین اور فیصلہ تحکیم، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فتح مصر[159]، اہلِ کوفہ سے حضرت

حسن رضی اللہ عنہ کے تعلقات، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اُن کی بات چیت اور ان کے حق میں خلافت سے دستبرداری۔[161]

زہری نے دورِ بنو اُمیہ سے متعلق باقاعدہ کوئی تاریخی مطالعہ پیش نہیں کیا ہے۔ تاہم یہ مروی ہے کہ اموی خلیفہ ولید اوّل نے زہری سے خلفاء بنی اُمیہ کے دورِ حکومت کو انفرادی طور پر درج کرنے کی خواہش ظاہر کی[162] اور زہری نے ہر ایک کا عہدِ خلافت تاریخ کے تعین کے ساتھ قلمبند کر کے اس کی تکمیل کی[163] زہری کے مختصر بیان کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مشہور مؤرخ طبری ولید اوّل کی خلافت کی مدت پر بحث کرتے ہوئے زہری کا حوالہ دیتے ہیں۔[164]

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار (عہدِ نبویؐ، خلافتِ راشدہ اور مختصراً خلافتِ بنو اُمیہ) سے متعلق زہری کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ حدودِ اسلامیہ کی توسیع اور مفتوح علاقوں کے نئے حالات و تجربات نے تاریخ نگاری کے ارتقا کے لیے زمین ہموار کی۔ اصولِ اجماع کی نشوونما، سیاسی اختلافات اور فرقہ بندی، شورش و ہنگامے کے نتیجے میں رونما ہونے والے واقعات سے متعلق مختلف رائیں، خلیفہ کے تعین کے لیے انتخاب کے اصول کا اختیار کرنا، نظم و نسق کے شعبہ جات خصوصاً شعبہ محاصل و دیوان کی ترتیب و تشکیل[165]۔ وہ اہم مسائل ہیں جن پر زہری نے وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔

زہری کا اندازِ بیان سیدھا سادہ ہے۔ اُن کے بیان میں اُمت مجموعی طور پر صحیح راہ پر گامزن نظر آتی ہے۔ ان کی بیان کردہ روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُمت کی قیادت کے لیے رسولِ خداؐ نے کسی کو نامزد نہیں کیا، اس سے آپ کی جانب سے اصولِ انتخاب کی پسندیدگی اور موروثی جانشینی کی مخالفت کا پتہ چلتا ہے اور آپ کے وصال کے بعد اسی اصول کے تحت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر کیے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو ابتداءً کچھ متامل تھے۔ بعد میں بطیب خاطر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ زہری کے خیال میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اچھے اور کامیاب ترین خلیفہ کے اعلیٰ نمونہ تھے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کا فتنہ میں مبتلا ہونا اور تفرقہ و انتشار کا شکار ہونا زہری کی رائے میں "یقیناً" ایک تشویشناک معاملہ اور پیچیدہ مسئلہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جذبات کا برانگیختہ ہونا ان کے بعض انتظامی اقدامات کی وجہ سے تھا۔ بہر حال زہری کے بیان میں اس پُرفتن دور کی تصویر اتنی تاریک نظر نہیں آتی جتنی دوسروں کے یہاں دکھائی دیتی ہے۔ ان کی رائے کے مطابق اہلِ مدینہ فتنوں کے دوران واضح طور پر دو کیمپ میں منقسم تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شروع میں ایک صلاح کار کا کردار ادا کرتے ہیں، لیکن بعد میں وہ بالکل کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے انھیں سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ اس کے بعد زہری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اختلاف کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کے مابین جو اختلاف تھا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق بجانب تھے اور ان کے مخالفین کا عمل محلِ نظر تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منازعت میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقدامات کی تائید کی گئی ہے۔ زہری کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تیزی و ہوشیاری قابلِ تعریف تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونے کے واقعہ سے زہری یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقدامات کو قانوناً صحیح تسلیم کر لیا گیا تھا۔ زہری کے خیالات اس امر کی نشان دہی کرتے ہیں کہ وہ کسی سیاسی جماعت

سے متاثر نہیں تھے۔ وہ اپنے مشاہدات کی روشنی میں ایک غیر جانبدارانہ بیان پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس امر کی مزید وضاحت کے لیے یہاں زہری و بنو اُمیہ کے تعلقات پر مختصراً روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔[166]

یعقوبی کے بیان کے مطابق عبدالملک نے ابن زبیر سے اختلاف کے وقت اہلِ شام کو حج کے لئے جانے سے روکنے کی خاطر زہری کے حوالہ سے ایک حدیث روایت کی تھی جس سے حج کے لیے یروشلم جانے اور مسجد اقصیٰ کی زیارت کرنے کا جواز ثابت ہوتا تھا۔[167] اوّل تو یہ حدیث مشکوک ہے، دوسرے زہری اس وقت کم سن اور بالکل غیر معروف تھے۔ زہری نے یقیناً دمشق کا سفر کیا تھا لیکن عبدالملک سے اُن کی ملاقات اتفاقیہ تھی۔ خلیفہ پہلے سے ان کے واقف نہیں تھے، اس ملاقات کے بعد وہ ان کی علمیت و ذہانت سے متاثر ہوئے۔ خلیفہ نے خوش ہو کر ان کے ذمہ جو کچھ قرض تھا اس کی ادائیگی کا انتظام کرایا اور تحف و تحائف سے نوازا۔ مزید برآں انھیں علمی کاموں میں مصروف رہنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ زہری مدینہ واپس آ کر علمی مشاغل میں لگ گئے۔[168] اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زہری اس وقت ایک نوجوان عالم تھے اور اگر خلیفہ وہاں ان کی موجودگی کو اہم تصور کرتے تو خانہ جنگی کے دوران انھیں مدینہ واپس اور خاموشی کے ساتھ علمی کام کرنے کا مشورہ نہ دیتے۔ اس کے علاوہ ایک دوسری روایت سے یہ پتا چلتا ہے کہ ابن زبیر و عبدالملک کی باہمی جنگ کے دوران زہری عبدالملک کے اقدام سے متفق نہ تھے۔[169] اس لیے عبدالملک سے زہری کے اچھے تعلقات اور اموی دربار میں اُن کی مقبولیت قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ اس صورتِ حال میں زہری کا یہ بیان زیادہ قابلِ قبول ہے کہ وہ ابن الاشعث کے دور (۸۱-۸۰ھ) میں دمشق آئے۔[170] یہ بات قابلِ غور ہے کہ ابن زبیر کی وفات اس سے تقریباً سات آٹھ سال پہلے ہی ہو گئی تھی۔

اس امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علمی مصروفیات کی وجہ سے زہری ایک طویل عرصہ تک مدینہ میں مقیم رہے اور اس دوران اموی دربار میں ان کی موجودگی اتفاقیہ تھی۔ مدینہ سے وہ ادار منتقل ہوتے جو حجاز کی سرحد پر فلسطین کے شمال میں واقع ہے، وہاں سے اُنھوں نے ایک عالم کی حیثیت سے حجاز و دمشق کا سفر کیا۔[171] عمر بن عبدالعزیز اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔[172] عین ممکن ہے یزید ثانی اور ہشام کے دورِ خلافت میں اُنھوں نے دمشق میں سکونت اختیار کی ہو۔ یزید ثانی نے انھیں عہدۂ قضا سے سرفراز کیا۔ خلیفہ ہشام سے بھی اُن کے تعلقات اچھے تھے۔ خلیفہ نے اُنھیں اپنے لڑکے کا اتالیق مقرر کیا۔ اس سے اموی خلفاء کے یہاں اسلامی روایات کے پروان چڑھنے کا بھی پتا چلتا ہے۔ ہشام نے انھیں اپنے لڑکے کے لیے حدیثیں نقل کرنے کی بھی ہدایت کی۔[173] اور بعد میں ان کی مجلسوں کے لیے دو کاتب مقرر کیے جو اُن کے درس میں شریک ہوتے اور ان کی بیان کردہ روایات کو قلمبند کرتے۔[174]

بنو اُمیہ کے آثارِ قدیمہ میں زہری کی علمی یادگاروں کا بیشتر حصہ انھیں مجلسوں کے خطبات پر مشتمل ہے۔ خلیفہ ہشام سے زہری کی ایک اختلافی بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مکمل طور پر اموی خلفاء کے زیرِ اثر نہ تھے۔ ایک روایت کے مطابق ہشام نے زہری سے ایک آیت کے مفہوم کے بارے میں دریافت کیا۔ زہری نے جواب دیا کہ اس کا اطلاق عبداللہ بن ابی پر ہوتا ہے۔ ہشام کے خیال میں اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مقصود تھے۔ جب زہری نے اپنی رائے پر اصرار کیا تو ہشام نے اُنھیں جھوٹا قرار دیا۔ زہری نے اس کی تردید کی اور یہ خیال ظاہر کیا کہ "خدا کی قسم اگر آسمان سے یہ آواز سنائی دے کہ خدا نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے تو بھی میں جھوٹ نہیں بولوں گا"۔[175] اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ زہری کس پایہ کے عالم تھے۔

زہری کی علمی و تاریخی خدمات اسلام کے ابتدائی دَور پر مفصل بحث اور بیان کردہ روایات سے نتائج اخذ کرنے تک محدود نہیں بلکہ ان کا اصل کارنامہ اپنی روایات اور علمی تحقیقات کو ضبطِ تحریر میں لانا ہے۔ ان کے شب و روز کتابوں کے ارد گرد گزرتے تھے[176]۔ وہ کتابیں آج بھی اموی آثارِ قدیمہ کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ جنھیں زہری نے ہشام کی ہدایت پر تصنیف کیا تھا[177]۔ زہری کی جانب منسوب کردہ یہ بیان کہ "ہم حدیثیں لکھنا ناپسند کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اربابِ اقتدار کی جانب سے ہم اس کے لیے مجبور کئے گئے۔ اس کے بعد ہم نے یہ پسند نہ کیا کہ دوسروں کو اس سے منع کیا جاتے[178]۔ متاخرین رواۃ کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہے درحقیقت طالب علمی ہی کے زمانہ سے زہری نے احادیث اور ان کی تشریحات کو نوٹ کرنا شروع کر دیا تھا[179]۔ اس روایت سے بھی زہری کے تالیفی و تصنیفی کارناموں کا ثبوت ملتا ہے کہ لیث سمرقندی نے جب یہ توقع ظاہر کی کہ زہری کی کتابوں سے عام لوگوں کو استفادہ کا موقعہ ملے گا اور یہ کہ وہ اپنے علمی کارناموں کو تحریری شکل میں محفوظ کر کے اپنے آپ کو دوسرے کام کے لیے فارغ کریں گے تو زھری نے اس کے جواب میں یہ عرض کیا کہ اُنھوں نے جس انداز سے علم کی اشاعت کی ہے اور دوسروں کے لیے قابلِ استفادہ بنایا ہے۔ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے[180]۔ زہری تصنیفی کارناموں کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ کسی صاحب علم و فن کی کتاب کو پڑھنا اس سے براہِ راست فیض حاصل کرنا یکساں تصوّر کرتے تھے[181]۔ عبداللہ بن عمر کی روایت کے مطابق زہری کسی کو اپنی کتاب دیتے وقت اس کے مضامین کو بغیر کسی مزید استفسار کے نقل کرنے یا روایت کرنے کی اجازت دیتے تھے[182]۔ مالک بن انس نے زہری کی علمی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔ زہری پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم کو تحریر کا جامہ پہنایا[183]۔ ان تحریروں نے دوسروں کے لیے اشاعت علم کی راہیں ہموار کیں۔

مختصر یہ کہ مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ زہری نے سیرت نگاری کے لیے ایک متعین خاکہ اور مضبوط ڈھانچہ فراہم کیا۔ اپنے تصنیفی کارناموں کی وساطت سے مدنی روایات کو مقبول بنانے اور انھیں محفوظ کرنے کی اہم خدمات انجام دیں۔ اگر عروہ کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تاریخ نگاری کی داغ بیل ڈالی تو تاریخ نگاری کے مدنی اسکول کے قیام کا سہرا زہری کے سر ہے۔ دراصل زہری کی روایات اور سنجیدہ تخلیقات سے فن مغازی کی بنیادیں استوار ہوئیں اور نہ کہ وہب بن منبہ جیسے قصہ گو کے ذریعہ ان کے تلامذہ میں موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے خاص طور سے ان کے علمی کارناموں کو ترقی و وسعت دی۔ گرچہ ابن اسحاق کی کتابوں میں معروف و مشہور روایات اور بائبل کے قصوں کا کافی مواد موجود ہے۔ لیکن ان کی تخلیقات کو مرکزی خیال بہرحال زہری ہی نے فراہم کیا تھا۔

زہری نے خود اس نکتہ کی وضاحت کی ہے کہ اُمت کی روز افزوں ترقیات اور نت نئے تجربات فن تاریخ نگاری کے نشوونما کے لیے اہم محرک ثابت ہوئے۔ تاریخ نگاری کے ارتقا میں زہری کی گراں قدر خدمت یہ ہے کہ اُنھوں نے عروہ کی ابتدائی کوشش کو آگے بڑھایا۔ تاریخ نگاری میں ان کی دلچسپی نے تاریخی مطالعہ کے لیے راہیں ہموار کیں اور تاریخی روایات کے تحفظ کا سامان فراہم کیا۔

تعلیقات و حواشی

۱ مغازی عام طور پر "مہم" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ گرچہ لغوی طور پر یہ صحیح ہے لیکن تاریخی نقطہ نظر سے اس وقت اس کا مفہوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نبویؐ کارنامہ تھا۔

۲ دیکھئے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (مضمون بر "سیرۃ")

۳ بخاری، تاریخ، جلد اوّل حصہ اوّل صـ ۲۲۱، ابن قتیبہ، معارف، ۲۳۹، یافعی، مرآۃ، حصہ اوّل، ۲۶۰، ابن جوزی، صفوۃ الصفوہ دوم، ۹۷، فیشر، ذہبی، زنڈیہ، ڈی، ایم، جی، جلد ۴۴، ۱۸۹۰ء، ۴۲۵ - ذہبی (تراجم، ۷۲) اور ابن کثیر (جلد ۹، ۳۴۳) دونوں ۹۴ھ کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ گرچہ ۹۳ھ اور ۹۵ھ کا بھی امکانی حیثیت سے ذکر کرتے ہیں، دیکھئے اغانی، جلد ۶، ۱۰۶؎

۴ ذہبی، ۷۳ (واقدی ان کا سن پیدائش ۵۸ھ قرار دیتے ہیں) ابن جوزی، دوم، ۹۷، ابن کثیر، ۳۴۴؎

۵ ابن کثیر، جلد ۹، ۳۴۲ -

۶ فیشر، ذہبی، زنڈیہ، ڈی، ایم، جی، ۱۸۹۰ء، ۴۳۵؎

۷ زہری کئی سال تک سعید بن مسیب کی خدمت میں رہے، ذہبی، ۶۷

۸ بخاری، محولہ بالا، ۴۵۱ -

۹ اغانی، جلد ۸، ۹۲ - ۹۳؎

۱۰ ایضاً، ۹۲، ابن حجر، تہذیب، جلد ۷، ۶۵

۱۱ ذہبی، ۶۹ - نیز دیکھئے ابن قتیبہ، ۲۶۰، بخاری، ۲۲۱، ابن جوزی، دوم، ۷۷ - ۷۸

۱۲ سمعانی، انساب، ۲۸۱، ذہبی، ۶۸، ابن حجر، جلد ۷، ۶۸

۱۳ ذہبی، ۶۷

۱۴ ابن حجر، جلد ۷، ۶۸، ابن کثیر، جلد ۹، ۳۴۴، نیز دیکھئے ابن جوزی، دوم ۸۷

۱۵ بخاری، جلد ۴، ۳۲، ابونعیم، جلد ۳، ۳۶۰، ابن حجر، جلد ۷، ۶۵

۱۶ ابن خلکان، اوّل، ۵۸۶

۱۷ حاجی خلیفہ، دوم، ۱۶۴۷

۱۸ سخاوی، اعلان، ۴۸

۱۹ عروہ کی روایتیں خاص طور سے نزول وحی، ہجرت، غزوہ بدر و غزوہ بنی قینقاع، صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور پیغمبر کی زندگی کے کچھ ذاتی حالات سے متعلق ہیں۔

۲۰ـہ واقدی (مخطوطہ، مطبوعہ، تصحیح جانس) ۱۵۱، ۲۱۹، ۳۲۱، ۳۳۹، ۵۶۲، ۸۲۸، ۸۶۹، ۱۰۲۵، بلاذری، انساب، جلد ۵، ۲۵-۲۶، ۶۷، ۹۷

۲۱ـہ واقدی، ۳۸۳، ۵۱۹، ۶۵۷، ۸۱۶، طبری، اوّل ۱۸۳۴۔

۲۲ـہ ابن کعب بن مالک (واقدی، ۱۶۲، ۳۰۸، ابن سید الناس، اوّل، ۲۳۱)، انس بن مالک (طبری، اوّل، ۱۸۲۸)، محمد بن جبیر بن مطعم (واقدی، ۲۸۱، ابن سید الناس، اوّل، ۳۰) ابن عباس (طبری، اوّل، ۱۵۶۹، ابن سید الناس، دوم، ۱۴۵) عبداللہ بن عمرو بن العاص (ابن ہشام، ۲۱۴) ابن سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (طبری، اوّل، ۱۰۱۹، واقدی، ۴۵، ابن سید الناس، اوّل، ۲۳۰)، مالک بن اوس بن الحدثان (واقدی، ۲۴۹، ۳۶۳)

۲۳ـہ دیکھیے ذہبی، ۶۹

۲۴ـہ دیکھیے ہوروتس، سیرت کے اوّلین مآخذ اور اُن کے مصنفین، اسلامک کلچر (حیدرآباد) جلد دوم ۱۹۲۸ء، ۳۳۰

۲۵ـہ بخاری، ۲۲۱، ابن جوزی، دوم، ۷۷-۷۸، ذہبی، ۶۸-۷۲، یافعی، ۲۶۱، ابن کثیر جلد ۹، ۳۴۲

۲۶ـہ سخاوی، اعلان، ۸۸ (انگریزی ترجمہ، روزنیتھال، (ہسٹری آف مسلم ہسٹوریوگرافی، ۳۲۳)

۲۷ـہ حاجی خلیفہ، دوم، ۱۷۴۷

۲۸ـہ اغانی، جلد ۱۹، ۵۹

۲۹ـہ طبری، اوّل، ۱۱۲۰

۳۰ـہ ایضاً، ۳۰۰-۳۰۱

۳۱ـہ ایضاً، ۱۲۵۴

۳۲ـہ ایضاً، ۲۹۳

۳۳ـہ سخاوی، اعلان، ۸۸

۳۴ـہ طبری، اوّل، ۱۰۱۴

۳۵ـہ ایضاً ۱۱۴۵

۳۶ـہ ابن سید الناس، اوّل، ۴۷، ۵۰، طبری، اوّل، ۱۱۴۷

۳۷ـہ طبری، اوّل، ۱۱۵۶، ابن سید الناس، اوّل، ۸۴-۸۵

۳۸ـہ الندیم، فہرست، ۲۵، ابن سید الناس، اوّل، ۸۵

۳۹ـہ طبری، اوّل، ۱۱۵۵، ابن سید الناس، اوّل، ۸۵

۴۰ـہ طبری، اوّل، ۱۱۶۷، ابن سید الناس، اوّل، ۹۲

۴۱ـہ ابن حجر، ۲۰۳، نیز دیکھیے ابن سید الناس، اوّل، ۱۱۱-۱۱۲

۴۲؎ ابن حجر، ۲۸۲ - ۲۸۳، طبری، اوّل، ۱۲۰۵ - ۱۲۰۶، ۱۲۱۳

۴۳؎ ابن حجر، ۲۱۷ - ۲۲۲، ۲۲۳ -

۴۴؎ ابن سیدالناس، اوّل، ۱۲۱ - ۱۲۷

۴۵؎ ایضاً، ۱۳۱ - ۱۳۲ -

۴۶؎ ایضاً، ۱۴۲، ۱۴۵، ۱۴۸

۴۷؎ طبری، اوّل، ۱۲۱۳، ابن سیدالناس، اوّل، ۱۵۷ - ۱۵۸

۴۸؎ ابن حجر، ۲۳۱ - ۲۳۲

۴۹؎ طبری، اوّل، ۲۵۰، ۲۵۶، ابن سیدالناس، اوّل، ۱۸۵ - ۱۸۶

۵۰؎ ابن حجر، ۴۱۷

۵۱؎ طبری، اوّل، ۱۲۷۳

۵۲؎ واقدی (القاہرہ ایڈیشن)، ۱۰۰، ابن سیدالناس، اوّل، ۲۳۹

۵۳؎ ابن حجر، ۳۹۳ - ۳۹۴

۵۴؎ ایضاً، ۵۹۱

۵۵؎ ابن سیدالناس، اوّل، ۲۳۱ - ۲۳۶

۵۶؎ طبری، اوّل، ۱۲۹۱

۵۷؎ ایضاً، ۱۲۹۲

۵۸؎ واقدی، ۴۳، ۴۵ - ۴۶، ایضاً (مخطوطہ) ۵۲ - ۵۳، ۵۶ - ۵۷، ۱۳۱، طبری، اوّل، ۱۳۲۲ - ۱۳۲۳

۵۹؎ واقدی، ۶۲، ۸۲، ایضاً (مخطوطہ)، ۱۰۱

۶۰؎ واقدی، ۸۹، ۱۱۱، ایضاً، مخطوطہ، ۱۰۷ - ۱۰۸

۶۱؎ واقدی، ۱۴۲ اور مخطوطہ، ۱۵۹ - ۱۶۰

۶۲؎ واقدی، ۱۴۴ - ۱۴۵ اور مخطوطہ، ۱۹۲

۶۳؎ طبری، اوّل، ۱۳۷۸ - ۱۳۷۹

۶۴؎ واقدی، ۱۵۱

۶۵؎ ایضاً، ۱۳۴ - ۱۳۱ اور مخطوطہ، ۱۵۶ - ۱۵۸، طبری، اوّل، ۱۳۶۰

۶۶؎ واقدی، ۱۴۳، اور مخطوطہ، ۱۴۴

۶۷؎ واقدی، ۱۵۹

۶۸؎ ایضاً (مخطوطہ) ۱۸۵ ، طبری ، اوّل ، ۱۳۸۴ ، ابن سیدالناس ، دوم ، ۲۰

۶۹؎ واقدی ، ۱۶۴ - ۱۶۸ اور مخطوطہ ، ۱۸۵ - ۱۸۶

۷۰؎ ابن حجر ، ۵۹۱

۷۱؎ واقدی ، ۱۸۴ - ۱۸۵ اور مخطوطہ ، ۲۰۸ ، طبری ، اوّل ، ۱۴۰۶

۷۲؎ واقدی ، ۱۸۵ - ۱۸۶ اور مخطوطہ ، ۲۱۹ ، طبری ، اوّل ، ۱۴۰۶ ، ۱۴۰۷

۷۳؎ واقدی ، ۲۱۲

۷۴؎ ابن حجر ، ۵۸۶ ، واقدی ، ۲۳۹ ، ابن سیدالناس ، دوم ، ۲۱

۷۵؎ طبری ، اوّل ، ۱۴۵۱ ، بلاذری ، فتوح ، ۱۸ ، ۲۰ ، ۲۱ ، ابن سیدالناس ، دوم ، ۴۸ - ۵۰ ، ۵۱ ، واقدی (مخطوطہ) ، ۱۵۸ ، ۳۳۱ - ۳۳۲

۷۶؎ طبری ، اوّل ، ۱۴۶۴ ، واقدی ، (مخطوطہ) ، ۳۸۷ ، ابن سیدالناس ، ۵۵

۷۷؎ طبری ، اوّل ، ۱۴۷۳ ، واقدی (مخطوطہ) ۴۲۱ - ۴۲۲

۷۸؎ واقدی (مخطوطہ) ۴۳۱ ، ۴۳۲ ، ۴۳۶

۷۹؎ طبری ، اوّل ، ۱۴۸۵ ، ابن سیدالناس ، دوم ، ۶۸

۸۰؎ بلاذری ، فتوح ، ۲۸۳

۸۱؎ ابن سیدالناس ، دوم ، ۷۴

۸۲؎ واقدی (مخطوطہ) ۴۸۰ - ۴۸۱

۸۳؎ طبری ، اوّل ، ۱۵۱۷ ، ابن سیدالناس ، دوم ، ۳۸۷

۸۴؎ واقدی ، ۵۰۸ ، دیکھئے ابن سیدالناس ، دوم ۱۰۵ - ۱۰۶

۸۵؎ طبری ، اوّل ، ۱۵۲۶ ، ابن سیدالناس ، دوم ، ۱۱۳

۸۶؎ طبری ، اوّل ، ۱۵۳۱ ، ۱۵۳۷ ، ابن سیدالناس ، دوم ، ۱۱۵ ، واقدی (مخطوطہ)

۸۷؎ طبری ، اوّل ، ۱۵۴۹ - ۱۵۵۰ ، ابن حجر ، ۷۴۰ - ۷۴۶ ، ابن سیدالناس ، دوم ، ۱۱۵ - ۱۱۹ ، ۱۲۱ - ۱۲۲ ، واقدی (مخطوطہ) ۵۱۹ ، ۵۲۶ - ۵۳۰ ، ۵۶۵ - ۵۷۰ ، ۵۱۲ - ۵۷۳

۸۸؎ ابن حجر ، ۷۷۹ ، واقدی (مخطوطہ) ۶۳۴ ، ۶۵۷ ، بلاذری ، فتوح ، ۲۷ ، ابن سیدالناس ، ۱۳۶ - ۱۳۷

۸۹ طبری، اوّل، ۱۵۷۵

۹۰ بلاذری، فتوح، ۵۹

۹۱ غزوۃ القضیہ المعروف ایضا بعمرۃ القضیہ (واقدی، مخطوطہ، ۷۰۰)، معرکہ ابی العوجاء السلمی۔ یہ دونوں جنگیں ۷ھ میں واقع ہوئیں، اس کے علاوہ ذات الاطلاح پر حملہ ۸ھ میں پیش آیا۔ ابن سید الناس، دوم، ۱۲۰

۹۲ ابن حجر، ۷۴۷-۷۴۹

۹۳ طبری، اوّل، ۱۶۲۰، ابن سید الناس، دوم، ۱۲۰

۹۴ واقدی (مخطوطہ) ۷۳۱

۹۵ طبری، اوّل، ۱۶۲۸، ابن حجر، ۸۱۰، واقدی (مخطوطہ، ۸۱۴) فتح کی تاریخ بھی ذکر کرتے ہیں۔

۹۶ طبری، اوّل، ۱۵۶۵-۱۵۶۶، واقدی (مخطوطہ) ۷۶۶، ۹۵۰

۹۷ ابن حجر، ۸۴۴، واقدی (مخطوطہ)، ۸۱۸، ۸۱۹، ابن سید الناس دوم، ۱۹۱-۱۹۲

۹۸ طبری، اوّل، ۱۶۶۱-۱۶۶۲، واقدی (مخطوطہ) ۸۲۶، ۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹

۹۹ واقدی (مخطوطہ) ۸۶۹-۸۷۰

۱۰۰ طبری، اوّل، ۱۶۹۲

۱۰۱ ابن حجر، ۷۹۸، ابن سید الناس، دوم، ۲۱۸

۱۰۲ بلاذری، فتوح، ۶۸

۱۰۳ ایضاً، ۵۹

۱۰۴ ایضاً، ۶۳

۱۰۵ طبری، اوّل، ۱۷۳۹

۱۰۶ ایضاً، ۱۵۶۵-۱۵۶۶

۱۰۷ ایضاً، ۱۵۷۲

۱۰۸ ابن حجر (القاہرہ ایڈیشن) اوّل، ۷۹

۱۰۹ ابن سید الناس، دوم، ۲۴۴-۲۴۵

۱۱۰ واقدی (مخطوطہ)، ۸۹۶-۹۰۳

۱۱۱ طبری، اوّل، ۱۷۷۶

۱۱۲ ایضاً، ۱۷۸۸۔ نیز دیکھئے ابن سید الناس، اوّل، ۳۰

۱۱۳ واقدی (مخطوطہ) ۱۰۰۱-۱۰۰۵

۱۱۴؎ واقدی، ۱۰۲۵

۱۱۵؎ طبری، اوّل، ۱۸۰۹، ۱۸۱۰؛ ابن سید الناس، دوم، ۳۳۶ - ۳۳۷

۱۱۶؎ طبری، اوّل، ۱۸۱۳، ابن حجر، ۱۰۱۰

۱۱۷؎ طبری، اوّل، ۱۸۱۴، ۱۸۳۴ - ۱۸۳۵

۱۱۸؎ ایضاً، ۱۸۳۱

۱۱۹؎ دیکھیے طبری، اوّل، ۱۱۶ اور نیز ملاحظہ کیجیے اسی مضمون کا ص۵۳

۱۲۰؎ دیکھیے اسی مضمون کا ص۴۹

۱۲۱؎ ابن کثیر، جلد ۹، ۳۴۳، فیشر، ذہبی، محولہ بالا، ۴۳۱

۱۲۲؎ ذہبی، ۷۲، بقول زہری "حفظ و امان سُنّت کے اتباع میں ہے" ذہبی، ۷۸۔ نیز دیکھیے ابن حجر، اوّل، ۷۹

۱۲۳؎ بخاری، جلد ۴، ۳۲

۱۲۴؎ دیکھیے طبری، اوّل، ۱۵۱۷، ابن سید الناس، دوم، ۹۶

۱۲۵؎ دیکھیے واقدی (مخطوطہ) ۵۶۲ - ۵۷۰، ۱۵۶ - ۱۵۷، ابن سید الناس، دوم، ۹۶، ۱۲۱

۱۲۶؎ واقدی (مخطوطہ) ۵۶۲ - ۵۷۰، ابن سید الناس، اوّل، ۲۳۲

۱۲۷؎ ملاحظہ کیجیے طبری، اوّل، ۱۴۷۳؛ واقدی (مخطوطہ) ۴۲۱ - ۴۲۲

۱۲۸؎ طبری، اوّل، ۱۴۹۵

۱۲۹؎ ذات انواط سے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیے ابن حجر، ۸۹۴

۱۳۰؎ طبری، اوّل، ۱۱۵۴، ۱۳۶۰، ۱۴۸۵

۱۳۱؎ ذہبی، ۴۷، ابن کثیر، جلد ۹، ۳۴۳

۱۳۲؎ طبری، اوّل، ۱۵۶۵ - ۱۵۶۶

۱۳۳؎ ایضاً، ۱۰۱۴

۱۳۴؎ ایضاً، ۱۱۴۵

۱۳۵؎ ابن حجر، ۳۳۱ - ۳۳۲

۱۳۶؎ ابن جوزی، دوم، ۷۸، ابن کثیر، جلد ۹، ۳۴۲، حلیہ، جلد ۳، ۳۶۴

۱۳۷؎ ملاحظہ کیجیے طبری، اوّل، ۱۱۲۰، ۲۰۰ - ۲۰۱؛ ۲۹۲، بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ واقعات مغازی کے ضمن میں شامل نہیں تھے۔

۱۳۸؎ واقدی، ۹۴، ایضاً، (مخطوطہ) ۵۶۹ - ۵۷۰، طبری، اوّل، ۱۶۵۲ - ۱۶۵۳

۱۳۹؎ ذہبی، ۴، ۷، ابن کثیر، ۳۴۳
۱۴۰؎ دیکھیے اغانی، جلد ۴، ۴۹
۱۴۱؎ ابن جوزی، دوم، ۸، ۷، فلیشر، ذہبی محولہ بالا، ۳۳۴، حلیہ، جلد ۳، ۳۶۱، نیز دیکھیے ابن حجر، ۱، ۸
۱۴۲؎ اغانی، جلد ۱۹، ۵۹
۱۴۳؎ نسب قریش، ۳
۱۴۴؎ ذہبی، ۶۸
۱۴۵؎ طبری، اوّل، ۱۸۲۰ - ۱۸۳۴، ابن حجر، ۶۸۳ - ۶۸۶، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شدید رنج و غم کے اظہار کے لیے دیکھیے طبری، اوّل، ۱۸۱۶ - ۱۸۱۷
۱۴۶؎ طبری، اوّل ۲۱۴۲ - ۲۱۴۳، ۱۸۲۸ - ۱۸۲۹
۱۴۷؎ طبری، اوّل، ۱۸۲۵ - ۱۸۲۷ - نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے لیے دیکھیے طبری، اوّل، ۲۱۲۸
۱۴۸؎ بلاذری، فتوح، ۴۵۰، ۴۵۵
۱۴۹؎ بلاذری، انساب، جلد ۵، ۲۱
۱۵۰؎ طبری، اوّل، ۲۷۳۱، ۲۷۵۷ - ۲۷۵۸، ۲۷۹۸
۱۵۱؎ فہرست، ۲۴
۱۵۲؎ بلاذری، فتوح، ۴۶۲، انساب، جلد ۵، ۲۵
۱۵۳؎ بلاذری، انساب، جلد ۵، ۲۶ - ۲۷، ۳۸ - ۳۹، ۸۸ - ۸۹
۱۵۴؎ ایضاً، ۲۶، ۶۷، ۸۹
۱۵۵؎ ایضاً، ۶۲، ۶۷ - ۶۹
۱۵۶؎ ایضاً، ۲۶، ۸۸ - ۹۰
۱۵۷؎ ایضاً، ۶۲، ۶۷ - ۷۰، ۸۵، ۹۱، ۹۷، طبری، اوّل، ۲۸۷۱ نیز دیکھیے ایضاً، ۳۰۵ - ۳۱۲
۱۵۸؎ بلاذری، انساب، جلد ۵، ۶۹ - ۷۱، ۹۱ - ۹۲
۱۵۹؎ طبری، اوّل، ۳۰۶۹، ۳۱۰۲ - ۳۱۰۳، ۳۱۸۵ - ۳۱۸۷
۱۶۰؎ ایضاً، اوّل، ۳۲۴۱ - ۳۲۴۲ - ۳۲۴۱ - ۳۳۴۳، ۳۳۹۰ - ۳۳۹۲
۱۶۱؎ ایضاً، دوم، ۱، ۵ - ۷
۱۶۲؎ ایضاً، ۱۳۹
۱۶۳؎ ایضاً، ۴۲۸

۱۶۴ـه الیناً، ۱۲۶۹

۱۶۵ـه دیکھیے بلاذری، فتوح، ۱۹ - ۲۰، ۵۹، ۶۸، ۸۰، ۳۸۴

۱۶۶ـه دیکھیے ذہبی، ۷۲

۱۶۷ـه یعقوبی، تاریخ، دوم، ۳۱۱

۱۶۸ـه ابن کثیر، جلد ۹، ۳۴۰ - ۳۴۱، ذہبی، ۷۰، ابن قتیبہ، معارف، ۲۳۹، ابن کثیر نے اس پر اتنا اضافہ کیا ہے کہ ان کی درخواست پر خلیفہ نے ان کے لیے وظیفہ منظور کیا، دیکھیے ابن سعد، جلد ۷، ۱۵۷، ابن قتیبہ، ۲۲۸

۱۶۹ـه بلاذری، ۱۶۳

۱۷۰ـه بخاری، تاریخ، ۹۳۰

۱۷۱ـه ذہبی، ۷۰، ابن کثیر، جلد ۹، ۳۴۱ - ۳۴۲، ابن جوزی، دوم، ۷۹

۱۷۲ـه ابن جوزی، دوم، ۸۰؛ نیز ملاحظہ کیجیے ابن عبدالحکم، ۱۰۴

۱۷۳ـه ذہبی، ۷۰ - ۷۱، ابن کثیر، جلد ۹، ۳۴۲

۱۷۴ـه حلیہ، سوم، ۳۶۱

۱۷۵ـه ذہبی، ۷۲

۱۷۶ـه یافعی، اول، ۲۶۱؛ ابن قتیبہ، معارف، ۲۶۰ - ۲۶۱

۱۷۷ـه ذہبی، ۷۲، ابن کثیر، جلد ۹، ۳۴۴، حلیہ، جلد ۳، ۳۶۱، ۳۶۳

۱۷۸ـه ذہبی، ۶۹، ابن کثیر، جلد ۹، ۳۴۱، حلیہ، جلد ۳، ۳۶۳

۱۷۹ـه دیکھیے اسی مضمون کا ۱۶۰

۱۸۰ـه ذہبی، ۷۲ - ۷۳

۱۸۱ـه ابن کثیر، جلد ۹، ۳۴۴

۱۸۲ـه ذہبی، ۶۹ - ۷۰

۱۸۳ـه ابن جوزی، دوم، ۸۰

ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی

فاروق خورشید ٭ ترجمہ: جناب اسد اللہ

مسعودی بغداد کے رہنے والے تھے۔ اسلامی تہذیب اور ثقافت کے تمام مراکز کی سیاحت کی۔ پوری زندگی سیر و سیاحت میں گزار کر آخرکار مصر پہنچے اور ۳۴۶ھ/۹۵۷ء میں فسطاط میں انتقال فرمایا۔ ان کا پورا نام ابوالحسن علی بن حسین مسعودی ہے۔ انہوں نے اپنی سیاحت کے دوران صرف عوام اور زمین و آسمان کے مظاہر کا مشاہدہ ہی نہیں کیا بلکہ علم بھی حاصل کیا خصوصاً تاریخ میں کمال حاصل کیا اور جس قدر تاریخی کتب تک رسائی ہوئی سب کو چھان مارا۔ اسی سیر و سیاحت، مطالعہ اور قدیم کتب کی ورق گردانی نے ان کی کتاب "مروج الذہب و معادن الجوہر" کو نہ صرف اسلامی مؤرخین بلکہ مغربی انتھروپولوجی و فوکلوری کے ماہرین کی تحقیق اور بحث و تمحیص کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مرکز و محور بنا دیا ہے۔

مسعودی نے بغداد میں پرورش پائی۔ پھر انہوں نے ایران، برصغیر پاک و ہند، سری لنکا، مڈغاسکر، آذربائیجان، جرجان، شام اور ان ایشیائی علاقوں کی سیر و سیاحت کی جنہیں عرب سیاح ماوراء النہر کے علاقے کہتے ہیں اور سب سے آخر میں وہ مصر میں قیام پذیر ہو گئے۔ جرجی زیدان اپنی کتاب "تاریخ اللغۃ العربیہ" (حصہ دوم ص ۲۱۳) پر لکھتے ہیں کہ "مسعودی سمندر کے راستے سری لنکا سے چین گئے۔ انہوں نے مڈغاسکر تک بحر ہند میں سفر کیا اور پھر عمان واپس آ گئے۔ ۳۱۴ھ میں انہوں نے ایک اور سفر کیا اور اس سفر میں پہلے تو یہ آذربائیجان، جرجان اور ان کے ارد گرد کے علاقوں میں گھومتے رہے اور پھر شام اور فلسطین کی سیاحت کی۔ ۳۳۲ھ میں انطاکیہ آئے اور دمشق سمیت متعدد شامی علاقوں کو گھوم پھر کر دیکھا۔ پھرتے پھراتے آخرکار مصر پہنچے اور ۳۴۵ھ میں فسطاط کو اپنا مسکن بنا لیا اور اس سے اگلے سال وہیں انتقال فرمایا۔"

کتاب دیکھنے سے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ مسعودی صرف سیاح ہی نہ تھے جو کائنات کی اشیا کو ظاہری طور پر دیکھتے ہوئے اور ہر ایک چیز پر ایک اچٹتی ہوئی طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے نئے علاقے دیکھنے کے شوق میں آگے بڑھتے چلے گئے ہوں بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان واقعات کو پڑھتے ہوئے ہم ان تمام اشیا اور مناظر کو جو مسعودی نے دیکھے تھے۔ محسوس و مرئی طور پر دیکھ رہے ہیں اور ہر ایک چیز مجسّم شکل میں گویا اب ہمارے سامنے ہے۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ان کے ثقافت کے ذوق اور اس سے دلچسپی کا بھی علم ہوتا ہے۔ ابن الندیم "الفہرست ص ۲۱۹ پر لکھتے ہیں، مسعودی اہلِ مغرب ہی سے تھے۔ ابوالحسن علی بن حسین علی المسعودی کے نام سے معروف و مشہور ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اولاد میں سے تھے۔ بادشاہوں کے حالات اور تاریخ کے موضوع پر کئی ایک کتابوں کے مؤلف ہیں جن میں سے درج ذیل کتب قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ "مروج الذہب و معادن الجوہر فی تحف الاشراف والملوک" (۲) "ذخائر العلوم و ما کان فی سالف الدہور" (۳) "الاستذکار لما فی سالف الاعصار" (۴) "کتب التاریخ فی الاخبار الامم من العرب والعجم" (۵) "کتاب الرسائل"

ابن شاکر کتبی نے اپنی کتاب "فوات الوفیات" حصہ دوم ص ۷۰ پر شیخ شمس الدین سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: "مسعودی اہلِ بغداد میں شمار ہوتے ہیں۔ کچھ عرصہ مصر میں رہے۔ بہت بڑے مؤرخ تھے۔ نہایت عجیب و غریب اور نادر واقعات لکھنے میں ممتاز ہیں، ۳۴۶

میں انتقال فرمایا:" اس کے بعد ابن شاکر نے اپنے علم کی حد تک مسعودی کی کتابوں کے نام لکھتے ہیں۔ جرجی زیدان مسعودی کی سیاحت پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں: "مسعودی نے اپنے سفروں کے دوران مختلف علوم حاصل کرنے، ہر چیز کی حقیقت کا کھوج لگانے اور مختلف موضوعات کے متعلق جو مواد بھی حاصل ہو سکا اسے قلم بند کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انہوں نے بے شمار ایسے تاریخی اور جغرافیائی حقائق لکھے جو ان سے پہلے کسی نے نہیں لکھے تھے۔ انہوں نے متعدد موضوعات پر نہایت اہم اور مفید کتابیں لکھیں جن میں سے تاریخی کتب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ان محققین کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ مسعودی، ہماری توجہ اپنی ذات اور اپنی زندگی کے واقعات و سوانح کی طرف مبذول نہیں کرتے بلکہ وہ ہماری توجہ ان دو عظیم شاہکاروں کی طرف مبذول کرتے ہیں، جو ہم تک پہنچ چکے ہیں اور جنہیں مسعودی نے نہایت محنت، جانفشانی اور عرق ریزی سے تیار کیا ہے۔ ان میں سے ایک شاہکار "مروج الذہب" ہے جو علامہ محمد محی الدین عبدالحمید کی تعلیق و ترتیب اور نظر ثانی کے ساتھ قاہرہ سے چھپ چکی ہے۔ اس کا فرانسیسی ترجمہ مشہور فرانسیسی مستشرق باربیر دی مینار (BARBIER DE-MEYNARD) کے قلم سے ۱۸۷۲ء میں نو جلدوں میں پیرس سے شائع ہو چکا ہے۔ سپرنگر نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جس کی پہلی جلد ۱۸۴۱ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ جرجی زیدان اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں کہ اپنی شہرت کی وجہ سے یہ کتاب محتاجِ تعارف نہیں۔ ایک سے زائد بار دو حصوں میں شائع ہوتی رہی ہے۔ پہلے حصے میں تخلیق کائنات اور مختصر طور پر انبیاء کے واقعات کے بعد بڑے بڑے سمندروں، بر اعظموں اور عجائب و نوادر کا بیان ہے۔ اس میں قدیم اقوام، ایرانیوں، سریانیوں، یونانیوں، رومیوں، انگریزوں، قدیم عربوں کی تاریخ، مذاہب، عادات اور رسوم و رواج کے علاوہ مختلف علاقوں اور ادوار میں رائج مہینوں اور برسوں کے نام اور عجیب و غریب عمارات اور بڑے بڑے محلات اور قلعوں کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کی اسلامی تاریخ ہے۔ دوسرے حصے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر عباسی خلیفہ مطیع اللہ کے زمانے تک کی اسلامی تاریخ کا بیان ہے۔

عرب و عجم کے تمام اہلِ علم کے نزدیک یہ نہ صرف عربی اسلامی تاریخ بلکہ قدیم تہذیبوں اور ثقافتوں کی تاریخ کا ایک بہت بڑا اور اہم ماخذ ہے۔ اس کے متعلق ڈاکٹر سیدہ اسماعیل کاشف اپنی کتاب "مصادر التاریخ الاسلامی" صفحہ ۴۲ پر لکھتی ہیں کہ "یہ تاریخ و جغرافیہ کے موضوع پر نہایت بیش قیمت اور قابلِ قدر کتاب ہے۔ اس میں مؤلف نے صرف ان موضوعات کا تذکرہ ہی نہیں کیا جو عام طور پر دوسرے اسلامی مؤرخین ذکر کرتے ہیں، بلکہ اس میں ہندوؤں، ایرانیوں، رومیوں اور یہودیوں کی تاریخوں کے علاوہ نہایت عجیب و غریب امور اور نادر واقعات بھی مذکور ہیں"۔ اور اسی شاہکار کی بدولت مسعودی کو عربوں کا ہیروڈوٹس کہا جاتا ہے۔

اس کتاب میں جا بجا بکثرت عجیب و غریب واقعات اور قصے کہانیاں مذکور ہیں، جو دیگر مضامین کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مسعودی کو قصص و حکایات اور نادر واقعات سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ یہ حکایات و واقعات کچھ تو انہوں نے دوسری کتابوں سے اخذ کیے اور کچھ اپنی سیر و سیاحت اور متعدد سفروں کے دوران تجربہ و مشاہدہ اور دیگر ذرائع سے جمع کیے۔

مسعودی کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مقصد صرف تاریخ جغرافیہ اور قصص و حکایات قلمبند کرنا ہی نہ تھا بلکہ انہوں نے ان کے علاوہ بے شمار ایسے امور بھی اپنی تصنیفات میں جمع کر دیے جن کے ہم تک کچھ اجزاء یا نام ہی پہنچ سکے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تالیف و تصنیف کے سلسلے میں مسعودی کا میدان کس قدر وسیع و عریض اور ان کے عزائم کس قدر بلند تھے۔ ابن شاکر نے

"فوات الوفیات" میں ان دو کتابوں کے علاوہ مسعودی کی درج ذیل کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

(۱) "ذخائر العلوم و ما کان فی سالف الدہور"۔ (۲) "الرسائل والاستذکار بما فی سالف الاعصار"۔ (۳) "التاریخ فی اخبار الامم من العرب والعجم"۔ (۴) "خزائن الملوک وسر العالمین"۔ (۵) "المقالات فی اصول الدیانات"۔ (۶) "اخبار الزمان فی ابادۃ الحدثان"۔ (۷) "البیان فی اسماء الائمہ"۔ (۸) "الخوارج"۔

بروکلمان نے ڈی توریہ کے لکھے ہوئے "التنبیہ والاشراف" کے مقدمہ سے نقل کرتے ہوئے مسعودی کی ایک اور کتاب کا تذکرہ بھی کیا ہے، یہ ایک رسالہ ہے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اثبات توحید کے بارے میں یہ رسالہ طہران سے شائع ہو چکا ہے مسعودی کا ایک رسالہ "احوال الامام" کے متعلق بھی ہے جو نجف آباد کی لائبریری میں ہے۔ اسی طرح بروکلمان نے مسعودی کی دو اور کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کے نام (۱) "القضایا والتجاریب" اور (۲) "مظاہر الاخبار وطرائف الآثار" ہیں۔ استاد محمد محی الدین عبدالحمید، جنہوں نے ۱۹۴۸ء میں "مروج الذہب" شائع کی، مسعودی کی سترہ کتابوں کا ذکر کرتے ہیں، جن کا ذکر خود مسعودی نے کیا ہے جن میں سے کچھ کا تذکرہ بروکلمان نے بھی کیا ہے اور کچھ کتابیں مفقود ہیں اور ان کا علم صرف مسعودی کے اپنے بیان ہی سے ہوتا ہے۔ محمد محی الدین لکھتے ہیں کہ مسعودی حسب عادت تقریباً مروج الذہب کے ہر مضمون کے آخر میں "اخبار الزمان" اور "الکتاب الاوسط" کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسعودی "مروج الذہب" میں اپنی سابقہ تصنیفات و تالیفات کی طرف بکثرت اشارے کرتے جاتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد:

۱۔ یا تو یہ ہوتا ہے کہ اس موضوع کے متعلق جو شخص مکمل معلومات حاصل کرنا چاہے وہ مذکورہ کتاب میں دیکھ لے۔ مثلاً "مروج الذہب" حصہ اول صہ ۳۷۵ پر لکھتے ہیں: "ہر ایک کو اپنے وطن سے محبت ہوتی ہے۔ یہ ایک طویل بحث ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں اور اُسے ہم نہایت تفصیل سے اپنی دو کتابوں "سر الحیاۃ" اور "طب النفوس" میں ذکر کر چکے ہیں۔"

۲۔ یا یہ ہوتا ہے کہ زیر نظر موضوع تفصیل چاہتا ہے لیکن وہ یہاں اختصار سے کام لینا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنی کسی سابقہ تصنیف کا حوالہ دے دیتے ہیں، جہاں یہ موضوع مفصل و مدلل طور پر مذکور ہوتا ہے۔ اگر قاری چاہے تو وہاں دیکھ سکتا ہے۔ مثلاً "مروج الذہب" حصہ اول صہ۱۲ پر لکھتے ہیں کہ "تخلیق کائنات کی ابتداء اور اس کے حدوث کے بارے میں جو کچھ ہم نے یہاں لکھا ہے وہ شریعت کے مطابق اور سلف سے منقول ہے۔ ہم یہاں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ کون اس کے حدوث کا قائل ہے اور کون اس کے قدیم ہونے اور فریقین کے دلائل کیا ہیں؟ کیونکہ یہ بحث ہم سابقہ تصنیفات و تالیفات میں کر چکے ہیں"

۳۔ اور یا یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ، یہ بات نہیں کہ اس موضوع کے بارے میں ان کی معلومات کم ہیں بلکہ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں اور وہ اختصار سے کام لینا چاہتے ہیں کیونکہ وہ یہ موضوع دوسری جگہ تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ مثلاً "مروج الذہب" حصہ دوم صہ۴۲ پر خلافہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"ہم اپنی مشہور و معروف کتاب "الزوس السبعۃ بسیاسۃ العالم واسرارہ" میں خلافہ کے متعلق تفصیلی بحث اور مختلف لوگوں کے مذاہب کا ذکر کر چکے ہیں۔"

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان میں سے بیشتر تالیفات ضائع ہو چکی ہیں اور اُن کے ضائع ہونے سے اتنا علمی نقصان ہو چکا ہے جس کی تلافی مسعودی کے اشارات یا محض کسی کتاب کا نام لکھ دینے سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ تاہم ان اشارات سے ان موضوعات اور کتب کی اہمیت اور افادیت ضرور ظاہر ہوتی ہے۔ کواکب و نجوم کے بارے میں کتابیں لکھنے والوں میں مسعودی کا شمار صفِ اول میں ہوتا ہے اس موضوع پر انہوں نے "الزلفہ" نامی کتاب لکھی جس کی طرف وہ "مروج الذہب" جلد اول ص۱۲۰ پر اشارہ کرتے ہیں، اسی طرح وہ سیاست کے موضوع پر لکھنے والے صفِ اول کے لوگوں میں سے ہیں اور اس موضوع پر انہوں نے "الرءوس السبعۃ ..." نامی کتاب لکھی جس کی طرف انہوں نے "مروج الذہب" جلد دوم ص۱۲۱ پر اشارہ کیا ہے۔

"مروج الذہب" کے مطالعے کے دوران ہمارے ذہن میں یہ امر ضرور رہنا چاہیے کہ متعدد علوم اور کئی انواع پر مشتمل یہ کتاب یونہی وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کی تصنیف و تالیف میں مؤلف نے اپنی پوری محنت صرف کی ہے۔ محمد محی الدین اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: "اس کتاب میں مؤلف نے گزشتہ اہلِ علم کے علوم و معارف اور مفید و اہم مسائل و کلیات کو یکجا کر دیا ہے، لیکن اس کے باوجود اس قدر طویل بحثوں اور غیر ضروری تفصیلات سے احتراز کیا تاکہ قاری پر گراں نہ گزرے، اس سلسلے میں مؤلف نے ہر موضوع اور ہر مسئلہ کے بارے میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر ہار میں سے نفیس ترین موتی، ہر سمندر میں سے سب سے عمدہ قطرہ ہر باغ میں سے سب سے خوشبودار، تر و تازہ اور خوبصورت پھول لے لیا ہے۔ اکثر مسائل پر بحث کرتے ہوئے مؤلف نے مختلف علماء کے مسلک اور ان کے اقوال نقل کیے ہیں بعض مسائل کے بارے میں دلائل بھی دیے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ کتاب مسعودی کے تمام علوم و معارف کا نچوڑ اور ان کی تمام سابقہ تالیفات و تصنیفات میں دو اہم ترین تصنیفات کا اختصار ہے۔

بروکلمان نے لکھا ہے کہ پہلی کتاب یعنی "اخبار الزمان" کی تالیف مسعودی نے ۳۳۲ھ میں شروع کی جبکہ مسعودی کا اپنا بیان یہ ہے کہ انہوں نے "مروج الذہب" کی تالیف کا آغاز امیر المومنین متقی للہ کے دورِ خلافت یعنی ۳۳۲ھ میں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بروکلمان کی رائے غلط ہے کیونکہ "مروج الذہب" جلد اول ص۳ پر مسعودی نے وضاحت کی ہے کہ ۳۳۲ سے پہلے اخبار الزمان مکمل ہو چکی تھی۔ اسی سال مسعودی نے مروج الذہب کی تالیف شروع کی۔

"مروج الذہب" میں جہاں مسعودی نے اپنے سفر، اپنی تالیفات اور دیگر مؤرخین کی ان کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جو انہوں نے پڑھیں، وہاں انہوں نے مذکورہ بالا دو کتابوں کے علاوہ اس کتاب کے دیگر ماخذ و مصادر بھی لکھے ہیں۔

مسعودی کے مختلف سفر معلومات کے اکتساب کا نہایت اہم اور حقیقی ذریعہ تھے۔ ان سفروں کے ذریعے انہوں نے بہت سی اشیاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بہت سے کوائف و حالات اپنے کانوں سے سُنے۔ وہ لکھتے ہیں: "اس کتاب میں جہاں کہیں کوئی سقم، غلطی یا تقصیر نظر آئے اس کے لیے ہم قارئینِ کرام سے معذرت خواہ ہیں کیونکہ ہمیں سیر و سیاحت اور سفر کے دوران بہت سی دقتیں اٹھانا پڑیں۔ ہم نے بڑے بڑے بری اور بحری سفر کیے تاکہ دُنیا کے مختلف خطوں اور وہاں کے رہنے والوں کے حالات بچشم خود دیکھ سکیں، دورانِ سفر پیش آنے والی تکلیفوں اور مصائب کی بنا پر انسانی ذہن کی پریشانی اور اس کا تفکرات میں مبتلا ہونا ایک فطری امر ہے جس کی وجہ سے تصنیف و تالیف کے کام میں

غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں۔

وہ کسی محقق سائنسدان کی طرح تجربہ و مشاہدہ کے بعد نئے نئے انکشافات و ایجادات لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ مثلاً "مروج الذہب" جلد اوّل ص۲۴۲ پر مصری کتبوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "میں نے ان کتبوں والے آدمی سے ملاقات کی۔ یہ شخص باب الاخشید (محمد بن طغج) میں مقیم تھا۔ یہ ۳۳۰ھ کی بات ہے۔ میں نے اس آدمی سے اُن کے شہر اور ملک سے بہت سے حالات اور وہاں کی وہ اشیاء دریافت کیں جو مَیں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ میرا دستور یہی رہا ہے کہ میں جن علاقوں تک خود نہ جا سکا وہاں کے حالات ان کے علاقوں کے ملنے والے باشندوں سے دریافت کرتا رہا۔ اس آدمی نے مجھے بتایا کہ ان کے ملک میں کس کس نوع کے معدنی نمک اور پھٹکری وغیرہ پائے جاتے ہیں؟ وہاں سے کیا کیا اشیاء برآمد ہوتی ہیں؟ کون کون سے کھاری پانی کے چشمے ہیں اسی طرح مختلف ذائقے کے کون کون سے پانیوں کے چشمے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

مسعودی نے یہاں اپنے حصولِ علم کا ذریعہ ایک ایسے شخص کو بنایا جس نے ایک چیز صرف سُن رکھی ہے، دیکھی نہیں اور وہ اپنے سفر کے دوران اکثر ایسا کرتے رہے اور بعض اشیا کی تحقیق و تفتیش میں اُن کا طریقہ کار یہی رہا ہے۔ عام معلومات ایک الگ چیز ہیں اور ان معلومات کے متعلق ان کے اصلی ماخذ سے تحقیق و جستجو اور تفتیش ایک الگ چیز ہے جو بلا تفتیش سُنی سنائی باتوں کے نقل کر لینے سے کہیں زیادہ اقرب الی الصواب ہوتی ہے۔ بسا اوقات مسعودی اپنے سے پہلے مؤرخین اور جغرافیہ دانوں کی لکھی ہوئی باتوں کو مشاہدہ اور معائنہ کی کسوٹی پر پرکھ کر ان کی غلطیاں واضح کر دیتے ہیں اور کئی ایک پہلے سے معروف و معلوم اشیاء کو خلافِ واقعہ اور خلافِ حقیقت ہونے کی بناء پر ترک کر دیتے ہیں۔ ان کی کتاب میں آپ کو ایسی مثالیں بکثرت ملیں گی۔ مثلاً ج ۱ ص۳۱ پر خلیج قسطنطنیہ کا حال بیان کرتے ہوئے اپنے سے پہلے مؤلفین پر تنقید کرتے ہیں: "متقدمین و متاخرین میں سے دُنیا کے بڑے بڑے سمندروں کے حالات بیان کرنے والے مؤلفین کی اکثر کتب میری نظر سے گزری ہیں۔ ان حضرات نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ نیطش سے شروع ہونے والی خلیج قسطنطنیہ بحر خزر سے متصل ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کیوں کر ممکن ہے اور انھوں نے یہ بات کہاں سے نقل کی ہے بمحض ظن و تخمین سے ایسا لکھ دیا ہے یا استدلال اور استنباط کی بناء پر یہ نتیجہ نکالا ہے۔

مَیں نے اسکون یعنی ساحل جرجان سے اس میں سفر شروع کیا اور طبرستان کے علاقہ تک سفر کرتا رہا۔ اس سفر کے دوران بحری علاقے کے جتنے واقف لوگ مجھے ملے خواہ وہ عملے تھے یا ملاح۔ سب سے میں نے بحر خزر اور خلیج قسطنطنیہ کے متعلق دریافت کیا۔ سب نے یہی بتایا کہ اس کا راستہ بحر خزر ہی سے گزرتا ہے جہاں سے روسی جہاز اس میں داخل ہوتے ہیں۔ یا آذربائیجان۔ الباب، الابواب، دیلم اور جیل کے علاقوں کے لوگ آتے ہیں اسی طرح جرجان طوسان کے لوگوں کا بھی یہی راستہ ہے کیونکہ انہیں کبھی کسی ایسے دشمن سے سابقہ نہیں پڑا جو ان پر حملہ آور ہوتا۔ نہ ماضی قریب میں نہ ماضی بعید میں اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس سے مذکورہ بالا تمام علاقوں کے لوگ آگاہ ہیں اور یہ بات ان میں مشہور و معروف ہے۔

جلد اول ص۱۰۵ پر جاحظ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "دریائے مہران جو علاقہ سندھ کا ایک دریا ہے۔ اس کے متعلق عمرو بن بحر جاحظ کا خیال ہے کہ یہ دریا دریائے نیل سے نکلتا ہے کیونکہ اس میں مگرمچھ اور گھڑیال پائے جاتے ہیں۔۔۔ معلوم نہیں انہوں نے یہ مگرمچھ والی دلیل کہاں سے نقل کی ہے۔ یہ بات جاحظ نے اپنی کتاب "الامصار" میں لکھی ہے جو نہایت غلط کتاب ہے۔ کیونکہ اس کے مؤلف نے نہ تو بحری سفر کیے اور نہ یہ سمندروں، بری راستوں اور مختلف علاقوں سے واقف تھا۔ دراقلین کی کتابوں سے ایک حاطب لیل کی طرح جو ملا نقل کرتا چلا گیا۔ اسے تو یہ علم بھی نہیں تھا کہ مہران علاقہ سندھ کا ایک دریا ہے جو قنوج و کشمیر وغیرہ کے بالائی علاقوں سے آتا ہے اور جب علاقہ مولتان میں

پہنچتا ہے تو وہاں سے اس کا نام دریائے مہران (دریائے سندھ) ہے۔

"مروج الذہب" جلد دوم ص۴۳ پر لکھتے ہیں: "اصطخر فارس کے قریب ایرانیوں کا ایک آتش کدہ ہے۔ یہ آتش کدہ ہماتی بنت بہمن بن اسفندیار نے بنوایا تھا، لیکن پھر تباہ و برباد ہو گیا۔ آج کل کے ہمارے زمانے کے لوگ اسے سلیمان علیہ السلام کی مسجد خیال کرتے ہیں اور یہ اسی نام سے مشہور و معروف ہے۔ میں خود وہاں گیا تھا۔ یہ اصطخر سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے۔"

اس کے بعد مسعودی اس عمارت کے حالات اور اس میں موجود مورتیوں کا ذکر کرتے ہیں، پھر اس کے قرب و جوار میں رہنے والے اپنے معاصرین کے بیان کردہ قصص و حکایات لکھتے ہیں: "اس عمارت میں کچھ انسانوں کے مجسمے اور مورتیاں بنا کر رکھی ہوئی ہیں، جن کے متعلق یہاں کے قرب و جوار کے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ انبیائے کرام کے مجسمے اور مورتیاں ہیں۔ یہ عمارت پہاڑ کے دامن میں ہے۔ اس کے اندر ہر وقت ہوا بڑی تیزی سے چلتی رہتی ہے (یہ ہوا کا چلنا تو دراصل عمارت کی خاص ساخت کی بنا پر ہے لیکن) یہاں کے لوگوں کا خیال ہے کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے ہوا کو یہاں محبوس کر دیا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کا دستور تھا کہ وہ دوپہر کا کھانا تو شام کے شہر بعلبک میں اور رات کا کھانا یہاں تناول فرماتے تھے۔"

باوجودیکہ مسعودی نے عمارت کا تو چشم دید حال ہی لکھا ہے لیکن اس کے متعلق مشہور حکایات انہوں نے عقل و درایت کے معیار پر جانچے بغیر ہی نقل کر لی ہیں اور انہیں نقد و نظر کی بھٹی میں ڈال کر کھرا کھوٹا الگ نہیں کیا۔ "وہاں کے لوگوں کا خیال ہے کہ ....." لکھ کر اس کے بعد جو کچھ سُنا من و عن لکھ دیا ہے۔

جو کچھ انہوں نے دیکھا اس کے ذریعے انہوں نے عربی میں بہت سا علمی، تاریخی و جغرافیائی مواد جمع کر دیا، لیکن جو کچھ انہوں نے سُنا وہ زیادہ تر وہی ہے جو دوسرے علماء و مؤرخین نے لکھا ہے۔ جو کچھ وہ سُنتے ہیں کبھی تو وہ کسی معاشی حقیقت کا اظہار و بیان ہوتا ہے۔ بلاشک و شبہ یہ تو بہت بڑا علمی اضافہ ہوتا ہے، لیکن مختلف قدیم قبائل کے موروثی سُنے سُنائے قصے کہانیاں اور افسانے ہوتے ہیں جن میں طرح طرح کے خرافات اور بے سروپا باتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ "مروج الذہب" جلد اوّل ص۲۹۱ پر اس کے دو نمونے ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں، مصر میں لیلۃ الغطاس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "میں خود ۳۳۰ھ کی اس رات کو مصر میں موجود تھا۔ اخشید محمد بن طغج کا دور تھا جو اس وقت دریائے نیل میں ایک جزیرہ میں واقع اپنے محل مختارہ میں تھا۔ دریائے نیل اس محل کا چکر لگا کر گزرتا ہے۔ اس رات اخشید محمد بن طغج کے حکم سے اس جزیرہ اور فسطاط شہر کے اطراف و جوانب ایک ہزار مشعلیں روشن کر کے چراغاں کیا گیا۔ لوگوں نے اپنی مرضی سے اس کے علاوہ بھی بے شمار مشعلیں جلا رکھی تھیں اور دُور دُور تک سارا علاقہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ اس رات دریائے نیل کے کنارے مصری مسلمان اور عیسائی جمع تھے۔ کچھ تو دریائے نیل میں تیرنے والے بجروں اور کشتیوں میں تھے، کچھ کناروں پر تھے اور کچھ کناروں پر واقع عمارات کی چھتوں پر تھے۔ سب کے سب بھڑکیلے زرق برق اور خوبصورت لباس پہنے لہو و لعب، کھیل تماشے اور کھانے پینے میں مشغول تھے۔ بہت سے لوگ گانے بجانے میں بھی مشغول تھے۔ یہ رات مصر کی خوبصورت ترین رات ہوتی ہے اور لوگ اس میں جی بھر کے خوشیاں مناتے ہیں۔ لوگ تمام رات عیش و نشاط میں جاگتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔ اس رات کوئی شخص اپنے گھر کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ اکثر لوگ اس رات دریائے نیل میں نہاتے ہیں جس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ انسان بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے اور اگر بیمار ہو تو صحت یاب ہو جاتا ہے۔"

مسعودی کا یہ بیان ہی اب وہ واحد نادر ذریعہ ہے جس سے ہمیں اس میلے کا پتہ چلتا ہے جس کا انعقاد اب مصر میں ختم ہو چکا ہے

اسی طرح مسعودی نے اپنے زمانے میں مصر میں جو جو اہم واقعات یا مواقع و محلات دیکھے سپرد قلم کر دیے۔ چند سطور کے بعد مسعودی نے اہلِ مصر سے سنی سنائی ہوئی ایک اور بات لکھی کہ: " دریائے نیل کا اُتار چڑھاؤ معلوم کرنے کے لیے جو پیمانے بنے ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق مَیں نے وہاں کے باخبر لوگوں سے سُنا کہ ان میں سے ایک پیمانہ تو مصر کے قدیم دار السلطنت منیف میں یوسف علیہ السلام نے اس وقت بنوایا جب اہرام تعمیر کرائے تاکہ دریائے نیل کا اُتار چڑھاؤ معلوم ہوتا رہے۔ اس وقت شہر فسطاط کی ابھی بنیاد ہی نہیں پڑی تھی۔ بوڑھی ملکہ دلوکہ نے ایک اور پیمانہ اسی مقصد کے لیے مصر کے بالائی علاقہ صعید میں بلادِ اخمیم میں بنوایا تھا " بظاہر اس عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا بانی اہرام ہونا ایک حقیقی اور واقعی امر ہے جو کسی نقد و نظر کا محتاج نہیں۔ اسی طرح مسعودی دلوکہ نامی ملکہ فرعونیہ کا تذکرہ بھی بغیر کسی تنقید کے کرتے ہوئے آگے نکل جاتے ہیں۔ معلوم نہیں انہوں نے ملکہ دلوکہ کا نام کہاں سے لیا ہے؟ لیکن فراعنۂ مصر کے تذکرہ میں اس کا ذکر وہ بار بار اور کثرت سے کرتے ہیں۔ وہ ان معلومات کو من و عن تسلیم کرتے ہیں اور اُن پر کسی قسم کی تنقید کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اُن کے نزدیک اس سلسلے میں یہی امر کافی ہے کہ یہ معلومات اسی علاقہ کے ایسے لوگوں سے حاصل ہوئی ہیں جو بزعم خویش صاحبِ علم ہیں۔ اس طرح مسعودی کی کتاب میں بہت سی حکایات قصے کہانیاں، قدیم، قبائلی رسوم و عادات ایسی شامل ہو گئی ہیں جن پر کسی محقق نے کوئی تحقیق نہیں کی اور نہ ہی کسی عالم نے ان میں سے صحیح و غیر صحیح کو چھانٹ کر الگ الگ کیا ہے۔

" مروج الذہب" جلد اوّل ص۱۱۲ پر لکھتے ہیں کہ: " مَیں نے علاقہ صعید اور دیگر علاقوں کے مصری قبطی علماء سے لفظ فرعون کی تحقیق کی تو ان میں سے کسی نے مجھے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی یہ لفظ مجھے ان کے ہاں رائج زبان میں ملا۔ حقیقتِ حال تو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ لفظ قدیم زمانہ کے مصری بادشاہوں کا لقب رہا ہو اور اَب وہ زبان بھی تبدیل ہو چکی ہو اور یہ لفظ متروک ہو چکا ہو، جیسے پہلوی یعنی قدیم فارسی۔ فارسیٔ جدید میں، یونانی زبان لاطینی میں اور حمیری اور دیگر مختلف اور متعدد زبانیں تبدیل ہو گئی ہیں " یہاں مسعودی نے اپنے غور و فکر سے دو نتائج بالکل صحیح اخذ کیے ہیں۔ ایک یہ کہ فرعون، قدیم مصری بادشاہوں کا لقب تھا اور دوسرے یہ کہ فرعونی زبان تبدیل ہو گئی ہے اور ان کے ہمعصر قبطی اب وہ زبان نہیں بولتے۔

اسلامی مؤرخین کے بارے میں جن میں مسعودی بھی شامل ہیں۔ ابنِ خلدون کا درجِ ذیل قول مسعودی پر بھی صادق آتا ہے۔ ابنِ خلدون اپنی مشہور تاریخ " کتاب العبر و دیوان المبتدأ و الخبر " فی ایام العرب جلد اول ص۳ پر لکھتے ہیں:

" بڑے بڑے مسلمان مؤرخین نے اسلامی تاریخ لکھی ہے اور تاریخ کے موضوع پر دفتر کے دفتر سیاہ کر دیے ہیں اور اس مضمون کی کتب کے انبار لگا دیے ہیں۔ ان کے بعد کچھ ایسے ناقلین پیدا ہوئے جنہوں نے حق کے ساتھ باطل کو بھی ملا دیا اور حق و باطل درست و نادرست میں امتیاز کیے بغیر جو کچھ لکھ سکے لکھتے چلے گئے۔ اس طرح تاریخی کتب میں بہت سی توہمات پر مبنی کہانیاں اور قصے شامل ہو گئے۔ کوئی واقعہ لکھتے وقت یا کوئی داستان بیان کرتے وقت انہوں نے اس کے اسباب و علل پر عقل و فکر سے کبھی غور نہ کیا اور نہ ہی صحیح واقعات کو افسانوں اور قصے کہانیوں میں سے چھانٹ کر الگ کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح تحقیق و تنقیح والا کام آج تک تشنۂ تکمیل ہے اور تاریخی واقعات میں اغلاط اور اوہام کی بھرمار ہے اور عموماً بعد کے مؤرخین بھی لکیر کے فقیر بنے جو کچھ کسی کتاب میں لکھا دیکھتے ہیں، بے دریغ و بلا تامل نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ کورانہ تقلید کا ارتکاب جہالت کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ یہ صرف تاریخ کے معاملہ میں ہی نہیں دیگر علمی فنون میں بھی یہی روش ہے۔ حق و باطل اور صحیح و غلط میں امتیاز کرنے کی

تکلیف بہت کم لوگ گوارا کرتے ہیں اور جو کچھ دیکھتے ہیں نقل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ بصیرت اور عقل و درایت سے کام لے کر ہی قلم اٹھایا جائے۔ تاکہ علوم و فنون کدورتوں اور اغلاط سے پاک ہو کر نکھر جائیں اور آئندہ نسلوں تک صحیح علمی حقائق پہنچیں۔"

ہم مسعودی کی کتاب کو ابنِ خلدون کے قائم کردہ اس سخت معیار پر جانچ بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ کتاب صرف تاریخ کی کتاب نہیں یہ تو ایک وسیع شاہکار ہے جس میں تاریخی واقعات کے علاوہ بہت سے مشاہدات اور مؤلف کی اپنی آرا بھی شامل ہیں۔ قدیم قبائل کے رسوم و رواج اور ان کے مذہبی عقائد بھی درج ہیں۔ اگر مسعودی اپنی ہر دیکھی سنی چیز نہ لکھتے تو ہم اس دور کے بہت سے مذہبی عقائد اور سیاسی، اجتماعی اور معاشی امور کے علم سے محروم رہتے۔

اگرچہ ابنِ خلدون، مسعودی پر اس لحاظ سے گرفت کرتے ہیں کہ مسعودی ہر سنی سنائی چیز اور کسی اور ذریعے سے ان تک پہنچنے والا ہر قصہ اور ہر حکایت بغیر کسی تحقیق و تنقید اور بحث و تمحیص کے لکھ دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ابنِ خلدون نے خود ہی مسعودی کی طرف سے معذرت پیش کی ہے یا کم از کم یہ کوشش ضرور کی ہے کہ وہ دوسروں کی نظروں میں مسعودی کا ایک خاص مقام پیدا کریں۔ لکھتے ہیں: "جیسا کہ محققین و ناقدین کے درمیان مشہور و معروف ہے، مسعودی اور واقدی کی کتابوں میں بہت سے امور محلِ نظر ہیں۔ ضروری نہیں کہ ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہر بات معتبر اور قابلِ قبول ہو لیکن اس کے باوجود تمام علما نے انہیں معتبر مورخ قرار دیا ہے اور ان کی روایات و اخبار کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ ہر ناقد و مبصر اپنی عقل و بصیرت سے کام لے کر خود دیکھ سکتا ہے کہ کونسی روایت معتبر اور قابلِ قبول ہے اور کونسی غیر صحیح اور غلط ہے۔ ہر دور اور ہر علاقے کے کچھ طبعی حالات ہوتے ہیں جن پر وہاں کے حالات اور کوائف کا دارومدار ہوتا ہے۔ ہر علاقے کے متعلق روایات کو اس علاقے کے لحاظ سے جانچا جائے گا۔ (مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں نے قطبِ شمالی یا قطبِ جنوبی کے اردگرد رہنے والے لوگوں کو دیکھا ہے۔ اُن کا لباس صرف ایک لنگوٹی ہوتا ہے۔ یا یہ کہے کہ خطِ استوار کے قریب رہنے والے لوگ سال کے اکثر حصوں میں پوستین اور بھاری اُونی لباس پہنتے ہیں تو یہ دونوں یقیناً غلط ہیں، خواہ کہنے والا کتنا ہی معتبر کیوں نہ ہو) پھر اسلامی مؤرخین کی کتابیں عام طور پر ظہورِ اسلام ہی سے شروع ہوتی ہیں اور ان میں صدرِ اسلام کی دو بڑی حکومتوں (بنو امیہ و بنو عباس) کے احوال ہوتے ہیں البتہ مسعودی اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے کچھ مؤرخین ایسے بھی ہیں جنہوں نے اسلام سے پہلے کی بہت سی قوموں کے احوال بھی لکھے ہیں۔

دراصل مسعودی پر ابنِ خلدون کی تنقید کا ہدف وہ قصص و حکایات ہیں جو انہوں نے اپنے سے پہلے مؤرخین و مؤلفین کی کتابوں سے نقل کی ہیں اور وہ تاریخی روایات جو انہوں نے دوسری کتبِ تاریخ سے لیے ہیں۔ علامہ محمد محی الدین "مروج الذہب" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ: مسعودی نے جو علوم و معارف اور تاریخی واقعات اس کتاب میں لکھے ہیں۔ ان کے دو بڑے ماخذ ہیں جن میں سے ایک ماخذ سابقہ علما و مؤلفین کی تالیفات و تصنیفات ہیں جن میں سے اکثر کی طرف مسعودی نے "مروج الذہب" کے آغاز میں اشارہ کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسعودی نے اپنے سے پہلے کے تمام معتبر مؤرخین کی تالیفات سے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ انہیں اپنی تالیفات و تصنیفات کا ماخذ بنایا ہے۔ وہ ان سب کا تذکرہ "مروج الذہب" کے آغاز میں بھی کرتے ہیں اور دیگر متعدد کتب میں مختلف مقامات پر بھی کرتے ہیں: "مروج الذہب" جلد اول صہ پر لکھتے ہیں: "بہت سے پہلے لوگوں نے بھی تاریخ کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے تو بالکل صحیح واقعات لکھے ہیں اور بعض سے غلطیاں بھی صادر ہوئی ہیں، لیکن ہر ایک نے اپنی پوری کوشش صرف کر کے اپنی قابلیت کے جوہر

دکھائے ہیں، مثلاً وہب بن منبہ والی مخنف لوط یحییٰ عامری محمد بن اسحٰق واقدی، ابن الکلبی، ابوعبیدہ محمد بن مثنیٰ ۔۔۔" اس طرح مسعودی بہت سے راویوں اور مؤرخین کا تذکرہ کرتے کرتے اپنے ہمعصر مؤرخین تک پہنچتے ہیں۔ اپنے معاصرین میں سے وہ "مروج الذہب" جلد ۱ صـ۷ پر سنان بن ثابت بن قرہ حرجانی پر یُوں تنقید کرتے ہیں: "میں نے سنان بن ثابت بن قرہ حرجانی کو دیکھا ہے۔ انہوں نے ایک ایسا کام کیا جو ان کے فن سے غیر متعلق تھا اور اپنا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیا۔ انہوں نے ایک مؤلف کے نام مکتوب کے طور پر ایک کتاب تالیف کی۔ اس کی تمہید میں انہوں نے اخلاق نفس اور نفس کی مختلف اقسام ناطقہ غضبیہ شہوانیہ وغیرہ کے موضوع پر کچھ جامع کلمات لکھنے کے بعد کچھ سیاست کے موضوع پر لکھا، یہ موضوع انہوں نے افلاطون سے لیا۔ افلاطون نے اس سلسلے میں دس مقالات لکھے ہیں جن میں سیاست، بادشاہوں اور وزراء کے فرائض وغیرہ امور کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد سنان بن ثابت نے بزعم خویش کچھ صحیح واقعات لکھے ہیں، حالانکہ وہ ان کے چشم دید واقعات نہیں تھے اور پھر اسے مستنصر باللہ کے حالات سے جا ملایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مستنصر باللہ کی صحبت میں کچھ عرصہ رہ چکے ہیں۔ پھر مستنصر باللہ کی طرف ایک تالیف کو منسوب کیا ہے۔ یہ فعل سابقہ مؤرخین و مؤلفین کی روش کے سراسر خلاف ہے۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے بالکل صحیح ہے اور اس میں انہوں نے کوئی غلط بات نہیں لکھی، پھر بھی اس میں یہ عیب ضرور ہے کہ انہوں نے ایک ایسا کام کیا جو ان کے فن سے متعلق تھا اور وہ اپنا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چل نکلے" : اپنی کتاب کے آغاز میں مسعودی اس طرح بہت سے سابقہ مؤرخین پر تنقید و تبصرہ کرتے ہیں، مثلاً طبری کے متعلق لکھا ہے: "ابوجعفر بن محمد جریر طبری کی تاریخ اس موضوع پر بے نظیر اور لاثانی کتاب ہے۔ کوئی دوسری تاریخی کتاب اس جیسی نہیں۔ اس میں مختلف النوع تاریخی واقعات اور متعدد علوم و فنون کے متعلق علمی حقائق و نکات مذکور ہیں کتاب انتہائی مفید کتاب ہے اور آخر کیوں نہ ہو؟ اس کتاب کا مؤلف اپنے دور کا سب سے بڑا فقیہ یکتائے زمانہ اور نادرہ روزگار تھا۔ اس کے زمانہ کے تمام فقیہ اس کا لوہا مانتے تھے اور تمام محدث اور آثار و سنن کے ماہرین اس کے علوم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مختلف مقاصد کے پیش نظر مسعودی ہر اس کتاب کی طرف راجع ہوتے ہیں جو انہیں ملے۔ کبھی کسی واقعہ کے نقل کرنے کے لیے وہ اکثر و بیشتر ایسا کرتے رہتے ہیں۔

جب کوئی مختلف فیہ امر پیش آجائے تو مسعودی ایک سے زائد ماخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے سلسلہ میں جلد دوم صـ۲۸۱ پر لکھتے ہیں کہ: "مذکورہ بالا قول محمد بن اسحٰق کا ہے۔ واقدی اس امر میں تو ابن اسحٰق سے متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نو غزوات میں شرکت کی ہے۔ لیکن اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ حضورؐ نے وادی القریٰ والے غزوات میں بھی شرکت فرمائی تھی ۔۔۔" دونوں کے اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر کار مسعودی لکھتے ہیں کہ: "واقدی کے قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ غزوات میں شرکت فرمائی ہے اور ابن اسحٰق کے قول کے مطابق حضورؐ نو غزوات میں شریک ہوئے ہیں۔ لہٰذا آپؐ کے نو غزوات میں شریک ہونے پر دونوں مؤرخین متفق ہیں۔"

جہاں تک کسی حیوان یا مکان، عمارت، علاقہ وغیرہ کے متعلق کچھ لکھنے کا سوال ہے تو اس سلسلے میں مسعودی صرف دوسری کتابوں سے نقل کر کے کچھ لکھ دینے پر اکتفا نہیں کرتے کیونکہ یہ حسی اور موجود اشیاء ہیں اور اس سلسلے میں مشاہدہ اور اپنے معاصرین میں سے ان لوگوں سے استفادہ ممکن ہوتا ہے جنہوں نے وہ حیوان یا مکان دیکھا ہو۔ جاحظ نے کرکون (کرگدن یا گینڈا) کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس پر مسعودی نے بڑی سخت تنقید کی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسعودی کسی حیوان یا مکان کے متعلق کچھ لکھتے وقت لکیر کے فقیر نہیں ہوتے۔ جلد اول صـ۱۴۶ پر لکھتے

ہیں : "عمرو بن بحر الجاحظ کا خیال ہے کہ کرگدن اپنی ماں کے پیٹ میں سات سال تک رہتا ہے۔ وہ اپنا سر باہر نکال کر چرتا ہے اور پھر دوبارہ سر ماں کے پیٹ میں داخل کر لیتا ہے۔ یہ بات جاحظ نے اپنی "الحیوان" نامی کتاب میں ایک اعجوبے کے طور پر لکھی ہے۔ میں نے جاحظ کی یہ بات جسے بھی بتائی اس نے اس پر سخت حیرت و استعجاب کا اظہار کیا۔ میں نے اس کے متعلق سیراف، عمان اور ہندوستان کے تاجروں اور سیاحوں وغیرہ سے دریافت کیا تو سب نے یہی بتایا کہ یہ گائے بھینسوں کی طرح بچے جنتا اور انہیں دودھ پلاتا ہے اور اس کی مدتِ حمل بھی گائے بھینس کی مدتِ حمل کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ مجھے آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ حکایت جاحظ نے کہاں سے لی ہے۔ کسی کتاب سے نقل کی ہے یا کسی آدمی نے اسے بتائی ہے...؟"

مسعودی نے اسلامی مؤرخین اور عربی کتب کے علاوہ دوسرے مؤرخین اور غیر عربی اجنبی کتب سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اگرچہ غیر مؤرخین، مؤلفین یا کتب سے استفادہ کے متعلق انہوں نے خود کوئی وضاحت نہیں کی، لیکن کتاب میں ایسے اشارات ضرور ملتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ نہ صرف غیر عربی کتب سے استفادہ کیا بلکہ اکثر و بیشتر اس زبان کی اصلی کتب سے استفادہ کیا جس زبان میں وہ لکھی گئی تھیں۔ مثلاً جغرافیہ کے موضوع پر کچھ لکھتے وقت وہ عموماً بطلیموس کی کتاب جغرافیہ سے استفادہ کرتے ہیں۔ صـ۱۰۷ پر لکھتے ہیں :-

" بطلیموس نے اپنی کتاب جغرافیہ میں زمین، بڑے بڑے شہروں، پہاڑوں، سمندروں، جزیروں، دریاؤں اور چشموں وغیرہ کے احوال و کوائف لکھتے ہیں : معلوم ہوتا ہے کہ مسعودی نے یہ کتاب اور اس میں موجود نقشے خود دیکھے تھے۔ لکھتے ہیں : "کتاب جغرافیہ میں یہ سمندر مختلف رنگوں اور شکلوں میں دکھائے گئے ہیں، کوئی سبز نیلگوں، کوئی شاوری، کوئی مصرانی اور کوئی مثلث شکل کے ہیں۔" یہ کتاب انہوں نے اسی زبان میں لکھی دیکھی جس میں مؤلف نے لکھی تھی۔ لکھتے ہیں کہ "لیکن اس کتاب میں ان دریاؤں، پہاڑوں، شہروں وغیرہ کے نام لکھے ہوئے ہیں جن کا سمجھنا دشوار ہے۔" اگرچہ مسعودی نے خود اس کی وضاحت نہیں کی کہ وہ یونانی زبان جانتے تھے۔ لیکن ان کی مذکورہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ یونانی زبان سے آگاہ تھے۔ اس لیے جب وہ یونانی کتب سے استفادہ کرتے تو تراجم سے نہیں بلکہ عموماً یونانی میں لکھی ہوئی اصل کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔

افلاک و نجوم کے موضوع پر وہ علم نجوم کی عربی کتب کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ ساتھ اس موضوع کی یونانی کتب بھی دیکھتے۔ جلد اوّل صـ۲ پر اس فن کی کتاب الزیج کا تذکرہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ کتاب المجسطی کے مؤلف بطلیموس نے لکھا ہے کہ پہاڑوں اور سمندروں سمیت زمین کی گولائی (محیط) چوبیس ہزار میل ہے۔ جلد اوّل صـ۳۴۳ پر حیوانات کے موضوع پر لکھتے ہوئے صاحب المنطلق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ زرافہ کے متعلق بہت سے عجیب و غریب واقعات اور کوائف ہیں۔ یہ بات صاحب المنطلق نے اپنی "الکتاب الکبیر" میں لکھی ہے۔ جس میں انہوں نے زرافہ اور دیگر حیوانات کے اعضاء کے فوائد لکھے ہیں کہ وہ اپنے کن کن اعضاء سے کیا کیا کام لیتے ہیں۔

ہوا اور مٹی وغیرہ کے طبائع و خواص کے سلسلے میں مسعودی کا ماخذ بھی اس فن کے ائمہ ہیں۔ جلد اوّل صـ۱۵۹ پر لکھتے ہیں کہ جالینوس کا کہنا ہے کہ ہوا میں نشو و نما اور سکون دونوں خواص پائے جاتے ہیں۔ بلیغاس سے منقول ہے کہ جب یہ دو عناصر یعنی مٹی اور پانی میں خلق (از سر نو وجود میں آنا) اور سکن (جگہ گھیرنا) کی خصوصیات پائی جاتی ہیں تو لازمی امر ہے کہ دوسرے دو عناصر بھی ہوا اور آگ میں بھی یہ دونوں خاصیتیں یقیناً پائی جاتی ہیں۔ اور جلد دوم صـ۳۱ پر مختلف خطوں کی آب و ہوا کے انسانی مزاج و طبائع پر اثرات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "حکیم بقراط کا کہنا ہے کہ جنوبی علاقوں میں ایک علاقہ ایسا ہے جہاں بارش بہت زیادہ ہوتی ہے، وہاں سبزہ بکثرت

پیدا ہوتا ہے اور گھنے جنگلات پائے جاتے ہیں "

تاریخ عالم قدیم کے بارے میں جلد دوم صفحہ ۱۰۶ پر ایک مقالہ ہے جس میں مختلف اقوام کے اقوال ہیں۔ کچھ اقوال قدیم عجیب غریب اور افسانوی رنگ کے ہیں اور کچھ صحیح اور عقل کے مطابق ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانے میں سب سے پہلے قدیم اقوام کی مذہبی کہانیوں اور عجیب غریب واقعات سے پردہ اٹھایا۔ انہوں نے ہندوستان سے لے کر ایشیا کے انتہائی شمالی علاقوں روس تک۔ مغرب میں سوڈان، یونان سے ایران تک۔ نیز مصر کی قدیم اقوام مجوسیوں۔ صابئین۔ جزیرۃ العرب۔ غرضیکہ دنیا کی ان تمام اقوام کی تاریخ لکھی جن کا کسی طور پر وجود ملتا ہے۔ اس میں قدیم تاریخ بھی شامل ہے اور اسلام کے بعد محمد بن طغج اخشید تک کے دور کی جو ان کی کتاب کا زمانہ مابعد ہے، تاریخ بھی شامل ہے۔

علامہ احمد امین اپنی کتاب "فجر الاسلام" کے صفحہ ۱۰۶ پر مسعودی کی کتاب "مروج الذہب" کی اہمیت و افادیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس نے تاریخ نویسی میں قدیم محدثین اور مؤرخین کی روش کو چھوڑ کر ایک نئی روش اختیار کی اور اس میں کلام نہیں کہ اس کے مصر میں رہنے اور وہاں اس کی کتب کی اشاعت سے ثقافتِ تاریخ پر گہرا اثر پڑا "

ڈاکٹر سیدہ اسماعیل کاشف اپنی کتاب "مصادر التاریخ الاسلامی" کے صفحہ ۳۵ پر مسعودی کے طرزِ تالیف کے بارے میں لکھتی ہیں انہوں نے تاریخ نویسی میں ایک نئی روش اپنائی۔ وہ مختلف واقعات سنین کے تحت ترتیب وار نہیں لکھتے کہ پہلے مثلاً ۳ ھ کے بعد ۴ لکھیں، پھر ۴ ھ کے پھر ۵ ھ کے . . . . بلکہ موضوعات کے لحاظ سے ان کے مختلف عنوان قائم کرتے ہیں اور ہر قوم، ہر بادشاہ یا ہر شاہی خاندان کے حالات ان عنوانوں کے تحت درج کرتے ہیں۔ دیگر کئی ایک مؤرخین خصوصاً ابنِ خلدون نے بھی ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے یہی روش اختیار کی ہے۔" اس طرزِ تالیف کا فائدہ یہ ہوا کہ ہر قوم کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس قوم کی ثقافت، تہذیب و تمدن، طرزِ معاشرت۔ علوم، مذاہب عقائد وغیرہ امور بھی ان کے سامنے آ گئے اور اس طرح کسی قوم کی تاریخ، اس کی طرزِ معاشرت تہذیب و تمدن، ثقافت رسوم و رواج اور مذہبی عقائد وغیرہ امور کی تاریخ کا جزو لاینفک بن گئی۔

مسعودی اسی کتاب میں اپنی طرزِ تالیف کی وضاحت کرتے ہوئے جلد اوّل صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں: "تاریخ، دنیا کے حالات، زمانے کے واقعات انبیائے کرام اور بادشاہوں کے حالات، مختلف اقوام اور ان علاقوں کے حالات جہاں وہ قومیں آباد تھیں ایسے ہی متعدد امور پر مشتمل میرا یہ کتاب لکھنے کا باعث، علمائے کرام کے طریق کار کے اتباع و پیروی کی محبت اور حکما کے احکام کی تعمیل ہے تاکہ آئندہ نسلوں تک دنیا کے اچھے اچھے حالات و واقعات اور علوم و معارف پہنچ سکیں اور وہ ان سے مستفید ہو کر اس سے پہلے بھی ان فنون پر متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ اس سلسلے میں بعض مؤلفین نے قابلِ قدر کام کیا اور بعض کی کوششیں ادھوری رہ گئیں بعض نے مفصل اور ضخیم کتابیں لکھیں اور بعض نے اختصار سے کام لیا۔ نیز ہم نے محسوس کیا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے واقعات و حوادث ظہور پذیر ہو رہے ہیں جن کا قلمبند ہونا ضروری ہے۔ اس فن میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات بڑے بڑے اہم واقعات بھی بڑے بڑے فاضل مؤلفین کے علم میں نہیں آتے اور قلمبند ہونے سے رہ جاتے ہیں ان مختلف وجوہ کے سلسلے میں ضروری سمجھا کہ ایک کتاب لکھوں۔ رہی یہ بات کہ میری یا دیگر مؤلفین کی سعی و کوشش کہاں تک کامیاب ہے۔ تو اس سلسلے میں کہنا پڑے گا کہ ہر ایک کو اس کی محنت و کوشش کے مطابق ہی صلہ ملے گا نیز ہر دور اور ہر علاقے کے کچھ عجیب و غریب رسمیں اور حالات ہوتے ہیں جن کا علم اس دور اور اس علاقے کے لوگوں کو ہی ہو سکتا ہے۔ نیز جو شخص گھر کے کونے میں بیٹھا رہے اور جو کچھ وہاں میسّر ہو اسی پر قانع رہے تو وہ کبھی بھی اس شخص کا ہم پلّہ نہیں ہو سکتا جو دور دراز کے سفر کرے اور طرح طرح کی مشقتیں برداشت کر کے مختلف و متعدد دشوار گزار مقامات سے علوم و

معارف کے قیمتی جواہر اکٹھے کرے۔

مسعودی نے کتاب لکھتے وقت جن اشیاء اور علوم و معارف کو اس میں درج کرنے کا ارادہ کیا تھا اس میں وہ کامیاب ہوئے۔ انہوں نے صرف حوادث ہی قلمبند نہیں کیے بلکہ حوادث کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن کی تاریخ بھی لکھی۔ انہوں نے عقائد کے متعلق زیادہ بحث و تمحیص اور فلسفی موشگافیوں سے اجتناب کیا ہے اور اگر کہیں ناچار ان امور کا ذکر آ گیا ہے تو یا تو نہایت اختصار سے ذکر کیا ہے یا کسی دوسری کتاب کے حوالے و اشارے پر اکتفا کیا ہے، جس میں انہوں نے یہ موضوع پہلے مفصل بیان کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ خود جلد سوم ص ۱۴۳ پر لکھتے ہیں کہ "اگر ہمارا ارادہ اس کتاب کی ضخامت کو ایک خاص حد تک رکھنے اور اختصار سے کام لینے کا نہ ہوتا تو ہم مختلف اقوام کے مختلف مذاہب اور فلسفوں پر تفصیل سے کلام کرتے اور اس سلسلے میں وہ تمام اقوال و آراء اور دلائل سامنے لاتے جو ہم سے پہلے لوگوں نے پیش کیے یا ہمارے معاصرین پیش کر رہے ہیں۔

جلد دوم ص ۱۵۳ پر لکھتے ہیں کہ: "بہت سے ایسے لوگوں نے جو اقوام قدیمہ (ارم و عاد) کے حالات سے آگاہ ہیں۔ لکھا ہے کہ یہ قصے کہانیاں اور حکایات خود ساختہ اور موضوع ہیں۔ مَن گھڑت خرافات ہیں۔ درباری مقربین اور قصہ گوؤں نے بادشاہوں کو بہلانے کے لیے وضع کیے تھے۔ پھر اس زمانے کے لوگوں میں مشہور اور زبان زدِ عام ہو گئے۔ ہم تک یہ قصص و حکایات ہندی، فارسی اور رومی کتب کے تراجم سے پہنچی ہیں اور ان کی وجہ تالیف یہی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ مثلاً کتاب "افسان" اور اس کی "افشانیہ" نامی فارسی تفسیر، اہلِ عرب میں یہ کتاب "الف لیلہ و لیلہ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دراصل ایک بادشاہ، اس کے وزیر اور وزیر کی بیٹی کی داستان ہے جو شیوا زاد اور اسازاد نے نقل کی ہے یا جلیبہ" وزرہ و شماس" نامی کتاب جس میں ہندوستان کے بادشاہوں اور وزراء کے قصے ہیں اور کتاب سندباد اور اسی قسم کی دیگر متعدد کتب ہیں۔"

مسعودی خود "مروج الذہب" کے باب جوامع اغراض میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب "اخبار الزمان و اخبار الملوک" "الاوسط" نامی دو کتابوں کا نچوڑ ہے۔ "اخبار الزمان و اخبار الملوک میں زمین۔ دنیا کے بڑے بڑے برِّ اعظم، سمندر، کواکب و افلاک ان امور سے متعلق فلاسفہ کے اقوال، مختلف ادوار کے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے حالات۔ فراعنۂ مصر۔ ایران کے اکاسرہ قوم عاد۔ یونانی۔ رومی۔ ان بادشاہوں کا طرزِ حکومت، مختلف ادوار کے فلاسفہ کی آراء، انبیاء و رسلؑ کے حالات اور ۳۳۲ھ تک کی تاریخ وغیرہ مضامین شامل ہیں۔" "الاوسط" میں زیادہ تر تخلیقِ کائنات سے لے کر مؤلف کے زمانے تک کی تاریخ ہے: "مروج الذہب" جلد اوّل ص ۲ پر اس کتاب کی طرزِ تالیف کے متعلق مذکور ہے کہ مذکورہ بالا دو کتابوں میں درج مفصل مضامین کو مختصر الفاظ میں قارئین کے سامنے پیش کرنے کے لیے اور جو مضامین ان کتابوں میں نہیں آئے اور دیگر متعدد موضوعات قلمبند کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

مسعودی کا دوسرا بڑا شاہکار "التنبیہ والاشراف" ہے جو اگرچہ "مروج الذہب" جتنا مقبول و مشہور تو نہیں، تاہم نہایت گراں بہا قابلِ قدر ہے۔ جرجی زیدان اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "اس میں افلاک، ہیئت، نجوم، نجوم کی تاثیر، عناصر، ترکیب عناصر، زمانے کے مختلف ادوار، سال کے تمام موسم، مختلف ہوائیں۔ ہواؤں کے رُخ، زمین، زمین کی مختلف شکلیں، زمین کا رقبہ، مختلف برِّ اعظموں میں زمین کی تقسیم، ہر علاقے کے لوگوں پر وہاں کی آب و ہوا کا اثر، ہفت اقلیم اور ان کی حدود، عرض بلد اور طول بلد، بڑے بڑے دریا اور ان کی گزرگاہیں، سات قدیم اقوام، ان کی زبانیں اور مسکن۔ ایران کے شاہی خاندانوں کا ترتیب وار تذکرہ۔ رومی اور ان کی تاریخ، تمام اقوامِ عالم کی تاریخ اور انبیاء کرام کا تذکرہ۔ سفینۂ قمریہ و شمسیہ کا بیان۔ سیرت النبیؐ۔ ظہورِ اسلام اور ۳۴۵ھ تک اسلامی خلفاء کی سیرت اور ان کے احوال مناقب وغیرہ امور کا تذکرہ

ہے۔ ان امور کے علاوہ اس میں متعدد ایسے امور بھی ہیں جو دوسری تاریخی کتابوں میں نہیں ملتے۔ یہ کتاب ۱۸۹۴ء میں لیڈن سے پانچ سو صفحات میں شائع ہو چکی ہے۔

اگرچہ دونوں کے درمیان بہت بڑی حد تک مطابقت تو نہیں تاہم "مروج الذہب" کے موضوعات اور جرجی زیدان کے پیش کردہ موضوعات کے درمیان ایک حد تک مشابہت ضرور پائی جاتی ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہے کہ دوسری کتاب کی نسبت پہلی کتاب کی ترتیب اور کسی حد تک دوسری کتاب کی ترتیب اور جرجی زیدان کی تحریروں کی ترتیب ایک دوسرے کے زیادہ مشابہ ہے۔ اگرچہ مسعودی کی دوسری کتاب یعنی "التنبیہ والاشراف" میں فلسفیانہ انداز "مروج الذہب" کی نسبت زیادہ نمایاں ہے۔ ڈاکٹر سیدہ اسماعیل کاشف لکھتی ہیں کہ:

"مسعودی نے "مروج الذہب" کے علاوہ ایک اور کتاب بھی تالیف کی ہے جس کا نام "التنبیہ والاشراف" ہے۔ اس میں انہوں نے فلسفۂ تاریخ اور فلسفۂ کائنات کے متعلق اپنا نقطۂ نظر واضح کیا ہے۔ نیز حیوانات، نباتات اور معدنیات کے تدریجی ارتقا اور آپس میں تعلق کے متعلق قدیم فلاسفہ کی آرا بھی سامنے لائے ہیں۔ ان امور کے علاوہ تاریخ قدیم، اسلامی تاریخ اور جغرافیہ کے متعلق بہت کچھ لکھتے ہوئے مختلف شہروں اور علاقوں کا تذکرہ کیا ہے۔

کارل بروکلمان اپنی کتاب "تاریخ الادب العربی" حصہ سوم ص۵۹ پر لکھتے ہیں کہ: "التنبیہ والاشراف" مسعودی کی تصنیف میں سے آخری کتاب ہے۔ گویا یہ ان کی پوری زندگی کی علمی و ادبی کوشش و کاوش کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ۳۴۵ھ مطابق ۹۵۶ء میں تصنیف کی۔ بروکلمان لیڈن سے شائع ہونے والے ایک نشریہ میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ اسماعیل صادی نے یہ کتاب ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں مصر سے شائع کی۔ کارودی نے اس کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا جو ۱۸۹۷ء میں پیرس سے شائع ہوا۔ بروکلمان کی اس رائے سے کہ یہ کتاب مسعودی کی پوری زندگی کی علمی و ادبی کوشش و کاوش کا خلاصہ و نچوڑ ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ اس کتاب اور "مروج الذہب" کے درمیان اس قدر تشابہ کیوں پایا جاتا ہے؟

مسعودی کی عمدہ جلیل القدر اور عظیم المنفعت کتاب کا تبصرہ ان کے اپنے الفاظ پر ختم ہونا ہی زیادہ موزوں و مناسب ہے۔ جلد اول ص۹ پر اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "چونکہ یہ کتاب ان موضوعات پر ہماری سابقہ تالیفات و تصنیفات کا اختصار اور خلاصہ ہے اور بذاتِ خود اس کے مضامین نہایت نفیس، عمدہ اور از حد مفید ہیں، اس لیے میں نے اس کا نام "مروج الذہب و معادن الجوہر" تجویز کیا ہے۔ یہ کتاب بادشاہوں اور حکما و اہلِ علم کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ ہے اور ہر کہ و مہ کو اس کتاب کے مذکور علوم و معارف کی ضرورت ہے۔ لوگ بڑے شوق سے اس کا مطالعہ کریں گے۔ یہ ایسے موضوعات پر مشتمل ہے جن کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے اور ان علوم سے لاعلمی اس کے لیے باعثِ نقصان ہے۔ ہم نے تمام علوم و معارف اور تاریخی واقعات میں تفصیلاً یا اجمالاً یا اشارۃً بیان کر دیے ہیں۔"

سیرت کی چھیالیس (۴۶) مطبوعہ اور قلمی کتابیں

تحریر: مسعد سویلم الشامان، ترجمہ: مولانا اجمل اصلاحی

یہ مقالہ جس کا ترجمہ قارئین نقوش کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ استاذ مسعد سویلم الشامان کے قلم سے ہے جو ریاض یونیورسٹی کے کلیۃ الآداب میں استاذ ہیں۔ اور انقرہ یونیورسٹی ترکی سے "سیرت نبوی ترکی لٹریچر میں" کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ مقالہ ریاض کے مؤقر سہ ماہی مجلہ "عالم الکتب" (جلد سوم، شمارہ سوم ص ۳۴۰ - ۳۵۳) میں شائع ہوا ہے۔

فاضل مقالہ نگار نے اس مضمون میں سیرت نبوی کی ۴۶ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کتابوں کے ترجمہ یا مخطوطات کے سلسلہ میں بعض غلط فہمیوں کو دور کیا ہے۔ اب تک کی معلومات پر اضافہ کیا ہے۔ نئے مخطوطات کا انکشاف کیا ہے۔ اور اس باب میں بروکلمان، فواد سزکین اور رمضان ششن کے قابل قدر کاموں پر اضافہ کیا ہے۔ موصوف کا سب سے اہم کارنامہ سیرت ابن ہشام کے ترکی ترجمہ کا انکشاف ہے۔ جس زمانہ میں میں ابن ہشام پر مضمون لکھ رہا تھا[1]۔ اس کے ترجموں کی تلاش تھی۔ ترکی ترجمہ کا ذکر کسی کتاب میں نہ ملا۔ خود مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ اس کا ذکر ترکی ماخذ میں بھی نہیں ہے۔ یہ ترجمہ دسویں صدی ہجری کا ہے۔ اور خوش قسمتی سے اس کا آٹوگراف جامعہ استنبول کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ مقالہ نگار کی تھیسس کا ایک جز اس ترجمہ کی تحقیق بھی ہے۔

مضمون کے ترجمہ میں بعض مقامات پر معمولی اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے "ترجمہ" کے ساتھ "تلخیص" کا بھی اضافہ کر دیا ہے — مترجم

میری پی ایچ ڈی کے مقالہ کا عنوان ہے "سیرت نبوی ترکی لٹریچر میں" اس مقالہ کی تمہید میں عربی ادب میں اس موضوع پر تحقیقات، کا مختصر جائزہ لینا ضروری تھا۔ اس سلسلہ میں مطالعہ کے دوران کتب سیرت کے بارے میں ماخذ بعض غلطیاں نظر آئیں۔ اسی طرح بعض نئے مخطوطات کا سراغ لگا۔ جن کا تذکرہ قدیم ماخذ میں موجود نہیں ہے۔ اور بعض کا تو کہیں ذکر مذکور نہیں ملتا۔ مناسب معلوم ہوا کہ یہ معلومات سیرت کے طلبہ کی خدمت میں پیش کر دی جائیں۔

۱ - کتاب المغازی مولفہ واقدی متوفی ۲۰۶ھ یا ۲۰۹ھ۔

۱ـ نقوش رسول نمبر جلد اول ص ۴۸۸

ڈاکٹر فواد سزکین نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا ایک فارسی ترجمہ جس کا مترجم نامعلوم ہے۔ خزانہ حاجی محمود (سلیمانیہ) میں نمبر ۴۷۰۴ کے تحت محفوظ ہے۔ نیز مغازی واقدی کا ایک ترکی ترجمہ استنبول میں ۱۲۶۱ھ میں شائع ہوا[۱]۔

یہ غلطی ڈاکٹر صاحب موصوف کے ذہن میں معلومات کی کثرت اور ہجوم کی وجہ سے واقع ہو گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مغازی واقدی کا ترجمہ ترکی زبان میں ہوا ہی نہیں۔ مذکورہ بالا کتاب ترکی زبان میں ہے، نہ کہ فارسی میں۔ پھر یہ کتاب مغازی کے بجائے واقدی کی جانب منسوب فتوح الشام کا ترجمہ ہے اور مترجم ہیں محمد بن یوسف بن مصطفیٰ چرکس زادہ متوفی ۱۱۶۰ھ[۲]

ڈاکٹر صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ ترکی ترجمہ استنبول میں ۱۲۶۱ھ میں شائع ہوا تھا تو یہ تاریخ دراصل طباعت کی نہیں بلکہ کتاب مذکور کی کتابت کی ہے۔ جیسا کہ عبارت ذیل سے واضح ہے۔

"واقع الفراغ من تحرير كتاب الواقدي في وقت الضحى في يوم الاربعاء من شهر ربيع الاول في سنة احدى وستين بعد المائتين والالف من الهجرة النبوية" (وكذا)

مغازی واقدی کے فارسی ترجمہ کا ذکر اسٹوری نے اپنی کتاب میں کیا ہے[۳]۔ ڈاکٹر سزکین نے جہاں واقدی کی فتوح الشام کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اس کے درج ذیل ترکی ترجمے ذکر سے رہ گئے ہیں۔

۱۔ سابق الذکر ترجمہ جسے مترجم نے ۱۱۰۷ھ یا ۱۰۹۸ھ میں مکمل کیا۔ اس کے متعدد نسخے بایزید العامۃ نمبر ۲۲۶، علی امیری نمبر ۴۲۵، حاجی محمود نمبر ۴۷۰۶/۱، طوبقپو سرائے نمبر ۱۳۷۲، قوغشلر نمبر ۸۹۱ وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

۲۔ فتوح الشام کا ایک ترجمہ مصطفیٰ بن یوسف بن عبدالله ضردمی المعروف بالعزیز (وفات بعد ۷۹۶ھ) کے قلم سے ہے مترجم نے یہ ترجمہ اس وقت کے امیر حلب جلبان GULPAN کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ ترکی زبان کی تاریخ کے پہلو سے اس ترجمہ کی بڑی اہمیت ہے[۴]۔ اس ترجمہ کے متعدد مخطوطات فاتح (نمبر ۴۲۸۶) علی امیری (نمبر ۴۳۳) ایاصوفیا (نمبر ۳۲۲۷) طوبقپو سرای (نمبر ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳) وغیرہ میں موجود ہیں۔

۳۔ فتوح الشام کا ایک ترجمہ محمد بن اُجانے کیا ہے۔ یہ ترجمہ منظوم ہے۔ مترجم الملک الاشرف قایتبای کے یہاں (۸۷۳ھ تا ۹۰۲ھ) قاضی لشکر کے عہدہ پر فائز تھے۔ اسی طرح وہ ذوالنون کے یہاں (۸۵۸ تا ۸۸۲ھ) سفیر کی حیثیت سے بھی کام کیا تھا عربی زبان میں ایک کتاب "سفارت نامہ" کے نام سے لکھی تھی۔ مذکورہ ترجمہ کی جلد اول کتب خانہ صالحہ خاتون میں نمبر ۱۵۷ اور جلد دوم طوبقپو سرائے قوغشلر میں نمبر ۸۸۲ کے تحت محفوظ ہے[۵]۔

۴۔ فتوح الشام کا چوتھا ترجمہ صادق بن صالح المویدالمنعظم متوفی ۱۳۲۸ھ[۶] نے کیا۔ یہ ترجمہ استنبول میں ۱۳۰۲ھ، ۱۳۰۳ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

۵۔ ایک اور ترجمہ بھی ملتا ہے۔ جس کے مترجم کا نام محمد آفندی الفقیہ الحنفی ہے۔ ترجمہ کی تکمیل ماہ رجب ۷۸۶ھ میں ہوئی۔ اس ترجمہ اور مترجم کے بارے میں ہمارے پاس اس سے زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ اس کا مخطوطہ دارالکتب المسریۃ عمومی نمبر ۱۷۹۱ (۴۲۸ تاریخ ترکی) کے تحت محفوظ ہے[۷]۔

۲ - سیرت ابن ہشام کا ترکی ترجمہ

عربی یا ترکی ماخذ میں سیرت ابن ہشام کے کسی ترکی ترجمہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ سیرت ابن ہشام کے واحد ترکی ترجمہ کا پورا متن مجھے دستیاب ہو گیا ہے۔ اس ترجمہ کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔ اور مترجم کے بارے میں بھی عربی اور ترکی ماخذ میں اس سے زیادہ معلومات نہیں ملتیں جو خود مترجم نے کتاب کے مقدمہ میں اپنے بارے میں لکھی ہیں۔ اس ترجمہ کی تحقیق میری ڈاکٹریٹ کے مقالہ کا دوسرا حصہ ہے۔ میں نے ترجمہ کا مقابلہ عربی متن سے کیا ہے اور مترجم نے جہاں حذف و اختصار سے کام لیا ہے۔ اس کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔ اس طرح ترکی نثر کے ارتقاء میں اس ترجمہ کی بھی اہمیت واضح کی ہے۔ مذکورہ ترجمہ کا واحد مخطوطہ مترجم کے قلم سے استنبول یونیورسٹی کے کتب خانہ میں (ترکی نمبر ۲۴۱۴) محفوظ ہے۔ مترجم ایوب بن خلیل آیدینی ہیں جنہوں نے یہ ترجمہ سلطان مراد سوم (۹۸۲ھ تا ۱۰۰۳ھ) کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ ترجمہ ۱۱ ربیع الاول ۹۸۶ھ کو مکمل ہوا۔

(۳) مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم - مولفہ ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا قزوینی متوفی ۳۹۵ھ

یہ کتاب جیسا کہ معلوم ہے۔ ایک بار ۱۳۰۱ھ میں الجزائر میں چھپی۔ پھر ۱۳۱۱ھ میں بمبئی میں شائع ہوئی۔ ایک بار اور "اوجز السیر لخیر البشر" کے نام سے چھپی۔ اس کا ایک مخطوطہ انقرہ کے کتب خانہ لغت و تاریخ و جغرافیہ - قسم اسمٰعیل صائب میں (اول نمبر ۴۰۰/۳) میں موجود ہے۔ یہ نسخہ ایک مجموعہ میں شامل ہے۔ مجموعہ کے ورق ۸۴ ب پر درج ذیل عبارت ہے:-

"کتاب فیہ مختصر سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جمع الامام ابی الحسین احمد بن فارس بن زکریا۔ رحمہ اللہ۔ روایۃ ابی الحسین علی بن القاسم المقری عنہ روایۃ ابی داود سلیمان بن ابراہیم وابی محمد عبداللہ بن محمد النیلی وکلاھما عنہ روایۃ ابی القاسم اسمٰعیل بن محمد بن الفضل الاصبہانی (ملاحظہ ہو کحالہ ۲: ۲۹۳) عنہما روایۃ ابی الحسین احمد بن حمزہ بن علی الموازینی اجازۃ عنہ روایۃ جہتہ بنت ہبۃ اللہ بن علی بن حیدرۃ السلمی عنہ سماع عنہا الصاحب محمد بن احمد بن عبدالرحیم بن علی الشیبانی نفعنا اللہ بہ و لسائر کتبہ آمین"

ورق ۹۱ الف پر یہ کتاب ختم ہو جاتی ہے۔ اس مجموعہ پر بعض اور تحریریں بھی ہیں۔ جن کا تعلق ۷۰۵ھ سے ہے۔

بروکلمان نے اس رسالہ کے جن نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ ان پر درج ذیل نسخوں کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ نسخہ علی امیری: عربی نمبر ۲۴۴۵ (اوراق ۱ - ۵)

۲۔ نسخہ ولی الدین نمبر ۲۱۸۰ (اوراق ۱۱۴ - الف - ۱۱۷ ب) اس نسخہ کی ابتداء یوں ہوتی ہے۔ "اب تمم: اخبرنا الشیخ الملہام العلامتہ۔ مفتی الشام حجۃ الحفاظ . . . تقی الدین ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن بن عثمان بن نصر النصری الشہرزوری المشہور بابن الصلاح . . ."

۳۔ نسخہ الفاتح نمبر: ۵۲۰۰/۷ (اوراق ۱۴۲ الف - ۱۵۰ الف)

۴۔ نسخہ حاجی محمود نمبر ۴۴۳۰ (۸ اوراق)

اس مختصر کتاب کی دو شرحیں ہیں۔

۱۔ فرائد الدرر و فوائد الفکر مولفہ ابن بادیس القسطینی متوفی ۷۸۰ھ۔
اس شرح کا ایک نسخہ الازہر، رواق المغاربہ (نمبر ۱۰۱۴) میں موجود ہے۔
۲۔ دوسری شرح ہے "مستعذب الاخبار باطیب الاخبار" مولفہ ابو مدین فاسی متوفی ۱۱۸۱ھ
اس کا ایک نسخہ دار الکتب المصریہ (نمبر ۲۰۸۲) میں محفوظ ہے۔
۴۔ وسیلۃ المتعبدین فی سیرۃ سید المرسلین۔ مولفہ عمر بن محمد بن خضر اردبیلی متوفی ۵۷۰ھ
اس کتاب کا ایک مخطوطہ ولی الدین میں نمبر ۷۹۸ کے تحت محفوظ ہے۔ اوراق کی تعداد ۱۹۰ ہے اور ہر صفحہ میں ۲۳ سطریں ہیں۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

"اخبرنا الشیخ الاجل السید العالم العامل ۔۔۔ ابی محمد بن طاہر بن سعید الصوفی رحمۃ اللہ علیہ، وھو یسمع قال۔ حدثنا ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن احمد بن حبیب البغدادی قال: حدثنا ۔۔۔"
ورق ۱۹۰ ب پر کتاب کا خاتمہ درج ذیل عبارت پر ہوتا ہے۔
"ثم ولی من ابنہ ولی عہدہ الراشد باللہ وھو ابوجعفر المنصور بن المسترشد باللہ وبویع لہ فی یوم الاثنین سابع وعشرین من ذی القعدۃ سنۃ ثلاثین وخمسمأۃ وبقی الی ان تسل بظاہر اصفہان فی شہر رمضان سنۃ اثنتین و ثلاثین وخمسمأۃ۔ قد تمت رسالۃ (وسیلۃ) المتعبدین فی سیرۃ حضرت (؟) سید المرسلین والحمد للہ علی توفیقہ الاتمام والصلوۃ والسلام علی محمد خیر الانام و علی الہ واصحابہ العظام الکرام"
اس کتاب کا ایک اور نسخہ بھی ہے۔ جس کا ذکر فہرس المخطوطات العربیۃ المصورۃ میں کیا گیا ہے۔
۵۔ سیرۃ النبی۔ مولفہ ابو السعادات سعد اللہ بن الحسین بن ابی تمام التکریتی۔
مصنف چھٹی صدی کے بزرگ ہیں۔ بروکلمان نے اس نسخہ کا ذکر جو مکتبہ بایزید (نمبر ۵۲۰) میں محفوظ ہے۔ ماٗشر کے حوالہ سے کیا ہے۔ "یہ کتاب ۲۳۱ ورق میں ہے۔ ہر صفحہ میں ۱۷ سطریں ہیں اور پوری کتاب خط نسخ میں لکھی گئی ہے۔ شروع میں نقص ہے۔ ورق ا ر ب پر یہ عبارت ہے۔
"۔۔۔۔ وما احتلم وانزل علیہ الکتاب المنیر المحکم ھدایۃ ۔۔۔"
پہلا ورق کرم خوردہ ہے۔ دوسرے ورق / ب پہ پہلا باب "اثبات قاعدۃ النبوات" کے عنوان سے ہے۔ خاتمہ ۲۳۱ / الف پر درج ذیل عبارت پر ہوتا ہے۔
"قرأ جمیع ھذا الکتاب الشیخ الامام شہاب الدین ابوالفتوح یحیی بن سعد اللہ بن الحسین بن ابی تمام علی مصنفہ والدہ الشیخ الامام ابی السعادات بن الحسین التکریتی حاں اللہ فدھا فسمعہ الشیوخ الصالحون القاضی ابوغالب نصر بن علی بن محمد بن ابی تمام وسعید بن فضل اللہ بن نعمان وحمزہ

بن بریک البناء ولداه ابوبکر و عمر و الحسین بن عزبی متکوبت فی المدرسة المعروفة بمنی (۹)
الی تمام فی ذی الحجة سنة ثمان و ستین و خمسمأة -"

اسی صفحہ پر خاتمہ سے پہلے کتاب کی تکمیل کی تاریخ درج ہے یعنی نصف صفر ۵۰۲ھ

۶ . کتاب اللوامع المنیرة فی جوامع السیرة - مولفہ عمر بن عیسیٰ بن درباس الہمدانی المازانی متوفی ۶۰۲ھ

بروکلمان کے مطابق اس کتاب کا ایک نسخہ الجزائر میں (نمبر ۱۶۵۹) موجود ہے[۱۲]۔ کتاب کا ایک اور نسخہ بورصا اولوجا میں نمبر ۲۷۵۹ کے تحت محفوظ ہے۔ اس نسخہ کا سن تحریر ۷۸۲ھ ہے۔ اوراق کی تعداد ۸۲ اور ہر صفحہ میں ۲۱ سطر ہے۔ کاتب کا نام محمد بن محمد ہے۔

۷ . کتاب نخبة المیرة فی اختصار السیرة - مولفہ تاج الدین ابونصر (ایک نسخہ میں ابومحمد ہے) عبدالوہاب بن حسن بن الفرات متوفی بعد ۶۸۳ھ

مولف کے بارے میں مزید معلومات نہ مل سکیں۔ لیکن بظاہر مولف کا تعلق اسی خاندان ابن الفرات سے ہے جس میں متعدد مورخین پیدا ہوئے[۱۳]۔

اس کتاب کا ایک نسخہ فیض اللہ آفندی میں (نمبر ۱۵۴۷) اور دوسرا ینی جامع میں (نمبر ۸۹۷) محفوظ ہے۔ نسخہ فیض اللہ افندی ۱۸۱ اوراق میں ہے۔ یہ نسخہ یا تو مولف کا آٹوگراف ہے یا مولف کے زمانہ میں لکھا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ مولف کو پڑھ کر سنایا گیا ہے۔ اس کا خط جلی نسخ ہے۔ پہلا ورق جس پر قراءات و سماعات اور دوسری اہم تحریریں تھیں پوری طرح محفوظ نہ رہ سکا مثلاً ورق ۱/الف پر ایک عبارت حسب ذیل ہے۔

"فرغه قراءة علی مؤلفه الفقیر الی الله محمد عبدالحمید بالاسکندریة حرسها الله فی سنة ثلاث و ثمانین و ستمأة" یہی تحریر کتاب کے آخر میں ورق ۱۸۱/ب پر مکرر درج ہے۔

ورق اول کی ایک اور اہم عبارت یہ ہے۔

"ملکه محمد المظفری و هو نجل المؤلف و هذا اصله"

تیسری عبارت :

"ملکه احمد بن ابراهیم بن رضی الدین (الله) الکنانی العسقلانی الحنبلی"

سماعت کی ایک تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کتاب مصر میں فقیہ اور قاضی تھے۔ قدیم ترین سماعت کا تعلق ۶۷۸ھ سے ہے۔

کتاب کا آغاز ورق ۱/ب درج ذیل عبارت سے ہوتا ہے۔

"بسم الله الرحمن الرحیم عونك اللهم"

یقول اصغر عبید الله و افقرهم الیه عبدالوهاب بن حسن بن الفرات بعد حمد الله رب العالمین...

ھذا مجموع اختصرت فیہ سیرۃ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اقتصرت فیہ علی ذکر الکاینات وما اتفق وقوعہ من الغزوات، وما بدی عنہ فیہا من المعجزات ...."

خاتمہ ورق ۱۸۱/ب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرثیہ میں حضرت حسان بن ثابت کے درج ذیل اشعار پر ہوتا ہے۔

"ولیس ھوای نازعا عن ثنائہ لعلی بہ فی جنۃ الخلد اخلد

مع المصطفیٰ ارجو بذالک جوارہ وفی نیل ذالک الیوم اسعی واجہد

تم اختصار السیرۃ الفاضلۃ الزکیۃ الطاہرۃ النبویۃ"

یہی جامع کا نسخہ اس نسخہ سے مختلف نہیں ہے۔ البتہ اس کا خط اس سے بہتر ہے۔ تجلید بھی عمدہ ہے۔ البتہ کتاب کا نام نسخہ کے کسی حصہ میں نہ مل سکا۔ یہ نسخہ ۱۹۳ اوراق پر ہے۔ ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں۔ خط نسخ مشکول میں لکھا گیا ہے۔

خاتمہ کی عبارت درج ذیل ہے۔

"فرغ منہ نسخاً اشد عبید اللہ احتیاجا ... محمد بن ابی بکر بن یحییٰ بن احمد بن شریف بن ہلال بن داذن الحمیری .... ووافق الفراغ من نسخہ نہار السبت المبارک سنۃ خمس وستین وسبعماۃ (۷۶۵) للہجرۃ النبویۃ ... برسم خزانۃ المجلس العالی السامی الناصری محمد الکاتب جملۃ اللہ تعالیٰ بالعلم ...."

۸ - الرسالۃ الکاملیۃ فی السیرۃ النبویۃ - مولفہ علاء الدین علی بن ابی الحزم القرشی المعروف بابن النفیس متوفی ۶۸۷ھ

اس کتاب کا ایک نسخہ انقرہ کے مکتبہ کلیۃ اللغۃ والتاریخ والجغرافیا قسم اسمٰعیل صائب اول نمبر ۲۰۵۲ میں محفوظ ہے۔ اوراق کی تعداد بیس ہے۔ خط نسخ میں ہے۔ سن کتابت تقریباً دسویں صدی ہجری ہے۔[۱۴]

۹ - السیرۃ النبویۃ[۱۵] - مولفہ ابوالحسن احمد بن عبداللہ البکری البصری الواعظ متوفی بعد ۶۹۴ھ[۱۶]

یہ کتاب بعض اور ناموں سے بھی معروف ہے۔ مثلاً الانوار ومفتاح السرور والافکار فی مولد النبی المختار[۱۷] بروکلمان نے کتاب مذکورہ کے مصنف کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس کے سوا اب تک کوئی مفصل بحث اس سلسلہ میں نہیں کی گئی ہے۔

یہ مصنف دروغ گوئی اور وضع میں مشہور ہے۔ اس کے معاصر علماء نے اس پر تنقید کی ہے۔ وہ ایسی باتیں لکھتا ہے جن سے عوام کو دلچسپی ہو۔ اور ان کے جذبات کو اپیل کرے۔ امام محمد بن احمد الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے میزان الاعتدال[۱۸] میں لکھا ہے جیسا کہ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) نے لسان المیزان میں نقل کیا ہے۔[۱۹]

"احمد بن عبداللہ بن محمد ابوالحسن البکری، جھوٹا، دجال، بے بنیاد واقعات کو گھڑنے والا، بے حد جاہل اور بے شرم ایک حرف کی بھی سند نہیں بیان کی۔ کتب فروشوں کے بازار میں اس کی کتابوں میں کتاب ضیاء الانوار اور .... اور .... ملتی ہیں۔ اس کی مشہور کتاب "الذروۃ فی السیرۃ النبویۃ" ہے" اس کتاب میں کسی غزوہ کا ذکر بھی اس کی اصل شکل میں نہیں کیا ہے۔ بلکہ جو کچھ بھی ذکر کرتا ہے یا تو بکسر باطل ہے یا اس میں اضافہ کر دیا ہے۔

احمد بن علی قلقشندی (متوفی ۸۲۱ھ) نے صبح الاعشیٰ[۲۰] میں ایک باب کا عنوان رکھا ہے۔ "من کان فرداً فی زمانہ

بحیث یضرب بہ المثل فی امثالہ" یعنی جو لوگ اپنے زمانہ میں ایسے یکتا ہوئے کہ اپنے ہمسروں میں ضرب المثل ہیں۔ اس باب میں لکھا ہے۔

"... سیبویہ نحو میں، اور ابوالحسن البکری جھوٹ میں ..."

سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی الحاوی فی الفتاوی" میں لکھا ہے[21]۔

سوال :- بکری کی کتاب سیرت کیا کل صحیح ہے یا بیشتر صحیح ہے؟ اور کیا اس کا پڑھنا جائز ہے؟

جواب :- اس کتاب کا بیشتر حصہ جھوٹ اور باطل ہے۔ اور اس کا پڑھنا جائز نہیں۔"

اس طرح کا فتویٰ ابن حجر ہیثمی نے بھی دیا۔ ابراہیم بن محمد بن سبط العجمی (متوفی ۸۴۱ھ) نے بھی" نور النبراس علی سیرۃ ابن سید الناس" (ورق ۲/الف نسخہ شہید علی پاشا نمبر ۱۹۲۳) میں بکری کی مذکورہ کتاب کے پڑھنے سے منع کیا ہے۔

بروکلمان نے اس کتاب کے متعدد نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ رمضان ششن نے دو نسخوں کا ذکر کیا ہے جو ایا صوفیا (نمبر ۳۲۴۸، ۳۲۴۹) میں محفوظ ہیں[22]۔ موخر الذکر نسخہ مصر کے امرائے ممالیک میں کسی کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس کتاب میں کوئی ترتیب نہیں ہے۔ تقدیم و تاخیر اور غلط ملط کثرت سے ہے۔ دیہاتی الفاظ بھی بہت ہیں۔ مصر میں رائج مجالس میلاد سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ کتاب کے فقرے عام طور پر" ایہا السادۃ الحاضرین، ایہا الاخوان" جیسے الفاظ سے شروع ہوتے ہیں۔

صرف مولد سے متعلق کتاب کے حصہ کا ایک نسخہ لالہ لی (نمبر ۲۰۴۲) میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کے بارے میں اتنی تفصیل ہم نے اس لئے بیان کی ہے۔ کہ سیرت نبوی کے موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔ جس کا ترجمہ ترکی زبان میں ہوا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ سیرت کی یہ پہلی کتاب ہے جو ترکوں تک پہنچی۔ مترجم مصطفیٰ بن یوسف بن عمر ارضرومی ہیں جو" ضریر" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور جن کا ذکر فتوح الشام کے ترجموں کے تذکرہ میں گذر چکا ہے۔ یہ ترجمہ مصر میں ۷۹۰ھ میں مکمل ہوا۔ تقریب یہ ہوئی کہ مملوک سلطان ظاہر سیف الدین برقوق (۷۸۴ھ ـــ ۸۰۱ھ) نے مترجم کو ترکی زبان میں سیرت کے موضوع پر کسی کتاب کے ترجمہ کا حکم دیا۔ موصوف شیخ اکمل الدین بابرتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشورہ چاہا۔ شیخ نے مشورہ دیا کہ سیرت ابن ہشام کے بجائے ابوالحسن بکری کی سیرت کا ترجمہ کیا جائے۔ اس لئے کہ سیرت ابن ہشام عوام کیلئے مشکل ہے۔ اور سیرت بکری ان کے لئے زیادہ دلچسپ ہے۔

یہ ترجمہ بلاد اناضول میں اور ممالیک مصر کے یہاں خوب رائج ہوا۔ اور ایک زمانہ تک اس کا اثر قائم رہا۔ ترکی زبان میں مولد معراج اور معجزات پر جتنی نظمیں لکھی گئیں۔ سب کی بنیاد اسی ترجمہ پر ہے۔ ضریر نے جب اس کتاب کا ترجمہ کیا تھا تو اس میں سیرت ابن ہشام کے بعض حصے بھی شامل کر دیئے تھے۔ بہرحال اس کتاب کے بارے میں علمائے اتراک کی معلومات اب تک غلط در غلط چلی آ رہی ہیں۔

۱۰ ۔ مختصر السیرۃ النبویۃ ۔ مولفہ احمد بن عبداللہ بن محمد محب الدین طبری متوفی ۶۹۴ھ[23]

اس کتاب کا ایک مخطوطہ جامع استنبول (عربی نمبر ۱۰۸۹) میں ۲۷ اوراق میں محفوظ ہے۔

۱۱ ۔ الذروۃ العلیا فی سیرۃ المصطفیٰ ۔ مولفہ ظہیر الدین علی بن محمد کازرونی متوفی ۶۹۷ھ[24]

یہ کتاب اگرچہ ضائع ہو گئی۔ لیکن اس کا فارسی ترجمہ جو بہاؤ الدین کازرونی نے ۷۰۳ھ میں کیا تھا۔ ہم تک پہنچا ہے۔ اس کے نسخے قونیہ کے میوزیم (نمبر ۱۱۶۸، ۱۱۸۷)[25] اور لالہ اسمٰعیل (نمبر ۳۳۰) میں محفوظ ہیں۔

۱۲ - کتاب الشجرۃ فی ذکر نسب (فی سیرۃ) النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ العشرۃ[26]۔ مولفہ عز الدین عبد العزیز بن احمد بن سعید الدہری الدیرینی متوفی ۶۹۷ھ

اس کتاب کا ایک مخطوطہ ایا صوفیا (نمبر ۴۲۴۸ / ۲) میں محفوظ ہے۔ اوراق :- ۳۵/الف تا ۴۶/الف سطریں ۱۵، خط نسخ یہ سیرت منظوم ہے۔ کتاب کی ابتداء ورق ۳۵/ب پر اس طرح ہوتی ہے۔

الحمد للہ المنیر الہادی　　　الملک الحق البدیع البادی

الاول القدیم ذوالستار　　　الآخر الموصوف بالبقاء

خاتمہ کے اشعار ورق ۴۶/الف پر حسب ذیل ہیں۔

سمیتہا فی نظمہا بالشجرۃ　　　فی سیرۃ النبی ثم العشرۃ

فی عام خمس قبلہا سبعونا　　　من بعد ستمائۃ سنینا

ناظمہا ابن احمد المعتذر　　　عبد العزیز سائل مفتقر

الی کریم مجزل العطایا　　　ویغفر الذنوب والخطایا

ویرتجی منہ تمام الفضل　　　والفوز والامان یوم الفصل

آخری ورق کے حاشیہ پر یہ تحریر ہے۔

" بلغ مقابلۃ وتصحیحا بقدر الوسع فی المدینۃ المشرفۃ علی مشرفہا من الصلوات افضلہا ..... من تاریخ سنۃ احدی (غالباً " وخمسین" چھوٹ گیا ہے) وثمانمائۃ ..... المجزنت ..... علی ید ... ابراہیم بن جلال الدین احمد الخجندی الحنفی المدنی ... سنۃ ۸۵۱" (کاتب مذکور کے بارے میں ملاحظہ ہو کحالہ ۱ : ۹۱)

ورق ۳۸/ب اور ۳۹/الف پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب ہے۔ اس مجموعہ میں اسی مصنف کی دوسری منظوم کتاب " کتاب الوسائل الالٰہیۃ والرسائل المحمدیۃ" بھی ہے۔ یہ کتاب مجموعہ کے شروع میں (ورق ا/ب تا ۱۴/الف) ہے

کتاب الشجرۃ کے بعض دوسرے مخطوطات طوپقپو سرای : احمد الثالث نمبر ۲۸۰۱، ۷۵۰ھ کے لگ بھگ کا لکھا ہوا) حاجی محمود نمبر ۲۰۳۴ / ۲ اور دار الکتب المصریہ ۲۱۱۶ ب میں محفوظ ہیں۔

۱۳ - مختصر سیرۃ ابن ہشام۔ مولفہ احمد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن واسطی متوفی ۷۱۱ھ[27]

اس کتاب کا ایک مخطوطہ انقرہ میں انجمن تاریخ ترکی کے کتب خانہ (نمبر ۶۸۱) میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطہ پر رطوبت کا اثر ہے اور کچھ کرم خوردہ بھی ہے۔ ۲۱۶ اوراق میں ہے۔ ۲۵ سطریں ہیں مخطوطہ کی کتابت دمشق میں شب جمعہ، ۱ رجادی الاول ۷۰۷ھ کو مکمل ہوئی۔ اس نسخہ پر مقابلہ اور سماعت کی بعض اہم تحریریں ہیں۔

۱۴ ۔ المورد العذب الہنی فی شرح السیرہ للحافظ عبدالغنی ۔ مولفہ عبدالکریم بن عبدالنور بن منیر حلبی متوفی ۷۳۵ھ
اس کتاب کا ایک حصہ ایا صوفیا (نمبر ۳۳۲۸/۳) میں محفوظ ہے ۔ اوراق ۶۴ ب تا ۷۳ ب ۔ اس حصہ کی ابتدا یوں ہوتی ہے
"روی ابن ماجہ عن محمد بن اسمعیل البختری عن زید بن ھارون . . ."
اس کتاب کا ایک اور نسخہ طوبقپوسرای ؛ ؟ خزانہ سی (نمبر ۱۱۵۴) میں محفوظ ہے ۔

۱۵ ۔ الجوہر الثمین من نخب سیر الامین ۔ مولفہ شہاب الدین احمد بن بیلیک الحسنی متوفی ۷۵۳ھ
مولف امرائے دیار مصریہ میں سے ہے ۔ کتاب کا ایک مخطوطہ فاتح (نمبر ۴۲۱۳) میں محفوظ ہے ۔ ایک اور مخطوطہ کا ذکر فہرس المخطوطات المصورہ، جزء ثانی، قسم اول صفحہ ۱۱۲ میں نمبر ۴۲۱۵ کے تحت کیا گیا ہے ۔

۱۶ ۔ المنتقی فی مولد المصطفیٰ ۔ مولفہ سعدالدین محمد بن مسعود گازرونی متوفی ۷۵۸ھ
مصنف نے یہ کتاب عربی میں لکھی تھی ۔ فارسی میں اس کا ترجمہ ان کے فرزند عفیف الدین گازرونی (متوفی تقریباً ۷۶۰ھ) نے کیا ۔ پھر اسی فارسی ترجمہ سے دو بار ترکی میں ترجمہ ہوا ۔ حاجی خلیفہ نے اس کے برعکس یہ لکھا ہے کہ اصل کتاب فارسی میں ہے ۔ اور فارسی سے اس کا ترجمہ عربی میں ہوا جو صحیح نہیں ہے ۔ بروکلمان اور شتی کے ذکر کردہ نسخوں کے علاوہ اس کتاب کا ایک نسخہ ایا صوفیا (نمبر ۳۲۵۱) میں محفوظ ہے جو ۱۰۵ اوراق میں ہے ۔

۱۷ ۔ مختصر سیرۃ النبی / یا المختصر الصغیر فی سیرۃ البشیر النذیر ۔ مولفہ ابوعمر عزالدین عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم بن جماعہ کنانی متوفی ۷۶۷ھ

اس کتاب کا ایک مخطوطہ مکتبہ بایزید (نمبر ۵۲۹۵) میں ۲۹ اوراق میں موجود ہے ۔ ایک اور نسخہ بھی اسی مکتبہ (نمبر ۵۲۹۶) میں محفوظ ہے ۔ ورق ۱/الف پر کتاب اور اس کے مصنف کا نام اس طرح لکھا ہے ۔

"المختصر الکبیر من سیرۃ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تالیف الشیخ الامام . . .
ابی محمد عزالدین عبدالعزیز بن الشیخ بدرالدین بن محمد بن ابراھیم بن سعد اللہ بن جماعۃ الکنانی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ"

ورق ۱/ب پر مصنف نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں صحیح احادیث اور مغازی کے سلسلہ میں "میں نے حافظ . . شرف الدین ابومحمد عبدالمؤمن دمیاطی پر اعتماد کیا ہے اور اختلافی مسائل میں انہیں کی رائے ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے ۔ اس لئے کہ اس موضوع سے ان کو خاص اعتنا اور طویل ممارست تھی ۔

یہ نسخہ ۴۴ اوراق میں ہے ۔ ہر ورق میں ۱۹ سطریں ہیں ۔ کتاب کا خاتمہ ورق ۴۴/ب پر اس طرح ہے ۔
"تم المختصر الکبیر . . . . فی السابع والعشرین من شہر رجب . . . . سنۃ عشر وثمانمأئۃ برسم مولانا الامام . . . محمد بن ابی بکر الخیاط"
اسی ورق پر مزید لکھا ہے ۔

" الحمد للہ سمع علی بعض ھذا المختصر کاتبہ الشیخ الامام . . . . امین الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابراھیم بن عبد الرحمن بن الشماع الدمشقی نفع اللہ بہ دصح ذلک یوم الخمیس سادس عشر شعبان ا تام سبعۃ و ثلاثین . . وقد ناولتہ جمیع ھذا المختصر واذنت لہ فی روایۃ واجزت لہ روایۃ مایجوز لی دعنی روایۃ لشرطہ وکتب عبد العزیز بن محمد بن ابراھیم بن سعد اللہ بن جماعۃ ۔

اس کتاب کے بعض اور نسخے طوپقپوسرای میں ، بغداد کوشکی نمبر ۲۷۰ اور احمد الثالث نمبر ۲۷۹۶ میں محفوظ ہیں۔

یہاں خاص طور پر جس غلطی پر متنبہ کرنا مقصود ہے۔ وہ یہ کہ کبھی کبھی مذکورہ مختصر اور کتاب " نور الروض " کو جو مؤلف مختصر کے پوتے محمد بن ابوبکر بن عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ بن جماعۃ الکنانی متوفی ۸۱۹ھ کی تصنیف ہے باہم گڈ مڈ کر دیتے ہیں[۳۱]

بروکلمان نے " نور الروض " کو ایک جگہ ابو عمر عز الدین عبد العزیز بن محمد بن جماعۃ متوفی ۷۶۷ھ کی جانب اور دوسری جگہ بدر الدین علی بن محمد بن برہان الدین بن سعد اللہ بن جماعۃ الکنانی متوفی ۷۳۳ھ کی جانب منسوب کیا ہے جو غلط ہے[۳۲]

اسی طرح ڈاکٹر سزگین نے " نور الروض " کو سیرت ابن ہشام کی تلخیص بتایا ہے ۔ جبکہ وہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ کی الروض الانف کا اختصار ہے[۳۳]

" نور الروض " کے مخطوطات کے لئے ملاحظہ ہو۔ فہرس المخطوطات المصورۃ ۔ الجزء الثانی ، القسم الثالث ص ۳۲۸ موخر الذکر مصنف کی ایک کتاب شرح سیرۃ ابن سید الناس بھی ہے۔

۱۸ - الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول - مولفہ ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ[۳۴]

یہاں ہم اس کتاب کے ایک مخطوطہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو جامعہ استنبول کے کتب خانہ میں عربی نمبر ۳۰۷۹ محفوظ ہے۔ یہ نسخہ ۷۰ اوراق میں ہے۔ اس کی ابتداء ورق ۱ ب پر " ذکر مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " سے ہوتی ہے۔ خاتمہ ورق ۷۰ ب پر درج ذیل عبارت پر ہوتا ہے۔

" فھزموھم وقتلوا مسیلمۃ وعشرۃ آلاف رجل من اصحابہ وغنم المسلمون اموالھم ودجع من بقی الی الاسلام[۳۵]

۱۹ - منحۃ اللبیب فی سیرۃ الحبیب - مولفہ شمس الدین محمد بن احمد بن محمد بن احمد باعونی متوفی ۸۷۱ھ[۳۶]

اس کتاب کا ایک مخطوطہ کتبیۃ اللغۃ والتاریخ والجغرافیہ کے کتب خانہ قسم اسمٰعیل صائب اول نمبر ۵۴۸۴) میں ۳۹ اوراق میں محفوظ ہے۔

بروکلمان نے لکھا ہے کہ اس منظوم کتاب میں مغلطائی کی سیرت " الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ " کو نظم کیا گیا ہے۔ لیکن خود شاعر ورق ۲ الف پر کہتا ہے۔

نقلت فیھا من کتاب السیرۃ ۔۔۔ لمغلطائی نقلاً یسیرہ

وربما من غیرھا نقلت ما ۔۔۔ رأیتہ مما رواہ العلما

ان اشعار سے واضح ہے کہ شاعر نے اگر ایک طرف مغلطائی کی سیرت سے کچھ معلومات لی ہیں تو دوسری کتابوں

کو بھی سامنے رکھا ہے اور ان سے استفادہ کیا ہے)

۲۰ ۔ **المقتضی من سیرۃ المصطفیٰ** :۔ مولفہ بدر الدین بن الحسن بن عمر بن حبیب حلبی متوفی ۷۷۹ھ[۳۵]
اس کتاب کا ایک نسخہ ایا صوفیا (نمبر ۳۳۸۸) اور دار الکتب المصریہ (نمبر ۳۰۹) میں محفوظ ہے۔ ایا صوفیا کا نسخہ ۴۹ اوراق میں ہے۔ ہر ورق میں ۱۳ سطریں ہیں۔

۲۱ ۔ **فتح القریب فی سیرۃ الحبیب**[۱] ۔ مولفہ فتح الدین محمد بن ابراہیم بن محمد الشہید النابلسی متوفی ۷۹۳ھ[۳۶]
اس کتاب کا ایک ناقص نسخہ رئیس الکتاب (نمبر ۷۸۲) میں محفوظ ہے۔ ابتدا ورق ۱/ب پر درج ذیل شعروں سے ہوتی ہے

الحمد للہ الذی یحمدہ ۔ أنعم فالحمد ید من عندہ
فکل حمد یستحق حمدا ۔ لا یبلغ الحامد فیہ حدا

خاتمہ ورق ۲۱۷/الف پر اس شعر پر ہوتا ہے۔

أوخرج بن العاص بعد اشہر ۔ من احد الی النجاشی واسبر

مذکورہ ورق کے حاشیہ پر سماعت کی درج ذیل تحریر ہے۔

" بلغ السماع فی السادس علی مولفہ فسح اللہ فی مدتہ حمراً ۔

یہ نسخہ خط نسخ مشکول میں ۲۱۷ اوراق میں ہے۔ ہر ورق میں ۱۷ سطریں ہیں۔

اس کتاب کی ایک شرح بھی پائی جاتی ہے۔ جو غالباً شہاب الدین احمد بن حجی بن موسیٰ بن احمد بن حجی متوفی ۸۱۶ھ نے لکھی ہے۔ اور جس کی جانب آدبری نے سیرت کی منظوم کتابوں پر اپنے مقالہ میں اشارہ کیا ہے[۳۷] اس شرح کا پہلا حصہ ۱۶۷ اوراق میں شہید علی پاشا (نمبر ۱۸۹۳) میں محفوظ ہے۔ مصنف پہلے شعر درج کرتا ہے۔ پھر اس کی شرح کرتا ہے۔ یہ حصہ ورق ۱۶۷/الف پر عبارت ذیل پر ختم ہوتا ہے۔

" ولا تمکنہ ان یکذب علیہ کذبۃ تخالف ما اشتہر من حدھم السالق مدحہم ایاہ وسنذکر من ھذا فی فصول من الکتاب ما یقربہ عیون المومنین وللہ الحمد والمنہ "

یہ نسخہ خط نسخ جلی غیر منقوط میں ہے بعض اوراق کے حاشیہ میں تعلیقات بھی ہیں۔ مثلاً ورق ۱۶۷/ب پر یہ ہے۔

" طالعتہ ونسختہ داعیا لمولفہ ومالکہ کتب علی بن الصیرفی الشافعی "

ورق ۱/الف پر ملکیت کی بھی ایک تحریر ہے۔ جس کا تعلق ۹۹۰ھ سے ہے (مذکورہ بالا عبارت میں جن علی بن الصیرفی کا ذکر ہے۔ کیا وہ علی بن الصیرفی الشافعی متوفی ۸۴۴ھ ہیں؟ دیکھئے کحالہ ۷ : ۱۲۷)

۲۲ ۔ **الدرر السنیہ فی السیرۃ الزکیہ** ۔ مولفہ زین الدین عبد الرحیم بن الحسین بن عبد الرحمٰن عراقی متوفی ۸۰۶ھ[۳۸]

---

[۱] ۔ صحیح نام الفتح القریب ہے۔ اس کتاب کے بارے میں ملاحظہ ہو۔ ہمارا مضمون ابن ہشام۔ نقوش ۱/ ۸۷۴ (مترجم)

یہ منظوم سیرت "الفیتہ العراقی فی السیرۃ" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس کے مخطوطات درج ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں۔

شہید علی پاشا نمبر ۲۷۵، رشید افندی نمبر ۱۰۰۱، حاجی محمود نمبر ۴۰۸۴، رئیس الکتاب نمبر ۱۱۴، حسن حسنی پاشا نمبر ۲/۲۳۱، دکزلی نمبر ۲۲۰، چورلولو علی پاشا نمبر ۲/۴۲۳، جامعہ استنبول عربی نمبر ۳۱۱، ۲/۱۷، ۷۸۶۔

۲۳ ۔ شرح نظم السیرۃ النبویۃ / یا شرح الدرر فی ہجرۃ سید البشر / یا الدرۃ الصفویۃ فی الہجرۃ النبویۃ ۔ مولفہ شہاب الدین احمد بن عماد الدین اقفہسی متوفی ۸۰۸ھ[42]۔

یہ کتاب نظم میں ہے۔ پھر مصنف ہی نے خود اس کی شرح لکھی ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ شرح کے ساتھ قرۃ چلپی زادہ میں ہے۔ اصل کا نمبر ۲/۳۴۶ اوراق از صفحہ ۵۲ تا صفحہ ۵۸۔ شرح کا نمبر ۲/۴۴ ہے اوراق از صفحہ ۶۰ تا صفحہ ۱۲۷۔ یہ نسخہ ۸۵۹ھ کا لکھا ہوا ہے۔ کتاب مذکور کا ایک اور نسخہ جامعہ استنبول کے کتب خانہ میں ۴۰ اوراق میں نمبر ۲۱۱۴ کے تحت محفوظ ہے۔

۲۴ ۔ المنظومۃ الحلبیۃ فی السیرۃ ۔ مولفہ ابوالولید محمد بن محمد بن محمود بن الشحنۃ زین الدین حلبی متوفی ۸۱۵ھ[43]

اس کتاب کا ایک مخطوطہ شہید علی پاشا (نمبر ۸/۲۷۱۲) میں محفوظ ہے۔ اوراق از ۲۲۲ تا ۲۳۴۔ خط نسخ ہے۔ ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں۔

۲۵ ۔ نور النبراس علی سیرۃ ابن سید الناس ۔ مولفہ برہان الدین ابراہیم بن محمد بن خلیل حلبی سبط ابن العجمی متوفی ۸۴۱ھ[44]

اس کتاب کے نسخے درج ذیل کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

۱۔ جار اللہ افندی نمبر ۱۶۳۶، اوراق: ۲۷۱۔ صرف جلد اول ہے۔

۲۔ مصلی مدرستہ سی نمبر ۱/۲۰۲۰

۳۔ راغب پاشا نمبر ۱۰۵۵، اوراق: ۳۶۶، سطریں: ۲۵ ۔ ۸۶۸ھ میں حلب میں لکھا گیا۔

۴۔ فیض اللہ افندی، نمبر ۱۵۵۰۔

۲۶ ۔ جوامع الاخبار النبویہ ولوامع الانوار المصطفویہ ۔ مولفہ محمد بن ابراہیم الخجی متوفی تقریباً ۸۴۳ھ۔

اس کتاب کا ایک نسخہ ایا صوفیا (نمبر ۹۱۴) میں ۲۵۹ اوراق میں محفوظ ہے۔ سطریں: ۱۳ رسم الخط: نسخ مشکول۔

یہ کتاب معروف معنوں میں سیرت کی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ مصنف کتاب نے لکھا ہے صحیحین اور سنن ترمذی کی حدیثوں کا انتخاب ہے مصنف کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ یہاں مصنف کے شیوخ کا نام درج کیا جاتا ہے۔ جن کا ذکر دیباچہ کتاب کے آخر میں کیا ہے۔ صحیح بخاری کی سماعت مولف نے شیخ جمال الدین ابو سلیمان داؤد بن العطار دمشقی سے کی اور صحیح

سلہ ۔ اس کتاب کا ذکر کتب سیرت کے ضمن میں بے محل ہے۔ جیسا کہ خود فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے ۔ یہ کتاب منتخب احادیث کا مجموعہ ہے ۔ (مترجم)

مسلم و سنن ترمذی کی اجازت شیخ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم خزرجی دمشقی بیانی صوفی سے حاصل کی۔

کتاب کا آغاز ورق ۱رب پر اس طرح ہوتا ہے۔

"الحمد للّٰہ المنفرد بانشاء ظواھر الشریعة وحقائقھا ... فیقول الفقیہ الی اللّٰہ المنجی محمد بن ابراھیم الکبجی ... اذ لما طالعت الکتب المتعددة المصطفویة من درر الاحادیث النبویة باسانید ھا الصحیحة المرویة ووقفت علی مناھج اسرارھا السنیة وتاملت رموز کنوز اشاراتھا الجلیلة وسمعت کتاب البخاری ومسلم والترمذی من الشیوخ الثقات والمحدثین الرواة باسنادی المذکور فی آخر الدیباجة، نظری جمع احادیث من ھولاء الثلاثة المذکورة"

ورق ۲/الف پر کتاب کے ابواب کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے

"واختصت بابواب النیة والایمان والاعتصام بالکتاب والسنة والعلم وفضیلة وعقبتھا باربعة کتب علی نہج الکتب الفقھیة: الاول فی العبادات والثانی فی المعاملات والثالث فی المناکحات والرابع فی الجراحات والغزوات. واختتمت بنعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومناقب الصحابة رضوان اللّٰہ علیھم اجمعین ..."

کتاب کا خاتمہ ورق ۲۵۹/ب پر عبارت ذیل پر ہوتا ہے۔

"خدمہ اضعف خلق اللّٰہ .... احمد بن حاجی سالک القومتی عفا اللّٰہ عنھما فی سنة ثلاث واربعین وثمانمأة للھجرة النبویة ... بمدینة الاسلام القومن حرسھا اللّٰہ بقاء والیھا"

کتاب کے بین السطور اس کا فارسی ترجمہ بھی لکھا ہوا ہے۔

۲۷۔ الاخبار المرویہ فی سیرة خیر البریة ۔ مصنف نامعلوم۔

اس کتاب کا ایک خوبصورت طلائی نسخہ محمود پاشا (سلیمانیہ) میں نمبر ۶۹ کے تحت محفوظ ہے۔ ورق ۱/الف پر لکھا ہے۔

"الاخبار المرویة فی سیرة خیر البریة برسم الخزانة الشریفة الملکیة الظاھریة خلد اللّٰہ ملک مالکھا ونصرہ"

کتاب کی ابتداء ورق ۱/ب پر عبارت ذیل سے ہوتی ہے۔

"بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وبہ ثقتی

الحمد للّٰہ الذی خلق کل شیئ وقدرہ وعلم مورد کل مخلوق ومصدرہ، واثبت فی ام الکتاب ما محاہ وسطرہ"

ورق ۲/ب پر لکھا ہے کہ مؤلف نے یہ کتاب سلطان ظاہر ابوسعید جقمق کے لئے تصنیف کی ہے۔ سلطان مذکورہ کی حکومت ۸۴۲ھ تا ۸۵۷ھ تھی۔

کتاب کا خاتمہ ورق ۷۵/الف پر عبارت ذیل پر ہوتا ہے۔

"فوضع التراب علی رؤوسہم وصفی ولم یردہ۔ انتہی ما اوردناہ من سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تمت السیرۃ النبویۃ ... وحسبنا اللہ ونعم الوکیل"

کتاب خط نسخ میں ہے۔ ہر صفحہ پر ۱۱ سطریں ہیں۔ مصنف نے ابن اسحٰق، ابن ہشام، ابن سید الناس کی کتب سیرت، ابن سعد کی طبقات اور قطب الدین عبد الکریم الحلبی متوفی ۷۳۵ھ کی کتاب "المورد العذب الہنی" سے استفادہ کیا ہے۔

اس کتاب کا ایک اور نسخہ طوبقپوسرائی کے میوزیم میں نمبر ۲۸۰۵ کے تحت محفوظ ہے جو ابتداء میں مقدم الذکر نسخہ سے مختلف ہے۔ (دیکھیے فہرس نسخہ طوبقپوسرائی المخطوطات العربیۃ ۳: ۲۲۸)

۲۸۔ طیب الانفاس بمختصر سیرۃ ابن سید الناس۔ مؤلفہ محمد بن عبد اللطیف بن احمد القصری المحلی متوفی ۸۰۲ھ/ ۲۵–۵۸

اس کتاب کا واحد نسخہ کتب خانہ ولی الدین (نمبر ۸۸۹) میں محفوظ ہے۔ اوراق ۴۲، سطریں ۱۷، میرے سامنے جو مآخذ ہیں۔ ان میں کتاب مذکور کے کسی اور نسخہ کا سراغ نہیں ملا۔

کتاب کی ابتدا ورق ۱/ب پر عبارت ذیل سے ہوتی ہے۔

"الحمد للہ الذی نور قلوبنا بنور السنۃ النبویۃ ومحا عنا ظلمۃ الجہل بضیاء الشریعۃ المحمدیۃ وجعل اعیننا بالایمان قریرۃ ...."

ورق ۲/الف پر کتاب کے نہج کے بارے میں لکھا ہے۔

"....فانتقطت منہ (یعنی من سیرۃ ابن سید الناس) فی ہذا المختصر ما التذ بہ الخاطر...... محذوف الاسانید طلبا للاختصار وعدولا عن المیل من الاکثار، معولا علی سند مولف اصلہ، معتمدا علی حفظہ و نقلہ، وما ذکرتہ فیہ من غیرہ جاء برکتہ وخیرہ فقد عزوتہ لقائلہ ونبہت علی ناقلہ، وسمیتہ طیب الانفاس بمختصر سیرۃ ابن سید الناس"

کتاب کا خاتمہ ورق ۴۲/ب پر عبارت ذیل پر ہوتا ہے۔

"تم بحمد اللہ وعونہ ہذا المنتقط المختصر فی سیرۃ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم ما بزغت الشمس وافل القمر۔ وکان الفراغ من جمعہ ورقمہ فی لیلۃ تسفر عن صبیحۃ رابع عشر من شوال المبارک من سنۃ (اس جگہ جو لفظ لکھا ہے وہ پڑھا نہ جا سکا) علی ید مجمعہ ورقمہ اقل عبید ربہ واحوجہم .... محمد عبد اللطیف المحلی الحنفی عاملہ اللہ بلطفہ الخفی۔

الحمد للہ، فتوبل وعورض معہ فی بعض مواضع مما وافق نسخۃ الاصل الذی ہذا فراغہ.." خاتمہ کے بعد بعض اور تعلیقات بھی ہیں۔ مگر جلد بندی میں یہ ضائع ہو گئیں۔ اس لئے پڑھی نہیں جا سکیں۔

۲۹۔ مختصر سیرۃ الرسول وثلاثۃ من الخلفاء الراشدین۔ مؤلفہ برہان الدین ابراہیم بن عمر بن حسن الرباط البقاعی

متوفی ۸۸۵ھ

اس کتاب کا ایک نسخہ ۱۱۵۸ھ کا لکھا ہوا رئیس الکتاب میں نمبر ۴۰۰ کے تحت محفوظ ہے۔ اوراق ۱۹۸، سطریں : ۱۷۔

۳۰ ۔ بہجۃ المحافل و بغیۃ الاماثل فی تلخیص السیر والمعجزات والشمائل[1] ۔ مولفہ ابوزکریا عماد الدین یحییٰ بن ابوبکر عامری تہامی متوفی ۸۹۳ھ

کتاب مذکور کا ایک نسخہ انقرہ کے کلیۃ اللغۃ والتاریخ والجغرافیا ۔ اسمٰعیل صائب : ثانی (نمبر ۳۷۰۸) میں محفوظ ہے ۔ یہ نسخہ ۳۳۱ اوراق میں ہے اور ۹۶۳ھ کا لکھا ہوا ہے ۔

۳۱ ۔ غایۃ السئول فی سیرۃ الرسول ۔ مولفہ عبدالباسط بن خلیل بن شاہین الملاطی بن الوزیر متوفی ۹۲۰ھ

اس کتاب کا ایک نفیس طلائی نسخہ جامعہ استنبول (عربی نمبر ۲۸۸۰) میں ۱۶ اوراق میں محفوظ ہے ۔ بعض اور نسخے طوبقپوسرائے کے میوزیم میں احمد ثالث نمبر ۲۸۰۳/۱، ۵۲۷/۱ میں اور ایاصوفیا (۲۷۶۴/۲) میں (شمائل ترمذی کے ساتھ) موجود ہیں ۔

۳۲ ۔ الالمام بالروض وسیرۃ ابن ہشام الملقب بجلاء الافکار بسیرۃ المختار ۔ مولفہ ابو الفتح محمد بن ابراہیم بن محمد بن مقبل الحلبی المقدسی متوفی ۹۳۷ھ

ڈاکٹر فؤاد سزگین نے فہرس المخطوطات المصورۃ کے حوالہ سے صرف پہلی جلد کا ذکر کیا ہے ۔ جو مکتبہ خالدیہ قدس (نمبر سیرۃ ۳) میں محفوظ ہے اور بخط مصنف ہے ۔ کتاب کی دوسری اور تیسری جلدیں بھی بخط مصنف جامعہ استنبول کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں ۔

جلد دوم ۔ کتب خانہ جامعہ استنبول عربی نمبر ۵۹۹ ۔ اوراق : ۲۳۵ ۔ سطریں : ۱۹، رسم الخط : نسخ ۔ ورق ۱/ب پر کتاب کے ماخذ لکھے ہیں ۔ ورق ۲/الف پر کتاب کا نام ہے اور درج ذیل تحریر ۔

".. نظر فیہ داعیا لمؤلفہ بالرحمۃ و سألہ بالبقاء و علو الارتقاء احمد بن احمد بن سلو بن ابراہیم المعتری الشافعی فی رجب الفرد سنۃ ۹۳۸ھ

اس جلد کی ابتداء ورق ۲/ب پر اس طرح ہوتی ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	ھو المستعان وعلیہ التکلان
لا الہ الا اللہ عدۃ للغایہ	محمد رسول اللہ امانا من شقایہ
نبینا محمد خیر الانام المصطفیٰ	وشیخنا محمد تاج الکرام ابو الوفا

ابتداء فرض الصلوۃ : قال ابن اسحق رحمۃ اللہ علیہ وحدثنی صالح بن کیسان عن عروۃ بن الزبیر ... "

خاتمہ ورق ۲۳۵/الف پر عبارت ذیل پر ہوتا ہے ۔

" تم الجزء الثانی من کتاب جلاء الافکار لسیرۃ المختار .... فی یوم الثلاثا ثالث عشر ذی الحجہ الحرام

---

[1] ۔ اس کتاب کا ایک محققانہ ایڈیشن قطر کے مدیر امور دینیہ ابراہیم عبداللہ انصاری نے شائع کیا ہے (مترجم)

سنة ثلاثین وتسعمأة من الهجرۃ الشریفة ... علی ید مؤلفها وکاتبها وکذا انقر عباد اللہ ..... ابی الفتح محمد بن ابراهیم بن محمد بن مقبل البلبیسی مولداً والمقدسی منشاء الشافعی مذهبا ... بدمشق المحروسة ...“
صفحہ کے گوشہ میں لکھا ہے۔

”انما وکذا) هذا الجزء المبارک مطالعة فی اوائل رجب الفرد سنة ۹۴۸ھ امین عبد الباسط العلموی“ (ان کے بارے میں دیکھئے کحالہ ۵ : ۶۹)

جلد سوم : جامعہ استنبول عربی نمبر ۵۹۶ - اوراق : ۲۵۵ - رسم الخط : نسخ ۔

یہ جلد ہجرت کے بیان سے شروع ہوتی ہے۔ خاتمہ ۲۵۵/ب پر عبارت ذیل پر ہوتا ہے۔

”تم الجزء الثالث ... فی یوم السبت ثالث شهر ربیع الاول سنة ثلاث وثلاثین وتسعمأة من الهجرۃ النبویة ... یتلوه الجزء الرابع ان شاء اللہ تعالی بغزوة بنی سلیم بالکدر والحمد للہ علی التمام“

اسی صفحہ کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

”توفی اللہ مؤلف هذا الکتاب رحمه اللہ تعالی ... فی اول رجب سنة سبع وثلاثین وتسعمأة بعد موت والدتی ... الشیخة آسیه حماة المؤلف بیومین ۔ ولم یعمل هذا الکتاب (یعنی جزء رابع) وکانت بدرت منه الاشارة لکاتب هذا الحروف بانه لایتم هذا الکتاب الا ...“ (بقیہ عبارت مٹ گئی ہے)۔

یہ نوٹ عبدالباسط علموی متوفی ۹۸۱ھ کا ہے (کحالہ ۵ : ۶۹ – ۷۰) اس نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالباسط علموی کی والدہ محمد بن ابراہیم بن مقبل بلبیسی کی ساس تھیں ۔

۳۳ ۔ الفتوحات السبحانیہ فی شرح نظم الدرر السنیہ للعراقی[1] ۔ مولفہ عبدالرؤوف مناوی متوفی ۱۰۳۱ھ [۷۹]

اس کتاب کا ایک مخطوطہ انقرہ کے مکتبہ عامہ میں (نمبرہ ۱۵۱/۱) ایک مجموعہ میں محفوظ ہے ۔ اوراق ۱/ب تا ۱۱۳/ب ۔ تاریخ کتابت ۱۲۳۹ھ ہے ۔ اس مجموعہ میں محمد بن احمد الشربینی الخطیب الشافعی متوفی ۹۷۷ھ کی تفسیر کا ایک جزء بھی ہے ۔ ایک اور مخطوطہ اسی کتبہ میں نمبر ۱۲۵۸ کے تحت محفوظ ہے ۔ کتاب کے دوسرے مخطوطات کلیۃ اللغۃ والتاریخ والجغرافیا ”انقرہ“ مظفر اوزاق (نمبر ۴۲۸) عاطف آفندی (نمبر ۲۰۸) ایا صوفیا (نمبر ۲۲۷۲) اور طوبقپو سرائی کے میوزیم ۔ مدینہ (نمبر ۱۴۴) میں محفوظ ہیں ۔

۳۴ ۔ خلاصۃ الاخبار فی احوال النبی المختار ۔ مولفہ عزیز محمود الاسکداری المعروف بہدائی متوفی ۱۰۳۸ھ [۸۰]

مصنف نے یہ کتاب ۹۷۸ھ میں مکمل کی ۔ ابواب کتاب کے لئے ملاحظہ ہو ۔ کشف الظنون ۱ : ۷۱۷ ۔ بروکلمان کے ذکر

---

[1] ۔ یہ شرح چھپ چکی ہے (مترجم)

کردہ نسخوں کے علاوہ کتاب کے مزید نسخے درج ذیل کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔
دوکوملوبابا (سلیمانیہ) نمبر ۵۲۳، حاجی محمود نمبر ۴۴۰۳، حاجی بشیر آغا نمبر ۴۵۳/۲۸، ابراہیم افندی نمبر ۸۷۷/۷، لالا اسمٰعیل نمبر ۲۸۸/۲، ۶۹۳/۲، لالہ لی نمبر ۲۰۳۴، ۳۶۶۹/۱، شہید علی پاشا نمبر ۱۳۵۹/۸، فاتح نمبر ۴۴۴۳، برتو پاشا نمبر ۶۲۲، ۲۳۸، اسعد افندی نمبر ۲۵۸۶، ۲۷۸۹/۸، ۱۶۵۴/۳ وغیرہ۔

۳۵۔ السیرۃ الحلبیۃ: انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون۔ مؤلفہ ابوالفرج علی بن ابراہیم بن احمد بن علی بن عمر بن نورالدین بیؒ" فی ۱۰۴۴ھ[۵۱]

بروکلمان نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا ترکی ترجمہ بولاق میں ۱۲۵۱ھ میں چھپا۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے نئے ایڈیشن میں J. W. Fuk نے بھی بروکلمان کے اتباع میں یہی بات دہرائی ہے جو کہ بے بنیاد ہے[۵۲]۔ اس کتاب کا کوئی ترجمہ ترکی زبان میں نہیں ملتا۔ اور نہ بولاق میں ۱۲۵۱ھ میں سیرت کے موضوع پر ترکی میں کوئی کتاب شائع ہوئی!!

واقعہ یہ ہے کہ ایک اور کتاب ترکوں میں "سیرت حلبیہ" یا "سیر حلبی" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب ترکی زبان میں عربی سے ترجمہ ہوئی۔ کتاب کے مصنف ابراہیم بن مصطفیٰ بن ابراہیم حلبی مداری متوفی ۱۱۹۰ھ آستانہ میں وزیر راغب پاشا (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے استاذ تھے[۵۳]۔ حلبی نے سیرت پر نظم السیرۃ کے نام سے ۶۳ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ نظم کیا تھا۔ پھر خود ہی اس قصیدہ کی مفصل شرح لکھی۔ اس نظم اور اس کی شرح کے مخطوطات کبھی تو علیحدہ علیحدہ ملتے ہیں اور کبھی نظم و شرح یکجا ملتے ہیں۔

اس سیرت کے اہم مخطوطات درج ذیل ہیں۔

۱۔ مخطوطہ کتب خانہ کلیۃ اللغۃ والتاریخ والجغرافیا، مظفر اوزاق۔ ثانی نمبر ۴۴۷۔

اس مخطوطہ میں شرح بھی ہے۔ یہ مخطوطہ ۸۰ اوراق میں ہے۔ اور مؤلف کی زندگی میں لکھا گیا ہے۔ کاتب کا نام عبدالرحمٰن لومی ہے۔ مخطوطہ کا خاتمہ اس عبارت پر ہوتا ہے۔ جس سے کتابت کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔

"ختمنا تحریرہ فی وقت الضحوۃ الکبری یوما الثلاثاء السابع عشر من شعبان المعظم سنۃ تسع وسبعین ومائۃ والف من کانون الثانی"

۲۔ مخطوطہ مہری شاہ سلطان نمبر ۳۱۲

۳۔ مخطوطہ اسعد افندی رقم ۲۴۷۷/۱۔ کاتب: سلیمان بن خلیل۔ یہ نسخہ بھی حیات مولف میں ۱۱۷۱ھ میں لکھا گیا ہے۔

۴۔ مخطوطہ لالا اسمٰعیل نمبر ۳۴۹۔ یہ نسخہ بھی حیات مولف میں ۱۱۷۷ھ میں لکھا گیا ہے۔

مندرجہ بالا نسخوں کے علاوہ ذیل کے کتب خانوں میں اس کتاب کے نسخے ملتے ہیں۔ لالالی نمبر ۲۰۷۴، ولی الدین نمبر ۸۷۵، جامعہ استنبول عربی نمبر ۱۵۸۰، نمبر ۸۹۸ راغب پاشا نمبر ۱۰۲۶، اکیر سن (سلیمانیہ) نمبر ۱/۵۲، دارالکتب المصریہ نمبر ۴۹۶۹، ۲۲۲۴ ب

موخر الذکر نسخہ کو بروکلمان نے پرنسٹن کی فہرست پر اعتماد کر کے ابراہیم حلبی متوفی ۹۵۶ھ کی جانب منسوب کیا ہے جو غلط ہے[۵۴]۔

احمد عاصم عینتابی متوفی ۱۲۳۵ھ نے جو مترجم عاصم کے نام سے مشہور ہیں اس کتاب کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا[۶۱] اور اسے سلطان سلیم سوم (۱۲۰۳/۱۲۲۲ھ) کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ ترکی ترجمہ بولاق میں ۱۲۴۸ھ میں شائع ہوا۔ ترجمہ کے متعدد مخطوطات کتب خانوں میں ملتے ہیں[۶۲]

۳۶ - الدرۃ المنیفۃ فی السیرۃ النبویۃ الشریفۃ -

کیا یہ وہی کتاب ہے جو علی بن عبدالواحد بن محمد بن عبداللہ انصاری سجلماسی متوفی ۱۰۵۷ھ کی جانب منسوب ہے[۶۳]۔ لالہ لی (نمبر ۲۰۲۵) میں ۷۷ اوراق (سطریں: ۱۹، خط - نسخ) میں ایک مخطوطہ ہے جو دارالکتب المصریہ کے نسخہ سے مختلف ہے۔ لالہ لی کا نسخہ ورق ۱/ب پر اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

قد قال ذا محمد الطاهر — المرتجی عفو الاله القاهر

هذا وقد اردت یا نجل الکرام — یا احمد ابن الوزیر ذی احترام

ورق ۲/الف پر ہے۔

ازسمها بالدرة المنیفه — فی السیرة السنیة الشریفه

ورق ۷۷/ب پر درج ذیل شعر پر کتاب ختم ہو جاتی ہے۔

والختم بالعون بما یرضاه — من قول لا اله الا الله

تمت القصیدة المسماة بالدرة المنیفة فی السیرة السنیة الشریفة -

۷۷/ب پر بعض اشعار ایسے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کا نام احمد بن الوزیر ہے اور یہ نظم ۱۰۸۵ھ میں مکمل ہوئی ہے![۶۴]

من نظم عبده الضعیف الراجی — من العذاب ان یکون ناجی

فی هنیة بعد ثمانین والف — لسله سبحانه الجمع بالف

بنی من ابوه هو الذ قد ضرب — بسیفه الکفار حتی قد خضب

بساحل البحر المحیط سبلا — والقلب بالثقة بالله سلا

ورق ۷۶/الف پر یہ شعر ہے۔

واحفظ الوزیر والسلطانا — محمد الغازی ومصطفانا

کیا اس شعر میں سلطان محمد رابع کی جانب اشارہ ہے۔ جس کی حکومت ۱۸ رجب ۱۰۵۸ھ سے ۲ر محرم ۱۰۹۹ھ تک تھی۔

---

[۶۴] فاضل مضمون نگار نے بعد میں جو اشعار دیئے ہیں۔ ان میں کسی شعر سے واضح نہیں ہوتا کہ مولف کا نام احمد بن الوزیر ہے۔ اس سے قبل ورق ۱/ب کے جو دو شعر نقل کئے ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ مولف نے احمد بن الوزیر کو مخاطب کیا ہے۔ (مترجم)

۳۷ ۔ **السیرۃ النبویۃ** ۔ مولفہ محمد بن بسطام بن رستم بن قنبر الحبیبی الخوشابی الوانی متوفی ۹۶۰ھ

اس کتاب کا ایک نسخہ دارالکتب المصریہ میں (نمبر ۲۱۳۸ ب) محفوظ ہے لیکن مصنف کے آثار میں اس کا ذکر نہیں ملا۔ (دیکھیے بحوالہ ۹: ۱۰۲، فہرس دارالکتب المصریہ۔ فواد سید۔ القسم الاول، قاہرہ ۱۹۶۱، ص ۴۷۲)

۳۸ ۔ **مختصر السیرۃ الحلبیۃ** ۔ مولفہ احمد بن محمد بن عبدالغنی البنا دمیاطی متوفی ۱۱۱۷ھ

۱۔ اس کتاب کا ایک نسخہ جامعہ استنبول کے کتب خانہ (عربی نمبر ۲۳۶۸) میں محفوظ ہے۔ اوراق: ۳۳۴، رسم الخط: نسخ

نسخہ کی ابتداء ورق ۱/ب پر عبارت ذیل سے ہوتی ہے۔

"الحمد للہ رب العالمین حمدا یوافی نعمہ ویکافئ مزیدہ لک الحمد یا ربنا کما ینبغی لجلال وجہک وبعظیم شانک"

خاتمہ ورق ۳۳۴/الف پر اس عبارت پر ہوتا ہے۔

"وکان الفراغ من رقم ھذہ النسخۃ .... بعد عصر الاربعاء .... ثلث خلت من شہر صفر.. سنۃ الف ومائتین وثمان وستین من الہجرۃ النبویۃ .... علی ید منصور بن سلمان الشافعی النقشبندی .... امام مسجد الولی ... سیدی ابی المرسی احمد العنوی ...."

۲۔ ایک اور نسخہ جامعہ استنبول (عربی نمبر ۲۳۶۹) میں ہے لیکن کتاب کے صرف دوسرے حصہ پر مشتمل ہے اور غزوہ حمراء الاسد سے شروع ہوتا ہے۔ یہ نسخہ ۲۶۴ اوراق میں ہے۔

ورق ۲۶۴/الف پر تاریخ کتابت کی عبارت ذیل پر ختم ہوتا ہے۔

"وافق الفراغ من کتابۃ ھذہ النسخۃ فی غایۃ جماد اول من سنۃ ۱۱۵۳ھ علی ید الفقیر احمد بن فتوح الدمیاطی غفر اللہ لہ ..."

۳۔ تیسرا نسخہ ۱۱۳۸ھ کا لکھا ہوا، ۳۶۳ اوراق میں رئیس الکتاب (نمبر ۷۰۵) میں محفوظ ہے۔ ورق ۳۶۳/ب پر مصنف کے نسخہ سے مقابلہ کی تصریح اور کاتب کا نام، عبارت ذیل سے ظاہر ہے۔

"بلغ مقابلۃ وتصحیحا، قوبلت علی نسخۃ المؤلف بخط محمد بن مصطفی بن محمد بن محی الدین الطرابلسی الحنفی اشتہر بابن المقابلۃ جی۔"

۴۔ ایک نسخہ دارالکتب المصریہ (نمبر ۳۰۸) میں ہے۔ اور ۱۱۷۹ھ کا لکھا ہوا ہے۔ دارالکتب کی فہرست میں لکھا ہے کہ مصنف نامعلوم ہے۔

۵۔ ایک پانچویں نسخہ کا ذکر بروکلمان نے کیا ہے کہ ٹیونس میں ہے۔

۳۹ ۔ **اتحاف البریۃ بمنتقی السیرۃ الحلبیۃ** ۔ مولفہ تاج الدین موفق قالیسی شافعی، متوفی بعد ۱۱۵۵ھ

اس کتاب کا ایک مخطوطہ ۲۱۷ اوراق میں جامعہ استنبول میں (نمبر ۲۱۹۲) محفوظ ہے۔ بغدادی نے یہی نسخہ دیکھا تھا۔ چنانچہ

اپنی کتاب ایضاح المکنون ۱: ۱۶ میں اسے درج کیا۔ ورق ۱/الف پر عبداللہ شبراوی شافعی متوفی ۱۱۷۱ھ کے قلم سے کتاب کی تقریظ ہے۔ کتاب کی ابتداء ورق ۱/ب پر اس عبارت سے ہوتی ہے۔

"حمداً لمن رفع نبیہ طٰہٰ علیہ السلام امر الدین ووضع جیوشہ وسرایاہ فوق الضالین وجعل غزواتہ نصراً للمؤمنین"

خاتمہ ورق ۱۳۰/الف پر عبارت ذیل پر ہوتا ہے۔

"ووافق الفراغ من تبییضہ صبیحہ یوم الثلاثاء رابع عشر من شعبان سنۃ ۱۱۵۵ھ علی ید مختصرہ السید تاج موقت غفر لہ"

معلوم ہوا کہ یہ نسخہ بخط مصنف ہے اور ۱۱۵۵ھ میں مکمل ہوا ہے۔ رسم الخط نسخ ہے اور ہر صفحہ میں ۱۰ سطریں ہیں۔

۴۰ ۔ الاخبار المرضیۃ فی سیرۃ خیر البریۃ ۔ مولفہ احمد بن احمد حاتمی فیومی ۔

اس کتاب کا ایک مخطوطہ بخط مؤلف ۱۱۹۱ھ کا لکھا ہوا، ۱۲۷ اوراق میں جامعہ استنبول کے کتب خانہ (نمبر ۲۴۱۳) میں محفوظ ہے۔ اسی کتاب خانہ میں ایک اور نسخہ بھی ہے (نمبر ۲۵۹۲) جو ۱۲۷۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اور ۲۳۰ اوراق میں ہے۔ (ملاحظہ ہو ششن، نوادر المخطوطات ۲: ۴۰۰۔ بغدادی، ایضاح المکنون ۱: ۴۵)

۴۱ ۔ اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ و فضائل اہل بیت الطاہرین ۔ مولفہ ابو الوفاء محمد بن علی الصبان متوفی ۱۲۰۶ھ

بروکلمان کے ذکر کردہ نسخوں کے علاوہ اس کتاب کے دو نسخے جامعہ استنبول کے مکتبہ میں موجود ہیں۔ ایک کا نمبر ۲۸۰۹ ہے اور تاریخ کتابت ۱۲۳۱ھ ہے۔ دوسرے کا نمبر ۲۸۰۸ اور تاریخ ۱۲۸۹ھ ہے

۴۲ التحفۃ الظریفۃ فی بیان السیرۃ الشریفۃ ۔ مولفہ علاء الدین ابوالحسن علی بن السیفی ؟؟

اصل کتاب فارسی میں ہے۔ یہ اس کا عربی ترجمہ ہے۔ اس کا مخطوطہ سلیمانیہ افغانی (نمبر ۲/۶۰) میں ہے۔ ورق ۲۴/الف پر کتاب اور مولف کا نام اس طرح لکھا ہے۔

"ھذا کتاب التحفۃ الظریفۃ فی بیان السیرۃ الشریفۃ للعلامۃ علاء الدین ابوالحسن علی بن المرحوم السیفی نفعنا اللہ بعلومہ آمین"

کتاب کی ابتداء ورق ۲۶/ب پر عبارت ذیل سے ہوتی ہے۔

"قال الفقیر الی اللہ تعالیٰ علاء الدین مفید الطالبین ابوالحسن علی بن الجناب المرحوم السیفی میدان الفارسی ادام اللہ النفع بفوائدہ ۔ ۔ ۔ ۔ وبعد فھذہ نبذۃ لیسیرۃ سمیتھا التحفۃ الظریفۃ فی بیان السیرۃ الشریفۃ"

خاتمہ ورق ۴۳/ب پر اس عبارت پر ہوتا ہے۔

"تم الکتاب بحمد اللہ وعونہ علی ید العبد الفقیر . . . عبد الباری نصر العشماوی المالکی الرفاعی البتنونی فی جمادی الاول . . . من شہور سنۃ ۱۳۲۹ھ الف ومائتین تسعۃ وعشرین عربیۃ۔"

۴۳ ۔ کشف الحجاب فی سیرۃ النبی المجتبیٰ والاصحاب ۔ مولفہ احمد بن سلیمان بن عثمان، خالدی، نقشبندی، ارداوی، متوفی تقریباً ۱۲۷۰ھ

مولف کی تصنیفات میں اس کتاب کا ذکر نہیں ملتا ۔ اس کا مخطوطہ جامعہ استنبول کے کتب خانہ (عربی نمبر ۲۴۴۹) میں موجود ہے اوراق ۳۱۹، سطریں ۲۵، رسم الخط نسخ ۔ کتاب کی ابتداء ورق ۱/ب پر عبارت ذیل سے ہوتی ہے ۔

"الحمد للہ رفیع الدرجات المنفرد فی الذات والافعال والصفات . . . . . . وبعد فیقول . . . احمد بن سلیمان بن عثمان الخالدی النقشبندی . . . . قد سألنی بعض الاخوان . . . ان اجمع کتابا مختصرا فی سیر المصطفیٰ واصحابہ الکرام . . . . فتوقفت عن ذلک . . ثم خطر خاطری الی ان استخیر بذلک الواحد المالک فاستخرت اللہ تعالیٰ فحصل الاذن فبادرت لما طلب . . . . وجمعتہ من السیر والشفا والمواھب والتنویر ومن غیرھا من الکتب والتفاسیر خصوصًا المنتخب الفاخر وکتاب البخاری الماھر ۔ وسمیتہ کشف الحجاب فی سیر النبی المجتبیٰ للاصحاب . . . ۔"

خاتمہ کی عبارت ورق ۳۱۹/الف پر حسب ذیل ہے ۔

". . . . الحمد للہ رب العالمین وکان الفراغ من تسویدھا لیلۃ الاحد سابع رجب المبارک سنۃ الف ومائتان (کذا) واحدی وسبعین من ہجرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم علی ید کاتبہا الفقیر . . . محمد بن الشیخ مراد العطار خطیب حضرۃ (مسجد) حضرۃ سیدی خالد بن الولید رضی اللہ عنہ . . . . ۷ رجب ۱۲۷۱ھ"

۴۴ ۔ تحفۃ العالم فی اخبار سید ولد آدم ۔ مولفہ عبد القادر بن مصطفیٰ بن سعید الدتا البیروتی الحسنی (؟؟)

اس کتاب کی صرف دوسری جلد انقرہ کے مکتبہ عامرہ (نمبر ۱۰۰۸) میں محفوظ ہے ۔ یہ جلد ہجرت کے بیان سے شروع ہوتی اور "سریۃ ابی قتادہ للانصاری" کے ذکر پر ختم ہو جاتی ہے ۔ اس جلد کی ابتداء ورق ۱/ب پر عبارت ذیل سے ہوتی ہے ۔

"الجزء الثانی من کتاب تحفۃ العالم فی اخبار سید ولد آدم

باب فی ذکر الہجرۃ النبویۃ الی المدینۃ المنورۃ وفیہ فصول

فصل ذکر خروجہ صلی اللہ علیہ وسلم من مکہ ووصول الی المدینۃ المنورۃ وما اتفق لہ بینہما۔"

خاتمہ کی عبارت ورق ۳۸۶/ب پر حسب ذیل ہے ۔

"فذکروا ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ان الارض تقبل من ھو شر من صاحبکم اللہ اراد ان یعظکم فی حرمۃ ما بینکم بما اراکم منہ فاتقوا اللہ واحذروا عقابہ

تم الجزء الثانی ویلیہ الجزء الثالث: اولہ فتح مکۃ المشرفۃ۔"



خانہ کعبہ کا ایک منظر

یہ نسخہ خط رقعہ میں ۳۸۶ اوراق میں ہے۔ کاٹ چھانٹ بہت ہے۔ بظاہر یہ مسودہ ہے۔ اور اس کا تعلق چودھویں صدی ہجری سے ہے۔

۴۵ ۔ سیرت پر ایک منظوم کتاب ۹

سلیمانیہ ریازمہ باغشلر، نمبر ۴۲ ۳۱۴/ ۴) میں ایک مخطوطہ ہے جو خط نسخ میں ہے۔ اور ۷۰۹ اشعار پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ پر ۱۴ سطریں ہیں ابتدا ورق ۱۸/ب پر درج ذیل اشعار سے ہوتی ہے۔

الحمد للہ القدیم الباری ثم صلاتہ علی المختار

وبعد ہاک سیرۃ الرسول منظومۃ موجزۃ الفصول

خاتمہ کے اشعار ورق ۲۱/ب پر یہ ہیں۔

وتمت الارجوزۃ السنیہ فی ذکر حال اشرف البریہ

صلی علیہ اللہ ربی و علی أصحابہ وآلہ ومن تلا

۴۶ ۔ سیرت پر ایک کتاب ۹

سلیمانیہ (انطالیا: تکہ لی اوغلو نمبر ۴۵۸) میں سیرت پر ایک کتاب ۳۱ اوراق میں ہے۔ مگر اس کے نام اور مولف کا پتہ نہیں چلا۔ آخر میں ناقص ہے۔ ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں۔ رسم الخط تعلیق ہے۔ عام نسخہ ہے۔ رطوبت اور کرم خوردگی کے اثرات بھی ہیں۔ ابتداء ورق ۱/ب پر اس عبارت سے ہوتی ہے۔

الحمد للہ الذی انشأ العالم من العدم، ولنورہ بنور قدرتہ من الظلم، وصور النفوس تصویرا وجعلہ لبشیرا ونذیرا...

اما بعد فانی اردت ان اذکر اصل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولا وثانیا وکیفیۃ مولدہ وبعثہ وظہورہ وشوکتہ و بعض معجزاتہ مقدما ومؤخرا ومعراجہ علی الروایۃ المتفق علیہا..."

ورق ۳۱/ب پر خاتمہ اس عبارت پر ہوتا ہے جو ناقص ہے۔

"فتکلم الی بلا لفظ ولا حرف ولا صوت تسعین الف کلمۃ ثلاثین الفا من الحقیقۃ فلما وصلت الیہ..."

حواشی اور حوالہ جات

۱ ۔ فؤاد سزگین، تاریخ التراث العربی ۱: ۴۷۲، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب ۱۹۷۷ء

۲ Turkce Tarih—Cografya Yazmalari Katalogu, 300—301 Iantanbul, 1944.

۳ Storey: Persian literature 1, 174. London, 1939.

۴ - Turkce Tarih--Cografya Yazmaları, 305--306, Darir: by Fahir 17.

۵ - Karatay: Topkapi Sarayi Muzesi Kutup. Turkce Yazmalar Katalogu 1,- 164--165.

۶ - کحالہ: معجم المؤلفین ۴: ۳۱۶

۷ - فہرست الکتب الترکیۃ الموجودۃ فی الکتبخانۃ الخدیویۃ - جامع اعلی حلمی داغستانی مصر ۱۳۰۷ ص ۱۹۱

۸ - اس سے قبل رسالہ ''عالم الکتب'' کے شمارہ ۳ جلد دوم صفحہ ۴۴۳ نمبر ۹ میں ''ترکی لٹریچر میں سیرت نبوی'' کے موضوع پر اپنے مقالہ میں میں نے لکھا تھا کہ ضریر ارضرومی نے سیرت ابن ہشام کو سامنے رکھ کر سیرت نبوی کا ترجمہ ترکی میں کیا تھا۔ لیکن اب واضح ہوگیا ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے۔

۹ - کحالہ: معجم المؤلفین ۲: ۴۰ - ۴۱، بروکلمان ۱: ۱۳۰، ذیل ۱: ۱۹۸

۱۰ - فہرس المخطوطات المصورۃ۔ الجزء الثانی۔ القسم الرابع صفحہ ۱۷۴۔ نیز دیکھیے معجم المؤلفین ۷: ۳۰۹

۱۱ - بروکلمان ۱: ۱۵۶

۱۲ - بروکلمان ذیل ۱: ۵۶۲ نیز دیکھیے السخاوی: التوبیخ لمن ذم التاریخ، علم التاریخ عند المسلمین ص ۵۳۰، بغداد ۱۹۶۳ء

۱۳ - معجم المؤلفین ۵: ۱۱۰، ۱۲: ۲۱۲، ۱۰: ۱۵۹

۱۴ - بروکلمان ۱: ۳۹۴، ذیل ۱: ۹۰۰ بروکلمان نے لکھا ہے کہ کتاب کے دو نسخے قاہرہ اور عاشر افندی میں محفوظ ہیں۔

۱۵ - یہ کتاب مصر میں متوسط سائز کے تقریباً ۴۰ صفحات میں چھپی تھی۔ (مترجم)

۱۶ - بروکلمان ذیل ۱: ۶۱۶

۱۷ - کشف الظنون ۱: ۱۹۵، بروکلمان ذیل ۱: ۶۱۶

۱۸ - ذہبی: میزان الاعتدال فی نقد الرجال ۱: ۵۳ قاہرہ ۱۳۲۵ھ

۱۹ - عسقلانی: لسان المیزان ۱: ۲۰۲ - حیدرآباد ۱۳۲۹ھ

۲۰ - قلقشندی: صبح الاعشیٰ ۱: ۴۵۳ - ۴۵۴، قاہرہ ۱۳۳۹ھ

۲۱ - سیوطی: الحاوی فی الفتاوی ۱: ۳۶۹، قاہرہ ۱۳۵۲ھ

۲۲ - رمضان ششن: نوادر المخطوطات العربیۃ فی ترکیا ۱: ۲۲۸ نیز دیکھیے روزنتھال: علم التاریخ عند المسلمین، ترجمہ صالح احمد العلی بغداد ۱۹۶۳ء ص ۲۶۴: نیز
Catalogue of the Arabic Mss. in the collection of the Royal Asiatic Society of Bengal 1, pp. 137. Calcutta 1939.

۲۳ - کحالہ: معجم المؤلفین ۱: ۲۹۸ - ۲۹۹، رمضان ششن ۲: ۳۷۵

۲۴ - معجم المؤلفین ۷: ۲۳۲، مختصر التاریخ للکازرونی (تحقیق مصطفیٰ جواد) بغداد ۱۹۷۰ء ص: ۱۸، ۱۷

۲۵ - 24 Mevlana Muzesi Yazmalari Katalogue, 1, 106, 123.

۲۶ - معجم المؤلفین ۵ : ۱۴۲ ، بروکلمان ۱ : ۸۱۱

۲۷ - فؤاد سزگین : تاریخ التراث عربی ۱ : ۴۷۹

۲۸ - معجم المؤلفین ۵ : ۳۱۸ ، رمضان ششن : نوادر المخطوطات ۲ : ۳۲۱

۲۹ - بروکلمان ۲ : ۱۹۵ ، ذیل ۲ : ۲۶۲ ، رمضان ششن : نوادر المخطوطات ۲ : ۳۴۷ کشف الظنون ۲ : ۱۸۵۱ ، عالم الکتب جلد دوم شمارہ ۳ صفحہ ۴۴۳

۳۰ - معجم المؤلفین ۵ : ۲۶۷ ، بروکلمان ۲ : ۲۰۷ ، ذیل ۲ : ۷۸ ، رمضان ششن ۱ : ۵۲

۳۱ - معجم المؤلفین ۹ : ۱۱۱ کشف الظنون ۱ : ۹۱۷ ، ۲ : ۱۹۸۲ ، بروکلمان ۲ : ۹۴ ذیل ۲ : ۱۱۱ - ۱۱۲

۳۲ - بروکلمان ذیل ۲ : ۸۰ - ۸۱ معجم المؤلفین ۸ : ۲۰۱ - ۲۰۲

۳۳ - فؤاد سزگین : تاریخ التراث ۱ : ۴۷۹

۳۴ - فہرس المخطوطات المصورۃ ، الجزء الثانی ۔ القسم الرابع ص ۲۵۰

۳۵ - معجم المؤلفین ۲ : ۲۸۳ - ۲۸۴ رمضان ششن ۱ : ۱۶۳

۳۶ - یہ کتاب سب سے پہلے ۱۳۵۷ھ میں قاہرہ میں شائع ہوئی ۔ پھر اس کا تحقیقی ایڈیشن ڈاکٹر محمد العید الخطراوی اور محی الدین مستو کی تحقیق سے دار القلم دمشق سے ۱۳۹۹ - ۱۴۰۰ھ میں شائع ہوا۔ ان دونوں ایڈیشنوں کی بنیاد مکتبہ عارف حکمت مدینہ منورہ کے نسخہ پر تھی جو ۱۱۰۱ھ کا لکھا ہوا تھا۔ بعد میں سلیمانیہ میں دو نسخے ملے ۔ جنہیں حاصل کر کے محققین نے تیسرا ایڈیشن تیار کیا جو حال میں شائع ہوا ہے ۔ یہاں فاضل مقالہ نگار نے اس کتاب کے ایک چوتھے نسخہ کا پتہ دیا ہے جس کا علم محققین کو نہیں ہو سکا (مترجم)

۳۷ - بروکلمان ذیل ۲ : ۷۴ ، فہرس دار الکتب المصریۃ ، الجزء الثامن الملحق الثانی قاہرہ ص ۱۹۴۲ و ۲۵۶

۳۸ - بروکلمان ۲ : ۲۷ ، ذیل ۲ : ۲۵ ، رمضان ششن ۱ : ۳۵۱ ، ۳۵۲

۳۹ - معجم المؤلفین ۸ : ۲۱۸ - ۲۱۹ ، رمضان ششن ۲ : ۲۸ فہرس الظاہریۃ التاریخ وملحقاتہ - یوسف العش ص ۲۰

۴۰ - Arberry, A. S. : The Sira in verse : Arabic and Islamic studies in honour of H. A. R. Leiden 1965

۴۱ - معجم المؤلفین ۵ : ۲۰۴

۴۲ - معجم المؤلفین ۲ : ۲۶ ، بروکلمان ذیل ۲ : ۱۱۱ کشف الظنون ۱ : ۲۰۷

۴۳ - بروکلمان ۲ : ۱۴۲ ، ذیل ۲ : ۱۷۶ - ۱۷۷ ، رمضان ششن ۱ : ۱۱۹

۴۴ - بروکلمان ذیل ۲ : ۷۷

۴۵ - معجم المؤلفین ۱۰ : ۱۹۲

۴۶ - بروکلمان ۲ : ۱۴۲ - ۱۴۳ - لکھا ہے کہ برلین میں اس کتاب کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔ نیز دیکھئے فہرس المخطوطات المصورۃ، الجزء الثانی، القسم الثانی ص: ۱۴۳

۴۷ - معجم المؤلفین ۵ : ۶۸ - ۶۹ رمضان ششن ۲ : ۱۹۰ - ۱۹۱

۴۸ - معجم المؤلفین ۸ : ۲۱۸ فؤاد سزکین : تاریخ التراث العربی ۱ : ۸۷۴، فہرس المخطوطات المصورۃ، الجزء الثانی القسم الثانی ص ۳۰ -

۴۹ - معجم المؤلفین ۵ : ۲۲۰

۵۰ - معجم المؤلفین ۱۲ : ۱۸۹ - ۱۹۴، بروکلمان ذیل ۲ : ۶۶۱

۵۱ - بروکلمان : ذیل ۲ : ۴۱۸

۵۲ - Hababi, EI², EI², III, 90 Leiden 1971.

۵۳ - معجم المؤلفین ۱ : ۱۱۲ - ۱۱۳

۵۴ - بروکلمان ۲ : ۴۳۰۴ - ۶۴۳ ، II SN اسی طرح فلیپ حتی اور دوسرے محققین ۔ Descriptive Catalogue of the Garretl collection. Princeton univ. Press 1938. pp. 216, No. 652.

۵۵ - بغدادی : ہدیۃ العارفین ۱ : ۱۸۴، ایضاح المکنون ۱ : ۱۱۶، نیز دیکھئے ناشر کا حاشیہ ۔

۵۶ - عالم الکتب، جلد دوم، شمارہ ۳ ص ۴۴۵

۵۷ - معجم المؤلفین ۷ : ۱۴۳، فہرس دار الکتب، فؤاد سید، القسم الاول، قاہرہ ۱۹۶۱ء ص ۲۱۲، فہرس الظاہریۃ۔ التاریخ یوسف العش ص ۲۷

۵۸ - معجم المؤلفین ۲ : ۱۷، بروکلمان ذیل ۲ : ۴۱۸

۵۹ - بروکلمان ۲ : ۲۸۸، ذیل ۲ : ۳۹۹، فہرس الظاہریۃ۔ التاریخ۔ العش ص ۲۴ - ۲۵

۶۰ - معجم المؤلفین ۱ : ۲۳۶ - ۲۳۷

سیرت اور مطالعۂ سیرت

مولانا ابوالکلام آزاد

رشتہ در گردنم افگندہ دوست ۔۔۔ می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

حافظ ابنِ کثیر

حافظ ابن کثیر[1] نے اپنی تاریخ کبیر "البدایۃ والنھایۃ" میں شیخ عمادالدین واسطی کی نسبت لکھا ہے کہ ابتدا میں ان کا مسلک دوسرا تھا، لیکن پھر دوسرا ہی رنگ چڑھ گیا۔ اس تبدیلی کا باعث صرف امام ابن تیمیہ کی ایک صحبت ہوئی۔ ان کی نشو و نما فقہا و متکلمین کی جماعت میں ہوئی تھی۔ اس لیے جدل و خلاف اور کلام درلسے کا اثر غالب تھا۔ مصر سے بغداد گئے تو وہاں خیالات میں توسیع ہوئی اور اپنی حالت کا محاسبہ کیا، تو یقین و طمانیت سے قلب کو خالی پایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فقہا و متکلمین کے طریق سے دل برداشتہ ہو گئے اور تصوف کی طرف توجہ ہوئی، لیکن عامۂ متصوفین کی صحبتوں کا جو رنگ ڈھنگ نظر آیا، اس سے طبیعت اور زیادہ مکدر ہو گئی۔ بالآخر دمشق آئے اور امام ابن تیمیہ کی صحبت میں داخل ہوئے۔

امام ابن تیمیہ کی ایک صحبت درس

وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ ان کی صحبتِ درس میں حاضر ہوا، تو عجیب اتفاق ہے کہ علم کلام ہی کی نسبت صحبت تھی۔ امام موصوف فرما رہے تھے: "دنیا میں متکلمین و فلاسفہ سے بڑھ کر مضطرب و محروم اور اطمینانِ قلب و سرورِ روح کی لذت سے یک قلم ناآشنا اور کوئی گروہ نہیں۔" پھر مشاہیر فلاسفۂ قدما و اربابِ مقالات کے چند اقوال سنائے جن میں انہوں نے خود اپنے وجود پر مجہولیت و نامرادی اور بدحالی و بے بصیرتی کی شہادت دی ہے، اسی سلسلے میں امام رازی کے اشعار پڑھے کہ اُن کی مدت العمر کی کاوش و تعمق اور طلب و جستجو کا ماحصل یہ تھا:

لعمری لقد طفت المعاہد کلہا ۔۔۔ وسیّرت طرفی بین تلک المعالم

فلم ار الا واضعًا کفّ حائر ۔۔۔ علی ذقن او قارعًا سنّ نادم[2]

اور کہا کہ بعضوں نے اپنی مدت العمر کے قیل و قال اور کیف و لماذا کا حاصل یہ بتلایا ہے:

نہایۃ ارباب العقول عقال ۔۔۔ واکثر سعی العالمین ضلال

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا ۔۔۔ سوی ان جمعنا فیہ قیل وقالوا[3]

فلاسفہ و متکلمین کی محرومی

آخر میں ایک ایسے قاطع اور اوقع طریق سے جو سارے شکوں کو مٹا دینے والا اور ساری بے چینیوں سے نجات دلانے والا تھا، ثابت کیا کہ جن لوگوں نے اپنی محرومی و مجہوبیت اور کوری و مجہولیت پر خود

---

[1] صاحب تفسیر کبیر۔ [2] یہ اشعار شہرستانی نے اپنی تصنیف نہایۃ الاقدام فی علم الکلام میں نقل کیے ہیں، شاید انھی کے ہوں، لیکن یہی اشعار ابن باجہ معروف بابن الصائغ الاندلسی سے بھی منسوب ہیں۔ [3] یہ اشعار امام فخرالدین کے ہیں۔

یہ کچھ شہادتیں دی ہیں، بھلا ان کی پیروی سے کب بابِ معرفت تک رسائی ہو سکتی ہے؟ قلت وما احسن قول الشاعر العارف:

آں لعلِ گراں بہا ز کانِ دگر است — واں دُرِّ یگانہ را نشانِ دگر است
اندیشۂ این و آں خیالِ من و تست — افسانۂ عشق را بیانِ دگر است

پس حقیقت وہی ہے جس کو وحیِ الٰہی اور حاملینِ منصبِ نبوت علی الخصوص آخرہم و اعظمہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب و اتباع نے دنیا کے آگے پیش کیا اور شک و ظن کی ظلمت و مجوبیت کی جگہ علومِ سماویہ و نبویہ کی یقینیات و براہین کا دروازہ نوعِ انسانی پر کھول دیا اور جس کے علم و عمل کا نمونہ سلفِ صالح و اوائلِ امتِ مرحومہ من السابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان[1] من ورثۃ الانبیاء وخلفاء الرسل وائمۃ الہدیٰ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ[2] نے اخلاف و آخرِ امت کو ہمیشہ کے لیے دکھلا دیا: اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[3] شیخ موصوف کہتے ہیں کہ اس ایک ہی صحبت میں سارے پردے شکوک و اضطراب کے اُٹھ گئے، اور میرے دل نے حلاوتِ ایقان و طمانیت کی لذت پائی۔ میرا دل بے اختیار پکار اُٹھا کہ جس نورِ حقیقت کی جستجو میں سرگرداں و حیراں ہوں، اس کی شعاعیں امام ابنِ تیمیہ کے ناصیۂ امامت پر چمک رہی ہیں۔

ایک نصیحت جب وہ میرے حالات سے مطلع ہوئے، تو وصیت کی کہ ساری چیزیں چھوڑ کر صرف سیرتِ نبویہ کے مطالعے اور تدبر و تفکر کو اپنے اوپر لازم ٹھہرا لو، یقین اور ایمان کی تمام بیماریوں کے لیے یہی ایک نسخہ کافی ہے، چنانچہ میں نے اس وصیت کو حرزِ جان بنا لیا، اور جو کچھ پایا، اسی کے وسیلے سے پایا اور ہلاکتِ دنیا و آخرت سے نہیں بچا مگر اسی کے طفیل۔

شیخ موصوف نے صرف سیرتِ طیبہ کے مطالعے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ کمالِ شغف و ربطِ قلب سے اس باب میں بعض مفید تالیفات بھی کیں۔ از انجملہ "سیرتِ ابنِ اسحاق" کا خلاصہ ہے، جس کی حافظ ذہبی نے بہت تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ گو ماخذ اس کا "تہذیب ابنِ ہشام" ہے لیکن حسنِ ترتیب و اضافۂ فوائد کے لحاظ سے مستحقِ ترجیح ہے۔

امام موصوف کا مرتبۂ تجدید و مقامِ فاتحیت شیخ عماد الدین واسطیؒ نے امام موصوف کی جس صحبت کا ذکر کیا ہے، تو یہ مبحث منجملہ ان اہم ترین مباحثِ شریعت اور دقیق ترین مقاماتِ معارفِ کتاب و سنت کے ہے، جن کی کشف و تحقیق اور بحث و تنقیب امام ابنِ تیمیہ کے مخصوص معارف میں سے ہے۔ بلکہ اُن کے منصبِ تجدید و امامت فی الدین کا اصلی جوہر اور اُن کے تمام علوم و مقالات کا روح الروح اور صفوۃ المقال یہی مقام ہے۔ حقیقت اگرچہ سلف کے یہاں حالاً و عملاً بہ حدِ کمال موجود تھی، لیکن قولاً و علماً اس کو منتہائے درجۂ بحث و تحقیق و وضوح تک پہنچا دینا اور بطریقِ جوامع و کلیات و قواعد و مقالید اس کا اثبات کرنا اور اس درجہ منقح و صاف کر دینا کہ لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً[4] کا جملہ اس پر صادق آئے، تو یہ فضلِ مخصوص صرف امام موصوف اور ان کے اصحاب و تلامذہ ہی کے حصہ میں آیا۔ اسی لیے امام ذہبی نے کہا: ولقد نصر السنۃ المحضۃ والطریقۃ السلفیۃ واحتج لها ببراهين ومقدمات وامور لم يسبق اليها واطلق عبارات احجم عنها الاولون والآخرون" اور اسی لیے

[1] و [2] سورہ توبہ، آیت نمبر ۱۰۰ [3] سورہ بقرہ، آیت نمبر ۵ [4] حضرت علیؓ سے منسوب ایک قول۔

ان کا مرتبۂ تجدید اور فاتحیت تمام مجددین و فاتحین اعصار اواخر میں سب سے بالا تر و ارفع واقع ہوا، کیونکہ اکثر مجددین امت کی تجدید و دعوت متعلق اعمال و فروع کے ہے لیکن امام موصوف کی تجدید براہِ راست علوم و عقائد و اصول و اساسات شریعت سے متعلق ہوئی۔ پس جو نسبت اصل اور فرع میں ہے، وہی نسبت ان کے مرتبۂ تجدید اور دیگر مجددین امت کے مراتب میں سمجھنی چاہیے، اور پھر بسبب اکتساب فیضان نسبت جامعیت محمدی، علم و عمل کی اور تمام شاخوں اور راہوں کا بھی اُن کے مقام دعوت و تجدید نے احاطہ کیا، اور اس طرح "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا معاملہ بھی واقع ہوا ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ[1] اور اسی لیے گو ان کا ظہور دورِ متاخرین میں ہوا لیکن بلحاظ مرتبہ و معنویت کے داخل صفوفِ اوائل و اسلاف امت و مصداقِ صحیح وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ[2] اور پھر اسی لیے سلسلۂ اصلاح و تجدید امت میں ان کی دعوت خلف کے لیے واسطۃ العقد کا برزخ واقع ہوئی جو خلف کو سلف سے جوڑتی اور اواخر پر اوائل کے فیضان و برکات کا دروازہ کھولتی ہے اور یہی بات ہے کہ عہدِ آخر کے تمام معاملات و کاروبارِ تجدید و دعوت کی فاتحیت و قطبیت انہی کے سپرد ہوئی۔ وما احسن ما قال الشیخ عبد الدین بن عز الدین المغیثی فی رثائه، رحمة الله علیهما،

فلئن تاخر فی القرون لثامن
فلقد تقدم فی العلوم امام

موجودہ دور کا فتنۂ عقائد اور اس کا علاج

بہرحال اصحابِ تاویل و رائے اور متکلمین و اتباعِ فلاسفہ کی بے حاصلی و نامرادی اور سلفِ امت و اصحابِ تفویض کے مذہبِ حق و طریقِ حکمت اور عقلیات صادقہ و فاضلہ کے اثبات و نصرت میں امام ابن تیمیہ کے مباحث و مقالات اور براہین و قواطع کا عالم دوسرا ہے اور افسوس امت کی محرومی و درماندگی پر کہ صدیوں سے یہ خزائن معارف و کنوزِ حقائق موجود ہیں، مگر کوئی ان کا شناسا و عارف پیدا نہ ہوا۔ بلکہ ہمیشہ غفلت و جہل اور تعصب و جمود کی تاریکیوں میں مدفون و مجہول رکھا گیا۔ وهذه لیست اول قارورة کسرت فی الاسلام، وکم قومیة قد رموا الحق والعلم من قوس واحدة! علی الخصوص آج کل مسلمانوں میں جس فتنۂ عقائد نے سر اُٹھایا ہے اور بحکم کَذٰلِکَ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ[3] وہ تمام فتنے اکٹھے ہو کر پلٹ آئے ہیں جو عقائد اسلامیہ کے مختلف دوروں میں فرداً فرداً ظاہر ہوئے تھے۔ اس کے لحاظ سے تو آج معارفِ ابن تیمیہ سے بڑھ کر اور کوئی چیز مطلوب و مقصودِ وقت نہیں۔ البتہ ضرورت بہت کچھ اضافۂ مطالب و تفصیل اجمال و توضیحِ اشارات و ضبط و تالیفِ اشتات و انتشار کی ہے۔

شیخ واسطی نے امام موصوف کے جو اشارات متکلمین و اربابِ تاویل کے باب میں نقل کیے ہیں، ان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ انہوں نے اپنے مشہور مقالہ "عقیدۃ الحمویہ" میں لکھا ہے، یہ وہی تحریر ہے، جس کی بنا پر سب سے پہلے امام موصوف کے خلاف علمائے سوء نے فتنہ اٹھایا اور ربیع الاول ۶۹۸ھ میں مبتلائے محن و آلام ہوئے۔ یہ رسالہ مصر میں دو بار چھپ چکا ہے، علامہ سفارینی[4] نے کہ گیارھویں صدی[5] کے کبار اصحابِ اثر و اعاظم حماتِ طریق سلف میں سے ہیں۔ ایک ضخیم مجلد میں اس کی شرح بھی لکھی ہے، اور اُن طالبانِ حق و جویانِ حقیقت کے لیے جن کے امراضِ قلب

۱؎ سورہ جمعہ، آیت نمبر ۴ ۔ ۲؎ ایضاً آیت نمبر ۳ ۔ ۳؎ سورہ مومنون، آیت نمبر ۸۱ ۔ ۴؎ محمد ابن احمد السفارینی (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۸۸ھ) اصول و ادب و حدیث کے عالم ۔ ۵؎ بارہویں صدی ہجری کہنا چاہیے۔

واعتقاد کو علامہ نسفی و تفتازانی و دوانی (رحمہم اللہ) کے شفاخانوں نے اور زیادہ مزمن و شدید کر کے چھوڑ دیا ہو اکسیرِ اعظم و تریاقِ مجرب و شفاء لما فی الصدور کا حکم رکھتی ہے۔ فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ [1]

سرِ خدا کہ عارف و زاہد کسے نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید؟ [2]

(۳)

حیاتِ طیبۂ نبوت، علم و بصیرت کا اصلی سرچشمہ

بہرحال اس واقعے میں قابلِ غور وہ عشق و شغف ہے جو امام موصوف کو خصوصیت کے ساتھ سیرتِ نبویہ سے تھا۔ ایک سرسری نظر رکھنے والا تو اس واقعے کو معمولی سی بات سمجھ کر سرسرانہ آگے بڑھ جائے گا۔ لیکن صاحبِ نظر و بصیرت اسی ایک بات سے امام موصوف کے تمام علوم و اعمال کا محور و مرکز معلوم کر لے سکتا ہے۔

انہوں نے ایک ایسے صاحبِ علم مگر مریضِ شک و اضطراب کو جو مدعیانِ علم و حکمت کی دانش فروشیوں کے ہاتھوں اپنا یقین و اطمینان ضائع کر چکا تھا، یہ وصیت کی کہ ساری چیزیں چھوڑ کر صرف حیاتِ طیبۂ نبوت کے مطالعہ و تفکر میں لگ جاؤ اور گویا اس طرح بتلا دیا کہ علم و بصیرت کا اصلی سرچشمہ صرف حیاتِ نبوت اور منہاجِ مقامِ رسالت ہے، جس کو قرآن حکیم نے "الحکمت" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا [3] کیونکہ دنیا میں "حکمتِ صادقہ" کا اس "حکمت" سے الگ کوئی وجود ہی نہیں۔ "حکمت" یا تو خود منہاجِ سنت ہے، یا علم و عمل کی ہر وہ بات جو اس سے ماخوذ اور صرف اسی پر مبنی ہو۔ یہی "خیرِ کثیر" مبدء جمیع خیرات و برکاتِ ارض و نوع ہے اور صرف اسی نسخۂ شفا سے دل اور روح کی ساری بیماریاں دور ہو سکتی ہیں، خواہ شکوک و ارتیاب کی بیماری ہو، خواہ اوہام و انکار کی، خواہ ادعائے ادریت کا ہیجان ہو، خواہ حیرانی و سرگردانیِ لاادریت کا خمار:

زہر مرض کہ بنالد کسے، شراب دہید [4]

کوئی بیماری ہو، دوا صرف ایک ہی ہے:

یکے دواست بدار الشفائے میکدہ ہا!

باقی یا تو املائے مختلف ہیں اور مسمّٰی وہی ایک ہے۔ مثلاً "سنت و سیرت" کی جگہ "قرآن و کتاب" کا لفظ بول دیا جائے کہ نام دو ہو گئے، مگر حکایتِ شہد و عسل سے زیادہ نہیں۔ یعنی بات وہی ایک رہی۔ دلالت و تسمیہ میں تعدد ہوا، مدلول و مسمّٰی میں نہیں:

عباراتنا شتّٰی وحسنک واحد! [5]

آثار و سیرتِ صحابہ

یا پھر اسی نسخے کے اجزاء و توابع جیسے آثار و سیرتِ صحابہ و سلفِ امت اور معارف و بصائر ماخوذہ و مکتسبہ کتاب و سنت کہ گو اشکال و اسماء میں تفرقہ و امتیاز ہوا، مگر بحکم علیکم بسنتی وسنۃ خلفآ

---

[1] سورہ زخرف، آیت نمبر ۷۱۔ [2] حافظ شیرازی کا شعر ہے۔ پہلا مصرع اس طرح ہے: "سرِ خدا کہ عارفِ سالک بکس نگفت" [3] سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۶۹۔ [4] یہ اور اس کے بعد والا مصرع یعنی کاشی کے ایک ہی شعر کے دو مصرع ہیں۔ یہ اس کا دوسرا مصرع ہے، پہلے مصرع کا پہلا جملہ "یکے دواست" کے بجائے "دوا یکیست" ہے۔ [5] کسی نامعلوم شاعر کا مشہور شعر۔ دوسرا مصرع یہ ہے: "وکل الی ذاک الجمال یشیر"

الراشدین[1] اور "وَآخَرِینَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوا بِهِمْ"[2] اور "فَأُولٰئِکَ مَعَ الَّذِینَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ"[3] الخ اور "مَا أَنَا عَلَیْهِ وَأَصْحَابِی"[4] معناً و حکماً، جزء و کل، اصل و فرع، مصدر و مشتق، یا شمس و کواکب کا سارا معاملہ واقع ہوا ہے۔ روشنی صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی کی ہے، اگرچہ چاند سے بھی مل جائے اور چمکیلے ستاروں سے بھی۔

بحریست متحد کہ باشکالِ مختلف
باران و قطرہ و صدف و گوہر آمدہ
مشتق چو نیک در نگری عین مصدر است
کیں در صفاتِ ظاہرِ خود مضمر آمدہ

ویقرب من ہذا ما قیل بالعربیۃ۔

وما البحر الا الموج لا شئی غیرہ
وان فرقتہ کثرۃ المتعدد

اور اگر یہ دونوں صورتیں بھی نہیں، تو پھر جو کچھ ہے، نہ تو علم ہے اور نہ شفا، بلکہ خود جہل ہے اور مرض! اگرچہ افسوس کہ اس دنیا میں زیادہ حصہ انہی مریضوں کا بستا ہے جنہوں نے ہمیشہ طلبِ مرض کو طلبِ شفا سمجھا ہے، اور سمِ قاتل سے امیدِ حیات رکھی ہے! اور پھر یاد رہے کہ یہی معنی ہیں سلف کے اس قول کے کہ علم نہیں ہے مگر وہ جس میں حدثنا اور اخبرنا ہو۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وساوس و ضلالت سے زیادہ نہیں۔ کما قال الشافعی رضی اللہ عنہ۔

کل العلوم سوی القرآن مشغلۃ	الا الحدیث والا الفقہ فی الدین
العلم ما کان فیہ قال حدثنا	وما سوی ذاک وسواس الشیاطین

جوامع الکلم نبویہ

اور یہی معنی ہیں اس قولِ نبوی صلعم کے کہ علم صرف تین ہیں، ماسوا ان کے جو کچھ ہے فضل ہے، آیتِ محکمہ، سنتِ قائمہ، فریضہ عادلہ[5] اور یہ منجملہ جوامع الکلم نبویہ کے ہے کہ اس دنیا میں علم کی حقیقت اور اس کے حدود مقاصد و مراتب و انواع کی نسبت جو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے، وہ سب کچھ ان تین لفظوں میں جمع کر دیا گیا اور تبلا دیا گیا۔ ولکن ما یعقلہا الا العالمون[6] وقدس اللہ روح القائل وہو حجۃ الاسلام ابن قیم اذ یقول فی النونیۃ الکبریٰ[7]۔

العلم قال اللہ قال رسولہ	قال الصحابۃ ہم اولو العرفان
ما العلم نصبک للخلاف سفاہۃ	بین الرسول وبین رأی فلان
کلا ولا عزل النصوص وانہا	لیست تفید حقائق الایمان

---

[1] ایک حدیث کے الفاظ ہیں۔ یہ حدیث ابو داؤد، ابن ماجہ، الدارمی وغیرہ نے روایت کی ہے [2] سورہ جمعہ آیت نمبر ۳ [3] سورہ نساء آیت نمبر ۶۹
[4] ایک حدیث کا ٹکڑا جو بخاری، نسائی وغیرہ میں روایت کی گئی ہے [5] ایک حدیث نبوی کے مضمون کی طرف اشارہ ہے جو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ [6] سورہ عنکبوت آیت نمبر ۴۳ [7] حافظ ابن قیم کے ایک طویل قصیدے بعنوان "الکافیۃ الشافیۃ فی انتصار الفرقۃ الناجیۃ" کے چند شعر۔ پورے قصیدے میں ۵۸۲۸ شعر ہیں۔

اذلا تفید کم یقیناً لا، ولا　　　علماً، فقد عزلت عن الایقان

والعلم عند کم ینال بغیرها　　　بزبالة الافکار والاذهان

سمیتموه قواطعاً عقلیه　　　لنفی الظواهر حاملات معان

کلا، ولا احصاء آراء الرجال　　　وضبطها بالحصر والحسبان

کلا ولا التاویل والتبدیل　　　والتحریف للوحیین بالبهتان

کلا ولا الاشکال والتشکیک　　　والوقت الذی ما فیه من عرفان

هذی علومکم التی من اجلها　　　عادیتمونا یا اولی العرفان

وقال الشیخ الاکبر من جملة ابیات افتتح بها الباب الثامن وثلاث مائة من الفتوحات:

کل علم یشهد الشرع له　　　فهو علم نبه فلتعتصم

فاذا خالفه العقل فقل　　　طورک الزم ما لکم فیه قدم

عدم یقین و بصیرت اور عوارض قلب و روح

اور سبب اس کا ظاہر ہے۔ قلب و روح کی جتنی بیماریاں بھی ہیں، اصل مبدا ان کا دو قسموں سے باہر نہیں۔ ایک قسم مرض کا نام الحاد و انکار ہے۔ دوسری کا توہم و سوفسطائیت۔ باقی تمام بیماریاں اسی کے اتباع و عوارض و فروع ہیں اور دونوں قسموں میں ظہور مرض کے علائم و آثار و عواقب مشترک ہیں یعنی دونوں کا نتیجہ شک و جہل و اضطراب اور فطرت کی طمانیت اور سرور و راحت قلبی کا ازالہ یعنی باصطلاح قرآن حکیم "نفس مطمئنہ" کا فقدان۔ پس مرض بلحاظ علت و ظہور ہر حال میں صرف یہی ہوا کہ شک و ظلمت، اور اس عالم میں وحی الٰہی اور حکمت نبوت اور ان سے ماخوذ و مکتسب کے علاوہ جو کچھ ہے "یقین"، "برہان"، "بصیرت" اور "فرقان" نہیں ہے، شک و ظن ہے، عدم علم و بصیرت ہے، یا تخمین و رائے اور تلعب و تخرص بالریب ہے۔ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ[1] اور بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ[2] اور وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ثَانِیَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ[3] اور هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا[4] اور اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ؟ (محمد[5]) اور مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (النجم[6]) اور قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (یوسف[7]) اور بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ (یونس[8]) مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

---

[1] سورہ جاثیہ، آیت نمبر ۲۴ [2] سورہ دخان، آیت نمبر ۹ [3] سورہ حج، آیت نمبر ۸، ۹ [4] سورہ انعام، آیت نمبر ۱۴۸ [5] سورہ محمد، آیت نمبر ۱۴ [6] سورہ نجم، آیت نمبر ۲۸

[7] سورہ یوسف آیت نمبر ۱۰۸ [8] سورہ یونس، آیت نمبر ۳۹

مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف[1]) وغیر ذالک من الآیات والقواطع۔ اور اسی لیے دعوتِ خاتم الادیان و مکمل الشرائع کی نسبت اکثر خطباتِ نبویہ میں یہ اعلانِ عام پاتے ہو کہ اس کا ظہور کُرّۂ ارضی کے کمالِ جہل و فقدانِ علم کے وقتوں میں ہوا یعنی اس لیے ہوا تاکہ علم و نور سے دنیا کو بھرپور کر دے اور علم و نور نہیں ہے مگر یقین و زوالِ شک و ریب۔ علی الخصوص اوّلین خطبۂ جمعہ بالمدینہ میں فرمایا: ارسلہ بالھدیٰ والنور والموعظۃ علی فترۃ من الرسل وقلۃ من العلم وضلالۃ من الناس الخ۔ اخرجہ الحاکم علی شرط الصحیحین والطبری فی تاریخہ[2]۔ پس ظاہر ہے کہ جن نام نہاد علوم کا ماحصل خود ظلمتِ ظن و شک اور کوریٔ وہم و رائے سے زیادہ نہیں، وہ مریضانِ یقین و اعتقاد کے لیے کیونکر نسخۂ شفا ہو سکتے ہیں؟ اور جو خود سرگشتۂ راہ اور واماندۂ کار ہے۔ وہ دوسرے گم کردہ راہوں کی کیا رہنمائی کر سکتا ہے۔؟

جوہرِ طینتِ آدم زخمیرِ دگرست
تو توقع زگلِ کوزہ گراں می داری[3]

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ (نمل[4]) مرض کا ازالہ دوا سے ہو سکتا ہے، نہ کہ خود تولیدِ مرض سے۔ اگر دنیا کا اصل مرض "یقین" اور "بصیرت" سے محرومی ہے اور شک و گمان کی ہلاکت، تو اس کا علاج وہ کیوں کر کر سکتے ہیں، جن کا خود اعلان یہ ہے کہ ہمارا منتہائے فکر و ادراک اس سے زیادہ نہیں کہ "لا ادری ولا اعلم" ہم نہیں جانتے اور نہیں کہہ سکتے کہ کیا ہے اور کس لیے ہے؟ یعنی بحکم وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ[5] وہ خود اپنے منتہائے معرفت کو جہل سے زیادہ نہیں بتلاتے: اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ[6]،

معلوم نشد کہ ہیچ معلوم نہ شد[7]

دارالشفائے وحی و حکمتِ نبوت

اس کا علاج اور نسخۂ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ[8] تو صرف اسی اعلم الخلائق و اعرف العباد کے دارالشفائے وحی میں مل سکتا ہے، جو شک کی جگہ یقین کا، ظلمت کی جگہ نور کا، عدمِ علم کی جگہ علم البصیرت کا، ظن و قیاس و گمان کی جگہ بینہ و حجت کا، برہان و فرقان کا اور تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ[9] اور عروۃ الوثقیٰ کا، غرض کہ "لا ادری" اور "لا اعلم" کی جگہ "اِنِّیْ اَعْلَمُ" اور "اِنِّیْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ[10]" اور "اِنِّیْ اَشْهَدُ" بلکہ "رأیت و سمعت" کا دعویٰ اور اعلان کر رہا ہو اور تمام نوعِ بشر کو یہ کہہ کر بلا رہا ہو: هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ[11]

---

[1] سورہ یوسف، آیت نمبر ۴۰

[2] تاریخ طبری (تاریخ الرسل والملوک)، ۲ : ۲۵۵ [3] حافظ شیرازی کا شعر، بعض نسخوں میں جوہر کی جگہ گوہر کے اختلاف کے ساتھ صحیح شعر اس طرح ہے:

جوہرِ جامِ جم از کانِ جہانے دگرست — تو تمنا زگلِ کوزہ گراں می داری

[4] سورہ نمل، آیت نمبر ۶۶ [5] سورہ انعام، آیت نمبر ۱۳۰ [6] سورہ جاثیہ، آیت نمبر ۳۲ [7] عمر خیام کی ایک رباعی کا مصرع، رباعی یہ ہے۔

ہر چند دلم زعشق محروم نشد — کم ماند ز اسرار کہ معلوم نشد
اکنوں کہ بچشمِ عقل دروی نگرم — معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد

[8] سورہ یونس، آیت نمبر ۵۷ [9] سورہ نحل، آیت نمبر ۸۹ [10] سورہ انعام، آیت نمبر ۵۷ [11] سورہ یوسف، آیت نمبر ۱۰۸

اور تمام منکرین و جاحدین سے بار بار مطالبہ کرتا ہو: هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا[1] یعنی یہ علم و یقین اور خروج من ظلمات الجہل الی نور المعرفۃ والحقیقۃ کی شے ہے، جس پر مَیں تم کو دعوت دے رہا ہوں۔ پھر تمہارے پاس بھی کوئی "یقین" اور "علم و بصیرت" ہے، جس کو دنیا کے آگے پیش کر سکتے ہو؟ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ؟[2] اور قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ[3] ایک کہتا ہے، میرے پاس شک ہے، اگر تم میری طرف آؤ، تو تم کو شک سے معمور کر دوں گا۔ دوسرا کہتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے بجز یقین اور برہان کے اور کچھ نہیں۔ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (حم سجدہ[4]) اور بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (عنکبوت[5]) میں بصیرت ہوں۔ دعوت علم ہوں۔ پیام حجت و برہان ہوں۔ حقیقت جو ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی، اس کی ایک ہی راہ ہوں۔ اقوام الطرق، اوضح السبل، صراط السوی: وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ[6] پھر بتلاؤ، دنیا کو جو طمانیت و قرار قلب کی بھوکی پیاسی اور شک و اضطراب نفس کے زخموں سے جاں بلب ہے، کس کا ساتھ دینا چاہیے؟ اس کا جو خود شک و ریب کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا رہا ہے، ایک تاریکی سے نکلنے کے لیے دوسری تاریکی میں ڈوبتا ہے؛ اور تاریکیوں کا یہ حال ہے کہ خود اپنا ہاتھ بھی سجھائی نہیں دیتا۔ ایک گتھی سلجھانا چاہتا ہے تو دس نئے الجھاؤ رشتۂ ادراک میں پڑ جاتے ہیں۔ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ؟ (نور[7]) اور جس کی ان ساری کوششوں اور طلب و جستجو کا جو حقیقت تک پہنچنے اور عقدۂ ہستی کو حل کرنے کے لیے کرتا ہے، یہ حال ہے کہ ہر نیا مرحلہ ایک نئی گمراہی کا پیام اور ہر منزل ایک نئے بُعد و گم گشتگی کی مایوسی ہوتی ہے۔ جس نظریے پر رُکتا اور جس تھیوری کو مانع کار سمجھ کر پوجتا ہے۔ جب اس تک پہنچتا ہے، تو یقین کی جگہ وہ خود ایک نئے شک کی دعوت نکلتی ہے، اور جواب کی جگہ وہ خود ایک نیا سوال ہوتی ہے، اور اس طرح اس کی ساری امیدیں اور ساری خوشیاں اس پیاسے کی اُمید سے زیادہ نہیں ثابت ہوتیں، جو ریگستان افریقہ کو دجلہ و فرات سمجھ کر بے تحاشا دوڑ رہا ہو: كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا (نور[8]) پس کیا کھوئے ہوؤں کو طلب دلیل و ہدایت میں اپنے ہی جیسے کھوئے ہوؤں کا دامن پکڑنا چاہیے؟ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ (حج[9]) اور لَبِئْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ (حج[10]) یا پھر اس کا ساتھ دینا اور بلا چون و چرا سمع و اطاعت کا سر جھکا دینا چاہیے۔ جس کی ساری پکار اور سارے پیاموں کی بنیاد ہی یہ ہے کہ میں ظلمت نہیں، بلکہ سر تا سر نور ہوں۔ میں تاریکی میں ادھر اُدھر بھٹکنے والا قدم اور خود اپنے ہاتھ کو بھی نہ دیکھ سکنے والی آنکھ نہیں ہوں، بلکہ معرفت و شہادت کا اُجالا ہوں، نورانیت میں بے خوف لغزش و بے خطرۂ گمرہی دوڑنے والا قدم ہوں اور دوپہر کی چمکیلی روشنی میں ایک ایک ذرہ تک کو دیکھ لینے اور پالینے والی بینائی ہوں۔ السمحۃ الحنیفیۃ والحجۃ البیضاء۔ لیلہا کنہارہا

---

[1] سورہ انعام آیت نمبر ۱۴۸ [2] سورہ رعد آیت نمبر ۱۶ [3] سورہ زمر آیت نمبر ۹ [4] سورہ حم سجدہ، آیت نمبر ۴۲ [5] سورہ عنکبوت آیت نمبر ۴۹ [6] سورہ انعام آیت نمبر ۱۵۳ [7] سورہ نور، آیت نمبر ۴۰ [8] سورہ نور آیت نمبر ۳۹ [9] سورہ حج آیت نمبر ۷۳ [10] سورہ حج آیت نمبر ۱۳

یہاں ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یمین و یسار، بالا و پست، اور مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ بجز نور، اور نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ[1] کے اور کچھ نہیں رہتا۔ وکان من دعائہ صلعم باللیل، اللّٰھم اجعل فی قلبی نورا وفی لسانی نورا، وجعل فی بصری نورا وفی سمعی نورا، واجعل من خلفی نورا، ومن امامی نورا۔ وجعل لی من فوقی نورا، ومن تحتی نورا، اللّٰھم اعطنی نورا (مسلم[2]) نہ میری حقیقت بین آنکھ کے لیے زیغ ہے، نہ منزل شناس قدم کے لیے ٹھوکر: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی[3] اور حدیث انس کہ "والذی نفسی بیدہ، لقد عرضت علی الجنۃ والنار آنفا فی عرض ھذا الحائط وانا اصلی (بخاری[4]) اور حدیث اسماء بنت ابی بکر اور خطبۂ صلوٰۃ کسوف کہ ما من شیء لم أرہ الا وقد رایتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار، واوحی الی انکم تفتنون فی القبور الخ (رواہ البخاری[5]) اور ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی (رواہ الاربعہ[6]) اور ان سب سے بھی بڑھ کر یہ کہ اتانی ربی فی احسن صورۃ (وفی روایۃ اتانی اللیلۃ ربی) فقال فیم یختصم الملاء الاعلیٰ فقلت لا ادری فوضع کفہ بین کتفی حتی وجدت بردہ انامله بین ثدیی فتجلی لی علم کل شیء اخرجہ جماعۃ منھم احمد و ترمذی[7] وصححہ۔ بلکہ جس حقیقت ہزار حجاب کا ایک سچا یا کم از کم پہلا سے قریب تصور بھی تم سے بن نہ آیا، میں نہ صرف اس کا سراغ ہی رکھتا ہوں بلکہ وہ تو میری دیکھی بھالی اور میرے سامنے کی مشہود و منظور ہے۔ حتی وجدت بردہ انامله بین ثدیی! اس کی انگلیوں سے چھونے کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اور کیا باقی رہ گیا؟ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی، فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔[8]

جمالک فی عینی وحبک فی قلبی
وَذکرک فی فمی، فاین تغیب[9]؟

حقائق و معارف کتاب و سنت

تم نے اپنی درماندگیوں سے عاجز آ کر اس کا نام ہی مافوق ادراک اور غیب رکھ دیا ہے حالانکہ یہاں تو اس کی مشہودیت کا یہ حال ہے کہ اس کا ذکر ہی "شہادت" کے لفظ سے کیا جاتا ہے، جس کے معنی حضور و رویت کے ہیں: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (آل عمران[10]) تم اس کی طلب و جستجو کو گمان و خیال اور قیاس و ظن سے تعبیر کرتے ہو کہ اس سے آگے تمہارا قدم نہیں بڑھتا۔ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا[11] حالانکہ یہاں ظن و گمان کا کیا ذکر، ظن کو تو یہاں (زندگی و ہدایت) کے دائرے ہی سے خارج اور موت (کفر) کا ہمنشین سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تو اس کی نسبت جو کچھ کہا اور سمجھا جاتا ہے، اس کا نام ہی "ایمان" اور "ایقان" ہے۔ یعنی عدم شک اور یقین صرف و بحت: يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ (مائدہ[12]) اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ

---

[1] سورہ نور، آیت نمبر ۳۵ [2] صحیح مسلم میں مروی ایک دعائے نبوی۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین میں بہت جگہ آئی ہے، [3] سورہ نجم، آیت نمبر ۱۷، ۱۸،
[4] بخاری کے علاوہ مسلم، نسائی وغیرہ میں بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے [5] یہ حدیث بھی بخاری کے علاوہ مسلم نسائی، ابن ماجہ وغیرہ میں روایت کی گئی ہے
[6] بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کے مختلف ابواب میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے، [7] مسند حنبل، سنن ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں یہ حدیث کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ

وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ (زمر[1]) غرض کہ جس کا حال یہ ہو کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ[2] ان کا سا نہ ہو کہ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ[3] (مومن) اور بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ (حج[4]) تو کیا معرفت وہی اکیلا نہیں ہے جس کی راہ دُنیا کے لیے امن و سلامتی کی راہ ہے اور جس کے ساتھیوں کے لیے نہ تو کبھی شک کی بے چینی ہے اور نہ جہل و ظلمت کا ہراس: لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ[5] أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا کے بعد فرمایا: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ؟ تو اس سے معلوم ہوا کہ معرفت و ایمانِ باری اور عِبَادَة وَتَبَتَّلْ إِلَى اللهِ کی بنیاد علم اور دانستن ہے، کیونکہ اس سے بڑھ کر جاننا اور پہچاننا کیا ہوگا کہ جب ساری خلقت، رات کے بسترِ عافیت پر سو رہی ہو تو ایک عارفِ حق کو کسی جانے پہچانے ہوئے کا عشق بسترِ راحت سے اُٹھاتا اور اپنے سامنے جھکاتا ہے؛ وہ اُس کی نظرِ رحمت کے لیے روتا ہے۔ اُس کی ہیبت و جبروت سے کانپتا اور تھراتا ہے۔ اس کے بخشش کے بڑھے اور کھلے ہوئے ہاتھوں (بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ) کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر بے اختیار طلب و سوال کا ہاتھ بڑھاتا اور بیقراریوں کی آوازوں میں پکارتا اور مانگتا ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ فرمایا: إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ کہ خوفِ الٰہی معرفتِ صفات کے بعد ہو سکتا ہے اور معرفت علم ہے، پس جو صاحبانِ علم ہیں، وہی اس سے ڈریں گے۔ غرض کہ قرآنِ حکیم کے نزدیک عبادت، علم و تعقل و ادراک ہے اور عصیان و غفلت جہل و سفاہت و کوری اور یہ موقع مزید تشریح کا نہیں (مولانا آزاد) یہی معنی ہیں ان آیات کریمہ کے کہ أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا؟ (انعام[6]) اور أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ؟ (ملک[7]) اور أَفَمَنْ شَرَحَ اللهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِنْ رَبِّهِ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللهِ (زمر[8]) وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ الْآيَاتِ فِي هٰذَا الْبَابِ اور فی الحقیقت یہی وہ نورِ حقیقت اور مشکوٰۃِ معرفت ہے، جس کو ایک عجیب و غریب اور جامع و مانع تمثیل مرکب میں واضح فرمایا کہ:

مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ يَهْدِي

---

[1] سورہ زمر، آیت نمبر ۹ [2] سورہ نجم، آیت نمبر ۳، ۴ [3] سورہ مومن، آیت نمبر ۳۵ [4] سورہ حج آیت نمبر ۸ [5] سورہ فاطر، آیت نمبر ۳۵ [6] سورہ انعام، آیت نمبر ۱۲۲ [7] سورہ ملک، آیت نمبر ۲۲ [8] سورہ زمر، آیت نمبر ۲۲

روایت کی گئی ہے۔ [8] سورہ نجم، آیت نمبر ۸، ۹ [9] منصور حلاج کا شعر ہے۔ دیوان میں اس طرح ہے۔

مثالک فی عینی و ذکرک فی فمی
وحبک فی قلبی فاین تغیب ؟

[10] سورہ آلِ عمران، آیت نمبر ۱۹۱ [11] سورہ ص، آیت نمبر ۲۷ [12] سورہ مائدہ، آیت نمبر ۸۳، ۸۴

اللهُ لِنُورِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَيَضْرِبُ اللهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ‘ (نور ۳۵) اور یہ مقام منجملہ رُوح الروح معارف کتاب و سنت و حقیقۃ الحقائق قرآن و شریعت کے ہے جس کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ مگر اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ...... ارباب ذوق و صلاح کے لیے ایک اشارہ حقیقت کافی ہے۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ[2] تو ان کے لیے حقائق و معارف کے قناطیر مقنطرہ بھی بیکار ہیں وہ تو ہمیشہ یہی کہیں گے: مَاذَآ اَرَادَ اللهُ بِهٰذَا مَثَلًا[3] وَمَا اَحْسَن واصدق ما قال العرفی الشیرازی۔

ہزار معجزہ بنمود عشق و عقل جہول
ہنوز ثابتِ اندیشہ ہائے خویشتن ست

(۴)

نسخۂ شفائے شک و ریب

غرض کہ امام ابن تیمیہ نے ایک ایسی حقیقت کو جو ارباب ظن و رائے کی صحبتوں سے وادیٔ شک و اضطراب میں حیران و سرگردان ہو گئی تھی، اُن ساری باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں کہی جو اور لوگ کہہ سکتے تھے، بلکہ صرف یہ وصیت کی کہ سیرت طیبۂ نبویہ کا مطالعہ کرو، یہی نسخۂ شفا شک و ریب کے سارے دکھوں کا ایک ہی علاج ہے، اور پھر قولاً بھی اپنی تمام مصنفات میں اسی چیز کو بنیاد و منبع ہر گونہ علم و ایقان بتلاتے ہیں، تو یہ بات بھی منجملہ انہی خصائص مقامِ وراثتِ نبوت کے ہے۔

علیم بادواء النفوس یسوسها
بحکمته فعل الطبیب المجرب[1]

اور حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف اُس عہد میں بلکہ جب تک دنیا باقی ہے، صاحب قرآن کی سیرت و حیاتِ مقدس کے مطالعہ سے بڑھ کر نوعِ انسانی کے تمام امراضِ قلوب و عللِ ارواح کا اور کوئی علاج نہیں، اسلام کا دائمی معجزہ اور ہمیشگی کی حجۃ اللہ البالغہ قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے، تو وہ صاحبِ قرآن کی سیرت ہے اور دراصل قرآن اور حیاتِ نبوت معناً ایک ہی ہیں، قرآن متن ہے اور سیرت اس کی شرح۔ قرآن علم ہے اور سیرت اس کا عمل، قرآن صفحات و قراطیس ما بین الدفتین اور فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ[2] میں ہے، اور یہ ایک مجسم و متشکل قرآن تھا، جو یثرب کی سرزمین پر چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ کما قالت الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: وَکَانَ خلقه القرآن[3]

ما دو جانے آمده در یک بدن
من کیم؟ لیلےٰ، و لیلیٰ کیست؟ من[4]

---

[1] امام احمد بن حنبل کی مدح میں شیخ نجم الدین اسحاق بن ابی بکر الترکی کے قصیدے کا شعر [2] سورہ عنکبوت، آیت نمبر ۴۹ [3] صحیح مسلم کی مشہور حدیث [4] مولانا روم کا شعر ہے، مثنوی میں اس طرح ہے۔ من کیم؟ لیلیٰ کیست؟ من — ما یکے روحیم اندر دو بدن

سیرتِ انبیاء - دلیل و برہانِ حق

انبیائے کرام کی زندگی سے بڑھ کر "یقین" اور "ایمان" کی پکار اور کیا ہو سکتی ہے؟ محالِ قطعی ہے کہ ایک صاحبِ استعداد سیرتِ نبویہ کا کوئی چھوٹا سے چھوٹا ٹکڑا بھی پیشِ نظر رکھتا ہو اور پھر شک و اضطراب نفس کا افسونِ ہلاکت اس پر کارگر ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے جابجا انبیائے کرام علیہم السلام کی نفسِ زندگی و وجود کو بطورِ ایک حجت و برہان کے پیش کیا ہے، نہ کہ محض بطورِ قصص و اظہارِ علم ماسبق و انباء بالغیب کے جیسا کہ عموماً سمجھا گیا ہے۔

قرآنِ حکیم کا کھلا کھلا دعویٰ یہ ہے کہ ہر نبی کی زندگی جس طرح شروع ہوئی، اور جس طرح ختم ہوئی اور جو کچھ اس پہ گزرا اور قولاً و فعلاً جو کچھ اس سے تعلق رکھتا ہے، ان میں سے ہر بات بجائے خود ایک دلیل اور برہانِ حق ہے۔ اس سے بڑھ کر اس حقیقت کے اثبات کے لیے اور کوئی دلیل یقینی و قطعی نہیں ہو سکتی کہ خدا ہے اور ساری اچھی اور حسین صفتوں سے متصف ہے اور اس نے جس طرح عالم ہستی اور مافیہا کو بنایا، اسی طرح اس کے لیے قوانین و نوامیس عمل و نتائج بھی بنائے اور وہ ہر حال میں اٹل ہیں۔ دنیا میں انسان زیادہ سے زیادہ اور قطعی سے قطعی یقین جن چیزوں پر رکھتا ہے اور جن وسائل سے ان کے یقینی ہونے کو مانتا ہے، قرآن کی یہ دلیل ان سب سے زیادہ قطعی اور سب سے زیادہ روشن و محکم ہے، اور اگر یقین کے لیے یہ دلیل کافی نہیں، تو پھر اس دنیا میں یقین کا وجود ہی نہیں حتیٰ کہ دوپہر کے وقت چمکتے ہوئے سورج کا بھی نہیں، اور جسم کے ایک ایک مسام سے چھوتی اور لگ کر چلنے والی ہوا کا بھی نہیں، اگر تم کہتے ہو کہ دنیا میں صرف انہیں باتوں کو ماننا چاہیے جو "یقینی" ہوں اور "ثابت" شدہ یعنی تم اعتقاد کے لیے صرف "امکان" کو کافی نہیں سمجھتے، اثبات کے طلب گار ہو، تو جب بھی دنیا میں الکلم الطیب اور العمل الصالح سے بڑھ کر اور کون سی ثابت و واقع حقیقت ہو سکتی ہے؟ خود تمہارا وجود اور اثبات "انا" بھی اس سے زیادہ ثابت و مشہود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے جابجا دعوت الی الوحی کو "قول الثابت" اور دین القیم" اور "الواقع" اور "الثابت"[1] وغیرہا سے تعبیر کیا ہے گو لوگ دوسری طرف چلے گئے۔ بہر حال حضرت نوح کا وجود بجائے خود ایک دلیل و اثبات ہے۔ حضرت ابراہیم اپنی ذات کے اندر خود ایک حجتِ قائمہ اور آیتِ کاملہ ہیں۔ حضرت موسیٰ کی پوری زندگی صرف اس ایک لفظ میں بتلا دی جا سکتی ہے: برہانِ محکم و دلیلِ ثابت اور اسی طرح تمام انبیاء و مرسلین اور بوجہ ان کی تبعیت و معیت کے تمام نفوسِ صادقہ بشر من الصدیقین والشہداء والصالحین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگیاں اور زندگی کے تمام وقائع و اعمال بجائے خود ایک مستقل دلیل و برہانِ حق ہیں اور اسی طرح ہر نبی کا تنہا وجود سینکڑوں دلیلوں اور ہزاروں شہادتوں کا مجموعہ ہے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم ان کا استشہاداً و استدلالاً ذکر کرتا اور ان کو "آیت" اور "بیّنہ" سے تعبیر کرتا اور اسی طرح گویا ہر ایک تذکرہ و حکایتِ حیاتِ نبوت وَمَا جَاءَ بِالْحَقِّ میں دنیا کے سامنے صدہا دلیلیں اور روشنیاں چمکا دیتا ہے۔

وقائع و اعمالِ حیاتِ نبوت - حجۃ اللہ البالغہ

علی الخصوص یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے جابجا حضرت ختم المرسلین و صاحبِ اسوۂ حسنۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو بطورِ ایک مستقل دلیل و شاہدِ ثابت کے پیش کیا ہے اور نہایت کثرت کے ساتھ ان کی سیرت و سوانح اور وقائع و ایام پہ مختلف پیرایوں اور مختلف لواحق اور روابط کے ساتھ بار بار توجہ دلائی ہے اور بسا مقامات میں ایسا بھی ہے کہ:

---

[1] یہ الفاظ جن سے یہاں دعوتِ الٰہی والی الوحی کا استشہاد کیا گیا ہے، سورۃ ابراہیم، یوسف، روم اور ذاریات میں آئے ہیں۔

گفتہ آید در حدیث دیگراں[1]

کا معاملہ ایک کیفیتِ خاص اور لذتِ اشارات اربابِ راز و نیاز کے ساتھ اصحابِ نظر و ذوق کے لیے قرۃ عیون اور سرورِ انفس و قلوب کا حکم رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض عرفا اور اصحابِ اشارات نے کہا: بائے بسم اللہ سے سین والناس تک جو کچھ ہے اگو حکایت موسیٰ کلیم کی ہو اور یوسف صدیق کی (صلوٰۃ اللہ علیہما) لیکن ان سب سے مقصود ایک ہی ہے، اور گو نام دوسروں کے ہوں مگر روئے سخن اسی طرف ہے:

چشم سوئے فلک و روئے سخن سوئے تو بود[2]

اور اُردو میں کسی نے خوب کہا ہے:

نام اُن کا آسماں ٹھہرا لیا تحریر میں[3]

والکنایۃ ابلغ وآکد من التصریح:

خوش دل کش ست قصۂ خوبانِ روزگار
تو یوسفی و قصۂ تو احسن القصص[4]

اور اگر اس بات کو بابِ اشارات سے باہر بھی دیکھا جائے، جب بھی اس کی صداقت میں کلام نہیں، جب تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا وجود اصلاً ایک ہی اصل و حقیقت پر مبنی اور اپنے مقاصد و اعمال و وقائع میں جزءً و کلاً ایک ہی سلسلۂ بعثت کی مختلف کڑیاں اور ہم رنگ و ہم معنی اشکال و صور ہیں، اور اس لیے باہم دگر یک قلم اشباہ و نظائر کا حکم رکھتے ہیں، بحدے کہ بوجہ کمالِ اشتراک صورت و معنی اگر ایک کڑی ہٹا دی جائے تو دوسری ٹھیک ٹھیک اس کی جگہ جڑ جائے۔

منتہائے مرتبہ سیادت

اور معلوم ہے کہ اس سلسلہ کی آخری کڑی یعنی وجودِ مقدس حضرتِ خاتم الادیان و مکمل الشرائع و متمم النعم ساری پچھلی کڑیوں کا جامع اور اسی لیے بحکم انا سید ولد آدم[5] اور لو کان موسیٰ حیًا ما وسعہ الا اتباعی اور نصِ قرآنی کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[6] اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ[7] الخ اور فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (النساء)[8]، منتہائے مرتبہ سیادت و قیادتِ عالم و مرکزیتِ رُسل و شرائع و افضلیتِ کلی کے فائز و ممتاز ہے۔

---

[2] مثنوی مولانا رُوم کا شعر ہے، پہلا مصرع یہ ہے: خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں۔
[3] مرزا غالب کا شعر، جس کا مصرع اول یہ ہے: دوش کز گردش بختم گلہ بر رشتے تو بود
[4] نواب رامپور یوسف علی خاں ناظم کے ایک شعر کا مصرع ثانی، مصرع اولیٰ یہ ہے

اب لکھیں گے شکوۂ بیدادِ ہم دل کھول کر

[5] مولانا جامی کا شعر ہے جس کا مصرع اولیٰ اس طرح ہے۔

بس دلکش است قصۂ خوباں و زاں میاں

[6] سنن ابی داؤد، مسند احمد حنبل کی ایک روایت [7] سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۱۰ [8] سورہ مائدہ آیت نمبر ۳ [9] سورہ نساء آیت نمبر ۴۱ (باقی اگلے صفحہ پر)

بطراز ندگی قامتِ موزوں نازم
یک قبانیست کہ شائستہ اندام تو نیست[1]

جامعیت کبریٰ

تو لامحالہ باب فضائل و مقامات اور قصص و حکایاتِ مناقب و برکات میں جو کچھ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے، یا جو کچھ بصدق لسان بتحقیق بیان کے ساتھ اس بارے میں کہا جائے گا۔ وہ گو بلا واسطہ دوسروں کی حکایت ہو، مگر بالواسطہ متعلق اسی وجودِ اجمع و اکمل سے ہو گی، اور جب کبھی خاص اس وجودِ جامعیت کی نسبت کچھ کہا جائے گا، تو گو اس میں دوسروں کا ذکر لفظاً نہ آئے لیکن حال یہ ہو گا کہ گویا تمام انبیاء و مرسلین بلکہ نوعِ انسانی کے تمام افرادِ فضیلت اور جماعتِ مَنْ اَنْعَمَ اللّٰہُ علیہم[2] کے تمام اشخاصِ مراتب و کمال میں سے ایک ایک فرد کا ذکر کر دیا گیا، اور وہ سب کچھ آ گیا اور سمیٹ لیا، جو ان کے بارے میں کہا جا سکتا تھا۔ جب باغ و چمن کا نام لیا، تو گو تم نے نہ پھولوں کا نام لیا ہو، نہ ان کی رنگت و بو کا، نہ نہروں کا ذکر کیا ہو نہ ان کی نضارت و سروانی کا، لیکن خود بخود ان سب کا ذکر آ گیا اور اس ایک نام کے ساتھ وہ سارے نام لے لیے گئے، اور جب تم نے کہا تختہ گل، ہوائے عطر بیز، نظارۂ انہار و اشجار، بنفشہ و سنبل و یاسمن، تو اب تم باغ و چمن کا نام لو یا نہ لو، مگر اس کا نام تو تم نے ان ناموں میں سے ہر نام کے ساتھ لے ہی لیا،

---

[1] ان آیاتِ کریمہ سے فضیلت و سیادتِ حضرت ختم المرسلین کا یوں اثبات ہوا کہ امتِ مسلمہ کو ساری امتوں سے بہتر فرمایا اور شریعتِ محمدی کو تکمیلِ ادیان اور اتمامِ نعمت قرار دیا اور ظاہر ہے کہ مطیع کی افضلیت مستلزم افضلیتِ مطاع اور نعمت کا تمام نعمِ سابقہ سے اعلیٰ و اتم ہونا حامل و مبلغِ نعمت کے اعلیٰ و افضل ہونے پر دال ہے۔ اگر آخری شریعت تمام پچھلی شریعتوں کی جامع اور اس لیے ان سب سے افضل ہے۔ اگر آخری امت ساری پچھلی امتوں کے برکات و نعم سے مالا مال اور اس لیے اُن سب سے اشمل و اصلح ہے، اور اگر اسی طرح شریعتِ آخری کے ظہور و زمان و مکان و اقوام و اعمال کی ساری باتیں پچھلی امتوں کی ان ساری باتوں پر فوقیت و فضیلت رکھتی ہیں، تو یہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ امتِ آخری کا رسول و متبوع بھی سارے پچھلے رسولوں کے مراتب و مقامات کا جامع اور اس لیے اُن سب سے افضل و مافوق، اور "آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری" کا مصداق ہو۔ کتاب و سنت کی نصوص و تصریحات اس بارے میں بیشمار ہیں: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کی تفسیر میں اس مطلب کو کمال شرح و بسط اور شاید ایک طرزِ تازہ و استدلال جدید کے ساتھ لکھا جاتا ہے، اور حقیقت جامعیتِ رسالتِ محمدی، و جامعیتِ شریعتِ اسلامیہ و جامعیتِ امتِ مسلمہ اور جامعیت جمیع ما یتعلق بہا پر ایک خاص اسلوب نظر سے بحث کی گئی ہے باقی رہا لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ تو وہ معاملہ دوسرا ہے۔ تفریق بین الرسل کو مسئلہ تفضیل سے کوئی تعلق نہیں، اسی طرح لا تفضلونی علی یونس بن متی وغیر ذالک تو اس نہی کا مورد و محل بھی دوسرا ہے اور منہی عنہ معاملہ تفضیل میں وہ تکلم مالا یرے ہے جو منجر بہ تفریق بین الرسل ہو۔ جس نے تمام امم سابقہ کو گمراہ کیا، نہ کہ نفسِ تفضیل۔ کیونکہ انا سید ولد آدم ولا فخر اور آدم وما دونہ تحت لوائی کے بعد اور کیا باقی رہ گیا؟ اور پھر قطع نظر قرآن حکیم کے، خود نصوصِ سنت اس بارے میں بیشمار و معلوم

[1] نظیری کا شعر ہے لیکن مطبوعہ کلیات نظیری میں بطراز زندگی کی جگہ "بیراز ندگی" لفظ ہے۔

[2] سورہ نساء کی آیت نمبر ۶۹ کی طرف اشارہ ہے۔

اور گو بظاہر ذکر بنفشہ و سنبل اور اشجار و انہار کا تھا مگر فی الحقیقت ذکر ان سب کا نہیں بلکہ صرف ایک ہی حقیقتِ جامعہ کا تھا یعنی باغ و چمن کا۔ مولانا[1] کے اشارات اس مقام کی نسبت از بس لطیف و پُر ذوق واقع ہوئے ہیں۔ ازاں جملہ کیا خوب فرمایا :

نامِ احمد نامِ جملہ انبیاست
چونکہ صد آمد نود ہم پیش ماست

جب "سو" کہہ دیا، تو اب ایک سے ننانوے تک جو کچھ ہے سب آگیا اور جب کہا ایک دو۔ دس۔ پچاس، تو فی الحقیقت ذکر "سو" ہی کا ہُوا۔ قرآنِ حکیم میں یا احکام ہیں، یا مواعظ و حِکَم ہیں، یا شرحِ قوانینِ ہدایت و ضلالت، اور یا پھر قصص الاولین، تو معلوم ہے کہ اگر احکام ہیں تو اسی شریعت کے جس کا حامل سید المرسلین ہے۔ مواعظ و حِکَم ہیں، تو وہی ہیں جن کی عملی تصویر و اسوۂ کاملہ وجودِ سید المرسلین ہے۔ قصص ہیں تو انہی فضائل و مراتب کے جو سب کے سب مرتبۂ جامعیتِ محمدی میں بوجہ اتم و اکمل جمع ہو گئے۔ پس اگر حضرات صوفیائے کرام نے تمام قرآن کو اسی ایک حسنِ اکمل و جمالِ بے ہمتا کی حکایتِ شمائل و شرحِ سراپا کہا، تو قطع نظر فسحتِ میدانِ اشارات کے، ویسے بھی یہ کیوں موجبِ قدح و شک ہو؟ حق یہ ہے کہ "قرآن اور صاحبِ سُنّت" کی باہمی یگانگت و اتحاد کے باب میں جو کچھ بھی اور جس قدر بھی کہا جائے۔ اس سے بہت کم ہے جس قدر کہنا چاہیے ؛ وللہ درما قال ؛

ماشئت قل فیہ، فانت مصدق
فالحب یقضی والمحاسن تشہد

بلکہ اس مقام پر حق تو وہ ہے جو شیخ ابن الفارض نے کہا۔ طاب اللہ مضجعہ

وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ	یفنی الزمان وفیک مالم یوصف

وَقَالَ ایضاً رحمۃ اللہ ؛

اری کل مدح فی النبی مقصرا	وان بالغ المثنی علیہ واکثرا
اذا اللہ اثنی بالذی ھو اھلہ	علیہ فما مقدار مایمدح الوری

خصائص قرآن کا ایک عظیم الشان پہلو

اور اگر خاص طور پر اس معاملہ کو دیکھا جائے، تو فی الحقیقت یہ چیز بھی منجملہ خصائصِ قرآن و صاحبِ قرآن کے ہے۔ آج تمام ادیانِ حاضرۂ عالم میں کوئی دین بھی ایسا نہیں جس کی کتاب الٰہی اور صاحب و حاملِ کتاب کے باہمی علاقۂ وحدت کا یہ حال ہو اور دونوں میں سے ہر وجود ایک دوسرے سے اس طرح پیوستہ و ملحق اور باہم دگر شاہد و مشہود کا تعلق رکھتا ہو کہ کتاب، حاملِ کتاب کی صداقت پر دلیل و شاہد ہو اور حاملِ کتاب اصل کتاب کی صداقت پر:

ایں دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند![2]

---

[1] "مولانا" کے لفظ سے اشارہ مولانا روم کی طرف ہے۔ آگے اُن کا ایک شعر بھی مثنوی کے دفتر اوّل سے آیا ہے

[2] عرفی کا مصرع۔ مکمل شعر اس طرح ہے ؛ از ازل حسن و محبت بہم اندوختہ اند
در چراغ اند کہ از یک دگر افروختہ اند

حتیٰ کہ اگر تاریخ شریعت کے تمام وسائل معدوم ہو جائیں اور روایت و حکایت کے تمام صحائف سے قطع نظر کر لیا جائے جب بھی صاحبِ شریعت کے وجود و سیرت کی تاریخی حقیقت اسی طرح روشن و مبین باقی رہے جس طرح تاریخ و روایت کے دفاتر میں ہے اور اگر دنیا چاہے، تو اس کی پوری سوانح عمری اور تاریخِ حیات صرف ایک کتاب اللہ کی لوحِ محفوظ اور کتاب قیم ہی سے بلا ایک نقطہ کی فروگذاشت کے مرتب کر لے!

(۵)

قرآنِ حکیم اور سیرتِ طیبہ

لوگوں نے حیات و سیرتِ طیبہ ختم المرسلین صلعم، پر اس حیثیت سے بہت کم نظر ڈالی ہے کہ اگر روایات و دفاترِ تاریخی سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف قرآنِ حکیم ہی کو سامنے رکھا جائے تو آپ کی سیرت و حیات پر کیسی روشنی پڑتی ہے! اور جس طرح قرآن اپنی کسی بات میں اپنے غیر کا محتاج نہیں، اسی طرح اپنے حامل و مبلّغ کے وجود و حیات کے بیان میں بھی خارج کا محتاج ہے یا نہیں! اصحابِ سیر و محدثین کرام نے فضائل و مدائح منصوصۂ قرآنیہ کے تو باب باندھے ہیں، مثلاً قاضی عیاض نے "شفا" کے متعدد ابواب میں قرآنِ حکیم کی آیات متعلق فضائل و مدائح جمع کی ہیں، لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے آج تک کبھی اس کی کوشش نہیں کی گئی کہ صرف قرآنِ حکیم میں دائرۂ استناد و اخذ محدود رکھ کر ایک کتاب سیرت میں مرتب کی جائے۔ جس زمانہ میں مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے سیرتِ نبویہ کے بارے میں تذکرے رہتے تھے، تو ایک مرتبہ مجھے اس کا خیال ہوا تھا۔ میں نے کہا آپ سیرت میں ایک خاص باب یا سیرت کا ایک خاص حصہ اس عنوان سے قرار دیجیے: "قرآن اور سیرتِ محمدیہ" اور اس میں صرف آیاتِ قرآنیہ کو بہ ربط و ترتیب جمع کر کے دکھلائیے کہ خود قرآن سے کہاں تک آپ کی شخصیت اور آپ کے وقائع و ایام معلوم ہو سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے، ان کی طبیعت میں ایک خاص بات یہ تھی کہ کوئی معاملہ ہو، وہ اس کی ابتدا ہمیشہ شک اور تردد سے کیا کرتے تھے اور جب تک یقین کے لیے مجبور نہ ہو جائیں، یقین نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس خیال پر بہت ہی پسندیدگی ظاہر کی۔ مگر وہی اپنی عادت کے مطابق اظہار شک و ناامیدی کہ اتنا مواد صرف قرآن سے کہاں نکل سکتا ہے کہ سیرت کا ایک باب مرتب ہو سکے! لیکن جب میں نے بہت اصرار کیا، تو کہا اچھا اگر یہ ٹکڑا مرتب کر دو، تو سیرت کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ آخری یکجائی دہلی میں ہوئی تھی، اس وقت انہوں نے کہا: اب مجھ کو بھی خیال ہوتا جاتا ہے کہ یہ ممکن ہے اور بہت ہی اہم چیز ہوگی۔ چنانچہ دہلی سے آ کر میں نے کچھ وقت اس میں صرف کیا اور ایک مستقل سیرتِ نبویہ مجرد قرآنِ حکیم سے ماخوذ و مستنبط شروع کر دی۔ جوں جوں قدم آگے بڑھتا گیا۔ نئے نئے دروازے کھلتے گئے، اور امید و توقع سے کہیں زیادہ کامیابی ہوئی۔ گو یہ حقیقت پہلے سے پیشِ نظر تھی، حتیٰ کہ اس بارے میں بڑا ذخیرہ آیات کا ذہن میں مستحضر تھا، لیکن یہ بات تو کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں گزری تھی کہ جس کتاب کو بظاہر جا بجا ذکرِ احکام و مسائل و قصصِ گذشتگان سے مملو پاتے ہیں، اس میں اس قدر وافر ذخیرہ خاص شخصِ رسالت کے حالات و وقائع کا بھی موجود ہوگا۔ کتاب کے مرتب ہو جانے کے بعد جو دیکھا، تو ایک عجیب عالم نظر آیا۔ حیات و سیرت کا کوئی ضروری ٹکڑا ایسا نہیں ہے، جس کے لیے قرآن میں ایک سے زیادہ آیات نہ ہوں۔

قرآنِ حکیم اور حالات و خصائص صحابۂ کرام

اور پھر نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت بلکہ صحابۂ کرام کے حالات و خصائص کا بھی کافی ذخیرہ موجود ملا۔ صحابہ کی جماعت درسگاہِ

تزکیہ و تعلیمِ نبوت سے نکلی ہوئی مومنون الاوّلون کی اولین جماعت تھی وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [1] اس لیے اُن کے سوانح و ایام بھی سیرتِ نبویہ ہی کے مختلف اجزا ہیں بلکہ ہدایتِ قرآنی و حکمتِ نبویؐ کے عملی و مجسّم ثمرات ہونے کے لحاظ سے دلائل و آیاتِ نبوت کے حکم میں داخل۔ پس یقیناً آپ کی سیرت مکمل نہ ہوتی۔ اگر اُن کے حالات بھی قرآن میں پوری شرح و تفصیل سے نہ ملتے

قرآنی سیرتِ نبویؐ

اس کرشمے کو دیکھ کر مجھ کو آخری مرتبۂ یقین اس بارے میں حاصل ہو گیا کہ اگر دنیا سے تاریخِ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں اور دُنیا نے جو کچھ چھٹی صدی عیسوی کے ایک ظہورِ دعوت کی نسبت سُنا ہے وہ سب کچھ بھلا دے اور صرف قرآن ہی دُنیا میں باقی رہے، جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیتِ مقدسہ اور آپ کی سیرت و حیات کے براہین و شواہد مٹ نہیں سکتے۔ صرف ایک قرآن ہی اس کے لیے بس کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کو بتلا دے کہ اس کا لانے والا کون تھا؟ کیسے زمانے میں آیا؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اس کے خویش و بیگانہ کیسے تھے؟ قوم و مرزبوم کا کیا حال تھا؟ اس نے کیسی زندگی بسر کی؟ اس نے دُنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیا نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا۔ اس کے دن کیسے بسر ہوتے تھے اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں؟ اس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات و حوادث پیش آئے؟ پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا، تو دنیا اور دنیا والوں کو کس حال میں چھوڑ گیا؟ اس نے جب دنیا پر پہلی نظر ڈالی تھی، تو دنیا کا کیا حال تھا؟ اور جب واپسیں نظرِ وداع ڈالی، تو وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی؟ غرض کہ ایک وجود و مقاصدِ وجود اور اعلامِ صداقت و عظمت کے لیے اس کے وقائع وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا وَمَا يُنَاسِبُ ذٰلِكَ میں سے جن جن باتوں کی ضرورت ہو سکتی ہے، وہ سب کچھ صرف قرآن ہی کی زبانی دنیا معلوم کر لے سکتی ہے، اور اس بارے میں بھی قرآن اپنے سے باہر کا ابداً محتاج نہیں۔ اور پھر یہ سب کچھ از قبیلِ اشارات و رموزات نہیں ہے جیسا کہ اربابِ نکات و دقائق کا طریق استنباط ہے، بلکہ صاف صاف اور کھلا کھلا بیان جو فقہاء کے طریقِ استنباط اشارۃ النص سے کہیں زیادہ واضح و ظاہر ہے۔ اور اگر رموز و اشارات و تلمیحات کا طریق اختیار کیا جائے تو پھر خاص خاص آیتوں کو چھانٹنے کی کیا ضرورت؟ پورے قرآن میں بجز اس ایک ذکر کے اور کوئی ذکر ہی نہیں ہے!

وَكُلٌّ إِلَى ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيرُ [2]!

اگر غور کیا جائے تو فی الحقیقت یہ معاملہ بھی منجملہ مہماتِ خصائص و اعجازِ قرآن کے ہے۔ کسی پیغام کی صداقت جانچی نہیں جا سکتی، جب تک پیغام لانے والے کی صداقت و امانت نہ جانچی جا سکے اور وہ ممکن نہیں، جب تک اُس کی پوری زندگی اور زندگی کے وقائع و اعمال دنیا کے سامنے نہ ہوں۔ پس اس اعتبار سے آج تمام عالم میں اگر کوئی صحیفۂ آسمانی ایسا ہے جو اپنے لانے والے کی زندگی کے وقائع و سوانح ہر زمانے اور ہر عہد میں خود اپنی زبانی سنا دے سکتا ہے تو وہ بحکم هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ [3] بجز قرآنِ حکیم و محفوظ کے اور کوئی نہیں، اس کے علاوہ جس قدر کتبِ سماویہ (فِيْمَا اعْتِقَادُنَا أَوْ فِي زَعْمِهِمْ) موجود ہیں وہ یا تو اپنی صداقت کی اور ساری باتوں کی طرح اس بارے میں بھی بالکل خاموش و منظلم ہیں، حتیٰ کہ اپنے لانے والوں کے وجود کے اثبات سے بھی عاجز، اور اگر اس کی شخصیت کا ذکر کرتی بھی ہیں، تو ایسے مجہول و سراپا شکوک و ارتیاب

---

[1] سورہ آلِ عمران، آیت نمبر ۱۶۴ نیز سورہ جمعہ آیت نمبر ۲ میں یہ مضمون آیا ہے

[2] شاعر کے نام کا پتا نہیں چل سکا۔ مصرعِ اولیٰ یہ ہے: عباراتنا شتّٰی و حسنک واحد [3] سورہ جاثیہ آیت نمبر ۲۹

شکل میں جس سے اثبات کی جگہ اور زیادہ سلب و نفی کا یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ آج دنیا میں شہرت و تواتر، حفظ و روایت، اور توارثِ اسناد و قرأت، و تعامل کردۂ ہا نفوسِ عالم نسلاً بعد نسلٍ و حیناً بعد حین، و تلاوتِ اوقاتِ عمر لیل و نہار (فضلاً عن تلاوۃ و تدبرہٖ فی کل حین و آن) کے اعتبار سے صرف یہی ایک کتاب قطعی و یقینی اور محفوظ و غیر مبدل ہے۔ بحیث لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ[1] و اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ[2] و بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ[3] و فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ[4] و غَیْرَ ذٰلِكَ مِنْ قَوَاطِعِ الْحِفْظِ وَالصِّیَانَةِ، اور اسی علیٰ وجہ الارفع اسم و علم "الکتاب" کا مستحق اور کوئی نہیں، تو پھر ظاہر ہے کہ جس وجود و شخصیت اور اس کی حیات و سیرت، و اعلام اس کتاب کے اندر ہوگا، اس کے وجود و سیرت سے بڑھ کر سماء دنیا کے نیچے اور کون سی انسانی ہستی قیامت تک کے لئے اثبت و اقوم ہو سکتی ہے؟ اور دنیا اپنی ہدایت کے لیے اگر کسی انسان کے آگے جھک سکتی ہے، تو اس انسانیتِ کبریٰ و عبدیتِ اعلیٰ و بشریتِ واحدہ کے اور کون انسان ہے، جس پر آنکھوں سے دیکھنے والوں کی طرح ہمیشہ یقین کیا جا سکتا ہے؟ اور جس پر ایمان لانے کے لیے پچھلی امتیں اور نسلیں پہلوں کی طرح قطعی و یقینی روشنی رکھتی ہیں؟ اور پھر جس وجود کی سیرت و حیات قیامت تک کے لیے اس طرح محفوظ و ثبت کر دی گئی ہو، اُن نقوشِ غیر فانی کے جو صفحۂ عالم پر ثبت ہیں، اور جس کی زندگی کے وقائعِ طیبہ کو اس طرح سورج کی دائمی روشنی اور ستاروں کی یکساں سیر و مرکز کے دامن سے باندھ دیا ہو کیوں اس حاوی جسم و زمان میں اس کی موت و حیات یکساں ہو؟ اور کیوں آپ کی دائمی حیات و قیام کے عقیدہ سے انسان کے تاریک دلوں کو انکار اور غافل روحوں کو گریز ہو؟

دائرہ حقیقتِ محمدیہ

فی الحقیقت یہی معنی ہیں دیگر صدہا معانی و حقائقِ ثابتہ کے ساتھ اس رفعِ ذکر کے کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ[5] اور یہی وہ مقام ہے کہ جب اصحابِ کشف و مشاہدات کے سامنے کھلا تو انہوں نے "حقیقتِ محمدیہ" کے احاطۂ حیات اور عدمِ زوال و بقاء و استمرار کو تمام انبیائے کرام کے حقائقِ تعینات سے مافوق، اور بوجہ دائرۃ الدوائر اور مرکزِ ادوارِ تعینات مابعد اور نقطۃ الحیات فی الاصل و الحقیقت ہونے کے تمام انوارِ تعینات و وجود کو اس کی نورانیت کے سامنے بے فروغ و ماند پایا۔ اور اسی لیے شیخ اکبر نے اس کو تعینِ اوّل اور موردِ صحیح اصطلاح "عقلِ اوّل" کا قرار دیا اور پھر انسانِ کامل" اور "روحِ اعظم" اور "نفسِ واحدہ"، اور "قلم الاعلیٰ" اور "نور الانوار" اور "نفس الکائنہ" سے بھی اس کو تعبیر کیا گیا کہ بلحاظِ بقاء ذکر و دوامِ فیضان و حیات وہی ایک الانسان الکامل روح الاعظم اور النفس الواحدہ والکائنہ ہے اور حیاتِ معنویۂ مستمرۂ نوع و ارض کی مرکزیت صرف اسی کو پہنچتی ہے اور اسی لیے قرآنِ حکیم نے صرف اسی وجود کو "العبد" سے تعبیر کیا کہ ساری عبودیتیں آئی گئی ہیں، مگر صرف یہی وہ عبودیتِ کاملہ واحدہ ہے جو ہمیشہ عباد و معبودین میں واسطۂ ہدایت اور ہمیشہ عبد کو معبود سے واصل کر دینے کے لیے حی و قائم ہے۔ قال العارف البوصیری

منزہ عن شریک فی محاسنہ
فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

---

[1] سورہ حٰم سجدہ، آیت نمبر ۴۲ [2] سورہ حجر، آیت نمبر ۹ [3] سورہ بروج، آیت نمبر ۲۱، ۲۲ [4] سورہ عنکبوت، آیت نمبر ۴۹
[5] سورہ انشراح، آیت نمبر ۴۔

اور چونکہ نوعِ انسانی کی سعادت و تنویر کا مرکز و مبدء وجود انبیائے کرام ہے جیسا کہ حقیقتِ محمدیہ بحکم وَجِئۡنَا بِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِيۡدًا[1] ان سب سے مافوق اور شمس و کواکب اور صباح و مصباح کے سلسلہ کا حکم رکھتی ہے اس لیے حیاتِ قائمہ و دائمہ کا نور الانوار اور مصباح المصابیح صرف وہی دائرہ ٹھہرا، اور اسی لیے شیخ اکبر و جیلی نے اس کو "حقیقت الاسمائیہ" اور "لوحِ محفوظ" سے بھی تعبیر کیا۔ سبحان اللہ! یہ آخری تسمیہ و تعبیر کس درجہ ترجمانِ حقیقت و اوفق بالشرع والعقل ہے! دنیا میں جس قدر بھی ہدایت و تعلیم کی لوحیں تھیں، سب کے لیے تغیر و تبدل ہوا حتیٰ کہ آج کوئی بھی محفوظ نہیں، لیکن اللہ اکبر مقامِ محمدی کی محفوظیت و مصئونیت کہ اس کی سیرتِ طیبہ اور حیاتِ حیہ و قائمہ کی لوحِ محفوظ کا ایک نقطہ بھی محو نہ ہو سکا، اور قرآن محفوظ وَكِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ فِىۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ[2] اور فِىۡ صُدُوۡرِ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ[3] میں اس کا ایک ایک حرف، ایک ایک نقطہ اسی طرح نقش و ثبت ہے اور ہمیشہ رہے گا، جس طرح قلمِ ازل نے اوّل صبحِ تعیّن کی کرنوں سے لکھ دیا تھا۔ پس قرآن کے بعد اگر کوئی اور ہستی "لوحِ محفوظ" ہو سکتی ہے، تو وہ صرف وہی روحِ اعظم و خالد ہے جس کے ذکر کو خود قرآن نے اپنی آغوشِ حفظ و صیانت میں ہمیشہ کے لیے لے لیا ہے۔ حضرت سید العارفین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اگرچہ بعض کم فہموں نے اس کی ضمیرِ متکلم کو نہ سمجھا اور ایک دوسری ہی وادی میں لے گئے، اور یہ آفت عام و اعم ہے:

اَفَلَت شموس الاولین و شمسنا
ابدًا علیٰ افق العلا لا تغرب

حضرت والد[4] مرحوم نے اس ملفوظِ مبارک پر ایک دوسرا پیش مصرع لگا کر مطلب واضح کر دیا ہے۔ یہ ان کے طول طویل قصیدہ بائیہ میں سے ہے:

شمس تقادم قبل آدم طلعها
ابدًا علیٰ افق العلا لا تغرب[5]

اور یہ جو بعض اکابر نقشبندیہ علی الخصوص حضرت مجددِ سرہندی رحمۃ اللہ علیہم نے اپنے علومِ کشفیہ میں ظاہر کیا کہ دائرہ حقیقت محمدیہ سیرِ قدمی کی آخری حد ہے، اس کے بعد صرف سیرِ نظری کی گنجائش ہے۔ وَهُوَ مِنۡ خصائصه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ۔ اور نیز تمام اصحابِ احوال و کشوف بھی اس پر متفق ہوئے، تو حقیقت اس کی بھی یہی ہے کہ چونکہ حقیقتِ محمدیہ روح و حیات کا آخری نقطہ اور سرچشمہ قرار پائی، تو لاجرم سیر و اقدام کی آخری منزل بھی وہی ٹھہری۔ اس کے بعد جو کچھ ہے، مافوق اور وراء الورا سے تعینات ہے۔ اس لیے نہ سیر کی وہاں گنجائش، نہ قافلۂ طلب اور محملِ شوق کا وہاں گزر، بلکہ طائرِ فکر و مرغِ خیال بھی اس کی فضائے لاتعین میں درماندہ و پر و بال سوختہ:

اے بروں از وہم و قال و قیل من
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من![6]

والکلام فی ھذا یطول و لہ موضع غیر ھذا الموضع الذی نحن فیہ۔ اور یہ جملہ معترضہ

---

[1] سورہ طور، آیت نمبر ۲، ۳۔ [2] سورہ عنکبوت، آیت نمبر ۴۹ [3] والد سے مراد مصنف (مولانا آزاد) کے والد مولوی خیر الدین ہیں۔
[4] یہ شعر مولوی خیر الدین کا ہے۔ [5] مولانا روم کا شعر ہے۔

بھی جو بجد فصل وخلل ربطِ مطالب پہنچ گیا، تو اس لیے کہ مذکور کی جاذبیت ومحبوبیت سے ذکر و ذاکر کی بیخودی ومحویت ناگزیر ہے، اور اشارات کا طول وقصر مشارٌ الیہ کے جذب وکشش پر موقوف۔ پھر جس مذکور ومقصود کا یہ حال ہو کہ بقولِ صاحبؒ فتوحات مکیہ"

یا من ھو للقلوب مقناطیس

اور اس دنیا میں ذکر صرف اسی کا ذکر اور بات صرف اسی کی بات ہو۔ اس کے سوا جو کچھ ہو، یا اسی کی طرف مصروف ومحمول ہو اور یہ نہ ہو تو پھر بیخودی وبے حاصلی، اتلاف صرف ضیاعِ محض۔

اوقات ہماں بود کہ با یار بسر رفت　　　باقی ہمہ بے حاصلی و بے خردی بود

تو کیوں کر ممکن ہے کہ عنانِ قلم از دست رفتہ نہ ہو، اور سر رشتۂ فکر وشغل دامنِ صبر وشکیب کی طرح ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔

ولی دکوت فی ذکرہ تستعرني　　　لہا بین جلدی والعظام دبیب

ذکر سیرت نبویہ ماخوذ ومستنبط از قرآن کی نسبت تھا۔ سو الحمد للہ وہ امید وگمان سے بھی وہ چند اوسع واکمل مرتب ہو گئی۔ ودأیت فیہ مالا عین رأت ومالا اذن سمعت انسانوں کی ترتیب دی ہوئی ساری سیرتیں اور تاریخیں ایک طرف اور خود لسانِ الٰہی کا ایک کلمۂ منطوقہ ومحفوظہ ایک طرف تعجب ہے کہ اصحابِ سیر نے باوجود کمالِ سعی ونظر اور مشغولیت بجمع طرق وترتیبات سیرت اس طرف کیوں توجہ نہ کی؟ جب تک یہ چیز مرتب نہیں ہوئی تھی، خود اپنا حال بھی دوسرا تھا۔ اور اب جو دیکھا، تو کارخانہ ہی دوسرا نظر آیا۔

تمام بود بہ یک حرف گرم و ما غافل
حکایتے کہ ہمہ ناتمام می گفتند[1]

معہذا،

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی[2]

---

[1] عرفی کا شعر ہے۔ پہلے مصرع میں گرم کی جگہ ختم ہے۔ [2] سعدی کا شعر ہے۔ کلیات میں پہلا مصرع اس طرح ہے
نہ حسنت آخرے دارد، نہ سعدی را سخن پایاں۔

مدینۃ الرسولؐ، بزبان محمد رسول اللہؐ

محمد مسعود عبدہٗ　　　　ترجمہ : مسعود مشہدی

قوسین میں تعارف کے تمام الفاظ کتب احادیث سے منتخب کرکے براہِ راست آپ کی طرف منتقل کئے جا رہے ہیں جس طرح رب السماوات والارض کی الوہیت اول و آخر ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تا قیامت زمان و مکان کی تمام حدود سے بالا زندہ و تابندہ ہے۔ وقت کو صدیوں کے نام سے پکارا جائے یا سالوں اور مہینوں کے نام سے۔ بحوالہٗ رسالت اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے جس لفظ یا جملے کو زندگی نصیب ہوئی۔ وہ تا قیامت زندہ ہے۔ گویا ہے۔ توانا ہے۔ زمین و آسمان کی وسعتیں اُس کی محافظ ہیں۔ بسیط فضاؤں میں آوازوں کو محفوظ کرنے والی لہریں انہی مقدس آوازوں کی امین ہیں۔ افضل البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر خطاب براہِ راست ہر دور، ہر مقام اور ہر نسل کے انسان کے ضمیر سے ہے۔ روح سے ہے! یہ دوسری بات ہے کہ جن کے ضمیر دنیا کی خواہشوں کے طلسمی سمندر میں غرق ہو چکے ہیں، یا جن کی روحیں بدن کی آسائشوں اور لذتوں میں مقفل ہو چکی ہیں۔ وہ نہ انہیں سن سکتے ہیں۔ نہ ہی ان کی حلاوتوں، برکتوں اور سکون بخش اثرات سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

ارشادات "میرے جسد میں استعمال ہونے والی خاک کو اسی شہر نور (مدینہ) کی خاک کا وہ حصہ ہونے کا شرف حاصل ہے جہاں میری آخری آرام گاہ ہے" علیہ التحیۃ والسلام

یہ میرے اللہ کی سچائی کا ثبوت ہے۔ "ومنہا خلقنکم وفیہا نعیدکم" ہم نے تمہیں (مٹی) سے پیدا کیا ہے۔ اور اسی میں تمہیں لوٹا دیں گے! یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اصول غیر متبدل ہے کہ جب کسی کو اس کی مقررہ سرزمین پیدائش میں مقام مدفن پہ لے جانا ہو، تو اس کے لئے ایسے اسباب مہیا کر دیتے ہیں کہ وہ انجانے طور پر وہیں منتقل ہو جاتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ کا یہ ضابطہ اس بات کا گواہ ہے کہ میرے لباس بشریت کو میری آرام گاہ کی خاک سے ہی مزین کیا گیا اور مکہ سے ہجرت کے بعد اسی شہر کو میرا دارالہجرت طے فرمایا۔ "میرے دارالہجرت میرے حرم، میرے شہر، جس کے لئے میں نے دعا مانگی" "اے اللہ مدینہ (منورہ) کی محبت کو ہمارے دلوں میں فزوں تر فرما۔ مکہ معظمہ کی محبت سے بھی زیادہ" مدینہ منورہ کو میری اس دعا کی برکتوں کا بھی فیض حاصل ہو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ ابراھیم نبیکَ وَخلیلکَ دعالکَ لِاَھلِ مکّۃ" اے اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے نبی اور بڑے مخلص ترین دوست تھے۔ انہوں نے شہر مکہ کے لئے تم سے دعا فرمائی اور آپ نے قبول کی۔ اَنا نبیکَ و رسولکَ وَعبدکَ ادعوکَ لِاَھلِ مدانیتہ۔ یا اللہ میں تیرا نبی، تیرا رسول، تیرا بندہ اہل مدینہ کے لئے دعا گو ہوں۔

اللّٰھُمَّ بَارِکْ لَھُم۔ اے اللہ ان کی زندگی کو اپنے بے پایاں انعامات و برکات سے نواز۔ فِیْ مُدِّھِمْ ان کے ناپ تول کے پیمانے "مُد" میں (لغات میں اسی لفظ کا ایک اور مفہوم بھی ہے جس کا مقصد ہے) ان کی زندگی کے مقررہ ایام میں وَصَاعِھِمْ اور ان کے ناپ تول کے پیمانے صاع (اس کے دوسرے معنی ہیں کوششوں کا مقصد) میں برکت عطا فرما۔ وَقَلِیْلِھِمْ وَکَثِیْرِھِمْ اور ان کے تھوڑے یا زیادہ اعمال کو خیر سے بھرپور فرما دے۔ آمین ثم آمین۔ میری اس دعا کی مقبولیت کا شرف اس شہر کو حاصل ہے۔ میں نے اپنے اللہ سے دعا کی۔ "ضعفی ما بورکت لاھل مکہ" اور جتنی برکتوں سے تو نے اہل مکہ کو نوازا۔ اپنی نوازشیں اہل مکہ سے زیادہ اہل مدینہ پر نازل فرما۔ میں نے اللہ سے دعا مانگی "اللّٰھُمَّ ارزقنا من ثمرات الارض" اے اللہ میرے حرم کی سرزمین پر رہنے والوں کو زمین کے ثمرات سے فیضیاب فرما۔ میں نے اپنے دارِ قرار کے لئے اور یہاں کے رہنے والوں کے لئے دعا کی۔ اللّٰھم اجعل لنا بھا قراراً ورزقاً حسنا اللہ ہمیں یہاں سکون دل کے ساتھ قرار عطا فرما۔ اور اس سے اعمال حسنہ کا رزق عطا فرما۔ اور دل کے کانوں سے سنو۔ اِنّ اللہ جعل المدینۃ ھما جری وَبھا مضجعی ومنھا مبعثی اس سے بڑھ کر زمین کے کسی حصہ کو اور کیا خوش نصیبی اور عظمت نصیب ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مدینہ منورہ کو میرا ہجرت کا گھر بنایا۔ اور اسی میں میرا آخری مقام استراحت ہے۔ اور اسی شہر کو یوم حشر میرے قیام کے لئے منتخب فرمایا۔ فحق علی امتی حفظ جیرانی ما اجتنبوا الکبائر فمن حفظ فیھم حرمتی کنت لہ شفیعاً یوم القیامۃ لہٰذا میری امت کو میرے پڑوسی ہونے کا حق ادا کرنا چاہئیے اور یہ بھی ضروری ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کریں۔ اور جو شخص بھی اس احترام کا پاس اپنا شعار بنائے گا۔ قیامت کے دن اس کی شفاعت کا میں ضامن ہوں۔

یہی شہر مدینہ جو مجھ سے پہلے یثرب کہلاتا تھا یعنی اذیتوں کا مقام۔ جہاں وبائیں عام تھیں۔ جہاں لوگوں کے ذہنی اور قلبی اوہام کی بیماریوں کا یہ عالم تھا کہ ثنیۃ الوداع کے قریب آ کر اس سے آگے بڑھنے سے پہلے اگر کوئی شخص گدھوں کی طرح تین بار ڈھچکوں ڈھچکوں بآواز بلند نہیں چلاتا تھا تو وہ اپنے آپ کو ان بیماریوں سے محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ جہاں احترام آدمیت کے مفہوم سے بھی لوگ ناواقف تھے۔ جہاں سود خور یہودیوں کے ہاتھوں میں نادار لوگوں کی جانیں تھیں۔ جہاں ظلم و استبداد کے شکنجے میں نیم جان انسانی لاشیں تڑپتی تھیں۔ میری دعا نے انہیں ان سب سے نجات دلا دی۔ یاد رکھو میرے حرم کی سرزمین انبیاء کی سرزمین ہے۔ اور اب اگر میرے امتی کی زبان سے بھول کر بھی اس سرزمین کا نام یثرب نکل جائے تو اسے چاہئیے کہ دس بار مدینہ منورہ کہے۔ بلکہ تین بار استغفر اللہ کہے۔ وَمن سمی المدینۃ یثرب فلیستغفر اللہ وَھی طابہ اور یقین کرو کہ مدینہ منورہ مقام راحت و مسرت ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو وہیں مدفون فرماتے ہیں جو جگہ اسے زیادہ پیاری ہو، اور مجھے مدینہ منورہ کی زمین سے بے پناہ محبت ہے۔ اور اس محبت کو میں نے اپنے اللہ سے مانگ کر لیا ہے۔ تمہارے ایمان کی کسوٹی اسی محبت کو قرار دیا جاتا ہے۔ تم میں سے جو بھی صاحب ایمان ہو گا۔ وہ مدینہ منورہ کی طرف یوں دوڑ کر آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں دوڑ کر داخل ہوتا ہے

مجھے اس سرزمین سے اتنی محبت ہے کہ میں نے اسی میں زندگی بھر بسیرا کرنا اور اسی میں اپنی آرام گاہ کا انتخاب کرنا سب سے زیادہ عزیز جانا۔ اور یاد رکھو، جو بھی میرے اس شہر ایمان میں ٹھہرنے کے ایام میں موسم یا حالات کی سختیوں کو برداشت کرتے ہوئے صبر کرے گا۔ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کا وعدہ کرتا ہوں۔

یاد رکھو۔ "ان اللہ قد نجا ھذہ الجزیرۃ من الشرک" اللہ تعالیٰ نے اس جزیرہ کو شرک سے پاک فرما دیا۔ اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ "ان المدینۃ تنفی خبث الرجال" مدینہ منورہ کا قیام انسان کی اندرونی خباثتوں (INTERNAL EVILS) اور بیرونی بُرے ماحول کی اثر پذیری سے اس طرح صاف کر دیتا ہے جیسے لوہار کی دہکتی ہوئی بھٹی لوہے کو زنگ اور کھوٹ سے صاف کر دیتی ہے۔ "المدینۃ کالکیر تنفی خبثھا و تنصع طیبھا" نہ صرف بدخوئی اور بدکرداری سے انسان کی اندرونی شخصیت کو سنوارتا ہے۔ بلکہ اچھے اعمال کی خوبصورتی کا جمال بھی بخشتا ہے۔

خبردار "من اراد اھل ھذہ البلدۃ بسوءٍ (یعنی مدینہ منورہ) اذابہ اللہ تعالیٰ کما یذوب الملح فی الماء" جو بھی اہل مدینہ سے بدسلوکی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے یوں ملیامیٹ کر دیں گے جس طرح پانی نمک کو تحلیل کر دیتا ہے۔ اور سن لیجئے۔ "اللھم من ظلم اھل المدینۃ و اخافھم فاخفہ و علیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ۰ لا یقبل منہ صرف و عدل" اے اللہ جو شخص بھی اہل مدینہ پر ظلم کرے یا ان کو دہشت زدہ کرے تو آپ اس کو خوف زدہ فرما دینا۔ اور لعنت ہو اس پر اللہ کی اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی۔ اور میرے اللہ اس کے نوافل و صدقات اور عبادات (صرف) اور اچھائیاں سب باطل قرار دے دینا۔

ضمانت تحفظ "علی انقاب المدینۃ ملائکۃ یحرسونھا لا یدخلھا الطاعون ولا الدجال" فرشتے مدینہ منورہ کے پہاڑوں میں واقع خصوصی راستوں پہ متعین پاسبانی کر رہے ہیں۔ تاکہ طاعون اور دجال کی مدافعت کر سکیں۔ یکہ یوں کہئے کہ "لیس من بلد الا سیطؤھا الدجال الا مکۃ والمدینۃ" شہروں میں سے دجال کی پیش رفت صرف دو شہروں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بیرونی حدود تک رہے گی۔

یوم نجات "یا اھل المدینۃ اذکروا یوم الخلاص" اہل مدینہ اس یوم نجات کی تفصیل سن لو۔ اس دن دجال تو مدینہ منورہ کی مخصوص حد کے باہر ہوگا لیکن مدینہ منورہ حد حرم تک تین بار تھر تھرائے گا۔ اس کیفیت سے متاثر ہو کر منافق، مشرک، فاسق و فاجر اور بدطینت لوگ مدینہ منورہ سے نکل کر دجال کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اس طرح مدینہ منورہ کی حدود حرم کو تمام گمراہ لوگوں سے پاک صرف نیک، متقی، مومن اور مومنات کا بسیرا ہونا نصیب ہوگا۔ بس یہی دن یوم نجات (یوم اخلاص) ہوگا۔

اس تعارف کی روشنی میں ابوالیمن ابن عساکر، عقیل حنبلی، علامہ نوری اور بہت سے دوسرے علمائے متقدمین المحقق ابن امام الکاملیۃ لکھتے ہیں۔ "والحق ان مواضع الانبیاء وارواحھم اشرف من کل ما سواھا من الارض والسماء" سچ بات تو یہی ہے کہ آسمانوں کا وہ حصہ جہاں انبیاء کرام کی روحوں کا بسیرا ہے۔ اور زمینوں میں جہاں انبیاء کرام کے اجسام استراحت فرما ہیں۔ وہی آسمان اور زمین میں دوسرے مقامات کے مقابلہ میں قابل تکریم ہیں۔ لیکن مدینہ منورہ کو بطور خاص عبادات کی فضیلت بھی حاصل ہے یہاں ہر روز ہر لمحہ امت مسلمہ کے درود و سلام کے ہدیے، افواج در افواج کی طرح بارگاہ نبوی میں پیش ہوتے ہیں۔ یہاں ہر پل اور ہر گھڑی رحمت کے فرشتوں کی آمد و رفت کا سلسلہ غیر منقطع رہتا ہے۔ یہ وہ مقام فضیلت ہے جس کی گلیوں میں اب بھی ایسی خوشبو کے جھونکے پھرتے ہیں۔ جو اپنی کیفیت انگیزی میں بالکل منفرد ہے۔ اور یاد رکھئے۔ حرم نبوی وہ مقام ادب ہے جسے ارض اللہ کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا" طاغوتی طاقتوں کو

اپنے اعمال و ایمان کے درمیان دیواروں کا بہانہ بنانے والو۔ کیا اللہ کی زمین اتنی وسیع نہ تھی کہ تم اس کی طرف ہجرت کر جاتے؟ جس طرح ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب اکرام کے ساتھ مکہ سے اس لئے ہجرت کی کہ عبادات الٰہیہ میں قریشی مخالفت حائل تھی۔ لہٰذا۔ ہمارے نبیؐ نے۔ عملی طور پر تمہاری راہ نمائی کرتے ہوئے تمہیں بتا دیا کہ ایسے حالات میں تمہیں اپنے سیم و جان کی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو آئین الٰہیہ کے ترجمان ہیں) کو مقصود بنا کر۔ کسی ایسی جگہ چلے جاؤ۔ جہاں تم اپنے اعمال حسنہ کے حسن کو اتنا وہ بالا کر سکو کہ لوگ خود بخود اس سے متاثر ہو کر اپنی زندگی کے صحیح مقصد کی طرف مائل ہو جائیں۔ ہمارے رسولؐ کا یہ شہر۔ اللہ کی وہ زمین ہے جو مثالی ہے۔ اس کا دوسرا نام اسی لئے :۔

۳ ۔ دارالھجرت :۔ رکھا گیا۔ تاکہ اس کا نام سنتے ہی، اس کی یاد آتے ہی، تم جہاں کہیں بھی ہو، اس طریق نجات کو اختیار کر سکو۔

۴ ۔ آکالۃ البلدان :۔ اس شہر کا نام بھی تمہارے علم میں ہونا چاہیئے۔ اس شہر کو اللہ تعالٰی نے دنیا کے تمام شہروں کے مقابلہ میں جلال و جمال کے اعتبار سے ممیز او ربلند فرمایا ہے۔ اسی طرح تمام بستیاں۔ اس بستی کے مقابلہ میں پست کر دی گئی۔

۵ ۔ اکالۃ القری :۔ حدیث نبوی میں ہے "امرت بقریۃ تاکل القری" ہم نے اس قریہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے محاسن کے اعتبار سے دوسری بستیوں پر غالب آ جائے۔

۶ ۔ الایمان : اللہ تعالٰی نے انصار کے اعمال حسنہ کی تائید میں فرمایا "والذین تبوؤالدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم" اور وہ لوگ، انصار کی ان خصوصیات کو ایمان پر در گذر ل دائمی علامت قرار دیتے ہوئے مدینہ منورہ کو اس نام سے نوازا گیا۔

۷ ۔ ۸ ۔ البارۃ والبرۃ ۔ یہ شہر نیکیوں اور بھلائیوں کا وہ مرکز ہے جس سے نیکیوں اور اعمال حسنہ کی نورانی شعاعیں ابھریں اور پھیر تمام دنیا کے اندھیرے دلوں کو منور کر گئیں۔

۹ ۔ ۱۰ البحرۃ اور البحیرۃ ۔ یوں کہہ لیجئے کہ مدینہ منورہ ایک گہری جھیل ہے جس سے حسن اعمال کے لطیف بخارات آسمان کی بلندیوں کی طرف اٹھتے اور پھر بادلوں کی صورت میں تمام روئے زمین پر اپنی برکات برسا رہے ہیں!

۱۱ ۔ البلاط ۔ یہ وہ شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی ہر راہ جس کا ہر فرش، مرمریں فرش کی طرح ہموار ہے۔ جس پر چلنے والے کو ٹھوکر کھانے کا مطلق امکان نہیں۔

۱۲ ۔ البلدۃ ۔ اللہ تعالٰی نے اسی شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں "لا اقسم بھذا البلد" ہم اس شہر کی قسم کھاتے ہیں۔ عربی لغت میں "مبلد" بستیوں کی صدر بستی کو کہا جاتا ہے۔

۱۳ ۔ بیت الرسولؐ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں "کما اخرجک ربک من بیتک بالحق"
(سورۂ انفال آیت نمبر ۵) مفسرین اس آیہ کریمہ میں بیت سے مراد۔ مدینہ منورہ ہی لیتے ہیں۔ کیونکہ اسی میں

آپ ہجرت کے بعد ہمیشہ مکین رہے۔

۱۵-۱۴ - تندد اور تندد - یہ دونوں نام بھی وفا ء الوفا (سمہودی) میں مذکور ہیں۔ بجلی کی کڑک کی طرح کفر کو مرعوب کرنے والا شہر۔

۱۶ الجابرۃ - حدیث نبوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "للمدینۃ عشرۃ اسماء" سمیت به لانها تجبر الکسیر، وتغنی الفقیر وتجبر علی الاذعان لسطالته برکاتها، وشهودا یاتها وتجبر البلاد علی الاسلام -

مدینہ منورہ کے دس ناموں میں سے ایک نام یہ بھی ہے اور اس کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ برائیوں کی نیت سے جبر کرنے والوں کی طاقت کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اور محتاجوں کو غنی بنا دیتا ہے اور شعور انسانی کو برکات الہیہ کے الہام اور آیات الہیہ کے مشاہدہ کی استعداد عطا کرتا ہے اور دوسرے شہروں کو اخلاقی طور پر اسلام کے اصولوں کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

۱۷ - جزیرۃ العرب - اس نام سے یہ شہر اس وقت منسوب ہوا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلے تو پلٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان الله برأ هذه الجزیرة من الشرك" اللہ تعالیٰ نے اس جزیرہ کو شرک سے مبرا فرما دیا۔

۱۸ - الجنۃ الحصینۃ - غزوہ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انا فی جنة الحصینه" میں مضبوط بازوؤں کی حفاظت میں ہوں۔

۱۹ - الحبیبۃ - گویا یہ شہر مدینہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حبیب کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۰ - الحرم - حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے "انها حرم امن" یہ شہر حرم امن ہے۔

۲۱ - حرم رسول اللہ - اس نام سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارتے ہوئے فرمایا۔ د ومن اخاف اهل حرمی اخافه الله (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے میرے اہل حرم کو ڈرایا، اللہ تعالیٰ اسے خوف زدہ کریں۔

۲۲ حسنہ - مدینہ منورہ حسنات (نیکیوں کا منبع ہے) کا گھر ہے۔

۲۳ - الخیرۃ - انوار میں اتنا درخشاں کہ دیکھنے والے کی آنکھیں چندھیا جائیں۔

۲۴ - الخیرۃ - بھلائیوں میں یہ شہر مکہ معظمہ سے بڑھ کر ہے "حدیث المدینۃ خیر من المکۃ" -

۲۵ - دار الابرار - نیک لوگوں کا گھر

۲۶ - دار الاخیار - بھلائیاں بانٹنے والوں کا گھر

۲۷ - دار الانصار - بھلائیوں کی امداد کرنے والوں کا گھر

۲۸ - دار الایمان - ایمان و یقین سے آباد گھر

۲۹ - دار السنہ - وہ گھر جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال حسنہ کی یادوں کا خزانہ ہے۔

۳۰ - دارالسلامہ - وہ گھر جس میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔

۳۱ - ذات الحجر - محفوظ چار دیواری والا شہر جہاں نیکیوں کو پناہ ملتی ہے۔

۳۴ - الطابہ } قلبی مسرتیں بخشنے والا گناہوں کی بدبو سے پاک و صاف،

۳۵ - الطیبہ } اخلاق حسنہ سے معطر شہر

۳۷ - ذات الحواد - رگوں میں اعمال حسنہ کے لئے لہو گرم رکھنے والا شہر

۳۸ - ذات النخل - سرسبز و شاداب درختوں کا شہر

۳۹ - السلفۃ - فتح و کامرانی کا مرکز شہر

۴۰ - سیّدۃ البلدان - شہروں کا سردار شہر

۴۱ - الشافیہ - انسان کو روحانی اور جسمانی بیماریوں سے شفا بخشنے والا شہر۔ حدیث نبوی " التوابہا شفاء من کل داءٍ"
اس کی مٹی شفا بخش ہے۔

۴۲ ظیاب - مستطیل قطعہ زمین ۔

۴۳ العاصمہ - قدیم امن بخش مقام جہاں موسیٰ علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کے لشکر مقیم ہوئے اور حضور اکرم نے فرمایا۔
" لا یدخلہا الدجال ولا الطاعون" اس شہر میں دجال اور طاعون کا گزر نہیں ہو سکے گا۔

۴۴ - العذراء - قدیم ظالم و جابر لوگوں کے غلبوں کو کالعدم قرار دے کر امن و سلامتی کا آزاد شہر۔

۴۵ - العراء - بغیر کوہان کے اونٹنی کی طرح خوشنما

۴۶ - الغراء - گھوڑے کی پیشانی پہ سفیدی، ہر چیز کا ابتدائی اور معظم حصہ، صبح کی وہ روشنی جو سورج کے آغاز سفر پہ نظر آتی
ہے۔ سفید اور وجیہ چہرہ کے انسانوں کی بستی ۔

۴۷ - العروض - مدینہ منورہ کو عروض کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ نجد کی تمام بستیاں خط مستقیم کی طرح طول میں اور مدینہ
منورہ ان کے کنارہ پہ واقع ہے ۔

۴۸ الغالبۃ - وہ بستی جو اپنے محاسن کے ساتھ دنیا کی تمام بستیوں پر فوقیت یا غلبہ پائے ہوئے ہے۔

۴۹ - الفاضحہ - خالص اوصاف انسانیت بخشنے والی جس میں کسی قسم کی کھوٹ نہ رہ جائے۔ شہر مدینہ

۵۰ - القاصمہ - بدارادہ لوگوں کی کمر توڑ دینے والا شہر

۵۱ - قبۃ الاسلام - حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: " المدینۃ قبۃ الاسلام

۵۲ - قریۃ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم } اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بستی۔

۵۳ قلب الایمان - مدینہ منورہ ایمان کا دل ہے۔

۵۴ ۔ المومنة ۔ حدیث نبوی ہے "والذی نفسی بیدہٖ ان تربتھا المومنة" جس اللہ کے ہاتھ میں میری
جان ہے۔ مجھے اُس کی قسم مدینہ منورہ کی مٹی بھی صاحب ایمان ہے۔

۵۵ ۔ المبارکه ۔ ان تمام برکات سے لبریز شہر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ معطی و مغنی سے مانگی تھیں۔

۵۶ ۔ مبوالحلال و الحرام ۔ حلال روزی کس طرح کمائی جاتی ہے۔ حرام سے کس طرح بچا جاتا ہے اور پھر ان اصولوں کو کس طرح معاشرہ
میں مستحکم کیا جاتا ہے۔ اس کی عملی مثالوں سے بھرپور شہر۔

۵۷ مبینۃ الحرام والحلال ۔ حلال کسے کہا جاتا ہے۔ حرام کا مفہوم کیا ہے۔ اس کی وضاحتوں کا مثالی شہر۔

۵۸ ۔ المحبه ۔ اسلام کے قدیم زمانے میں اس شہر کو ان ناموں سے بھی پکارا جاتا تھا۔ گویا یہ شہر محبتوں کا شہر ہے۔ جہاں

۵۹ ۔ المجسبه ۔ اللہ کی محبت ہے اس کے رسولؐ کی محبت ہے۔ اچھے اعمال کی محبت ہے۔ انسانوں کے آپسی رشتوں کی

۶۰ ۔ المحبوبه ۔ محبت ہے۔ یہاں کی فضاؤں میں محبت ہی محبت ہے۔

۶۱ ۔ المحبورة ۔ اس شہر اور حدود حرم کی زمین سے اگنے والے ثمرات اور نعمتیں دنیا کے تمام ارضی ثمرات سے افضل ہیں۔

۶۲ ۔ المحرمة، ۶۳ ۔ المحفوظة، ۶۴ ۔ المحفوفة :۔ یہ قابل احترام ہے۔ یہ شہر مامون فساد ہے۔ یہ شہر محفوظ بلیات ہے

۶۵ ۔ المختارة :۔ اس شہر کو مختار و آزاد احساس عمل کا خمیر حاصل ہے۔

۶۶ ۔ مدخل الصدق :۔ اس شہر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچے اصولوں اور سچائی کے اجالوں کی مانگ بھرتے ہوئے
قدم بڑھائے۔

۶۷ ۔ المرحومة، ۶۸ ۔ المرزوقة، ۶۹ ۔ المسکینة، ۷۰ المسلمه، ۷۱ مضجع الرسول
صلی اللہ علیہ وسلم، ۷۲ المطیبه، ۷۳ المقدسه، ۷۴ المقر، ۷۵ المکنان، ۷۶ الموفیه

۷۷ ۔ الناحیه، ۷۸ نبلاء، ۷۹ الغر، ۸۰ الهذراء۔ ان اسماء کی وجہ تسمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ
کے سانسوں سے بے خار پھولوں کی پھلواریوں کی وہ لازوال خوشبو ہے۔ جو اس وقت سے آج تک زمین و آسمان کی وسیع تر وسعتوں مشرق
مغرب، شمال و جنوب کی آخری حدوں تک ہونے کے باوجود، اور صدیوں کا لمبا سفر طے کرنے کے بعد بھی اتنی ہی تر و تازہ اور شگفتہ تر ہے۔
جیسے توحید و رسالت کی پھلواری میں ابھی ابھی یہ پھول کھلا ہے۔ ہاں تنگ نظر، جھوٹی انا، تکبر، رنگ، نسل، زبان اور علاقائی تعصب کے مریض
قدیم و جدید کے فریب میں مبتلا دل اس وقت بھی اس خوشبو کے مسرت افزا اثرات سے محروم تھے اور آج بھی ہیں۔

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک ۔۔۔ دلیل کم نظری قصۂ جدید و قدیم

(اقبال مرحوم)

حدودِ حرم مدینہ

"ان ابراھیم حرم مکة ودعا لھا ودعا لاھلھا وانی حرمت المدینة کما حرم ابراھیم علیہ السلام مکة" ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کی حدود کو حرم قرار
دیا۔ اس کے لئے دعا کی یا اُن کے رہنے والوں کے لئے دعا کی" میں بھی مدینہ منورہ کے مخصوص علاقہ (سنت ابراہیم علیہ السلام)

کو حرم قرار دیتا ہوں۔ اور میرے حرم کی حدود "انی احرم ما بین لابتیھا "میں آبتین" پہاڑوں کے درمیان کی زمین کو حرم قرار دیتا ہوں" ان حدود میں شکار نہ کیا جائے اور سرسبز درختوں کو توڑا نہ جائے۔ لیکن جانوروں کے لئے' اونٹ، بکریوں اور بھیڑوں کے لئے انہیں توڑ کر دینا جائز ہے۔

لابتین سے مراد شرقی اور غربی علاقہ میں واقع پہاڑ ہیں۔ علاوہ ازیں حمی (چراگاہیں) جو مدینہ منورہ سے دس میل دور پر واقع ہیں۔ اس کے درمیان کے باغات اور جنگلات کو حرم قرار دیا گیا تھا۔ گو آج نہ وہ چراگاہ ہے' نہ ہی باغات لیکن وہ پہاڑ اب بھی موجود ہیں۔ اور ان نول کی بستیاں انہیں حدود میں ہیں۔ حدود حرم میں ایک دوسرے سے جھگڑنا' اسلحہ لے کر چلنا گالی دینا سب حرام ہے۔ ظاہری صورتوں کے مٹ لینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی ہے یہ حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "حکم" ہے اور وہ ہمیشہ جاری وساری رہے گا۔

غبار مدینہ

اور یاد رکھو" غبار المدینة شفاء من الجذام" مدینہ منورہ کی غبار میں کوڑھ کے لئے شفا ہے۔ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو حارث کے قبیلہ سے گزرے تو ان میں ایک شخص تپ محرقہ میں مبتلا تھا۔ انہوں نے عرض کیا۔ اصابتنا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھذہ الحمیٰ' عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے علاقہ میں اس بخار کا حملہ ہوگیا ہے۔ فرمایا بمقام صُعیب۔ تم سے کتنی دور ہے۔

عرض کیا — ہم سمجھے نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ وہاں کی مٹی لو اور تم میں سے کوئی ایک اُسے پانی میں گھول لے اور پھر یہ پڑھتے ہوئے بسم اللہ تراب ارضنا' بریق بعضنا' شفاء لمریضنا باذن ربنا" اُس کے جسم پر مل دے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور مریض کو اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرما دی!

اس کے بعد مدتوں تک یہی عمل اصحاب سلف میں رہا۔ اور سب کے سب شفا پاتے رہے۔ اسی طرح برص کی بیماری اور دوسری جلدی بیماریوں کے لئے اس مٹی کو تریاق پایا گیا۔ اور آج بھی وہ گڑھا جہاں سے لوگ مٹی لیا کرتے تھے۔ اس کے آثار موجود ہیں۔

اسی طرح جب کسی کو گہرا زخم آجاتا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مٹی اس پر لگاتے اور فرماتے "تراب ارضنا' شفاء لقرحنا باذن ربنا" ہماری زمین کی مٹی کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے زخموں کے لئے شفا بخش مرہم بنایا ہے"

مدینہ منورہ کی عجوہ کھجور

اسی طرح کھجوروں میں سے عجوہ کھجور (جو ایسی کھجور کا پھل ہیں۔ جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ میں اپنے مبارک ہاتھ سے بویا تھا۔ اس کھجور کے سات دانے سات دن کھانے والے پہ اگر آسیب ہو تو وہ دور ہو جاتا ہے اور آئندہ کبھی وہ ان ... اثرات سے متاثر نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ان فی عجوة العالیة شفاءً او انها تریاق اول البکرة" عجوہ کھجوروں میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہے۔ وہ سحر اور زہر دونوں کے لئے تریاق ہے۔ اور فرمایا الکماة من المن وماؤها شفاء للعین والعجوة من الجنة" کھمی اور ایک

چھتری نما برسات کے دنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفائے کامل ہے اور عجوہ جنت کے پھلوں میں سے ایک پھل ہے۔ اسی قبیل کا ایک درخت بیتیں کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا پھل اور اس کا رس، اس کا دھواں بھی صحت بخش تیرک ہے۔ اسی طرح مدینہ منورہ کے تمام درختوں کا پھل (موسمی) پھل بے گنت امراض کے لئے شفا ہے۔ جنہیں وہاں کے مقامی لوگوں نے استعمال کیا اور تجربوں کی روشنی میں اس کی تصدیق پائی اور پھر انہوں نے اسے آنے والی نسلوں کو ان کے فوائد سے آگاہ کیا۔

مدینہ منورہ کی فضیلت کی وجوہات اصحابہ کرامؓ اور اماموں نے اس طرح بیان فرمائی ہیں۔

۱ ۔ یہ وہ بستی ہے جس میں مکمل شفا اور رحمت سراپا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔ اور اس کی زمین کے ذروں کو شہداء کے اجسام مقدسہ کو محفوظ کرنے کا شرف حاصل ہے۔

۲ ۔ مدینہ منورہ وہ شہر ہے جس نے اقصائے عالم پہ تلوار سے نہیں، بلکہ قرآن حکیم کے احکامات پر عمل کرنے کے بعد اپنے اخلاق اور تعلیم کے ذریعے فتح کیا۔

۳ ۔ اللہ تعالےٰ کے مقرب فرشتوں اور ان فرشتوں کی صبح و مسا گزرگاہ جنہوں نے مجاہدین اسلام کی نصرت کی۔

۴ ۔ قیامت کے دن سب انسانوں سے زیادہ اعلیٰ صفات و کردار کے لوگ اسی مرکز دینِ قیم سے قیام کریں گے۔

۵ ۔ اسی زمین کے حصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کردہ دو مسجدوں کا شرف حاصل ہے۔ مسجد قبا اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس سرزمین کی مٹی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ مومنہ اور مسلمہ ہے۔

مسجد نبویؐ میں عبادت کا ثواب

فرمایا۔ من صلیّ فی مسجدی ھٰذا اربعین صلاۃ کتب لہ براءۃ من النار۔ جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں ادا کیں۔ اسے جہنم کی آگ سے نجات مل گئی۔

اور جس شخص نے رمضان شریف کے روزے رکھے تو اسے ایک ہزار روزوں کا ثواب اسی طرح ایک نماز جمعہ کا ایک ہزار جمعہ کا ثواب!

غرض یہ کہ جتنے بھی اعمال صالحہ انسان سے ہوسکتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں اسے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا جس کا ذکر کیا گیا ہے۔

جو شخص مدینہ منورہ میں وفات پائے گا۔ میری شفاعت اس کے لئے مقدر ہو گئی!

جو شخص قبر شریف کے پاس اور ستون المخلق کے پاس، منبر کے قریب، جنت البقیع، مسجد فتح میں ظہر کی نماز کے بعد چار دن ——— ، دعا کرے گا۔ اللہ تعالےٰ اسے قبول فرمائیں گے۔

مسجد قبا میں جو شخص دو رکعت نماز نفل ادا کریگا۔ وہ عمرہ کے ثواب کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

فرمایا۔ ما بینی و منبری روضۃ من ریاض الجنہ و منبری علیٰ حوضی۔ میرے مقام استراحت اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، اور میرا منبر میرے اس حوض پر واقع ہے۔ جو مومنین کے لئے مخصوص ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی امت کے افراد کو اسی حوض سے پانی پلائیں گے۔ لہٰذا اس مقام پر زیادہ سے زیادہ نوافل، تلاوت قرآن حکیم اور صلوٰۃ و سلام جتنا بھی زیادہ سے زیادہ ہوسکے پڑھنا چاہیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو بھی میری مسجد میں داخل ہو، اسے چاہیئے کہ حسنات آخرہ اور حسنات دنیا کا مقصود اپنے

دل میں اسی طرح کرے جس طرح اصحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے کیا۔ ورنہ دنیا ہی کے مقصود سے اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اسے چاہیئے کہ وہ اعمال حسنہ ـــ کی مانگ کرے اسے چاہیئے کہ وہ اپنے گناہوں سے استغفار کرے۔

آداب مسجد نبوی

اور مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دعا پڑھے بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَمَغْفِرَتِکَ اللہ تعالےٰ کے نام اس پر توکل کرتے ہوئے نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتے ہوئے (مسجد میں داخل ہوتا ہوں) اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے! آمین ثم آمین! مسجد نبوی کے باب الرحمۃ یا باب جبریل سے داخل ہوں (مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) کے الواب کا نام ہے۔ قدمین شریفین کی طرف باب جبریل ہے اور دوسری مقابل سمت پہلا باب' باب الرحمہ کہلاتا ہے۔ سر جھکا ہوا' دل میں اپنے گناہوں کی ندامت موجزن ہو' اور آنکھیں بار بار آنسوؤں سے وضو کر رہی ہوں۔ آواز بلند نہ ہونے پائے۔ شور ـ یا اونچی آواز آج بھی اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہے۔ مکہ مکرمہ میں مقامات دعا میں تم پاگلوں کی طرح رو سکتے ہو۔ چلا سکتے ہو۔ جو چاہے کہہ سکتے ہو' جس طرح چاہے اپنی التجائیں پیش کر سکتے ہو۔ لیکن بارگاہ نبوی میں بڑے صبر' ضبط' ادب' دبی سی آواز ضروری ہے۔ ورنہ۔ اگر آواز اونچی ہو گئی تو یاد رکھو تمام نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔ اب سب سے پہلے روضۃ الجنۃ میں دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھیئے۔ یہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جذبات کو قابو میں رکھو اور بارگاہ نبوی میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد اور روؤ اور التجا کرو۔ معافی مانگو اور اب اٹھو اور مواجہہ شریف کی طرف دست بستہ' بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سلام و درود عرض کرو۔ بھرائی ہوئی آواز ہو۔ دھڑکتا دل ہو۔ اور جو دل میں آئے کہو۔ لیکن حدِ شریعت اور ادب کا پاس رکھ کر۔ اب بائیں طرف رفیق غار' ہمسفر ہجرت اور عزیز ترین معاون نبوت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرو۔ ان کی خدمات' ان کے احسانات کا اعتراف کرو۔ اس کے بعد ـــ عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرو۔ ان کی خدمات ان کے اسلام کے استحکام اور فتوحات کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمات اور ان کی اتباع میں اپنی جرأت کو استعمال کرنے پر ان کو خراج تحسین پیش کرو۔ یہاں کھڑے یہ خیال رہے کہ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں صدیوں سے ہر لحہ' ہر پل' ہر ساعت' دنیا کے کونے کونے سے نہ جانے کتنے متقی' مومن' مومنات' صالح' اولیا' اصفیاء' علما۔ اور نہ جانے کتنے نفوسِ مقدسہ کے درود و سلام اور اعمال کو پیش کرنے کا سلسلہ جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔

مدینہ منورہ ـــ کی خاک پاک کا ہر ذرہ قابلِ صد احترام ہے۔ یہاں کے محلے' گلیاں' فضائیں' ہوائیں آج بھی اپنے سینوں میں اصحابہ کرام' اہل بیت' شہدا' غازی' مجاہد' متقی' صالح' اصحاب سلف کے ایمان افروز سانسوں کی خوشبو سمیٹے ہوئے ہیں۔ مدینہ منورہ اُس ذات والی صفات کا مقام آرام گاہ ہے جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ نسل آدم کی پیشانی پہ عزت و تکریم کا درخشندہ اعزاز اولاد آدم کے ناموں میں سب سے ممیز' سب سے مکرم سب سے معزز سب سے پہلا اور سب سے آخری وہ نام جسے اللہ کے بعد تمام اعلیٰ اعزاز حاصل ہیں۔ وہ نام جس کی نسبت سے اولاد آدم کی تمام معصیت' نافرمانیوں' گناہوں اور بداعمالیوں پہ جلال الٰہی کی نگاہ عفو درگزر میں بدل جاتی ہے۔ وہ اسمِ عظیم جو ایسے علم کا مظہر ہے جو انسان کی گمراہ عقل کو زندگی اور موت کی "حقیقت" کا آئینہ دکھا کر اسے فراق وصال کے سفر کے اصل مقصد کی خبر دیتا ہے۔ اپنے زور بیان کے شور سے نہیں بلکہ اپنے عمل" اسوۂ حسنہ"

کی نرم اور محبت بھری آواز میں کہتا ہے۔ رنگ و بو کے دھوکوں میں مبتلا، آوارہ وادیوں کے اندھیروں میں بھٹکنے والے انسان۔ تو وارث نہیں تو حرف غلط نہیں۔ تیرا مالک بلا شرکت غیرے بڑا عظیم ہے۔ وہ تیرا خالق ہے، وہ تیرا رازق ہے۔ جہالت نے تمہیں رسواکن زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ انہیں توڑ پھینک۔ تو نے اپنے مالک سے تعلق توڑ کر احسان فراموشی اور عہد شکنی کے ذلیل کن طوق اپنے گلے میں ڈال رکھے ہیں۔ انہیں اتار پھینک۔ تیرا لباس عزت ہے، شرف ہے، تکریم ہے۔ اپنی عزت کا احساس کر۔ کائنات کی ہر چیز تیرے مالک نے تیری خادم بنائی ہے۔ یہ چاند، ستارے، زمین میں مدفون خزانے، فضاؤں میں برقی قوتیں، ثوابت و سیار سب تیرے خادم۔ تو اشرف المخلوقات۔

لیکن اس شرف کے بقا۔ اور ارتقا کا انحصار صرف اور صرف اس نام کے مالک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت میں مضمر ہے۔ آسمانی مخلوق اور ارضی مخلوق میں سب سے زیادہ تعریف کیا یہ نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس روحانی اور مادی ارتقا کی ضامن حکمت کی لازوال علامت ہے۔ جو انسان کو اپنی عزتِ نفس، اعرافِ نفس سے شرفیاب کرتی ہے جو دوسروں کی عزت اور احترام کی صفت سے موصوف کرتی ہے۔ اگر کوئی مادی یا جسمانی طاقت کے احساس برتری کے طاعون میں مبتلا ہے تو اسے آدمیت کی نعمت سے نوازتی ہے۔ اگر کوئی احساس کمتری کے اعصاب شکن عوارض میں مبتلا ہے تو اسے توانائی اور تندرستی عطا کرتی ہے۔

یہ نام وہ عظیم نام ہے۔ علیہ التحیۃ والسلام جس کے اعمال اور ارشادات عالیہ صفحہ ہستی پہ اخلاق حسنہ کے وہ بقعۂ نور شہر ہیں جن کی روشنی جس انسان کے دل میں اتر جائے۔ وہ انسانی شرف کے اوج کو پہنچا جس قوم کی عقول نے اس سے رہنمائی حاصل کی وہ عزت و وقار کی نعمتوں کو پا گیا۔ زمین کے جس خطے نے اس کی روشنی کو قبول کر لیا۔ وہاں رحمت و برکت کے باغ لہلہانے لگے۔ امن، سکون، محبت و شفقت، اخلاص، مساوات اور باہمی ہمدردی کے پھول کھلنے لگے۔ لیکن . . . روشنی میں لپٹے ہوئے اندھیرے اتنے ہو گئے ہیں کہ ان کو چیر کر گزرنے والی بصیرت محبت اور خلوص کی متقاضی ہے۔

مدینہ منورہ — سلام صد سلام اس کے ذروں پر۔ اس کے مکینوں پر۔ اس کے چرند و پرند پہ حجار و شجر پر سلام — انسانیت کے محسن عظیم۔ رحمتِ دو عالم پر بے حد درود و سلام — بظاہر مدینہ منورہ میں کافی تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ لیکن صورتوں کے بدلنے سے حقائق کبھی نہیں بدلتے۔ انسان کی عقل اپنی دریافتوں میں تغیر و تبدل پا سکتی ہے۔ لیکن اللہ کی عظمتوں، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں اور برکتوں میں کبھی نہ ہی کمی ہو سکتی ہے اور نہ ہی زوال آ سکتا ہے۔

ے نوعِ انسان را بشیر و ہم نذیر — ترجمہ :- وہ نوعِ انسان کو بشارتیں بخشنے والا اور وہی "فراق و وصال" کے سفر کے خطروں سے ڈرانے والا۔

ہم سپاہی، ہم سپہ گر، ہم امیر — وہی خود "اعمال حسنہ" کا سپاہی، سپہ سالار اور خود ہی "اعمال حسنہ" کے سپاہیوں کا امیر

مدعائے علم الاسما ستے — علم الاسمائے اصل مدعا بھی ذاتِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے

سرِ سبحان الذی اسرا ستے — اور سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ' یعنی معراج کے اسرار و معارف کا دانا بھی ہے۔

زندگی بخشد ز اعجاز عمل

اپنے "عظیم الشان" اعمال سے زندگی کو حسن بخشنے والا بھی وہی ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام

می کند تجدید انداز عمل

عمل کے خوبصورت انداز کا بھی وہی موجد ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام

جلوہ ہا خیزد ز نقش پائے او
صد کلیم آوارۂ سینائے او

اس کے ہر نقش پا سے مسرت افزا جلوؤں کے شہر آباد ہوتے ہیں۔
اس کی وادیٔ سینا میں آپ کو ایک نہیں بے گنت کلیم پھرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

چوں عناں گیرد بدست آں شہسوار
تیز تر گردد سمندِ روزگار

جب وہ شہسوار وقت کی لگام اپنے ہاتھوں میں لیتا ہے۔
تو زمانے کے گھوڑے کی رفتار تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے۔

ذات او توجیہ ذات عالم است
از جلالِ او نجاتِ عالم است (اقبالؒ)

اس کی ذات مقدس اس عالم کے وجود کا سبب ہے۔
اس عالم کی نجات اسی کے جلال کی مرہون منت ہے۔

مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اوّلین اسلامی مملکت

حکیم محمد یحییٰ خان شفا

ہجرت کے نویں اور نبوت (علی صاحبہا الف الف تحیۃ) کے بائیسویں برس تک مدینہ منورہ کی نوخیز اسلامی مملکت اپنی کم عمری اور بظاہر انتہائی بے سروسامانی کے باوصف بہت حد تک مضبوط و مستحکم ہو چکی تھی۔

خداوند کی سچی آسمانی بادشاہت :

کرۂ ارض کے اس سنگلاخ اور غیر ذی زرع خطہ میں خداوند خدا (ملك الحيی القيوم) کی سچی آسمانی بادشاہت ایک دہائے (DECADE) سے بھی کم مدت میں اپنی جڑیں پختگی سے جما چکی تھی اور اللہ تعالیٰ کی وسیع اور بے پایاں رحمت اور اس کے بے حساب فضل و احسان کی بدولت شرک و بت پرستی، کفر و سرکشی اور طغیان و عصیان کے امن ساز گار ماحول میں توحید الوہیت اور وحدت ربانی کا سدا بہار پودا روز افزوں توانائیوں کے ساتھ بڑھتا، پھیلتا اور پھولتا چلا جا رہا تھا۔

اسلام کا شجرۂ طیبہ :

یہ گلشن اسلام کی موید من اللہ اور اولوالعزم باغبان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محنت اور حسن تدبیر کا خوشگوار نتیجہ تھا کہ عرب کی شور زمین میں بھی امن و طمانیت کا یہ روح افروز و دل نواز سنبل نہ صرف اُگ آیا بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے پھلنے پھولنے بھی لگا۔ اور یہ در اصل اللہ خالق الارض والسموات کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ کا اعجاز تھا کہ اس دھرتی کی بے پناہ شوریت، اس کے اکثر باسیوں کی روائتی سنگدلی اور اہل جحود و یہود کی شوریدہ سری اس شجرۂ طیبہ کے حق میں نشوونما دینے والی کھاد (FERTILIZER) بن گئی۔ چنانچہ امن و سلامتی کا یہ نوخیز مگر ہونہار بروا تھوڑے ہی دنوں کے اندر لہلہانے اور دل و نظر کی تقویت کا سامان فراہم کرنے لگا۔

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے :

چند سال کی مختصر سی مدت میں اس ننھے سے پودے پر کفر و طغیان اور ظلم و عدوان کی تیز بے اندازہ آندھیوں کی بے پناہ یورش رہی۔ عداوت و عناد کی بے رحمانہ یلغار نے اس کے تن نازک پر طرح طرح کے ستم توڑے۔ اس کی جان ناتواں مخالفین کی برق بے اماں کی زد میں رہی لیکن اس پودے کی شان ہی کچھ اور تھی اصلها ثابت وفرعها فی السماء کائنات فطرت کے سینے میں اس کی جڑیں پیوست ہو چکی تھیں اور اس کی شاخوں کو آسمانی فضاؤں سے بھی آگے تک پھیلنا مقدر تھا۔ طوفانی آندھیاں اور جانسوز بجلیاں اس کی

بھلا کیا بگاڑ سکتی تھیں۔ دشمنوں کی سب تدبیریں اُلٹی ہوتی چلی گئیں اور حریفوں کی خطرناک سازشیں اس رحمانی پودے کا بال بیکا نہ کر سکیں۔ کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ نے شجرِ اسلام بیخ و بن سے اُکھاڑنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ان کی کوششیں واقعی بڑی جان لیوا تھیں، وکان مکرھم لتزول منہ الجبال لیکن پروردگار اسے مخالفوں کے ہر وار سے بچاتا اور آئندہ کی ہر یلغار سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے لیے نت نئی توانائیاں ودیعت فرماتا رہا۔

چنانچہ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ نہالِ اسلام سرسبز و شاداب ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بہت جلد ایک تناور اور سایہ دار درخت کی شکل اختیار کر گیا جس کی ٹہنیوں پر سرِ سوز ایمان و آگہی علم و حکمت، دین و دانش، خیر و برکت، اخلاص و ایثار، اور زہد و تقویٰ کی تازہ تازہ کونپلیں پھوٹتی تھیں اور امن و آسودگی، اخوت و محبت، صلح و مروّت، انسان دوستی اور نسلِ آدمؑ کی خیر خواہی کے غنچے چٹختے اور رحمت للعالمینؐ کے پھول کھلتے تھے۔ ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین۔

اے مسلماں آنے والے دَور کی تصویر دیکھ :

گلبنِ اسلام کے یہ نکہت خیز اور مشام افروز پھول آنے والے عہد کی بہار سامانیوں کے نقیب تھے اور اس شجرۂ طیبہ کے رس بھرے اور جاں پرور پھلوں سے عالمِ اسلام بلکہ کائناتِ انسانیت کو مستقبل کی پائیدار نعمتوں اور لازوال خوشیوں کی نوید ملتی تھی۔ مصائب و نوائب اور حوادث و آفات سے اس کو تحفظ دینے اور اپنا خون دے کر اس کی آبیاری کرنے والوں کو ان کا مہربان خدا ان مع العسر یسرًا کا مژدہ سناتا ہے اور ان کا شفیق و رحیم رہنما (صلی اللہ علیہ وسلم) کامیابی اور فلاح کی خوشخبری دیتا تھا۔ محاذِ جنگ میں خندقیں کھودتے اور فاقہ مستی میں پیٹ پر پتھر باندھتے ہوئے انتہائی صبر آزما صورتِ حالات میں بھی مستقبل قریب میں قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کا وارث اور ان کے خزانوں پر قابض ہونے کی پیش گوئی اہلِ ایمان کے ذوقِ جہاد اور جوشِ عمل کے لیے مہمیز کا کام دیتی تھی۔

ایمانی فراست اور قلبی بصیرت سے بہرہ مند خوش نصیب لوگ جوق در جوق شجرِ اسلام کی گھنی چھاؤں تلے اکٹھے ہو رہے تھے۔ البتہ آدمؑ کے غلاف میں آدمؑ کے خلاف فکرِ آخرت سے بے پروا، جہالت و ضلالت کی حمیت میں اندھے اور نسلی غرور و تفاخر کے مدہوش انسان، اب بھی اپنے خبط میں مبتلا فضل و رحمت کردگار کے اس عظیم ثمر بار درخت کو جڑوں سے اُکھاڑ دینے کی شیطانی تدبیروں اور طاغوتی اسکیموں کے جال بُننے میں مصروف تھے۔ یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡکٰفِرُوۡنَ۔

مدینۂ منوّرہ کی اس اسلامی حکومت نے بڑے ہی نامساعد حالات اور پُرفتن ماحول میں جنم لیا تھا۔ مکے سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آنے کے باوجود دشمنوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور ان کے سچے پیروکاروں کو ایک لمحہ کے لیے بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح جوئی، امن پسندی اور عافیت کوشی کی کتنی ہی کوششیں کیں۔ قریش کا جذبۂ عناد کسی طرح کم ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ اللہ کے پاک رسولؐ (فداہ امی و ابی) نے ان کے شر و فساد کا سدِّباب کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ پہنچنے کے فوراً ہی بعد اس کے متخارب گروہوں اور یہود بے بہبود اور اہلِ حق کی مختصر سی جمعیت کو ایک مدبرانہ اور امن پسندانہ معاہدہ کا پابند کر دیا تھا اور

تاریخ عالم میں آپؐ کا یہ معاہدہ جو بجا طور پر میثاق مدینہ کے تاریخی نام سے معروف ہے۔ امن و اعتدال، صلح پسندی اور خیر سگالی کی وُہ اوّلین دستاویز ہے جس کی مثال اس سے پہلے کے ادوار میں نہیں ملتی۔ آپؐ کے سیاسی تدبر اور سلاست روی کا یہی شاہکار اپنے ثمرات و نتائج کے اعتبار سے مدینہ میں پہلی اسلامی حکومت کے قیام و تاسیس کا موجب بنا اور یہودیوں اور ان کے گٹھ بندھے مشرک ساتھیوں کی عہد شکنی اور خلاف ورزی کے باوصف یہی معاہدہ مملکت اسلامی کی توسیع و استحکام کی خشتِ اوّل ثابت ہُوا۔

اِسلامی حکومت کے شورہ پشت مخالفین:

حالات اس درجہ پُر آشوب تھے کہ اپنے پرائے سب اس نوزائیدہ اسلامی مملکت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تُلے ہوئے تھے۔ پرائے تو ظاہر ہے روزِ اوّل ہی سے اس کی جان کے دشمن تھے۔ بظاہر اپنے بننے اور حلیف کہلانے والے بھی بد اندیشی اور فتنہ گری میں پرائوں سے کم نہیں تھے۔ چنانچہ ان سب نے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام تر صلح جوئی رائیگاں چلی گئی۔ بدبختوں نے سازش، غداری، فریب اور منافقانہ جعلسازی سے امن و سلامتی کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ ظلم و ستم اور فساد انگیزی وہ کون سا حربہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور امن پسند بندوں کی اس مختصر سی جمعیت کو پراگندہ کرنے کے لیے آزمایا نہ گیا ہو۔

ہر روز نیا ظلم نئی طرزِ ستم ہے!

کھُلی جنگوں اور سفاکانہ یلغاروں کا حال تو سب پر روشن ہے۔ شب خون مارنے اور چھاپے ڈال کر بے سرو سامان انسانوں کا بچا کھچا مال و متاع لُوٹ لینے اور مویشی تک ہانک لے جانے پر ہی بس نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ظلم و عداوت کے یہ پتلے نہتے آدمیوں کو مار ڈالنے اور بعض حالتوں میں یرغمال بنا لینے سے بھی نہیں ہچکچاتے تھے۔

اس کے ساتھ ہی ان کینہ توزوں نے ایک نئی طرزِ ستم اور بھی ایجاد کر لی تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو تھے ہی رحمتِ مجسم، آدمؑ کے بگڑے ہوئے بیٹوں کی اصلاح و فلاح کی خاطر آپؐ کا شفقت بھرا دل ہر وقت بے تاب و بیقرار رہتا تھا، اور وہ بڑی دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ انھیں نارِ جہنم سے بچانے اور اسلام کی آغوشِ رحمت میں لانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ ان سنگدل لوگوں نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس دُکھتی رگ کو تاڑ لیا اور آپؐ کی اس طبعی دردمندی اور تبلیغِ اسلام اور عموم دعوت کے لیے حرص و والہیت کو بھانپ کر ناجائز فائدہ اٹھانے لگے اور تحریک دعوت اور تبلیغ و ارشاد کی توسیع کے نام پر حضرت محمد رحمۃ للعالمینؐ کو ایک بار نہیں بار بار دھوکہ دیا۔

واقعہ بئرِ معونہ ـ عامر بن طفیل کی سازش:

اس سلسلہ میں ایک واقعہ بئر معونہ کا ہے۔ ہجرت کے چوتھے سال کی بات ہے۔ صفر کے مہینے میں بنو کلاب کا ایک سردار ابو براء

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے درخواست کی کہ میری قوم میں تبلیغ اسلام کے لیے مبلغین کی ضرورت ہے۔ وہ لوگ تحریک سے متاثر ہیں اور اب انھیں تلقین وارشاد کے لیے اچھے کارکن مل جائیں تو یقیناً وہ سارے قبائل اور ان کے حلیف حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے۔ آپؐ نے اس کی باتیں سنیں تو فرمایا: مبلغین بھجوانے میں تو کوئی عذر نہیں لیکن تمھارے پڑوس والے عامر بن طفیل رئیس نجد کی طرف سے اندیشہ ہے۔ ایسا نہ ہو وہ کوئی شرارت کرے۔

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دُور اندیشی :

اور حضورؐ کا یہ خدشہ بے جا بھی نہیں تھا۔ آنے والے دنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فکرمندی کو صحیح ثابت کیا۔ لیکن ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔ احتیاط اور فکرمندی کے اظہار کے باوجود حضور کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے توسیع دعوت کی غرض سے ابو براء کی باتوں پر یقین کر لیا اور اصحاب صفہ میں سے ستر منتخب اور پاک باطن انصاری قاریوں کی ایک جماعت اس کے ساتھ کر دی۔ اس لیے اس کو سریۂ قراء کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

> "قصہ یہ تھا کہ عامر بن طفیل، جو اپنے علاقے کا طالع آزما رئیس اور تیز و طرار سردار تھا، حضورؐ علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا کہ میں اور میری پوری قوم اپنے حلیف قبائل سمیت آپؐ کے ساتھ ہو جائے گی بشرطیکہ آپؐ میرے ساتھ یہ معاہدہ کر لیں کہ بادیہ کے مالک آپؐ ہوں اور شہر میری عملداری میں رہیں۔ نیز اپنے بعد آپؐ مجھے اپنا جانشین نامزد کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ مشروط پیشکش ٹھکرا دی تھی اور وہ ناراض ہو کر چلا گیا تھا۔ لیکن اس نے جاتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ میں قبائل غطفان کو لے کر آپؐ کے خلاف لشکر کشی کروں گا۔"
>
> آنحضرتؐ نے عامر کے اس چیلنج پر اپنے اس خدشہ کا اظہار فرمایا تھا۔ تاہم جب اس نے اطمینان دلایا کہ "میں اس کی ضمانت دیتا ہوں" تو آپؐ نے اپنے جاں نثار صحابہؓ کی منتخب جمعیت کو تبلیغی مہم پر روانہ فرما دیا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ابو براء اور عامر میں ملی بھگت تھی یا وہ اپنی سادگی میں اس کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ بہرحال وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ کے سلسلۂ ابتلاء میں سے یہ بھی ایک آزمائش تھی، جسے إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کی آمادگی کے ساتھ انگیز کیا گیا۔

فزت برب الکعبہ!

سرفروشانِ اسلام کا یہ مقدس قافلہ ابو براء اور اس کے ساتھیوں سمیت بئر معونہ کے مقام پر پہنچ کر رک گیا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر اسلام دشمنوں کی ایک بھاری جمعیت ان کی راہ روکے کھڑی ہے اور ان کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ استقبال کے لیے

نہیں آتے بلکہ ان کے ارادے فاسد ہیں۔ اس قافلہ میں حضرت انس رضؓ کے ماموں اور حبا یہ اُم سلیم رضؓ کے بھائی حضرت حرامؓ بن ملحان بھی تھے۔ وہ دو آدمیوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے اور اپنے ساتھیوں کو یہ ہدایت دے کر ایک جگہ ٹھہرا دیا کہ میں اُن سے بات چیت کے لیے ان کے پاس جاتا ہوں۔ تم یہیں سے دیکھتے رہو اگر انھوں نے مجھے مار ڈالا تو تم واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے جا ملنا۔ ایک اور روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ ابو براء اور اس کے ساتھیوں نے انھیں خط دے کر بھیجا تھا ۔۔۔ خیر حضرت حرام رضؓ کافروں کے پاس پہنچے اور آواز بلند سے کہا "تم مجھے امن دیتے ہو کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تم تک پہنچاؤں، انھوں نے اثبات میں جواب دیا، تو آپؓ نے تقریر شروع کی۔

اسی اثنا میں دشمنوں کے اشارہ پر ایک شخص نے پیچھے سے آکر نیزہ مارا اور انھیں شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ حضرت حرامؓ نے اپنا خون اپنے ہاتھوں میں لے کر چہرے پر مَل لیا اور نعرہ لگایا اللہ اکبر! فزت ورب الکعبہ۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب و کامران ہو گیا ۔۔۔ یہ عامر بن طفیل کی شرارت تھی۔ اس نے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے ان اطراف کے دوسرے قبائل رعل، ذکوان اور عصیّہ وغیرہ کے جنگ آزماؤں کو اپنے ساتھ لے کر پیشقدمی کی اور مسلمانوں کی مختصر سی جماعت کو گھیرے میں لے لیا۔ اللہ کے ان بندوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا اور کفار کے گھیرے کو توڑنے کے لیے سر توڑ کوششیں کیں۔ لیکن اس انبوہِ کثیر کے سامنے گنے چُنے اور نہتے افراد کی بھلا کیا پیش جاتی۔ تھوڑی ہی دیر میں سب جامِ شہادت پی کر سرخرو ہو گئے۔

کہتے ہیں صرف ایک صحابی عمرو بن امیۃ الضمری بچ گئے تھے۔ لیکن انھیں بھی عامر نے پہلے سر کے بال کاٹ کر غلام بنا لیا لیکن پھر یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ "میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مان رکھی تھی۔ اس لیے اسے چھوڑ دیتا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس المناک واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرا بدترین خدشہ صحیح نکلا۔ آپؐ بہت غمگین ہوئے اور مہینہ بھر تک نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے رہے اور ظالموں کے ظلم کو انہی کے حق میں اُلٹ دینے کی دعائیں کرتے رہے۔

عامر بن طفیل کچھ ہی عرصے بعد طاعون کے عذاب میں مبتلا ہو کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے مر گیا۔

سریۂ رجیع :

اسی طرح عضل اور قارہ دو قبیلوں کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پہنچا اور اپنے قبیلوں کو نو مسلم ظاہر کر کے چند صحابہ کو اسلامی احکام کی تبلیغ اور دینی شعائر کی تلقین کرنے کی غرض سے مہیا فرمانے کی خواہش ظاہر کی۔ آپؐ نے عاصم بن ثابت الانصاری کی سرکردگی میں دس صحابہ کی ایک جمعیت ان کے ہمراہ بھجوا دی۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ جمعیت سریہ کے طور پر کفار و مشرکین کی سرگرمیوں کا اندازہ اور بحد امکان ان کا قلع قمع کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ لیکن اللہ کے سپاہی خواہ تبلیغی مشن پر بھیجے جائیں، طاغوتی سازشوں کا تار و پود بکھیرنا ان کے فرائض میں شامل ہوتا ہے اس لیے ان

کے فرائض میں شامل ہوتا ہے ۔ اس لیے ان دونوں روایتوں میں تعارض کا کوئی پہلو نہیں ہے ۔ بہرکیف یہ لوگ مدینہ سے چل کر عسفان کے مقام پر پہنچے اور وہاں سے بڑھ کر رجیع کے کنوئیں تک آگئے ۔

یہ جگہ مکہ اور عسفان کے مابین واقعہ ہے ۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے سیٹیاں بجا بجا کر اِدھر اُدھر کی گھاٹیوں میں چھپے ہوئے اپنے حلیفوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا ۔ یہ تقریباً دو سو بنو لحیان کے تیر انداز تھے جو مسلمانوں کی گھات میں بیٹھے تھے ۔ عاصم نے جب ان کی غداری اور سازش کا یہ عالم دیکھا تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت پھرتی سے ایک قریبی ٹیلے پر چڑھ گئے ۔

تیر اندازوں نے کہا آپ لوگ خواہ مخواہ بدک گئے ۔ بدگمانی نہ کیجئے نیچے اُتر آئیے ہم آپ کو امان دیتے ہیں ۔" عاصم رضی اللہ عنہ بولے ۔ میں کافروں کی امان میں نہیں آتا ۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا کی :

الٰہی ! اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حال کی خبر پہنچا دے ۔ پھر یہ مٹھی بھر جماعت اپنے سردار سمیت پوری بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئی ۔ صرف دو صحابی خبیب الانصاری اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کافروں کی باتوں میں آکر ٹیلے سے نیچے اُتر آئے تھے ۔ لیکن ان سازشی غداروں نے اپنے وعدوں کا پاس نہیں کیا ۔ ان دونوں کی مشکیں کس کر انھیں قیدی بنا لیا اور مکے لے جا کر فروخت کر آئے ۔

حضرت زیدؓ کی شہادت :

حضرت زیدؓ بن دثنہ کو صفوان بن اُمیہ نے خرید لیا تھا وہ اُنھیں اپنے باپ اُمیہ بن خلف کے بدلے میں قتل کرنا چاہتا تھا ۔ جو غزوۂ بدر میں واصل جہنم ہوا تھا ۔ ڈھائی تین مہینہ بعد جب حرمت والے مہینے گزر چکے تو یہ لوگ زیدؓ کو قتل کرنے کے لیے مقتل میں لائے اور ان سے پوچھا کہ آیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اس وقت تمھاری جگہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تختۂ دار پر لٹکایا جائے ۔ زیدؓ نے تڑپ کر جواب دیا ۔ نہیں ! خدا کی قسم ہرگز نہیں ۔ میں اپنی جان دینا تو گوارا کر سکتا ہوں ۔ لیکن آپؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پائے مبارک میں ایک کانٹا بھی چبھ جانا برداشت نہیں کر سکتا ۔ اس پر ابو سفیان نے بلیساختہ کہا میں نے کبھی کسی شخص سے کسی کو اتنی محبت و شیفتگی کا برتاؤ کرتے نہیں دیکھا جتنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کے صحابہؓ کرتے ہیں ۔ آخر نسطاس نے حضرت زیدؓ بن دثنہ کو تلوار کے ایک زبردست وار سے شہید کر دیا ۔

حضرت خبیبؓ کا واقعۂ شہادت :

جنگِ بدر میں حارث بن عامر حضرت خبیب بن عدی (جو یثرب کے قبیلہ اوس کے انصاری تھے) کے ہاتھ سے ہلاک ہوا تھا ۔ اس لیے اُنھیں حارث کے ماں جائے بھائی اور اس کے بیٹوں کے حلیف حجیر تیمی نے حارث کے انتقام میں قتل کرنے لیے خرید ا تھا ۔ اور اب وہ بھی حرمت والے مہینوں کے گزر جانے کا انتظار کر رہے تھے ۔ اس دوران میں حجیر کی ایک کنیز ماویہ حضرت خبیبؓ کی دیکھ بھال کرتی تھی ۔ اس کا بیان ہے کہ خبیبؓ جب رات کو تہجد میں قرآن حکیم کی تلاوت کرتے تھے تو قبیلہ

کی عورتیں کلام الٰہی سن سن کر زار و قطار روتی تھیں۔

حارث کی بیٹی روایت کرتی ہے کہ خبیبؓ سے بہتر قیدی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے ان کے ہاتھ میں انگور کا عمدہ اور تر و تازہ خوشہ دیکھا جسے وہ مزے لے لے کر کھا رہے تھے۔ حالانکہ وہ زنجیروں میں پابند تھے۔ اور مکہ میں ان دنوں کوئی پھل نہیں آ رہا تھا۔ خدا کی قسم وہ جنت ہی کا پھل تھا۔ جو اللہ نے خبیبؓ کو عطا کیا تھا۔

انہی دنوں حضرت خبیبؓ نے زیر ناف بالوں کو صاف کرنے کے لیے ایک اُسترہ طلب کیا تھا جو اُنھیں دے دیا گیا۔ حارث کی بیٹی کہتی ہے میں نے دیکھا کہ اُسترا خبیبؓ کے ہاتھ میں ہے اور میرا ننھا بچہ خبیبؓ کی گود میں بیٹھا ہے۔ اس خوف سے میری چیخ نکل گئی کہ قیدی خود تو موت کے منہ میں ہے ایسے میں اگر وہ میرے ننھے کو قتل کر ڈالے تو اُسے کون روک سکتا ہے۔ چیخ کی آواز سُن کر خبیبؓ نے میری طرف دیکھا اور ہنس کر بولے تم کیوں ڈر گئی ہو، میں اس بچے کو ذبح نہیں کروں گا۔ کسی بے گناہ کی جان لینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔

جب حضرت خبیبؓ کو قتل کرنے کا انتظام کیا جا رہا تھا تو آپؓ نے دو رکعت نماز ادا کرنے کی تحیۃ کے طور پر مہلت چاہی۔ آپؓ نے نماز ختم کی اور بروایت بخاری یہ شعر ارتجالاً ارشاد فرمائے: ؎

وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا　　عَلَى أَيِّ شِقٍّ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي

وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ　　يُبَارِكْ عَلَى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

(جس صورت میں کہ اسلام پر مارا جا رہا ہوں مجھے اس بات کی قطعاً پروا نہیں کہ میں کس پہلو پر گرتا ہوں۔

چونکہ یہ مصیبت اللہ کی راہ میں آئی ہے اور وہ چاہے تو میرے اعضا کے کٹے ہوئے ایک ایک بند میں برکت عطا فرما دے۔)

اس کے بعد آپؓ نے کہا اگر تم یہ خیال نہ کرتے کہ اُس نے موت سے ڈر کر لمبی نماز شروع کر دی تو میں ابھی اپنے خالق و معبود کو اور بھی یاد کرتا۔ پھر فرمایا اے اللہ ان کو گن لے اور ایک ایک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

حضرت عروہ بن زبیر فرماتے تھے کہ کفار نے خبیبؓ سے بھی وہی بات کہی جو زیدؓ بن دثنہ سے کہی تھی۔ یعنی کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ تمھاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو موت کے گھاٹ اُتارا جاتا۔ تو آپؓ نے بھی وہی جواب دیا: "خدا کی قسم! میں اپنی جان کے بدلے میں یہ بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ میرے محبوب و مطاع (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاؤں میں ایک کانٹا تک چبھ جائے۔"

اب ابو سروعہ عقبہ بن حارث نے آگے بڑھ کر حضرت خبیبؓ پر نیزے کا وار کیا پھر سب کے سب اپنے حربے، نیزے اور تلواریں لے کر آپؓ پر ٹوٹ پڑے اور آپؓ کو شہید کر دیا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن　　خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت خبیبؓ کی نذر عبودیت بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوئی اور اُن کے آخری دوگانہ کو ہدیۂ جاں سپاری کے طور پر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پسندیدہ قرار فرمایا:

بھڑوں کا کارنامہ:

اِدھر خداوندِ عالم نے حضرت عاصمؓ کی دُعا قبول فرمائی اور ان کے ابتلاء کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی اِدھر حضرت عاصمؓ کی نعش مبارک کو کفار کی چیرہ دستیوں سے بچانے کا ایک انوکھا انتظام فرما دیا۔ دشمنوں کو وہم تھا کہ اس طلایہ گرد اسلامی دستہ کے امام و سردار عاصمؓ بن ثابت شہید نہیں ہوئے، اس لیے اُنھوں نے چند سپاہی اس غرض سے بھیجے کہ وہ ان کا سر کاٹ لائیں۔ ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ ہذیل کے کچھ لوگ آپ کا سر لینے آئے تھے تاکہ اسے سلافہ بنتِ سعد کے ہاتھ فروخت کر دیں، کیونکہ غزوۂ احد میں سلافہ کا بیٹا عاصمؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اور اس نے منت مانی ہوئی تھی کہ عاصم کا سر میرے ہاتھ لگ جائے تو میں اُس کی کھوپڑی میں شراب بھر کر پیوں گی۔ غرض یہ لوگ جب اس ارادہ سے رجیع پہنچے تو امرِ ربی سے بھڑوں کی ایک کثیر تعداد چھتوں کے چھتے بن کر حضرت عاصمؓ کی لاش پر چھا گئی اور یُوں وہ اپنے مذموم ارادے کی تکمیل میں ناکام رہے۔ اُنھوں نے سوچا چلو کچھ دیر بعد بھڑیں ہٹ جائیں گی ہم عاصم کا سر کاٹ لیں گے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اتنے زور کا سیلاب آیا کہ عاصمؓ اور ان کے ساتھیوں کی تمام لاشیں بہہ کر ان کی دسترس سے دُور نکل گئیں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

المختصر حضور نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان گرامی کو چشم زخم پہنچانے کی پے درپے تدبیریں کی گئیں۔ آپؐ پر سوتے میں تلوار تانی گئی۔ رُعبِ نبوت تھا کہ وار کرنے کا حوصلہ نہ پڑا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یک لخت بیدار ہو گئے، نگاہِ نیم باز سے دیکھا تو جان کا دشمن کانپ اُٹھا۔ تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی، بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر تلوار ہاتھ میں لے لی اور پوچھا "بتا اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔" گھگیا کر بولا! حضورؐ آپ ہی رحم فرمائیں اور میری جان بخشی کر دیں۔

ـــــــــ آپ پر چٹانیں لڑھکانے اور کچل دینے کی سازش کی گئی۔ اگر اشارۂ خداوندی سے لمحہ بھر پہلے آپ اُٹھ نہ گئے تو دشمن کا وار بہت کارگر تھا۔

ـــــــــ آپ پر جادُو کیا گیا۔

ـــــــــ یہودیہ نے زہریلا گوشت کھلا کر آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔

غرضیکہ عناد و عداوت میں اندھے لوگوں نے کسی نوع کے ظلم و ستم سے دریغ نہیں کیا اور مسلمانوں اور ان کے آقا و مولا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم کرنے کے لیے طرح طرح کے جتن کیے۔ لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے۔ ع۔ دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست، مشیتِ الٰہی کے آگے کسی کی پیش نہیں گئی۔

ے

نُورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھُونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے سچے پیروکاروں (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے ہر ابتلاء کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

اور صبر و ضبط اور سکون و ثبات کا دامن کسی موقع پر بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا ۔ وہ فرمانِ الٰہی :

یٰآیّھا الذین اٰمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون۔

کے تقاضے پورے کرنا جانتے تھے اور خود بھی صبر کرتے اور دوسروں کو بھی صبر کرنے کی تلقین کرتے تھے ۔ اور اللہ اور رسولؐ سے باہم مل کر نظم و ضبط قائم رکھتے تھے ۔ پھر انھیں اپنے خالق و مالک کی یکتا اور بے ہمتا ذات پر پورا ایمان اور مکمل اعتماد تھا اور وہ اسی کی نصرت و امداد پر ہمیشہ آس لگائے رہتے تھے ۔ ہر طرح کے نامساعد احوال و ظروف میں بھی انھیں آخر کار دینِ حق کی کامیابی اور اسلام کے غلبہ کا یقین تھا ۔ وہ اللہ سے ڈرتے تھے اور ماسوا اس کے انھیں اور کوئی خوف نہ تھا ۔

چنانچہ ان کے مالک و مولا، خالق یکتا اور قادر و توانا نے اپنے فضل و رحم سے انھیں ہر ابتلاء میں سرخرو کیا اور ہر مصیبت سے نجات بخشی ۔

اللہ نے ان کو پہلے ہی بتا دیا تھا :۔ ولتسمعنّ من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذیً کثیرا ۔ کہ اہلِ کتاب اور مشرکین دونوں کی طرف سے تمھاری دلآزاری ہوگی ۔ وانِ تصبروا وتتقوا فان ذالک من عزم الامور ۔ بڑی اولوالعزمی اس میں ہے کہ صبر اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم و جزم :

پھر یہ سید الاوّلین والآخرین حضرت خاتم النبیین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) الیٰ یوم الدین کی بےمثال عزیمت اور عدیم النظیر تدبر کا حسنِ کمال ہے کہ اپنوں بیگانوں سب کے وار سہتے ہوئے کچھ ایسے جوابی اقدامات فرمائے ہیں کہ اپنا نقصان کم سے کم ہو اور بے رحم دشمن کے چھکے بھی چھوٹ جائیں ۔

اس حکمتِ عملی کا نتیجہ حسب دلخواہ نکلا کہ رفتہ رفتہ مخالفین کے حوصلے پست ہوتے چلے گئے ۔ یہودیوں کی سازشیں نہ یہ کہ ناکام ہوتی چلی گئیں بلکہ بعض اوقات ساری تدبیریں اُلٹی ہوتی چلی گئیں اور اُنھیں لینے کے دینے پڑ گئے ۔ دشمنوں کی جمعیت بکھرتی چلی گئی ۔ یکے بعد دیگرے اور پے در پے ناکامیوں سے اُن کے حوصلے پست ہوئے ۔ ولولے دم توڑ گئے اور ہمتیں شکست ہو گئیں ۔

یہ نبوع نبوت کی برہان ہے :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسے موقعہ پر کمال فراست اور خداداد بصیرت سے کام لیا اور صورتِ حالات کا رُخ انتہائی تدبر اور دانشمندی کے ساتھ اپنے حق میں پلٹ دیا ۔ مخالف طاقتوں کی سرکوبی کے بروقت اقدامات کیئے اور ان کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو پھر سے مجتمع ہونے کی مہلت نہیں دی بلکہ اپنے حسنِ عمل سے اِن کی ہر ناکامی کو دوامی بنا دیا ۔

یہ اسی عزم و تدبر کی خوشگوار پیش رفت تھی کہ مدینہ منورہ کی بے ساز و برگ اسلامی حکومت دن بدن استحکام و استقلال کے

مرحلے طے کرتی بڑھتی اور پھیلتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اندرونی و بیرونی ہر طرح کے دشمنوں کی معاندانہ سازشوں کے رغم الف ۹ ہجری علی صاحبہا السلام تک گردشِ لیل و نہار کے ساتھ اس مقام پر پہنچ گئی کہ اب نہ تو مشرکین عرب کی مشترکہ طاقت اس کو چیلنج کرنے کا حوصلہ رکھتی تھی اور نہ ہی یہود بے بہبود کی ریشہ دوانیاں اس کے پائے ثبات کو متزلزل کرنے میں کامیاب ہو سکتی تھیں۔

منافقین کی دسیسہ کاریاں

لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے ؎

نیش عقرب نہ از پئے کین است
مقتضائے طبیعتش ایں است

کچھ بدطینت افراد قسام ازل سے ایسی کج نہاد طبیعت لیکر آئے ہوتے ہیں جو بچھو کی طرح انھیں ڈنک مارنے پر ہمیشہ اکساتی رہتی ہے۔ خواہ اس نیش زنی کا اثر ہو یا نہ ہو انھیں تو اپنی طبیعت کا تقاضا پورا کرنا ہوتا ہے۔

ابو عامر نامی ایک شخص ایسے ہی بد نہادوں میں سے تھا۔ یہ مدینے کے مشہور قبیلے اوس سے تعلق رکھتا تھا اور عیسائیت اختیار کر کے اپنی پارسائی کی بنا پر راہب کہلاتا تھا اور اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا۔ مہاجرین کے مدینہ منورہ آنے اور انصار کے ساتھ مواخات قائم ہونے کے وقت ہی سے یہ جلا بھنا بیٹھا تھا اور ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کو زک پہنچانے کی کاوشوں میں مصروف رہتا تھا۔ اسلام دشمنی کے ہی باعث ابو عامر فاسق کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ کینہ پرور اور عداوت کیش الشان، ابو سفیان سے ساز باز رکھتا تھا۔ جنگِ اُحد کے موقع پر اس نے قریشی سرداروں کو یقین دلایا تھا کہ میں انصار کو بہکا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و اعانت سے باز رکھوں گا۔ مزید براں اس نے میدانِ اُحد میں گڑھے کھدوائے تاکہ مسلمان مجاہدین ان میں گر پڑیں اور اسلامی فوج کو نقصان پہنچے۔ ادھر ابو سفیان بھی اس پر خاصہ تکیہ کیے بیٹھا تھا، لیکن جب اُحد میں بھی کفار و مشرکین کو منہ کی کھانی پڑی تو ابو عامر بھی دل مسوس کے رہ گیا۔ تاہم اپنی بدفطرتی اور اسلام دشمنی سے پھر بھی باز نہ آیا اور بدستور اپنی کارستانیوں میں مصروف رہا۔ جنگِ احزاب میں بھی اس نے اسلام اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے لیے بڑی بڑی اُمیدیں باندھ رکھی تھیں، لیکن اب کے بھی پھر اس کا منہ کالا ہُوا۔ ہوازن بھاگ نکلے تو بھی اپنی سالہا سال کی پیہم مگر بے سود تگ و دو سے مایوس و دل برداشتہ ہو کر شام چلا گیا۔

ابو عامر کی ایک نئی فتنہ انگیزی

کم و بیش پانچ سال بعد ابو عامر فاسق کی یاسی کرشمی میں پھر اُبال آیا۔ اس نے شام سے مدینہ کے منافقین کو ایک جُداگانہ مسجد تعمیر کرنے کا ایک منصوبہ بھیجا جس میں سادہ لوح مسلمانوں کو عبادت کے نام سے اکٹھا کر کے اسلام اور اہلِ ایمان کے خلاف استعمال کرنے کی سازشیں کی جائیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ تم یہ کام کرو اور میں قیصرِ روم کے پاس جا کر اس کی افواج قاہرہ کو مدینے کی

کمزور و ناتواں حکومت پر چڑھا لاتا ہوں اندر سے تم اسے کھوکھلا کرو اور باہر سے میں اسے صفحۂ ہستی سے کھرچ کر مٹا دینے کا بندوبست کرتا ہوں۔

منافقین نے مسجد قبا کے قریب ہی ایک نام نہاد مسجد تیار کرلی اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں جاکر عرض کی کہ ہمارے محلوں میں رہنے والے بوڑھے اور کمزور اشخاص کو مسجد نبویؐ میں ہر وقت پہنچنے میں بہت دقت تھی، اس لیے ہم نے اسی علاقے میں ایک مسجد تعمیر کی ہے: ازراہِ تلطف آپ تشریف لے چلیں اور ایک وقت کی نماز بنفس نفیس پڑھا کر اس کا افتتاح کر دیں۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ان دنوں غزوۂ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اس لیے فرمایا کہ ابھی تو فرصت نہیں البتہ تبوک سے واپسی پر دیکھا جائے گا اور یوں ان کی سازش پروان چڑھتے چڑھتے رہ گئی۔

غزوۂ تبوک ۔ جیش العسرہ

تبوک مدینہ منورہ سے کم و بیش ڈیڑھ سو میل دور دمشق کی راہ میں ایک سرحدی اور عسکری اہمیت کا مقام ہے۔ اگرچہ اس مقام پر متوقع جنگ نہیں ہوئی بلکہ شام کی عرب ریاستوں اور ان کے اتحادی ہرقل کے لشکر مسلمانوں کی آمد کی خبر پا کر تتر بتر ہو گئے تھے اور اس طرح اس مقام تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سفر ہی کے درجے تک رہی، لیکن خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر بڑی بڑی خونریز جنگوں کے مقابلے میں اس معرکہ آرائی سے اسلام اور مسلمانوں کو بہت سے اہم اور بیش بہا فائدے حاصل ہوئے تھے اس لیے اپنی اہمیت اور ثمرات کے اعتبار سے یہ لشکر کشی غزوہ سے بھی کم نہیں اور پھر اس غزوہ کے اہتمام و انصرام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار اور سراپا ایثار فدائیوں نے جس جوش اور جذبے سے کام لیا ہے اس کے مدِ نظر اسے دوسرے کئی معرکوں پر برتری حاصل ہے۔

مزید براں تبوک کی یہ مہم حضور سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بے مثال قائدانہ صلاحیتوں، حربی دانشوری اور اولوالعزمی کا بے مثال اور عظیم الشان مظاہرہ بھی ہے۔ اس لیے اسے آنے والی دنیا کے ماہرین حرب و ضرب کے سامنے جنگی حکمتِ عملی کی ایک نادر اور عدیم النظیر مثال کی حیثیت سے پورے فخر و وقار کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔

حق یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی موجودہ حیرت انگیز ترقیوں اور خصوصیت کے ساتھ اسلحہ اور آلاتِ جنگ میں تہلکہ خیز پیش رفت کے باوجود کہ ENERGY کی تقریباً ہر ایک شکل کو مخالف طاقتوں کی بیخ کنی کے لیے جنگی ٹیکنیک کا اہم جزو بنا لیا گیا ہے۔ تبوک کی اس سادہ و پرکار تدبیر حرب WAR STRATEGY کا آج بھی کوئی جواب نہیں جس میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا گیا اور مخالف جنگ آزماؤں کی تمام تر حربی تدبیروں کو یکسر اُلٹ کر رکھ دیا گیا۔

عرب رؤسا جو فتح مکہ کے بعد قریش اور ان کے حلیف قبائل اور ان کے سازشی اتحادی (ALIES) یہودیوں وغیرہ سے مایوس ہو کر اب دنیا کی سب سے بڑی سلطنت سے (جو اس وقت کی معلومہ دنیا کے نصف حصے پر حکمران تھی اور جس نے ابھی

حال ہی میں ایران ایسی متمدن اور شہزور مملکہ قہرمانی سلطنت کو عبرتناک شکست دے کر چار دانگ عالم میں اپنی دھاک بٹھا دی تھی) اُس لگائے بیٹھے تھے۔ اپنی اپنی افواج کے ساتھ ہرقل کی بے پناہ اور بے شمار فوج میں شامل ہو کر مدینہ کی ننھی اور نو عمر حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اولالعزمانہ اقدام کا اس درجہ دہشت خیز، حوصلہ شکن اور روح فرسا اثر ہوا جو دورِ حاضر کے خوفناک ترین ایٹمی آلات، ہائیڈروجن بم اور دُور مار میزائلوں سے بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ آجکل کی لیزر (LAF ER) شعاعیں بھی نبیِ امی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر جنگ کے سامنے پانی بھرتی نظر آتی ہیں اور دیکھنے والی آنکھیں یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتی ہیں کہ وہ کونسی بے نام شعاعیں تھیں، جو تیس ہزار قدوسیوں اور ان کے سالارِ اعظم کی خشمگیں نگاہوں سے نکلیں اور چشم زدن میں کم و بیش دو لاکھ جنگجوؤں کی ذہنی کایا کو پلٹ گئیں۔ ان کی ایسی BRAIN WASHING ہوئی کہ سارا دم خم کافور ہو گیا۔ ابھی کچھ دن پہلے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے ناپید کر دینے کے منصوبے بنانے والے ایسے دبکے کہ پھر سر نہ اُٹھا سکے اور مدنی آقا کے غلام ان کی سرحدوں پر مہینوں ھل من مبارز کی دستک دیتے پھرے۔

جنگی اُمور کے ماہرین حیران ہیں

جدید دنیا کے لال بجھکڑ اس صورتِ احوال پر تعجب کرتے ہیں کہ اس وقت کی عظیم ترین سلطنت اپنی کارآزمودہ اور کشور کشا فوجی قوت اور خود عرب کے جنگجو اور خونخوار قبائل لخم، جذام عاملہ اور غسان کی معاونت کے باوجود چند ہزار بے سرو سامان مسلمانوں کے مقابلے میں کیوں پسپا ہو گئی۔ ان کے بعض دانشوروں نے بڑی چھان بین کے بعد یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ نبیِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طوفانی یلغار اور بے جگری کا مظاہرہ کر کے اپنے حریفوں کو نفسیاتی طور پر مبہوت کر ڈالا تھا اور وہ میدانِ جنگ سے واپس لوٹ گئے تھے۔ کوئی کہتا ہے کہ موسمی حالات اور ملک کے اندرونی معاملات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے رُومی فوجوں نے مسلمانوں سے جنگ آزمائی کو آئندہ کسی مناسب موقع تک ملتوی کر دیا تھا۔

بہر حال کسی کی عقلِ خام کار و کج اندیش کو یہ نہیں سوجھتا کہ دینِ فطرت کے داعیِ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باریِ فطرت جل شانہٗ کی تائید و نصرت حاصل تھی۔ یہ خالقِ انفس و آفاق ہی کی مشیت تھی کہ جس نے نبیِ امی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی عظیم قوتِ نفسی سے مالا مال کر دیا تھا جس نے اس دور کی انتہائی متمدن اور متمول سلطنتِ رُوما کو نفسیاتی شکست و ریخت سے دوچار کر دیا اور پھر حالات کی عدمِ مناسبت کی بھی ایک ہی کہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عالم میں اس لشکر کشی کا اہتمام کیا ہے۔ اس پر نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ناسازگاریِ احوال کسے کہتے ہیں۔

اہلِ کتاب کی فوجی تیاریاں

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک شامی قافلہ نے یہ خبر پہنچائی تھی کہ قیصرِ رُوم کی افواج جن میں عرب کی عیسائی

ریاستوں کے حکمران اور ان کے قبائل بھی شامل ہیں۔ مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے والی ہیں۔ آپؐ کو معلوم تھا کہ قیصر اور اس کے حلیف سال سوا سال پہلے کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے یقیناً بے تاب ہیں اس لیے آپؐ پہلے ہی سے اس نوع کی کسی کارروائی کے متوقع تھے۔ گزشتہ سال موتہ کے مقام پر مسلمانوں کی ایک مختصر سی فوج سے جس کی نفری تین ہزار سے زیادہ نہ تھی، شام کے ایک عرب عیسائی سردار شرحبیل بن عمرو غسانی اور قیصر کی مشترکہ افواج نے بڑے زور و شور سے جنگ کی تھی اور اگرچہ اس میں بعض بڑے نامی گرامی مسلمان سالار مثلاً حضرت زید بن حارثہ (حضور علیہ السلام کے محبوب عزیز) جعفر طیار ذوالجناحین (حضرت علیؓ کے برادر اکبر) اور عبداللہ بن رواحہ (مداح پیغمبر صحابی) بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور مسلمانوں کو خاصا نقصان پہنچا۔ تاہم آخر الامر حضرت خالد بن ولید (سیف اللہ) کی جرأت و بسالت اور حربی مہارت کے نتیجہ میں ڈیڑھ دن کی شدید جنگ کے بعد اپنے سے تین چار گنا زیادہ تعداد اور تقریباً دس گنا بڑھ کر مسلح دشمن کو ہزیمت اور فرار پر مجبور کر دیا تھا اور مخالفین اسی دن سے مسلمانوں سے انتقام لینے کی تیاری کر رہے تھے۔

جیش عسرت کا اہتمام

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو دشمن کے عزائم اور اس کی تیاریوں کا پتہ چلا تو آپؐ نے اپنی خداداد بصیرت و فراست سے صورتِ حالات پر نظر ڈالی، شام کے عرب عیسائیوں کے خون آشام عزائم، رُوما کی عظیم سلطنت کی ناقابلِ تسخیر عسکری قوت، دو بہت بڑے عفریت تھے جو مسلمانوں کو ہڑپ کر جانے کے لیے اپنے خوفناک جبڑے کھولے بڑھے چلے آ رہے تھے جزیرۃ العرب کی اسلام دشمن طاقتوں کفار و مشرکین، یہود اور نصاریٰ کے بچے کھچے گروہ بھی اپنی سی سازشوں میں مصروف تھے۔ ابو عامر راہب بھی اسی مشن میں لگا ہوا تھا۔ الغرض حالات بڑے دگرگوں تھے، لیکن نبوت کی نگاہِ ژرف بین نے عناد و شداد کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کے پیچھے سے اسلام و ایمان کا نورانی چاند طلوع ہوتا دیکھ لیا۔

آپؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ کیا کہ یہ کفر و شرک کی آخری حرکت مذبوحی ہے۔ اب ہمارے لیے بیٹھ کر ان کی راہ دیکھنے کا وقت نہیں ہے بلکہ ملک و وقت کے ان دشمنوں کی سرکوبی کا ہنگام ہے۔ چنانچہ آپؐ نے سرحد پار سے آنے والے عفریتوں کا سر توڑنے کی غرض سے عام لام بندی کا اعلان فرمایا۔

شدید گرمیوں کے دن تھے۔ ملک میں قحط کی سی کیفیت تھی۔ مدینے میں میوے پکنے کا موسم تھا۔ لوگ درختوں تلے بیٹھ کر میوے کھانے کے خیال میں تھے۔ ایسے میں اتنے دُور دراز ملک کی آخری سرحد پر دُنیا کی عظیم ترین سلطنت سے ٹکر لینے کے لیے جانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ اُدھر منافق لوگوں میں طرح طرح سے بددلی اور سراسیمگی پھیلانے میں لگے تھے۔ کھلے عام لاتنفروا فی الحر (اس گرمی میں آگ میں بھرتی نہ ہو) کہتے پھرتے تھے۔

الغرض بڑے سخت اور ناسازگار حالات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عزم مصمم کر لیا کہ بے سروسامانی کے باوجود جس حد تک ضروری ہو ممکنہ تیاری کر کے شمالی سرحد کی طرف یلغار کی جائے اور دشمنوں کو سرزمین عرب پر قدم رکھنے کی مہلت نہ دی جائے بلکہ اُن کے

حرکت میں آنے سے پہلے ہی تبوک پہنچ کر روم و شام کی دہلیز پر پاؤں جما لیے جائیں۔

یہ فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہیں تھا اور اسی طرح یہ فیصلہ کرنے والا کوئی عام انسان نہیں تھا۔ بلکہ یہ فیصلہ ایک پیغمبر کا فیصلہ تھا اور پیغمبر بھی کوئی عام پیغمبر نہیں تھا۔ ساری کائنات انسانی کا گل سرسبد اور سب سے زیادہ اولوالعزم انسان تھا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واہل طاعتہ اجمعین)

بے شک آپؐ کو اس امر کا یقین تھا کہ وعدۂ الٰہی سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب کے مطابق دنیا کی اس عظیم سلطنت کو اپنے سارے جاہ و جلال اور تزک و احتشام کے باوصف اسلامی مجاہدوں سے پنجہ آزمائی کا اوّل تو کوئی حوصلہ ہی نہیں پڑے گا اور اگر اُسے اپنی بے پناہ طاقت اور ثروت کا گھمنڈ اور تعداد و استعداد کا غرور میدان جنگ میں لے ہی آیا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کے غیر مرئی لشکری عساکر کی مدد سے اس کا کاسہ سر پاش پاش کر دیا جائے گا۔

ایک عظیم الشّان مُہم

لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ جنگ حق و باطل کی آخری اور فیصلہ کُن جنگ کا حکم رکھتی ہے۔ مقابل کی طاقت، جو جدید ترین اسلحہ جنگ اور کثیر التعداد (MANPOWER) سے مالا مال ہے اور اس کے مقابلے میں عساکرِ اسلام نقریباً نہتے ہیں اور اتنے دُور دراز کے سفر پر جانے کے لیے ان کے پاس سواری اور باربرداری کا بھی کوئی بندوبست نہیں ہے، سُننے میں آیا ہے کہ دشمن نے سال بھر کا راشن بھی جمع کر لیا ہے اور یہاں پینے کو پانی تک میسر نہیں لوگ اونٹ ذبح کر کے ان کی آنتوں کا پانی پیتے ہیں۔ الغرض نہایت دقت و عسرت کا عالم ہے۔

تاہم اللہ کے دین کی نصرت و حمایت کے لیے ہر کڑی آزمائش جھیلنے کے لیے مسلمان پوری طرح تیار رہتے بمنافقین کی ریشہ دوانیوں کے باوجود ایسے لوگ بھی تھے جو سامان سفر اور سواری وغیرہ نہ ہونے کے باعث جیش تبرک میں شامل ہونے کے قابل نہ تھے۔ لیکن ان کے شوقِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں سواری کی طلب میں حاضر ہوئے اور جب آپؐ نے بھی معذوری ظاہر کی تو وہ اپنی بے بسی اور معذوری پر روتے ہوئے واپس گئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ!
اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ، تولوا واعینھم تفیض من الدمع حزنا ان لا یجدوا ما ینفقون ۵

چہ خوش بود کہ برآید بہ یک کرشمہ دوکار:

نبی امی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے اپنی عام روش کے برخلاف تبوک کی طرف پیش قدمی اور سرحد روم و شام پر لشکر کشی کے منصوبے کو پوشیدہ نہیں رکھا بلکہ کھلے عام بھرتی اور بلند آہنگ تیاری کے علاوہ جزیرۃ العرب کے طول و عرض میں پھیلے دور دست قبائل تک بھی اپنے نمائندے روانہ فرمائے جو ان کو اس جیش عسرۃ میں شرکت کی دعوت دیتے اور سواری کے جانور

بھی فراہم کراتے اور ان سب سے لشکر کی تیاری کے لیے مالی امداد بھی طلب کرتے تھے۔

اور یہ بھی حضورؐ کی غیر معمولی حربی صلاحیتوں کا ایک پہلو تھا کہ وہ ایک پنتھ دو کاج کے مصداق جیش عسرت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ ملک بھر میں اپنی عظیم الشان تیاری اور قیصر روم سے ٹکر لینے کی جی داری کا رُعب انگیز ولولہ پھیلا کر اندرون ملک بسنے والے مخالفین میں خوف و دہشت کی فضا قائم کرنا چاہتے تھے۔

چنانچہ اس کا نتیجہ حسب دلخواہ نکلا۔ سواری کے جانور میدان جنگ کے سورما اور سامان حرب وغیرہ کی فراہمی کے علاوہ نہ صرف چھپے ڈھکے شورہ پشتوں پر اسلامیوں کی اولوالعزمی کا رُعب طاری ہوا، بلکہ ان کے توسط سے سرحد پار کے دشمنوں تک بھی خوف و دہشت کی لہر پہنچ گئی۔ جتنی دیر میں مسلمانوں کی دلیرانہ پیشقدمی اور فیصلہ کن جنگ کی تیاری کی خبریں رُوم و شام تک پہنچتیں اتنی ہی دیر میں ضروری کیل کانٹے سے لیس ہو کر اسلامی افواج اپنے عظیم و جلیل سالارِ اعظم کی کمان میں مارچ کرتی ہوئی دشمن کے سر پر جا پہنچیں۔

پس معرکہ یہیں پر سر ہو گیا۔ دشمن مسلمانوں کی ہمہ گیر تیاری کی خبریں سُن سُن کر پریشان تھا کہ اُسے عساکر اسلام کی پیشقدمی کی اطلاع ملی۔ وہ ابھی اسی گھبراہٹ میں تھا کہ پتہ چلا مسلمان سرحد پر پہنچ بھی گئے ہیں۔ رُومیوں اور شامیوں دونوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اعصاب جواب دے گئے اور دماغ مختل ہو گیا۔

مجاہدینِ اسلام کی دلیرانہ پیشقدمی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معرکۂ تبوک میں حصہ لینے کے لیے تیس ہزار مجاہدوں کی فوج ظفر موج اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

اور یہ عظیم الشان جیش، وہ بڑے سے بڑا جیش تھا جو حضور علیہ السلام اپنی ساری عمر میں کبھی تیار کر سکے۔ لطف یہ کہ دنیا کی تقدیر پلٹ دینے والا یہ جیش حد درجہ بے سروسامان تھا۔ سب کے پاس ہتھیار تک نہیں تھے۔ اوسطاً اٹھارہ بیس آدمیوں کے لیے صرف ایک اُونٹ مہیا ہو سکا۔ اسی پہ سامان لادیں اور اسی پہ باری باری سوار ہوں۔ مزہ یہ کہ زادِ راہ راستے ہی میں ختم ہو گیا اور درختوں کے پتوں سے پیٹ بھرے گئے۔ نبوت کی برکات اور اعجازی کمالات ہی تھے کہ یہ لشکر بخیر و سلامت سلطنتِ رُوما کی دہلیز پر جا پہنچا۔ اب کہنے کو دو لاکھ سے زیادہ تعداد میں دشمن سامنے موجود تھا۔ لیکن ہازم الجیوش اور مصرف القلوب خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ رُومی و شامی سب کے سب پسپا ہو کر اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ بخاری کی روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نصرت بالرّعب میسرۃ شھر (مجھے اس بات سے مدد دی گئی ہے کہ ایک مہینہ کی مسافت سے دشمن پر میرا رُعب پڑتا ہے۔ لقد صدق الصادق المصدوق۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مجاہدین سمیت بروایتے کم و بیش دو ماہ تک اس علاقے میں اپنے کوکبۂ جلال کے ساتھ قیام پذیر رہے۔ لیکن کسی کو سر اُٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ پورے علاقے کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ مجاہدینِ اسلام کے اس دلیرانہ اقدام سے سب کے چھکے چھوٹ گئے۔ اردگرد کی ریاستوں کے حکمران حالات کی رفتار کو دیکھ کر نبیٔ عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

سیادت وقیادت کو تسلیم کرنے پر از خود آمادہ ہو گئے۔

نتائج وثمرات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیام تبوک کے دوران دو باتوں کا خصوصیت سے اذعان حاصل کیا۔ ایک یہ کہ اس مہم جریانہ پیشقدمی سے چند در چند فوائد مرتب ہوئے یعنی صرف یہی نہیں کہ سرحدوں سے پرے بسنے والوں ہی پر اس یلغار نے خاطر خواہ اثرات ڈالے ہیں اور ان کی منتقمانہ سازش ناکام ہو گئی ہے بلکہ اندرون سرحد قبائل بھی دہشت زدہ ہو گئے اور اب یہ آئندہ کے لیے سازشی عناصر کے آلۂ کار بننے اور امن وعافیت کو خطرے میں ڈالنے پر تیار نہیں ہوں گے۔

ایک اور فائدہ یہ تھا کہ اردگرد کے رئیس اور سردار ہوا کا رُخ پہچان گئے اور ان میں سے اکثر وفود کی شکل میں خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اظہار اطاعت ومصالحت کرنے لگے۔

• تبوک کے قریب الفصر اور اس کے اردگرد کے ماحول کے علاقوں میں کئی عیسائی قبائل بستے تھے۔ اسلامی مجاہدوں نے حریف کے سکوت وجمود کے باعث حرب وضرب کی سرگرمیوں سے نجات پاکر تبلیغی اور تحریکی مشاغل اپنا لیے کچھ قبائل اسلام لے آئے، کچھ اپنے عقیدے پر قائم رہے لیکن انھوں نے اطاعت قبول کر کے جزیہ دینا منظور کیا۔ بعض سرداروں نے مدینہ کی اسلامی مملکت کے ساتھ معاہدے کر لیے۔ ایلہ کا فرمانروا یوحنا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کر کے صلح کا معاہدہ کیا اس نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک سپید خچر ہدیۃً پیش کیا تو آپؐ نے اس کے جواب میں ایک عمدہ چادر اُسے تحفہ میں دی۔

جرباء، اذرح اور ادرج کے عیسائی قبائل نے بھی جزیہ ادا کرنے کا اقرار کر کے صلح کر لی۔ کچھ دنوں بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خالدؓ بن ولید کی کمان میں چار سو سواروں کا ایک دستہ دومۃ الجندل کے عیسائی حکمران اکیدر کی طرف بھیجا۔ وہ شکار کھیل رہا تھا کہ حضرت خالدؓ سیف اللہ نے اُسے گرفتار کر لیا اور لا کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس نے معاہدہ صلح کر لیا اور کچھ عرصہ بعد حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

عام الوفود

مشرکین کا وہ گروہ جو ابھی تک اسلام اور مسلمانوں سے برسر پرخاش تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو حق ماننے سے انکاری تھا، اس خیال میں تھا کہ مکہ کی فتح کے باوجود اسلام کے نام لیوا عنقریب تباہ وبرباد ہو جائیں گے اور ان کا بھی حشر وہی ہوگا جو ان سے پہلے حاکم یمن ابرہہ کا ہو چکا ہے۔ اسی طرح مدینہ کا مشہور منافق ابی بن سلول، جیش عسرت کی ترتیب وروانگی کے وقت سے یہ وسوسہ پھیلا رہا تھا کہ اب خدانخواستہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو رُومی افواج تہس نہس کر کے رکھ دیں گی، ہرقل، نبیِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے تلوار کے گھاٹ اُتار دے گا۔ لیکن غزوۂ تبوک کے بعد ان سب کے ارمانوں

پر اوس پڑ گئی۔ اب حق نے اپنا آپ سب سے منوا لیا تھا۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ۔ یظھرہ اللہ علی الدین کلہ۔
یُوں تو فتح مکّہ سے فوراً بعد ہی وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گئی تھی اور خود نبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے تبلیغی اور دعوتی سرگرمیاں تیز سے تیز تر کر دی تھیں اور عرب اور بیرون عرب کے ملوک و سلاطین، اکابر و عمائدین وقت کے نام قبولِ اسلام کی دعوت ناموں اور مراسلات کا سلسلہ جاری تھا۔ ان سب کے نتیجے میں مختلف مقامات سے وفود حاضر ہونے لگے تھے۔ لیکن تبوک کی مہم کی عظیم الشان کامیابی نے باقیماندہ مذبذب اور متردد ذہنوں کو بھی صاف کر دیا اور اب تو اندرون و بیرون ملک سے اظہار اطاعت و خیر سگالی کے لیے مصالحت کوش وفودوں کا تانتا بندھ گیا۔ چنانچہ اس سال کا نام ہی مورخین اور سیرت نگاروں نے عام الوفود رکھ دیا۔

تاریخ عالم میں بےمثال سیاسی فتح

نبی امّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تاریخی پیشقدمی دُنیا بھر کے جنگی کارناموں میں سب سے جُداگانہ اور یکتا حیثیت کی حامل ہے۔ تاریخ عالم اس نوعیت کا کوئی دوسرا واقعہ پیش کرنے سے قاصر ہے جس میں خُون بہائے بغیر اس درجہ عظیم انقلابی نتائج حاصل ہوئے ہوں۔ تبوک کی لشکر کشی اسلامی تاریخ کا ایک درخشاں واقعہ تو ہے ہی۔ ساری دنیا کی حربی تاریخ میں اس کو واحد مثال قرار دیا جاتا ہے کہ خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہے اور داخلی و خارجی ہر طرح کے دشمنوں پر پوری فتح بھی حاصل ہو جائے۔ گویا ہینگ لگے نہ پھٹکڑی رنگ چوکھا آئے۔ درحقیقت یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تنہا ایک یہی کارنامہ پوری انسانی کائنات پر آپ کی برتری ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ واقعیت بھی آشکارا ہے کہ آپ خداتعالیٰ کے فرستادہ تھے اور آپ کو اپنے تمام اقدامات میں ربّ کائنات کی ہدایت و معیت حاصل تھی۔ اگر خداوند تعالیٰ کی نصرت و حمایت آپ کے شاملِ حال نہ ہوتی تو قیصر روم اور اس کے حلیفوں کی متفقہ طاقت آپ کے بے سرو سامان ساتھیوں کے مقابلہ میں یوں دُم دبا کر نہ بھاگتی، بلکہ اپنے مرکز سے سینکڑوں میل دُور آئے ہوئے ان قلیل البضاعۃ اور فاقہ زدہ عربوں کو اس بُری طرح رگیدتی کہ ان کے لیے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کی سی صورتِ احوال پیدا ہو جاتی۔
یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل تھا کہ اس نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہترین جنگی فراست، اعلیٰ ترین سیاسی تدبّر اور بلند پایہ اخلاقی قوت عطا کی تھی۔ انہی خوبیوں سے کام لے کر آپ نے چند سال کے مختصر سے عرصے میں ایسا عظیم انقلاب برپا کر دکھایا جس نے نہ صرف جزیرۃ العرب کی کایا پلٹ دی بلکہ تمام کرۂ ارض کو آئندہ ہزاروں سال تک کے لیے متاثر کر دیا۔
تبوک پر دلیرانہ یلغار کسی طالع آزما کا جسورانہ اقدام نہیں تھا بلکہ خالق خلق و امر کے ہدایت یافتہ مامور صلی اللہ علیہ وسلم کے فریضۂ رسالت و منصب امامت کا ایک تقاضہ تھا جسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور خلق اللہ کی بہبود و فلاح کے لیے پورا کرنا ناگزیر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا انجام دنیا کے ہر شخص کی توقع اور اندازہ کے برخلاف لیکن دین کے ہر پیرو کار کی اُمید و آرزو کے مطابق ہُوا۔

- ——— جزیرۃ العرب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سازشوں اور فتنوں سے محفوظ ہوگیا۔
- ——— عجمی دنیا کو اس پر حملہ آور ہونے کا حوصلہ نہ رہا۔
- ——— مدینہ آئندہ کے لیے مذہبی اور عالمی قوت کا مرکز قرار پایا۔
- ——— نوخیز اسلامی حکومت بیش از پیش مضبوط و مستحکم ہوگئی

اور

- ——— اسلام ایک ناقابلِ تسخیر قوت کی حیثیت سے ابھرا اور بزمِ عالم میں بقائے دوام کی خلعت سے سرفراز ہوگیا۔

اور یہ سب کچھ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی حکمتِ عملی اور خداداد دانشمندی کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔

سیاسی اور عمرانی تاریخ اور فلسفۂ تمدن کے بالغ نظر مبصرین اپنے چند در چند تعصبات اور جنبہ داریوں کے باوجود اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں اور یہ صداقت تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ آدم سے لے کر تا ایں دم نسل انسانی کا کوئی لیڈر ایسا نہیں ہے جس نے اپنے مشن یا مقصد کی تکمیل کے لیے اس درجہ تحمل، بردباری، رحم و مروت اور نرمی و رواداری سے کام لیا ہو جس کا مظاہرہ حضور رحمۃ للعالمینؐ نے فرمایا ہے۔ دنیا کے جابر اور مستبد حکمرانوں کی بات تو چھوڑ دیئے، مذہبی اور اخلاقی مصلحین نے بھی حالات کی سنگینی کے خلاف اتنی رحمدلی سے کبھی کام نہیں لیا۔ اور نہ کسی ایسی شفقت کو جائز سمجھا ہے جو ان کی ذات اور خصوصیت سے ان کی سرگرمیوں کو زک پہنچانے والے دشمنوں پر تغلب حاصل کرنے کے بعد عفو و رحم کی متقاضی ہو۔ لیکن حضورؐ (فداہ، امی و ابی) ایک شفیق و مخلص داعی تھے۔ ان کے سارے اقدامات آیہ مبارکہ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظہرہٗ علی الدین کلہ کی تفسیر تھے۔ آپؐ علیہ السلام اپنی شخصیت گرامی کے دوسرے تمام پہلوؤں کی جامعیت کے باوجود بنیادی طور پر مبلغ اور مشنری تھے۔ آپؐ کی جنگ فتح مکہ ہو یا غزوۂ تبوک اور آپؐ کی صلح معاہدۂ صلح حدیبیہ ہو یا میثاق مدینہ سب کچھ دین حنیف، اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے منصوبوں کا ایک حصہ تھا۔

نبیٔ رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظیم الشان اخلاقی قوت

حضور رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام الی یوم الدین نے انتہائی نامساعد حالات میں اپنے مقدس مشن کا آغاز کیا تھا۔ اپنی دعوت کے روزِ اول ہی سے آپؐ کو بیحد زہرہ گداز اور صبر آزما سختیوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن کائنات انسانی کے اس سب سے بڑے مصلح نے کسی مادی ساز و سامان کی بجائے صرف اپنی برتر اخلاقی قوت سے ہر مصیبت کو انگیز کیا۔ دشمنوں کے تمام ترجور و جفا کے جواب میں آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عفو و رحمت اور صلح و مروت سے کام لیا۔ آپؐ کی یہ شان رحمۃ للعالمینی خلقی، خلقی بلکہ فطری تھی وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین کے طغرائے امتیاز سے مفتخر فرمانے والے پروردگار نے شمائل نبویؐ میں عفو و تصفح اور رحمت و رافت کے اوصاف بیش از بیش ودیعت فرمائے تھے۔ اور یہ اوصاف و خصائل آپؐ کی پوری مشنری زندگی اور ساری دعوتی سرگرمیوں میں آپؐ کے زندہ و تابندہ کردار کا نمایاں جوہر تھے۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام صبر و استقامت کے ساتھ انتہائی اکھڑ اور جفا پیشہ مخالفین کی بے دردانہ ستم آفرینیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بے مثال عزم و حوصلہ سے اپنے مشن کی پیش رفت میں برابر کوشاں رہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم آپ وہ کرتی بھی ان جاں گداز اور روح فرسا مظالم و مصائب کا صحیح صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے جو اللہ کے اس برگزیدہ بندے، نوع بشر کے سردار اولادِ آدم کے لیے مایۂ افتخار سید الاوّلین والآخرین (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نسلِ انسانی کی خیر اندیشی و خیر خواہی کے مقدس جرم کی بنا پر جھیلنے پڑے۔

تاہم آپ کی فطری رحمت اور ایک سچے داعی کی بے لوث محبت ان تمام شدائد و مکارہ کی چوطرفہ یورش پر غالب آئی آپ اپنی حیرت انگیز اخلاقی برتری اور خداداد تدبر و حکمت کے ساتھ قدم بہ قدم بڑھتے اور اپنے پست فطرت اور کینہ توز مخالفین کو مبہوت و درماندہ چھوڑتے آگے ہی آگے چلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے ــ وطن، اپنے اجداد کا پرُ وقار مسکن اور اپنے روحانی اور نسبی باپ، امام الناس ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و علیہ السلام کا مامن چھوڑنا، کیونکہ آپ کی شانِ رحمۃ للعالمینی کو، حرم محترم بھی اپنی تمامتر عظمتوں اور عقیدتوں کے باوجود خونِ مسلمان بہلنے پر آمادہ نہ کرسکا تھا۔ چنانچہ آپ اپنے گنتی کے ساتھیوں کو لے کر نکل گئے۔ پردیس کی صعوبتیں اور غیر یقینی حالات کی گردشیں کتنی ہی حوصلہ شکن کیوں نہ ہوں پیغمبر امن و سلامتی کے نزدیک خونریزی و جنگ آزمائی کے مقابلے میں ہیچ تھیں۔

رحمت للعالمین کی امن پسندی

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کم و بیش پانچ سو مسلمانوں کی نفری کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے تھے۔ مکہ سے بہت کم لوگ آپ کے شریک سفر ہو سکے تھے۔ کچھ لوگ پہلے ہی مدینہ میں تھے۔ کچھ مکہ اور کچھ حبشہ سے نکل کر مدینہ منورہ میں اکٹھے ہوئے۔ ہجرت کے تقریباً سال بھر بعد جب مدینہ منورہ کے مسلمانوں کی مردم شماری کرائی گئی تو کل سات سو مرد گنے گئے۔ عورتیں اور بچے ملا لیجیے تو دو ہزار سے زائد نہیں بنتے تھے گویا، یوں سمجھ لیجیے کہ ۲ھ ہجری میں پوری دنیا میں مسلمانوں کی کل تعداد دو ہزار تھی۔ جنھیں آپ سفاک اور خونخوار دشمنوں سے بچائے ہوئے تھے۔ اور یہی وہ افرادی قوت تھی جسے نہ صرف آئندہ کی عالمی اسلامی حکومت کی بنیاد رکھنی تھی، بلکہ اسے شرِ اعداء سے بچا کر پروان بھی چڑھانا تھا۔

نبیٔ رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیشہ قتل و خونریزی اور جبر و تشدد سے پرہیز کیا ہے۔ آپ کی تمامتر حکمتِ عملی ایک اسی نقطہ پر مرکوز رہتی تھی، کہ راہِ حق میں، طاغوتی طاقتوں سے، جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو ایسی تدبیر کی جائے کہ اپنا بھی کم سے کم نقصان ہو اور دشمنوں کی جانیں بھی زیادہ سے زیادہ بچ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبیؐ الملحمہ کہلانے والی اس نادرۂ روزگار شخصیت نے کم و بیش تیئیس برس تک دشمنوں، سازشیوں اور منافقوں کی بے رحمانہ جنگ آرائیوں کے باوجود اس تمام عرصے میں اپنی رحمۃ للعالمینی کا یہ عدیم النظیر اور عظیم الشان کرشمہ دکھایا کہ سارے ہنگاموں میں نو سو سے کچھ اوپر مخالفین مارے گئے اور چار سو کے لگ بھگ اپنے فدائی کام آئے اور خوب یاد رکھیے کہ یہ کسی ایک معرکۂ جدال و قتال کے اعداد و شمار نہیں ہیں بلکہ پورے پچاس معرکہ ہائے خون و کشت کا مجموعی جانی

نقصان (TOTAL DEATH ...) ہے۔ ان پچاس معرکوں میں سے صرف سترہ مواقع ایسے تھے جن میں آنحضور خود بھی شامل تھے اور انھیں کو "غزوات" کہا جاتا ہے۔ باقی کے تینتیس ہنگامے "سرایا" کہلاتے ہیں کہ ان میں صحابہ کرام ہی کے مختلف دستے وقتاً فوقتاً اطراف واکناف کی قبائلی سرگرمیوں کی ٹوہ لگانے یا ان کے فتنہ و فساد کو فرو کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ پھر اگر علاوہ بریں دستوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو ان پچاسی معرکوں میں ۰ و کے قریب مزید فوجی کارروائیوں کا بھی اضافہ کرنا پڑے گا۔

اس صورت میں کم و بیش ڈیڑھ سو جنگی یلغاروں میں زیادہ سے زیادہ چودہ سو انسانی جانوں کا نقصان یعنی فی جنگ صرف نو آدمیوں کا کام آنا دنیا کی تاریخ حرب و ضرب میں کہیں اور بھی ہے؟ کیا یہ تجزیہ ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں جو علمی تحقیق و تجزیہ کے بلند بانگ دعووں کے باوجود یہودی اور عیسائی مستشرقین (ORIENTALISTS) کے متعصبانہ اور پر عناد کذب و افترا کا شکار ہوتے ہیں اور حقیقت و واقعیت کا منہ چڑاتے ہوئے امن و سلامتی کے دین "اسلام" کو بزور شمشیر پھیلایا ہوا دین کہتے ہیں۔

ہیروشیما اور ناگاساکی میں اپنی جنگی مردانگی کے مظاہرے کرنے والی "مہذب، ترقی یافتہ اور برتائی ہوئی قوموں کے مؤرخین و محققین کیا اس حقیقت سے چشم پوشی کر سکتے ہیں؟ کہ ایک ایک دو دو دن کی معمولی جنگوں بلکہ ایک دو گھنٹہ کی بمباری میں ہزاروں انسانوں کو بے تکلف موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے اور اسے روشنی اور انسانیت کے یہ علمبردار سند جواز عطا کرنے میں قطعاً تامل نہیں کرتے، کم و بیش ربع صدی کے طویل حربی دفاع میں ہزار ڈیڑھ ہزار جانوں کا ضیاع آخر انھیں کیوں کھلتا ہے۔؟

اور پھر جس صورت میں کہ اس جہاد فی سبیل اللہ کے نتیجے میں نو دس لاکھ مربع میل کے وسیع و عریض ملک میں آئندہ ہمیشہ کے لیے امن و امان اور سکون و راحت کی وہ فضا قائم ہو جاتی ہے جس کی پیشگوئی مخبر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کچھ ان الفاظ میں فرمائی کہ وقت آئے گا کہ "صنعا سے حضر موت تک ایک تن تنہا عورت ہاتھوں میں سونا اچھالتی چلی جائے گی اور اُسے روکنے ٹوکنے کی جرأت کسی کو نہ ہوگی۔"

اور فی الواقعہ ایسا ہی ہوا۔ چند سال بعد ہی دنیا نے اس پیشگوئی کو عملاً متشکل ہوتے دیکھ لیا کہ بے رحم لٹیروں اور قطاع الطریق رہزنوں کے اس دیس میں ؎

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا — اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

وما اریدالا الاصلاح ما استطعت

داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام فطرتاً صلح پسند اور امن دوست تھے۔ جنگ و جدال اور حرب و قتال سے آپ کو طبعاً نفرت تھی۔ آپ اس وقت تک آمادۂ قتال نہیں ہوتے تھے جب تک حریف پہل نہیں کر لیتا تھا۔ آپ کی سلامت روی اور مصالحت کوشی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے رسل و رسائل اور مراسلہ و مواصلات کی چند در چند دقتوں کے باوجود سو کے لگ بھگ سیاسی مشن ملک کے اطراف و اکناف میں بھجوائے۔ پانچ سو سے زیادہ تبلیغی اور دعوتی خطوط اندرون ملک اور بیرون عرب ملحقہ حکومتوں اور ان کے سربراہوں کے نام ارسال فرمائے۔ جن میں سے چار سو کے قریب مکاتیب نبوی کے مضامین و متون اور ان کے مکتوب الیہم کے نام پتے معلوم ہو چکے ہیں۔ حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیاسی سفیروں اور خیر سگالی کے وفود کے ذریعے جزیرۃ العرب کے اکثر قبائل کے سرداروں اور چھوٹی بڑی ریاستوں کے شیوخ اور اُمراء کو صلح و امن کا پیغام دیا اور ان کے مقابل میں اپنی عسکری برتری اور حربی مہارت میں تفوق کے باوجود جنگ آزمائی کے بجائے تالیفِ قلب اور صلح پسندی کے ذریعے اُنھیں اپنا حلیف بنا لیا۔ تاریخ و وقائع کے صفحات اس حقیقت کو آشکارا کر رہے ہیں کہ کم و بیش تین سو قابلِ ذکر اور سربرآوردہ شیوخ اور رؤسائے عرب نے آپؐ سے امن و سلامتی کی بیعت کی، اور قریب قریب تیس معاہداتِ صلح طے پائے۔ یہ ساری تفصیلات ظاہر کرتی ہیں کہ نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کی تبلیغ اور مشن کی تکمیل کے لیے حرب و ضرب اور جبر و اکراہ کے ہتھیاروں سے کبھی اور کسی ایک موقع پر بھی کام نہیں لیا بلکہ ہمیشہ اپنے مخاطبین کے دلوں کے دروازوں پر ہی دستک دی ہے اور ان کے ذہن و ضمیر کو انسانی فلاح و صلاح کے پیغام سے روشن کرنا پسند فرمایا ہے۔

اس رحمت و رافت صلح و مصالحت کے مقابلے میں اگر حریفوں نے عناد و سرکشی کے مظاہرے کیے ہیں تو بھی حضورؐ نے عفو و تصفح ہی کا وطیرہ اپنایا ہے۔ ہاں اگر دشمنوں کا بغض و عناد حدِ برداشت سے بھی آگے بڑھ گیا ہے اور ان کی فتنہ انگیزیاں امن و انسانیت کے لیے مہلک بننے لگی ہیں تو آپؐ نے مجبوراً دفاعی اقدامات کئے ہیں اور ان میں بھی کوشش یہی رہی ہے کہ دونوں طرف سے جانی نقصان کم سے کم ہو اور فتنہ و فساد کی آگ کو زیادہ بھڑکنے اور پھیلنے سے جلد از جلد روک دیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ عرب کے جنگ بازوں کی قدیم روایات کے برخلاف کہ نارِ حرب مہینوں بلکہ سالوں تک شعلہ افروز رہتی تھی۔ آپؐ کے غزوات کے چند دنوں بلکہ بسا اوقات چند گھنٹوں سے زیادہ کے وقفے تک طول نہیں کھینچتے تھے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی انسان دوستی

یہ بھی اس عظیم الشان شخصیت کے معلمانہ اخلاق اور مصالحانہ کردار کا ایک اور پہلو ہے جو اس داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلاحی اور تعمیری اقدامات میں آپؐ کی انسان دوستی کو اُجاگر کرتا ہے۔ فرشتوں کے بقول من یفسد فیھا و یسفک الدماء کے مسالوں اور قتل و غارت گری کے خونی عناصر سے بنی ہوئی مخلوق کی سفاکی اور فساد انگیزی کو بھی حضورؐ نے اپنی بے مثال رحمدلی اور اصلاح پسندی سے کم سے کم تر کر دینے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

پوری دنیا کی جنگی تاریخ کو کھنگال جائیے کہیں بھی حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم الی یوم الدین کے مغازی کی مثال نہیں ملے گی۔ حرب و ضرب اور قتال و مقاتلہ میں پورے جوش و جذبہ سے حصہ بھی لیا جائے اور کم سے کم جانی نقصان کے عوض زیادہ سے زیادہ مفاد انگیز کیا جائے۔ جیسا کہ ہم اُوپر واضح کر چکے ہیں کہ صرف دو ہزار کی نفری پر مشتمل مدینہ منورہ کی اسلامی حکومت ۲ھ میں طاغوتی نظام ہائے حیات کے مقابلہ میں اسلام کا پرچم بلند کرتی ہے۔ اس کے پیش نظر اعلائے کلمۃ الحق ہے اور وہ ایک اسی نصب العین لیظھرہ علی الدین کلہ۔ کی تکمیل چاہتی ہے اپنے تعمیری اصلاحی، اخلاقی اور رُوحانی پروگرام پر احترام آدمیت اور فلاح انسانیت کے زرین اصولوں کے تحت عمل پیرا ہو جاتی ہے۔ اسے عرب کے کینہ توز جنگ آزما سکھ چین کا سانس نہیں لینے دیتے۔ انھیں یہ تک گوارا نہیں ہے کہ وہ امن و عافیت کے ایک گوشے میں بیٹھ کر اپنے اصلاحی مشن کی تکمیل کا فلاحی اور رفاہی کام کرتے رہیں کبھی وہ مدینے کے

یہودیوں کو اکساتے ہیں اور کبھی اطراف و جوانب کے بت پرست قبائل کو بھڑکاتے ہیں اور موقع ملتا ہے تو خود اپنے دستے بھیج کر مسلمانوں کو جانی مالی نقصان پہنچانے میں دریغ نہیں کرتے۔ مخالفت و عناد کی یہ لَے یہاں تک بڑھتی ہے کہ مدینہ منورہ میں حضور علیہ السلام کے پیغام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لیے پورے جوش و غضب سے چڑھ دوڑتے ہیں۔

گو ہمیشہ چاند پر تھوکا انھیں کے منہ پر آتا ہے اور ان کی ہر تدبیر اُلٹی پڑتی ہے۔ اور ان کا غیظ و غضب خود انھیں کے لیے وبالِ جان بنتا ہے۔ قل موتوا بغیظکم، لیکن ہر دفعہ وہ پہلے سے زیادہ بھنا کر مسلمانوں کی مختصر سی جماعت کو زک پہنچانے کی نئی ترکیب DEVICE ایجاد کرتے ہیں۔ تاہم پھر ایک تازہ رسوائی ان کا مقدر بن جاتی ہے لیکن اس پر بھی وہ باز نہیں آتے۔

باطل کی نگونساری

اور حق و باطل کی یہ آویزش ہمیشہ سے یونہی چلی آئی ہے۔ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق۔ باطل جب حق سے ٹکراتا ہے تو ہمیشہ منہ کی کھاتا ہے۔ اس کے بیسیوں اوچھے واروں کے جواب میں حق کی ایک ہی ضربِ کاری اس کے سر کے ٹکڑے اڑا دیتی ہے اور اس کا بھیجہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔ حق کے مقابلے میں باطل کتنی ہی اکڑفوں دکھائے ٹھہر نہیں سکتا۔ جآء الحق و زھق الباطل، ان الباطل کان زھوقا۔

حضرت نبی امی فداہ ابی و امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خالق کون و مکاں کی تائید و حمایت حاصل تھی۔ دشمن نے شیطانی ہتھکنڈوں اور طاغوتی روباہ بازیوں کے تمام حربے آزما لیے لیکن حضور نبی کریم اور ان کے جاں نثار و فداکار ساتھیوں کی روز افزوں بڑھتی ہوئی قوت کے سیل بے پناہ کے سامنے بند باندھنے کی ان کی کوئی سی کوشش کامیاب نہیں ہوئی اور گنتی کے چند سال بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ مدینہ منورہ کی مرکزی اسلامی حکومت کے سامنے جزیرۃ العرب کی مستبد، خودسر اور مطلق العنان حکومتیں اور ریاستیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئیں۔

ابلق ایام پر سرورِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کنٹرول

اس تمام صورتِ حالات کا غیر جانبدارانہ اور منصفانہ تجزیہ کرنے پر اپنے تو خیر اپنے ہیں، غیر بھی اس اعتراف حقیقت پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس درجہ مختصر بلکہ ناقابلِ ذکر افرادی قوت، استعدادی زبوں حالی اور ماحول کی عدم مساعدت کے باوصف ایک دہائی (DECADE) سے بھی کم مدت میں اتنی انقلاب آفریں کامیابیاں حاصل کر لینا اور کسریٰ کے فاتح اور عرب و شام کے نصاریٰ کے پشتیبان قیصر شہنشاہ روم کو اس کے اہالی موالی سمیت وادیٔ خمول میں دھکیل دینا اور وہ بھی ایک بے سروسامان امی لقب اُ

بادیہ نشین عرب کے ہاتھوں بظاہر سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کارکنان قضا و قدر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارۂ چشم و ابرو پر کام کر رہے تھے۔ اشہب دوراں کی باگ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی کہ جس رُخ چاہتے تھے اُسے موڑ دیتے تھے اور یہ باور کرنا ہی پڑتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کی عالمی سیاست کا پورا پورا شعور رکھتے تھے۔ اس عہد کے طبعی اور تاریخی تقاضوں پر آپ کو پوری گرفت حاصل تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عہد شناس ہی نہیں عہد ساز بھی تھے۔ یہاں تک کہ صورتِ حالات کو اپنی حسب منشا ڈھال لینے کی غیر معمولی گر خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اللّٰھم صل وسلم علیہ۔

جنّت البقیع

سیّد مسعود مشہدی

"مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنوب کی طرف جاتی ہوئی سڑک پر چند قدم چلنے کے بعد تقریباً
نو فٹ اُونچی دیوار کا اِحاطہ نظر آئے گا۔ جس کی لمبائی ۱۵۰ میٹر اور چوڑائی ۱۰۰ میٹر ہے۔ اس کے بڑے
دروازے کی پیشانی پر ایک پتھر پہ کندہ نظر آئے گا۔ " ھٰؤلا بقیع شریف "

زمین کا وہ حصہ جو مختلف جڑ دار درختوں کا مرکز ہو۔ عربی لُغت میں اس کو بقیع کہتے ہیں۔ اس صفت کی بناء پر اس حصّہ کو بقیع کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد اس زمین کو جنت البقیع اور بقیع شریف کا اعزاز ملا۔ اس بقیع شریف یا جنت البقیع کے اس پار ایسے مقدس اجسام کو مقامِ آرام ملا۔ جن میں سے اکثر ایسے بھی ہیں جنھیں اللہ کے بعد بزرگ و برتر متعلمِ الٰہی اور معلّمِ دینِ قیم، شافعِ محشر، رحمتِ دوعالم محمّد و احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی رشتے کی عظمت حاصل ہے۔

لختِ جگر، آنکھوں کی ٹھنڈک، مادرِ مشفق، برادرزادے، نواسوں کے نواسے، بھائی، دوست، جاں نثار، معیارِ وفا، معیارِ صداقت، معیارِ شرافت، غرض رشتوں کے تعلق کے علاوہ اعلیٰ و ارفع بہترین سے بہترین اعمال سے مزیّن ہستیوں کے مقدس اجسام کی امین۔
بہت تھوڑی سی زمین ـــ مگر اپنی عظمت کے اعتبار سے سارے آفاق پہ حاوی۔!

ہزارہا صحابہ کرام و صحابیات کی آرامگاہ جنت البقیع۔ بقیع شریف!
الفاظ میں اتنی قدرت کہاں کہ ان کی عظمتوں اور برکتوں کا احاطہ کر سکیں۔ مگر اس نامکمل سے تعارف کے بعد تھوڑا سا تفکر۔
ان میں سے ہر ایک کو جھوٹ سے نفرت تھی۔
ہر ایک کو سچائی اپنی جان سے پیاری تھی۔
ہر ایک کو اللہ اور اس کے رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی۔
ہر ایک کو موت کے بعد کی زندگی کا یقین تھا۔
ہر ایک کو وحدہٗ لاشریک کے مختارِ مطلق ہونے کا یقین تھا۔
ہر ایک صرف انہیں عادتوں کو مقصدِ حیات سمجھتا تھا جس کا درس انھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال سے ملتا تھا۔
اخوت، مساوات، قناعت، صبر، شجاعت، عدالت، عفت، حکمت، علم، عمل اور یقین کا وہی معیار آن کی زندگی تھی جس پر اللہ جل شانہٗ اور ان کے منتخب قائدِ اوّل و آخر انسانیت کی رُوح، انسانیت کی معراج، انسانیت کا معلّم تربیت کنندہ، موت کے بعد کی زندگی کے شاہد ـــ اللہ کے نام نظامِ قیام و تدبیر کے عینی گواہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی۔

اس لیے ضروری ہے

قدم اس دروازہ کے اندر رکھنے سے پہلے ہم ندامت اور اپنی کم عملی اور کمزور ترین یقین اور اعتراف کے ندامت بھرے آنسوؤں سے اپنی نیت کو سچا بنالیں۔ اپنے جسم — اور نگاہ کو پاک کریں۔ ہوسکتا ہے۔ دل کی نگاہوں کو وہ روشنی مل جائے جوان نوروں کو چھونے کے بعد ہمیں ان اعمال کی شرافت نصیب ہوجائے جو قیامت کے دن شفیع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبِ نظر ہوں — !

اب آیئے اندر چلیں

اسی انداز سے جس انداز سے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم شعبان کی پندرھویں شب تشریف لایا کرتے تھے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے یوں بیان کیا ہے :

ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خرج الی المقبرة ۔ فقال : السّلام علیکم دار قوم مومنین "

"جب حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ جنت البقیع میں داخل ہوتے تو فرماتے : السلام علیکم " مومن قوم کی بستی اور مومنوں پر اللہ کی سلامتی ہو۔ !

" و انّا ان شآء اللہ بکم لاحقون "۔ اور ہم اللہ نے چاہا تو تم سے ملاقات کرنے ہی والے ہیں "

انتم سلفنا و نحن بالاثر یغفر اللہ لنا ۔ ولکم و رحم اللہ المتقدمین منکم والمتاخرین اللّٰھم

لاتحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم واغفرلنا ولھم اللّٰھم اغفر لاھل بقیع غرقد -

لہٰذا آپ بھی سب سے پہلے انھیں کلمات " سلام " سے آغاز کیجئے ۔

اور اب نگاہ اور قدم کا رُخ دائیں جانب کیجئے۔ جہاں اس زمین کے حصّہ کو سب سے پہلے جس جسم اطہر کو سپردِ خاک کیا گیا۔ ان کا نام تھا۔

(۱) عثمان بن مظعون ۔" اس وقت محمد بن علی بن الحنفیہ کا گھر یہاں ہوتا تھا۔ اُس کے قریب " اس کے بعد

(۲) ابراھیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ۔ ابن زبالہ قدامہ بن موسیٰ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں ۔ ۔

" فلمّا توفی ابنہ ابراھیم " قالوا یا رسول اللہ ۔ این نحفرلہ " ۔

اور جب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لختِ جگر ابراہیم علیہ السّلام وفات پاتے تو پوچھا گیا۔ ان کو کہاں دفن کیا جائے؟

تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

قال عند فرطنا عثمان بن مظعون " عثمان بن مظعون کے پہلو میں "

(۳) رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : فلمّا ماتت رقیہ بنت رسُول صلّی اللہ علیہ وسلم وقال الحقی بسلفنا عثمان بن مظعون رض ۔

"جب آپ کی بیٹی رقیہ وفات پا گئیں تو ان کے بارے میں بھی فرمایا۔ اسے عثمان بن مظعون کے پاس ہی دفن کرو۔"

۴ - قبر فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا
ام علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ
ابن شیبة نے جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔

بینا نحن جلوس مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ اتاہ آت۔ فقال: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ام علی وجعفر وعقیل قد ماتت!

ہم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مجلس میں موجود تھے۔ جب ایک شخص نے آکر خبر دی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رضی اللہ عنہٗ، جعفر رض، عقیل رض کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔

فقال: تو رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوموا الی اُمی۔ میری والدہ کے احترام میں اُٹھ جاؤ۔

فقمنا: ہم سب اُٹھ گئے۔ اس کے بعد ہم سب وارو فات پہ پہنچے۔ آپ نے اپنی قمیص پھاڑ کر اُسی کا ایک ٹکڑا دیتے ہوئے فرمایا "غسل کے بعد۔ اُن کے کفن میں رکھ دیا جائے۔"

اس کے بعد جب جنازہ چلا تو آپ نے اسے دو بار کندھا دیا۔ پھر دو بار دائیں طرف اور پھر دو بار بائیں طرف کندھا دیا۔

اس کے بعد قبر کھودی گئی تو اللہ کا نام لے کر خود داخل ہوئے، قبر میں لیٹے۔ اور پھر باہر آ گئے۔ اس کے بعد ام علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو لحد میں لٹایا گیا تو قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا: "بہترین ماں اور بہترین مربیہ! تم پر خدا کی رحمتیں ہوں!"

صحابہ کرام نے جب حیرت سے قمیص پھاڑ کر کفن میں رکھنے اور خود قبر میں اُترنے اور لیٹنے کی حکمت کے بارے میں دریافت کیا۔ تو فرمایا: "قمیص کا ٹکڑا اس لیے کہ انھیں جہنم کی آگ سے بچائے اور قبر میں لیٹنے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس قبر کو وسعت دے دیں۔"

۵ - عبدالرحمان بن عوف رض
۶ - سعد بن ابی وقاص رض
۷ - عبداللہ بن مسعود رض
۸ - خنیس بن خذافہ رض
۹ - سعد بن زرارہ رض

اس کے علاوہ یہاں ہزاروں صحابہ کرام خوابیدہ ہیں جن میں سے ہر ایک نے اپنے اعمال و اقوال اور ایمان و ایثار کی قابلِ حیرت تاریخیں چھوڑی ہیں۔

۱۰ - نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر رض
۱۱ - مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ
۱۲ - ابی سفیان بن الحارث رض
۱۳ - عقیل بن ابی طالب رض
۱۴ - عبداللہ بن جعفر ذی الجناحین

ازواج مطہرات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم:

۱۵ - اُمّ حبیبہ رض

۱۶ ۔ ام سلمۃ رضؓ
۱۷ ۔ عائشۃ الصدیقہ رضؓ
۱۸ ۔ ام المومنین حفصہ رضؓ
۱۹ ۔ ام المومنین سودہ رضؓ
۲۰ ۔ زینب بنت جحش رضؓ
۲۱ ۔ زینب بنت خزیمہ (ام المساکین)
۲۲ ۔ جویریہ رضؓ
۲۳ ۔ ام المومنین صفیہ رضؓ اور
۲۴ ۔ اُمّ المومنین میمونہ رضؓ ۔
ماسوا اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ "مشہد جنت المعلیٰ" میں مدفون ہیں ۔

بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۵ ۔ سیدہ اُمّ کلثوم علیہا السلام

کہیئے :

السلام علیکن یا بنات رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
السلام علیکن یا بنات نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

۲۶ ۔ خلیفۃ المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

کہیئے :

السلام علیک یا ثالث الخلفاء الراشدین عثمان بن عفان ذالنورین ۔
السلام علیک یا مجهز جیش العسرۃ بالنقد والعین ، جامع القرآن بین الدفتین
جزاک اللہ عن امۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۔
اللّٰھم ارض عنہ وارفع درجتہٗ واکرم مقامہ واجزل ثوابہ ۔ امین ۔

اہل بیت

۲۷ ۔ عباس عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم
۲۸ ۔ سیدہ فاطمۃ الزھراء سیدہ نساء العالمین ، ام سیدی شباب اھل الجنۃ فی الجنۃ ۔
۲۹ ۔ علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام
۳۰ ۔ حسن بن علی علیہ السلام ۔
۳۱ ۔ محمد باقر
۳۲ ۔ جعفر صادق

کہئے ،

السلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

اس کے بعد آپ کا خلوص اور محبت جس طرح بھی ہدیۂ عقیدت پیش کر سکے۔!

وفاء الوفاء کے مؤلف سمہودی نے حسین علیہ السلام کے سر کے بارہ میں محمد بن سعید کے حوالے سے لکھا ہے۔
یزید بن معاویہ نے عامل مدینہ سعید بن العاص کو سر مبارک بھیجا۔ اور اس نے کفنا کر جنت البقیع میں ان کی والدہ سیدہ کے احاطہ میں دفن کیا۔" (واللہ اعلم بالصواب)

۳۳۔ صفیہ بنت عبدالمطلب — عمۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۴۔ اسمٰعیل بن جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ۳۵۔ مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور بحوالہ ذخائر مدینہ منورہ، تنقیب وجمع محمد سعید دفتر دار مطبوعہ منشورات مطبعۃ الانصاف، بیروت۔

شہداء الحرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مشہد عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے آتے ہوئے دائیں طرف ایک احاطہ سا راقم نے بھی دیکھا ہے۔ یہاں شہدائے الحرۃ — مدفون ہیں۔

لیکن ان کے اسماء کی تفصیل کوشش کے باوجود نہیں ملی۔

یہاں پڑھیئے:

السلام علیکم یا شہداء الحرہ۔ السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار یغفر اللہ لنا ولکم۔

آمین ثم آمین۔

اب یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے بقیع شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اقدس میں کن عظمتوں کی حامل ہے۔ وہ بھی سن لیجئے!

اُمِ قیس بنت محصن کہتی ہیں۔

غرقد بقیع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام لے کر پکارا۔ میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپؐ نے فرمایا:

"قیامت کے دن ان مقابر میں سے ستر ہزار نفوس اس طرح اُٹھیں گے کہ ان کے چہرے سورج اور چاند (بدر) سے زیادہ روشن ہوں گے"

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت کے دن زمین سے سب سے پہلے اُٹھنے والوں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم، پھر ابوبکرؓ، پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر جنت البقیع میں مدفون اور پھر مکہ کے لوگ اُٹھیں گے۔"

آپؐ نے فرمایا۔

مرقد بقیع اور مقبرہ بعسقلان دونوں آسمان والوں کے لیے اس طرح نور افشاں ہیں جس طرح دنیا والوں کے لیے سورج اور چاند!

ان ارشادات سے بقیع شریف، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں کتنا محبوب اور عظیم ہے۔ آپ خود اندازہ لگالیجئے۔

جنات بارگاہِ نبوی میں

محمد مسعود عبدہ

صاحب ھدیٰ للعالمین رحمۃ للعالمین علیہ التحیۃ والسلام کی بارگاہِ ہدایت سے نہ صرف انسان نے شرف ہدایت پایا۔ بلکہ "جنات" نے بھی آپ کی بارگاہ رسالت کی صداقت پر سرِ تسلیم خم کیا۔

قرآن مجید میں سورۃ جن میں جنات کی آمد قرآن حکیم کی سماعت اور تصدیق رسالت و ہدایت کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

"قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝

کہہ دیجئے مجھے بذریعہ وحی اطلاع دی گئی۔ جنات کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا اور" اس کی معجز بیانی اور مضامین" کے اثرات پر تعجب کا اظہار کیا۔

یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ

جو راہِ راست سمجھاتا ہے۔ اور ہم نے اُس کی ہدایات کو تسلیم کر لیا (ایمان لے آئے)

وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝

اب ہم اپنے وعدۂ لاشریک رب کا کسی کو بھی حصہ دار نہیں مانیں گے۔

وَاَنَّهُ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝

بے شک ہمارا رب بڑی شان والا ہے۔ نہ اُس کی بیوی ہے' نہ اس کی اولاد۔

وَاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝

یقیناً ہم میں سے بے وقوفوں نے اللہ تعالےٰ سے جھوٹی باتیں وابستہ کر رکھی ہیں۔

وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَاَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝

اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ انسانوں اور جنوں میں سے کسی کی مجال ہی نہیں کہ وہ اللہ کے بارے میں جھوٹے الزام تراشنے۔۔

انسانوں میں سے کچھ انسانوں نے جنوں سے پناہ مانگی جس کے سبب جنات میں جذبہ سرکشی اور بڑھ گیا۔

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝

اور بلاشبہ تمہاری طرح انسانوں نے بھی گمان کر لیا کہ اب اللہ کسی "ہادی" کو نہیں بھیجے گا۔"

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ ہم نے آسمان کو چھو کر دیکھا تو اسے

سخت پہرے اور خطرناک شعلوں میں بھرا پایا

وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ۝

اور ہم اس سے پہلے آسمان میں جگہ جگہ باتیں سننے کے لئے بیٹھ جایا کرتے تھے۔ لیکن اب جو کان لگائے تو ایک شعلہ اپنی تاک میں پایا۔

وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝

اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں سے کسی بُرے ارادہ کا فیصلہ کیا گیا ہے یا ان کا رب ان سے کسی بھلائی کا ارادہ کر چکا ہے۔

وَأَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِنَّا دُونَ ذَٰلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا ۝ اور بلاشبہ ہم میں بعض نکوکار ہیں اور بعض اس کے سوا بھی۔ ہم مختلف فریق ہیں۔

وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَن نُّعْجِزَهُ هَرَبًا ۝ وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ ۖ فَمَن يُؤْمِن بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ۝ وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ ۖ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا

اور ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکیں گے، اور نہ ہم بھاگ کر اسے مات دے سکتے ہیں۔ ہم تو ہدایت سنتے ہی مسلمان ہو گئے! اور ہم سے بعض بے انصاف بھی ہیں۔ طے شدہ بات ہے جو مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے صحیح راستہ کا انتخاب کیا۔

وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ اور ظالم جہنم کا ایندھن بن گئے۔

وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا ۝ اور اے نبی یہ بھی کہہ دو اگر لوگ راہ راست پر قائم رہتے تو ہم ان کو پانی بھر کر پلاتے۔

جنات کا قرآن مجید سننا، اس کی اثر انگیزی اور مطالب ہدایات بحوالہٗ توحید کو دل سے تسلیم کرنے کے بعد اپنے باقی جنات کو جا کر ان کا اظہار توحید اقرار توحید اور پھر اس کی تبلیغ کے بارہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم نہیں تھا وہ یہ تھی (بحوالہ ابن کثیر) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ جب شیاطین جو اس سے پہلے آسمان کے ان حصوں میں جا کر بیٹھ سکتے تھے۔ مگر کچھ دنوں سے ان مقامات پر پہنچتے ہی ان کو آگ کے شعلوں نے طمانچے مارنا شروع کر دیئے۔ جو ان کے لئے بڑی حیران کن بات تھی۔ آسمان پر رونما ہونے والے اس بالکل نئے حادثہ کے بارے میں سب جن پریشان ہو گئے۔ آپس میں مشورہ ہونے لگا۔ دانشوروں کی جماعت اکٹھی ہوئی۔ بحث مباحثے کے بعد جنات نے اپنے سب سے بزرگ اور بڑے جن (شیطان) ابلیس کے سامنے مسئلہ پیش کیا۔ اس نے کہا

سلہ :۔ چودہ سو سال پہلے کسی کا آسمان کی بلندیوں میں جا کر بیٹھنا ناقابل یقین تھا۔ اس وقت کے دانشوروں نے اسے باطل ٹھہرایا۔ لیکن آج کے زمانہ میں جب روس اور امریکہ کے خلا باز خلاؤں میں چہل قدمی کی خبر دیتے ہیں تو دانشور اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ کرنا بھی چاہئے۔ لہٰذا اللہ کے فرمان سچے تھے۔ سچے ہیں۔

میرے خیال میں روئے زمین پر کوئی غیر معمولی انقلاب انگیز شخصیت پیدا ہوئی ہے۔ جاؤ دنیا کے کونے کونے میں پھیل کر پتہ لگاؤ۔ سمجھ میں نہ آئے تو۔ ہر خطہ کی مٹھی بھر مٹی اپنے ساتھ لے آؤ۔

چنانچہ یہی ہوا۔ شیطانوں (جنات) کی ٹولیاں دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلیں اور حسب حکم مٹی لے آئیں۔ بزرگ شیطان نے مختلف علاقوں سے لائی ہوئی مٹی کو سونگھنا شروع کیا۔ لیکن مکہ معظمہ۔ اور مدینہ منورہ کی مٹی سونگھتے ہی اس کے چہرہ کی رنگت بدل گئی۔ آنکھوں میں غم[1] کی اندھیری رات چھاگئی۔ انتہائی دل شکستہ آواز میں۔ اعلان کیا۔ یہ انقلاب انگیز شخصیت۔ مکہ معظمہ کی سرزمین میں پیدا ہوئی ہے۔ سب کے سب چونکے۔ اور اپنی دشمن دین شخصیت کی طرف اس لئے بڑھے کہ وہ اسے جانیں۔ اسے سمجھیں۔ اور پھر اگر ان کے بزرگ ابلیس کے خلاف یا نسل آدم کی بھلائی میں اس شخصیت کا عمل کوشاں ہو۔ تو ہم اس کی پر زور مخالفت کریں۔ اسے پھلنے پھولنے سے پہلے مسل دیں (نعوذ باللہ)

چنانچہ اس مقصد کے لئے جنات کی ایک جماعت اس وقت مکہ معظمہ میں پہنچی۔ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار عکاظ کی طرف جاتے ہوئے مقام نخلہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ جنات کی اس جماعت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے آواز رحمت و برکت سے قرآن حکیم کی آیات "نور علی نور" سنیں تو۔ سب کے سب حیرت میں ڈوب گئے' شان حالت کے سامنے دم بخود۔ بغیر آداب سلام کہے اپنی جماعت۔ جنات میں لوٹے۔ اور انہیں خبر دی! ہمارے بھائیو! ہم نے اس بے مثال شخصیت انقلاب آفریں کی زبان سے ایسی عجیب و غریب کلام سنی (قرآن مجید) اس لے ہم پر بڑی اہم حقیقت کا انکشاف کیا۔ ہمارے ضمیر تو اسی وقت اُس کی صداقت کو مان گئے۔ اور اب ہم اعلان کرتے ہیں کہ نبی آخر الزمان ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سچے' قرآن سچا۔ آج سے ہم اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ نہ ہی اس کو کسی نے پیدا کیا ہے۔

یہ تھی جنات کی سب سے پہلی دانشوروں کی جماعت' جن کی عقل نے صداقت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کیا۔ اور زبان سے بے باک اعلان کیا جس سے جنات کی دنیا میں بھی تہلکہ مچ گیا۔ تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبلغ جنوں میں بھی پیدا ہو گئے! ابلیس سٹپٹایا۔ غصہ میں تھر تھرایا۔ ان کو ڈرایا دھمکایا۔ مگر سب بے سود! سچائی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اور جب یہ کسی کے دل میں "ایمان" کے ساتھ جاگزیں ہو جائے تو پھر۔ ناقابل تسخیر قوت بن جاتی ہے۔

ابلیس نے اپنے ہم عقیدہ جنات کو یہ کام سونپا۔ کہ تم احکامات الٰہیہ کو سنو۔ اور اُس میں ایسی تبدیلیاں کر دو کہ حقیقت! خرافات میں ڈوب جائے۔ غرض ادھر ابلیس کی کارروائیاں تیز تر ہو گئیں۔ ادھر۔ ایمان لانے والے جنات کا عمل دوسرے جنات کو متاثر کرنے لگا۔ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گروہ در گروہ جنات تعلیم کے لئے حاضر ہوتے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے الگ اور مخصوص مقامات پر درس فرماتے! عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابہ اکرام سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ آج کی رات تم میں سے جو بھی چاہے "جنات" کو تعلیم دینے کے سلسلہ میں میرے ساتھ چلے! سب کے سب خاموش رہے۔ لیکن میں نے ۔ اظہار معیت کیا

---

[1] ۔ مٹی سونگھنا اور علاقہ کا تعین ۔ اس وقت تو یہ بھی عجیب بات ہوگی۔ لیکن آج تو مٹی اور دھاتوں کا تجزیہ اور اس کی روشنی میں مٹی کے مقام کی خصوصیات کا تعین ۔ عام بات ہے۔

چنانچہ اس رات شفیع المذنبین ہدی للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جب پہاڑی کے ایک بلند حصہ پر پہنچے تو ۔ مجھے اپنے قدم مبارک سے ایک گول دائرہ کھینچ کر حکم فرمایا کہ تم یہیں اس حدود میں بیٹھ کر دیکھتے رہو ۔ میں بیٹھ گیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر قرآن پاک کی تلاوت شروع کی تو دیکھتے ہی دیکھتے مختلف سمت سے غول در غول جماعتیں انتہائی ادب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں چاروں طرف سے آئیں اور بیٹھ گئیں ۔ میں تو قرآن حکیم (اور پھر تلاوت کرنے والے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی حلاوتوں میں کھو گیا ۔ اثرات نے دنیا و مافیہا ۔ سے بے خبر کر دیا ۔ لیکن جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک خاموش ہوئی تو میں نے دیکھا ۔ بادل کے چھٹتے ہوئے ٹکڑوں کی طرح جنات گروہ در گروہ مختلف سمت بکھر گئے ۔ اب صبح ہو چکی تھی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا ۔ تم نے کیا دیکھا ۔ ؟

میں نے عرض کیا ۔ میں نے دیکھا ۔ سیاہ رنگ ، بھیانک چہرے اور سفید لباس میں ملبوس مخلوق ۔

آپ نے فرمایا ۔ ہاں ۔ یہ مختلف قبیلوں اور مقامات سے آئے تھے ۔ انہوں نے مجھ سے انسانوں کے ساتھ مساجد میں نماز پڑھنے کی درخواست کی لیکن میں نے انہیں منع کر دیا ۔ اتفاقاً نماز پڑھ لیں تو جائز ہے لیکن مستقل اختلاط یعنی گھل مل جانے سے منع کر دیا ۔ اسی طرح ایک بار حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بارگاہ نبوی میں جنات کے مجمع کو دیکھنے کا موقع نصیب ہوا تو وہ کہتے ہیں ۔

مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گول دائرہ کی حدود میں بیٹھنے کا حکم فرمایا ۔ اور خود ۔ ایک اونچے مقام پر کھڑے ہو کر قرآن حکیم کے اوامر و نواہی پر مبنی آیات تلاوت فرمانا شروع کیں ۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک جم غفیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے ایسے گھیرا ۔ جیسے چاند بادلوں میں گھر جائے ۔ مجمع کا شور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ۔ لیکن اس مہیب صورت مخلوق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غائب دیکھ کر میں گھبرا گیا ۔ لیکن میں نے دیکھا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھڑی سے بیٹھنے کا حکم دے رہے ہیں ۔ یہ سلسلہ چلتا رہا ۔ اختتام پہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۔ جنات چلے گئے تو میں نے اپنی تشویش کا اظہار کیا ۔ تو آپ نے فرمایا ۔ ان لوگوں میں ایک قتل کا واقعہ ہو گیا تھا ۔ دونوں فریق اپنے اپنے دلائل پیش کر رہے تھے ۔ میں نے اُن کا فیصلہ کر دیا ۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے حوالے سے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جنات نے مجھ سے توشہ مانگا تو میں نے ان کو اللہ تعالےٰ کے نام پر مذبوح جانوروں کی ہڈیاں اور گھوڑوں کی لید تجویز کی ہے ۔ اور انہیں بتایا کہ ان ہڈیوں کو ان کے ہاتھ میں لیتے ہی اللہ تعالےٰ ویسا ہی گوشت پوست دے دیں گے ۔ جیسا کہ پہلے تھا ۔ اسی طرح گھوڑوں کی لید ان کی غذا کی صورت میں بالکل وہی وجود اختیار کرے گی ۔ جو گھوڑوں کے معدوں میں جانے سے پہلے تھا ۔ (یعنی دانے یا غذا کی دوسری اصلی صورت)

اس لئے آج سے ہم تمام امت مسلمہ کے لئے ہڈیوں اور گوبر سے نجاست صاف کرنا ممنوع قرار دیتے ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسانوں کی طرح ان میں بھی مرد اور طاقتور ہیں ۔ قتل اور جھگڑے بھی ہوتے ہیں ۔ ان میں بھی صالح اور متقی اور نیک جن موجود ہیں ۔ ان میں بھی شر پسند ، ایذا پسند اور فساد پسند جن موجود ہیں

ان میں بھی ایک گروہ شرک میں مبتلا ہے اور ایک گروہ انبیاء اور آسمانی کتابوں کے احکام کی اتباع کرتا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان جلیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ۔ انسانوں کی طرح "جن" بھی "عبادات کے مکلف قرار دیئے گئے ہیں ۔

ارشاد ربانی ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ○ ہم نے انسانوں اور جنوں کا مقصودِ حیات اللہ جل شانہ کی "عبادت" (فرماں برداری) قرار دیا ہے۔

ایک اور جگہ "سورۃ احقاف چھبیسواں پارہ" قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ اور ہم نے جنات کی ایک جماعت کی توجہ تمہاری طرف مبذول کی۔ انہوں نے قرآن حکیم سنا۔

فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۔ اور جب وہ حاضر ہوئے تو دوران سماعت انہوں نے ایک دوسرے کو مؤدب خاموشی کا حکم دیا۔ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ○ اور جب تلاوت اختتام کو پہنچی تو یہ جماعت اپنے دوسرے افراد کی طرف لوٹی۔ اور انہیں بھی ان احکامات سے آگاہ کیا۔

قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ اے ہماری قوم ہم نے وہ کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی اور وہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے سچائی وَاِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ راہ راست کی رہنمائی کرتی ہے

یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ ۔ اے ہماری قوم والو، اللہ کی طرف بلانے والے (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت قبول کر لو۔ اور اس پر یقین محکم (ایمان) لے آؤ!

یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ اس کے نتیجہ میں تمہارے تمام سابقہ گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔ اور دردناک عذاب سے بچا لیا جائے گا۔

وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءُ

اور اگر تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سچے داعی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات نہ مانی تو پھر یقین کر لو تمہارا روئے زمین میں کسی حصہ میں بھاگ جانا تمہیں نجات نہیں دے سکے گا۔ اسے اگر مدد مل سکتی ہے تو صرف بارگاہ الٰہی سے۔ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ اور یہ بھی یقین کر لو۔ ایسی کوشش کرنے والا کھلی گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے سوا کچھ نہیں۔

ارشادات ربانی کے ان ارشادات سے "جنات" کے اعمال ذہن۔ اور پھر ان میں پھیلی ہوئی گمراہی کا ہر پہلو کھلی کتاب کی طرح سامنے آجاتا ہے۔ اور پھر ایمان لانے والے جنات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور توحید کی تصدیق کے ساتھ ان کی تعلیمات کی تبلیغ کا عمل کن عقائد پر مبنی ہے وہ بھی عیاں ہے

قرآن مجید میں اس کے بعد کفار جنوں کا ردعمل کیا ہوا۔ اس کا ذکر تو نہیں لیکن احکامات الٰہیہ کے پیغام کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے سامنے لب کشا ہوئے تو کس طرح کا ردعمل ہوا۔ تاریخ کی سیر کی کتابوں میں ان کی وضاحت موجود ہے۔ ظاہر ہے۔ جنات میں بھی کفار جنوں کا وہی ردعمل ہوگا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کفار جنات آیات الٰہیہ کو سنتے تو اس میں اپنی طرف سے عبارات کو بڑھا کر اس

کے مفہوم کو خلط ملط کرتے۔ تاکہ حقیقت خرافات میں کھو جائے؛ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان (ابلیس) نے جو سب سے پہلا حربہ استعمال کرنے کے لئے جن جنات کو استعمال کیا وہ اس کا دانشور پڑھا لکھا گروہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کا فوری انسداد فرما دیا۔ اور انہیں آیات الٰہیہ کی سماعت سے محروم کر دیا گیا۔ ابن جریر میں مرقوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیبین کے رہنے والے سات جنوں کو جنات کی مختلف بستیوں کی طرف تبلیغ دین کے لئے بھیجا ان کی تعداد نو، اور اس کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں بھی یہ سلسلہ مرقوم ہے۔

قرآن مجید کے ارشادات کی روشنی میں تھوڑی سی اور وضاحت:۔

(۱) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ

اور اسی طرح ہم نے شیطان سیرت انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔ اور دھوکہ دینے کے لئے ایک دوسرے کے

غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝

دل میں ایسے خیالات میں مدد کرتے جو مخالفت میں کارگر ہوں اور ایک دوسرے کے قول کو غرور بخش انداز میں سراہتے) اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ایسا نہ ہوتا لہٰذا تم ان کی افترا پردازیوں کو چھوڑ دیجئے۔! سورہ انعام آیت ۱۱۲

اس آیہ کریمہ میں شیطان کے تابع جن انبیاء سے دشمنی کا طبیعت کا یہ انداز کا اختیار کرتے اور اس دشمنی میں انسانوں کے۔ دانشور طبقہ کو کس طرح استعمال کرتے۔ اس کی نشان دہی واضح ہے۔

دوسری آیات سورہ انعام آیت ۱۲۸

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ "

اور جس دن وہ سب (جن وانس) کو جمع کرے گا اور پھر فرمائے گا۔ اے گروہ جنات تم نے انسانوں سے بہت فائدے حاصل کئے۔

وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ

اور جو انسانوں میں سے ان کے دوست ہوں گے وہ بھی اقرار کریں گے" ہاں پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے۔ اور آخر کار ہم وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝

حکم الٰہی ہوگا۔ اب تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔ ہمیشہ اس میں جلتے رہو گے۔ مگر اللہ تعالیٰ جو چاہیں۔ تمہارا رب بڑا صاحب حکمت اور علم والا ہے۔

جنوں کی پیدائش

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝

ہم نے انسان کو کھنکھناتے ہوئے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا۔ اور جنوں کو اس سے بھی پہلے بے دھوئیں کی

آگ سے پیدا کیا۔ سورۃ الحجر۔ آیت نمبر ۲۶ - اور ۲۷ -

جن اور انسان کی تخلیق میں بنیادی فرق کی وضاحت کر دی گئی۔

ایک اور آیۂ کریمہ سورہ نمل آیت ۳۹ - قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ

سلیمان علیہ السلام - کو ایک قوی ہیکل جن نے کہا۔ اس سے قبل کہ آپ اپنی جائے نشست سے اٹھیں میں اسے آپ کے پاس حاضر کر سکتا ہوں مجھے اس پر قدرت بھی حاصل ہے - اور میں قابل اعتماد بھی ہوں -

اس آیہ کریمہ میں اس بات کی تصدیق ہے کہ جن اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطیع تھے - ایک اور بات جو اس ضمن میں خیال رکھنا ضروری ہے - وہ یہ کہ جن - انسان پر غالب ہیں' یا انسان کو ان پر قدرت حاصل ہے - انسان اشرف و اکرم ہے یا جن - اس کی وضاحت آدم علیہ السلام کے یوم آفرینش کے اس واقعہ سے آئینہ کی طرح صاف ہے - جب فرشتوں اور جنوں کے بزرگ ابلیس کو آدم علیہ السلام کے حضور سجدہ کرنے کا حکم دیا اور پھر فرمایا" إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ"

اے آدم ہم نے تمہیں انتہائی بہترین پیدائش سے نوازا ہے۔ ثابت ہوا جن انسان پر کسی قسم کا جبر نہیں کر سکتے - انسان کو اپنے تابع بنانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اگر کوئی انسان ان سے دوستی کرنا چاہے' یا انہیں اپنی قوت ارادی سے اپنا مطیع بنانا چاہے تو ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔ اور ایسا ہوا ہے -

یہ بالکل ایسا ہی ہے - جیسے کسی ماہر نفسیات کے زیر علاج مریض جب تک معالج سے تعاون نہ کرے کسی ہپناٹسٹ کا معمول اس سے اثر پذیر کا خواہش مند نہ ہو تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا - چنانچہ قبل اسلام نہ صرف عرب بلکہ دنیا کے اور بہت سے ممالک میں جنات اور انسانوں کے باہمی رابطے کے واقعات ملتے ہیں - اور آج بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں - جن کا ذکر ہم آگے کریں گے !

پہلے - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنات کے بارے میں اپنے مشاہدہ کا تاثر پڑھ لیجئے - (بحوالہ ترمذی شریف)

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحابہ اکرام کے سامنے سورہ رحمٰن تلاوت فرمائی - اور اصحابہ اکرامؓ سے فرمایا - کیا بات ہے - تم لوگ خاموش ہی رہے - تم سے جن بہت اچھا جواب دینے والے ثابت ہوئے - جب بھی میری زبان سے فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ٥ سنتے تو جواب میں بے ساختہ کہتے -

وَلَا بِشَيْءٍ مِّنْ آلَائِكَ أَوْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ

یہ استدلال جنات کا مومن ہونا - بارگاہ نبوی میں حاضری اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان کے اپنے دینی ذہن اور فکر کی ترجمانی کرتا ہے -

جنات میں اللہ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے پہلے کی شریعتوں کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا ثبوت اس عام تاثر کو غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ جن سبھی کے سبھی " شیطان " کے تابع یا مکمل شر و فساد ہی نہیں -

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب السیرۃ میں جنات کے بارہ میں کچھ تفصیلی حوالے دیئے ہیں - ورنہ اکثر سیرۃ کی کتابیں جنات

کے موضوع کو صرف قبل اسلام عرب شعراء اور قبائل کے جنات سے گہرے باطلوں عقیدوں کے بارے میں تذکرہ ضرور کیا ہے شبلی نعمانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی چوتھی جلد میں "ظہور اسلام کے وقت عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت" کے عنوان والے باب میں جن شیاطین اور بھوت پلید کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس کا اختصار یہ ہے۔

جن، شیاطین، بھوت پلید کو اشغال اور اشکال کے لحاظ سے تو مختلف سمجھتے تھے لیکن ان کے اعتقاد کے مطابق یہ ایک ہی خاندان تھا۔ اسی طرح ان کے بسیروں کے حوالے سے جو جنگلوں میں رہتے ہیں۔ ان کا نام غول تھا۔ ان کے خیال کے مطابق ان کا کام مسافروں کو ڈرانا اور دھوکہ دینا ہوتا تھا۔ ان میں مونث اور مذکر دونوں ہوتے تھے۔

وَغولِ قفرةٍ ذَكَرٍ و اُنثىٰ ۔۔۔ كَاَنَّ عَلَيْهَا قِطَعَ الْبِجَادُ

اور بیابان کے دو غول مرد اور عورت بھی گویا ان دونوں پر کمبل کے دو ٹکڑے پڑے ہیں۔

اَذَلُّ وَسُعْلَاةٍ وغولٍ بِقَفرةٍ ۔۔۔ اذا الليل و ارى الجِنُّ فيه اَرَنَّتْ"

میں بیابان میں چلتا ہوں اور چڑیل (مونث) غول (مرد جن) جب رات پردہ پوش ہوتی تھی تو بھوت اس میں آوازیں دیتے تھے۔ پھر یہ جن صحرانشین بدوؤں کی صحبتوں میں شریک ہوتے جاڑوں میں جب بدو آگ جلاتے تو یہ آگ تاپتے۔ مگر کھانے میں شریک ہونے سے انکار کرتے ہوئے کہتے ہم۔ آدمیوں کی غذا نہیں کھاتے۔

اَتَوْا نَارِیْ فَقُلْتُ مَنُوْنَ اَنْتُمْ ۔۔۔ فَقَالُوا الجِنُّ قُلْتُ عِمُوا ظَلَامًا

وہ لوگ رات کو میرے پاس آئے۔ میں نے کہا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم جن ہیں۔ میں نے کہا اس تاریکی میں خوش رہو یہ اکثر بچوں اور جوانوں کو اٹھا کر لے جاتے۔ عمرو بن عدی لخمی جو عرب کا بادشاہ تھا۔ اس کو بھی اٹھا کر لے گئے۔ لیکن کئی برسوں کے بعد جذیمہ ابرش کو لا کر دے گئے۔

اسی طرح علامہ جاحظ نے اپنی تصنیف "کتاب الحیوان" میں تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ابوالبلاد طہوی ایک شاعر نے لکھا ہے کہ میں غول بیابانی سے ملا۔ جو رات کے اندھیروں میں چلتے ہیں۔

چنانچہ اس وقت کے کاہن جو پیشین گوئیاں کرتے تھے ان کی زبان انتہائی بلیغ اور مسجع ہوتی تھی۔ وہ آسمانی خبریں بھی بتاتے تھے۔ اُن کا یہی دعویٰ ہوتا تھا کہ ان کا دوست ایک جن ہے۔ جو انہیں القا کرتا ہے۔ وہ اپنی صورت اور لباس ایسا اختیار کرتے تھے کہ لوگ ان کو دیکھتے ہی پہچان لیتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس سے ایک آدمی گزرا۔ آپ نے قیافہ سے اسے پہچان لیا۔ اس کو بلا کر پوچھا۔ تیرے جن نے سب سے زیادہ کون سی عجیب بات کہی؟ تو اس نے بوکھلا کر کہا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْجِنِّ وَاَبْلَاسِهَا وحَيَاسِهَا مِنْ بَعْدِ اَنْكَاسِهَا والحوقها بالقلاص و احلاسها" کیا تم جنوں کی سراسیمگی، ان کی ناامیدی ان کے کاروبار کی ابتری نہیں دیکھتے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔ یہ ٹھیک کہتا ہے یہ حقیقت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا شیطان کو سب سے زیادہ غم ہوا۔ کیونکہ۔ یہی ذات رحمت و شفقت ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم یہی ذات رؤف الرحیم ہے۔ —— یہی وہ ذات عفو درگزر ہے

یہی وہ غم خوار انسانیت ہے۔ یہی وہ محسن انسانیت ہے۔ یہی وہ محسن کائنات ہے جس سے زیادہ نسل آدم کا کوئی ہمدرد نہیں، غمخوار نہیں، محبت کرنے والا شفقت کرنے والا نہیں۔ یہی وہ ذات افضل البشر علیہ التحیۃ والسلام ہے جو۔ غم آدمیت، احترام آدمیت میں بار بار اشکبار ہوئی۔ اتنی فکر مند ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو اسے بار بار کہنا پڑا۔ تم ان کے غم میں اتنے کیوں تڑپتے ہو!—— یہ ہماری بھی تو مخلوق ہے۔ لیکن معراج کی بلندیاں ہیں تو وہاں بھی۔ اپنے ساتھ عباد الصالحین نہیں بھولے۔ شیطان جو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا پہلے ہی دن سے دشمن ہوا۔ اور پھر کھل کر دشمنی کا اعلان کیا۔ اسے اس سے بڑھ کر اور کیا غم ہو سکتا تھا کہ رحمت للعالمین علیہ السلام آگئے۔ شفیع المذنبین، سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوئے۔ اور ان زندگی بخش جلووں نے شیطان اور اس کے مطیع جنوں میں اپنی ہلاکت اور موت اپنے ارادوں میں شکست اور اپنی چالوں میں ناکامیاں نظر آنے لگیں ا اس کی نسل میں سے بہت سے اس کے فریب سے نکل کر ایمان لے آئے۔ اس طرح انسانوں کو گمراہ کرنے کا کاروبار سرد پڑ گیا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک روز میں زمانۂ جاہلیت میں بتوں کے پاس سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ ایک آدمی نے گائے کا بچھڑا ذبح کیا۔ اس کے بعد ایک شخص اس کے پاس آکر زور زور سے چلایا۔

یا جلیح امر نجیح رجل فصیح یقول لا الٰہ الا اللہ "اے جلیح امر نجیح ایک فصیح شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے" چنانچہ اس کے چند ہی دنوں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ کی بعثت ہوئی۔

کاہنوں کے علاوہ عرب شعراء کی نسبت بھی لوگوں کا یہی خیال تھا۔ بلکہ ہر شاعر خود کہتا تھا کہ میرا دوست ایک جن ہے اعشیٰ جو عرب کا مشہور شاعر تھا۔ اس کے شیطان کا نام مسحل تھا۔ اعشیٰ خود کہتا ہے۔

دعوت خلیلی مسحلا ودعوا له   جهنام جدعا للهجين المذمم

ترجمہ :- میں نے اپنے دوست مسحل کو پکارا۔ اور انہوں نے اس کے لئے جہنام کو پکارا۔ (حریفوں نے) اور یہ کلمۂ (جہنام) بدطوار کے لئے بلایا جاتا ہے۔ ابو النجم کہتا ہے

انی وکل شاعر من البشر   شیطانه انثی وشیطانی ذکر

ہر شاعر کا شیطان تو مؤنث ہے۔ مگر میرا شیطان تو مذکر ہے۔

یہ تو عرب شعراء کی زبانی اپنے اپنے جن کی دوستی کا حال آپ نے پڑھا۔ اب۔ ایک ابتدائی ایام میں مشہور کاہن اور بعد میں مسلمان ہونے والے سواد بن قارب کی اپنی زبانی ایک ایسے جن کی تفصیل سنیئے جو مبلغ اسلام تھا۔ جسے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "تفسیر ابن کثیر" میں سورۃ احقاف کی تفسیر میں مرقوم کیا ہے۔ اور ہمارا ماخذ ابن دوید ار کی "صور من حیاۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دار المعارف القاہرہ ہے۔

"حافظ ابو یعلیٰ الموصلی محمد بن کعب القرظی سے روایت کرتے ہیں۔

ایک دن ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ ایک شخص گذرا تو میں نے کہا، یا امیر المومنین اس راہ گیر کو آپ نے پہچانا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ کون تھا یہ؟ ہم نے کہا یہ سواد بن قارب ہے۔

قبل از اسلام یہ وہی شخص ہے جس کا مطیع ایک جن تھا جو اسے غیب کی خبریں بتانے میں مدد دیتا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کسی آدمی کو اس کے تعاقب میں بھیج کر اسے بلایا اور دریافت کیا۔ کیا تمہیں سواد بن قارب ہو۔ اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ میں ہی سواد بن قارب کاہن تھا۔ مگر اب میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ بحمد اللہ! عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ سبحان اللہ۔ میں تم سے زمانۂ کہانت کی باتیں آپ بیتی نہیں پوچھوں گا۔ مگر اتنا بتادو کہ تمہارے دوست جن نے تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا بتایا تھا۔

سواد نے کہا۔ تو سنیئے امیر المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہ!

ایک رات میں نیم خوابی کی حالت میں تھا کہ میرے مطیع جن نے میرے پاؤں جھنجوڑے اور کہا۔

قم یا سواد بن قارب و اسمع مقالتی۔ اٹھو سواد بن قارب اور میری بات سنو! اور اگر تم عقل مند ہو تو عقل سے کام لو۔

واعقل ان کنت تعقل۔!۔۔۔۔ انه قد بعث رسول من لوی بن غالب، یدعو الی اللہ والی عبادته، ثم انشاء یقول:۔ بلاشبہ لوی بن غالب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی ہے۔ وہ اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور پھر۔ انتہائی کیفیت میں جھوم کر یہ شعر پڑھنے لگا۔

عجبت للجن و لطلابها　　　و شدّ العیس باقتابها

میں جنوں کے دور دراز سفر کے لئے بوریا بستر باندھنے پر تعجب کر رہا ہوں۔

تهوی الی مکة تبغی الهدی　　　ما صادق الجن ککذابها

اگر تم ہدایت کے طلبگار ہو تو مکہ مکرمہ کی طرف جلدی چلو! اور یاد رکھو سچا جن جھوٹے جن کی طرح ناقابل اعتماد نہیں ہوتا۔

فارحل الی الصفوة من هاشم　　　لیس قدامها کاذنابها

جا جلدی جا اور ایک بار بنو ہاشم کے اس جمیل چہرہ کو ایک نظر دیکھ تو سہی۔ ویسا جمال تم نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

میں نے اسے کہا۔ دعنی انام۔ چل بھاگ سونے دے! لیکن دوسری رات کو پھر اس نے میرے پاؤں جھنجوڑے۔ پھر وہی الفاظ دہراتے ہوئے وجدانی کیفیت میں شعر کہنے لگا۔

وارحل الی الصفوة من هاشم　　　بین رواجیها واحبارها

بنو ہاشم کے عظیم صفت، اللہ کے منتخب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے اپنا دل منور کرے۔

تیسری رات بھی اس نے یہی عمل کیا۔ اور تینوں بار اس نے یہ بات ضرور کہی۔

عجبت الجن و تحسابها　　　و شدّها العیس باحلاسها

مجھے اپنی جن برادری کی (مکہ مکرمہ) کو جلد سے جلد روانگی پر تعجب ہے۔ ہر ایک اپنے اونٹوں کے پالان اور کپڑے کسے ہوئے نظر آرہا ہے اور تو اگر عقل مند ہے، ہدایت کا طالب ہے تو اٹھ جلد کر۔

جلدی سے بنو ہاشم کے نور نظر کی خدمت میں حاضر ہو۔ اُس کے انوار بابرکات سے اپنے دل، اپنی آنکھوں کو منور کرے۔

اس کے بعد میرا دل بھی بے چین ہوا۔ میں نے تیز تر سواری کا اہتمام کیا اور پھر رات دن ریگستانی طوفان اور پتھریلی چٹانوں کو چیرتا ہوا مکہ معظمہ پہنچا تو ہادی الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ میں باادب ان کے قریب گیا۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی معروضات پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی تو میں نے دھڑکتے دل اور نمناک آنکھوں سے عرض کیا۔

أتاني نجيي بعد هدء ورقدة	ولم أك فيما قد تلوت بكاذب
ثلاث ليال قوله كل ليلة	أتاك رسول من لوي بن غالب
فشمرت ذيلي الإزار ووسطت	بي الدعلب الوجناء غير السباسب
فأشهد أن الله لا رب غيره	وأنك مأمون على كل غائب
فمرنا بما يأتيك يا خير مرسل	وإن كان فيما جئت شيب الذوائب
وكن لي شفيعا يوم لا ذو قرابة	بمغن فتيلا عن سواد بن قارب

ترجمہ:- میرا جن میرے پاس انتہائی سچی خبرے کر تین رات تک مسلسل آتا رہا اور ہر بار ہر رات وہ یہی کہتا رہا۔ لوی بن غالب" خاندان شرفا" کے صدر نشین خاندان کے ہاں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہو چکا ہے۔ آخر کار اس کی سچائی نے میرے ضمیر کو جگایا۔ میں نے بھی سفر کی تیاری کی۔ جلد سے جلد سفر طے کرنے کی خواہش میں تیز اور بہت تیز راہوں کو لپیٹتا ہوا حاضر خدمت ہوا ہوں۔!

اب میں اس سچائی کا اقرار اور اعلان کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں معبود نہیں۔ اور آپ اللہ تعالےٰ کے امانت دار (امین) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) اور آپ سے اُس دن شفاعت کا طالب ہوں جب عزیز و اقارب، احباب و آشنا سب میں سے کسی کی کچھ نہیں چلے گی۔ اس دن اپنی شفاعت سے نوازیئے گا۔ اے بہترین اخلاق سے سنورے ہوئے بزرگوں اور نیک طینت خاندان کے چشم و چراغ، اے تمام رسولوں سے افضل رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کی بارگاہ میں وعدہ کرتا ہوں جو حکم آسمانی (آلٰہی) آپ مجھ تک پہنچائیں گے۔ وہ کتنا ہی مشکل اور طبیعت کے خلاف کیوں نہ ہو۔ اسے ٹالا نہیں جائے گا۔ لیکن اس گناہ گار کی ایک التجا قبول فرما لیجیئے۔ یوم جزا سواد بن قارب کا آپ کے سوا کوئی آسرا نہیں ہوگا۔ اس یوم جزا و سزا کے مشکل ترین دن میری سفارش ضرور فرمائیے گا۔

یہ سن کر رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور پھر فرمایا۔ آج سے خیر و بھلائی ایمان کا نور تمہارا مقدر ہو گیا

سواد بن قارب:

بس، امیر المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہ، ان سعادت مند گھڑیوں میں جو ایمان کی دولت سے جھولی بھری تو اب تک اس کو سنبھالے پھرتا ہوں:

عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا اللہ تمہیں مبارک کریں یہ سعادت اور اسے اپنے اعمال کے قلعہ میں محفوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

سواد بن قارب کو ابدی سعادتوں سے مالا مال کرنے کا سبب ایک جن بنا۔ جن کے اشعار اُس کی کیفیات کے بدرجۂ اتم ترجمان ہیں۔

جن کا خاندان چونکہ اس سربراہ یا بزرگ سے تعلق رکھتا ہے۔ جو بارگاہ الٰہی سے مردود ہونے کی بدبختی کا مالک بنا۔ اپنی تخلیق کے غرور نے اس کی عقل کو ایک لمحہ کے لئے مختل کر دیا۔ اور پھر آدم کی اولاد سے اس کی دشمنی کا آغاز رونما ہوا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد　　　بزندان لعنت گرفتار کرد

اس دشمنی کے آغاز کا ذکر قرآن حکیم میں کئی جگہ ارشاد فرمایا۔ لیکن ہر جگہ مفہوم ایک ہی ہے: "اِبیٰ واستکبر" سجدہ سے انکار کیا۔ اور تکبر کا اظہار کیا۔ اس تکبر اور انکار پر اللہ جل شانہٗ کا جلال حق بجانب ہے۔ ابلیس۔ اللہ جل شانہٗ کی زبان مبارک سے آدم کی عظمت کے دلائل فرشتوں سے بیان کرتے ہوئے سن چکا تھا۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَه . . . تا آخر

جب تمہارے رب نے فرشتوں کے سامنے اپنی زمین کی خلافت سونپی جانے والی شخصیت کا اظہار فرمایا۔ تو اس کی تخلیق میں متضاد جبلتوں، غصہ، حمیت، شجاعت، جبن، حرص، ایثار، نفرت، محبت علیٰ ہذا القیاس۔ اسی طرح آگ، پانی، مٹی، ہوا عناصر کا مجموعہ دیکھ کر انہوں نے اپنی رائے میں خرابی کے امکانات کی توقع ظاہر کی جس کے جواب یا صفائی میں رب جلیل نے علم الاسماء کی برتری حاصل کردہ "آدم" کی عظمت کا فرشتوں کو معترف کروالیا۔ ان دلائل کے بعد حبیب اللہ تعالیٰ نے "آدم" کے سامنے سجدہ تعظیم بجالانے کا حکم صادر فرمایا تو فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْس "سب نے سجدہ کیا۔ لیکن ابلیس (عزازیل) نے حکم عدولی کی۔ تکبر آمیز وجوہات بیان کیں۔ از خود عقل کی گمراہی کے ہاتھوں طوق لعنت گلے میں ڈال لیا۔

حسد نے جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا۔ قیامت تک کی زندگی اس چیلنج کے ساتھ اللہ سے مانگی کہ جس آدم کی وجہ سے میں ذلیل ہوا ہوں۔ اس سے اس کی اولاد سے اس کے ذہنی اور فکری اغوا سے انتقام لوں گا۔ مجھے زندگی دے تو دیکھنا کہ میں ان کے شعور اور عقل کو ایسا ورغلاؤں گا کہ یہ تیرے ہی خلاف برسرپیکار رہیں گے۔ احکم الحاکمین علیم و مقتدر، فعال لما یرید ذی العرش المجید نے ناراضی کے باوجود اپنا اصول عطا نہیں توڑا۔ جو اس نے مانگا اسے دیا۔ اور ساتھ ہی فرمایا۔ وفا و عہد کے پکے میرے بندے تیری گرفت میں نہیں آئیں گے۔

شیطان کی عقل نے جس منطق کا سہارا لیا۔ وہ تھی۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْن "میں اس سے تخلیق میں اس لئے بہتر ہوں کہ تو نے مجھے آگ سے اور اسے (آدم) مٹی سے پیدا کیا ہے۔

گویا شیطان کی عقل مٹی کی ظاہر صورت کے چکر میں پھنس کر چکرا گئی۔ اس کی نگاہ بصیرت یہ نہ دیکھ سکی۔ اس مٹی میں ملبوس نور ہدایت بھی ہے۔ منبع علم و حکمت بھی ہے۔ تمام کائنات کی شرافت و تکریم بھی ہے۔ ثوابت و سیار کو مسخر کرنے کی قوت بھی ہے۔

(میرے یقین کے مطابق چاند اور ستاروں کی تسخیر اُسی دن ہو گئی تھی۔ حبیب افضل البشر نے فرمایا: "میرے مہربان چچا۔ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پہ چاند اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پہ سورج بھی رکھ دیں تو بھی میں اپنے موقف یعنی نیابت الٰہیہ سے بال برابر بھی نہیں

ہٹ سکتا) اُس کی بصیرت یہ نہ دیکھ سکی۔ اس مٹی میں ملبوس صاحب معراج بھی ہے۔ صاحب قاب قوسین بھی ہے، سورج اور چاند کی طنابوں کو گرفت میں لینے والی قوت بھی، صبر و استقلال، عفو و درگزر، رحمت و شفقت کا جمال بھی ہے۔ عدل، شجاعت، تہور، تدبر تمدن و تہذیب کا نکھار و جلال بھی ہے۔

عقل پر شیطان کا ہی تصرف ہے جو انسان نے ہمیشہ ان تمام حقیقتوں کے وجود سے انکار کر دیا جو اسے نظر نہیں آتیں، یا اس کے دائرہ احساس سے باہر ہیں ؎

خو گر پیکر محسوس تھی انسان کی نظر ماننا کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر

جب آسمانوں پر جنات کے گھات لگا کر بیٹھنے کا انکشاف فرمایا تو اس گروہ کی عقل ہنسی۔ مگر آج اسی عقل کے چیلوں نے خلا بازوں کو خلا میں چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھا تو۔ مان لیا۔ یہ ممکن ہے۔

آج مدار میں چھوڑے گئے مصنوعی سیاروں سے نظر میں نہ آنے والا تعلق۔ حقیقت مان لیا گیا۔ اسی طرح قدیم زمانے کے ایک گروہ نے وحی اور جنوں کے وجود سے انکار کر دیا اور آج بھی اپنی عقل کی ہمہ دانی کے زعم میں اسے مفروضہ جہالت کہا جاتا ہے۔ ہمارا موضوع جنات کے وجود یا عدم وجود پر بحث نہیں بلکہ اپنے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی صداقت جسے ہماری عقل، ادراک، عرفان اور علم نے اللہ کی استعانت اور تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہدایت کے تعاون سے تسلیم کیا ہے۔ اس کا اظہار ہے۔

اس نظر نہ آنے والے دشمن کے طریقہ واردات کی نشاندہی کرتا ہے جس کی خبر اللہ تعالےٰ نے ہمیں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس آیت میں ان الفاظ میں دی ہے۔

"یُوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس" شیطان اور اس کے دوست با تصرف میں آنے والے انسان" تمہارے سینوں (یعنی دل میں) وسادس (شبہ، تشکیک، خوف) ڈالتے ہیں۔

عربی میں وسوس کے معنی (بحوالہ منجد) وسوسہ ڈالنا۔ عقل کی خرابی سے بے تکی باتیں کرنا۔ آہستہ بولنا۔ وسوس بہ کلا کا مخلط ہونا۔ دل میں آنے والی برائی یا بے نفع بات ان معانی کے مفہوم کے یہ ماب بحوالہ لغات القرآن الوسوس، اس کا مصدر وسوسۃ بھی ہے رباعی مجرد کے ابواب میں سے ہے۔ معنی ہیں۔ کسی بری چیز کا دل میں ڈالنا۔ عقل کا اغوا کر لینا۔ کتے اور شکاری کی مدھم سی آواز، ہوا جھونکے سے درختوں میں پیدا ہونے والی ہلکی سی آواز سرسراہٹ، اسے اغوائے قلبی بھی کہا جا سکتا ہے

منجد۔ کا مصنف عیسائی ہے۔ لہذا اس کی نظر میں انسان کی کل کائنات عقل ہے۔ اس لئے اس نے اغوائے عقل یا بگڑی عقل کا عمل جو نظر نہ آئے یہ کیا ہے لیکن "لغات القرآن" دین کے معلم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق انسان کی اصلی کائنات صرف دل ہے۔ فرمایا۔ انسان کے پہلو میں گوشت کا لوتھڑا (دل) اگر درست ہے۔ تو انسان کی ساری کائنات فکری اور عملی درست ہے۔ اگر یہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ گیا پورا نظام بگڑ گیا۔

مقصود و غرض یہ ہے کہ شیطان کا طریقہ واردات نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ اس لئے اس کے عمل کے تاثرات کی نشاندہی کے ساتھ معالج حقیقی مزکی نفس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ غصہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ جب دل میں غصہ سر اٹھائے تو کھڑے ہو تو بیٹھ

جاؤ۔ بیٹھے ہو تو اٹھ جاؤ۔ اور ساتھ ہی پڑھو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم' اسی طرح اس کے عمل کی مثال PSYCHO VIBRATIONS کے عمل سے دی جا سکتی ہے " HYPNOTIST کے عمل HYPNOTISM سے دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا خیالات میں جب بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی مخالفت رینگنے لگے تو سمجھ لو۔ اس میں جنات کا اس گروہ کا ہاتھ ہے جو شیطان کے پیروکار ہیں۔ غالب نے ایک شعر میں کہا ہے آتے ہیں غیب سے مضامیں خیال میں۔ یہ غیب سے آنے والے مضامین اگر اپنے سفر میں شیطان کے ہاتھوں اغوا ہو جائیں تو ان سے ایسی تحریر یا ایسے شعر فصاحت و بلاغت میں انتہائی اعلیٰ محاسن کلام میں سب سے اچھے بن کر شاعر اور مصنف کے خیال میں سموتے ہیں کہ انہیں سننے والا اور پڑھنے والا سر دھن کر رہ جاتا ہے جنسی تلذذ تو جمالیاتی۔ تلذذ۔ میں ایسے رس گھول دیتا ہے کہ ؎

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

اور پھر وہ حقیقت زندگی اور فرائض زندگی سے گریز کر کے کہتا ہے۔

اک معمہ ہے نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

جن اچھے ہوں یا بد کردار۔ انسان سے نہ ہی وہ افضل ہیں اور نہ ہی وہ انسان پر جبراً تصرف کر سکتے ہیں۔ ان کا تصرف جاہل اور بے شعور۔ افراد پر زیادہ ہوتا ہے۔

جس طرح انسان کی عقل نے اسرار کائنات کی دریافت میں انسان کو سمجھنے میں ارتقا پایا ہے اور انسان کے ہر کام کا طریقہ کار بدل گیا ہے۔ اسی طرح شیطان اور اس کے پیروکار نے بھی اپنے طریقہ واردات میں نکھار پیدا کر لیا ہے۔

اس کا سب سے بڑا اور اہم مرکز نسل انسانی کے وہ گروہ ہیں جن کا لوگوں کے اذہان بنانے میں مضبوط ہاتھ ہوتا ہے۔

اگر ہمارے ذہن تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بنیادی خمیر حاصل نہ کریں تو انہیں اغوا کرنا شیطان کے لئے بہت آسان کام ہے۔

عقل کی اہمیت تدبر اور تفکر کی دعوت، شعور کے استعمال پر تکرار زور قرآن مجید میں موجود ہے۔" افلا یعقلون ' افلا تبصرون افلا یشعرون" لیکن ان اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کے استعمال میں اُس نور کی ضرورت ضرور ہے جو دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور اسوۂ حسنہ میں ہی دستیاب ہو سکتی ہے، سید جن و بشر کے فرمودات سے ہی میسر ہو سکتی ہے۔

رحمت للعالمین کی قائم کردہ چراگاہیں

ابن حکیم غلام مصطفےٰ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنے ارشادات عالیہ اور اعمال قدسیہ کے باہمی اتحاد اور تطابق کے معیار میں ماضی حال اور مستقبل کے تمام مصلحین کے مقابلہ میں بے داغ، بے مثل اور اعلیٰ ہیں جس طرح آپ کی تعلیم، امن وسلامتی، رحمت وبرکت اخوت ومساوات اور باہمی احترام کی مسرت انگیز بہاروں کی شگفتگی اپنے دامن میں سمیٹے اپنی تحریر وتقریر فصاحت وبلاغت، افادیت اور جامعیت میں سب سے ممیّز ہے۔ جس طرح آپ کے اعمال حسنہ کا پرتو انسانی برادری کو رنگ ونسل، زبان، طبقات اور علاقہ جات کی عصبیت وخصومت کی مہلک بیماریوں سے نجات دلانے میں تریاقِ منفرد ہے جس طرح آپ کی نگاہِ ادب آموز دانش وبینش روح وبدن کو باہمی اتحاد ورفاقت سے مہذبانہ زندگی کی خوش انجام منزلوں پہ گامزن کرنے کا بے مثال اثر رکھتی ہے انسانی برادری کے تاقیامت زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی مسائل کو اپنے پہلو میں سمیٹے آپ کی قانون سازمقننہ، حکمت وفراست، علم ودانش اپنی ابدی توانائی اور بلندی میں ایسی لازوال ودرخشاں کہ اس کے سامنے تمام شہر دانشوراں کی حکمت فراست، علم ودانش بیمار اور لاغر ہے اسی طرح آپ کی منتخب زبان عربی بھی اپنی لغوی، معنوی، صوری، صوتی وسعتوں میں ایسی بے پایاں کہ دنیا کے تمام اہل لسانیات ورطۂ حیرت میں گم ہیں اسی لئے یہ زبانوں کی شہ نشین زبان "اُمّ اللسان" کے اعزاز سے ملقب ہوئی۔ اظہارِ حقیقت کو کوئی لاکھ اندھی عقیدت کہے لیکن حق گو زبان ہر لمحہ ہر دور میں اپنا عمل جاری رکھے ہوئے ہے اور تاقیامت جاری رکھے گی ان شاء اللہ

دیکھئے ایک اعراب یا حرف کے اسقاط، ادغام، تشدید سے آواز کے ساتھ معنوی تبدیلی کی ایک معمولی مثال اَلحُمّٰی[1] اَلحُمّٰی[2] الحموۃ[3] الحِمیٰ[4] الحماۃ[5] حمیٰ[6] حَمِیّ[7] (۱) بخار (۲) وہ شخص جو کسی کا ظلم برداشت نہ کرے (۳) میرا گوشت (۴) چراگاہ (۵) بچائی ہوئی چیز (۶) پانی میں ملا ہو کیچڑ (۷) حمایت حاصل کرنے والا

پیش نظر لسانیات کا تقابل نہیں۔ مقصود اس لفظ کی معنویت عرض کرنا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعین فرمائی اس سے قبل تو الحِمیٰ کے معنی ہر وہ سبزہ زار جو چراگاہ ہو سے مراد تھی لیکن شرعًا یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مخصوص معنویت دے کر امتِ مسلمہ کو اس کارِ خیر کی رغبت دلائی۔ اس کی ح مکسور ہے۔ صوتی لحاظ سے یوں ہوگا۔ الحِما "حِمیان" اس کی جمع ہوگی۔

اس کے ساتھ ہی اس کی ملکیت اور مقصد کا تعین ان الفاظ میں فرمایا

حسن بن جثامہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَاحِمیٰ اِلا للہ۔ چراگاہوں کا۔ اللہ کے سوا کوئی مالک نہیں)

قال الشافعیؒ ـ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم "لاحمی الا للہ ورسولہ" چراگاہ پر اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کے سوا کسی کا حق نہیں

مشہور چراگاہیں (حِمیان) حمی ضریہ، حمی الربذہ (نجد میں) اور بقول معجم حمی فید، حمی ذی الشری حمی النقیع

حمی النقیع نقیع اس جگہ کو کہا جاتا ہے کہ جہاں پانی کی بہتات ہو، چنانچہ یہ نام اسی مناسبت کی وجہ سے ہے۔ مدینہ منورہ سے تقریباً بیس فرسخ پر یہ جگہ واقع ہے۔ وادی عقیق کے درمیان، جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ اور درمیان میں یہ زرخیز ہموار زمین ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جس چراگاہ کو قرمیانے کا شرف وفضل بخشا۔ وہ یہی چراگاہ نقیع ہے آپؐ نے فرمایا "احماہ لخیل المسلمین ورکابھم" یہ چراگاہیں گھوڑوں اور ان کے سواروں کے لئے مخصوص ہیں۔

اس کی جغرافیائی حدود کا تعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد ایک انتہائی بلند آواز شخص کو بلایا گیا۔ وہ شخص کھجور کے تنے کی بلندی پر پہنچا، اور اپنی آواز کی انتہا تک آواز دی۔ یہ آواز جن حدود تک سنائی دی۔ ان حدود کو اس چراگاہ کی چاردیواری قرار دیا گیا۔

اس میں سبزیاں، پھول اور جنگلی قسم کے درخت بوئے گئے۔ جن میں گل لالہ (شقراء) بیری (سدر) سیال، ایک کانٹے دار سفید دراز قد درخت، غرف (اس کے پتوں سے چمڑا رنگا جاتا ہے) سلم، کیکر، کھجوریں، جو، گیہوں غرض اس کے مختلف حصوں میں درخت اور سبزیاں لگائی گئیں۔ اور پھر یہ خطہ اس قدر پھلا پھولا کہ اگر اس میں گھوڑ سوار داخل ہو جائے تو نظر نہیں آتا تھا۔

حمی الربذہ ربذہ چراگاہ کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چراگاہ اونٹوں کے لئے صدقہ ہے حِمَی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الربذۃ لابل صدقۃ" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چراگاہ ربذہ اونٹوں کے لئے صدقہ ہے" مزادح المزنی کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار نقیع تشریف لائے اور فرمایا نعم مرتع الافراس یحمی لھن ویجاھد بھن فی سبیل اللہ" چراگاہ نقیع گھوڑوں کے لئے بہترین چراگاہ ہے۔ انہیں یہاں خوب چراؤ۔ اور اللہ کی راہ میں ان پر سوار ہو کر جہاد کرو۔

چراگاہ کے وسط میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا فرمائی جہاں اس کے بعد مسجد تعمیر کی گئی۔ دوسری روایات صحیحہ میں اس کی تصدیق ملتی ہے کہ آپ جب بھی اپنے لئے نئی جگہ خریدیں تو اس کے حقوق ملکیت کے بعد سب سے پہلا کام، اس پر مصلیٰ بچھا کر دو رکعت نماز پڑھیں۔ تاکہ اللہ تعالےٰ اس زمین کو آپ کے لئے باعث برکت بنا دے۔

چراگاہوں کا انتظام ابن ہیثم فرماتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مزارع کو بلوایا اور اس کو چراگاہ کی دیکھ بھال اور دوسرے امور سونپنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے عرض کیا "میں تنہا ہوں۔ میری اولاد سب لڑکیاں ہیں۔ لڑکا کوئی نہیں" آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ تم کو بیٹا عطا فرمائیں گے" چنانچہ یہی ہوا کہ اللہ نے اسے بیٹے عطا کئے اور پھر

وہ نسل در نسل اس ذمہ داری کو نبھاتا رہا۔ اس ذمہ داری کے عوض اسے اس چراگاہ سے اگنے والی ہر چیز سے اپنے اور اپنی اولاد کی کفالت کے لئے استفادہ کرنے کا پورا پورا حق تھا۔

چراگاہوں کے بارے میں حکم اگر کوئی شخص کسی چراگاہ کو ذاتی منفعت کے لئے قائم کرتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منع فرمایا۔ لیس لاحد ان یحمی للمسلمین غیر ما حمی صلی اللہ علیہ وسلم "کسی مسلمان کو اگر وہ کسی چراگاہ کو قائم کرتا ہے تو اسے صرف انہی اصولوں پر قائم کرنا ہوگا۔ جس کی عملی مثال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی۔"

چراگاہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس چراگاہ کی انہیں اصولوں کے ساتھ نگہداشت فرمائی۔ بلکہ مزید اضافہ فرمایا۔

چراگاہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاری رکھتے ہوئے اس میں اضافہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ دار الخلافہ بدلنے کے سبب ذاتی نگہداشت تو نہ کر سکے۔ لیکن ان کی نگہداشت کا حکم جاری رہا۔

چراگاہ اشرف بنی آکل المرار کی منازل میں چراگاہ "الشرف، ربذہ، اور حمی الابین" کے نام سے چراگاہیں تاریخوں میں مذکور ہیں۔ یہ مقام سریہ کے درمیان حد فاصل سمجھی جاتی ہے۔

چراگاہ ربذہ مدینہ منورہ سے پیدل تین دن کی مسافت پر ایک مقام محید کے نام سے مشہور ہے۔ چراگاہ ربذہ کا اصل مقام یہی جگہ بتائی جاتی ہے۔ اس جگہ پر ایک مسجد اور کنواں ابی ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے منسوب ہے۔

چراگاہ ضریہ مکہ مکرمہ سے پیدل گیارہ دن کی مسافت کے بعد بصرہ جاتے ہوئے ایک مقام ضریہ کہلاتا ہے۔ حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ کی والدہ کا نام "ضریہ بنت نزار" تھا۔ لہٰذا یہ چراگاہ انہی کے نام سے منسوب ہوئی۔

چراگاہ فید ارض بنی سعد کوفے جاتے ہوئے راستے میں جبل احمر سے گیارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

چراگاہ رخیمہ اور دوسری چراگاہیں یہیں پر چراگاہ رخیمہ، افعیٰ، وراقہ، عنیز، جنجاثہ، الضباب واقع ہیں۔ اور منیٰ کے قریب جبل قارم کے دامن میں قادمہ ہے۔ یہ ہیں وہ چند نام جو ہمیں سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب وفا الوفا میں حوالہ جات کے ساتھ ملے۔ لیکن اس موضوع کی وضاحت اور عملی کی قومی افادیت کی تفصیل بہت طویل ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ چراگاہوں کی زمین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے جبراً حاصل نہیں کی۔ نہ ہی ان میں سے کسی کا عطیہ ہے۔ بلکہ یہ وہ تمام مقامات ہیں۔ جن کی افادیت سے مسلمان بحیثیت مجموعی اقتصادی

اور معاشی فائدہ اٹھا سکتے اور جن کی بنیاد رحمت للعالمینؐ نے رکھی۔ جو کسی کی ملکیت ہی نہیں تھے۔

اب ان چراگاہوں کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ غذائی اجناس سے تعلق رکھنے والی اجناس گندم، جو اور دالیں وغیرہ ہوتی تھیں۔ پھلوں میں کیلے، کھجوریں جو کئی اقسام کی ہیں اپنی غذائیت کے اعتبار سے غیر معمولی اوصاف رکھتی ہیں اور جو اس وقت کی مرغوب غذا تھی۔ جانوروں کے لئے ببول، بیریاں اور دوسرے درختوں کا حصہ مخصوص کیا جاتا۔ جڑی بوٹیوں میں سنا مکی، بلسان اور بہت سی مفید تر سبزیاں۔ صنعت میں کام آنے والے چمڑے کو جن کے پتوں سے رنگ دیا جاتا تھا، یہ سب ان چراگاہوں میں موجود تھے۔ اور ان چراگاہوں میں پیدا ہوتے والی غذائیں، پھل پھول، چارہ اور دوسرے اقسام سب کے سب ان لوگوں میں تقسیم ہوتے جنہیں استفادہ کرنے کا حق ہوتا، جو نادار اور کمزور لوگ ہوتے۔ اس عظیم اقتصادی اور معاشی کار خیر کو نہ معلوم وقت کے کس موڑ اور کس ہاتھ نے بند کر دیا بلکہ حیرت ہے سیرت نگاروں اور مورخین نے اس اہم موضوع کو کیوں تفصیل سے آنے والی امت مسلمہ تک نہیں پہنچایا۔ غور فرمایئے "الحمیٰ للہ و رسولہ" چراگاہوں کے مالک صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہیں۔ جب بھی حمٰی کے بارے میں کچھ فرمایا تو اس میں اپنے ذاتی اسماء مبارک میں سے کسی نام مبارک کو استعمال نہیں فرمایا۔ ہر جگہ یہی فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ان کے مالک ہیں۔ گویا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مالکانہ حیثیت ثانی نائب کی جگہ ہے۔ ورنہ اصل مالک اللہ ہے اور کئی جگہ فرمایا۔ "ان چراگاہوں سے فائدہ اٹھانے کا حق صرف مسلمانوں کو ہے۔ جس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا تھا"۔ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر کہ ایک پودا لگانا بھی صدقہ ہے۔ کنواں کھودنا بھی صدقہ ہے۔ سرائے تعمیر کرنا بھی صدقہ ہے۔ اسی طرح چراگاہوں کو ان مقاصد نبویہؐ کی روشنی میں اگر آج قائم کیا جائے تو یہ عمل ہمارے نادار لوگوں کے لئے کتنا مفید ثابت ہو سکتا ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اجراء کا ثواب اس پہ مضاف ہوگا۔

عظیم یادیں (جنھیں حضورؐ سے نسبت ہے)

ترجمہ : مسعود مشہدی

۱۔ ولکوفی مدینۃ المصطفیٰ من + ذکریات تفنیف بالاحسان

شہرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت سی یادگاریں ہیں، ممکن ہے اللہ کا احسان تمھیں اُن سے فیض یاب کر دے

۲۔ رُبَّ حَرفٍ اغناک عن صفحات + رُبَّ رمزٍ کفاک عن تبیان

اکثر ایک لفظ تمھیں کئی صفحات کی عبارت سے بے نیاز کر سکتا ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ہلکا سا اشارہ طویل تر بیان پر غالب آجاتا ہے۔ (ازاُمِّ مریم اَمَۃُ)

مقاماتِ سجود (نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم)۔ "مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب وجوار میں کون کونسے مقامات کو آپؐ کی صلوٰۃ وسجود کا شرف نصیب ہوا۔ ان سب کی تفصیلی نشان دہی

ان صحابہ کبارؓ (ابوہریرہ، جابر بن عبداللہ، زبیر بن العوام، ابن ابی فروۃ، ابن شہاب براء بن عازب، ابی زبالہ، علی کرم اللہ وجہہٗ عثمان ذوالنورینؓ، ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین) نے فرمائی۔ اور شیخان، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے اپنے اوراق پر انھیں محفوظ کیا۔

نورالدین علی بن احمد السمہودی نے اپنی تالیف وفاء الوفاء باخبار دار مصطفےٰ میں مستقل باب کی شکل دی۔ عبدالقدوس انصاری نے اپنی کتاب "آثار مدینہ منورہ" میں ذکر کیا محمد بن عبدالمحسن الخیال قاضی المستعجلۃ مدینہ منورہ نے اپنے کتابچہ:

"التعریف بما أنست الھجرۃ من معالم دارالھجرۃ" میں ان یادگاروں کو ضبط تحریر کیا۔

انہی کے علم کی روشنی میں آئیے۔ ہم بھی اپنے شوقِ جلوہ کا سفر وہیں سے شروع کریں۔ جس زمین کو سب سے پہلے قدمین شریفین چومنے اور شرف النساۃ کی پیشانی نے رَبُّ العِزّت کی بارگاہ میں سجود کرنے کا شرف بخشا۔

——— مدینہ منورہ کا عزابی جنوب باغات میں گھرا ہوا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین میل دور! آبادی قباء۔

اِسمو یا مستملی عالیہ!

یہیں بنی عمرو بن عوف کے معزز خاندان کا چشم وچراغ، کلثوم بن الہدم رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کا گھر دارالہجرت کا استقبالیہ مقام بنا جس کے حصے میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی آئی۔ جس کی زمین کے ایک چوکور حصے کو تا قیامت عزت وتکریم نصیب ہوئی جس کے تقدس کے تحفظ کی خاطر خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کی بنیادوں کے پتھر رکھے۔ صحابہ کبارؓ اور انصار نے جس

کی تعمیر کے ہر پتھر پر اپنے ایمان اور تقوے کے لافانی نقوش چھوڑے جس کی عظمت کی سند رب ذوالاکرام نے خود اپنے کلام معجز بیان میں ثبت فرمائی :

لمسجد اسس علی التقوی من اوّل یوم احق ان تقوم فیہ "

جہاں کے رہنے والوں کے لیے نبئ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے بادل برسے جن کی پاکیزہ مزاجی کی مدح سرائی ہوئی۔

فیہ رجال یحبون ان یتطھروا۔

یہ سب کچھ ۔۔۔ اس وفا کا صلہ جو مہاجرین نے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے روا رکھی اور اس مقام کا نام مسجد قبا۔ قرار پایا۔

یہ وہ مسجد ہے جس کے بارے میں ابن عمر فرماتے ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کبھی اونٹنی پر سوار اور کبھی پیدل تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے ۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ۔ جو شخص اس مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرے گا اُسے ایک "عمرہ" کا ثواب ملے گا۔

یہ تمام برکتیں اور عظمتیں زمین کے اس حصّے کو صرف اس لیے نصیب ہوئیں کہ یہاں سرور انبیاءؐ نے ۔۔۔ آرام فرمایا۔ نمازیں پڑھیں ، رکوع وسجود کیے۔

مسجد قبا کے باب اول کے سامنے قریب ہی ایک اور یادگار " بئر اریس " بھی ہے ۔

گو آج وہ حصہ مٹی سے پاٹ دیا گیا ہے ۔ لیکن نگاہِ محبت آج بھی وقت کے اندھیروں کو چیرتی ، مٹی کے سینے کو پھاڑتی ہوئی چشم ازرق سے جاری ہونے والے ۱۲ ہاتھ گہرے کنوئیں کے پانی کو اپنی مشتاق جلوہ بے چینی سے سامانِ تسکین دیتی ہے۔

ع دیکھ لیتے ہیں تجھے دیکھنے والے یوں بھی ۔۔۔ ذوقِ جلوہ کہیں پابند نظر ہوتا ہے ۔

اس سے آپؐ نے غسل فرمایا ، وضو کیا ، اور مسجد قبا کی تعمیر میں استعمال ہونے والی مٹی کا خمیر گوندھا ۔ عظیم سے عظیم تر نسبت اور عظیم یادگار "بئر اریس"

۲ ۔ خیمہ گاہ عوالی گاؤں کے مشرقی محلہ میں واقع اس جگہ بنی نضیر کے سات رات محاصرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع وسجود فرمائے ۔ اس جگہ کو بھی تاریخی عظمت نصیب ہوئی اور آج یہ جگہ مسجد الفضیخ یا مسجد شمس کے نام سے پکاری جاتی ہے ۔ روایات کے مطابق حرمت شراب کا حکم اس مسجد یا اسی جگہ کے قیام کے وقت نازل ہوا۔

۳ ۔ بڑھیا کا گھر قریب ہی کے محلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی نضیر کی ایک بڑھیا نے اپنے گھر (جو خضری قبیلہ سے تھی) ، نماز ادا کرنے کی درخواست کی ۔۔۔ آپؐ نے وہاں بھی نماز پڑھی ۔ بعد میں یہی گھر مسجد میں تبدیل ہوا ، اور آج ۔ وہ مسجد بنی قریظہ کے نام سے مرجعِ زائرین ہے ۔

۴ ۔ طویل سجدہ ، اس وقت کے مشہور باغ " البحیری " میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل سجدہ فرمایا ،

اس جگہ بھی مسجد تعمیر ہوئی ۔ اور اسی سجدہ کی نسبت سے اس کا نام مسجد سجدہ رکھا گیا۔

۵ ۔ بطن الوادی یا وادی ذی صُلب یہ وہ جگہ ہے جہاں بنی سالم کے قبیلہ کا قیام تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لیے تشریف لا رہے تھے، تو جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا۔ مہاجرین اور انصار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ ادا فرمائی اور خطبہ دیا۔ اس جگہ کو اس نسبت سے محصور کر کے مسجد تعمیر کی گئی اور اس کا نام ہے "مسجد جمعہ"۔

۶ ۔ عتبان بن مالک کا ویران قلعہ مسجد جمعہ کے قریب انصاری عتبان بن مالک نے اپنے ویرانے کو قدم میمنت لزوم سے مشرف فرما کر دو رکعت نماز کی درخواست کی۔ آپ نے شرف قبولیت بخشا۔

۷ ۔ مشربۂ اُمِّ ابراھیم موضع عوالی میں واقع باغات اور درختوں میں گھرا ہوا مشربہ (پانی پینے کا مقام) جہاں سے اُمّ ابراہیم علیہا السلام نے پانی پیا۔

بعض روایات میں آیا ہے ام ابراہیم علیہا السلام ماریہ قبطیہ نے چند دن یہاں قیام فرمایا اور یہیں ابن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

"عن یحییٰ بن ثابت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی مشربہ اُمّ ابراھیم"۔

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مشربہ ام ابراہیم میں نماز ادا فرمائی۔

یحییٰ بن ثابت کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشربہ اُمّ ابراہیم میں نماز ادا کی۔

۸ ۔ مسجد بنی ظفر باب بقیع سے پندرہ سکینڈ کے راستہ پر مغرب کی طرف محلۂ واقم میں یہ سجدہ گاہ رسالت مآب ۳ میٹر، ۷ سینٹی میٹر لمبی اور اتنی ہی چوڑی ہے۔ جہاں ایک پتھر پہ آپ تشریف فرما ہوئے۔ آپ کے ساتھ چند صحابہ کرام بھی تھے۔ آپ نے ان میں سے کسی ایک کو قرآن پاک کی تلاوت کے لیے فرمایا۔ آپ سنتے رہے۔ اور جب اس آیت کو سماعت فرمایا:

"فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شہیدا"۔

تو آپ اتنا روئے کہ ریش مبارک تر ہو گئی۔ اس وقت جو صحابہ کرام تھے، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ، حضرت انسؓ۔

۹ ۔ مسجد الاجابہ بقیع کے شمال کی طرف شاہراہ کے بائیں جانب بنی معاویہ کے ٹوٹے پھوٹے آثارات میں تقریباً ۲۵ گز فاصلہ طے کرنے کے بعد اُس مسجد کے آثار ملتے ہیں۔ عامر بن سعد کے والد حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے ایک دن محلہ عالیہ سے واپسی میں یہاں نماز پڑھی اور نماز کے بعد بہت ہی طویل دعا فرمائی، ابی عنسان، محمد بن طلحہ رضؓ وسعد بن ابی وقاصؓ آپ کے ساتھ تھے۔ یہ طویل دعا تین حاجتوں پر مشتمل تھی۔

۱۔ اے اللہ میری اُمت کو غرقابی کی موت سے بچانا!

دعا قبول ہوئی!

۲۔ اے اللہ میری امت کو قحط اور بادِ صرصر کی ہلاکت سے محفوظ رکھنا۔!

دعا قبول ہوئی!

۳۔ اے اللہ میری اُمت کو باہمی خوف سے بچانا۔

اسی نسبت سے اس مسجد کا نام مسجد اجابۃ ہے۔

۱۔ **مسجد احزاب، مسجد اعلیٰ اور مسجد فتح**

وادی بطحان میں واقع یہ مسجد ان تینوں ناموں سے پکاری جاتی ہے۔ جبل سلع مدینہ منورہ کے نواحی علاقہ وادی مذکور میں بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی چوٹی پر یہ مسجد ۸ میٹر لمبی اور ۳ میٹر چوڑی پتھروں سے تعمیر شدہ، اپنے دامن میں ان اہم لمحات کو لیے ہوتے ہے جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں۔ اضطراب اور سکیوں کی مقدس آوازیں شامل رہی ہیں۔

جنگِ احزاب زوروں پر تھی۔ چراغ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بجھانے کے لیے تمام الوہی قوتوں نے ہلّہ بول دیا تھا، بھوکے پیاسے خندق کھودنے کے بعد مہینوں سے مجاہدینِ اسلام کا محاصرہ جاری تھا۔ ـــ حلقہ بگوشانِ اسلام کے صبر و استقلال اور جرأت ایمان پر شبہ تو نہ تھا، اور اس رات رحمت للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سلع میں تشریف لائے اور صلوٰۃ خوف کے بعد یہ دعا مانگی۔

اللّٰھم لک الحمد ھدیتنی من الضلالۃ۔ اے اللہ! تمام تعریفوں کا صرف تو مستحق ہے۔ تو نے مجھے زندگی کے تمام اندھیروں میں روشنی بخشی۔ :

فلا مُکَرِّمَ لمن اھنت : جسے تو ذلیل کر دے اُسے کوئی عزت و تکریم نہیں دے سکتا۔

ولا مُھِینَ لمن اکرمت : اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا جسے تو عزت و تکریم سے نوازدے۔

ولا مُذل لمن اعززت : اور جسے تو غالب فرمادے اُسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔!

وَلا ناصر لمن خذلت : اس کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا جسے تو رسوا کر دے۔

ولا خاذل لمن نصرت : اور تیری نصرت سے جو بھی نوازا گیا۔ اُسے کوئی رسوا نہیں کر سکتا۔

ولا معطی لما منعت : جسے تو نادار کر دے اُسے کوئی کچھ دے نہیں سکتا۔

ولا مانع لما اعطیت : اور جسے تو سرمایہ دار بنا دے اُسے کوئی نادار بنا نہیں سکتا۔

ولا رازق لمن حرمت : اُسے کوئی آب و دانہ نہیں دے سکتا جسے تو محروم قرار دے۔

ولا حارم لمن رزقت : اُسے کوئی محروم نہیں کر سکتا جسے تو اپنی عطا سے نوازدے۔

ولا رافع لمن خفضت : اُسے کوئی اٹھا نہیں سکتا جسے تُو گرائے۔
ولا خافض لمن رفعت : اور اسے کوئی گرا نہیں سکتا جسے تُو بلند فرمائے۔
ولا خارق لمن سترت : اس کا بھرم کوئی توڑ نہیں سکتا جس کا بھرم تُو رکھ لے۔
ولا ساتر لمن خرقت : جس کا بھرم تُو توڑ دے اُسے کوئی سنبھالا نہیں دے سکتا۔
ولا مقرب لما باعدت : جسے تُو دور کر دے اُسے کوئی قریب پھٹکنے نہیں دے سکتا۔
ولا مباعد لما قربت : اور جسے تو اپنی قربت سے نواز دے اُسے کوئی دُور نہیں کر سکتا۔!

یہ دُعا اتنی بار آنحضرتؐ نے دُہرائی کہ صحابہؓ کبار آپؐ کے انتظار میں پریشان ہو گئے اور حذیفہؓ تلاش میں تشریف لائے تو دیکھا۔ دینِ قیّم کے قائد، خلافتِ الٰہیہ کے مبلغ و مؤسس محمد صلی اللہ علیہ وسلّم دونوں ہاتھ اُٹھائے بھرائی ہوئی آواز میں بارگاہِ الٰہی میں دُعا فرما رہے ہیں۔

یا صریخ المکروبین ویا مجیب المضطرین ویا کاشف ھمی غمی وکربی تدنو حالی و حال اصحابی۔

اے بے قراروں کی فریاد سننے والے، اے تڑپتے دلوں کی فریاد قبول کرنے والے، اے میرے دُکھ، میرے غم اور میرے درد وکرب کو دُور فرمانے والے تُو میری حالت، میرے صحابیوں کا حال دیکھ رہا ہے۔

اپنے محبوب کی زبان سے یہ فریاد سنتے ہی ربّ ذوالرحمۃ کی رحمت جوش میں آئی اور فوراً جبرئیل امین کو بھیجا ——— جبرئیل امین نے کہا:

ان اللہ سمع دعوتک وکفاک ھول عدوک۔

اللہ نے آپؐ کی دُعا سُنی اور قبول فرمائی۔ اور آپؐ کے دشمنوں سے خود نبٹنے کا فیصلہ صادر فرما دیا۔

یہ خوشخبری سُنتے ہی آپؐ نے چشمِ مبارک سے آنسو پُونچھے ——— چہرۂ مبارک پہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ سجدہ شکر ادا فرمایا۔ اور صحابہ کرام کو مژدہ فتح سنایا۔

اور پھر دوسرے ہی لمحے ایک قیامت خیز آندھی نے دشمنانِ دینِ قیّم کے خیمے اکھاڑ کر پھینکنے شروع کر دیئے۔ سب پر بدحواسی چھا گئی۔ قہرِ الٰہی نے ان کی ہمتوں کو اپنے جلال سے روند ڈالا ——— اور سرورِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی۔

چنانچہ مسجد فتح میں آج بھی جو شخص اپنی پریشانیوں اور درد وکرب کو دُور کرنے کے لئے دُعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی ہے۔

صحابہ کرام ایسے مواقع پر مندرجہ ذیل دُعا پڑھا کرتے۔

اللھم یا صریخ المستصرخین والمکروبین ویا غیاث المستغیثین، ویا مفرج کرب المکروبین ویا مجیب دعوۃ المضطرین صل علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم

اے اللہ، سب بے چین دُکھیوں کی فریاد سننے والے مدد کو پکارنے والوں کی مدد فرمانے والے، درد وکرب سے نجات دینے والے بے قراروں کی دُعا قبول فرمانے والے درود وسلام ہو محمدؐ پر ان کی اولاد اور صحابہ کرام پر، میرا غم دُور فرما،

واكشف عنی كربی، وغمی، وهمی وحزنی كما كشفت عن حبيبك ورسولك صلى الله عليه وسلم كربه وحزنه وغمه وهمه فی هذا المقام وانا اتشفع اليك به صلى الله عليه وسلم فی ذالك ياحنان يامنان ياذا الجود والاحسان۔

میرا درد و کرب، میری ذہنی اذیت، میرے جسمانی دُکھ، میرے فکری درد کو دُور فرما۔ جس طرح تُونے اپنے حبیبؐ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درد و کرب، ذہنی کوفت، دل کے غم اور جسمانی اذیت کو اسی مقام پر دور فرمایا۔ میں اُنہی کی شفاعت کے حوالے سے اپنے غم اور دُکھ کی فریاد کرتا ہوں۔ بےحد احسان کرنے والے اے بےحد مہربانیاں فرمانے والے، اے بےحد احسانات اور سخاوت سے نوازنے والے۔

اس مسجد فتح کے دامن میں اور بھی مسجدیں ہیں۔ مسجد سلمان فارسی، مسجد امیرالمومنین علی ابن ابی طالب! ایک اور مسجد بھی تھی، لیکن اب اس کے آثار باقی نہیں رہے۔

ان مساجد کا درمیانی فاصلہ ستر ہاتھ کے قریب ہے۔

۱۱۔ بنی حرام الکبیر: اسی جبل سلع کے دامن میں ایک چھوٹی سی مسجد واقع ہے جو بنی حرام الکبیر انصار کے ایک قبیلے کے نام سے منسوب ہے۔ مدینہ منورہ سے جاتے ہوئے دائیں جانب اور جبل سلع کی طرف سے آتے ہوئے بائیں جانب یہ مسجد واقع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی قبیلہ مذکور سے ملنے تشریف لاتے، تو اسی مسجد میں نماز پڑھتے۔

۱۲۔ کہف بنی حرام: مسجد بنی حرام الکبیر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ایک غار پڑتا ہے۔ اس غار کا نام "کہف بنی حرام" ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ قریب سے بہتے ہوئے چشمہ میں وضو فرمایا۔ اور تمام صحابہ کرام کے ساتھ اس غار میں داخل ہوئے۔ تمام رات یہاں عبادت میں گذاری اور صبح کے اُجالے میں باہر تشریف لائے۔

۱۳۔ مسجد قبلتین: جبل سلع کے سامنے ایک وسیع میدان سے گزر کر قبیلہ بنی حرام کا ایک گاؤں ہے جہاں حضور اکرمؐ کی ایک خوش نصیب عورت (ام بشر من بنی سلمہ) بنی سلمہ کے قبیلہ میں سے اُم بشر نے دوپہر کے کھانے کی دعوت کی۔ ظہر کا وقت ہوا تو آپؐ نے مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی۔ اس کی پہلی دو رکعات بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے پڑھی ہی تھیں کہ تبدیلیٔ قبلہ کا حکم "فلنولینك قبلة ترضاها" نازل ہوا۔ تو آپؐ نے باقی دو رکعات کعبہ کی طرف منہ کر کے ادا فرمائیں۔ اسی لئے اس مسجد کا نام مسجد قبلتین ہے۔

۱۴۔ مسجد سقیا: مدینہ منورہ کے مغربی نواح میں واقع ایک کنوآں ہے، جو "بئر سقیا" کے نام سے مشہور ہے۔ باب عنبریہ کے قریب آج کل وہاں قبۃ الرؤس کے نام سے مشہور منزل ہے۔

امیرالمؤمنین علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں۔

ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے جب ہم اس کنوئیں (سقیا) کے قریب پہنچے تو آپؐ کے ساتھ ہم نے بھی

اس کنوئیں کے پانی سے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپؐ نے دعا فرمائی۔

اللّٰھم ان ابراھیم کان عبدک خلیلک ودعاک لاھل مکۃ بالبرکۃ۔

اے اللہ ابراہیم علیہ السلام تیرا بندہ تھا، تیرا مخلص بندہ تھا۔ اس نے تیری بارگاہ میں اہل مکہ (مکرمہ) کے لیے خیر و برکت کی دُعا کی۔

وانا عبدک ورسولک ادعوک لاھل مدینہ ان تبارک لھم فی مدھم وساعھم۔

اور میں تیرا بندہ ہوں، تیرا رسولؐ ہوں۔ تجھ سے اہلِ مدینہ کے لیے دُعا کرتا ہوں "اے اللہ اہلِ مدینہ" کے صاع میں اور مد میں اسی طرح برکت عطا فرما۔

مثل ما بارکت لاھل مکۃ مع البرکۃ برکتین۔

جس طرح آپؐ نے اہلِ مکہ کو دوہری برکتوں سے نوازا۔ آمین!

۱۵۔ ثنیۃ الوداع کے قریب وداعی گھاٹیوں میں سے ایک کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی ایک مسجد ہے۔ اس کا نام ہے، "مسجد ذباب" اس چھوٹے سے پہاڑ کا نام بھی "ذباب" ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاماتِ سجود میں سے ایک مقام یہ بھی ہے۔

۱۶۔ مسجد البقیع جبل احد میں دائیں طرف گھاٹی کی جانب جائیں تو وہاں ایک گول سا گڑھا ہے۔ وہاں یہ چھوٹی سی مسجد تھی۔ اب اس کی دیواریں گر چکی ہیں لیکن مقام و مرتبہ کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

یاایھا الذین اٰمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس۔

اس آیۂ کریمہ کا نزول اسی مسجد میں ہوا تھا۔

۱۷۔ رکن جبل العینین غزوۂ اُحد میں جس پہاڑی پہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند تیر اندازوں کو تا حکم ثانی کھڑا رہنے کا حکم دیا تھا، اسی پہاڑی پر یہ مسجد تھی۔ یہ پہاڑی جبل عینین الشرقی شعب المراء کا ایک حصہ ہے۔ موضع قنطرۃ کے آخری سرے پہ یہ مقام ہے جہاں غزوۂ احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ نماز ظہر ادا فرمائی۔

۱۸۔ مصرع حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا مسجد العسکر! جبل احد کا یہ حصہ اُس المیہ کی یادگار ہے جہاں سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے جسم اطہر کے ساتھ وحشیانہ سلوک کو دیکھ کر چشم رسولِ اکرمؐ نمناک ہوئی اور آپؐ نے وہاں نماز ادا فرمائی۔ اس مقام کا نام مسجد عسکر کے نام سے موسوم تھا۔ اس کے آثار بھی آج کل مفقود ہیں۔

۱۹ مسجد ابی ذر غفاریؓ اگر آپ بقیع کے بازار سے جبل احد کی طرف چلیں تو چند قدموں کے فاصلہ پر بحیرہ کے نام سے مشہور مقام آئے گا۔ یہیں ایک چھوٹی سی مسجد ملے گی، جو ابی ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا طویل سجدہ فرمایا کہ صحابہ کرام کو ——— ان پر بے جان ہونے کا گمان ہوا۔

دریافت کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرا یہ طویل سجدہ "سجدۂ شکر" تھا۔ میرے اللہ نے مجھ پر مہربانی فرماتے ہوئے مجھے خوشخبری دی۔

"من صلی علیک منهم صلاة کتب له عشر حسنات"

(اے ہمارے محبوب) جو بھی تمھاری اُمت میں سے ایک بار تم پر درود پڑھے گا، ہم اسے (۱۰) دس نیکیوں کا ثواب انعام میں دیں گے۔

۲۰ مسجد ابی بن کعب بنی جدیلہ البقیع جنت البقیع میں مدفن عقیلؓ اور امہات المومنین کے مغرب کی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ——— جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔

۲۱ مسجد مصلی یا مسجد غمامہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں اسی مسجد میں پڑھی جاتی رہیں۔ یہ کھلی جگہ تھی جہاں بعد میں مسجد تعمیر ہوئی۔

۲۲ مسجد ابی بن کعب: بنی جدیلہ کے بئر شامی کے قریب جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھیں لیکن آج اس کے آثار نہیں ہیں۔

اسی طرح ——— مسجد الخربہ (۲۳)، مسجد جہینہ (۲۴)، مسجد بنی غفار (۲۵)، مسجد بنی ذریق (۲۶)۔

حُدُودِ مَدِینَہ مُنَوَّرَہ

مسجد ابی بن کعب اس محل وقوع کا جغرافیائی نقشہ تو نہیں ملتا ہے۔ لیکن شامی سمت مدینہ منورہ کے باہر ہی بئر حاء کے قریب بنی نجار کے بنی جدیلہ قبیلہ کے حوالے سے یہ مقام "مسجد ابی بن کعب بنی جدیلہ" کے نام سے مشہور ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نماز پڑھی۔

مسجد بنی حرام: جس بنی عبید (جس سے چشمہ کا اجراء حضرت معاویہؓ کا مرہونِ منت ہے) کے قریب وادیٔ بطحان

ہیں مساجد الفتح کی غربی سمت عرجون ابن طالب سے ملی ہوئی مسجد بنی حرام ہے۔ ابن زبالہ جابر بن عبداللہؓ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی۔

مسجد الخربہ: ابن جابر بن عبداللہ بن ابی قتادہ نے اپنے بزرگوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم سلافہ ام البراء بن معرور کے ساتھ اس مسجد میں اکثر نماز ادا فرماتے تھے۔ جس کا نام ہے۔ مسجد الخربہ دبر القرصہ"

مسجد جہینیہ: جبل سلع کے درمیان موجودہ مقام غربی حسن صاحب مدینہ جہینیہ کی شاہراہ پر رونق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے یہاں کے لوگوں کے لیے مسجد کی چار دیواری اور محراب کی نشان دہی فرمائی۔

مسجد بنی غفار: یہ مسجد بنی غفار کے خیموں کے قریب جہاں آل ابی ابو رہم کلثوم بن الحصین کے لوگوں کا ٹھکانا تھا واقع ہے اور یہاں بھی آپؐ نے نماز ادا فرمائی ہے۔

مسجد بنی زریق: ثنیۃ الوداع سے تقریباً ایک میل دور یہ مسجد واقع ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، لیکن اس میں نماز کی ادائیگی کے بارے میں تصدیق نہیں ہوئی۔

مسجد بنی ساعدہ: مدینہ منورہ کے مشرقی بازار بئر بضاعہ کے پاس سہلؓ بن سعد کا گھر تھا۔ ایک بار وہ بیمار ہوئے تو عیادت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپؐ نے سہلؓ سے پانی مانگا، اُنھوں نے پیش کیا۔ یوم ثقیفہ کے دن اصحابؓ یہیں جمع ہوتے تھے۔ اس مسجد میں آپؐ نے نماز پڑھی۔

مسجد بنی خدارہ: شام کی طرف سے آتے ہوئے ثنیۃ الوداع سوق مدینہ کے آخری سرے پہ واقع بنی خدارہ کی بستی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔

مسجد بنی راتج: بنی عبدالاشہل کی بستی کے مشرق کی طرف بئر ابی الہیثم بن التیہان کے احاطہ میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ وضو کیا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور نماز ادا کی گئی۔

مسجد واقم: محلہ واقم بنی ظفر کے مکانات سے پہلے بنی عبدالاشہل کے مکانات کی حدود میں جمعہ کی نماز صحابہ کرام کے ساتھ ادا فرمائی۔

مسجد القرصہ: یحییٰ بن قتادہ اپنے اسلاف کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی انصار کے محلوں کی گشت فرماتے ہوئے یہاں تشریف لاتے تو بئر علی کے قریب اسی مسجد میں نماز ادا فرماتے رہے۔

مسجد حارثہ: بنی حارثہ کی بستی میں واقع اسی مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور شہید خیبر

عبداللہ بن سہل کے بھائی عبدالرحمٰن بن سہیل کے حق میں دُعا فرمائی۔

مسجد شیخین یا مسجد البدائع : وادی قناۃ کی طرف جاتے ہوئے مقام شیخین کے قریب واقع اس مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد میں شامل ہونے سے پہلے جمعۃ المبارک کی نماز ادا فرمائی۔ پھر عصر، عشاء اور صبح کی نماز کے بعد چاشت کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد احد کی طرف روانہ ہوئے۔ شیخین مدینہ منورہ اور جبل احد کے درمیان ایک گاؤں کا نام ہے۔

مسجد بنی دینار : وادی بطحان کے مغربی کنارے "مغلہ" کے نام سے موسوم موضع جہاں کسی زمانہ میں کھجوروں کے گھنے باغ ہوتے تھے۔ وہاں زیادہ تر لوگ غسل کیا کرتے تھے۔ آج وہاں ایک پتھر پہ یہ عبارت کندہ ہے۔ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پتھر کے آس پاس ہی مسجد کے آثار بھی موجود ہیں۔

مسجد بنی عدی اور مسجد دار النابغہ : ابن جوزی بتصدیق لکھتے ہیں کہ یہ وہ مقام ہے جہاں مدفن جناب "عبداللہ بن عبدالمطلب" والدِ گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جہاں دو مسجدیں ہیں۔ ایک مسجد بنی عدی۔ جو بنی عدی کے مکانات میں اور مسجد نابغہ ـــــ موجود ہے۔ ابن شیبۃ یحییٰ بن عمارۃ المازنی سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنی عدی میں غسل فرمایا اور مسجد نابغہ میں نماز ادا فرمائی۔

مسجد بنی مازن : ابن زبالہ یعقوب بن محمد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنی مازن میں النجار کی مسجد کے خطوط کی نشاندہی اپنے ہاتھوں سے فرمائی اور ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ (دودھ پلانے والی) اُمّ بردہؓ کے گھر نماز ادا فرمائی۔

مسجد بنی عمرو : مسجد بنی عمرو بن مبذول بن مالک بن النجار بقیع زبیر کے پاس یہ مسجد مذکورہ خاندان کی نسبت سے مشہور ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز ادا فرمائی۔

مسجد بقیع الزبیر : بقیع زبیر کے پاس اس مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کی نماز ادا فرمائی، جو بنی زریق سے مشرق کی طرف واقع ہے۔

مسجد صدقہ الزبیر : مشربہ "اُمّ ابراہیم علیہ السلام" سے مغرب کی طرف واقعہ حاقہ اور داعران کے قریب "زبیریۃ" کے نام سے مشہور مقام وہ ہے جو بنو محمم کی زمینوں سے ملحق ہے۔ اس کے ایک حصہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کر دیا تو زبیر بن العوام نے بھی آپ کی اتباع کی۔

زبیر بن العوام سے ایک عربی بنی اُمیہ بن زید زمین کے ایک حصہ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ رکھتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں فیصلہ فرمایا۔ اسی جگہ پر یہ مسجد موجود ہے۔

مسجد بنی خذرہ : ابن زبالہ ہشام بن عروہ کی روایت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت الحیہ کے سامنے مسجد بنی خذرہ میں نماز ادا فرمائی۔

اس گھر کو "بیت الحیہ" یعنی اژدہے کا گھر اس لیے کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک دن ابی سائب ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے میں انتظار میں خاموش بیٹھا تھا کہ اچانک مجھے مکان کے ایک کونہ سے کسی چیز کے رینگنے کی آواز آئی میں نے ادھر دیکھا تو وہ ایک بہت بڑا اژدہا تھا۔ میں نے اُسے مارنا چاہا مگر ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اُنھوں نے کہا، اس کمرہ میں جن رہتا ہے جو دین کی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ یہ وہی تھا، تب سے یہ گھر "بیت الحیۃ" یعنی "اژدہے کا گھر" سے موسوم ہو گیا۔

مسجد بنی حارث و مسجد السُنح: ہشام بن عروہ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جشم، زید بن حارث بن خزرج اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ بنت خارجہ کی بستیوں میں نماز ادا فرمائی۔ جو وادی بطحان کے مشرق میں تھیں۔ مسجد بنی حارث کے قریب ہی مسجد سُنح بھی موجود ہے۔

مسجد بنی الحبلی: قبا اور بنی حارث کے محلہ کے درمیان یہ مسجد واقع ہے جس میں ہشام بن عروہ کے حوالے سے ادائے صلوٰۃ کا تذکرہ موجود ہے۔

مسجد بنی بیاضہ: یہ مسجد کھنڈوں کے درمیان واقع ہے۔ عبدالرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں۔ "ہمارا ایک وفد تبلیغ کے سلسلہ میں نکلا تو یہاں سے اذان کی آواز سنائی دی۔ ربیعہ بن عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نماز پڑھی۔ معلوم ہوا یہ قبیلہ بیاضہ کا گاؤں ہے۔

مسجد بنی خطمہ: مسلم بن عبید اللہ خطمی فرماتے ہیں کہ عقبہ کے ایک شہید کی قبر براء بن معرور کی قبر کے قریب ایک بڑھیا کے گھر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائے صلوٰۃ کا شرف بخشا۔ اس کے بعد یہاں مسجد تعمیر ہوئی۔

عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بئر الخطمہ سے وضو فرمایا اور خوش نصیب بڑھیا کے گھر کو ابدی عزت بخشی۔

مسجد بنی اُمیہ الدوسی: سعید بن عمران فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موضع کبا، نہیک بن ابی نہیک کے علاقہ کے قریب بنی اُمیہ کی بستی میں نماز ادا فرمائی۔ یہ مسجد شمس سے مشرق کی طرف واقع ہے۔

مسجد بنی واقف: عوالی کے قریب کے گاؤں میں اوس قبیلہ کے تین حضرات میں سے ایک ہلال بن اُمیہ واقفی کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمانے کی بشارت دی تھی جو غزوہ تبوک میں تساہل کی بنا پر شریک نہیں ہوئے تھے۔ مسجد فضیخ کے قریب ایک بار گزرتے ہوئے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔

مسجد بنی انیف: وادی قبا کے گرد و نواح میں ہی بئر عذق کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ آپؐ نے نماز ادا فرمائی۔

مسجد دار سعد ابن خیثمہ: مسجد قبا کی تعمیر سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں استراحت فرمائی اور پھر نمازیں ادا فرمائیں۔ کلثوم بن الہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کا گھر اسی کے قریب ہی ہے۔ یہ گھر سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کا گھر تھا۔ جہاں مہاجرین کی مقتدر و مکرم ہستیاں ہجرت کے بعد قیام پذیر ہوئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ، زوجہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' امہات المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، کے علاوہ ان کی والدہ ام رومان رضؓ، ہمشیرہ اسماءؓ، مہاجرین میں سے سب سے پہلا ــــ عبداللہ بن زبیر رضؓ تھے۔

مسجد النور: ابونعیم انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' اور حضرت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنی دیر تک باہمی گفتگو کرتے رہے کہ رات کا تیسرا پہر گذر گیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ گہری اندھیری رات میں چلے کہ اچانک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عصائے مبارک سے شعاعیں پھوٹیں جن کے اجالے میں ہم لوگ محلہ نور تک پہنچے اور وہاں جس جگہ نماز پڑھی گئی وہ مسجد نور کے نام سے مشہور ہوئی۔

مسجد عتبان بن مالک: وادی عدوۃ کے مشرق میں ایک قلعہ کا کھنڈر ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔

مسجد منارتین: وادیٔ زبیقین سے وادی عقیق کی طرف جاتے ہوئے بائیں طرف جبل احمر آتا ہے۔ اس کی چوٹی پر واقع یہ مسجد جس کے آثار آج بھی موجود ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی نماز پڑھی۔

مسجد فیفاء الخبار: یہ ایک موضع ہے جو پتھریلی زمین پر واقع ہے لیکن اس کے ارد گرد صدقہ کے اونٹ چرایا کرتے تھے، واقعہ عرنیین میں پیش آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نماز ادا فرمائی۔

مسجد بین الجتجائہ و بئر شداد: حلیفہ اور رشد پہاڑوں کے درمیان عباد بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیر رضؓ کی وقف کردہ زمین پر یہ مسجد واقع ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔

مسجد التوبہ: یہ مسجد بجانب عمرو بن عوف موسیٰ کی منازل بئر ہجیم کے کنارے قبا کے مغربی نواح کے کھیتوں میں ہے۔ افلح بن سعد فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابہ کرام کے ساتھ یہاں نماز ادا کی۔

انبیاء کرام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اختیار کردہ راہیں اور قرب جوار کی مساجد!

مَدِینَہ مُنَوَّرَہ ــــ تامَکَّہ مُعَظَّمَہ

سابقہ انبیاء علیہم السلام بھی انہی راہوں سے گزرے تھے: دور حاضر میں مسجد غزالہ سے مقام خیف اور صفراء کی طرف مڑنے کے بجائے لحی اور ہرشی گھاٹیوں سے گزر کر جحفہ سے جا ملتے ہیں مگر قدیم راہ مسجد غزالہ کے دائیں جانب سے جحفہ کے نچلے حصہ کو طے کرتے ہوئے مقام قدید پر پھر جحفہ کے بالائی حصہ سے جا ملتی تھی اور یہی وہ تاریخی

راہ ہے جس کے سینے پہ مختلف فاصلوں پہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی یادوں کے مینار نما آج بھی آپ کے دل کی آنکھوں کو ضیا بار نظر آئیں گے۔

ان راہوں کی نشاندہی کتب احادیث، بخاری، مسلم اور دوسری کتب میں مندرج صحابہ کبارؓ، ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ، ابن عمرؓ کے حوالے سے مستند ہے۔

مسجد شجرہ ذی الحلیفہ: یہ مسجد ذی الحلیفہ، والحلیفہ، المیقات المدنی اور بئر علیؓ کے ناموں سے معروف ہے۔ یہاں ایک ببول کا درخت اب بھی موجود ہے۔ ذی الحلیفہ کے اسی مقام پر خاتم الانبیاءؐ نے نزول فرمایا۔ اس درخت کی مناسبت سے مسجد شجرہ اور مقام کی مناسبت سے ذی الحلیفہ کہا جاتا ہے یہی مقام مدینہ منورہ سے عمرہ یا حج کی نیت سے آنے والوں کے لیے وہ حد ہے۔ جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا۔ دو رکعت نماز کے بعد لبیک اللھم لبیک (حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں) کی صدا بلند فرمائی۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ سیدالانس رحمتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیانی ستون کو سامنے رکھتے ہوئے نماز ادا فرمائی۔ انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم نے پیشوائے اعظم ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی چار رکعت مدینہ منورہ (مسجد نبویؐ) میں ادا کیں اور عصر کی دو رکعت ذی الحلیفہ (مسجد شجرہ) میں ادا کیں۔ حجاج کرام کو احرام باندھنے کے لیے حدود مسجد کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اکثر حجاج حدود سے مغرب کی طرف تجاوز کرکے غلطی کرتے ہیں جو نہیں ہونی چاہیئے یہ مسجد کافی بڑی ہے کسی زمانہ میں اس کے شمال مغربی رکن پہ مینار ہوتے تھے۔ جو اب منہدم ہو چکے ہیں۔ ہاں مغربی رکن کا مینار اب بھی سلامت ہے، محراب اور مسجد کی حدود والا سب بفضلہٖ وہی ہیں جو زمانۂ قدیم سے تھے ــــ بئر علیؓ یہیں پہ ہے۔

مسجد آخر ذالحلیفہ: مسجد شجرہ سے بہت زیادہ دُور تو نہیں، لیکن یہ ذوالحلیفہ کی آخری حد چھوٹی سی مسجد ہے۔ جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔

مسجد المُعَرَّس: یہ مسجد وادی شَغَیر کے مشرق کی طرف وادی بطحا کے درمیان واقع ہے۔ نافع بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ عمرہ، حج یا غزوات سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر رات کے وقت یہاں آرام فرماتے اور صبح مدینہ منورہ کی طرف قصد فرماتے۔ عربی زبان میں عرس کے معنی شب کو آرام فرمانے کے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں آرام فرمانے کی نسبت سے اس مسجد کا نام ہی المُعَرَّس مشہور ہو گیا۔

مسجد شرفُ الروحاء: مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے دائیں طرف چٹانوں کا طویل سلسلہ طے کرنے کے بعد قبلہ رُخ بائیں سمت پہ ایک وسیع میدان جس کا نام سیالہ ہے اس سے ملحق سیالہ قبیلہ کا قدیم قبرستان ہے جو قبورِ شہداء کے نام سے مشہور ہے۔ اُن کی روایات کے مطابق وہاں کے سرداروں کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کا مشہد ہے یہاں ایک مسجد المشرف کے نام سے واقع ہے۔ مسجد مشرف اس نسبت سے اس کا نام رکھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سجود نے اسے شرف بخشا ــــ اس مسجد سے گیارہ میل کے فاصلہ پر قبلہ رُو وادی الروحا ہے جو آج کل وادی بنی سالم کے نام سے مشہور ہے۔ سیالہ سے ایک آدھ میل چلنے کے بعد بائیں طرف ایک گھاٹی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پہاڑ کے دامن میں ایک ٹوٹی

ہوئی مسجد کے آثار نظر آئیں گے — یہاں بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی ۔ یہ مقام "عرق الظبیة" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی مقام پر آپؐ نے غزوۂ بدر کے بارہ میں غزوہ کی عسکری تنظیم و تربیت کا مشورہ صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ اس کے بعد صرف دو میل کے فاصلہ پر مسجد الروحا واقع ہے۔ یہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا فرمائی۔ "عرق الظبیة" (یعنی ظبیہ کا دشوار گذار پہاڑ) کی طرف جاتے ہوئے تھوڑی ہی دور پر ایک پہاڑ ہے جس کا نام ہے "ورقان" — عمرو بن عوف المزنی فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ الابوا میں شامل تھا۔ جب ہم لوگ ظبیۃ کی دشوار گزار گھاٹی میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہاڑ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا — اس پہاڑ کا نام "ورقان" ہے۔ جو جنت کے پہاڑوں میں سے ایک ہے۔ اور فرمایا۔ اے اللہ اس بستی کے رہنے والوں کو ہم کو برکتوں سے نواز — اور پھر مناسبت فرماتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ یہ ہمیشہ خوشگوار ہواؤں سے بھرپور وہ وادی رہی ہے، جہاں سے ستر انبیاء کرام گذرے۔ موسیٰ بن عمران سے روایت ہے کہ ستر ہزار انبیاء نے اس جبل ورقان کو شرف بخشا۔ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی ناقہ عمرہ اور حج کی غرض سے اسی مقام سے گزری۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی روحا کی مسجد میں نماز ادا فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: "مجھ سے پہلے یہاں ستر ہزار نبیوں نے نماز ادا فرمائی ہے۔"

مسجد المنصرف: الغزالہ: ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وادی روحا سے گزرنے کے بعد ایک مقام پر راستہ گول دائرہ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ منصرف کی پہاڑیوں سے ذرا ہٹ کر مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے یہ مسجد تھی لیکن اب صرف اس کے دروازوں کی پتھریلی دہلیزیں اور عمارت کے آثار موجود ہیں۔ عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جب ہم صحابہ کرامؓ کے ساتھ یہاں پہنچے تو ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ یہ وہ درخت ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول فرمایا۔ اور وضو فرماتے ہوئے درختوں کی جڑوں میں پانی دیا۔ ہم نے بھی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپناتے ہوئے ایسا ہی کیا۔ جب مسجد المنصرف المعروف مسجد غزالہ پر پہنچیں تو یہاں سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کردہ راستے کو پائیں گے۔ قبلہ رخ بائیں طرف وہ قدیم راستہ، جہاں سے آپؐ نے سقیا اور پہاڑی گھاٹیوں کی طرف رُخ فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا: یہی وہ راستہ ہے جسے مجھ سے پہلے عمرہ یا حج کے لیے آنے والے انبیاء کرام نے اختیار کیا۔ اس راستہ کو چھوڑ کر حجاج کرام آج کل وادی روحا کے کنارے صفرا سے مڑتے ہوئے بدر کی راہ اختیار کر کے نکل جاتے ہیں۔ اس راستے میں بھی کئی مساجد ہیں جن کا ذکر آگے آئیگا۔

مسجد الرویثہ: جبل الحمراء کے عقب میں دہنی جانب مشرق میں جبل الحسنا ہے۔ اس بستی میں حوض اور چھوٹے چھوٹے کنوئیں بہت ہیں۔ اس بستی کا نام رویثہ ہے جس کی پیشانی پر یہ مسجد تھی۔ آج اس کے صرف آثار باقی ہیں جہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اقدس بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئی۔

مسجد ثنیۃ الرکوبہ: عرج کے پہاڑوں کی طرف رُخ کرتے ہوئے ثنیۃ العایر نظر آتی ہے جو اصل میں عرج کی پشت پر واقع ہیں۔ اس سے تین میل کی دوری پر "ثنیۃ الرکوبہ" (یعنی رکوبہ کی پہاڑی) ہے۔ اسی جگہ یہ مسجد واقع ہے۔

مسجد الاثایہ: عرج کی چوٹی سے گیارہ میل پہلے مقام جُحفہ کے راستے میں اُثایہ نام کے گاؤں میں یہ مسجد ہے۔ اس کے آس پاس کنوئیں اور پیلو کے بہت سے درخت ہیں۔ یہ حجاز کی آخری حد ہے۔

مسجد العرج: عرج پہاڑ پہ واقع اس مسجد میں بعض روایات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا لیکن معتد تہ روایات کے مطابق اس کی سند مشکوک ہے۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نماز ضرور ادا فرمائی۔

مسجد المنبجس: عرج سے تین میل مشرق کی طرف مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جہاں سے ہجرت کے دوران عبداللہ بن اریقط لے کر گزرے اور دوپہر کی شدید گرمی میں وادی مُنبجس میں چشمۂ مُنبجس کے کنارے آپؐ نے یہاں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔

مسجد لحی جمل: عرج سے گیارہ میل کے فاصلہ پر بئرِ الطلوب ہے جس کا پانی گندا ہے اور سُقیا یہاں سے چھ میل پہ واقع ہے۔ ایک موضع "لحی جمل" کے نام سے مشہور ہے۔ مختصر یہ کہ یہ مسجد جہاں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع وسجود فرمائے۔ سُقیا اور فاحہ سے پہلے ہے۔

مسجد السُقیا: چشمہ "عذبہ" کے قریب پہاڑ پر واقع یہ مقام جو سقیا کے نام سے معروف ہے سجدہ گاہ شاہِ اُمم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کے اردگرد کے کھیتوں کو بہت سے سیراب کرنے والے چشمے بھی ہیں۔

مسجد مدلجۃ تعھن: صخر بن مالک بن ریاس اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مقام مدلجہ تعھن میں آپؐ نے نماز ادا فرمائی۔ اور مسجد کی بنیاد رکھی۔

مسجد الرمادۃ: سقیا کے بعد مکہ مکرمہ کی جانب بارہ میل کے فاصلہ پر چشمہ قیشری ہے۔ جس کا منبع جبل المشرف اور رقدس کے نام سے مشہور ہے۔ اور وادی الواء سے ملحق ہے۔ مسجد الرمادۃ اسی جگہ واقع ہے۔

مسجد الابواء: مقام جُحفہ اور الواء کے درمیان تیرہ میل کا فاصلہ ہے۔ اور یہ مسجد اس کے بیچ میں واقع ہے۔ یہ علاقہ بھی کافی سرسبز وشاداب ہے۔

مسجد البیضۃ: الواء سے پانچ میل پہ واقع یہ مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

مسجد عقبۃ ھرشی: مذکورہ مسجد سے آگے آٹھ میل کے فاصلہ پہ عقبۃ ہرشی آتا ہے جسے کترا کر نکلنے والے راستہ پہ واقع مقام "سرحات" پہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول فرمایا اور نماز ادا فرمائی۔

مسجد الجحفۃ: مقام جحفہ پر دو مساجد ہیں۔ ایک تو جُحفہ اور قدید کے درمیان ہے۔ اس کا نام مسجد ائمہ ہے اور دوسری مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جُحفہ کی داخلی حدود پہ واقع ہے۔

مسجد غدیر خم: مقام جُحفہ سے تین میل دور راستے کے بائیں طرف چشمہ کے کنارے مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ غدیر خم مسجد او

چشمے کے درمیان کی جگہ کا نام ہے۔ مسند احمد میں براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ ہم اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب آپؐ غدیر خم میں تشریف فرما ہوئے۔ ایک درخت کے نیچے اذان دی گئی ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درخت کے نیچے ہر طرف جھاڑو دی اور ظہر کی نماز ادا کی۔

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بلند کیا اور فرمایا۔ اے اللہ جس کا میں مولا اس کا علیؓ بھی مولا۔ اے اللہ! تُو اسے آپ بھی درست رکھنا جس نے علی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کو دوست رکھا اور اس سے تیری دشمنی بھی، جس نے علی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے دشمنی رکھی۔ اس کے ساتھ ہی سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اُٹھے اور کہا۔ مبارک ہو اے ابن ابی طالبؓ ہر مومن اور مومنہ کی آقائی کا اعزاز مبارک ہو۔ زیدبن ارقم نے بھی اس واقعہ کو انہی الفاظ میں ادا کیا ہے۔

مسجد طرف قدید: مقام قدید سے تین میل پہلے اُمّ معبد خزاعیہ کا خیمہ واقع ہے۔ یہیں مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس خیمہ کے قریب سر راہ ایک گاؤں موسوم بہ موضع "مناۃ الطاغیہ" تھا۔ قدید کے قریب ہی اُونچی جگہ پہ پتھر اور مٹی سے بنی ہوئی مسجد نظر آتی ہے۔

مسجد عند حرۃ خلیص: مذکورہ مسجد سے دائیں طرف جاتے ہوئے راستے پہ قدید سے چشمہ ابن بزیع اور حرۃ خلیص میں تقریباً تین میل کا فاصلہ ہے۔ اس جگہ سیاہ گھاٹی دوسرے راستوں سے الگ ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

مسجد خلیص: یہاں سے تھوڑی ہی دُور سرسبز و شاداب حصہ میں چشمہ عزیزہ کے کنارے بھی مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

مسجد بطن مر الظهران: منزلوں کی وادیوں سے اُتر کر آگے بڑھیں تو مقام بطن مر الظہران آتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بن عبد اللہ کے حوالے سے یہاں کی مسجد کا ذکر کیا ہے لیکن تلاش کے باوجود اس کے آثار مفقود ہیں۔

مسجد سرف: یہ وہی موضع ہے جہاں اُمّ المومنین میمونہ رضؓ نے وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئیں۔ یہاں مسجد الرسولؐ موجود ہے۔

مسجد تنعیم: قبر میمونہؓ سے تین میل آگے موضع شجرہ میں واقع مسجد الرسولؐ اہل مکہ کا مقام میقات ہے تنعیم میں دو مسجدیں ہیں۔ ان میں مسجد عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اور مسجد تنعیم کا تعین کرنے میں اکثر لوگ غلطی کر جاتے ہیں۔ جہاں ہر بیر کا درخت تھا جواب نہیں ہے بعض روایات کی روشنی میں اہل مکہ جسے مسجد الہلیلجہ کہتے ہیں۔ اسے مسجد علی رضؓ بھی کہتے ہیں اور اس مسجد میں ایک پتھر پہ کندہ عبارت بھی اس کی موید ہے۔ مسجد کے قریب ایک کنواں بھی موجود ہے۔

مسجد عمرات الرسول: ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بار عمرہ ادا فرمایا: عمرۃ الحدیبیہ[1]

عمرۃ القضاء[۲]، عمرۃ التنعیم[۳] اور عمرۃ الجعرانہ[۴]" تین کے بارہ میں تو سند ہے۔ لیکن "تنعیم" کے بارہ میں معتدقہ روایات نہیں ملتیں۔

مسجد ذی طویٰ: وادی ذی طویٰ مکہ مکرمہ میں دو گھاٹیوں کے درمیان مشہور ہے۔

موجودہ مجوزہ راہوں پہ مساجد

دبۃ المستعجلہ: یہ ایک موضع کا نام ہے جہاں چاروں طرف ریت ہی ریت ہے۔ محمد بن فضالہ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مضیق (دشوار گذار راستے سے) گزر کر دَبّۃ دَبّۃ المستعجلہ میں تشریف فرما ہوئے اور بئر رکوان) الشعبۃ الصابۃ سے (جو دبّہ) کے نچلے حصہ میں واقع ہے) پانی نوش فرمایا۔

شعب سیر: مستعجلہ اور صفراء کے درمیان اس کا محلِ وقوع ہے۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام بدر سے روانہ ہو کر مضیق الصفراء سے نکلے اور مضیق اور نازیہ کے درمیان مقام سیر پہ دو رکعت نفل ادا فرمائے۔

متعدد مساجد: مسجد بزات آجدال، مسجد بالجیزتین، مسجد یذخوان و موضع مذب ذفران المقبل۔ ابن فضالہ فرماتے ہیں۔ بنات اجدال میں نماز ادا فرمائی۔ اسی طرح مذکورہ مساجد میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔

مسجد الصفراء: طلحہ بن ابی خدیرہ رض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد صفراء میں نماز ادا فرمائی۔

مسجد ثنیۃ المبرک: عیسےٰ ابن معن رح فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثنیۃ المبرک کی مسجد میں نماز ادا فرمائی۔

مسجد بدر: میدانِ بدر میں وہ مقام جہاں غزوۂ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ نصب تھا۔ یہ مسجد وہیں واقع ہے۔

مسجد العشیرہ: بطن ینبع مشہور مقام ہے۔ علیؓ ابن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی نماز ادا کی۔

مساجد الفُرع: مقام فُرع میں تین مساجد واقع ہیں، اور مستند روایات سے ان تینوں مساجد میں سرورِ انبیا علیہ التحیۃ السلام نے نمازیں پڑھی ہیں۔

(۱) مسجد الاعلیٰ ——— فرع سے اکمہ میں بڑی مسجد ——— جہاں آپؐ نے خواب استراحت فرمایا، صبح کی نماز اور

چاشت کی نماز کے بعد آپ اشمہ کے نچلے علاقہ کی طرف چلے اور (۲) پھر مسجد فرع کو برکتوں سے نوازا (۳) تیسری مسجد میں بھی رکوع وسجود فرمایا۔

مسجد الفیقہ: یہ مسجد کہف اعشار میں واقع ہے۔ غزوۂ بنی مصطلق کے بعد آپ نے یہیں نماز پڑھی۔

مسجد مقمل: حبیب المزنی اپنے اجداد سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطن تفیع میں ہمارے مقام مقمل کو اپنی برکات سے نوازا جہاں آج یہ مسجد موجود ہے۔

مسجد العصر: ابن اسحاق فرماتے ہیں (مدینہ منورہ کی منازل میں واقع یہ مسجد وہ ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف سفر فرماتے ہوئے عصر کے وقت یہاں سے گزرے۔ نماز ادا کی اور اسی جگہ یہ آج مسجد ہے۔

مسجد الصہباء: سوید بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ خیبر کی طرف جاتے ہوئے جب آپ مقام صہباء پہ پہنچے تو یہاں نماز ادا کی اور طویل دُعا فرمائی، پھر طعام تناول فرمایا، اور ہم نے شرف شرکت طعام حاصل کیا۔

خیبر کے قریب مساجد: خیبر میں داخل ہونے سے پہلے ایک مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے پتھروں کو ترتیب دے کر مسجد بنائی اور نماز ادا فرمائی۔ اس مسجد کو "مسجد المنزلہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہاں آپ نے رات کے وقت آرام بھی فرمایا۔ پھر آگے تشریف لے گئے اور موضع صخرا کو اپنی برکتوں سے نوازا — اور ایک مقام کو اشارہ سے مسجد کی نشاندہی سے نوازا — جہاں آج بھی مسجد موجود ہے۔

مسجد الشق اور نطاط: قبیلہ اشجع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کے مواضع کی نشاندہی کی اور اہل "شق" اور اہل نطاط" میں پہنچے تو یہاں نماز پڑھی، جہاں بعد میں مسجد تعمیر ہوئی۔

مسجد شمران: خیبر کے پہاڑ کی چوٹی جسے شمران کے نام سے پکارا جاتا ہے اُس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔ جہاں آج مسجد ہے۔

مساجد تبوک: مدینہ منورہ سے تبوک تک کے راستے میں بیس مساجد ہیں جن میں سے ہر ایک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع وسجود کا شرف حاصل ہے۔

(۱) مسجد توبہ (۲) مدان کی گھاٹیوں پہ واقع مسجد (۳) بذات الزراب (۴) مقام اخضر (۵) مقام خطمی (۶) حبال (۷) بتراء۔ (۸) شق تارہ (۹) ذی الحلیفہ (۱۰) ذی الخلیفہ (۱۱) شرشق (۱۲) صدر غازی (۱۳) حجر (۱۴) معبد قرزح (۱۵) وادی القرای (۱۶) قریہ بنی عذرہ (۱۷) رقعہ (۱۸) ذی المروہ (۱۹) فیفاء الفحلتین (۲۰) ذی خشب۔

مسجد کدید: یہ مسجد مقام کدید سے ایک میل پر کھیتوں میں واقع ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے نماز ادا فرمائی تھی اسی جگہ یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے۔

مسجد شجرۃ با لحدیبیہ: ابن شہاب کہتے ہیں بلدح کے قریب یہ ایک غیر معروف گاؤں سے مدہ کی طرف جاتے ہوئے

شمس کے نام سے ایک کنواں ہے۔ اس کے قریب کے موضع کا نام حدیبیہ ہے جس میں ایک درخت کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔ اس لیے یہ مسجد دونوں ناموں سے پہچانی جاتی ہے۔

مسجد ذات عرق: مذکورہ مسجد سے ۲½ میل کے فاصلہ پہ یہ مقام ذات عرق کے نام سے مشہور ہے۔ عراق اور نجد سے آنے والوں کا مقام میقات بھی ہے۔

مسجد الجعرانہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں احرام باندھا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ آج بھی اسی جگہ یہ مسجد موجود ہے۔

مسجد لیہ: مسجد لیہ وادی لیہ اور وادی طائف کے درمیان واقع ہے۔ جنگِ حنین کے بعد رسولِ اکرم نخل یمانیہ طائف کی طرف چلے۔ پھر ملیح اور بحرۃ الزغاء سے ہوتے ہوئے مقام لیّہ پہ پہنچے، وہاں قیام فرمایا اور رکوع و سجود سے جس مقام کو نوازا یہ مسجد اُسی جگہ پہ واقع ہے۔

مسجد الطائف: ابن اسحاق فرماتے ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر اختیار فرمایا تو پہلے مقام فیقہ پھر نخب سے ہوتے ہوئے سدرہ (جو صادرہ کے نام سے مشہور ہے) اور پھر طائف تشریف لائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے ساتھ جس جگہ محاصرہ کا پڑاؤ ڈالا تھا وہاں امہات المومنین میں سے اُمّ سلمہؓ بھی تھیں، الگ دو خیمے قبہ نما نصب فرمائے۔ یہاں بیس راتوں تک محاصرہ رہا۔ جب قبیلہ ثقیف مسلمان ہو گیا تو اُنھوں نے اس جگہ مسجد تعمیر کی، جو آج بھی موجود ہے۔

شہدائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(جنھوں نے حضورؐ کے پیغام پر لبیک کہا)

سیّد مسعود مشہدی

ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مکہ مکرمہ میں جس ہستی نے اپنی روح کی زبان سے تصدیقِ رسالتؐ کر کے مرتبۂ شہادت میں سرِفہرست نام پانے کا شرف حاصل کیا۔ وہ تھیں غریب الوطن یمنی شوہر یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی، سالقہ ابو حذیفہ مخزومی کی کنیز، حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قابلِ فخر ماں۔ جس کی مسکینی کی دہلیز پر شاہی و تاجِ سر بخم۔ جس کی غریبی پہ ثروتِ ہفت اقلیم نچھاور، جس کی کمزوری کو جرأت و ہمت کی عظمتیں سلام کریں۔ جس کے صبر و استقلال کو دریا ہتھیں چومیں۔ وفاتے عہد کی تاریخی علامت ایمان اور اسلام کی ناقابلِ تسخیر شخصیت! اُس کا نام تھا — سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اے ردائے پردۂ ناموسِ ما — تابِ تو سرمایۂ فانوسِ ما

طینتِ پاکِ تو ما را رحمت است — قوّتِ دین و اساسِ ملت است

اے امینِ نعمتِ آئینِ حق، — در نفس ہائے تو سوزِ دینِ حق

تلواروں کی دھاروں، نیزوں بھالوں کی انیوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پہ تصدیقِ صداقتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا معمولِ زندگی تھا۔ جھنجلا کر ایک کافر سفاک ہاتھ نے اس کی کوکھ میں برچھی گھونپ دی۔ جہالت کا باپ یہ سمجھا کہ صدائے حق ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔ لیکن تاریخ گواہ ہے۔ اُس کی مقدس روح کی زبان سے نکلنے والے الفاظ لا إلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " (حقِ معبودیت اور حکومت صرف اللہ کو ہے۔ اور محمد اللہ کے (سچے) رسولؐ ہیں") اپنے دامن میں غیر فانی زندگی سموئے ہوئے اس شان کے ساتھ فضاؤں میں تحلیل ہوئے کہ آج تک ہر لحظہ، ہر آن، ہر سو، ہر سمت یہی آواز گونج رہی ہے:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)"

اس آواز کو خاموش کرنے کی مذموم و ناکام کوشش کا بدنما داغ جس کے ماتھے کو نصیب ہوا، جس کے مقدر میں بدبختی سرِفہرست لکھی گئی — وہ تھا ابوجہل۔!

اس کے بعد ان کے شوہر یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس اندازِ شہادت کو سینے سے لگایا — کفارِ مکہ نے انہیں بہت مارا، بہت ستایا۔ مٹی کا جسم ان کا ساتھ چھوڑ گیا۔ مگر وہ عہد و پیماں جو انھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ وہ انھوں نے نہ توڑا، اور نہ ہی کوئی ظالم و جابر ہاتھ اُسے توڑ سکا۔ ہاں پھر وہی صدائے حق فضاؤں میں گونجی "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کے رسولؐ برحق ہیں صلی اللہ علیہ وسلم! سلام اُن کے ناقابلِ شکست ایمان کو صد سلام۔

سیرۃ النبیؐ میں سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر حارثؓ بن ابی ہالہ کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب حضرت حارث بن ابی ہالہ کا نام سب سے پہلے شہید سے منسوب کیا ہے۔ لیکن دوسری سیرت کی کتابوں میں اس کی تصدیق نہیں مل سکی" پھر بھی اس حوالے سے جو کچھ آپ نے لکھا ہے۔ لفظ بلفظ پیش خدمت ہے۔

جب آپؐ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا۔ کفار کے نزدیک یہ حرم پاک کی سب سے بڑی توہین تھی۔ اس لیے دفعتہً ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ اس لیے ہر طرف سے لوگ آپؐ پر ٹوٹ پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب حارثؓ بن ابی ہالہ گھر میں تھے۔ ان کو خبر ہوئی دوڑتے ہوئے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانا چاہا۔ لیکن ہر طرف سے ان پر تلواریں پڑیں اور وہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی (سیرۃ النبی صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ) کئی برس فتح مکہ سے پہلے ایک بار پھر حق کی صدائے بازگشت! خبیبؓ بن عدی اور زید بن دشنہ کو مقام رجیع پر قوم عضل اور قارہ نے گرفتار کر کے قریش مکہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اور ان کے بقیہ ساتھی صحابہ کرام کو مکاری سے بلا کر شہید کر دیا۔ اس کے بعد حضرت خبیبؓ کو حارث کے بیٹوں نے اور حضرت زیدؓ کو صفوان بن امیہ نے خرید لیا۔ بہت دن صبر کے پیاسے تڑپا کر انتقام کی آگ بجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن آخر میں حد حرم کی شمالی جانب مقام تنعیم پر سولی نصب کی۔ مکہ کے تمام مشرکین کے بچوں، جوانوں، بوڑھوں اور عورتوں کو جمع کیا۔ اس طرح سرِ عام عبرتناک سزا دینے کا مقصد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے حامی و ناصر مسلمانوں کی حوصلہ شکنی تھا۔ عہد شکنی پر اکسانے کی دہشت انگیز دھمکی تھی۔ موت سے پہلے حضرت خبیبؓ نے اپنے فی البدیہہ اشعار میں ان کے مذموم ارادوں کی وضاحت اس طرح کی۔ جسے اس وقت اس مجمع میں موجود ایک صحابی رضؓ نے نوٹ کیا۔

۱۔ لقد جمع الاحزاب حولی والبوا قبائلھم واستجمعوا کل مجمع

میرے مقتل کے ارد گرد مکہ کے تمام گروہ بلائے گئے ہیں۔ اور لوگوں کا ایک ہجوم میرے چاروں طرف ہے۔

۲۔ وقد جمعوا ابناءھم ونساءھم وقربتُ من جزع طویل ممنع

اس جمِ غفیر میں ان کے بچے اور عورتیں بھی ہیں۔ اور مجھے مشکیں باندھے "ایک مضبوط لکڑی (صلیب) کے قریب لے آئے ہیں۔

۳۔ وقد خیرا فی الکفر والموت دونہ وقد حملت عینای من غیر مجزع

(مجھ سے کہا جا رہا ہے) اگر زندگی اور اس کی بھلائیاں چاہتے ہو تو کافر ہو جاؤ۔ ورنہ موت تمہارے لیے یقینی ہے (میرا جواب ہے) بلاشبہ میری آنکھوں میں آنسو فطری امر ہے۔ لیکن میرا ایمان غیر متزلزل ہے۔

۴۔ انلست بمبدٍ للعدوّ تخشعًا ولا جزعًا انی الی اللہ مرجع

میری غیرت ایمانی اسلام دشمنوں سے کبھی عجز و انکساری نہیں کرے گی۔ نہ چلائے گی۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں میری موت میرے اللہ کی طرف سفر کا دوسرا نام ہے۔

۵۔ ومالی حذ الموت انی لمیت ولکن حذاری جحم نارًا ملفع

اور سن لو — میں موت سے زیادہ موت کے بعد خون چوسنے والی آگ سے ڈرتا ہوں (جو بحالت کفر مرنے کی سزا ہے)

۶۔ فواللہ ما ارجزدامت مسلمًا الی ای جنب کان فی اللہ مصرع

میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں مسلمان ہوں (مسلمان مر رہا ہوں) اس کے بعد مجھے پروا نہیں میں کس پہلو گرتا ہوں۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے یہ اشعار ان کے ما فی الضمیر ہی کی نہیں، بلکہ ان تمام صحابہ کرام کے ایمان، وفاء، ایثار کے ترجمان ہیں جن کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضان تربیت نصیب ہوا۔ اطمینانِ قلب کا عالم دیکھئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور دعا مانگی۔ اللّٰھم بلغنا رسالۃ رسولک۔ اے اللہ! تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو اپنے ایثار و عمل میں ہم کران سب تک پہنچا "گواہ رہنا— اور انھوں نے جو سلوک کیا۔ اس کی اطلاع ان تک پہنچا نا تیرا کام ہے۔

وبلغہ ما یصنع بنا۔

ایک اور معیار وفا

کفار حضرت زیدؓ کو بھی اسی جگہ تنعیم میں لائے۔ پھر وہی لوگوں کا ہجوم، اُن میں ابوسفیان بھی تھا۔ جب صفوان نے اپنے غلام نسطاس کو سب کے سامنے گردن مارنے کا حکم دیا تو ابوسفیان نے غلام کو روکا۔ خود آگے بڑھا— اور حضرت زیدؓ سے مخاطب ہو کر کہا:-

آج تمھاری جگہ اگر (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کیا جاتا تو تمھیں خوشی نہ ہوتی۔ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا:

ابوسفیان— تو نعوذ باللہ ان کی جان کی بات کرتا ہے۔ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میری جان کے بدلے ان کے پاؤں مبارک کو کسی کانٹے کا سرا بھی چبھ جائے۔

ہمز کو کھلا گیا— اور کہا— گردن اُڑا دو۔ گردن کٹی! اربعہ عناصر کا مجسمہ ٹوٹا، لیکن پرواز کرتی ہوئی روح سے کفر کی دنیا میں زلزلہ خیز صدا بلند ہوئی:-

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہِ" (صلی اللہ علیہ وسلم)

سراسیمہ کفر

۶ ہجری قریش نے حدیبیہ کے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا اس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔ اس اثناء میں جو قبائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ملنا چاہیں وہ اُدھر مل جائیں اور جو قریش سے ملنا چاہیں وہ اُدھر مل جائیں ابھی معاہدہ کو ابھی دو سال بھی نہیں گذرے تھے کہ قریش نے قبیلہ بنو بکر کو افراد اور اسلحہ کی امداد دے کر بنو خزاعہ پر صرف اس لیے حملہ کرا دیا کہ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور بنو خزاعہ کی ہمدردیاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کی اطلاع اُنھیں مل چکی تھی۔

بنو بکر نے بنو خزاعہ کو بڑی بے دردی سے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں سمیت قتل کیا۔ کچھ لوگوں نے جان بچانے کے لیے

بھاگ کر حرم بیت اللہ شریف" میں پناہ لی لیکن انھیں یہاں بھی رحم کی بھیک مانگنے کے باوجود قتل کر دیا گیا۔ عمرو بن سالم خزاعی اور چند دوسرے افراد نے جن کی تعداد ۴۰ کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ بارگاہ رسالتؐ میں پناہ لی اور تمام واقعات بیان کئے۔ ان اشعار میں سے ایک مصرع اس بات کا مؤید ہے کہ چند خزاعی اسلام لا چکے تھے۔ " فقتلونا رُكعًا و سجدًا " "ظالموں نے ہمیں ایسی حالت میں قتل کیا۔ جب کہ ہم میں سے لوگ رکوع و سجود میں تھے۔

اقبالؒ مرحوم نے دورِ حاضر میں شیطان کی مسلمانوں کی بے داری کے حوالے سے جس پریشانی کے سبب کی نشاندہی کی ہے اس سے اُس وقت کے کفر کی سراسیمگی سے کتنی مماثلت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

فتحِ مکّہ کے دن: خُبیش بن اشعر بن منقذ اور دوسرے صحابی کرز بن جابر بن حسیل فہری قرشی نے شہادت پائی

میدانِ بدر: شہداء کے حضور نذرانہ سلام پیش کرنے سے پہلے شاہد، شہادت، شہید ——— کے حقیقی مفہوم کا تعین!

عربی زبان میں شاہد ——— گواہ

شہادت۔ گواہی۔

شہود اور شہادت کے معنی اُس کے حضور موجود رہنا، سامنے ہونا کے ہیں۔ جو مشاہدہ کے ساتھ ہو۔ خواہ مشاہدہ بصر کے ساتھ ہو یا عقل و فہم کے ساتھ ہو۔

اور کبھی صرف حضور کو بھی کہتے ہیں۔ جیسے عالم الغیب والشہادۃ (روانات غیب و ظہور ہے)

شہود کا استعمال حضور مجرد کے ساتھ اَولیٰ ہے اور شہادت کا اس معنے سے مراد ہے جو مشاہدہ کے ساتھ ہو۔

منیق ——— شہادۃ وہ بیان ہے جو اس علم کی بناء پر سرزد ہو جو مشاہدہ بصیرت یا مشاہدہ بصر کے ذریعہ حاصل ہوا ہو۔

(بحوالہ لغات القرآن جلد سوم صفحہ ۲۹۵، مصنف مولانا محمد عبدالرشید نعمانی
مولانا سید عبدالدائم الجلالی، مطبوعہ دینی کتب خانہ اُردو بازار۔ لاہور)

بحوالہ "المنجد" صفحہ ۵۴۵۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

شَهِدَ (س) شهوداً + المجلس مجلس میں حاضر ہونا۔

شهِدَ شیئ۔ کسی شے کا معائنہ کرنا۔

شاهد گواہی دینا ج۔ شهود و شُهّد

شهد (س)، وشَهُدَ (ک) شهادةً۔

عند الحاکم بفلان او علیٰ فلان ۔ گواہی دینا۔

الشَّھِیْدُ والشَّھِیْدُ ۔ حاضر گواہی ہی امین جس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہ ہوتی ۔ عربی کی لغات کے حوالے صرف اس لیے پیش کیے ہیں تاکہ شہید یا شہادت پانے والے کی نیت اور مقصد کا واضح تعین کیا جا سکے ۔

چنانچہ وہ تمام شہدا جنھوں نے غزوات میں شہادت کی سعادت حاصل کی ۔ انھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ جل شانہٗ کے پیش کیے ہوئے عقیدۂ توحید یعنی ایک اللہ کے مقتدرِ اعلیٰ وحدہٗ لاشریک یعنی صفت یا عمل میں یکتا و تنہا محسوس کیا اور وہ نظامِ حیات جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا، اس کی خیر و برکت ۔ اس کی زندگی کے ہر شعبہ میں سنوارنے کی اہلیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

تو اس یقین اور عینی مشاہدوں کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی شہادت کو زبانی ہی نہیں کہا ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ) بلکہ اپنی جان قربان کر کے اس گواہی کا معیار بھی پیش کیا ۔ ؎

یہ شہادت گہہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اب آیئے مدینہ منورہ سے اسّی میل دُور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے شہدا کی بستی ۔ میدانِ بدر ۔

بیضوی شکل کا میدانِ بدر جس کے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں ۔ تقریباً ۴½ میل یا پانچ میل کا یہ میدان اور یہ مسجد عریش (جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سائبان تھا) جہاں آپ ؐ اپنے رب ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر رات بھر فتح و نصرت کی التجا کرتے ہوئے کہتے ۔۔۔ یا حیّ ۔ یا قیوم ۔ اے بلا واسطہ غیرے زندہ رہنے والے ،

اے بلاشرکت غیرے قائم و دوائم ۔

تیری توحید اور میری رسالت کے سچے اور پکے گواہ تھوڑے ہیں ، بہت تھوڑے ۔ حق و باطل کی اس جنگ میں انھیں کچھ ہو گیا تو پھر تیری وحدانیت اور حاکمیت کو قیامت تک کوئی تسلیم نہیں کرے گا

اور وہ سامنے احاطہ سا بنا ہوا ہے ۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں ان چودہ صحابہ کرام کے جسمِ اطہر آرام فرما ہیں جنھوں نے زبانی نہیں بلکہ اپنی جان کی قربانی دے کر اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہؐ کی رسالت کی گواہی دی ۔ اور بدر کے میدان میں اُترنے سے پہلے سعد بن معاذ نے اس دعوے کی سچائی پہ اپنے مقدس خون سے مہر ثبت کی ۔

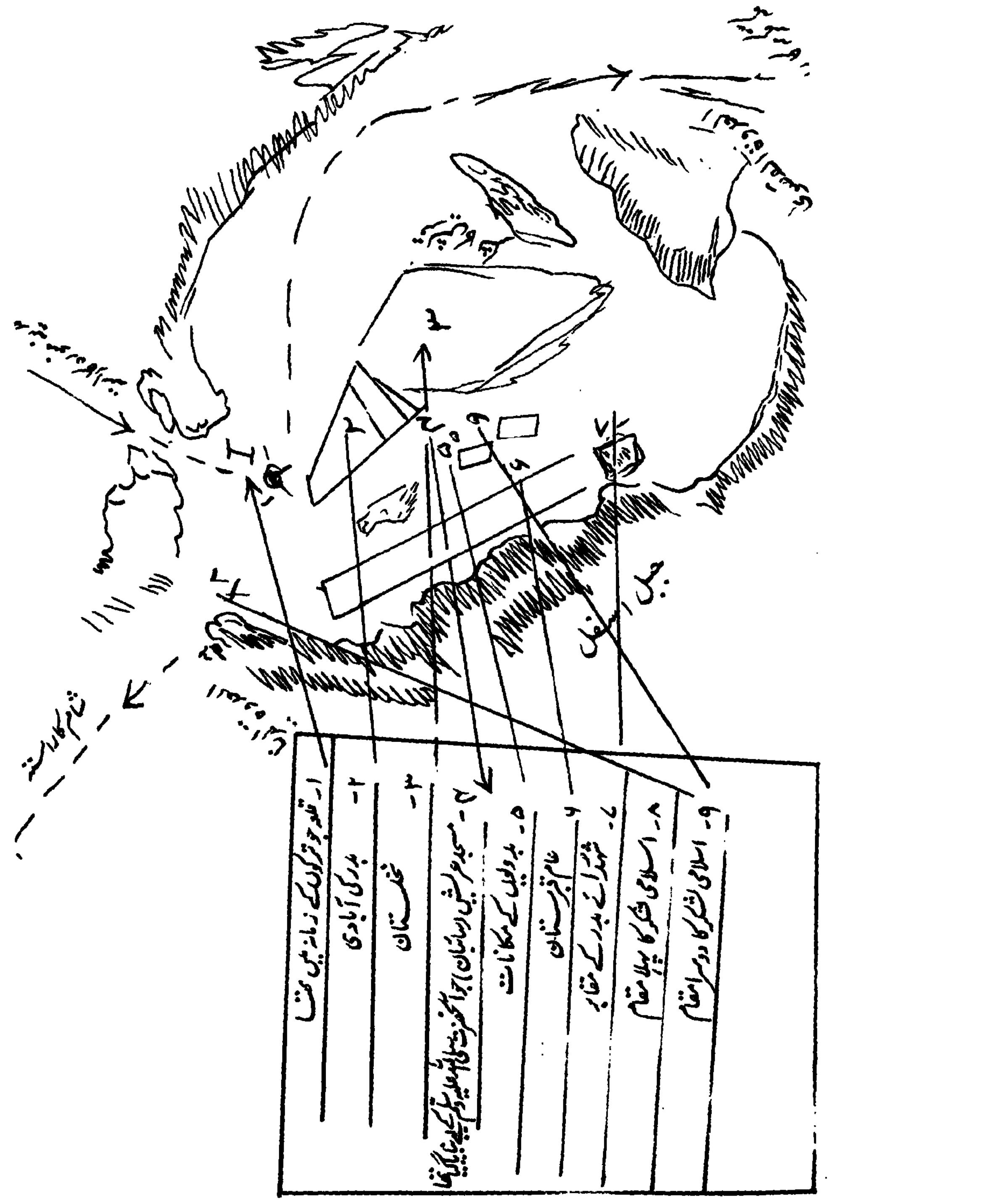
سعد بن معاذ نے مدینہ منورہ میں فرمایا ۔ یا رسول اللہؐ آپؐ ہم سے خطاب فرما رہے ہیں ۔

ہم آپؐ پر ایمان لا چکے ہیں ۔

ہم نے آپؐ کی تصدیق اور گواہی دی ۔

آپؐ جو تعلیم لائے ہیں وہ سچی ہے ۔

ہم آپؐ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے اس دعوے کے ثبوت ہیں ۔


شام کا راستہ
مدینہ منورہ کا راستہ
العدوة الدنیا
قریش کا لشکر
جبل اسفل
العدوة القصوی
مکہ مکرمہ کا راستہ
۱۔ قلعہ جو ترکوں کے زمانہ میں تھا
۲۔ بدر کی آبادی
۳۔ نخلستان
۴۔ مسجد عریش (سائبان) جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا گیا تھا
۵۔ بدویوں کے مکانات
۶۔ عام قبرستان
۷۔ شہدائے بدر کے مقابر
۸۔ اسلامی لشکر کا پہلا مقام
۹۔ اسلامی لشکر کا دوسرا مقام

میدانِ جنگ میں اپنی جانیں نثار کریں گے۔

اور گواہی یہی ـــ اپنے اس دعوے کی تصدیق ان صحابہ کرامؓ نے اس انداز اور شان کے ساتھ کی اور توحید و رسالت کی گواہی ۔

(اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔)

(ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ـ وہ وحدہٗ لا شریک ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں محمدؐ اس کے عبد اور رسولؐ ہیں) کو ایسا دوام بخشا کہ ان کے مقدس خون کے ہر قطرہ سے نکلنے والی شعاع سے ہی اس گواہی کے الفاظ مشرق و مغرب، شمال و جنوب کی فضاؤں میں ایسے مدغم ہیں کہ آج تک خشکی و تری، بلندی و پستی ۔ زمین و آسمان کے خلاء میں ہر لمحہ، ہر ساعت، ہر سُو وہی صدا آرہی ہے اور تا قیامت آتی رہے گی ۔

اشهد ان لا الٰه الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله ۔

ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس وحدہٗ لا شریک اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں اور محمدؐ اس کے عبد اور رسولؐ ہیں ۔

ان کے اسمائے گرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہٗ ۔

۱ ۔ مہجع بن صالح :

عک قوم کے تھے ۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے انھیں اپنی غلامی سے آزاد کیا تھا ۔

اس گواہی کے سب سے پہلے ناطق ۔ (شہید)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سید الشہداء کے خطاب سے نوازا ۔

۲ ۔ عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف بن قصی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ :

سب سے پہلے اسلامی سریہ کے سردار

قرشی المطلبی ابو الحارث یا ابو المعاویہ کنیت تھی ۔

۶۳ سال کی عمر میں رتبۂ شہادت پایا ۔

۳ ۔ عمیر بن الوقاصؓ ۔ مالک ابن اہیب بن عبد مناف :

سب سے کمسن شاہد ـــ ۱۶ سال کی عمر، سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے چھوٹے بھائی ۔

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں واپس جانے کا حکم دیا تو رو پڑے ۔ شوق نے شرفِ قبولیت بخشا ـــ اور ابدی مسکراہٹوں سے بھرپور زندگی میں منتقل ہو گئے ۔

۴ ۔ عاقل بن بکیر بن عبد یالیل :

شہدائے رجیع خالدؓ کے بھائی تھے ۔

۵ ۔ عمیر بن عبد عمیر بن نضلہ :

ذوالشمالین لقب تھا ۔

۶ - عوف یا عوذ بن عفراء :

انصاری تھے۔

۷ - معوذ بن عفراء :

عوف بن عفراء کے بھائی تھے۔

۸ - حارث یا حارثہ بن سراقہ رضؓ

ان کی والدہ انس بن مالک رضؓ کی پھوپھی تھیں۔

۹ - یزید بن حارث بن قیس بن مالک :

انصاری تھے۔

۱۰ - رافع بن معلی بن لوذان :

انصاری تھے۔

۱۱ - عمیر بن حمام بن جموح بن زید :

میدانِ جنگ میں ان کا رجز تھا۔

رکضنا الی اللہ بغیر زاد — الا التقی وعمل المعاد
والصبر فی اللہ علی العباد — وکل زاد عرفته النفاد
غیر التقی والیر والرشاد

۱۲ - عمار بن زیاد رضؓ :

انصاری الاشہلی۔

۱۳ - سعد بن خیثمہ الانصاری الدوسی :

ان کے والد خیثمہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

گویا صحابی ابن صحابی اور شہید ابن شہید کی دہری سعادت کے مالک۔

۱۴ - مُبشر بن عبد المنذر بن زبیر بن زید :

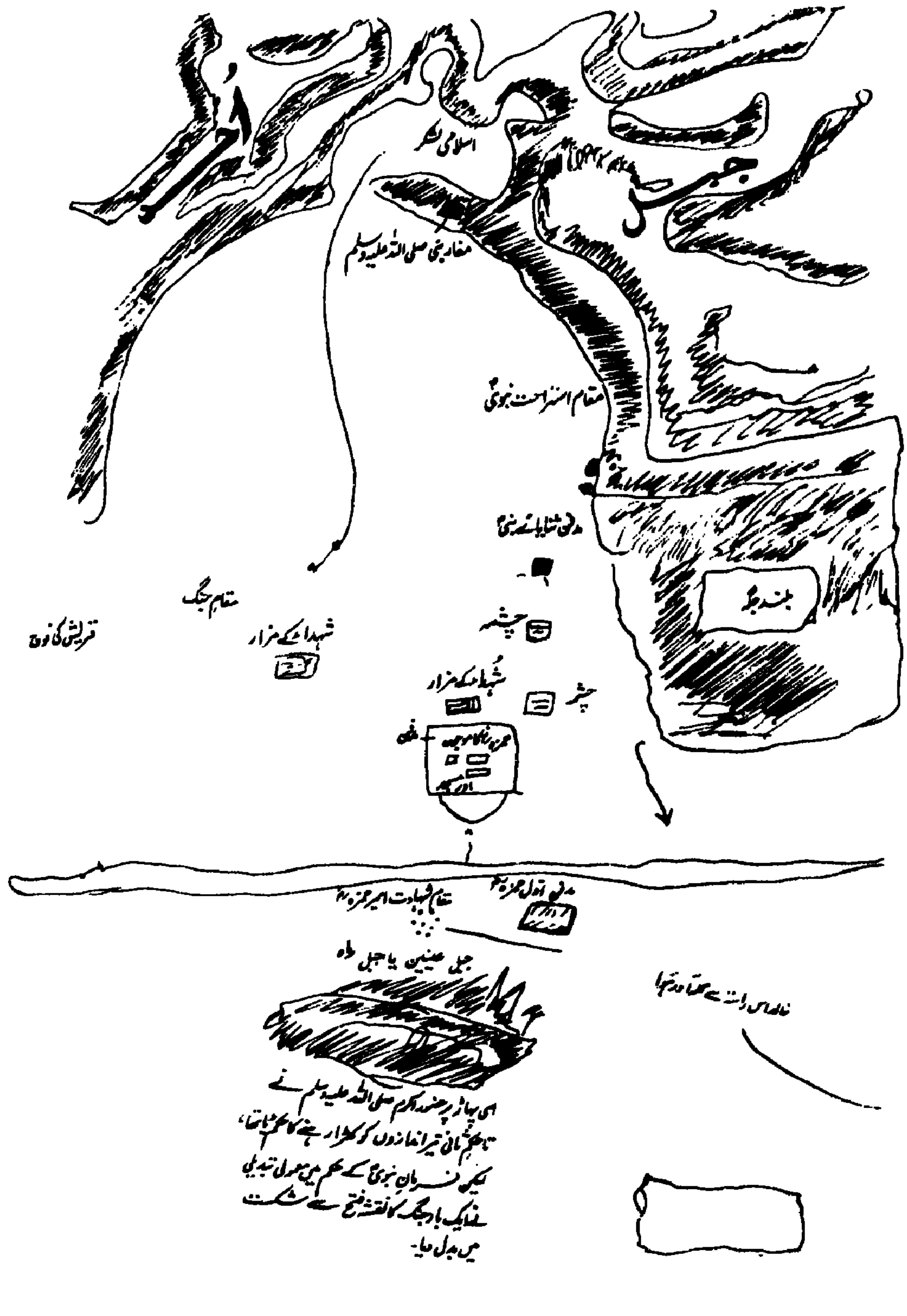
انصاری الدوسی۔

معیارِ شہادت، معیارِ وفا و صداقت — خلافتِ الٰہیہ کے ان معماروں سے کوئی سیکھے۔

سلام ان پر — ان کی مقدس ارواح پر

اور اے میدانِ بدر تیرے ذرّوں پر — تیری ان فضاؤں پر جن میں آج صدائے اللہ اکبر — گونج رہی ہے۔ اور ہبل، لات اور عزیٰ کی لاشیں تڑپ رہی ہیں۔ ان مقدس ذرّوں کو چومتے۔ ؎ شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن — نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی ،

(۲) گواہوں کی بستی جبل اُحد کا دامن



جبل احد کا تعارف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی

(۱) اُحد جبل احبنا ونحبہ' ۔ اُحد پہاڑ کو ہم سے اور ہمیں اس سے محبت ہے۔

(۲) اِنّ اُحداً علی باب من الابواب الجنہ ۔ اُحد پہاڑ، جنّت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پہ واقع ہے۔

(۳) فاذا جئتموہ فکلوہ ولوکان عضاھہ ۔ اور تم جب بھی یہاں آؤ، اس میں اُگی ہوئی کوئی بھی سبزی، جڑی بوٹی، چاہے وہ سوکھی جھاڑی کیوں نہ ہو۔ ضرور کھاؤ۔

مدینہ منورہ سے تین میل دُور یہ پہاڑ :

مشاہدہ میں آیا ہے کہ دن کے مختلف اوقات میں اس کی رنگتوں میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ کبھی نیلگوں، کبھی عنابی اور کبھی گہری سُرخی مائل کبھی سرمئی کبھی کالا۔

شاید جب کبھی اسے یاد آتا ہوگا کہ میرے ہی دامن میں رحمتِ دوعالم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور لبِ مبارک پہ گہرا زخم آیا۔ خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں۔

پھر بھی رحمت و شفقت کے مصدر و منبع محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے۔

اے اللہ میری قوم کو راہِ ہدایت دکھادے۔ یہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں۔ انھیں معاف فرما دے "

تو میں سب کچھ دیکھتا رہا۔ خاموش ——— بے جان ——— بحکمِ خداوندی سے بستہ و جامد۔

اور پھر جب ابوعامر فاسق کے کھودے ہوئے گڑھے میں شاہ ارض وسما صلی اللہ علیہ وسلم گرے تو مجھے اتنا غصہ آیا، کہ میرا چہرہ لال ہوگیا۔

آج بھی اس لمحہ کے یاد آتے ہی میرا جسم انگارے کی طرح لال ہو جاتا ہے۔

وہ تو اچھا ہوا۔

رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کوکھ کے ایک حصہ میں اپنے سر مبارک کو ٹکا کر مجھے تسلی دی۔

اور میں ضبط کر گیا۔

اور پھر میرے بلند و بالا سینے کے ایک کونہ (غار) میں استراحت فرما کر تا قیامت مجھے جو عزت بخشی۔ وہ لمحہ یاد آتے ہی مجھ پر خوشی لبریز کر لیتی ہے۔ اُس وقت مجھے جو بھی دیکھتا ہے ——— میری مسکراہٹیں اُسے بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اور پھر ——— ان تیر اندازوں کی بھول سے اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ کی صداقت کی گواہیاں دینے والوں پر ——— جہالت اور شرک کے بادل نے کس انداز کا ہلہ بولا ——— الامان الحفیظ۔

ان لمحوں میں ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ——— شیرِ خدا امیر حمزہ رضی پہ حبشی کے بزدلانہ حملے ——— ہندہ کے کلیجہ چبانے اور

پھر جسمِ اطہر کے ساتھ وحشیانہ سلوک کو دیکھ کر مجھ پر جو بیتی ———
بس میں دم بخود رہ گیا۔ جب میں سیاہ اور خوفناک لگتا ہوں تو اصل میں میری یادوں میں وہی لمحات زندہ ہو جاتے ہیں،
اور اس المیہ کو دیکھ کر، ضبط و صبرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر مجھے قوت صبر ملی اور میں ایک جامد و ساکت پتھر —
خاموش رہا۔

اُف، ایسا المیہ کہ تا حیاتِ اقدس — جب بھی وحشی کو دیکھتے تو صرف اتنا فرماتے۔

"میرے سامنے مت آیا کر۔" یہ کبھی نہیں فرمایا "مجھے تم پر غصہ آتا ہے" فرماتے — "مجھے اپنے پیارے چچا یاد آجاتے ہیں۔"

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین رحمت للعٰلمین۔

"اور پھر میرے لئے سب سے بڑی حوصلہ افزا — اُن مومنوں کی شہادتیں ہیں جن کے مقدس لہو کو میں نے اپنے ذروں میں آج تک سمویا ہے، میں ان کی عظمتوں کی یادگار رہوں ———

میں ان کی شہادت کے بے مثال اندازوں کی تاریخ ہوں۔

مجھے آج بھی یاد ہے۔ اسلامی لشکر میں خالد کے حملے سے افراتفری مچ گئی تھی۔ ہبل و عزیٰ، لات و منات کے پجاری، ایک بار پھر منظم ہو کر ایک اللہ، ایک رسول ﷺ، ایک کنبہ — ایک دستورِ حیات کی صداقت کے گواہوں پر ٹوٹ پڑے، تو نورِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد صرف سات جاں نثار ڈھال بن گئے۔

ایک ایک نے بڑی جرأت سے ڈٹ کر شہادت دی۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ۔

ان میں سے ایک نے تو آپ ﷺ کے قدمین شریفین میں شہادت پائی اور اس طرح اس شہادت کا شاہد خود اپنے نبی کو بنایا۔

اُمِ عمارہؓ — حبیب بن زید بن عاصم جنہوں نے مسیلمہ کذاب کو کیفرِ کردار تک پہنچایا — اس عظیم بیٹے کی ماں، ملتِ اسلامیہ کی عظیم ماں — اُمِ عمارہؓ — حفاظت کے لیے چٹان بن گئیں۔ عمرو بن قمیئہ نے بہت ضربیں لگائیں۔ کندھے پر شدید زخم آئے لیکن جرأتِ ایمان میں جنبش نہ آئی۔

اور ابو دجانہؓ کی شہادت تو میں بھول نہیں سکتا۔ تیر پہ تیر کھا رہا تھا جسم چھلنی ہو گیا، لیکن صداقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے منہ نہیں پھیرا۔

سعد بن وقاص کو رحمتِ دو عالم تیر دیتے جاتے اور فرماتے۔ "میرے ماں باپ تم پر قربان تیر چلائے جاؤ۔"

اور طلحہؓ نے کس شان سے ابنِ قمیئہ کے وار کو جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ کیا تھا، اپنے ننگے ہاتھوں پر جھیل کر کمال کر دیا۔ ان کا ہاتھ کٹ گیا، پھر بھی کہا۔ جسم کا ایک ایک حصہ کٹ جائے تب بھی زبان و عمل سے صداقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہم نہیں چھوڑ سکتے۔

میرے دامن میں آج وہ ستر دینِ قیم کے موحد شہید آرام فرما ہیں۔

۱۔ حمزہ بن عبدالمطلبؓ ہاشمی :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء۔

۲۔ عبداللہ بن جحش الاسدیؓ القرشی :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھپیرے بھائی۔

۳۔ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف :

بدر اور اُحد میں عَلم نبوی انہی کے ہاتھوں میں رہا۔ اُن کی شہادت کے بعد علی شیرِ خداؓ کے ہاتھوں میں آیا آپ قاری بھی تھے۔

۴۔ شماس بن عثمان بن شرید :

دو ہجرتیں کیں، بدر میں بھی شامل غزوہ تھے۔

۵۔ انس بن نضرؓ

انس بن مالک کے چچا۔ وہ شہید جن کے بارے میں قرآن حکیم کی آیت نازل ہوئی۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔

۶۔ انیس بن قتادہؓ بن ربیعہ

۷۔ ابو ہبیرہؓ بن حارث بن علقمہ بخاری

۸۔ اوس بنؓ ارقم بن زید بن قیس خزرجی

۹۔ ایاسؓ بن اوس بن عتیک

۱۰۔ اوس بن ثابتؓ مزنی

۱۱۔ رفاعہ بن وقشؓ

۱۲۔ ثابت بن وقشؓ

۱۳۔ عمرو بن ثابتؓ بن وقش

۱۴۔ سلمہ بن ثابتؓ بن وقش

۱۵۔ ثابت بن عمروؓ بن زید عدی

۱۶۔ ثابت بن جراحؓ

۱۷۔ ثعلبہ بن سعدؓ

۱۸۔ ثقیب بن فروہؓ بن بدنی عدی۔ انساب انصار کے بڑے عالم تھے۔

۱۹۔ حارث بن اوسؓ

۲۰۔ عمرو بن معاذ اشہلی

۲۱۔ حارث بن انسؓ

۲۲۔ حارث بن عبداللہؓ

۲۳۔ حارث بن ثابتؓ

۲۴۔ حارثہ بن عمروؓ

۲۵۔ حبیب بن زیدؓ

۲۶۔ حنظلہ بن ابی عامر

۲۷۔ عمارہ بن زیدؓ

۲۸۔ سعد بن ربیعؓ

۲۹۔ حباب بن قیظی

۳۰۔ صیفی بن قیظی

۳۱۔ خثیمہ بن حارث بن مالک اوسی — مدینہ منورہ میں سب سے پہلے مبلغ اسلام — ان کے ساتھ ابو زرارہ بھی تھے۔

۳۲۔ ذکوان بن عبدقیس بن خلدہ زرقی ——— بیعت عقبہ میں شامل تھے۔

۳۳- رافع بن مالک بن عجلان زرقی خزرجی ——— بیعت عقبہ میں شامل تھے۔

۳۴- رافع مولیٰ غزیہ بن عمرو ——— "

۳۵- رفاعہ بن عمرو بن زید خزرجی ——— "

۳۶- سعد یا سعید بن سوید بن قیس بن ابجر — غزوۂ بدر میں بھی شامل تھے۔ خدری ہیں

۳۷- سہل بن عدی بن زید بن عامر اشہلی — "

۳۸- سہل بن قیس بن ابی کعب بن قیس — بدری اسلمی

۳۹- سُبیع بن حاطب بن قیس بن ہُبَیشہ — اوسی خاندان سے ہیں

۴۰- سُوَیبق بن حاطب بن حارث بن حاطب — خزرج کے حلیف

۴۱- صخرہ بن عمرو (الشر)

۴۲- عبداللہ بن جبیر بن نعمان — ساعدی قبیلہ سے ہیں

۴۳- عبداللہ بن عمرو بن وہب بن ثعلبہ — بدری تھے۔

۴۴- عبداللہ مجذر بن زیاد بلوی — بدری ہیں۔

۴۵- عبادہ بن خشخاش بن عمرو بن زمرہ

۴۶- نعمان بن عبد عمرو بن مسعود — بدری ہیں،

۴۷- عامر بن امیہ بن زید بن خشخاش نجّاری

۴۸- عبید (عتیک) بن تیہان بن مالک

۴۹- یسار

۵۰- عبید بن معلّٰی بن لوذان بن حارثہ

۵۱- عباس بن عبادہ خزرجی

۵۲- عامر بن مخلد بن حارث نجّاری

۵۳- عمرو بن عیاش

۵۴- عمرو بن مطروف یا مطرف بن علقمہ بن عمرو ثقفی

۵۵- عتبہ بن ربیع بن رافع

۵۶- عیاد بن سہل بن مخرمہ

۵۷- عبداللہ بن عمرو بن حرام اسہلی

۵۸- عمرو بن جموح بن زید بن حرام ——— سید الانصار تھے پاؤں میں لنگ تھا۔ فرمایا یوں ہی لنگڑاتا ہوا بہشت میں جا پہنچوں گا۔

۵۹- خلاد بن عمرو بن جموح

۶۰- الوالیمن

۶۱- عمارہ بن زیاد ——— ان کے جسم پر چودہ زخم تھے، جب ان کی روح نے پرواز کی تو ان کے رخسار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر تھے۔

۶۲ - عمرو بن معاذ بن نعمان
۶۳ - حسیل بن جابر
۶۴ - یمان ابو حذیفہ
۶۵ - یزید بن حاطب بن امیہ
۶۶ - ابو حبہ بن عمرو بن ثابت اخو سعد بن خیثمہ!

۶۷ - عبداللہ بن مسلمہ
۶۸ - وکیسان مولی بنی نجار
۶۹ - مجذر بن زیاد
۷۰ - مالک بن عنیلہ

ان سب پر سلام عقیدت اور وعدہ کیجیے ہم بھی اسی نظام حیات اور وحدت و رسالت کے مصدق و موئید رہیں گے۔

تھوڑی دیر سید الشہداء کے مرقد پر رکیے۔ یہاں اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آتے اور دعا فرماتے اور قریب کی مسجد میں نماز ادا کرتے۔

نقشہ میں نشان زدہ مقامات پر ایک نظر ڈالئے اور چلتے چلتے جبل اُحد کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات بھی ملاحظہ کیجیے۔

عمرو بن عوف حدیث بیان کرتے ہیں:
جنّت کے پہاڑوں میں سے چار پہاڑ ہیں۔

(۱) جبل اُحد (۲) جبل طور (۳) جبل لبنان

(۴) جبل ورقان — ورقان سے مراد جبل ابی قبیس، جبل نور حرا، اور جبل ثور۔ بعض نے جبل کعبہ بھی لکھا ہے۔ جس کے پتھر تعمیر بیت اللہ شریف میں استعمال ہوئے —

اس پہاڑ میں نمو پانے والی کوئی جڑی بوٹی کھانا نہ بھولئے گا۔ اور اب چلئے — شہداء کی تیسری بستی کی طرف۔

اس مقام شہادت کو تاریخ نے اپنے اوراق کی پیشانی پر غزوۂ خندق اور غزوۂ احزاب کے عنوان سے موسوم کیا ہے۔ اس کا محلِ وقوع مدینہ منورہ کے باب برابیع سے صرف بیس منٹ کے فاصلہ پر جبل سلع کے دامن سے لے کر "مقام شیخین" تک محیط ہے جہاں خود معلم مدبر الامور احکم الحاکمین کے محبوبؐ، دین قیم کے معلمؐ نے اپنے تین ہزار صحابہ کرام کے ساتھ بھوک، پیاس اور بے حد محنت شاقہ جھیلنے کے بعد دفاعی خندق کھودی۔

خندق کے اس طرف عیسائیوں، یہودیوں اور اپنی اپنی مرضی کے مطابق خود ساختہ معبودوں کی پرستش کرنے والوں، اللہ کے منکروں، فرشتوں اور پیغمبروں کی تعلیم کو بے وقوف لوگوں کے وہم کی میراث کہنے والوں نے، قریش کی قیادت میں تیس ہزار افراد پر مشتمل جنگی پڑاؤ ڈال دیا — ان میں سے ہر فرد فنون حرب کا ماہر اور اس وقت دستیاب ہونے والے آلات حرب سے لیس تھا۔ کبھی ایک نہ ہونے والے یہ گروہ (احزاب) صرف اس لیے ایک ہوئے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے آنکھوں دیکھے گواہوں کو اپنے سخت سے سخت محاصرہ سے مرعوب کر کے اُن کے حوصلے توڑ دیں اور پھر نورِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سیلابی یلغار میں ہمیشہ کے لیے دفن کر دیں۔

تقریباً دو ہفتے، اس طرف مرعوب کن تلواروں، نیزوں اور بھالوں کی نمائش تھی۔

اور اس طرف ناقابل تسخیر صبر و استقلال کا مظاہرہ۔

اس طرف شرابی وصاڑیں تھیں۔ اس طرف زبانوں پر حمد ذوالجلال اور مدحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اُس طرف — ان کے دلوں میں قتل و غارت گری کی وحشت رقصاں تھی۔

اس طرف — احترام آدمیت سے نگاہیں درخشاں تھیں۔

اُس طرف دھمکیاں تھیں۔

اس طرف — اپنے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہوئے عہد و پیماں پر دل وجاں سے نقوش وفا ثبت کرنے کے ناقابل تسخیر ارادے!

اُس طرف فضاؤں میں — لات و ہبل کے نعرے تھے۔

اِس طرف اللہ اکبر کی صدا تھی —

اُس طرف سے تیروں، پتھروں اور بھالوں کی بارش ہو رہی تھی۔

اِس طرف — ہر ایک جذبۂ شوق شہادت میں سرشار نغمہ سرا تھا۔

نحن الذی بایعوا محمد — علی الجہاد مابقینا ابدا

ہم وہ ہیں جنھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سروری کو تسلیم کر لیا ہے۔ ہم نے ان کی نصرت کے لیے جہاد کرنے کے لیے اپنی تمام زندگی وقف کر دی ہے۔

اللھم لولا انت ما اھتدینا — ولا تصدقنا ولا صلینا

اے اللہ اگر تو نے ہمیں ہدایت سے نہ نوازا ہوتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پا سکتے تھے اور نہ ہی خیرات کر سکتے اور روزے رکھتے۔!

فَانْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا — وَثبت الاقدام ان لاقینا

سکون اور صبر ہم پہ نازل فرما — اور دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں ثابت قدمی عطا فرما

ان الاعداء قد بغو علینا — اذا ارادوا فتنۃ ابینا

دشمن ہم پر بلا وجہ حملہ آور ہوتے ہیں — ان فتنہ گروں کے خلاف ہماری بغاوت ہے

آخر کفار نے تیروں، نیزوں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی، خندق پھلانگ کر حملہ آور ہوئے۔ حیدر کرار علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں کفار کی قوت کا غرور ایک ہی ہلہ میں زمیں دوز ہو گیا۔

اور فضا میں صدائے اللہ اکبر گونجی — اس غزوہ میں چھ شہدائے کرام نے اپنی جان عزیز قربان کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے نعرے فضاؤں کے سینے میں ضم کر دیئے۔

(۱) انس بن اوس بن عتیک بن عمرو — انصاری تھے، غزوۂ احد میں شرکت کا اعزاز بھی حاصل تھا۔

(۲) ثعلبہ بن عنمہ بن عدی ——— غزوۂ احد کے غازی ۔ انصاری تھے ۔

(۳) کعب بن زید بن قیس بن مالک ——— بئرِ معونہ کے ستر اصحابؓ میں سے بچ نکلنے والے بدر کے غازی انصاری تھے۔

(۴) اسعد بن معاذ بن نعمان ——— تیر ان کی کلائی پہ لگا ۔ ایک ماہ تک زیرِ علاج رہے ۔ دو مرتبہ شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مرہم پٹی کی ، مگر اللہ تعالےٰ نے انھیں اس زخم کے سبب شہادت نصیب فرمائی اور حضورؐ نے فرمایا : اھتزلہ عرش الرحمٰن :

ان کی شہادت پر عرشِ الٰہی جھوم اُٹھا ۔)

(۵) عبداللہ بن سہیل بن زید ——— انصاری تھے ۔

(۶) طفیل بن مالک بن نعمان ——— انصاری تھے ۔

اب کے خدائے ذو الجلال کو کفر کی بربریت پہ غصّہ آیا ۔ خوفناک آندھی نے ان کے حوصلے پست کر دیئے اور پھر قریش کے جوش اور قوت کا مدفن ——— یہی خندق ہمیشہ کے لیے مقدر ہو گئی ۔

جس پر ارشادِ نبویؐ نے مہرِ تصدیق ثبت فرمادی ۔ "نغذوھم ولا یغزوننا" آج کے بعد ہم قریش پر دھاوا بولیں گے اور وہ کبھی ہم پر حملہ نہیں کر سکیں گے ۔

مدینہ منورہ سے تین میل دُور

عریض کے مقام پہ واقع نخلستان پہ ابو سفیان نے دھاوا بولا ۔ بوکھلاہٹ میں دو افراد کو شہید کر دیا ۔

ان میں ایک کا نام ——— سعد بن عمرو الانصاری

۲ ——— ان کے دوسرے ساتھی کا نام نہیں ملتا ۔

مارِ آستین

یہ شہید ——— یوم رجیع کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں ۔ عضل و قارہ کے سات آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ۔ ہمارے ساتھ چند ایسے آدمی بھیجئے جو دینِ اسلام کی خوبیاں ہمیں سمجھا سکیں قرآن کے احکامات سمجھا سکیں ۔ آپؐ نے ان کی بات پہ یقین کر کے عاصم بن ثابتؓ کو جماعت کا امیر بنا کر بعض روایات میں دس بعض میں چھ اور بعض میں آٹھ صحابہ کرامؓ کو ان کے ساتھ روانہ کیا ۔ چشمۂ رجیع پہ پہنچتے ہی ——— جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے بنو لحیان کے (جن کے ساتھ مل کر یہ سازش کی گئی تھی) ۔ آدمیوں نے انھیں گھیرے میں لے لیا ، چار تو وہیں شہید ہو گئے ، مگر تین کو مکار گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے ۔ عبداللہ بن طارقؓ نے مر الظہران کے مقام پر اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش میں شہادت پائی ۔ لیکن خبیب رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ اور زید رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کو ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گئے ۔ شہداء کے اسمائے گرامی

(۱) عاصمؓ بن ثابت بن ابی الافلح ۔ (۲) مرثدؓ بن ابی مرثد الغنوی (۳) خالدؓ بن بکیر اللیثی (۴) خبیبؓ بن عدی ——— (۵) زید بن الدثنہ (۶) معتبؓ بن عبید (۷) عبداللہ بن طارق (۸) زیدؓ بن مزین انصاری بیاضی !

واقعہ کی پوری نوعیت سے ثابت ہوتا ہے کہ دشمنانِ دین جب اپنی کوششوں میں ناکام ہوتے ہیں تو پھر اس طرح مارِ آستین

بن کر بھی ڈستے ہیں۔

ایک اور دامِ تزویر رجیع کے واقعہ کے چند دنوں بعد ہی ابوبراء عامر بن مالک کلابی نے بالکل اسی طرح کی سازش سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں اپنے ساتھ صحابہ کرام کو بھیجنے کی درخواست منظور کروالی۔ آپؐ نے منذرؓ بن عمرو انصاری جو عمر فاروقؓ کے خسر اور عاصمؓ بن عمرؓ کے نانا تھے) کی امارت میں ۷۰ صحابہ کرام کو روانہ کیا۔ ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

(۱) منذر بن عمرو بن خنیس انصاری (۲) حکم بن کیسان، ہشام مخزومی کے غلام تھے۔ نخلہ میں اسیر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ دوسرے لفظوں میں آزاد ہو گئے (۳) حرام بن ملحان (۴) سلیم بن ملحان (حرام بن ملحان کے برادر شفیق) (۵) حارث بن صمہ انصاری (۶) ثابت بن خالد بخاری (۷) عامر بن فہیرہ (ہمرکاب ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) (۸) عروہ بن اسماء بن صلت (۹) عائذ بن ماعص بن قیس (۱۰) معاذ بن ماعص بن قیس (۱۱) مسعود بن قیس (۱۲) سفیان بن ثابت انصاری (۱۳) مالک بن ثابت (۱۴) سفیان بن حاطب (۱۵) سہیل بن عامر (۱۶) سعد بن عمرو (۱۷) طفیل بن سعد (۱۸) سہیل بن عمر ثقفی (۱۹) قطبہ بن عبد عمرو بن مسعود (۲۰) منذر بن محمد بن عقبہ (۲۱) نافع بن بدیل بن ورقہ (۲۲) انس بن معاویہ (۲۳) اُبی بن ثابت بن منذر (۲۴) ابی بن معاذ بن انس (۲۵) ابی بن معاذ کے بڑے بھائی (۲۶) مسعود بن خلدہ بن عامر بن زریق۔ اس کے علاوہ باقی شہدائے کرام کے نام بتصدیق نہیں ملتے۔ جب یہ تمام بزرگ ہستیاں بئر معونہ پہ پہنچیں (جو بنی عامر اور بنی سلیم کے علاقہ کے درمیان واقع ہے) تو بنو عامر کے رئیس عامر بن طفیل نے بنو سلیم کے قبیلے عصیہ، رعل اور ذکوان کے آدمیوں کے ساتھ مل کر ان نہتے صحابہ کرام کو شہید کر دیا۔ کعب بن زید جن کو یہ لوگ مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے، بچ گئے اور منذرؓ بن محمد کے ساتھ امیہ بن عمرو ضمری جو اس وقت اُونٹ چرانے نکل گئے تھے۔ لیکن مقام مقتل پہ پہنچے تو منذر بن محمد کو بھی شہید کر دیا گیا۔ لیکن عمرو بن اُمیہ انصاری کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے قبیلہ مضر میں سے کسی ایک کو چھوڑنے کی منت مان رکھی ہے۔ جاؤ تم کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

بقیہ کے نام تاریخ کے اوراق پہ نہیں تو نہ سہی لیکن اللہ کی کتاب میں ان کا نام بھی موجود ہے۔ اور وہ خود بھی زندہ و جاوید ہیں ـــ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی اور یہ سب اپنے اللہ سے راضی ـــ بدبخت تو وہ لوگ تھے جو اسلام دشمنی میں انسانیت کا دامن بھی اپنے ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے اور آخر کار انھیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی رسوائی کے سوا کچھ نہ ملا۔

شہیدِ مریسیع ہشام بن لیثی ـــــــــ (مریسیع ایک چشمہ کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے سو میل جنوب مغرب میں ساحل کی طرف واقع ہے۔

شہدائے بنو قریظہ
(۱) خلاد بن سوید
(۲) سنان بن محصن

غزوۂ غابہ کے شہید ایک چراگاہ جو مدینہ منورہ سے بارہ میل کے فاصلہ پہ ہے۔
(۱) ذر بن ابوذرؓ (۲) محرز بن نضلہ (۳) وقاص بن محرز۔

ذی القصہ

مدینہ منورہ سے چوبیس میل دُور نجد میں بنو ثعلبہ کا ایک موضع ذی القصہ کے نام سے مشہور تھا۔

(۱) سلکان بن سلامت (۲) حارث بن اوس (۳ اور ۴) قبیلہ مزینہ کے دو افراد (۵) بنو غطفان کا ایک فرد۔

سریہ وادی القریٰ

مدینہ منورہ سے ۱۲۵ میل شمال کی طرف فدک اور خیبر کے درمیان ایک وادی!

(۱) ورد بن مرداس۔

عرنیین

(۱) یسار نوبی۔

مدینہ منورہ سے چھ میل دُور، قبا سے آگے ایک چراگاہ۔

خیبر

یہودیوں کا ایک قلعہ جو مدینہ منورہ سے سو میل دُور شمال میں واقع ہے۔ اس فتح کے بعد اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اس لیے کہ عرب میں یہودی قوت کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا۔ جب بنو نضیر کے رؤسا خیبر میں آکر آباد ہوئے تو انھوں نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پہ اسی طرح آمادہ کر لیا جس طرح آج فلسطین میں یہودیوں نے عیسائیوں اور دوسرے مشرکوں کو اسلام دشمنی میں اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اس قلعہ کی فتح و نصرت کا سہرا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سر ہے۔

(۱) اوس بن حبیب ——— انصاری

(۲) اوس بن فاتک ——— انصاری

(۳) اوس بن عائذ ——— (۴) اسلم ——— خیبر کے کسی یہودی کے غلام، میدانِ خیبر میں ہی اسلام لائے اور اُسی روز شہید ہو گئے۔ (۵) ثابت بن واثلہ ——— (۶) حارث بن حاطب ——— انصاری حدیبیہ، اُحد اور خندق کے غازی (۷) رفاعہ بن مسروح ——— بنو اسد سے ہیں (۸) ربیعہ بن اکثم بن سنجرہ ——— (اسدی مہاجر) ابو یزید کنیت۔ بدر، اُحد، اور خندق کے غازی (۹) سلیم بن ثابت بن وقش بن زغبہ ——— اُحد، خندق اور حدیبیہ کے غازی (۱۰) عامر بن اکوع ——— مشہور پہلوان صحابی سلمیٰ بن عمرو کے چچا (۱۱) عبداللہ بن ابو اُمیہ بن وہب (۱۲) عبداللہ بن حبیب بن اُہیب ——— (اسعدی الحبشی) (۱۳) عدی بن مرہ سراقہ بن حباب (بلوی) (۱۴) عمرو بن مرہ بن سراقہ انصاری (۱۵) عمارہ بن عقبہ ——— (بنو عصار کے فرد) (۱۶) ابو سفیان بن حارث (۱۷) عمیر بن ثابت (انصاری) اوسی، بدر، اُحد، خندق اور حدیبیہ کے غازی) (۱۸) مسعود بن سعد بن عامر انصاری (۱۹) محمود بن مسلمہ (۲۰) زنیف بن وائلہ (۲۱) نیف بن حبیب۔

سریہ حزبا

مرداس بن نہیک بن مراس۔ بنو فزارہ میں سے تھے

ابن ابی العرجاء

(۱) حرم بن ابی العرجاء

شہیدان طلح

(۱) کعب بن عمیر ——— (غفاری انصاری صحابہ کبار میں سے تھے۔ باقی آٹھ شہیدوں کے اسماء کتب سیرۃ سے نہیں ملے)

شہدائے موتہ

موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے ۔جو بلقاء سے آگے آتا ہے ۔عرب کی مشرقی تلوار یں یہیں بنتی تھیں ۔ اس مہم کا آغاز حارث بن عمیر کی شہادت کے قصاص کی بنا پر ہوا ۔قیصر روم کے تحت بلقاء کے رئیس شرجبیل بن عمرو نے سفارتی آداب کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام بردار اور صحابی حارث بن عمیر رض کو شہید کر دیا تھا۔ گو یہ مہم قصاص کی غرض سے تھی لیکن چونکہ تمام مہمات کا اصلی مقصد تبلیغ اسلام تھا اس لیے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا : ” پہلے ان کو دعوت اسلام دی جائے ۔اگر وہ اسلام قبول کریں تو جنگ کی ضرورت نہیں ۔“ ثنیۃ الوداع تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں الوداع کہنے تشریف لائے ۔

(۱) زید بن حارثہ بن شرجبیل الکلبی :- باپ کی طرف سے ان کا سلسلۂ نسب قضاعہ اور والدہ کی طرف سے سعدی بنت ثعلبہ تک جا ملتا ہے۔ان کو ان کی والدہ سے راہزنوں نے چھین کر بیچ دیا۔بازار عکاظ میں حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی خدیجۃ الکبریٰ کے لیے خرید لیا۔ام المومنین نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا۔حضور ؐ نے کمال شفقت سے پرورش کیا ۔ ان کے والد اور چچا ان کو لینے آئے ، تو انھوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جانا پسند نہ کیا ۔بدر میں حاضر ہوئے ۔سات سرایا میں امیر لشکر بنا کر بھیجے گئے ۔امام زہری کی روایت کے مطابق سب سے پہلے یہی اسلام لائے ۔مسلمانوں میں صرف انہی کا نام قرآن پاک میں آیا ہے ۔انعام یافتۂ خدا اور انعام یافتۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ان کے فرزند اسامہ تھے جو ام ایمن کے بطن سے تھے ۔ وہ حب رسول اللہ کے لقب سے ملقب تھے ۔حضرت زید ؓ کو مواخات میں حضرت حمزہ کا بھائی بنایا گیا تھا اور مقدمہ حسنات وختر حمزہ میں ان کو انت اخونا و مولانا کا خطاب ملا ۔الاستیعاب میں ہے کہ ایک بار انھوں نے مکہ سے طائف تک ایک خچر کرایہ پر لیا ۔خچر والا راہزن تھا ۔وہ ایک ویران جنگل میں لے گیا ۔جہاں لاشیں ہی لاشیں تھیں ۔اس نے آپ ؓ کو قتل کرنا چاہا ۔آپ ؓ نے کہا کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو ۔اس نے کہا کہ یہ لاشیں بھی سب کی سب نمازی پڑھنے والوں کی ہیں ۔آپ ؓ نے نماز کے بعد یا ارحم الراحمین تین بار کہا تو جبرئیل علیہ السلام نے ڈاکو کو قتل کر دیا ۔

(۲) جعفر طیار بن ابی طالب بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ :- یہ وہی ہیں جو دربار حبشہ میں مسلمانوں کے امیر بن کر گئے تھے ۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد ہیں ۔غزوہ موتہ میں حضرت زید ؓ کے بعد آپ ؓ ہی امیر لشکر منتخب ہوئے ۔

(۳) عبد اللہ بن رواحہ بن ثعلبہ الخزرجی : یکے از دوازدہ نقبائے محمدی ؐ ۔بیعت عقبہ اور غزوات بدر، احد، خندق حدیبیہ و عمرۃ القضا میں شامل تھے ۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص شعراء میں سے تھے ۔بیحد ریاضت کش تھے ۔ابو الدرداء سے روایت ہے کہ ہم لوگ بیحد گرم دن میں سفر کر رہے تھے سخت گرمی کا

عالم تھا۔ اس روز تمام لشکر میں صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن رواحہ روزہ سے تھے۔

جنگِ موتہ کے لیے جب لشکر روانہ ہونے لگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خیر و برکت کی دُعا دی تو انھوں نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھے۔

لٰکنّنی اَسْاَلُ الرَّحمٰنَ مغفرۃ ۔ وضربۃً ذاتَ فَرْغٍ تقذف الزبدا

ترجمہ :- میری تو بارگاہِ رحمٰن سے درخواست ہے کہ وہ میری مغفرت کریں اور میرے سر پر ایسی چوٹ لگے جو کھوپڑی توڑ ڈالے۔

وطعنۃ بیدی حران مجھزۃ ۔ بحربۃ تنفذ الاحشاء والکبد

نیزہ اور تلوار میرے دل و جگر کو چھید ڈالیں۔

حتی یقولوا اذا مرّوا علی جَدَثی ۔ یا اَرْشَدَ اللہ من غازٍ وقد رشدا

اور میری لاش دیکھ کر لوگ کہیں صد آفریں غازی بڑی شان سے لڑا اور شہادت پائی آپ کی دُعا قبول ہوئی اور جب حضرت زید رضؓ اور جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ان کو کمان ملی، تو اسی شان سے جان عزیز قربان کر دی۔

(۴) جعفر بن ابی صعصعہ المازنی الانصاری (۵) ابو کلاب بن ابو صعصعہ (۶) سراقہ بن عمرو بن عطیہ (۷) عباد بن قیس بن عیسہ (۸) وہب بن سعد بن ابی سرح القرشی (۹) مسعود بن سوید بن حارثہ (۱۰) مسعود بن الاسود بن حارثہ (۱۱) عبادہ بن قیس بن زید بن اُمیہ الانصاری (۱۲) سوید بن عمرو (۱۳) ہویجہ بن بجیر بن عامر الضبتی!

شہدائے حنین حنین، مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ اس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہیں یہاں ثقیف اور ہوازن دو قبیلوں اور مکہ کے منافقین کی اجتماعی کوشش تھی۔ چنانچہ اس جنگ میں ایک بار تو مجاہدین میں بھگدڑ مچ گئی لیکن آخر کار فتح حق کو نصیب ہوئی۔

(۱) ایمن بن عبید حبشی (۲) حویرث بن عبد اللہ بن خلف (۳) مرہ بن سراقہ (۴) سراقہ بن حباب (۵) سراقہ بن حارث عدی (۶) یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب۔

اسی جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ہمشیرہ شیما بھی اسیر ہو کر آئیں۔ آپؐ نے انھیں عزت و احترام سے ان کی خواہش کے مطابق وطن واپس بھیج دیا۔

شہدائے طائف جنگِ حنین میں شکست کھانے کے بعد اسلام دشمن فوج طائف میں پناہ گزین ہو گئی اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس مقام کو طائف اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے اردگرد شہر پناہ کے طور پر چار دیواری تھی۔ یہ وہی مقام ہے جہاں آپؐ کو پتھر مار کر سرتا پا لہولہان کر دیا گیا تھا۔ (۱) حارث بن سہل بن ابو صعصعہ (۲) حباب بن جبیر،

(۳) عرفطہ بن حباب (۴) صبیح بن عبد اللہ بن حارث (۵) رقیم بن ثابت (۶) ثابت بن حذرع (۷) سعید بن سعید بن عاص بن اُمیہ (۸) عبد اللہ بن الامیہ (۹) عبد اللہ بن حارث بن عبد المطلب (۱۰) سائب بن حارث بن قیس بن عدی (۱۱) عبد اللہ بن عامر (۱۲) عبد اللہ بن قوال بن قیس بن وقش (۱۳) منذر بن عبد بن قوال۔

اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب اس جنگ میں قلعہ شکن آلات دبابہ اور منجنیق استعمال کئے گئے۔ دبابہ پر اہل قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور اس شدت سے تیر باری کی کہ مجاہدین کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ مذکورہ شہداء کے علاوہ بہت سے زخمی ہوئے۔

بیس دن کے بعد محاصرہ اُٹھا لیا گیا، اور روانہ ہوتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا دی۔

اللھم اھد ثقیفاً وائت بھم — اے اللہ ثقیف کو ہدایت سے نواز اور اُنھیں میرے پاس آنے کی توفیق عطا فرما۔

(۱) ان کے علاوہ محلہ قینقاع میں ایک مسلمان عورت سے یہودیوں کی شرمناک شرارت پہ احتجاج کرنے والا غیرت مند مسلمان بھی شہید ہوا جس کا نام تاریخ اور کتب سیرۃ میں نہیں ملتا۔

(۲) مخیریق — ایک یہودی عالم جو غزوہ احد میں شریک ہوا۔ شہادت پائی اور شہادت گاہ میں آنے سے پہلے اپنی تمام جائیداد سرکار دو عالم کے نام وقف کر آیا۔

(۳) بشیر بن براء بن معرور — وحد کے سے زہر آلود کھانا کھلانے سے موت واقع ہوئی۔

(۴) طفیل بن النعمان بن خنسہ!

(۵) مسعود بن خلدہ (۶) عبد اللہ بن سعید بن العاص (۷) مسعود بن الاسود بن حارثہ (۸) ہبار بن سفیان بن اسد!

گویا تمام غزوات اور سریوں کے علاوہ کسی دوسری نوعیت میں کل شہید ہونے والوں کی تعداد ۲۵۹ کے لگ بھگ ہے اور اس کے مقابلہ میں اسلام دشمنوں کی اموات ۷۵۹ کے لگ بھگ ہیں۔

ان اعداد کا بنظرِ غائر جائزہ لیجئے اور غور فرمایئے۔ آخر وہ کون سی قوت تھی، وہ کون سی خواہش تھی، وہ کون سی تمنا تھی جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوشِ صحابہ کی شہادتوں کو تمام دنیا کی اُمتِ مسلمہ کی تعمیر کا موسس بنایا۔ تو سنیے — انھیں کی زبانی سنیے:

اللھم انہ لاخیر الا خیر الآخرہ ۔ فبارک فی الانصار والمہاجرہ

اللہ کی تمام برکتیں اور بھلائیاں تو آخرت کی زندگی میں ہیں۔ اللہ انصار اور مہاجر کے اعمال کو اپنی برکتوں سے نواز دے۔

اعنی الرسول فان اللہ فضلہ ۔ علی البریہ بالتقوی و بالجود!

ہم نے اپنے اللہ کے فضل کی اعانت کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کی جو سراپا نیکی، تقویٰ اور سخاوت ہیں۔

مستعصمین بحبل غیر منجذم ۔ مستحکم من حبال الله ممدود

ہم نے اللہ کی اُس رسّی کو تھاما ہے اللہ کی رسّی جو ہمیشہ قائم و دائم اور مضبوط تر ہے

نور اضاء علی البریة کلها ۔ من یهد للنور المبارک یهتد

نیکیوں نے اسی لیے اُس ہستی صلی اللہ علیہ وسلم، بدامان اُس کی مبارک ہدایت جسے نصیب ہوئی وہ ہم ہیں۔

یارب فاجمعنا معا و نبینا ۔ فی جنة تثنی عیون الحسد

اے رب ہمیں قیامت کے دن دشمنوں کی نظر سے بچا کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگاروں میں شامل فرمانا۔ آمین!

یا الله ما حملت انثی ولا وضعت ۔ مثل النبی رسول الرحمة الهاد

اے اللہ رسول رحمتؐ جیسا راہنما۔ بہترین ہادی آج تک نہ کسی ماں نے جنا اور نہ ہی متحمل ہوئی۔

دعاه اله الحق ذو العرش دعوة ۔ الی جنة یرضی بها و سرود

ہر شہید کو عرش مجید کے سچے مالک اللہ نے پکارا، اور وہ ہنستا مسکراتا چلا۔ یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو گیا۔

کفرتم بالقرآن وقد اُتیتم ۔ بتصدیق الذی قال النذیر

اے دشمنانِ اسلام تم میں اور ہم میں حدِ فاصل یہ ہے کہ تم نے قرآن کے احکامات ماننے سے انکار کیا اور ہم نے نذیر و بشیر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ـــــ اس کی اپنے خون سے وضو کر کے تصدیق کی۔

شهدت باذن الله ان محمدا ۔ رسول الذی فوق السموات من عل

"ہم نے اللہ کے حکم سے گواہی دی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں اور زمینوں کے مالک اللہ کے سچے رسولؐ ہیں"

بنصر الاله للنبی و دینه ۔ واکرمنا باسم مضی ماله مثل

ہم تو گھٹیا تھے لیکن اللہ تعالیٰ (اور) اس کے نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کی حمایت کر کے ہمیں بے مثال تکریم ملی۔

کنا ملوک الناس قبل محمد ۔ فلما اتی الاسلام کان لنا الفضل

ہم تو لوگوں کے غلام تھے۔ سرورِ دو عالم کی غلامی کا شرف ملا ہم مسلمان ہوئے تو تمام عزتیں ہمارا نصب العین بن گئیں۔

الله اکرمنا بنصر نبیه ۔ وبنا اقام دعائم الاسلام

اللہ تعالیٰ کے کرم سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت سے ہم نے اسلام کے ستون قائم کئے!

یتلو علینا النور فیها محکما ۔ قسما لعمرک لیس فیها الاقسام

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہمیں ایسا نور بخشتا ہے جس میں زندگی کی کامرانیاں کس طرح حاصل کی جاتی ہیں اس کے واضح اور محکم احکام موجود ہیں اور تمھاری عمر کی قسم وہ بے مثال ہیں۔

وبنا اعز نبیه وکتابه ۔ واعزنا بالضرب والاقدام

ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی کتاب اور عزت کو جہاد اور مسلسل پیش قدمی کا ہدیہ پیش کیا ہے۔

ان اشعار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام مجاہدوں کو نہ دنیا کے وقار، نہ دنیا کے مال، نہ دنیا کی آسائشوں سے دلچسپی تھی بلکہ انھیں یقین تھا کہ موت کے بعد کی زندگی ہے۔ اللہ تعالےٰ محاسب ہیں۔ وہ ہر لمحہ ہر جگہ دیکھتے ہیں۔ وہ ہر بات سُنتے ہیں۔ کاش ہم اپنے ان محسنوں کی جنھوں نے اپنے خون سے وضو کرکے ہمیں مسلمان اور مومن ہونے کے انداز سکھائے؛ پیروی کرکے اپنی آخرت سنوار سکیں۔ حکیم الامت علامہ اقبال مرحوم کی ایک دردبھری آواز بھی سُن لیجئے:

اہلِ حق را رمزِ توحید از بر است　　در آتی الرّحمٰن عبداً مضمر است
دیں از و حکمت از و آئیں از و　　زور از و قوت از و تمکیں از و
تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست　　زیرِ گردوں سرِّ تمکینِ تو چیست
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم　　حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات　　بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرفِ او را ریب نے تبدیل نے　　آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوعِ انساں را پیامِ آخریں　　حاملِ او رحمۃ للعالمینؐ

تا شعارِ مصطفےٰؐ از دست رفت
قوم را رمزِ بقا از دست رفت

اسلام کا نظامِ اقتصاد

محمد ایوب قادری

اسلام دینِ فطرت ہے انسانیت کی فلاح و بہبود اس کا مقصد ہے اسلام کے اقتصادی نظام میں زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان شعبوں کے بارے میں واضح لائحہ عمل ملتا ہے تاکہ کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہو اور معاشرہ آزادی سے پھل پھول سکے اسلام نے آجر اور اجیر اور سرمایہ دار اور مزدور کے مسائل سے اعتنا کیا ہے اور ایسے واضح اصول متعین کئے ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے مفاسد کا سدباب ہو جاتا ہے۔ یہاں ہم نے زراعت، تجارت صنعت اور اجرت کے تحت اسلام کے اقتصادی نظام کا مختصر طور سے جائزہ لیا ہے۔

زراعت:

اگر ہم اسلام سے قبل عرب کی زراعت پر نظر ڈالیں تو ہمیں خاص خاص مقامات کا جائزہ لینا ہو گا۔ اول طائف کو لیجئے کہ وہاں بنو عامر زمینوں کے مالک تھے اور بنو ثقیف غریب تھے۔ بنو ثقیف نے بنو عامر سے معاہدہ کیا کہ ہم پیداوار کا کچھ حصہ دیں گے ہمیں زمین برائے کاشت دی جائے اس طرح بنو ثقیف نے بنو عامر کی زمینوں پر کاشت کی آہستہ آہستہ بنو ثقیف کی حالت اچھی ہو گئی اور خود بنی عامر اپنی سستی کاہلی اور عیاشی کی وجہ سے کمزور ہو گئے بنو ثقیف نے بنو عامر کو شکست دی اور خود صاحبِ اقتدار ہو گئے یہ زراعت کے برکات تھے۔

مکہ ایک وادی غیر ذی زرع ہے۔ یہاں زراعت کے امکانات نہیں اور یہاں تجارت ہوتی تھی۔

مدینہ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ خاص طور پر کسانوں کا شہر تھا۔ یہاں کے لوگ زراعت پیشہ اور اچھے کاشتکار تھے۔ زراعت کی باریکیوں سے واقف تھے مدینہ کے قرب و جوار میں نخلستان تھے۔ جو اور گیہوں کی کاشت ہوتی تھی۔ بہت سے کھیت اور باغات تھے جہاں کھجور، انجیر، انگور اور شفتالو وغیرہ پیدا ہوتے تھے۔

مدینہ میں لگان ادا کرنے کا طریقہ

عام طور سے اس وقت لگان ادا کرنے کے چار طریقے رائج تھے۔

۱۔ کاشت کار جو زمین کاشت کے لئے زمیندار سے لیتا اس کے عوض زمیندار کی کسی قدر خاص زمین پر محنت

کرکے اس میں کاشت کرتا اور یہ کاشت بطور لگان ہوتی ۔

۲۔ کبھی خشکی کا حصہ کاشت کار کو ملنا اس طرح لگان کی ادائیگی سمجھ لی جاتی ۔

۳۔ کبھی پیداوار کا ایک حصہ زمیندار سے لینا مثلاً تہائی چوتھائی وغیرہ ۔

۴۔ کبھی کاشت کار لگان میں پیداوار کا کچھ حصہ ادا کرتا اور کبھی زمین کے معاوضہ میں دوسری پیداوار کھجور وغیرہ دیتا

خاص بات یہ ہے کہ زر، سونا یا چاندی لگان کی شکل میں دینے کا رواج تھا ۔

عہد اسلام میں زراعت

اسلام کے نظام معیشت میں زراعت کی قدر و قیمت تجارت سے کم نہیں ہے قرآن میں متعدد مقامات پر زراعت کی فضیلت اور اس کی اہمیت کا سراغ ملتا ہے ۔

ایک جگہ ارشاد ہے ۔

وھو الذی انشا جنٰت معروشٰت والنخل والزرع مختلفا اکلہ والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابہ کلوا من ثمرہ اذا اثمر

وہ خدا ہی تو ہے جس نے باغات لگائے جن میں ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے بھی ہیں اور بن ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے بھی ہیں ۔ کھجور کے درخت اور کھیتی اگائی جن کے مزے مختلف ہیں ۔ نیز زیتون اور انار کے درخت اگائے بعض تو مزے اور شکل میں یکساں ہوتے ہیں اور غیر یکساں بھی اور جب پھل پک جائیں تو انہیں کھاؤ

———— سورہ انعام آیت ۱۴۱

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

فلینظر الانسان الیٰ طعامہ انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیھا حبا وعنبا وقضبا وزیتونا ونخلا وحدآئق غلبا وفاکھۃ وابا متاعا لکم ولانعامکم

انسان کو چاہیئے ذرا اپنے کھانے پر بھی نظر ڈالے ہم نے زور و شور سے پانی برسایا اور زمین کو پھاڑ ڈالا پھر زمین سے انگور ، کھجور ، زیتون ، ترکاری اور اناج اگائے اور گھنے باغات اگائے اور میوے اور چارہ بھی جو تمہارے اور تمہارے جانوروں کے غذا کیلئے ہے ۔

———— (القرآن)

کہیں ارشادِ خداوندی ہے ۔

ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون ۔ لو نشاء لجعلنٰہ حطاما فظلتم تفکھون انا لمغرمون بل نحن محرومون ۝ ۵۶/۶۴

بتاؤ تم جو کھیتی کرتے ہو اس کو تم پیداوار بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ بلا شبہ ہم پر تاوان ڈالا گیا بلکہ ہم تو محروم رہ گئے

———— (القرآن)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زراعت کے متعلق گرانقدر ارشاد فرمائے ہیں۔

ارشاد نبوی ہے۔

"تم اپنی روزی زمین کی پوشیدگیوں میں تلاش کرو۔"

امام سرخسی اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زمین کی پوشیدگیوں میں روزی تلاش کرنے سے مراد زراعت ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان درخت لگاتا ہے یا کوئی زراعت کرتا ہے پھر کوئی پرندہ یا آدمی یا جانور اس میں سے کھالیتا ہے تو یہ اس شخص کے لئے صدقہ ہے۔ (بخاری)

علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ چونکہ زراعت کا فائدہ ہر مومن وکافر بلکہ ہر جاندار کو پہنچتا ہے اس لئے اس پر اجر ملنے کے واسطے کسی ارادہ کو دخل نہیں اور زراعت میں سے جاندار کھالیں تو زراعت کرنے والے کو اس کا اجر ضرور پہنچے گا۔

امام سرخسی نے یہ تحقیق کی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مقام "جرف" میں زراعت فرمائی ہے۔ بعض صحابہ کرام جیسے حضرت عمرو بن العاص وغیرہ کاشت کرتے تھے چنانچہ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ عمرو بن العاص نے طائف سے تین میل دور ایک قریہ میں انگور کی بیلیں چڑھائی تھیں اور ہر بیل کے انگور ایک درہم میں فروخت ہوتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں۔

"جو ملک قابل کاشت زمین رکھتا ہو اور اس کے باشندے زراعت سے غفلت یا بے پروائی برتیں تو اس ملک کی تباہی میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ عیش پرستانہ سامان صنعت کے مقابلہ میں، ملک کی اصلی ترقی زراعت سے وابستہ ہے اس لئے کہ تجارت اور صنعت ان سب کا دارومدار خام پیداوار پر ہے اگر ملک کی زمین قابل کاشت ہے اور پھر کاشت نہیں کی جاتی تو وہ ملک نہ صرف یہ کہ تجارتی اور صنعتی میدان میں پیچھے ہوگا بلکہ اپنی ضروری گذر بسر کے لئے بھی دوسرے ملک کا دست نگر ہوگا۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بخاری کی ایک روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس گھر میں آلات زراعت داخل ہوں گے۔ اس گھر پر ذلت و خواری مسلط ہوگی" اس حدیث کے ظاہری مفہوم اور سابقہ بیانات میں بظاہر سخت اختلاف ہے، اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے شاہ ولی اللہ دہلوی نے فرمایا کہ عام حکم نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جہاد کو ترک کر کے کاشت کاری پر قناعت نہ کی جائے۔ خدا بزدل اور حریص کو جہنم دیتا ہے اور جس قوم میں بزدلی اور حرص کی خصلتیں پیدا ہوگئی ہوں اس کے لئے ذلت و خواری لازمی ہے۔ ابن قیم لکھتے ہیں کہ اس

حدیث کا مقصد اسلام کے معاشی نظام کو بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک پیشن گوئی ہے۔ آنے والے حالات کے متعلق کہ جب مسلمان اپنی تمام قوتیں صرف زراعت کی طرف منعطف کر دیں گے تو ان کا کمزور ترین دشمن بھی ان پر جری ہو جائیگا۔

لگان اور مالگزاری

زراعت دو طرح عالم وجود میں آتی ہے ایک یہ کہ کوئی شخص زمین کو خود کاشت کرے۔ دوسری صورت میں کبھی صاحب زمین حکومت ہوتی ہے اور کبھی کوئی فرد خاص۔ ایک صورت یہ بھی کہ زمین کی ملکیت افراد ملک ہی کے ہاتھوں میں رہے اور حکومت نے اس پر کوئی محصول مقرر کر دیا ہو۔ بس حکومت یا فرد اگر کسی کو ایک مقررہ شرح پر کاشت کیلئے زمین دے تو اس کو لگان کہا جاتا ہے۔ اور اگر زمین پر سالانہ محصول لگایا جائے تو اس کو مالگزاری کہتے ہیں۔ چونکہ قرآن کریم کی آیات مطلق تھیں اور ان میں مالگزاری کی شرح کا تعین نہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شارع ہونے کی حیثیت سے لگان کی شرح معین فرمادی جیسا کہ بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اس اصول پر آپ کے عاملین عرب کے مختلف حصوں کے باشندوں سے لگان وصول کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف والیوں کے نام تقرری کے جو فرمان صادر فرمائے ان میں بھی لگان کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اس طرح مختلف قبیلوں کے سردار جب اسلام لے آتے تو آپ انہیں بھی لگان سے متعلق مختلف احکام بھیجتے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے مفاد عامہ کی خاطر صحابہؓ کے مشورہ سے عراق، شام اور مصر کے بڑے بڑے زرخیز قطعات اراضی کو تقسیم نہیں کیا اور تمام مسلمانوں کی ملکیت قرار دیا۔ اس کی پیمائش کرائی اور سیرابی کے اعتبار سے لگان مقرر فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے بعد دوسرے خلفاءؓ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا غرض بندوبست اراضی کے جامع اور مفصل طریقے رائج کئے اور اس بات کا پورا پورا خیال رکھا گیا کہ کاشت کاروں پر زیادہ بار نہ پڑے۔

لگان بصورتِ زر

لگان کے سلسلہ میں یہ بات ضروری ہے کہ نہ تو کاشت کار کا نقصان ہو اور نہ زمین کے مالک کا اس لئے مناسب طریقہ یہ ہے کہ لگان کا تعین زر کی شکل میں کیا جائے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو نصف پیداوار پر دیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور بعد کے زمانہ میں بھی لوگ پیداوار کے کچھ حصہ پر زمینوں کو کرایہ پر دیتے رہے لیکن بخاری شریف کی ایک حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشار کا پتہ چلتا ہے کہ آپ خود اس طرح پیداوار کی شکل میں لگان وصول کرنے کے طریقہ کو برقرار رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ زر کی شکل میں لگان لینے کا طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے چچا نے بیان کیا کہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کھیت کی چوتھائی پیداوار یا کسی ایسی چیز کے بدلہ میں جس کو زمین کا مالک مستثنیٰ کر لیتا تھا۔ زمین کو کرایہ پر دے دیا کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس چیز سے منع فرما دیا۔ میں نے رافع سے کہا کہ دینار اور درہم کے

عوض کرایہ پر دینا کیسا ہے انہوں نے کہا دینار اور درہم کے بدلہ کچھ حرج نہیں۔

کاشتکار کی حیثیت

زراعت کرنے والوں میں زمیندار اور کاشت کار دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ زمیندار آقا اور مالک کی حیثیت رکھتا ہے اور کاشتکار ایک طرح سے غلام کی۔ کاشت کار کے ساتھ جو ناانصافیاں ہو رہی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ اسلام ان امتیازوں کو ایک دم ختم کرتا ہے اس کی نظر میں زمیندار اور کاشت کار دونوں برابر کے معاملہ دار ہیں۔ ایک صاحب زمین اور مستاجر ہے دوسرا شریک عمل یا اجیر نہ کہ غلام کیونکہ اگر ایک طرف دولت (زمین) ہے تو دوسری جانب بھی دولت (بیج، آلات زراعت اور محنت) ہے۔ پھر کیا وجہ کہ ایک آقا اور دوسرا غلام ٹھہرے۔

ایک مثال سے اندازہ لگایئے کہ ایک غیر مسلم (ذمی) نے حضرت عمرؓ سے یہ شکایت کی کہ جب اسلامی فوج میرے گاؤں سے گزر رہی تھی تو اس نے میری کھیتی کو روند ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر بیت المال سے دس ہزار درہم بطور تاوان کر دیئے۔ مزارعت میں کاشت کار اور زمین دار کا تعلق مضاربت کے تحت آتا ہے اس طرح یہ چیز باہمی اشتراک ہے نہ کہ آقائی و غلامی

عشری و خراجی زمین

اگر زمین افراد ملک کی ذاتی مملوکہ ہے تو حکومت اجتماعی حق "سالانہ محصول" لیتی ہے تو اس صورت میں وہ زمین عشری ہو گی یا خراجی۔ اور اگر زمین عشری ہے تو ہر پیداوار پر عشر لیا جائے گا جو سال میں دو تین مرتبہ تک ہو سکتا ہے اور اگر خراجی ہے تو سال میں صرف ایک مرتبہ مالگزاری لی جائے گی خواہ پیداوار سال میں دو مرتبہ ہو یا تین مرتبہ یا اس سے زیادہ اگر خراجی زمین مسلمان خریدے تو اس زمین پر خراج ہی قائم رہے گا وہ عشری نہیں بن سکتی اور اگر ذمی کسی مسلمان کی زمین خریدے گا تو خراجی ہو جائے گی۔ اس لیے کہ غیر مسلم (ذمی) پر عشر واجب نہیں ہے اور اگر زمین کی مالک حکومت یا فرد خاص ہے اور اجارہ پر کاشت کرائی جاتی ہے تو لگان سال میں ایک دفعہ لیا جائے گا اور اگر بٹائی پر ہے تو پیداوار کے ساتھ مربوط ہے اور اسے مزارعت کہتے ہیں اور باغ کی پیداوار کو مساقاۃ کہتے ہیں۔

زمین کے اقسام

اسلامی حکومت کے زیر اثر آنے والی زمینوں کی چار بڑی قسمیں ہیں۔ زراعت کے سلسلہ میں ان کی تشریح ضروری ہے۔

۱۔ وہ زمین جس کے مالک اسلام قبول کرلیں۔

۲۔ وہ زمین جس کے مالک اپنے مذہب پر قائم رہیں مگر معاہدہ کے ذریعہ اپنے آپ کو کسی اسلامی حکومت کی

فرمانبرداری میں دے دیں۔
۳۔ وہ زمین جس کے مالک بزور شمشیر مغلوب ہوں۔
۴۔ وہ زمین جو کسی خاص شخص کی ملکیت نہ ہو۔

پہلی قسم کی زمین کے بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کا طرز عمل یہ رہا کہ وہ زمینیں بدستور اس کے سابق مالکوں کی "ملکیت" تصور کی گئیں اور اس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قانونی انداز میں یہ ارشاد فرمایا۔

"کہ جب کوئی قوم اسلام لائی تو اس نے اپنی جانوں کو اور اپنے اموال کو اپنے لئے محفوظ کر لیا۔"

(ابوداؤد، کتاب الخراج، ابو یوسف)

ایک دوسرے موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس سے بھی زیادہ جامع الفاظ میں پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ۔

"جو شخص کسی شے کا مالک ہوتے ہوئے اسلام قبول کرتا ہے تو وہ شے اس کی ملکیت ہے۔"

(کتاب الاموال قاسم ابن ابی عبید)

اس کی تشریح امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں یہ کی ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کر لیں۔ ان کا خون حرام ہے۔ قبول اسلام کے وقت جن اموال کے وہ مالک ہوں۔ وہ ان ہی کی ملکیت رہیں گے۔ اسی طرح ان کی زمینیں بھی ان کی ملکیت رہیں گی اور وہ زمین عشری زمین قرار پائے گی۔ اس کی نظیر مدینہ ہے جس کے باشندوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا اور وہ اپنی زمینوں کے مالک رہے اور ان پر عشر لگا دیا گیا۔ ایسا ہی معاملہ طائف اور بحرین کے لوگوں سے بھی کیا گیا۔ اسی طرح اہل بدو میں سے جن جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ اپنے پانی اور زمین کے مالک تسلیم کئے گئے۔ ان کی زمین عشری زمین رہے اور وہ اس سے بیدخل نہیں کئے جا سکتے اور انہیں اس پر بیع اور وراثت کے جملہ حقوق حاصل ہیں بالکل اسی طرح آئندہ بھی جس علاقے کے باشندے اسلام قبول کر لیں وہ اپنی املاک کے مالک رہیں گے۔

قاسم ابن ابی عبید اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جس علاقہ کے باشندے اسلام لے آئے وہ اپنی زمینوں کے مالک قرار پائے، جیسے مدینہ، طائف، یمن، بحرین اور مکہ اگرچہ بزور شمشیر فتح ہوگئے لیکن رسول اللہ نے ان کے باشندوں پر احسان کیا اور ان کی جانیں بخشیں۔

ابن قیم "زاد المعاد" میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص اسلام لانے کے وقت جس چیز پر قابض ہے وہ اس کے قبضہ میں رہنے دی گئی یہ نہیں دیکھا گیا کہ اسلام لانے سے پہلے وہ چیز کس ذریعہ سے اس کے قبضہ میں آئی تھی بلکہ وہ اس کے ہاتھ میں اسی طرح سے رہنے دی گئی جس طرح وہ پہلے سے چلی آرہی تھی۔ ہاں اگر

کسی دوسرے حقدار نے اپنے حق کا دعویٰ کیا تو اس کے متعلق عدالتی کارروائی کی گئی خلاصہ یہ کہ عہدِ نبوی اور عہدِ خلافت میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اسلام لانے والے قبائل یا افراد کی ملکیت کو ان سے چھین لیا گیا ہو یا بیدخل کیا گیا ہو۔ دوسری قسم کی زمینوں کے متعلق معاہدہ کی پابندی اسلام کا دستور العمل رہا۔ قرآن پاک نے سورۂ مائدہ میں سب سے پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَوْفُوا۟ بِٱلْعُقُودِ ۚ ۵/۱
"اے ایمان والو! اپنے تمام معاہدوں کو پورا کرو"
اسی سورت میں آگے چل کر یہ بتایا گیا کہ

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ ۵/۸
"کسی قسم کا کینہ تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے ساتھ انصاف نہ کرو، انصاف کرنا ہی پرہیزگاری کے قریب ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ معیشت کے متعلق فرمایا۔

مجھے قوی امید ہے کہ تم قوموں سے جنگ آزمائی میں غالب آجاؤ گے اور وہ مغلوب ہو کر تمہارے سامنے آئیں گی اور مال کی پیشکش کے ذریعے وہ اپنی جانوں اور بیٹوں کی حفاظت کریں گی اور تم ان سے صلح بھی کر لو گے اور اگر تم ان سے صلح کر تو شرائط کی پوری پوری پابندی کرنا اور قرار داد سے زیادہ ان سے ہرگز نہ لینا، اس لئے کہ یہ کسی طرح جائز نہیں ہے "(ابوداؤد)"

دوسری جگہ آپ نے فرمایا کہ

جس شخص نے کسی معاہد کے ساتھ ظلم کیا یا اس کے حق میں کوئی کمی کی یا اس کو اسکی طاقت سے زیادہ ذمہ دار بنادیا یا اس سے کوئی چیز بھی اس کی بغیر رضامندی کے لی تو قیامت کے دن اس کی جانب سے میں مدعی بن کر کھڑا ہوں گا۔
(ابوداؤد، ابن ماجہ)

امام ابو یوسف اس حدیث کے تحت کتاب الخراج میں لکھتے ہیں اور وہ قانونی دفعہ ہے کہ

غیر مسلموں میں سے جس قوم کے ساتھ اس بات پر صلح ہو جائے کہ وہ حکومت کے وفادار رہیں گے اور مقررہ خراج ادا کرتے رہیں گے تو وہ اہل ذمہ ہیں ان کی اراضی "اراضی خراج" ہیں۔ ان سے بھی وہی کچھ لیا جائیگا جس پر ان سے صلح ہوئی ہے اور ان کے ساتھ عہد پورا کیا جائے اور اس پر کسی طرح کا اضافہ نہ کیا جائے ورنہ یہ ظلم ہوگا اور ان کو حکومت کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی

کا پورا پورا موقع حاصل ہوگا۔"

تیسری قسم کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے طرزِ عمل سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ایسی زمینوں کا فیصلہ حکومت کی رائے پر موقوف ہے۔ بعض مفتوحہ علاقوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکائے جنگ میں تقسیم کر دیا تھا اور بعض مفتوحہ علاقوں کو آپ نے احسان کر کے ان کے سابق مالکوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا جن کی مثالیں بہ ترتیب خیبر اور طائف میں حضرت عمرؓ نے فتح عراق کے بعد عراق کی زمین سرکاری ملکیت قرار دے دی۔ غرض کہ ان نظائر سے فقہاء نے مذکورہ بالا نتیجہ اخذ کیا۔ یعنی ایسی زمینوں کا فیصلہ حکومت اسلامیہ کی صوابدید پر موقوف ہے۔ قرآن پاک نے سورہ انفال میں سب سے پہلی آیت میں اس حقیقت کو واضح کیا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۖ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ ۸/۱	"آپ سے لوگ انفال" مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ انفال اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔"

اس آیت کا صاف منشا یہ ہے کہ انفال درحقیقت حکومت کی ملک ہے اور حکومت ہی اس میں تصرف کا اختیار رکھتی ہے۔

چوتھی قسم کی زمینیں تمام فقہا کے نزدیک قومی ملکیت ہیں اور اس میں آبادکاری کے اصول پر عمل درآمد کیا جائیگا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی بنجر زمین کو آباد کیا ہو وہ اس کی ہے اور اس کی نسل کے لئے ہے۔ امام ابوحنیفہ نے آبادکاری کے قبضہ کو صحیح قانونی قضیہ قرار دینے کے لئے حکومت کی اجازت کی شرط رکھی، اور امام شافعی نے اس شرط کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ وہ اس شرط کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے حق میں مداخلت تصور کرتے ہیں۔

اسلام نے زراعت کی ترقی کے لئے حسب ذیل تدابیر اختیار کی ہیں۔

۱۔ مالگزاری یا لگان کا کم سے کم ہونا۔
۲۔ کاشت کرنے والے کے لئے مخصوص حقوق و رعایات۔
۳۔ غیر مزروعہ زمین کو مزروعہ بنانا
۴۔ آبپاشی کے وسائل کو سہل اور وسیع بنانا۔

لگان اور مالگزاری کا کم سے کم ہونا

زراعت کی سہولتوں میں کافر و مسلمان برابر ہیں۔ لگان میں تخفیف اور سہولت کا اسلام میں خاص لحاظ رکھا گیا ہے حضرت عمرؓ کے عہد میں خاص طور سے زرعی سہولت اور لگان میں تخفیف کے واقعات ملتے ہیں۔ ایک دفعہ

حضرت حذیفہ کو دجلہ اور حضرت عثمان بن حنیف کو فرات کے علاقہ میں بھیجا تاکہ وہ خراج وصول کریں۔ خراج کی معقول رقم آئی تو شکوک کی نگاہ سے دیکھا گیا اور تخفیف و سہولت کی تاکید فرمائی اور لگان میں تخفیف کے مسئلہ کو پیش نظر رکھنے کی تنبیہ ہوئی۔ جب عراق کا خراج وصول ہو کر آیا تو حضرت عمرؓ کو فہ یا بصرہ کے دس دس آدمیوں کا وفد بلا کر قسم لیتے کہ آیا یہ خراج برضا و رغبت وصول ہوا ہے۔ یا نہیں۔ کسی پر زیادتی تو نہیں ہوئی ہے خواہ وہ مسلم ہو یا ذمی۔

حضرت عمرؓ نے عثمان بن حنیف سے عراق کی پیمائش کرائی تو جنگل اور نہروں وغیرہ کو چھوڑ کر کل رقبہ زمین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوا اور حضرت عمرؓ نے مندرجہ ذیل شرح لگان مقرر فرمایا۔

گندم	فی جریب	ڈھائی بیگہ خام	۸ رسالانہ
جو	"	"	۴ " "
گنا	"	"	۸عہ "
روئی	"	"	۴عہ "
انگور	"	"	۸عا "
کھجور	"	"	۸عکہ "
تمام ترکاریاں	"	"	۱۲ " "

مصر کی زمین اچھی اور پیداوار معقول تھی۔ لیکن ہر سال نیل کی طغیانی کی وجہ سے پیمائش کرنے کے بعد تخمینہ لگا کر لگان وصول کیا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ کو پھر بھی اطمینان نہ ہوتا تو قسم لیتے کہ آیا لگان کی وصولیابی میں کاشتکاروں پر زیادتی تو نہیں ہوئی ہے حضرت عمرؓ نے فراعنۂ مصر کے لگان کی وصولیابی کے طریقوں میں ترمیم کرکے انکو آسان بنادیا۔

۱۔ نقد اور پیداوار دونوں صورتوں میں وصول کیا جائے۔

۲۔ اوسط اور جمع بندی کے طریقہ کو رائج کرکے لگان کی تشخیص میں زمین کی حیثیت اور پیداوار کی نوعیت کو اہمیت دی گئی۔

۳۔ حسب موقع، رعایا کو جب سہولت ہو ادا کرے۔

۴۔ لگان کے علاوہ جملہ قسم کی وصولیابی بند کر دی جائے۔

یہ حکومت کا معاملہ رہا۔ اگر زمین دار اور کاشت کار کے درمیان مزارعت کا معاملہ ہو تو زمیندار کو کوئی ترجیحی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ کاشت کار کو حاصل ہے۔

خصوصی حقوق و مراعات

اسلام سے قبل عرب سے متصل دو بڑی حکومتیں تھیں یعنی ایران اور روم، ان کے دور میں کاشت کار غلام محض تھا

اس کو کوئی رعایت حاصل نہ تھی وہ قریب قریب محروم المعیشت تھا۔ اسلام نے ان مفاسد کو روکا۔

۱۔ یہ حکومتیں لگان وصول کرنے میں کاشت کاروں پر وحشیانہ مظالم کرتی تھیں اور آخر میں زمیندار بھی ظلم کرتے تھے۔ اسلام نے اس کا انسداد کیا اور وصولیابی میں پوری سہولت بہم پہنچائی اور خلاف ورزی کرنے والوں کو وعیدیں سنائیں۔ اس کے باوجود اس قسم کا اگر کوئی واقعہ ہوا تو معزولی عمل میں آئی اور عمال کو صاف و صریح حکم دیا گیا کہ اگر اہل خراج وقت پر خراج ادا نہ کریں تو اس وقت تک مہلت دو۔ جبکہ ان کو سہولت ہو جائے۔ ایک مرتبہ شام کے ملک سے حضرت عمرؓ آ رہے تھے۔ راستہ میں تیز دھوپ میں کچھ لوگ کھڑے دیکھے معلوم ہوا کہ ان کو جزیہ ادا نہ کرنے پر سزا دی جا رہی ہے اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ ادا کرنے سے مجبور ہیں تو آپ نے عامل سے سخت باز پرس کی اسی طرح والئی شام نے جب دیر کی تو حضرت عمرؓ نے جواب طلب کیا اس نے کہا میں آپ کے حکم کے مطابق اس وقت تک ٹھہرا رہتا ہوں۔ جب تک ان کے پاس (رقم) فراہم نہ ہو جائے اس لئے دیر ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھ کو کبھی معزول نہ کروں گا۔

۲۔ بعض قدیم اور جدید حکومتوں میں لگان کے علاوہ "رواج و رسوم" کے مطابق کچھ رقم وصول کی جاتی تھی۔ (جس کا آج بھی رواج ہے، بعض جگہ تحصیلدار جب اپنے ماتحت کو بھیجتے ہیں تو اس کی تنخواہ لگان کے علاوہ، کاشت کاروں سے وصول کی جاتی ہے۔ اسلام میں صاف صاف ہدایات ہیں کہ کاشت کاروں سے لگان کے سوا اور کچھ وصول کرنا صریح ظلم ہے۔

۳۔ بعض حکومتیں زمینداروں سے اور زمیندار کاشت کاروں وغیرہ سے بیگار لیتے تھے اور وہ غریب ان کی خدمت کرتے تھے۔ اسلام نے ان چیزوں کی سخت مذمت کی ہے۔ فقہا لکھتے ہیں کہ مزارعت میں متاجر و اجیر کے درمیان کاشت کاری و محنت کا معاملہ ہے اس کے سوا کوئی اور بیگار نہ لی جائے اور اس کو ظلم قرار دیا ہے حدیث نبوی میں اس کی صریح مخالفت ہے۔ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی نے بیگار کے مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے اس کو ظلم قرار دیا ہے۔

۴۔ ایران اور روم کی حکومتوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ تہوار، غمی، شادی، اور مکان وغیرہ بننے کے موقع پر کاشت کاروں سے بھینٹ لی جاتی تھی آج بھی بعض جگہ زمینداروں کے یہاں اس کا رواج ہے اسلام نے اس جرو ظلم کا انسداد کیا وہ کہتا ہے کہ یہ اضافہ (بھینٹ) کس لئے جبکہ زمین میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسلام نے اس کو ربٰو اور سود قرار دیا ہے۔

۵۔ اسلام سے قبل یہ طریقہ رائج تھا کہ زمین کو لگان پر دینے سے پہلے کاشت کار سے ایسا معاملہ کرتے تھے۔ کہ جس سے زمین کی حیثیت مستقل طور سے بڑھ جائے اور جو کام یا ذمہ داری اپنے اوپر عائد ہے وہ بھی کاشت کار پر ڈال دی جائے۔ اس کو بھی اسلام نے پسند نہیں کیا۔ فقہ اسلامی میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

۶۔ اگر کبھی کسی ارضی و سماوی آفت کی بنا پر پیداوار ٹھیک نہیں ہوتی ہے تو لگان کی وصولیابی کے لئے زمین اور آلات وغیرہ نیلام ہوتے ہیں۔ اسلام اس نیلام کی اجازت نہیں دیتا اس کے یہاں کاشت کاری وغیرہ کے آلات نیلام نہیں ہوتے وہ مہلت دیتا ہے۔

۷۔ زمیندار سرکاری زمین پر جو اچھی ہو۔ کم ٹیکس دیکر چراگاہ بناتے۔ جس سے غریب کاشت کار کو دقتیں ہوتی تھیں اسلام نے اس ظالمانہ طریقہ کو رد کیا۔ اس نے حکومت کو صرف یہ حق دیا ہے کہ صدقات و جہاد کے مویشیوں کیلئے چراگاہ محدود کرے۔

۸۔ زمیندار خود رو گھاس، تالاب کے پانی اور خشک لکڑی پر خود قابض رہتے تھے۔ کسی دوسرے کا ان چیزوں پر کوئی حق تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اسلام نے ان چیزوں پر سب کا حق تسلیم کیا ہے۔

بعض بنیادی اصول

۱۔ اگر کوئی زمین پانی میں غرق ہو جائے یا خشک سالی سے قابل زراعت نہ رہے یا کسی آفت سے کھیتی تباہ ہو جائے تو اس سال کا خراج (مالگزاری) معاف ہے۔ اگر کچھ نقصان پہنچتا ہے تو بقدر نقصان معافی ہو گی اور خلیفہ کل خراج بھی معاف کر سکتا ہے۔

۲۔ اگر کاشت کار نے حکومت یا زمیندار سے زمین مزارعت پر لی ہے تو بھی یہی صورت ہو گی۔

۳۔ اگر زمین کو نقد لگان (کرار الارض) پر لیا ہے تو بھی یہی صورت ہے بعض ائمہ و فقہاء نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے۔

۴۔ اگر کاشت کار زمین کا خود مالک نہیں ہے اور درمیان میں زمیندار ہے۔ تو مالگزاری زمیندار کے ذمہ ہے نہ کہ کاشت کار کے ذمہ۔

۵۔ اگر زمین سرکاری ہے اور کاشت کار مقررہ لگان (کرار الارض) ادا کر رہا ہے تو اس کو بیدخل نہیں کیا جائیگا اور یہ اس کا ذریعہ معاش ہے، جس سے اس کو محروم نہیں کیا جائے گا۔

بنجر زمین کو مزروعہ بنانا

زراعت کو ترقی دینے کے لئے سب سے اہم چیز بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنانا ہے۔ ریتلے، سخت اور چٹیل میدان کو قابل زراعت بنا کر خام پیداوار سے ملک کی معاشیات کو ترقی دی جا سکتی ہے اور بنجر زمینوں کو مزروعہ بنایا جائے اس کے دو طریقے ہیں۔

اول یہ کہ خلیفہ افراد ملک کو ترغیب دے اور اعلان کرے کہ جو بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنائے گا وہ اس کی ملک

ہے۔ اسے عربی میں اقطاع اور اردو میں جاگیر کہتے ہیں۔ اس اعلان سے مسلمان اور ذمی دونوں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ بعض صورتوں میں خلیفہ ایک یا دو سال کا لگان بھی معاف کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے تین شرطیں ہیں۔

۱۔ وہ زمین فنائے شہر میں شامل نہ ہو یعنی عام ضروریات کے کام میں نہ آتی ہو۔

۲۔ اگر کسی نے تین سال تک بنجر زمین پڑی رہنے دی ہے تو وہ کسی دوسرے کو الاٹ کر دی جائے گی چنانچہ اس قسم کی جاگیر کا حصہ حضرت عمرؓ نے واپس لے لیا جو بلال بن حارث کو ملی تھی۔

۳۔ وہ زمین، کنواں، باؤلی، تالاب اور چشمہ کی حریم یعنی ملحقہ زمین نہ ہو جو پانچ سو مربع گز تک ہو سکتی ہے۔

بنجر زمین کو آباد اور کارآمد بنانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حکومت اپنی نگرانی میں کاشت کرائے اور اس کی وہ ملکیت ہو۔ ایسی زمینوں کے متعلق احکام یہ ہیں کہ ذمی کے پاس ایسی زمین ہو تو خراج لیا جائے گا اور اگر مسلم کے قبضہ میں ہو تو امام ابو یوسف اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اگر وہ زمین عشری زمینوں سے ملحق ہو تو عشر لیا جائے گا اور خراجی زمینوں سے ملحق ہو تو خراج لیا جائے گا۔

وسائلِ آبپاشی کی بہم رسانی اور سہولت

زراعت کی ترقی اور وسعت کے لیے چوتھا ذریعہ آبپاشی ہے۔ جسے سہل الحصول اور وسیع بنانا ہے اس لیے کہ زرعی ترقی میں نہروں اور آبپاشی کے کنووں کو بہت دخل ہے اور اسلام نے اس کی اہمیت تسلیم کی ہے اور اس کے لیے چند اصول مقرر کئے ہیں۔

۱۔ تالاب، نہر، کنوئیں اور چشمے اگر شخصی ملکیت میں ہیں تو ان چیزوں میں تمام پبلک کا یکساں حق انتفاع ہے اور وہ کسی حال میں شخصی ملکیت نہیں بن سکتے۔

۲۔ اگر پانی شخصی ملکیت میں ہو اس وقت بھی عام حالات میں پینے اور استعمال کرنے کے لیے دوسروں کو اس سے یکساں فائدہ اٹھانے کا حق ہے کیونکہ پانی اپنے مقام میں کسی کی شخصی ملکیت نہیں اور نہ اس حالت میں اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔ لیکن پینے اور نہانے کی ضرورتوں کے علاوہ آبپاشی کے لیے مالک کی اجازت ضروری ہے۔ اس کو اخلاقی طور سے اجازت دینی چاہیے۔ اگر خود اس کا نقصان ہو تو وہ روک بھی سکتی ہے۔

۳۔ آبپاشی کے لیے کثرت سے نہریں کھدوائی جائیں اور اس کا تمام خرچ بیت المال پر لازم ہے اور اگر بیت المال میں گنجائش نہیں ہے تو اہل دول پر زور دیا جائے۔

۴۔ اگر چھوٹی چھوٹی نہریں۔ عام مصالح آبپاشی اور بہم رسانی آب کے لیے نہ بنائی جائیں۔ بلکہ اہل محلہ، اہل قصبہ، اور اہل شہر اپنی ذاتی ضروریات کے لئے بنانا چاہیں تو اگر اس میں مصالح عامہ کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو خلیفہ ایسی خصوصی

نہروں کی اجازت دے سکتا ہے۔ البتہ اس کے اخراجات حکومت پر نہیں ہوں گے۔

۵۔ آبپاشی کی نہریں اور کنوئیں مصالح عامہ اور معاشی وسائل کی ترقی کے لئے ہیں نہ کہ حکومت کی آمدنی کیلئے اس لئے حکومت کو محصول آبپاشی نہ لینا چاہیئے یا صرف اس قدر لیا جائے جس قدر ان نہروں اور کنوؤں کی بقا کے لئے ضروری ہے انتظامات کا مکمل بار بیت المال پر ڈالا جائے۔

بہرحال ان اصولوں کے پیش نظر خلافت فاروقی میں اس محکمہ پر خاص طور سے توجہ دی گئی۔ نہریں جاری کی گئیں۔ بند باندھے گئے۔ تالاب بنائے گئے۔ کنوئیں کھودے گئے۔ چھوٹی نہریں نکالی گئیں اور اس طرح زراعت کی ترقی کو وسعت دی گئی اس سلسلہ میں بصرہ کی نہر موسیٰ دجلہ سے کاٹ کر نکالی گئی کوفہ کے علاقہ کی نہر سعد اور مصر کی نہر امیر المؤمنین مشہور نہریں ہیں اور دور فاروقی کے بعد نہر اساورہ، نہر عمرو اور نہر حرب وغیرہ کے نام بھی اکثر تاریخی کتابوں میں ملتے ہیں۔

تجارت

وسائل معیشت میں زراعت کے بعد دوسرا درجہ تجارت کا ہے جو اقتصادی نظام کا جزو اعظم ہے۔ اسلئے اسلام میں اس کی خاص طور سے ترغیب دی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

فاذا قضيت الصلوٰة فانتشروا في الارض وابتغوا من فضل الله (سورہ جمعہ)	جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔
لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منكم (النساء)	اپنے مال کو آپس میں باطل کی راہ سے نہ کھاؤ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔
يا ايها الذين امنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم	اے ایمان والو! تم خرچ کرو۔ ان پاک چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں۔

حتیٰ کہ حج کے موقعہ پر بھی تجارت کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔

ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم	حج کے دنوں میں اپنے رب کے فضل حاصل کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

اگر ہم تجارت کے متعلق احادیث نبوی پر نظر ڈالیں تو ایک بڑا ذخیرہ ملتا ہے۔ فقہائے کرام نے خاص طور سے "باب التجارت" قائم کر کے اس بارے میں احکام کی وضاحت کی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "سچے اور امانت دار تاجروں کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ ایک اور حدیث میں کپڑے کی تجارت کی ترغیب دیتے ہوئے

اس کا نفسیاتی پہلو بھی بیان کر دیا ہے۔ کپڑے کی تجارت کرو کیونکہ کپڑے کا تاجر چاہتا ہے کہ لوگ خوش حال اور فارغ البال رہیں۔"

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت فرمائی۔ حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لیکر گئے۔ فروخت کیا، جس میں کافی نفع ہوا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کپڑے کی تجارت کی بلکہ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد بھی جب صدیق اکبرؓ کپڑے کی گٹھری لیکر چلے تو حضرت فاروق اعظمؓ نے منع فرمایا اور پھر بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوا۔ اسی طرح دوسرے خلفائے عظام اور صحابہ کرام نے تجارت کو اپنا ذریعہ معاش قرار دیا ہے۔

قبل از اسلام

عرب میں اسلام سے قبل تجارت کی کیا حالت تھی اس سلسلہ میں طائف اور مکہ وغیرہ کے حالات پیش نظر رکھنا ضروری ہیں۔ طائف کی وادی زرخیز تھی تجارت میں گندم، منقیٰ اور لکڑیاں نمایاں تھیں۔ یہاں کے لوگ عراق اور ایران سے تجارت کرتے تھے۔ طائف میں سود کا بھی رواج تھا۔ سرمایہ دار اور غریب طبقہ کی کشمکش بھی شروع ہوگئی تھی مکہ میں ہاشم پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے قریش کے لئے جاڑے اور گرمی کے موسموں کے دو سفر مقرر کئے اور ان سفروں کا ذکر قرآن کی سورہ ایلاف میں موجود ہے غرض قریش تاجر قوم تھی یہی وجہ ہے کہ جب مکہ کے مہاجرین مدینہ پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے پوچھا کہ بازار کہاں ہے نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی کاروبار کرتی تھیں۔ ابوجہل کی ماں عطر کا کام کرتی تھی، حضرت خدیجہؓ کا تجارت کا کاروبار مشہور ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے بڑے کارواں لیکر جاتے تھے ہاشمؓ نے تجارتی معاہدے کئے پھر ان کے بھائیوں نے تجدید کی۔ مختلف قبائل سے مفاہمت کی کہ قریش کے تجارتی قافلے امن سے گزریں اور یہ قافلے ان قبیلوں کے لئے ضروری سامان بہم پہنچاتے تھے۔ اسی طرح قریشی تاجروں کو دو فائدے تھے۔ مدینہ میں بھی تجارت ہوتی تھی۔ یہاں کی تجارت میں یہودیوں کا زیادہ ہاتھ تھا بلکہ تجارت کے اعتبار سے حجاز میں یہودیوں کا ایک خاص مقام تھا۔

بعد از اسلام

اسلام نے دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اس نے فاسد اصول تجارت کو چھوڑ کر تجارت کے وہ اصول و طریق اختیار کئے جو انسانی معاشرہ کے لئے مفید اور نافع ہوں ان اصولوں کو اپنا کر مسلمانوں نے تجارت کو بڑی ترقی دی۔ ان کی اقتصادی حالت درست ہوئی اور فارغ البالی نصیب ہوئی۔ تجارت سے نہ صرف دنیوی فائدہ ہوا بلکہ تبلیغ اسلام کا کام بھی باحسن وجوہ پورا ہوا اس کا ثبوت چین، سماترا، جاوا، بورنیو، لنکا اور جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود ہے کہ تاجروں کے ذریعے سے ان علاقوں میں اسلام پہنچا اور پھیلا۔ تجارت فلاح و فارغ البالی کی ضامن ہے۔

اسلام نے تجارت کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

(۱) صحیح اصول تجارت (۲) فاسد اصول تجارت۔ اسلام صحیح اصول تجارت کا حامی ہے جو انسانیت اور معاشرہ کے لئے فلاح و بہبود کا ذریعہ ہیں۔ فاسد اصول تجارت کی اسلام نہ صرف مخالفت کرتا ہے بلکہ ان کو بیخ و بن سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ معاشرہ میں غیر متوازی حقوق قائم کر کے معاشرہ کی جڑیں کھوکھلی کرتا ہے۔

بُنیادی اصُول

۱۔ چونکہ تجارت کا انحصار باہمی تعاون پر ہے۔ لہٰذا دونوں معاملہ داروں میں تعاون ہو اور ایک کو دوسرے کے نفع و نقصان کا خیال ہو اور گناہ و ظلم کا شائبہ نہ ہو۔

۲۔ طرفین سے پوری رضامندی ہو۔ اضطراری کیفیت کا اعتبار نہیں۔

۳۔ اہل معاملہ، معاملہ داری کی پوری پوری اہلیت رکھتے ہوں۔ عاقل، بالغ اور آزاد ہوں، بچہ، مجنون اور مجبور نہ ہوں۔

۴۔ معاملہ میں کسی قسم کے دھوکے، فریب، خیانت، ضرر، نقصان اور معصیت کا دخل نہ ہو۔

اسلام ان اصولوں کے ساتھ، تجارت کی اجازت دیتا ہے اور فاسد اصول تجارت کی اس کے یہاں کوئی گنجائش نہیں۔

فاسد اصُول

۱۔ مال کی زیادتی اور حصول کا ایسا معاملہ جس میں باہمی تعاون قطعاً مفقود ہو ایک کا نقصان اور دوسرے کا نفع ہو مثلاً جوا، لاٹری، اور سٹہ کے تمام اقسام ممنوع ہیں۔

۲۔ مالی نمو اور حصول نفع کا وہ معاملہ جس میں باہمی رضامندی پوری پوری اور حقیقی نہ ہو مثلاً سود یا اجیر کی زیادہ محنت کی اجرت مجبوری سے کم دینا۔

۳۔ ایسا کاروبار جو اسلام کی نگاہ میں معصیت ہو۔ مثلاً شراب، مردار اصنام اور خنزیر وغیرہ کی بیع و شریٰ اور ان اشیاء کی خرید و فروخت جو نجس و ناپاک ہوں۔

۴۔ ایسے معاملات جن سے جانبین سے معاملہ ہونے کے باوجود جھگڑے کا اندیشہ ہو مثلاً قیمت وغیرہ میں ابہام یا مال کا بغیر دیکھے لے لینا وغیرہ

۵۔ ایسا معاملہ جس میں دھوکہ بازی ہو درست چیز کا ذکر کر کے ناقص مال دیدینا یا کسی جگہ قحط پڑا ہو اور باہر سے مال آئے تو شہر کے باہر ہی مال کو کم قیمت پر خرید لینا۔

غرض اس قسم کے فاسد اصول اسلام کی نگاہ میں قابل قبول نہیں جن سے سماج اور معاشرہ میں اصلاح کی بجائے خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اسلام ایک ایسے معاشرہ کا حامی ہے۔ جہاں مواسات، مساوات، ہمدردی اور باہمی اخوت و محبت ہو نہ کہ جاگیر دار اور سرمایہ دار کا گروہ ایک طرف ہو اور دوسری طرف مفلس و قلاش گروہ ہو اور معاشرہ میں جھگڑے اور فساد پیدا ہوں۔

اسلام تجارت کے سلسلہ میں دو چیزوں کا خاص طور سے مخالف ہے۔

۱۔ اکتناز، دولت کے عظیم الشان ذخیرے افراد کے پاس ہوں۔ اسی لئے اسلام نے خیرات، زکوٰۃ اور صدقات کا سلسلہ مقرر کیا ہے

۲۔ احتکار، غلہ وغیرہ جمع کرلینا۔ احتکار کی دوسری قسم ضمار ہے۔ اس میں جوئے وغیرہ کی شکلیں آجاتی ہیں آج احتکار و اکتناز سے تجارت ملوث ہے اور دنیا ایک کرب عظیم میں مبتلا ہے زمانہ سابق میں اس کی مختلف صورتیں تھیں۔ احتکار کی سب سے ملعون قسم سود یعنی ربٰن ہے اسلام میں ربٰو کا مفہوم مہاجنی سود سے وسیع ہے۔ اسلام نے ان سب کی جڑ کاٹ دی ہے آج کل ربٰو اور سود میں تجارتی طور سے کوئی فرق نہیں ہے۔ بنک، منڈیاں، غرض سود کی لعنت ہر جگہ موجود ہے اور انسانی معاشرہ تمام برائیوں اور خرابیوں کا سرچشمہ بن گیا ہے اسلام باہمی امداد کا منکر نہیں ہے۔ اسلام میں اس کی پوری پوری گنجائش ہے کہ باہمی اصول پر اجتماعی کمپنیاں بنا کر تجارت کی جائے مگر اس میں سود کا ذکر تک نہ ہو۔

تجارت کے تین طریقے ہیں۔

۱۔ انفرادی۔

۲۔ اجتماعی۔

۳۔ مضاربت۔

پہلی صورت یہ ہے کہ انسان خود سرمایہ لگائے اور خود ہی محنت کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ چند اشخاص مل کر سرمایہ اور محنت کو استعمال میں لاکر تجارت کریں۔

تیسری صورت مضاربت کی ہے کہ ایک شخص روپیہ لگائے اور دوسرا شخص محنت کرے اور نفع جس نسبت سے طے ہو جائے وہ تقسیم کرلیا جائے۔ مشترکہ تجارت چار طریقوں سے ہوسکتی ہے اس کو اسلام نے چار مختلف ناموں سے واضح کیا ہے اور چاروں اپنی نوعیت کے اعتبار سے جداگانہ ہیں (۱) شرکت المفاوضہ (۲) شرکت العنان (۳) شرکت الوجوہ (۴) شرکت الصنائع۔

(۱) شرکت المفاوضہ

مفاوضہ کے معنی ہیں ایک دوسرے کو سونپ دینا اس میں ہر حصہ دار اپنا سرمایہ ایک دوسرے کو سونپ دیتا

ہے۔ اس میں کل شرکا مساوی روپیہ یا زر لگا کر شریک ہوتے ہیں اور صرف زر میں شرکت ہو سکتی ہے سامان میں نہیں
شرکت المفاوضہ کے لئے صرف دو شرطیں ہیں پہلی شرط اس معاہدہ کو متعین کرتی ہے۔ شرکا میں سے ہر ایک لفظ مفاوضہ یا اس کے ہم معنی، لفظ ضرور استعمال کرے جس کا ہماری زبان میں یوں ترجمہ کیا جائے گا کہ فلاں فلاں کے درمیان مساوی شرکت کا معاہدہ ہے۔

دوسری شرط مساوات سے پیدا ہوتی ہے لہذا یہ ضروری رکھا گیا ہے کہ اس شرکت کے تمام شرکا کی حیثیت مساوی ہو جس کی تفصیل یہ ہے کہ دونوں کا سرمایہ، دونوں کے اختیارات اور دونوں کے تصرف کی صورتیں بالکل مساوی ہوں لہذا یہ معاہدہ ایک بالغ اور بچہ کے درمیان، ایک آزاد اور غلام کے درمیان نہیں ہو سکتا (بچہ کی طرف سے اس کا ولی معاہدہ کر سکتا ہے)، اگر سرمایہ کم و زیادہ ہوگا تو وہ شرکت تو ہوگی مگر شرکت المفاوضہ نہیں ہوگی۔

وکالت و کفالت

اختیارات اور ذمہ داریاں

وکالت کے معنی ہیں اختیارات ذمہ داری اور جوابدہی کو دوسرے کے سپرد کر دینا، کفالت کے معنی ہیں ایک شخص کی ذمہ داری کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو بھی شریک کر دینا (اصلی معنی ہیں جوڑنا اور قوت پہنچانا)
اس معاہدہ کی رو سے ہر شریک اپنے ساتھی کا وکیل ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ایک شریک دوسرے کی جانب سے مال فروخت کرنے، خریدنے، قرض دینے اور امانت رکھوانے کا مستحق ہے اور حق رکھتا ہے اس طرح ہر شریک اپنے ساتھی کا کفیل بھی ہوتا ہے یعنی ہر وہ معاملہ جو ایک شریک کرتا ہے ذمہ داری اس کے ساتھی پر بھی آتی ہے۔

(۲) شرکت العنان

اس شرکت میں جتنے شرکا شریک ہوتے ہیں وہ سب سرمایہ یا سامان سے شریک ہوتے ہیں۔ لیکن سرمایہ کا مساوی ہونا یا نفع، اختیارات اور تصرف کا مساوی ہونا اس شرکت میں ضروری نہیں ہے۔

شرائط

شرکت العنان کی پہلی شرط ایک منفی (انکاری) شرط ہے جس کے بارے میں یہ خیال ہے کہ اگر یہ شرط ذکر نہیں کی جاتی ہے تو خود اس معاہدہ کی نوعیت متعین نہیں ہو سکتی کیونکہ شرکت العنان کے معنی ہیں وہ شرکت جس میں سرمایہ،

نفع اور اختیارات وغیرہ برابر نہ ہوں

۱۔ اس شرکت میں شرکاء کے سرمایہ کا مساوی ہونا ضروری نہیں۔

۲۔ جس طرح اس میں سرمایہ کی برابری غیر ضروری ہے۔ اسی طرح نفع کی برابری بھی غیر ضروری ہے بلکہ اس شرکت میں یہ بات بالکل جائز ہے کہ تھوڑے سرمایہ والا شریک زیادہ سرمائے والے شریک کے مقابلہ میں زیادہ نفع کا مستحق ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تھوڑا سرمایہ لگا کر شریک ہونے والا کاروباری تجربہ کے اعتبار سے زیادہ سرمایہ والے شریک کے مقابلہ میں زیادہ نفع کا مستحق ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تھوڑا سا سرمایہ لگا کر شریک ہونے والا کاروباری تجربہ کے اعتبار سے زیادہ سرمایہ والے شریک کے مقابلہ میں ممتاز ہو اور نفع کا حاصل ہونا اس کی تجربہ کارانہ تدبیروں کا نتیجہ ہو۔

۳۔ چونکہ شرکت العنان میں مساوات کی شرط نہیں ہے اس لئے یہ معاہدہ بالغ اور بچوں کے درمیان یا آزاد اور غلام کے درمیان ہوسکتا ہے بشرطیکہ غلام کو اس کا آقا اجازت دیدے۔

ذمہ داریاں اور اختیارات

اس معاہدہ میں ہر شریک، دوسرے کا صرف وکیل ہوتا ہے کفیل نہیں، بنا، ہر ایک شریک مالِ شرکت کو بیچنے اور خریدنے کا حق رکھتا ہے لیکن کسی شریک کو مالِ شرکت میں قرض دینے کا حق نہیں ہے اور اگر کسی شریک نے دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر کوئی قرض لیا ہے تو اس کی ذمہ داری۔ صرف اس شخص پر ہوتی ہے۔ دوسرے شرکاء پر نہیں ہوتی ہے۔

(۳) شرکت الوجوہ

وہ شرکت ہے جس میں شرکاء میں سے کسی کا بھی زر نہ ہو بلکہ سب کی محنت ہو اور اس شرکت میں باہمی اعتماد پر کام کیا جاتا ہے گویا چند اشخاص کا محض اپنی ساکھ کی بنا پر بغیر کسی سرمائے کے تجارتی کاروبار میں شریک ہو جانا ہے۔ شرکت الوجوہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ ہر شریک نفع نقصان میں برابر کا حصہ دار ہو۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۴) شرکت الصنائع

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ چند کاریگر مل پیدائش کو انجام دیں۔ شرکت الصنائع کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے وہ اس کو درست نہیں سمجھتے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حصول منفعت کے لئے سرمایہ کا ہونا ضروری ہے صرف محنت بدون سرمایہ پیدائش کا ذریعہ نہیں بن سکتی لیکن ان کے علاوہ دوسرے ائمہ نے اس کو جائز تصور کیا ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو اس میں اتنی وسعت ہے کہ دو مختلف پیشے یا ہنر والے جیسے درزی اور رنگریز چاہیں تو

مل کر شرکت کا معاملہ کر سکتے ہیں یعنی جسے جو کام آتا ہے وہ انجام دے گا اور کمپنی کو جو نفع ہوگا وہ تقسیم کر لیا جائیگا۔

ان ائمہ کی پہلی اور بنیادی دلیل یہ ہے کہ عہد نبوی میں عبداللہ ابن مسعود اور سعد، اس قسم کی شرکت کا معاہدہ کر چکے ہیں۔ (غزوہ بدر کے موقع پر ہتھیار بنانے کی صنعت میں شرکت کی تھی) اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔ لہٰذا اس کا جائز ہونا منشائے نبوی کے مطابق ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ محنت بھی ایک نوع کا سرمایہ ہے امام سرخسی نے "المبسوط" میں محنت کو سرمایہ اور راس المال قرار دیا ہے "راس مالہما صنعتہما" کے الفاظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شرکت الصنائع میں شرکت الوجوہ کی طرح نفع اور نقصان میں برابری ضروری نہیں بلکہ کاریگر اپنی محنت اور کاریگری کی حیثیت کے اعتبار سے باہم جس معاہدہ پر رضامند ہو جائیں وہ قابل قبول ہوگا۔

امام مالکؒ اور ان کے شاگرد نے "المدونۃ الکبریٰ" نامی کتاب میں اس شرکت کی اور بہت سی قسمیں ذکر کی ہیں مثلاً طبی شرکت کہ چند معالج مل کر ایک ہسپتال قائم کریں، تعلیمی شرکت، کہ چند اساتذہ ملکر ایک تعلیمی ادارہ قائم کریں، زرعی شرکت (مشترکہ کاشت) المدونۃ الکبریٰ میں ان تمام صورتوں کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

شرکت کی بحث ختم کرتے ہوتے امام سرخسی کی نقل کردہ ایک شرط کا ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ شرکت کے معاہدہ کی تکمیل کے لئے چاہے وہ کسی قسم کی شرکت ہو۔ دستاویز لکھی جانی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ معاہدہ ایک مقررہ میعاد کے لئے ہوا کرتا ہے۔ قرآن میں اشارہ ہے۔

یا یھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمّٰی فاکتبوہ	اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت تک کسی دَین کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔

(سورہ بقرہ رکوع ۳۹)

امام سرخسی اس آیت کے پیش نظر کہتے ہیں کہ شرکت کا معاہدہ بھی چونکہ ایک مدت تک کے لئے ہے اسلئے اس کا لکھ لینا ضروری ہے۔ اس گفتگو کے بعد انہوں نے معاہدہ کے فارم کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہے۔ جس میں امور ذیل کی صراحت ضروری سمجھی ہے۔

۱۔ تاریخ معاہدہ

۲۔ شرکاء کا نام

۳۔ مدت معاہدہ

۴۔ سرمایہ کی تعداد

(شرکت الصنائع یا شرکت الوجوہ میں شے کی وضاحت کرنا)

اور اس بات کی صراحت کے بعد کہ یہ سرمایہ شرکاء کے قبضہ میں فلاں مدت تک موجود رہے ۔

مضاربت یا قراض

مضاربت اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص روپیہ لگائے اور دوسرا شخص محنت کرے اور نفع جس نسبت سے طے ہو جائے وہ تقسیم کر لیا جائے ۔ اسے شرکت مضاربت یا قراض اس لئے کہتے ہیں کہ قراض کے معنی ہیں سفر کرنا اور چونکہ ایک شخص یعنی رب المال صرف روپیہ لگا کر سب ذمہ داریوں سے بری ہو جاتا ہے اور دوسرا شخص پوری محنت کرتا ہے یا قراض کے معنی ہیں قرضہ دینے کے، چونکہ یہ ایک قسم کا احسان ہوتا ہے جو ایک شخص پر دوسرا شخص کرتا ہے ۔ ایک شخص دوسرے کو اپنا روپیہ دیتا ہے تاکہ وہ اس کو اپنی تجارت میں لگائے اس لئے اس کو قراض بھی کہتے ہیں ۔

مضاربت پر بحث کرنے کے لئے درج ذیل چار چیزیں زیر غور ہیں ۔

۱ ۔ سرمایہ ۔

۲ ۔ سرمایہ دار ۔

۳ ۔ محنت ۔

۴ ۔ نفع ۔

۱ ۔ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ مضاربت صرف زر ہی میں ہو سکتی ہے ۔ سامان میں نہیں اور اس پر کل فقہاء متفق ہیں سوائے قاضی ابن ابی لیلیٰ کے، ان کا کہنا ہے کہ مضاربت سامان میں بھی ہو سکتی ہے جبکہ قیمت خرید مقرر کردے لیکن چونکہ سامان کی صورت میں رب المال اور مضروب کے درمیان اختلاف ہو سکتا ہے اس لئے تمام فقہا اس سے اختلاف کرتے ہیں ۔

۲ ۔ رب المال، تمام سرمایہ مضروب کو اس طرح سپرد کر دے کہ اس کا کوئی قبضہ اس پر نہ ہو یہاں تک کہ وہ اس امر کا بھی مجاز نہ ہو کہ بغیر مضروب کی خواہش کے اس کو کسی معاملہ میں مشورہ دے ۔ البتہ اگر مضروب کسی مشورہ کا خواہش مند ہے تو وہ اسے مشورہ دے سکتا ہے ۔

۳ ۔ عامل یا مضروب کے لئے سب سے ضروری اور پہلی چیز یہ ہے کہ وہ ان تمام شرائط کی پوری طرح پابندی کرے کہ جو رب المال اور اس کے درمیان طے پائی ہیں اور یہاں تک کہ اگر اس شرط میں کسی خاص مقام پر اور کسی خاص شے کی تجارت کرنے کا ذکر ہے تو مضروب کو چاہیئے کہ ان شرائط کے مطابق عمل کرے ۔

۴ ۔ حصول نفع کی بھی تمام شرطیں اس طرح پر طے ہوں کہ کل حاصل شدہ نفع کا اس قدر فیصد رب المال کا اور اس قدر فیصد مضروب کا ہے ۔ سہام یعنی مقدار کی شکل درست نہیں مثلاً یہ کہ رب المال پانچ سو روپیہ نفع لے اور باقی مضروب لے یا مضروب کے پانچ سو روپے اور باقی رب المال کے بلکہ شرح فیصد مقرر ہو ۔ جس کی صورت میں

رب المال اور مضروب کے درمیان نفع تقسیم ہوا کرے۔

وضاحت

اگر مضروب بسلسلہ تجارت سفر کرتا ہے تو سفر کے اخراجات راس المال میں شمار کئے جائیں گے نہ کہ نفع میں اور نفع وہ خالص آمدنی ہے جیسا کہ نفع کی نوعیت اور لغوی معنی سے ظاہر ہے گویا نفع وہ خالص آمدنی ہوگی جس میں کسی قسم کی کوئی دوسری چیز شامل نہ ہو سوائے اس روپیہ کے کہ جو اخراجات کے بعد بطور اضافہ حاصل ہوا ہے۔

مضاربت کا طریقہ عرب میں اسلام سے پہلے رائج تھا اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل عادل کی حیثیت سے یہ معاملہ کیا ہے اسلام چونکہ ہر مفید معاملہ کو جائز شکل میں باقی رکھنے کا حامی ہے۔ اس لئے نبوت کے بعد بھی صحابہ کرام مضاربت کرتے رہے اور حضورؐ نے بجائے منع فرمانے کے اس کی ہمت افزائی فرمائی۔

صنعت

وسائل معیشت کے شعبوں میں زراعت اور تجارت کے بعد صنعت و حرفت کا درجہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تمدن و معاشرت اور ملک کی ترقی میں صنعت و حرفت کا بڑا دخل ہے اور اس سے بہت سے برکات وابستہ ہیں۔ دراصل یہ بھی تجارت ہی کا ایک حصہ ہے ہر صنعت و حرفت اور تجارت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

خام پیداوار کی صورت و شکل اور ترکیب بدل دینے سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ جو صنعتیں صرف انسانی ہاتھوں سے تیار ہوتی ہیں انہیں دست کاریوں سے موسوم کیا جاتا ہے جو کل پرزوں اور مشینوں سے تیار ہوتی ہیں ان کو صنعتوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسلام سے قبل عرب کی صنعتی حالت

طائف: یہاں کے لوگ صنعت و حرفت میں مشغول رہتے تھے۔ طائف کی خاص صنعت چرم سازی تھی۔ وہاں دباغت کے کارخانے اس قدر زیادہ تھے کہ طائف بلدۃ الدباغ کے نام سے مشہور ہوا۔ طائف میں لوہار بھی تھے جو لوہے کی دست کاری میں ماہر تھے۔ طائف میں دیگر صناعوں کے علاوہ طبیب بھی تھے۔

مکہ: ایک وادی غیر ذی زرع تھی۔ وہاں خام پیداوار نہ ہونے کی وجہ سے کوئی خاص صنعت نہ تھی۔ چمڑے کی صنعت صرف اونٹ کی کھالوں کی وجہ سے تھی۔

مدینہ : مدینہ میں پارچہ بافی، تلوار سازی، اور لکڑی کے سامان کی صنعتیں چھوٹے پیمانہ پر جاری تھیں سہل بن سعد کہتے ہیں کہ ایک مدنی عورت ایک حاشیہ دار چادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر آئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بنی ہے۔ مدینہ کے بعض یہودی اچھے صناع تھے اور ان کے کارخانے تھے چنانچہ انصار مدینہ نے یہودیوں سے کپڑا بننا، رنگ سازی، تلواریں، زرہیں، کاشت کاری کے آلات اور دیگر آلات بنانے سیکھے۔

صنعت اور قرآن کریم

صنعت کے سلسلہ میں قرآن کریم میں واضح اشارات ملتے ہیں۔ جہاز سازی اور کشتیوں کی صنعت کے متعلق حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ موجود ہے۔ دھاتوں کی صنعت کے بارے میں کئی واقعے قرآن کریم میں ملتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے اسی طرح قرآن کریم میں ظروف سازی کی صنعت کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ ذوالقرنین کے قصے میں لوہے کی چادروں اور پگھلے ہوئے تانبے کا پتہ چلتا ہے۔ غرض قرآن کریم میں صنعت کے متعلق اشارات موجود ہیں اور اس کی اہمیت، ضرورت اور انسانی معاشرہ میں اس کے فوائد کو مانا جاتا ہے۔ فرعون کے قصہ میں مینار کی تعمیر کا تذکرہ اور عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں ان کے بچپن میں مٹی کے کھلونے بنانے کا ذکر ہے اسی طرح زیور سازی اور پارچہ بافی کا ذکر ملتا ہے۔

صنعت اور احادیث

اسلام نے صنعت و حرفت کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی ہے اور اس کو انسانی فلاح و بہبود کا ذریعہ ٹھہرایا ہے خالدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ انسان کے لئے کسب معاش کا کونسا ذریعہ بہتر ہے تو فرمایا دست کاری (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے اور حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا پیشہ کرتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کا پیشہ کرتے تھے۔ (فتح الباری)

متعدد حدیثیں ملتی ہیں جن میں صنعت و حرفت اور دست کاری کی ترغیب دی گئی ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں ہاتھ سے کام کرنے کا مذکور ہے مختلف انبیائے کرام کے حالات میں مذکور ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی پیشہ یا صنعت و حرفت سے وابستہ تھے۔

عمل صحابہ کرامؓ

صحابہ کرام نے بھی انسانی معاشرہ کی ترقی و لبقاء کے لئے خود محنت کی اور صنعت و دست کاری کو اپنایا اسماء الرجال

کی کتابوں میں ان صنعتوں کی صراحت ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے بڑے بڑے علماء و فقہا کا تعلق دست کاری اور صنعت سے رہا ہے۔ دراصل اسلام نے تقویٰ کو معیار فضیلت قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (سورۂ فتح) اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

مسلمانوں کا مختلف صنعتوں سے اعتنا

مسلمانوں نے صنعت کے بارے میں بڑی ترقی کی اور انہوں نے ہر مفید صنعت کو شروع ہی سے اپنایا۔ عہد نبوی میں جنگوں میں رومی دباموں کا استعمال کیا گیا اور مسلمانوں نے منجنیق کی صنعت کو سیکھا اور اس کا استعمال کیا اس طرح مسجد میں منبر کی ابتدا بھی ملک شام کی یادگار ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے "اسلامی معاشیات" میں اس واقعہ کو بڑا زور دے کر لکھا ہے اور اس بات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ عربوں کی کمانوں سے ایرانی کمانیں مضبوط ہوتی تھیں۔ مسلمانوں نے ایرانی طرز کی کمانوں کا استعمال کیا اور بنایا اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں پون چکیوں کا استعمال ہوا۔ غرض مسلمانوں نے صنعتی ترقی میں شروع ہی سے دلچسپی لی۔

دست کاروں اور مزدوروں کے چند بنیادی مسائل

آج کل تمام دنیا میں سرمایہ داروں اور مزدوروں اور دست کاروں کے درمیان کش مکش ہو رہی ہے اور بعض انسانیت سوز تحریکیں پرورش پا رہی ہیں۔ دراصل بڑے بڑے ملوں اور کارخانوں میں جو بہترین صناع اور دست کار ہیں جن کو مزدوروں کے نام سے پکارا جاتا ہے وہ دنیا کے محسن ہیں۔ اسلام نے مزدور اور کارخانہ دار کے مسائل کو باحسن وجوہ حل کیا ہے۔

ہم نے "اجرت" کے عنوان کے تحت بخاری شریف کی ایک حدیث کے تحت اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

صنعت کی ترقی کے لئے سہولتیں بہم پہنچانا

تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی و کامیابی کے لئے موجودہ زمانے میں دو چیزیں بہت اہم ہیں۔

۱۔ شرح مبادلہ

۲۔ محصول درآمد

اسلام کے آغاز میں پہلی چیز کا سوال ہی نہ تھا اس لئے کہ سونے اور چاندی کی غیر مسکوک ڈلیاں کام میں آتی تھیں۔

البتہ درآمد برآمد کے محاصل کا مسئلہ ضرور پیش آیا آج کل کی قومی اور ملکی حکومتیں اپنے ملک کی صنعت و حرفت کا تحفظ اور ترقی اس طرح کرتی ہیں کہ غیر ملکی چیزوں پر بھاری بھاری محصول اور ڈیوٹیاں لگا دیتی ہیں اور اس طرح ملکی چیزوں اور صنعتوں کی حفاظت کرتی ہیں اسلام چونکہ ایک عالمگیر مذہب ہے لہٰذا وہ اس اصول کا قائل نہیں کہ ایک ملک فائدہ اٹھائے اور دوسرا تباہ ہو جائے اور دنیا میں فساد پھیلے اس معاملہ میں وہ بڑی رواداری دکھاتا ہے۔ اس کا اصول ہے کہ مخلوق خدا کا ایک کنبہ ہے اور سب کو فائدہ پہنچنا چاہیئے کسی پر کوئی ظلم نہ ہو۔

خلافت فاروقی میں یہ سوال اٹھا کہ خلافت اسلامیہ میں غیر مذہب والوں سے کوئی محصول نہیں لیا جاتا ہے مگر مسلمانوں سے دوسری حکومتیں محصول لیتی ہیں حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ۱/۱۰ حصہ مقرر کیا جو عشر کہلاتا ہے اور جو ہر شخص سے لیا جائیگا اور سال میں صرف ایک مرتبہ لیا جائے گا اگرچہ دوسری حکومتیں ہر ہر تبہ محصول لیتی تھیں اس طرح اسلام نے صنعت و حرفت کی ترقی کے سامان بہم پہنچائے

ملیں اور کارخانے

جب صنعت و حرفت انسانی ہاتھوں سے نکل کر مشینوں اور ملوں کے قبضے میں چلی جاتی ہے تو سرمایہ دار اور مزدور دو طبقے سامنے آجاتے ہیں اور دونوں میں جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ توازن و اعتدال باقی نہیں رہتا اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور اس کا ایک عالمگیر نظام ہے لہٰذا اس کے یہاں سرمایہ داری اور محنت میں ایک معتدل توازن ہے اسلام ان تمام مفاسد کو بیخ و بن سے مٹانے کا داعی ہے جو صنعت کاروں اور دست کاروں کے حقوق کو پامال کرتے ہیں یا جن سے افراط و تفریط عدم اعتماد و عدم تعاون پیدا ہوتا ہے اور وہ ان اصولوں کو پیش کرتا ہے جس سے صنعت و حرفت کو ترقی ہو۔ اس سلسلہ میں اس نے عادلانہ اصول متعین کئے ہیں اور واضح کیا ہے کہ مزدور کو اس کی محنت کا پورا معاوضہ دیا جائے اس کا احترام کیا جائے حسب ضرورت حکومت اس کے حقوق کا تحفظ کرے اس کو آسانیاں بہم پہنچانے کا انتظام کرے تاکہ صنعت و حرفت ترقی کر سکے اور معاشرہ کو استحکام نصیب ہو۔

اُجرت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دنیا میں جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی انسانی زندگی کا ہر شعبہ زنگ آلود تھا ہر طرف لوٹ کھسوٹ، ظلم و جور اور رہزنی و قزاقی کا دور دورہ تھا مذہبی مقتدی ارباب من دون اللہ بنے بیٹھے تھے اور عوام الناس کو محض غلام سمجھتے تھے۔ غریبوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ مزدوروں اور اجیروں کی مٹی پلید تھی ان سے سخت سے سخت محنت لی جاتی تھی اور کم سے کم اجرت دی جاتی تھی غلاموں کی حالت تو جانوروں سے بھی بدتر تھی بعض اوقات مزدوروں کی

جان محض ایک رسی کے نقصان پر لے لی جاتی تھی مگر جب آفتاب اسلام طلوع ہوا تو کفر و ضلالت کی تاریکی ختم ہو گئی غریبوں کو زندگی کے حقوق ملے۔ غلاموں کی حالت سنبھلی اور اجیر و مزدور کو چین ملا۔

مزدوروں کی زبوں حالی

آج بیسویں صدی کی مہذب دنیا میں مزدور پیشہ طبقہ چنداں وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہے۔ جسمانی محنت کرنے والوں دست کاروں اور مزدوروں کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں۔ لوگوں کے دل و دماغ میں اب تک تعصب کا غبار چھایا ہوا ہے کہ جسمانی محنت حقیر ہے اور جسمانی محنت کرنے والا کسی عزت کا مستحق نہیں ہے سرمایہ دار اور جاگیردار طبقوں میں تو ان کی پہلے ہی سے کوئی قدر نہیں تھی اسلام دین فطرت اور ایک مکمل نظام حیات کا مالک ہے اس میں اس قسم کے طبقاتی تعصبات کی کوئی گنجائش نہیں اسلام نے تمام مصنوعی اور طبقاتی امتیازات ختم کر کے اخوت و مساوات کی تعلیم دی ہے اور عملی طور سے مزدور کے وقار کو بلند کیا اور محنت کو باعزت ٹھہرایا ہے۔

قریش کا مسئلہ آجر و مزدور

زمانہ جاہلیت میں مکہ میں آجر و مزدور کا باہمی تعلق نہایت خراب تھا اور آجر کو مزدور پر پوری طرح حکمرانی کے حقوق حاصل تھے یہاں تک کہ اگر کوئی آجر کسی مزدور کو جان سے مار ڈالتا تھا تو اس کی کوئی شنوائی نہ ہوتی تھی۔

محنت اور قرآن

محنت کے باب میں قرآن حکیم نے ہمارے سامنے تین پیغمبروں کی زندگی بطور نمونہ پیش کی ہے اوّل حضرت یوسف علیہ السلام دوم حضرت موسیٰ علیہ السلام سوم حضرت داؤد علیہ السلام۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اس وقت زیر بحث آتا ہے جب وہ جیل سے رہا ہو کر عزیز مصر کے پاس پہنچتے ہیں اور جب بحث آتی ہے کہ ان کو کونسا عہدہ عطا کیا جائے تو وہ فرماتے ہیں کہ مجھے محکمہ مالیات پر مقرر کیا جائے کیونکہ میں بہت علم رکھنے والا اور حفاظت کرنے والا ہوں اور عزیز مصر نے بھی کہا تھا کہ "آپ امین ہیں" اس وجہ سے بھی آپ کو اس عہدہ پر مقرر کرنا چاہتا ہوں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس وقت ارشاد ہوتا ہے جب وہ مصر چھوڑ کر مدائن کی جانب روانہ ہوتے ہیں۔ یہاں ان کی ملاقات حضرت شعیب علیہ السلام سے ہوتی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ اپنی ایک لڑکی کی شادی کر دوں گا بشرطیکہ تم اس کا مہر اس طرح ادا کرو کہ میری بکریاں آٹھ سال تک چراؤ اور اگر دس سال تک چراؤ تو یہ تمہاری مہربانی ہوگی۔ اس موقع پر حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ اے باپ! کہ آپ جس

شخص کو محنت کے لیے رکھتے ہیں اس میں سب سے بہتر وہ ہے جو قوی اور ایماندار ہو۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کام جسمانی مشقت کا تھا اس لئے قوی ہونے کی شرط ضروری سمجھی گئی ویسے امین ہونے کی شرط خاص ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر رضامند ہو گئے اور ان کی شادی حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے ہو گئی اس باب میں کوئی تشریح نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کتنے سال بکریاں چرائیں لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال بکریاں چرائی ہوں گی کیونکہ ایک پیغمبر اور بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہی توقع تھی۔

اسلام نے صنعت و حرفت کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی ہے اور اسے انسانی معاشرہ کی فلاح و بہبود کا ذریعہ ٹھہرایا ہے مقدام رض کہتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے مشہور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنایا کرتے تھے گویا حدادی کے کام سے ان کا تعلق تھا۔

اجیر اور آجر کی خصوصیات

اجیر کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے امین ہونا چاہیئے دوسرے اس میں اس کام کی جو اس کے سپرد کیا جائے۔ پوری صلاحیت ہونی چاہیئے آپ نے فرمایا کہ وہ روزی جو امانت اور ذمہ داری سے حاصل ہوتی ہے حلال و طیب ہے جو شخص مزدور رکھے اس کے لئے دو شرائط ہیں اول یہ کہ اجیر کی اجرت اس کے کام اور محنت کے لحاظ سے مقرر کرے اور کام کی اہمیت کے لحاظ سے اس کی واجبی اجرت ادا کرے اور دوسری چیز یہ ہے کہ اجیر کی اجرت اسی وقت دیدے کہ اس کا پسینہ خشک نہ ہونے پائے اور اگر فوراً نہ دے سکے تو یہ دو باتیں ضروری ہیں۔

۱۔ اجیر کو خندہ پیشانی سے رخصت کرے اور کوئی بات ایسی پیش نہ آنے دے۔ جس سے اجیر کو کسی قسم کی تکلیف یا رنج پہنچے۔

۲۔ مستاجر اپنی صوابدید کے مطابق رقم بعد میں ادا کرتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ کچھ رقم اضافہ کر دے تاکہ اجیر خوش ہو جائے۔

نبی کریم کا اسوۂ حسنہ

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں تجارت کے علاوہ "عمل بالید" کا سراغ ملتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائیں اور اس کا ذکر فخریہ فرمایا۔ آپ نے اجرت پر بھی کام کیا غرض کہ حضور نے "کسب" کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے موقع پر خندق کھودنے میں شرکت فرمائی۔ ایک دفعہ ایک سفر میں

صحابہ کرام نے کھانے کی تیاری میں مختلف کام اپنے ذمہ لے لئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑیوں کی فراہمی کی ذمہ داری لے لی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام اکثر خود کرتے تھے۔ جھاڑو خود دے لیتے تھے۔ کپڑوں میں پیوند لگا لیتے تھے۔ جوتیاں درست فرما لیتے تھے۔ غرض کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں محنت کی عظمت مسلمہ ہے۔

عمل صحابہ کرامؓ

صحابہ کرامؓ نے بھی انسانی معاشرہ کی ترقی و بقا کے لئے خود محنت کی۔ خلیفہ اوّل سیدنا صدیقؓ کپڑا فروخت کرتے تھے بلکہ آپ نے خلافت کی ذمہ داریوں کے سنبھالنے کے بعد بھی یہ کام جاری رکھنا چاہا۔ اس طرح آپ ایک بوڑھی عورت کے گھر جا کر اس کی بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے اور خلیفہ ہوتے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم کے حالات میں بکریاں چرانے اور اینٹیں تھاپنے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ خلیفہ سوم سیدنا عثمان غنیؓ تو ایک ممتاز تاجر تھے اسی طرح خلیفہ چہارم سیدنا علیؓ نے چند کھجوروں کے عوض ایک یہودی کے کھیت میں پانی دیا تھا دوسرے صحابہ بھی کسب معاش کے کسی نہ کسی طریقے پر کاربند تھے۔ مہاجرین کا عام مشغلہ تجارت اور انصار کا زراعت تھا غرض صحابہ کرام جو براہ راست صحبت نبوی کے فیض یافتہ تھے۔ محنت مزدوری کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور کسب حلال کو فرض جانتے تھے ان ہی کی صحبت سے مشرف ہونے والے تابعین تھے جنہوں نے اپنی بسر اوقات کے لئے اکثر چھوٹی موٹی تجارت یا حرفت کے پیشہ پر قناعت کی۔ اسلام کی اسی تعلیم کا اثر تھا کہ مدتوں بعد بھی اکابر اسلام اپنی مشقت سے روزی کمانے کو ضروری جانتے تھے اور سوسائٹی پر بار بننا پسند نہیں کرتے تھے۔

عظمت مزدور

اُجرت کے متعلق سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ محنت کی عزت اور مزدوروں کا وقار ہے دنیا میں ہمیشہ مزدوروں کا طبقہ معاشرہ میں ایک پسماندہ طبقہ شمار کیا گیا ہے۔ انبیائے کرام خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اور صحابہ کرام کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان حضرات نے ہاتھ سے کام کیا ہے اور اجرت پر بھی کام کیا ہے۔ اسلام میں مزدور کے مقام کو متعین کرنے کے لئے یہی کافی ہے یہ تو اسلامی تعلیم کا اخلاقی پہلو تھا۔ قانونی حیثیت سے اسلام نے آجر اور اجیر کے ہر مصنوعی امتیاز کو اٹھا دیا ہے اور آجر و اجیر کو معاشرے میں پورا مساوی درجہ دیا ہے۔ یہاں یہ بات کہنی بے موقع نہ ہو گی کہ ذات پات اور اونچ نیچ کے امتیاز کو ختم کر دینے سے اجر و اجیر کے خود ساختہ امتیازات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ آخر میں مزدور کے وقار کے لئے اس بات کا اعادہ بھی ضروری ہے کہ اپنے ہاتھ سے مزدوری (کسب کرنے والا) اسلام میں عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔

مسئلہ اُجرت کی اہمیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجیر کی اجرت کو اتنا اہم قرار دیا ہے کہ جس کے بغیر قوم فارغ البالی کی زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ کارخانہ ہستی کو اسلام مضبوط و منظم کرنا چاہتا ہے مزدور اس کے لئے ایک اہم ترین عامل ہے اور اس کے عمل کا محور اس کی اجرت ہے۔ قرآن کریم نے سورہ مائدہ کے شروع میں ہر اس معاملہ کو پورا کرنے کی تائید فرمائی ہے جو ایک انسان قانون توڑے بغیر کر سکتا ہے سورہ مائدہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ ــ اے ایمان والو۔ پورے کرو قرار۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک انصاری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ان کا ایک پیالہ نیلام کر کے ان کو دو درہم دلوائے۔ ایک درہم سے کلہاڑی خریدی گئی۔ حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے کلہاڑی میں دستہ ڈالا اور ان سے فرمایا کہ لکڑی کاٹو اور بیچو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان کو مرفہ الحالی نصیب ہوئی اس حدیث سے مزدوری اور محنت کی عظمت کا حال ظاہر ہے۔

تعینِ اُجرت

آج کل دنیا میں سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان کشمکش اور رسہ کشی جاری ہے اور بعض خطرناک تحریکیں اس کشمکش کے نتیجہ میں پرورش پا رہی ہیں سرمایہ دار، مزدوروں کو نوکر رکھ کر ان کی اجتماعی محنت سے نفع حاصل کرتا ہے۔ اور ان کو چند ٹکے دے دیتا ہے اسلام نے تعین اجرت کیلئے واضح ہدایات فرمائی ہیں۔ جن سے بعض مفاسد کا کلی انسداد ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

> "مزدور تمہارے بھائی ہیں ان کو خدا نے تمہارے ماتحت کیا ہے۔ پس جس کے ماتحت خدا نے اس کے بھائی کو کیا ہو۔ اس پر ضروری ہے کہ جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے، جو خود پہنے وہ اس کو بھی پہنائے اور جو کام اس کی طاقت سے باہر ہو اس کو اسکی تکلیف نہ دے اور اگر کسی دشوار کام کی تکلیف دے تو اس کی مدد کرے۔

اس حدیث سے حسب ذیل امور بآسانی مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ آجر، اجیروں کو اپنا بھائی سمجھے۔ دونوں کے تعلق کی نوعیت دو بھائیوں کی سی ہو۔

۲۔ کم از کم کھانے اور پہننے کی حد تک دونوں کی سطح برابر ہو۔

۳۔ وقت اور کام دونوں کے اعتبار سے مزدور پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے کہ جو اس کو جھکا دے۔

۴۔ اگر کوئی ایسا کام آجائے کہ جس کی انجام دہی میں دشواری ہو تو آجر کا فرض ہے کہ اس کی مدد کرے۔

اس سلسلہ میں اوقات کار کی تحدید بھی بیان کر دینی مناسب ہو گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عام قانون یہ ارشاد فرمایا کہ کام کی مقدار اور کام کا وقت اتنا ہونا چاہیے جس پر دوام ہو سکے نیز معقول اجرت کے لئے اسلام نے مزدوروں کو پوری آزادی دی ہے اور وہ ایک شہر میں مزدوروں کی کثرت اور کام کی قلت کی صورت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتا ہے یہ بات بیان کرنی دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ جب کفار مکہ نے مسلمان مزدوروں کے ساتھ بالخصوص زیادتیاں شروع کر دیں تو قرآن نے ہجرت کی ترغیب و تبلیغ ان الفاظ میں دی۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيْرًا وَّ سَعَةً ۔ "جو شخص خدا کی راہ میں ہجرت کرتا ہے وہ زمین میں اپنے لئے فارغ البالی اور کشادگی پاتا ہے۔"

اسی لئے اسلام میں پیشہ کی آزادی ہے کہ ہر شخص جو چاہے پیشہ اختیار کرے۔ مزدوروں کی فارغ البالی کیلئے اسلام کے معاشی نظام میں ہر غریب کو کافی روزی بہم پہنچانے کی ذمہ داری حکومت کے ذمہ ڈالی گئی ہے۔ زکوٰۃ نفے، اموال صدقات، وعشر وغیرہ کا بڑا مصرف عام باشندوں کی معاشی کفالت ہے

چند ضروری واضح ہدایات

اسلام ایک عالمگیر نظام حیات ہے لہٰذا وہ دنیا کی فلاح و بہبود اور انسانیت کی بقاء اور تحفظ کے اصول پیش کرتا ہے اس کی نظر میں محنت معاشی نظام کا ایک اہم ترین جزو ہے، وہ سرمایہ دار اور مزدور کے لئے اعتدال، باہمی تعلقات اور اشتراک کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ اسلام ان چیزوں کو بیخ و بن سے مٹانے کا داعی ہے۔ جو مزدوروں کے حقوق کو پامال کرتی ہیں یا جن سے افراط و تفریط، عدم تعاون اور عدم اتحاد ظاہر ہوتا ہے چنانچہ وہ محنت کے ایسے اصول پیش کرتا ہے جن سے عادلانہ اور صالح نظام معاشرت کے قیام میں مدد ملے اس سلسلہ میں خاص خاص باتیں درج ذیل ہیں

۱۔ اجرت کم نہ دی جائے کیونکہ مزدور بے چارہ، غریب، بیکس اور فاقہ زدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ لبا اوقات کم اجرت پر راضی ہو جاتا ہے۔

۲۔ کم سے کم اجرت دے کر زیادہ سے زیادہ محنت لینا کے بجائے اسلام اس کو ظلم قرار دیتا ہے۔

۳۔ مزدوروں کی اجرت مقرر کر دی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کام کرنے کے بعد انہیں کم اجرت دی جائے۔ اسلام اس کو ناپسند کرتا ہے۔

۴۔ مزدوروں کی اجرت کے ادا کرنے میں حیلہ و حجت نہ کی جائے۔ اسلام کی نظر میں یہ بات ناپسندیدہ ہے۔

۵۔ مزدوروں کا حق تلف کر کے اور مزدور پر خراب کام کرنے کا الزام لگا کر جرمانہ کے نام سے مزدوری واپس نہ لی جائے اسلام نے اس کو بھی افراط و تفریط سے تعبیر کر کے اس کا انسداد کیا ہے۔

۶۔ مزدور اور نوکر کے ساتھ چشم پوشی کا برتاؤ کرنا چاہیئے: ایک شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے دریافت کیا کہ میں اس نوکر کو کتنی دفعہ معاف کیا کروں، راوی کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے اس پر اس نے پھر وہی سوال دہرایا۔ تب ارشاد ہوا۔ روزانہ ستر مرتبہ معاف کیا کرو (ابوداؤد ترمذی)

اس سے فقہائے اسلام نے استنباط کیا ہے کہ اگر مقررہ مدت کی تنخواہ پر ملازم سے بلا مقصد نقصان ہو جائے تو تاوان نہ لیا جائے۔

شرکت منافع

اسلام نے مزدور کی اجرت کا تحفظ کرتے ہوئے اس بات کو پسند کیا ہے کہ مزدور کو اس کے کام کی منفعت میں شریک کیا جائے مسند احمد میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عاملوں کو ان کے عمل سے حصہ دو، تمہارا یہ عمل اللہ کے لئے ہوگا جس میں تمہیں کبھی گھاٹا نہ ہوگا۔

حدیث کی کتابوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارا خادم کھانا تیار کر کے لائے تو اس کو اپنے ساتھ کھانے پر بٹھاؤ اور اگر یہ نہ کر سکو تو کم سے کم چند لقمے اس کے لئے دیدو کہ اس نے کھانا پکانے میں گرمی، دھواں اور دوسری مشقتیں برداشت کی ہیں اس کو اپنی مشقت کا پورا پھل ملنا چاہیئے تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ میں اپنی محنت سے مستفید نہیں ہوں اور محنت کا پورا ثمر آقا کو پہنچ رہا ہے۔

حکومت کی نگرانی

جس طرح حکومت کو آجروں اور اجیروں کے جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے مدافعت کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح حکومت کو ان کے کام پر نگرانی رکھنے کا پورا حق حاصل ہے۔ ابومسعود انصاری کا بیان ہے کہ ایک دن میں اپنے غلام کو مار رہا تھا پیچھے سے آواز آئی ابومسعود! ابومسعود! یہ معلوم کرکہ تجھ کو اپنے زیر دست پر جتنی قدرت حاصل ہے خدا کو نہ بھولو۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تیرا یہ کوڑا غلام کے ہاتھ میں ہو میں نے عرض کیا کہ میں نے یہ غلام خدا کی راہ میں آزاد کیا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو ایسا نہ کرتا تو دوزخ کی آگ تجھے جھلس ڈالتی۔

خلیفہ دوم حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اکثر مدینہ کے باہر تشریف لیجاتے اور اگر کسی شخص کو اس طرح کام کرتے دیکھتے کہ جو اس کی برداشت سے باہر ہو تو اس کے آجر کو اس کی طاقت کے مطابق کام لینے پر مجبور کرتے حضرت فاروق اعظم نے اپنے دور خلافت میں محتسب مقرر کئے اور ان کو یہ حکم دیا گیا کہ کسی مزدور پر

زیادتی نہ ہو اور اگر ہو تو اس کے آجروں سے باز پرس کی جائے اور آجروں کو یہ حکم دیا جائے کہ اجیروں کی برداشت سے زیادہ ان سے کام نہ لیا جائے اس طرح اگر کوئی شخص اپنے جانوروں کو پوری خوراک نہ دے یا طاقت سے زیادہ کام لے تو اس سے مواخذہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ ملاحوں کی کشتیوں میں اتنا بوجھ لادنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ جس سے غرق ہونے کا خطرہ ہو۔ حکومت کو چاہیئے کہ مزدوروں کی محنت کا بھی پورا خیال رکھے۔ ایک بار آپ کو یہ اطلاع ملی کہ ایک کارخانہ دار بیمار مزدوروں کی عیادت کو نہیں جاتا۔ آپ نے محتسب کو ہدایت کی کہ کارخانہ دار سے باز پرس کی جائے اور اس کو ایک طبیب مقرر کرنے کی فہمائش کی جائے اور اگر اس کی آمدنی طبیب کا بوجھ نہ اٹھا سکے تو بیت المال کی طرف سے فوراً طبیب مقرر کر دیا جائے۔

اس سلسلہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بڑا خیال تھا۔ مزدوروں کی ایک جماعت تھی آپؐ نے مزدوروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم روزانہ غسل نہیں کر سکتے تو کم از کم ہفتہ میں جمعہ کا غسل ضرور کیا کرو ایک زمانہ تک یہ غسل فرض کی حیثیت سے کیا جاتا تھا۔ لیکن بعد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غسل کا سبب بیان فرماتے ہوئے اس کو مسنون قرار دیا۔

ان تصریحات کے بعد اسلام اپنے اقتصادی نظام میں مزدوروں اور پیشہ وروں کو راس المال کے ساتھ زیادتی اور تعدی کرنے سے روکتا ہے اور نہیں چاہتا کہ ایک طرف سے افراط اور دوسری طرف سے تفریط ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے۔ بشرطیکہ وہ کام والے کا کام خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ انجام دے۔

شعب ابی طالب

ڈاکٹر نثار احمد

شعب ابی طالب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دیگر اہلِ خاندان کا تین سال تک محصور رہنا سیرت نبوی کا ایک اہم اور غور طلب واقعہ ہے۔ اس کی اہمیت تو اس لیے واضح ہے کہ کُفّارِ قریش اور مخالفینِ اسلام نے تحریکِ اسلامی کو دبانے، مٹانے اور ختم کرنے کے لیے جو حربے استعمال کیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو انتہائی سخت اذیتیں پہنچانے کی جو صورتیں اختیار کیں ان میں سے ایک صورت یہ واقعہ بھی ہے۔ جس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا آپ کو نبوت ملے چھ سال گزر چکے تھے لیکن اس سارے عرصے میں انتہائی ناروا سلوک کے باوجود قریش نے آنحضرتؐ کے خلاف کبھی اس سے زیادہ سخت اقدام نہیں کیا تھا۔ بلاشبہ مصائب و آلام کا دور ماقبل بھی قریش کی ظالمانہ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ جس میں ترغیب و ترہیب کا ہر انداز ملتا ہے۔ لیکن ایک حلف نامے کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندانِ بنو ہاشم کا معاشی، معاشرتی مقاطعہ کرنا سخت الم انگیز اور کافرانہ سیاست کی انتہائی شاطرانہ چال تھی۔ جس کے نتائج ان کی توقع کے مطابق تو نہ نکلے لیکن بہرحال اس کے ذریعے مسلسل تین سال تک داعیٔ اسلام صلعم اور بنو ہاشم کو مبتلائے عذاب رکھا گیا۔

اور یہ واقعہ غور طلب اس لیے ہے کہ اگرچہ اس کا ذکر کم و بیش ہر قدیم و جدید سیرت نگار نے کیا ہے لیکن جس انداز سے کیا ہے اور جو تفصیلات فراہم کی ہیں ان سے بدیہی طور پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ جب قریش نے بنو ہاشم کا مقاطعہ کرایا تو اس کے بعد تین سال تک بنو ہاشم کو واقعتاً محصوری اور نظر بندی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے بیانات سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ بنو ہاشم کی رہائش الگ کسی مقام پر تھی اور محصوری کا واقعہ دوسرے مقام شعبِ ابی طالب میں پیش آیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ بنو ہاشم اس اعلانِ مقاطعہ کے بعد مکّہ سے نکلے اور سامانِ خور و نوش باندھ کر وہاں جا بیٹھے اور اپنے آپ پر باہر نکلنے کے سارے دروازے بند کر لیے۔ پھر جب تین سال بعد وہ معاہدہ ختم ہوا تب یہ لوگ وہاں سے نکل کر دوبارہ اپنی رہائش گاہوں میں منتقل ہوئے حالانکہ کسی سیرت نگار نے یہ تصریح نہیں کی کہ بنو ہاشم کی رہائش کس جگہ تھی، اور شعبِ ابی طالب کہاں اور ان کی اصل رہائش گاہ سے کتنے فاصلے پر واقع تھا۔

یہ صورتِ حال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مندرجہ ذیل مسائل پر غور کیا جائے:

۱۔ شعبِ ابی طالب میں محصوری کیوں ہوئی۔ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں مقاطعہ کیوں کیا گیا؟

۲۔ مقاطعہ صرف بنو ہاشم کا کیوں کیا گیا؟

۳۔ شعبِ ابی طالب کیا ہے اور کہاں واقع ہے؟

۴۔ مقاطعہ کی نوعیت کیا تھی؟

۵۔ مقاطعہ کیسے ختم ہوا؟

ہم اسی ترتیب سے ان مسائل کا جائزہ لیں گے۔

جہاں تک مقاطعہ کا تعلق ہے، اس میں کوئی ابہام یا پیچیدگی نہیں پائی جاتی۔ سیرت کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ کفارِ قریش کی چھ سال سے زائد کی معاندانہ کوششیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے پائے ثبات میں برائے نام بھی اضمحلال پیدا نہ کر سکی تھیں۔ دھمکی اور لالچ کا ہر وار ہدف سے دور اور سختی و نرمی کا ہر حربہ کند ہو چکا تھا۔ بلکہ تماشہ یہ تھا کہ تحریک کو دبانے کی ہر کوشش الٹا اس کے فروغ کا باعث بن جاتی تھی۔ یہاں تک کہ دعوتِ حق سے مکّہ کے دشت و جبل گونج اٹھے اور حبشہ کے سرکار و دربار تک اعلانِ حق پہنچ گیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حمزہؓ اور بالآخر حضرت عمرؓ جیسے بااثر افراد مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے، یہ سب حالات مشرکین و کفار کو برافروختہ کرنے کے لیے کافی تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب صاحب ایمان نہ ہونے کے باوجود داعیٔ اسلام کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ اور ان کی موجودگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ ڈالنا یقیناً ایک مشکل امر تھا۔ غرض ان اسباب نے اہلِ قریش کو مقاطعہ کا سخت قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ جس سے ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ انتہائی سختیوں سے گھبرا کر یا تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت سے دستبردار ہو جائیں گے یا بصورتِ دیگر (مومن و کافر) اہلِ خاندان ان مصائب و آلام کو برداشت کرنے کے مقابلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حوالے کرنے میں زیادہ عافیت محسوس کریں گے۔

چنانچہ قریش کے اس مقصد کی توضیح اس معاہدہ[1] میں موجود ہے جس کے ذریعہ انہوں نے بنو ہاشم کو یہ سزا دی تھی اور خاص طور پر یہ بات کہ یہ معاہدہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ (یسلموا الیہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی بنو ہاشم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے قریش کے حوالے نہ کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ :-

ا۔ قریش نے یہ مقاطعہ صرف تین سال کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ غیر معینہ مدت کے لیے اور اس وقت تک کے لیے تھا جب تک کہ بنو ہاشم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حوالے نہ کر دیں۔ یہ محض ایک اتفاق ہے کہ خدا کی کرشمہ سازی سے دیمک اس معاہدے کو چاٹ گئی یا کچھ لوگوں نے جرأت و بہادری سے کام لے کر اس ظالمانہ معاہدہ کو ختم کرانے کی سنجیدہ کوشش کی تھی۔ ورنہ ایک غیر معینہ مدت تک مقاطعہ کا نتیجہ کچھ بھی نکل سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ بنو ہاشم حضورؐ کو دشمنوں کے حوالے کر دیتے۔ ممکن تھا کہ سارے بنو ہاشم جوشِ حمیّت میں مسلمان ہو جاتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ خود قریش اس معاہدہ پر زیادہ دیر تک متحد و متفق نہ رہ سکتے۔ بہرحال یہ بات طے ہے کہ مذکورہ بائیکاٹ غیر معینہ مدت کے لیے تھا۔

ب۔ قریش کا اصل مقصد یہ تھا کہ بنو ہاشم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی سے دستبردار ہو کر آپؐ کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ آپؐ کے خلاف من مانی کارروائی کر سکیں۔

—— (۲) ——

اس مرحلے پر یہ سوچنا چاہیے کہ قریش نے ترک موالات کا معاملہ صرف بنو ہاشم کے ساتھ ہی کیوں مخصوص رکھا۔ دوسرے اہلِ ایمان

---

[1] معاہدہ کے الفاظ میں اہلِ سیر اور مؤرخین نے اختلاف کیا ہے، مگر مضمون و معنی کے اعتبار سے کاملاً اتفاق پایا جاتا ہے۔

جن کا تعلق عرب کے مختلف قبائل سے تھا اس سے مستثنیٰ اور کسی قسم کی پابندی سے آزاد کیوں تھے؟ دوسرے الفاظ میں مقاطعہ کے دائرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ دوسرے تمام مسلمانوں کو شامل کیوں نہ کیا گیا۔ ہمارے خیال میں اس کی مندرجۂ ذیل وجوہ ہیں :-

ا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔ قریش کی دشمنی کا ہدف اصل میں آپؐ ہی کی ذات تھی۔ پھر وہ خاندان بھی ان کی نگاہ میں مبغوض بن گیا جس سے آپؐ کا تعلق تھا۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ اگر کسی کے نزدیک کوئی شخصیت محبوب ہو تو اس سے متعلقہ دوسری اشیاء بھی محبوب و محترم ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے برعکس اگر نفرت ہو تو پھر اس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز ناپسندیدہ اور مکروہ قرار پاتی ہے۔

ب۔ آنحضرتؐ کے بعد دوسرے درجے میں دشمنی ابوطالب سے تھی، جو اپنے بھتیجے کی (ان کے خیال میں) حمایت بے جا کر رہے تھے۔ اور جنہوں نے حضور صلعم کی حمایت کو "ہاشمی وقار" کا مترادف قرار دے کر بجز ابولہب کے تمام مومن و کافر بنو ہاشم کو اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔

ج۔ حضورؐ کو کفارِ قریش کے حوالے کر دینے کی ذمہ داری قبائلی دستور کے مطابق بنو ہاشم کی تھی جس سے حضور کے چچا اور بنو ہاشم کے سردار ابوطالب نے صاف صاف انکار کر دیا تھا۔

اور یہاں تک جواب دے دیا تھا کہ :-

ونسلمه حتی نصرع حوله وتذهل عن ابنائنا والحلائل

ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بھلا دیے جائیں۔

اس بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کے براہِ راست مجرم تھے ہی، بنو ہاشم اور ابوطالب بھی بالواسطہ طور پر مجرم بن گئے۔ اس لیے قریش چاہتے تھے کہ حضور صلعم کی "حمایت بے جا" کا مزہ ان سب کو چکھانا چاہیے۔

د۔ چونکہ اہل ایمان کا تعلق عرب کے مختلف شعوب و قبائل سے تھا اس لیے اگر قریش تمام مسلمانوں کا بیک وقت مقاطعہ کر دیتے تو کس کس سے جنگ مول لیتے اور پھر کون کون ان کا شریک معاہدہ ہوتا۔ آخر عصبیت جاہلیت کا معاملہ تھا۔ اس بنا پر مقاطعہ کو انہوں نے صرف بنو ہاشم تک محدود رکھا۔

ہ۔ اس مقاطعہ کے ذریعے وہ عام مسلمانوں کو بنو ہاشم (در اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے کاٹ کر الگ کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ دوسرے مسلمان اور آپؐ ممکن حد تک ایک دوسرے سے غیر متعلق رہیں، آزادانہ میل جول نہ رکھ سکیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قریش کے خلاف متحدہ محاذ نہ بنا سکیں۔ اس میں ایک فائدہ ان کے لحاظ سے یہ بھی تھا کہ سب پر الگ الگ سختیاں کرنے میں آسانی ہوگی اور اس طرح اجتماعی مظلومیت میں جو ڈھارس بندھ جاتی ہے وہ بھی باقی نہ رہے گی۔

و۔ قریش یہ گمان رکھتے تھے کہ اگر بنو ہاشم کے بارے میں مقاطعہ کا تجربہ کامیاب ہو گیا تو پھر دست تظلم رفتہ رفتہ دوسرے قبائل کے مسلمانوں تک دراز کر دیا جائے گا۔ گویا یہ پہلا تجربہ تھا جسے اگلے ظالمانہ تجربات کی بنیاد بنایا جا سکتا تھا۔ بہرحال ان اسباب و مصالح کے پیشِ نظر قریش،

نے بنو ہاشم پر اس مقاطعہ کو نافذ کر دیا جو اتفاقاً محض تین سال تک جاری رہ سکا۔

——— (۳) ———

اب آگے بڑھنے سے پہلے ایک لمحہ ٹھہر کر شعبِ ابی طالب پر نظر ڈال لیجئے۔ شعبِ ابی طالب دراصل مکہ معظمہ کے محلّے کا نام تھا۔ جس میں بنو ہاشم رہا کرتے تھے اور وہ ان کا موروثی تھا۔[1] شعب عربی زبان میں درہ یا گھاٹی کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ محلّہ کوہ ابو قبیس کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں واقع تھا اور ابو طالب بنو ہاشم کے سردار تھے۔ اس لیے اسے شعب ابی طالب کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت بے جا نہ ہوگی کہ شاید شعب کے لفظ سے لوگوں کو بالعموم یہ مغالطہ ہوا ہے کہ یہ اصل رہائش گاہ سے دُور کوئی پہاڑی درہ ہوگا جہاں جاکر بنو ہاشم محصور و نظر بند ہو گئے، حالانکہ مکہ کے طبعی حالات جاننے والا ہر شخص اس حقیقت کا علم رکھتا ہے کہ مکّہ بجائے خود ایک وادی ہے اور پورا شہر چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ مکّہ کا بیشتر علاقہ پہاڑی ہے[1] اور میدانی حصّہ بہت کم پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ عادتاً کچھ مجبوراً مکّہ کی آبادی جن محلوں میں بٹی ہوئی تھی اس میں سے بیشتر پہاڑی دروں اور گھاٹیوں ہی میں واقع تھے۔ اس لیے تاریخ میں شعب ابی طالب کے علاوہ دوسرے بیسیوں شعب کے نام پائے جاتے ہیں۔ مثلاً شعب آل الاخنس یا شعب الخوارج، شعب المطلب، شعب ابی زیاد، شعب ابن ابی ربیع، شعب آل عمرو، شعب بنی کنانہ، شعب بنی عبداللہ، شعب بنی اسد، شعب بنی عامر، شعب الخضارمہ، شعب الحوز، شعب الفثارت، شعب ابی دب وغیرہ۔[2]

علاوہ ازیں تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مکّہ کی آبادی ابتداً حرمِ کعبہ سے دُور ہی بسائی گئی تھی اور لوگ حرم سے متصل مکان یا عمارت بنانے سے (تقدس اور خوف کی بنا پر) گریز کرتے تھے۔ البتہ قصی بن کلاب کے زمانے (تقریباً ۴۴۰ء) کے قریب مکانات و عمارات بنانے کا رواج ہوا۔ ان ہی وجوہ سے مکّہ کی پرانی آبادی حرم سے خاصے فاصلوں تک ممتد ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زیرِ بحث مقام شعبِ ابی طالب بھی مضافاتِ مکّہ میں یا حرم سے دُور واقع تھا۔ اس کے برعکس صحیح صورت یہ ہے کہ جبل ابو قبیس کے دامن میں (ایک کنارے پر) شعبِ ابی طالب ایک ایسے مقام کا نام تھا جو مولدِ رسولؐ کی نسبت بیت اللہ سے زیادہ قریب اور شمال مشرق کی سمت حد سے حد ایک فرلانگ کی مسافت پر واقع تھا جس کی تصدیق آج کل کے آثار اور مقامی روایات سے بآسانی کی جاسکتی ہے۔[3]

شعب ابی طالب کی یہ جائے وقوع اور کعبۃ اللہ سے قربت اس لیے بھی قابلِ فہم ہے کہ خانۂ کعبہ سے متعلق سقایہ کی ایک اہم خدمت بنو ہاشم کے سپرد تھی اور اس کی بجا آوری میں ان کا حرم سے قریب سکونت رکھنا ہی زیادہ باعثِ سہولت ہو سکتا تھا۔[4]

یہاں یہ بتا دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ مذکورہ مقاطعہ اور شعب ابی طالب میں ان کی روایتی محصوری سے یہ بہرحال لازم نہیں آتا کہ بنی

---

۱ توسیعِ حرم کے سلسلے میں آج کل یہاں سے پہاڑوں کو صاف کر دیا گیا ہے۔

۲ شفاء الغرام باخبار البلد الحرام۔ الفاسی۔

۳ تاریخ مکّہ ازرقی

۴ سفر نامہ ارض القرآن۔ مرتبہ محمد عاصم ص ۱۳۷

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اہلِ خاندان کو اس مدت میں لازمی طور پر حرمِ مکہ سے دُور تصور کیا جائے اور ان کے مخالفین و معاندین کی مستقل رہائش حرم میں یا اس سے متصل فرض کر لی جائے۔ مسلمانوں کی طرح دشمنانِ اسلام کا تعلق بھی مختلف شعوب و قبائل سے تھا اور یہ شعوب و قبائل متفرق مقامات پر سکونت پذیر تھے۔

اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جو علاقہ شعب ابی طالب کہلاتا تھا اسے ایک ایسا بڑا محلہ کہا جا سکتا ہے جس میں مجموعی طور پر شعب مولدؐ شعب علی اور شعب عبد المطلب سب شامل تھے۔ اور اگر شعبِ ابی طالب کو ایک وسیع دائرہ مانا جائے تو شعب مولد، شعب علی وغیرہ سب مقامات آگے پیچھے اسی میں نظر آئیں گے۔

——— (۴) ———

بہرحال شعب ابی طالب کی جائے وقوع کا تعین بڑی حد تک مقاطعہ کی اس نوعیت کو واضح کر دیتا ہے کہ یہ مقاطعہ محض معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ تھا۔ اور ہمارے اس موقف کی تائید اس ظالمانہ معاہدہ کے مضمون سے بھی ہوتی ہے جس کے تحت یہ مقاطعہ نافذ کیا گیا تھا۔ معاہدہ میں بنو ہاشم پر جو پابندیاں عائد کی گئی تھیں ان میں جزوی فرق اور مضمون کی کمی بیشی مورخین کے یہاں البتہ پائی جاتی ہے۔ مثلاً ابن ہشام نے شادی بیاہ، خرید و فروخت کی پابندی کا ذکر کیا ہے۔ ابن سید الناس، صاحب عیون الاثر کے بیان کے مطابق مقاطعہ میں شادی بیاہ، خرید و فروخت کے علاوہ قریش نے یہ بھی طے کیا کہ ان کی طرف سے کبھی صلح کو قبول نہ کیا جائے گا۔ اور نہ کسی قسم کی نرمی اور مہربانی کا سلوک بنو ہاشم سے روا رکھا جائے گا۔ علامہ برہان الدین الحلبی نے اپنی سیرۃ میں لکھا ہے کہ یہ بھی طے کیا کہ بنو ہاشم کو بازاروں میں آنے سے روکا جائے گا اور تاریخ زہبی میں یہ اضافہ بھی ہے کہ بنو ہاشم کو قریش اپنے محلوں میں نہ بٹھائیں گے۔ یہ ہے قرار دادِ قریش کا خلاصہ۔ اس کو دیکھ لیجئے۔ روایات میں کہیں یہ ذکر نہیں ہوا کہ قریش نے بنو ہاشم کو مکہ سے نکل جانے اور رہائش گاہوں سے بے دخل ہو جانے کو کہا ہو۔ کسی مؤرخ نے یہ بھی نہیں لکھا کہ بنو ہاشم کو درہ میں نظر بند یا محصور کرنے کی بابت طے کیا تھا۔ ظاہر ہے اس قسم کی کوئی چیز نہیں طے کی گئی کیونکہ

(الف) قید و نظر بندی اور وہ بھی پورے خاندان کی! عرب میں قطعاً ایک غیر معروف چیز تھی اور اس کی کوئی مثال پہلے موجود نہیں تھی۔

(ب) مذکورۃ الصدر پابندیوں نے معاشی اور معاشرتی دونوں اعتبار سے بنو ہاشم کو بے دست و پا، سب سے الگ اور مجبور کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے معاہدہ میں محصوری یا نظر بندی کی کوئی قرار داد نہیں رکھی اور یہ بالکل سیدھی سی بات ہے کہ اگر واقعی نظر بندی اور محصوری ہی مقصود تھی جیسا کہ ہمارے اکثر مورخین بیان کرتے ہیں تو معاہدہ میں اتنا ہی ذکر کافی تھا "بنو ہاشم کو فلاں جگہ محصور کیا جاتا ہے"۔ آخر دوسری پابندیوں کو لگانے میں کیا تُک تھی؟ اگر ایک شخص محصور و نظر بند ہو گا تو آپ سے آپ شادی، بیاہ، خرید و فروخت، صلح و جنگ اور ملنے جلنے یا بازاروں میں حاضر ہونے کے راستے مسدود اور ہر قسم کے تعلقات دوسروں سے منقطع ہو جائیں گے۔

(ج) قریش کو اپنی مذہبی سیادت کے باوجود (جس میں بنو ہاشم بھی برابر کے شریک تھے) کوئی ایسی قوتِ قاہرہ حاصل نہ تھی اور نہ مکہ میں کوئی ایسی مرکزی قوت پائی جاتی تھی جو بنو ہاشم یا کسی بھی خاندان کو من حیث المجموع اپنی موروثی جگہ سے بے دخل کر سکے، اس لیے قریشِ مکہ کی طرف سے بنو ہاشم کو جلا وطن کرنے، مکہ سے باہر نکالنے یا شعب میں محصور و نظر بند کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور شعب ابی طالب کی جائے وقوع کے تعین کے بعد تو یہ امر بالکل ظنی اور قیاسی بن جاتا ہے۔ اب اس کا ایک دوسرا پہلو اور دیکھ لیجئے۔ وہ یہ کہ قریش نے تو بنو ہاشم

کو شعب ابی طالب میں محصور نہ کیا اور نظر بند ہو جانے پر مجبور کیا، لیکن بنو ہاشم نے ڈر کر مکّہ کی سکونت خود ترک کر دی اور مع خاندان شعب میں جا کر محصور ہو گئے۔ اس توجیہہ کو بعض مورخین اور سیرۃ نگاروں نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ بیان کیا ہے کہ اطلاقِ مقاطعہ کے بعد ابوطالب نے اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور ان کو ساتھ لے کر شعب میں چلے گئے۔ یہ شکل بھی متعدد وجوہ سے سخت محلِ نظر ہے :۔

(۱) اس معاہدہ کو جن حالات میں نافذ کیا گیا تھا وہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے علاوہ ابوطالب بھی عزم و حوصلہ اور صبر و استقلال کا مظاہرہ کر رہے تھے اور آپؐ کے دشمنوں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرتے تھے۔ چنانچہ مذکورہ مقاطعہ کے بعد انہوں نے ان صاف لفظوں میں قریش کا چیلنج قبول کیا تھا کہ "ہاں ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس وقت تمہارے حوالے کر دیں گے جب ہم سب کٹ کر مر جائیں گے"۔ کیا یہ الفاظ اس کی بے خوفی، جراًت و ہمت پر دلالت نہیں کرتے؟ یوں بھی ایک بزدل، ڈرپوک اور کم ہمت آدمی جانتے بوجھتے تمام قریش کی مخالفت مول نہیں لے سکتا تھا۔ ابوطالب اپنے خاندان کے خلاف دوسرے خاندانوں کے مخالفانہ اتحاد سے ذرا نہ گھبرائے اور اپنے بھتیجے کی خاطر پوری پامردی سے آفات و مصائب کے مقابلے میں سینہ سپر ہو گئے۔ ایسے نڈر، بے باک آدمی اور صاحبِ حمیت و غیرت سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ معاً ڈر کر اپنے مکانوں کو خیرباد کہہ کر مکّے سے نکل جائے گا یا اپنے آپ کو ڈر کر از خود محصور کرے گا۔ علاوہ ازیں اپنے جس بھتیجے کی حمایت و حفاظت علی الاعلان کرتا رہا ہے اب شدائد کا سامنا ہوتے ہی پست ہمتی کا شکار ہو جائے گا اور اپنے بھتیجے سمیت دشمنوں کی نظروں سے دُور چلا جائے گا۔ کیا یہ باتیں قرینِ قیاس ہیں؟

(۲) ابوطالب کے علاوہ دوسرے اہلِ خاندان اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سب ہی مقاطعہ کا شکار تھے۔ اب ذرا اس پہلو پر غور کیجیے۔ کیا ایک برحق نبی اور پیغمبرِ آخر الزماں ہوتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتلاء اور آزمائش سے بچ کر شعب میں محصور ہو جانے کو گوارا کر سکتے تھے۔ حالانکہ گزشتہ چھ سال سے آپؐ برابر آزمائش کی بھٹی میں تپائے جا رہے تھے؟ لیکن ان تمام صعوبتوں اور مخالفتوں کے علی الرغم آپؐ نے کسی قسم کی عافیت تلاش کرنے کی بجائے اپنے چچا ابوطالب کی حمایت کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ ایسے صاحبِ عزیمت نبی سے یہ توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی کہ اپنے آپ کو "قتل" سے بچانے کے لیے شہر سے دُور ایک گھاٹی میں جا کر محصور ہو جائیں گے۔

اور ایک انتہائی اہم پہلو یہ غور طلب ہے کہ اگر بالفرض ہم ان تمام حضرات کو شعب میں محصور مان بھی لیں تو ایک اور پیچیدگی یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ کیا اس دور ان کارِ نبوّت موقوف رہا؟ ایک ایسے دُور دراز مقام پر جہاں باہر نکلنے کا کوئی موقع نہ ہو اور جہاں اپنے خاندان والوں کے سوا (جن کو وہ کئی بار دعوتِ اسلام دے چکے تھے) کوئی اور آبادی نہ تھی، آپؐ دعوت و تبلیغ کا فریضہ کیونکر ادا کر سکتے تھے؟ حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس پورے عرصے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل دعوت و تبلیغ میں منہمک رہے۔ ادھر وحی کا نزول بھی ہوتا رہا۔ چنانچہ ابن ہشام کے بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ متعدد آیات کا نزول اسی عرصہ میں ہوا۔ مثلاً ابولہب، اس کی بیوی، امیہ بن خلف بن وہب، عاص بن وائل، ابوجہل، اخنس بن شریق ثقفی، ولید بن مغیرہ، ابی بن خلف، نضر بن الحارث وغیرہ کفار و مشرکین کے کردار پر بطورِ خاص روشنی ڈالنے والی آیات جو سورۃ لہب، ہمزہ، مریم، کافرون، فرقان، انبیاء وغیرہ آئی ہیں، اسی دور کی ہیں۔ مزید برآں آپؐ مختلف قبائل میں دعوت و تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور خصوصاً دورانِ حج آپؐ اس فریضہ کو بڑے پیمانے پر انجام فرمایا کرتے تھے۔ حج کا موقع اس لحاظ سے بھی بہت اہم تھا کہ خاندان بنو ہاشم کے افراد اسی موسم میں جو کچھ خرید و فروخت اور معاملت کر لیتے تھے، کر لیتے تھے ورنہ پھر دوسرے ایام ان کو باہر کے

تاجر و خریدار آسانی سے نہیں مل سکتے تھے۔

ان حقائق کی روشنی میں ہم بڑے اطمینان سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ شعبِ ابی طالب میں حضورؐ اور دیگر خاندانِ بنو ہاشم کی محصوری و نظربندی کا واقعہ محض ظنی اور قیاسی ہے۔ اصل نوعیت یہ ہے کہ یہ معاشی اور معاشرتی اعتبار سے ایک خاندانی مقاطعہ تھا، اس سے زیادہ نہیں۔ صورت اس مقاطعہ کی رو سے نہ تو محصوری لازم آتی ہے نہ نظربندی اور نہ یہ بات کہ محصورین شعب سے باہر نہیں نکل سکتے تھے جیسا کہ مورخین کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ وہ تمام پابندیاں جن کا ذکر ہم اصحابِ سیر کے واسطے سے کر چکے ہیں، عملاً دو قسم کے تعلق کا انقطاع ثابت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک معاشرتی ہے جس میں شادی بیاہ، صلح، نرمی و مہربانی اور مجلس میں آنے جانے کی پابندیاں شامل ہیں۔ اور دوسرا معاشی ہے جس کے ضمن میں خرید و فروخت اور بازاروں کی آنے جانے کی ممانعت اور روک ٹوک آجاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں قسم کی پابندیاں اور معاشی و معاشرتی ترکِ تعلق بنو ہاشم کی سماجی و معاشی زندگی کو مفلوج کرنے کے لیے کافی تھا۔ ان میں سے بھی اوّل الذکر معاشرتی مقاطعہ کسی نہ کسی صورت میں قابلِ برداشت ہو سکتا تھا لیکن معاشی بائیکاٹ کی شکل میں زندگی گزارنا ناممکن سا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مکہ کی آبادی تجارت پیشہ تھی اور اس کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل لین دین اور تجارت ہی سے ممکن تھی۔ اس ذریعہ پر بھی پابندی لگ جانا سخت اذیت ناک تھا کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست زندگی کے قیام و بقا سے ہے۔ اس لیے یہ پابندی بنو ہاشم پر انتہائی گراں گزری اور انہوں نے مجبور ہو کر درخت کے پتے حتیٰ کہ چمڑہ تک بھگو کر اور بھون کر کھایا۔ شدید بھوک کی بنا پر ہی بچے بلک بلک کر روتے تھے۔ اس پورے عرصے میں صرف دو ذریعے ایسے رہ گئے تھے جن سے کچھ عرصے کے لیے کام چل جاتا تھا۔ ایک تو موسمِ حج اور دوسرے پوشیدہ طور پر جو تھوڑا بہت سامان بعض لوگ پہنچا دیا کرتے تھے۔ کفارِ قریش اس بات پر کڑی نظر رکھتے تھے کہ شریکِ معاہدہ قبائل کا کوئی فرد معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کرنے پائے اور سچی بات تو یہ ہے کہ معاہدہ سے زیادہ انہیں اس بات کا خیال تھا کہ جو تکلیف اور جس حد تک وہ خاندانِ بنو ہاشم کو مع رسولؐ اللہ کے پہنچانا چاہتے تھے اس میں کسی قسم کی کمی نہ ہونے پائے بلکہ اضافہ ہی ہوتا رہے، اس لیے ان کے نزدیک اصل مسئلہ یہ نہیں تھا کہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہے یا نہیں اصل مسئلہ یہ تھا کہ حضورؐ اور آپؐ کے متعلقین کو کسی طرف سے کوئی سہولت یا امداد تو نہیں مل رہی ہے جو اس کی تابِ مقاومت کو دراز کر دے۔ چنانچہ اس ضمن میں بعض بڑے دلچسپ واقعات بھی ملتے ہیں، مثلاً ایک مرتبہ حکیم بن حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ (جن کا مکان حرم سے انتہائی قریب واقع تھا) کے پاس اونٹ پر غلہ لادے جا رہے تھے۔ ابوجہل نے روکا۔ اتنے میں ابو البختری وہاں آیا اور اس نے ابوجہل سے پوچھا کیا بات ہے۔ ابو البختری نے کہا اس کی پھوپھی کے گیہوں اس کے پاس رکھے تھے، اس نے اپنے گیہوں منگائے ہیں۔ یہ لیے جاتا تیرا کیا حرج ہے اس کو جانے دے ابوجہل نے انکار کیا۔ یہاں تک کہ ابو البختری اور ابوجہل میں سخت کلامی کے بعد زد و کوب کی نوبت پہنچی۔ ابو البختری نے ابوجہل کے اونٹ (جس پر وہ سوار تھا) کی گردن پکڑ کر مروڑ ڈالی اور ایسا جھٹکا دیا کہ اونٹ بیٹھ جائے۔ پھر ابوجہل کی گدی پکڑ کر کھینچ لیا اور اس کے سر پر ایسی ضرب لگائی جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر اس کو اپنے پیروں اور لاتوں سے خوب روندا اور حمزہ بن عبدالمطلب پاس کھڑے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر ابوجہل اور بھی اندوہناک ہوا۔ یہ واقعہ مندرجہ ذیل حقائق سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔

۱۔ خاندانِ بنو ہاشم کے افراد پر قریش کی طرف سے سخت کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔

۲۔ کچھ ایسے لوگ موجود تھے جن کے دلوں میں ہمدردی، انسانیت اور جذبہ موجود تھا اور جو حق کے لیے عملی اقدام کر سکتے تھے۔

۳۔ ان پابندیوں کو مکّہ کے تمام شہری پسندیدہ نظر سے نہ دیکھتے تھے۔

۴۔ شعبِ مکّہ سے باہر مقام نہ تھا۔ حضرت حمزہؓ کے پاس کھڑے ہونے کا کیا مطلب تھا؟

——— (۵) ———

اب ہم آخری مسئلہ کو لیں گے یعنی یہ کہ مقاطعہ کیسے ختم ہوا۔؟ اس سلسلے میں عموماً دو صورتیں بتائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ قدرتِ خداوندی سے اس تحریری معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی۔ اور دوسری یہ کہ مکّہ کے چند بہادر اور غیرت مند افراد کی کوششوں سے یہ عہد نامہ چاک ہو کر ختم ہوا۔

عہد نامہ کو دیمک کا چاٹ لینا قدرتِ خداوندی کی دلیل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا کھلا ثبوت ہے۔ ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ اس کی اطلاع جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو دی تو وہ قریش کے پاس آئے اور کہا: "اے گروہِ قریش میرے بھتیجے نے ایسا ایسا کہا ہے۔ پس تم اپنے عہد نامہ کو دیکھو۔ اگر واقعی اس کی یہی صورت ہو تو لازم ہے کہ تم اپنے ظلم وستم سے جو ہم پر تم نے کر رکھا ہے باز آجاؤ۔ اور اگر بھتیجے کا کہا غلط ہوا تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔" قریش اس بات پر راضی ہو گئے۔ جا کر دیکھا تو ویسا ہی پایا جیسا کہ حضورؐ نے مطلع کیا تھا۔ اس طرح یہ عہد نامہ ختم ہو گیا۔

اب دوسری روایت کو دیکھیے۔ قریش جو مظالم خاندانِ بنو ہاشم پر ڈھا رہے تھے ان کو دیکھ کر خود قریش میں سے بعض لوگوں کے دل بالآخر پسیج گئے۔ ان سے بنو ہاشم کی تکلیف نہ دیکھی گئی اور انہوں نے اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا اپنے ضمیر کا تقاضا سمجھا۔ چنانچہ ابوالبختری ابوجہل کے پاس پہنچا اور اس سے یہ مقاطعہ ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ جن لوگوں نے اس ظلم و تشدد کے خلاف آواز بلند کی اور سراپا احتجاج بن گئے، وہ مندرجہ ذیل پانچ آدمی تھے:

۱ ——— ہشام بن عمرو (بنو عامر سے)

۲ ——— زہیر بن ابی امیہ (بنو مخزوم سے)

۳ ——— مطعم بن عدی (بنو نوفل سے)

۴ ——— ابوالبختری }

اور ۵ ——— زمعہ بن الاسود } (بنو اسد سے)

ہشام کا باپ عمرو اور نضلہ بن ہشام دونوں ایک ماں سے تھے۔ اس سبب سے اس کو بنی ہاشم سے محبت تھی اور اپنی قوم میں بڑی عزت و وقعت رکھتا تھا۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس کی مدح بھی لکھی۔ مقاطعہ مذکورہ کے دوران اس نے یہ وطیرہ بنا لیا تھا کہ رات کے وقت اونٹ پر گیہوں بار کر کے بنی ہاشم کو پہنچا دیتا تھا اور بنی ہاشم اونٹ پر سے گیہوں اُتار کر اونٹ واپس کر دیتے تھے۔ یہ پھر لاد کر پہنچا دیتا تھا۔ زہیر ابنِ امیہ کی ماں عاتکہ بنت عبدالمطلب تھی اور ابوطالب اس کے ماموں تھے۔ یہ بھی بعد کو اسلام لے آیا تھا۔

مطعم بن عدی مکّہ کا مشہور و معزز آدمی تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف سے واپس ہوئے ہیں تو اسی مطعم نے آپؐ کو اپنی پناہ میں لیا تھا۔ وہ کافر ہی مرا۔ اس کی موت پر حضرت حسان بن ثابتؓ نے مقاطعہ کو ختم کرانے میں اس کی کوشش اور دوسری خوبیوں پر ایک مرثیہ میں بہت تعریف کی ہے۔ چند اشعار قابلِ ذکر ہیں:

ولو ان مجداً اخلد الدھر و احدا   من الناس ابقیٰ مجدہ الدھر مطعما

لہ یعنی یہ کہ صحیفہ کو کیڑوں نے کھا لیا ہے اور صرف جہاں خدا کا نام ہے چھوڑ دیا ہے۔ بحوالہ اصح السیر از عبدالرؤف دانا پوری (ادارہ)

فما تطلع الشمس المنيرة فوقهم على مثله منهم اعز و اکرما
اباء اذا يابٰى و اکرم شيمة و نوم عن جار اذا الليل اظلما[1]

(اگر کسی شخص کو مجد کی بدولت ہمیشہ کی زندگی ملنا ممکن ہوتی تو مطعم کے ساتھ ایسا ہی ہوتا۔ سورج جب ان لوگوں پر طلوع ہوتا ہے تو مطعم سے بڑھ کر معزز و مکرم شخص نہیں دیکھتا۔ وہ خوددار و با اخلاق ہے اور رات کی تاریکی میں اس کی طرف سے مامون ہوتے ہیں)

ابوالبختری اور ذمعہ بھی معاشرہ کے معزز افراد اور بنو اسد کے روساٗ میں سے تھے۔ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان پانچوں اشخاص میں سے کس نے پہل کی اور نقض صحیفہ کے لیے دوسروں کو آمادہ کیا۔ بعض کہتے ہیں زہیر پہلا آدمی تھا جس نے آواز بلند کی، لیکن زیادہ تر اصحاب اولیت ہشام بن عمرو کو دیتے ہیں۔ چنانچہ ابن ہشام، ابن سید الناس اور صاحب الدرر نے یہی لکھا ہے۔ ابن ہشام لکھتا ہے کہ پہلے ہشام زہیر کے پاس گیا اور اس سے کہا "اے زہیر! کیا تو اس بات سے خوش ہے کہ تو ہر قسم کے کھانے کھائے، کپڑے پہنے اور شادی بیاہ کرے، لیکن تیرے ماموں یعنی بنی مطلب کسی چیز کی نہ تو خرید و فروخت کر سکیں اور نہ شادی بیاہ"! اصل الفاظ یہ ہیں "یازهیر اقد رضيت ان تاكل الطعام و تلبس الثياب و تنكح النساء واخوالك حيث قد علمت لا يباعون و يتباع منهم و لا ينكحون اليهم"۔

غرض باری باری دوسرے لوگ بھی اس مہم کے لیے تیار ہو گئے۔ اور اس طرح ان پانچوں آدمیوں نے نقض صحیفہ کے لیے جدوجہد کی۔ ممکن ہے بنو ہاشم کی محبت نے ہشام کو اس کار خیر کے لیے آمادہ کیا ہو۔ اسی طرح زہیر کو خونی رشتے نے آواز اٹھانے پر مجبور کیا ہو۔ باقی دوسرے لوگ ممکن ہے اس نقطۂ نظر سے شریک کار ہو گئے ہوں کہ قریش کو بنو ہاشم کے خلاف متحد ہو کر تجارتی اجارہ داری حاصل ہو گئی تھی، اور یوں بعض خاندان مسلسل اپنی پوزیشن کو مستحکم کر رہے تھے جب کہ یہ افراد اپنے خاندانوں کو نظر انداز کیے جانے کا احساس رکھتے ہوں گے، ورنہ کم از کم مظلوم سے ہمدردی اور احساس قومیت تو ان میں ضرور موجود تھی جس کی وجہ سے انہوں نے مقاطعہ سے برأت ظاہر کی۔

بہرحال پانچوں اشخاص مل کر دوسرے دن حرم میں گئے اور اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ چنانچہ زہیر نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ "اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے کہ ہم آرام سے بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو؟ خدا کی قسم! جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا۔" ابوجہل قریب سے بولا "اس معاہدہ کو ہرگز کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا"! ذمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے۔ جب یہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے۔ غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر دی۔

مختصر یہ کہ ان دونوں اسباب میں سے کسی ایک یا دونوں اسباب یعنی قدرت خداوندی سے اور چند جیالے بہادروں کی ہمدردانہ سعی کی بدولت اس معاہدۂ نامرضیہ کا خاتمہ ہو گیا اور یوں آپؐ اور بنو ہاشم پر سے معاشرتی و معاشی ساری پابندیاں تار عنکبوت کی طرح منقطع ہو گئیں۔ اس طرح ایک مرتبہ پھر بنو ہاشم مکہ کی مذہبی و سماجی زندگی میں تازہ خون بن کر دوڑنے لگے۔ تحریک اسلامی کو دبانے اور مٹانے کی یہ گہری سازش ناکام ہو گئی اور جن مقاصد کی خاطر قریش نے یہ مقاطعہ کیا تھا پورے نہ ہو سکے۔ خصوصاً ان کا یہ اندازہ قطعاً غلط ثابت ہوا کہ شدائد سے گھبرا کر بنو ہاشم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے پیش کر دیں گے۔ غرض ساری کافرانہ سیاست اپنے تمام کر و فر کے ساتھ باب شکست میں داخل ہوئی۔

خدا نے سچ کہا ہے۔ ومكروا ومكر الله والله خير الماكرين۔

---

[1] دیوان حسان بن ثابت

تقابلِ تقویمین

حکیم محمد یحییٰ خاں شفا

شمس و قمر کی تخلیق میں، خالق ارض و سماوات (جلت عظمتہٗ) نے عالم خلق و امر کے بعض مخصوص و متعین مقاصد کی تکمیل کا اہتمام فرمایا ہے اور اپنی حکمت بالغہ سے دونوں کے دوائرِ عمل و اثر کو جداگانہ اور امتیازی حیثیت بخشی ہے۔ شمسی نظام (SOLAR SYSTEM) اپنی کہکشاں، اس کے کواکب و نجوم وغیرہ سمیت اپنے مفوضہ مقاصد کی تحصیل کے لیے حیرت انگیز نظم و ترتیب کے ساتھ متحرک ہے۔ اسی طرح قمری نظام (LUNAR SYSTEM) بھی اپنے فریضہ کی ادائی میں باقاعدگی اور تنظیم سے مصروفِ عمل ہے اور یوں خالق کائنات کے یہ دونوں کارندے خلق و امر کے سلسلے میں اپنی اپنی ذمہ داریاں حسنِ اسلوب سے انجام دیتے چلے آتے ہیں۔ یہ سنۃ اللہ ہے۔ جو ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ اس میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں ہے اور اگر اس میں تحول و تقلب واقع ہو جائے تو پوری کائنات کا نظم درہم برہم ہو سکتا ہے۔

البتہ شمسی اور قمری نظاموں کے عمل و اثر سے کرۂ ارض اور اس کے مشمولات جس تحول و تغیر سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ وہ حیات و کائنات کی باہمی تطبیق و توافق کا فطری عمل ہے۔ جس کے ذریعہ باریٔ فطرت (عزاسمہٗ) کی مشیئت ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور کون و فساد کی یہ دنیا اپنا طبیعی سفر جاری رکھتی ہے۔

سورج اور چاند اس نظام کے محور ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکمت میں اپنا اپنا کردار (ROLE) کسی ادنیٰ لغزش کے بغیر ادا کرتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کی سورۂ یونس کی پانچویں آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَالْقَمَرَ	وہی ذات ہے جس نے سورج کو ضیا اور چاند کو نور
نُوراً وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ	بنایا ہے اور پھر اسے منزلوں میں بانٹ دیا تاکہ تم
وَالْحِسَابَ ۝	ماہ و سال کی گنتی اور حساب جان لو۔

اس ارشاد صداقت بنیاد سے واضح ہوتا ہے۔ کہ یہ کائنات اور اس کے دور دور تک بکھرے ہوئے بے حد و حساب مظاہر و عوالم اپنے آپ کچھ یونہی پیدا نہیں ہو گئے اور ان کا وجود و شہود کسی اتفاق یا مصادفہ کا کرشمہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی مشیئت (WILL & DESIGN) اس کی خاص تخلیقی حکمت اور تکوینی مقصدیت کارفرما ہے جو بے مثال تدبیر و تدبر اور ناقابل انکار نظم و انضباط سے انھیں وجود و حیات کی منزلیں طے کرا رہی ہے۔ ارشاد ہوا ملاحظہ ہو اسی آیت کا اگلا ٹکڑا:۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ	اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق تدبیر و حکمت کے ساتھ کی

الآیات لقوم یعلمون ہے وہ اپنی نشانیاں جاننے سمجھنے والوں پر کھول دیتا ہے۔

یہی نہیں کہ اجرام سماوی اور ان کے مظاہر و توابع نیز ان کے مضمرات و ممکنات اللہ تعالیٰ کی ارادی تخلیق ہیں۔ بلکہ ان میں اس کی ذات کے وجوب پر کھلی کھلی نشانیاں بھی موجود ہیں ۔

وفی کل شئی لہ آیۃ تدل علی انہ واحد

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

فلکیات اور ہیئت (ASTROLOGY) کے علم و فن کی اساس یہی آیت ہے۔ اس کے چند کلمات میں شمسی و قمری نظام مواقیت کی صورت اور غایت بلکہ فلسفیانہ اصطلاح میں ان کی پوری علل اربعہ بیان کر دی گئی ہیں اور یہی آیت آگے چل کر اسلامی علما و حکما (MUSLIM SCHOLERS) کے لیے علم النجوم، علم الہئیت، علم الافلاک اور ان کے متعلقہ علوم و فنون کو مدون کرنے اور فروغ دینے۔ مزید براں عظیم الشان رصدگاہیں۔ یادگار تاریخی زیچیں اور حیرت افروز اصطرلابیں اور ہمہ قسم بیسیوں چیزیں ایجاد و تعمیر کرنے کی محرک ثابت ہوئی۔

اسی سلسلۂ بیان میں اگلی آیت میں ایک اور آفاقی نکتے کی وضاحت فرمائی گئی ہے :

ان فی اختلاف الیل والنہار وما خلق اللہ فی السموات والارض لآیات لقوم یتقون ۵

البتہ رات اور دن کے اختلاف ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں اور آسمانوں و زمینوں میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس میں خدا سے ڈرنے اور برائیوں سے بچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

سورج اور چاند کے طلوع و غروب، ان کی منازل سفر، ان کی رفتار و گردار اور ان کے تدریج و تحول سے رات اور دن کے پیدا ہونے، پھر زمین و آسمان کی وسعتوں اور پہنائیوں میں اللہ تعالیٰ کی گوناگوں تخلیقات سے نہ صرف یہ کہ کرۂ ارض پر انسانوں کے ماہ و سال کا حساب اور ماضی و مابقی کا اندازہ لگتا ہے۔ بلکہ اس میں متقی اور پاکباز لوگوں کے لیے بولتی ہوئی واضح دلیلیں ہیں۔

سورج کو ضیا اور چاند کو نور قرار دینے میں کردگار عالم و عالمیان کی تکوینی قدرت و حکمت پر مفسرین کرام اور فلاسفۂ اسلام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن وہ ہمارے موضوع گفتگو سے خارج ہے۔ اس لئے ان نکات کی دلچسپی اور عرفان آموزی کے باوصف فی الوقت ہم ان سے صرف نظر کرتے ہیں۔ البتہ چاند کی مقررہ منازل اور نظام مواقیت سے تعلق رکھنے والے دوسرے اہم امور پر روشنی ڈالنا ضروری ہے کہ ان کا ہمارے موضوع کے ساتھ گہرا رابطہ ہے۔

سورۂ برأت کی چھتیسویں آیت:

ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھراً فی کتاب اللہ یوم خلق السموٰت والارض منھا اربعۃ حرم، ذالک الدین

مہینوں کی گنتی اللہ کے ہاں بارہ ہے جو اس نے لکھ رکھی ہے اسی دن سے جب کہ زمین اور آسمان پیدا کئے گئے تھے ان میں چار حرمت والے ہیں اور یہی سیدھا

القیم فلا تظلموا فیھن انفسکم ۰ وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ ط واعلموا ان اللہ مع المتقین ۰

دین ہے پس ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ اور مشرکین سے ہر حال میں لڑو جیسا کہ وہ تم سے ہر حال میں لڑتے ہیں اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ شعاروں کا ساتھی ہے۔

سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش ہی سے سال کے بارہ مہینے مقرر فرما دیے تھے۔ تحویل آفتاب اور منازل قمر اور سیاروں کی گردش سے زمین و آسمان کی تخلیق کے روز اول ہی سے (جیسا کہ مذکورہ فوق دونوں آیتوں سے متبادر ہے) تغیر و تحول کا ایک متعین نہج قائم ہوا۔ اس سے واضح طور پر سورج کے ایک دورانیہ میں چاند کے غرہ اور سلخ تک کی بارہ منزلیں وجود میں آئیں آفتاب کا تحول عام طور پر محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ ماہتاب کی سیر (چال) سریع اور واضح طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔ اسی بنا پر منازل کا تقرر و تعین بھی اسی کے ساتھ مقدر کیا گیا۔ سورج کی تحویل سے شہر کی تحقیق ہوتی ہے۔ جبکہ چاند کی مسافت سے شہر مُوّار ہوتا ہے۔ غرہ کی ساعت سے ہلال مترقی ہو کر چودہ دن رات میں بدر کامل یا ماہِ تمام بنتا ہے اور پھر اگلے چودہ رات دن میں متنزل ہوتے ہوتے اٹھائیسویں شب کو منسلخ ہو جاتا ہے۔ اور یوں اس کی ایک منزل شہر بن جاتی ہے جس کا مفہوم ظہور قمر ہے جس طرح سورج کے طلوع و غروب سے دن تشکیل پاتا ہے اسی طرح چاند کے ظہور و غروب سے مہینہ وجود میں آتا ہے یہ صورتِ احوال آغاز عالم سے یونہی چلی آتی ہے اور اقوامِ عالم کو انبیاء و رسل اور ان کے الہامی صحف کے توسط سے اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کی مختلف قوموں میں سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے چار ہفتے عموماً پائے جاتے ہیں مہینے کا چار ہفتوں پر مشتمل ہونا اس امر کا واضح قرینہ ہے کہ بدو دہر ہی سے اعداد سن، شمار ماہ و سال کی اساس قمری مواقیت پر استوار کی گئی ہے

قرآن پاک بھی اس نکتہ پر واضح رہنمائی پیش کرتا ہے:

ویسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج ۰

آپ سے چاند کے ظہور و غروب کی بابت پوچھتے ہیں! فرما دیجئے کہ یہ لوگوں کے واسطے نظام اوقات اور تقویم ہے حج کے لیے بھی۔

مفسرین کا بیان ہے کہ حضرت معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ یا نبی اللہ یہ جو چاند پہلی تاریخ کو ایک دھاگے جتنا ہوتا ہے اور بڑھتے بڑھتے چودھویں شب تک کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر گھٹنے لگتا اور اگلے چودہ دنوں میں گھٹتے گھٹتے پھر دھاگے جیسا ہو کر غائب ہو جاتا ہے۔ آخر اس میں کیا حکمت ہے؟ اس پر یہ آیت اتری اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ ھی مواقیت للناس والحج، کہ یہ چاند کا بڑھنا گھٹنا لوگوں کے لئے فطری تقویم کا حکم رکھتا ہے۔ اس سے وہ ساری دنیا میں اپنے اوقات کا نظام مرتب کر سکتے ہیں۔ تاریخوں اور دنوں کا حساب لگا سکتے اور سب سے اہم معاشی، معاشرتی اور اجتماعی تقریب حج میں شمولیت و شرکت کا بندوبست کر سکتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے بھی قمری نظام مواقیت کی فطری نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔ منازل قمر کے صعود و ہبوط سے جہاں ارضی ماحول

اور اس کی کیفیات پر اثر پڑتا ہے۔ وہاں سماوی تحولات اور اجرام فلکی کے سیر و سفر سے بھی انسانی جسد و روح اور ان کے داعیات متاثر و منفعل ہوتے ہیں اس لئے منازل قمر سے آگاہی کے ساتھ ساتھ فلکیات کے مفتشین نے ان کی رفتار و کردار کے مؤثرات کو بھی منضبط کرنے کی کوششیں کی ہیں چنانچہ بارہ مہینوں کی مناسبت سے بُرج دوازدہ کی تعیین کی گئی اور فضائے آسمانی میں اجرام کے اجتماع و قیام کا جائزہ لے کر ان کی ہیئت و حیز کی مشابہت کی بنا پر انھیں تعارفی نام دیے ہیں۔ مثلاً:-

۱- حمل	۴- سرطان	۷- میزان	۱۰- جدی
۲- ثور	۵- اسد	۸- عقرب	۱۱- دلو
۳- جوزا	۶- سنبلہ	۹- قوس	۱۲- حوت

مختلف قوموں اور زبانوں میں ان بروج اور ان کے توابع وغیرہ کے لیے الگ الگ نام ہیں اور بعض حالتوں میں وجوہ تسمیہ بھی مختلف ہیں تاہم تعداد ہر جگہ بارہ ہی ہے۔

بُرج دوازدہ گانہ کے تذکرہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہم معروف تقویموں کے بارہ مہینوں کی ایک جدول پیش کر دیں غالباً یہ وضاحت چنداں ضروری نہیں ہے کہ قمری تقویم کے علاوہ شمسی تقویم، بلکہ مخلوط شمسی قمری تقویم میں بھی مہینوں کا شمار بارہ ہی ہے:

جدول شہور سنین شمسی، قمری متداولہ

شمارہ	بروج	قمری، ہجری	شمسی میلادی	شمسی قمری ایرانی	شمسی قمری قبطی ورومی	شمسی ہندی بکرمی
۱	جدی	محرم الحرام	جنوری	دے	کانون الثانی	ماگھ
۲	دلو	صفر المظفر	فروری	بہمن	شباط	پھاگن
۳	حوت	ربیع الاول	مارچ	اسفندار	آذار	چیت
۴	حمل	ربیع الثانی	اپریل	فروردین	نیسان	بیساکھ
۵	ثور	جمادالاولی	مئی	اردی بہشت	مایس - آیار	جیٹھ
۶	جوزا	جمادالاخریٰ	جون	خرداد	حزیران	اساڑھ
۷	سرطان	رجب المرجب	جولائی	تیر	تموز	ساون
۸	اسد	شعبان المعظم	اگست	مرداد	آب - مہرجان	کوار - اسوج
۹	سنبلہ	رمضان المبارک	ستمبر	شہریور	ایلول	کاتک
۱۰	میزان	شوال المکرم	اکتوبر	مہر	تشرین اوّل	اگھن
۱۱	عقرب	ذی قعدہ	نومبر	آبان	تشرین ثانی	مگھر
۱۲	قوس	ذوالحجہ	دسمبر	آذر	کانون اول	پوس

عرب جاہلیتہ میں بھی قدیم الایام سے یہی قمری سنین اور شہور مروج تھے۔ عربی مہینوں کی وجوہ تسمیہ بعض اعتبارات سے بڑی معنی خیز اور دلچسپ ہیں لیکن یہاں ان کی تفصیل، تطویل لاطائل کے حکم میں آتی ہے۔

نبینا محمدؐ سید الاولین والآخرین کی بعثت سے کم وبیش تین سو تین سو سال پہلے تک مہینوں کی وہی ترتیب قائم رہی جو شروع سے چلی آرہی تھی اور آج بھی برقرار ہے۔ لیکن اس زمانہ میں عرب جاہلیتہ نے اپنے بعض دوسرے قبیح و شنیع افعال و اطوار میں ایک اور خرابی کا اضافہ کیا۔ قرآن نے اسے زیادۃٌ فی الکفر کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ اور فرمایا: ۔

انما النسئ زیادۃٌ فی الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاماً ویحرمونه عاماً، لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ، فیحلوا ما حرم اللہ، زین لھم سوٓء اعمالھم، واللہ لا یھدی القوم الکافرین ۰

مہینوں کا اپنی جگہ سے آگے پیچھے کرنا، کفر کے زمانے کی بڑھائی ہوئی بات ہے، جس سے کافر گمراہ ہوتے ہیں۔ ایک برس اس مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور اگلے برس اسی مہینہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ تاکہ اللہ کی طرف سے ادب والے مہینوں کی گنتی پوری کر لیں۔ پس اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حلال کر لیتے ہیں۔ اچھے کر دیئے گئے ان کے برے کرتوت اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت کی راہ نہیں دکھاتا۔

عرب میں قدیم انبیاء کی تعلیم کے مطابق بارہ مہینوں میں سے چار مہینوں کو حرمت و ادب والے مہینے قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن اپنی خود سری اور انانیت کے باعث اشہر حرم کے ادب و احترام کو تسلیم کرنے کے باوجود، حسبِ ضرورت خود ہی ان مہینوں کو آگے پیچھے سرکا کر اپنی من مانیوں کا جواز پیدا کر لیتے تھے۔ لوٹ مار کا شوق چرایا۔ تو بھلے سے کوئی بھی ماہ حرام ہو، اسے پرے کر دیا اور یہ کہتے ہوئے کہ محرم نہیں صفر کا مہینہ ہے قتل و غارتگری کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ تغیرِ فصول اور ایسی ہی موقت ضرورتوں کی بنا پر، مہینوں کے اپنے مقام سے ہٹا دینے کا یہ خود پسندانہ مشغلہ عام ہونے لگا۔ تو انہوں نے اس میں ایک نام نہاد ضبط پیدا کر لیا۔

شروع میں تو نسئی شہور کا یہ فعلِ شنیع، بقول مشہور اسی عمرو بن لحی الخزاعی نے رواج دیا تھا۔ جس نے بیت اللہ کے مقدس احاطے میں لکڑی اور پتھر کے بتوں کی نجاست لا کے ڈالی تھی۔ یہ شخص فطرتاً بدعت پسند اور متجدد تھا۔ جب نسئ و تبدل کا یہ سلسلہ عام ہو گیا۔ تو بنو مالک بن کنانہ میں سے ایک شخص قلمس نے پہلی مرتبہ ایک عوامی میلے میں باقاعدہ اعلان کر کے مہینے کی تقدیم و تاخیر کا عمل کیا۔ اس نے اس اعلان نسئی کو ثقافتی اور فنی روپ رنگ دے کر عوام میں سنسنی پیدا کی اس کے بعد اس کا بیٹا عباد اسی طریق پر ہر سال اعلان نسئی کرتا رہا عباد کے بعد اس کا بیٹا قلع اور قلع کے بعد اس کا جانشین امیہ، پھر امیہ کے بعد اس کا فرزند عوف اور اس کے بعد عوف کا بیٹا ابو ثمامہ جنادہ یہ رسم انجام دیتا۔ بنو کنانہ نے اس جدت کو باضابطہ ایک ادارہ (INSTITUTION) بنا لیا اور یہ تمام نامبردہ حضرات اس ادارہ کے بانی و سرپرست کی حیثیت سے قلمس اول کے جانشین بن کر قلامسہ کے لقب سے ملقب ہوتے چلے آتے تھے۔

ان لوگوں نے اسے وجہ افتخار بنا لیا تھا اور موقع بے موقع کبر و تعلّی کرتے رہتے تھے۔ ان کے ایک شاعر عمیر بن قیس نے قبیلہ معد پر

اپنے احسانات جتاتے ہوئے چند اشعار کہے تھے (بقول بعض یہ اشعار کمیت کے ہیں) جن میں اُس نے کہا:

"ہم شریف لوگ ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد کریم تھے اور ہم نے انتقام لئے بغیر کسی کو نہیں چھوڑا۔ ہم نے ہمیشہ حریفوں کے منہ میں لگام دی ہے۔ ہم دہی تو ہیں۔ جو بنو معد کے لئے حلال مہینوں کو حرام اور حرام مہینوں کو حلال کر دیا کرتے تھے"

ایک اور شاعر نے کہا۔ ہمیں میں وہ شخص ہے۔ جو مہینوں کو مؤخر کر دیتا ہے۔ لوگ اس کے جھنڈے تلے چلتے ہیں اور وہ جب چاہتا ہے مہینوں کو حلال یا حرام کر دیتا ہے۔" ایک مصرعہ یہ ہے! ومنا ناسیٔ الشھر قلمس یعنی مہینوں کو مؤخر کرنے والا قلمس ہم میں سے تھا۔

ابن اسحٰق مغازی میں ابو ثمامہ جنادہ بن عوف الکنانی یعنی آخری قلمس کے بارہ میں تصریح کرتے ہیں کہ وہ جمرۃ العقبہ کے قریب ٹیلے پر کھڑا ہو جاتا۔ لوگ اس کے اردگرد اکٹھے ہو جاتے اور وہ بآواز بلند کہتا۔

"خدایا مجھے نہ تو عیب لگایا جا سکتا ہے۔ نہ گناہ کا الزام، جن امور کا تو نے فیصلہ کر دیا ہے انھیں کوئی رد نہیں کر سکتا تمہارے خداؤں نے محرم کو تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔ تم بھی اسے حلال سمجھو"

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اس کی توثیق کی ہے۔ کلبی کی روایت میں قلمس اول کا نام نعیم بن ثعلبہ بیان کیا گیا ہے۔

نسیٔ کے بھی مختلف اور متعدد طریقے اختیار کئے گئے تھے۔ کبھی محرم کو صفر سے اور صفر کو محرم سے بدل دیتے تھے۔ یوں ایک ہی مہینے کو ہٹا دینے سے کام بن جاتا تھا۔ اور کبھی دو صفر اور دو محرم اکٹھے کر لیتے تھے۔ حج کے موسم میں شمسی سال پورا کرنے کے لئے بعض اوقات دو ذوالحجہ قرار دے دیتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ تقدیم و تاخیر کے عمل سے سال کے پورے بارہ مہینے اپنی جگہ سے کھسک جاتے تھے۔ ذیل میں مہینوں کی تقدیم و تاخیر کا جدول پیش کیا جاتا ہے۔ نسیٔ مشہور کا جدول ملاحظہ ہو:

ذوالحجہ	محرم	سعفر	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ
محرم	صفر	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ	محرم
صفر	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ	محرم	صفر
ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	ستوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ	محرم	سعفر	ربیع ۱
ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ	محرم	صفر	ربیع ۱	ربیع ۲
جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ	محرم	صفر	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱
جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ	محرم	صفر	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲
رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ	محرم	صفر	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب
شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ	محرم	صفر	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان
رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ	محرم	صفر	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان
شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ	محرم	صفر	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال
ذی قعدہ	ذی الحجہ	محرم	صفر	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ
ذی الحجہ	محرم	صفر	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ

نسی کا یہ کھیل محض ذاتی اغراض اور قبائلی حمیت جاہلیہ کے تقاضے پورے کرنے کے لئے تین صدیوں سے زیادہ عرصے تک جاری رہا۔ لیکن آخر کار حجۃ الوداع (اسے حجۃ الاسلام اور حجۃ الکمال بھی کہتے ہیں) کے یادگار تاریخی موقعے پر یہ مذموم اور خود ساختہ رسم ہمیشہ ہمیشہ کے ختم کر دی گئی۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس موقع پر قرآن حکیم کی متعلقہ آیات کی تلاوت کے بعد ارشاد فرمایا تھا:-

وان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم — البتہ زمانہ گھوم پھر کر اسی دن کی شکل میں پھر آگیا ہے

خلق اللہ السماوات والارض۔ — جبکہ اللہ تعالےٰ نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے تھے۔

اس نبوی ارشاد کی توضیح و تشریح میں علما محققین نے بڑی بصیرت افروز باتیں لکھی ہیں مگر بالعموم اس کو نسی اور تحول و تغیر شہور تک ہی محدود سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ ادنیٰ سے غور و تامل پر یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ مہینوں کی تقدیم و تاخیر کی مذمت و مخالفت میں تو آیۂ قرآنی بالکل جامع اور حاوی تھی یہ فرمان واجب الاذعان اپنی معنویت اور اہمیت کے اعتبار سے نسبتاً زیادہ توجہ کا خواستگار ہے۔ اس کے جامع کلمات کا در و بست اس امر کا مقتضی ہے کہ اسے آیۂ عدۃ الشھور ۹: ۳۶ کی طرح، اس ازلی صداقت کا آئینہ دار سمجھا جائے کہ اس کا عطف تخلیق کائنات کے اولیں دن سے ہے۔ ان دونوں میں یوم خلق اللہ السماوٰت والارض کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس بنا پر یہ نکتہ واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مفہوم نسئ شہور کی غلط کاری تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ فرمان نبوی زمانے کی ہیئت اور اس کے دوران کے اشارہ سے نظام مواقیت اور تقویمی امور کی طرف خصوصی توجہ دلاتا ہے اس انداز سے اگر ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد پر غور کریں۔ تو ظاہر ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو قمری تقویم کی فطری نوعیت اور طبعی خصوصیت اپنانے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ اسلامی سن کی تعیین اور ہجری سال کی تقویم اختیار کرنے کا موجب و محرک بھی رسول اللہؐ کا یہی فرمان حقیقت بنیان تھا۔ ورنہ اس وقت ارد گرد کے ممالک اور خصوصیت سے قیصر و کسریٰ کی ترقی یافتہ انتظامی روایات سے متاثر ہو کر شمسی قمری تقویم کو اپنا لینا بہت ممکن تھا۔ لیکن حضرت علی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ایسے جلیل القدر صحابہ کبار اور ان کے رفقاء کار ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السمٰوات والارض کی ابدیت سے بخوبی آشنا تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے اور ہمارے سب کے آقا و مولا سید ولد آدم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق قمری تقویم پر ہی سنہ ہجری کو استوار کیا۔ فجزاھم اللہ عنا وعن سائر الامۃ۔ آمین۔

قمری تقویم کی فطری حیثیت کے باعث جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔ اس کا رواج آغاز عالم ہی سے ہو گیا تھا۔ اور دنیا کی مختلف قوموں نے پہلے پہل اسی حساب مہ و سال کو اپنایا تھا۔ بعد کے ادوار میں مختلف النوع محرکات کے زیر اثر دوسرے تقویمی حسابات کا رواج بھی شروع ہو گیا اور کئی قوموں اور ملکوں میں اپنے اپنے تعصبات و رجحانات کے مطابق اشخاص اور واقعات کی نسبت سے سالوں کا شمار ہونے لگا۔ اکثر نے اپنے دنیوی مصالح اور موسمی کیفیات کے پیش نظر شمسی تقویم کو، یا شمسی قمری مخلوط تقویم کو اپنا لیا۔ لیکن قمری نظام مواقیت پھر بھی کرۂ ارض کے متعدد خطوں میں مروج رہا۔

چاند کی رفتار اور دوران سیر زمین سے قربت اور فاصلہ کی بنا پر اس کا چکر کبھی ۳۰ دن میں پورا ہوتا ہے اور کبھی ۲۹ دن میں اسی وجہ سے قمری مہینے بھی کبھی تیس دن کے ہوتے ہیں اور کبھی ۲۹ دن کے۔ علمائے ہیئت کے مطابق زمین کے گرد چاند کے

پورے بارہ چکروں کی مجموعی مدت ۳۵۴، ۴۸ دن قرار پاتی ہے جبکہ شمسی سال کے دوران میں ۳۶۵، ۴۸ دن آتے ہیں۔ حساب دانوں نے ان کسور کو جمع کرکے ان دونوں تقویموں میں کبیسہ، لونڈیا LEAP کا قاعدہ وضع کیا جس سے قمری بارہ ماہ میں تیرھویں مہینہ کا اضافہ، اور شمسی سال کے مہینہ فروری میں ہر چار سال بعد ایک دن کی ایزادی کر لی جاتی ہے۔

چاند کو زمین کے گرد ½ ۲۹ دن میں اپنا چکر پورا کر لینا چاہیے لیکن خود زمین کی حرکت کی بنا پر یہ چکر ½ ۲۹ دن میں ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سورج کی حرکت محوری کی بنا پر اس کا سال بھی ¼ ۳۶۵ دنوں میں پورا ہو جاتا ہے۔ اس طرح جو تفاوت رونما ہوتا ہے۔ اس کو دور کرنے کی غرض سے کبیسہ کے قاعدہ پر عمل پیرا ہونے کے علاوہ اور کئی طریقے بھی استعمال کئے جاتے۔ تاہم ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

ہیئت دانوں نے قمری سالوں کو صغیر اور کبیر دو قسم کے ادوار میں تقسیم کر رکھا ہے۔ تیس قمری سالوں کا ایک دورۂ صغیرہ محسوب ہوتا ہے۔ اور سات ادوار صغیرہ یعنی ۲۱۰ قمری سال مل کر ایک دورۂ کبیرہ کو تشکیل دیتے ہیں۔

دورۂ صغیرہ کے دنوں کی مجموعی تعداد ۱۰۶۳۱ ہوتی ہے یعنی ۱۹ سال ۳۵۴ دن کے اور گیارہ سال ۳۵۵ دن کے شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح دورۂ کبیرہ ۷۴۴۱۷ دنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ادوار صغیرہ کی جدول ملاحظہ ہو۔

دورۂ صغیرہ	سنین قمری	تعداد ایام
۱	۳۰	۱۰۶۳۱
۲	۶۰	۲۱۲۶۲
۳	۹۰	۳۱۸۹۳
۴	۱۲۰	۴۲۵۲۴
۵	۱۵۰	۵۳۱۵۵
۶	۱۸۰	۶۳۷۸۶
۷	۲۱۰	۷۴۴۱۷

دورۂ کبیرہ کے حساب سے قمری ہجری تقویم کا ساتواں دور جاری ہے۔ چھٹے دور کے بعد ابھی ۱۴۱ برس گزرے ہیں اور اسے مکمل ہونے کے لیے مزید ۶۹ سال باقی ہیں اور ایک تخمینے کے مطابق آج تک ہجری قمری التقویم کے ۵۰۲۱۴۲ ایام گزرے ہیں۔ ہر دور صغیر کے مکمل ہونے کے بعد آنے والا دورۂ صغیرہ اپنے سے پہلے دور سے ترتیبی مماثلت رکھتا ہے یعنی جس طرح پچھلے دورۂ صغیرہ میں قمری مہینے ۳۰-۳۰ یا ۲۹-۲۹ دن کے آئے تھے اسی ترتیب سے تیس برس بعد اتنے ہی دنوں کے آئیں گے دورۂ کبیرہ اپنے مسبوق دورہ کبیرہ سے برسوں اور مہینوں کی مطابقت رکھتا ہے۔ یعنی مہینوں کے غرے اور سالوں کے آغاز کے دن بالکل یکساں ہوتے ہیں۔ محققین نے ہجری سنین اور شہور کے ایک غرہ دریافت کرنے کے لئے بڑی محنت اور دقت نظر سے مختلف

طریقے وضع کئے ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہاں بیان کر دیے جائیں تو فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

غزہ سال قمری کا ایک ضابطہ یہ ہے کہ مطلوبہ سن ہجری کو آٹھ پر تقسیم کریں اور حاصل قسمت کو ان حروف ثمانیہ سے منطبق کریں وہ حروف یہ ہیں بود ا ہجزد۔ یہ حروف اصل میں قمری مہینوں کی رموز ہیں۔ حاصل قسمت جس حرف پر منطبق ہوگا وہی حرف رمز غزہ ماہ کی نشان دہی کرے گا۔

مندرجہ ذیل جدول میں عربی مہینوں اور ان کے ایام کی تعداد تفوقی رموز کے ساتھ مرتب کر دی گئی ہے۔

محرم	صفر	ربیع الاول	ربیع الثانی	جمادی الاول	جمادی الثانیہ
ر	ب	ح	ہ	و	ا
۳۰	۵۹	۸۹	۱۱۸	۱۴۸	۱۷۷
رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذوالقعدہ	ذوالحجۃ
ب	ج	ہ	ر	ا	ح
۲۰۷	۲۳۶	۲۶۶	۲۹۵	۳۲۵	۳۵۴

کبیسہ (لوند) کے سال کے غرے معلوم کرنے ہوں۔ تو ان کا حساب یوں کرتے ہیں۔ کہ مندرجہ ذیل شعر کے حروف معجمہ کے محاذی سنین کے ذوالحجہ میں اضافہ کرکے اسے تیس دن کا قرار دے لیتے ہیں ؎

کف الخلیل کفہ ودیانہ
عن کل خل حبہ فصانہ

اس شعر کے حروف مہملہ کے محاذی آنے والا مہینہ ۲۹ دن کا ہوگا اور حروف معجمہ کے مقابل والا ۳۰ دن کا شمار ہوگا۔
ایک اور طریقہ رؤیت ہلال پر مبنی وضع کیا گیا ہے۔

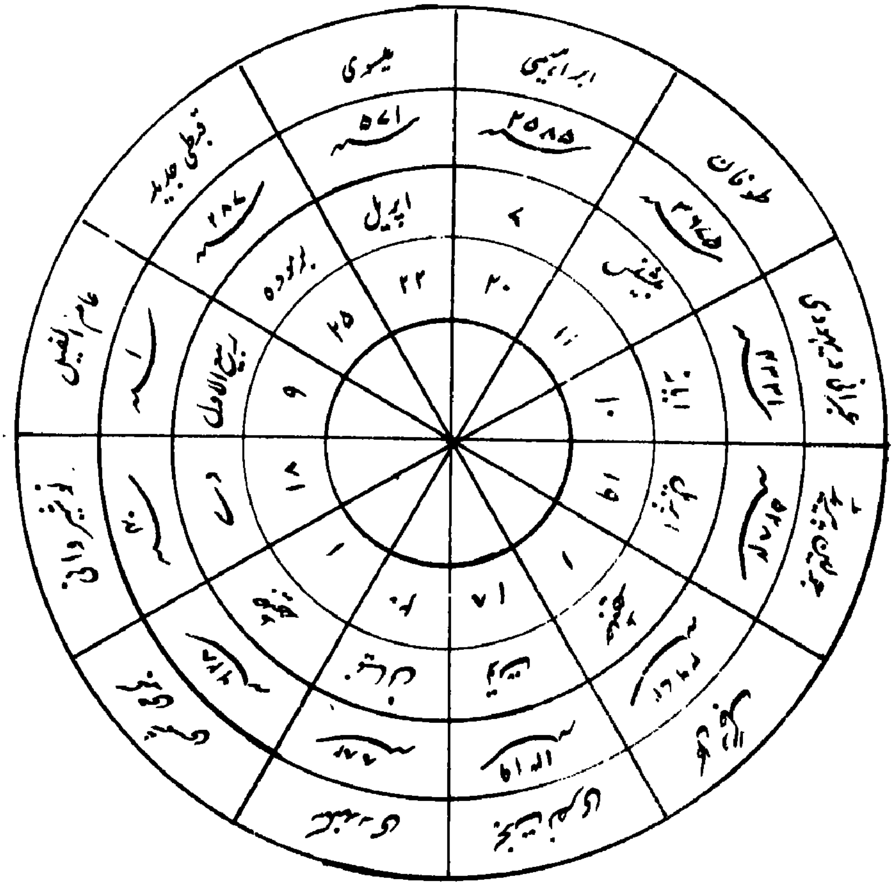
یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ / آدینہ	شنبہ
ا	ب	ج	د	ہ	و	ز

اشعار

ا وج و ز اگر بینی ہلال   سی ویک ایام داں اے نیک فال
ب ہ د و ہ چو آید خوب رو   ماہ راسی روزہ بشمر نیک خو
لیک گر در روز واو آمد عیاں   بست و نہ ایام دراں ماہ داں

اوائل السنین والشہور یعنی قمری سالوں اور مہینوں کے غرہ معلوم کرنے کا ایک طریقہ امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الدائرۃ العظیمہ میں بیان کیا ہے۔ لیکن وہ زیادہ طویل اور مبسوط ہے۔ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

مسلم ہیئت دانوں نے ہجری قمری تقویم کی رو سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ایام کا حساب بھی مرتب کیا ہے۔ اس کی رو سے آپ علیہ السلام اس دنیا میں ۲۲۳۳۰ دن اور چھ گھنٹے قیام فرما رہے ہیں۔ ان میں سے رسالت و نبوت کی تبلیغ کے ایام ۸۱۵۶ شمار کئے گئے ہیں یہاں ہم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے سال مہینے اور دن کی تطبیقات کا عالمی تقویمی نقشہ پیش کرتے ہیں۔



مسلمان علمائے ہیئت و نجوم نے عہد نبوی کے اہم اسلامی وقائع و ایام کی معروف و مروج تقویموں سے تطبیق دے کر ہجری قمری تاریخوں کے جدول بھی مرتب کئے ہیں۔ جو تبرکاً ہی نہیں بلکہ تاریخی تحقیق اور یادداشت کے لیے بھی یہاں درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ تقویم ہجری اور سیرت نبوی صلی اللہ علیٰ

صاحبان علم کے سکالروں کیلئے بڑے کام کی چیز ہیں ۔

ایام و وقائع	یوم	سنہ قمری اسلامی: تاریخ	ماہ	سنہ ولادت	سنہ نبوت	سنہ ہجرۃ	سنہ عیسوی شمسی: تاریخ	ماہ	سال	سنہ قمری عیسوی
ولادت باسعادت	یکشنبہ دوشنبہ	یکم ۹	محرم ربیع الاول	۱ ۱			۲/۱۵	فروری اپریل	۵۷۱ 〃	۵۸۸ 〃
بعثت	دوشنبہ	۹	ربیع الاول	۴۱	۱		۹/۱۲	۲	۶۱۰	۶۲۸
فرضیت نماز فجر و عصر	〃	〃	〃	〃	〃		〃	〃	〃	〃
آغاز نزول قرآن	شب جمعہ	۱۷	رمضان	〃	〃		۱۴/۱۷	۸	〃	〃
ہجرت حبشہ			رجب	۴۵	۵			۴	۶۱۴	۶۳۲
شعب ابیطالب میں محصوری	سہ شنبہ	۱	محرم	۴۷	۷		۳۰/۳	۹/۱۰	۶۱۵	۶۳۴
سفر طائف			جمادی الاخریٰ	۵۰	۱۰			۲	۶۱۹	۶۳۷
معراج ـ فرضیت پنجگانہ	دوشنبہ	شب ۲۷ درمیانی	رجب	〃	〃		۱۹/۲۰ شب	۳	〃	〃
ابتدائے ایمان اہل مدینہ			ذی الحجہ	〃	〃			۷	〃	〃
بیعت عقبہ اولیٰ			〃	۵۲	۱۲			۷	۶۲۱	۶۳۹
بیعت عقبہ ثانیہ			〃	۵۳ ۵۴	۱۳ ۱۴			۶	۶۲۲	۶۴۰
ہجرت داخلہ ثور	شب جمعہ	۲۷	صفر	〃	〃	۱	۱۰/۱۳ شب	۹	۶۲۲	۶۴۱
داخلہ قبا	دوشنبہ	۸	ربیع الاول	〃	〃	۱	۲۰/۲۳	〃	〃	〃
داخلہ مدینہ منورہ	جمعہ دوشنبہ	۱۲-۲۲	〃			۱	۲۳ ۲۷/۷/۴	〃	〃	〃
بنیاد مسجد نبوی	دوشنبہ	۲۲	〃	〃	〃	۱	〃	〃	〃	〃
اضافہ نماز ظہر، عصر و عشاء			ربیع الثانی	〃	〃	۱		۱۰	〃	〃
تحویل قبلہ	شنبہ	۱۵	شعبان	۵۵	۱۵	۲	۱۱/۱۴	۱۰	۶۲۴	۶۴۴
اول صوم رمضان	یکشنبہ	۱	رمضان	〃	〃	〃	۲۶/۲۹	۲	〃	〃
فرضیت زکوٰۃ				〃	〃	〃			〃	〃
فرضیت جہاد				〃	〃	〃			〃	〃
جنگ بدر	سہ شنبہ	۱۷	رمضان	〃	〃	〃	۱۳/۱۶	۳	〃	〃
تحریم خمر				۵۶	۱۶	۳			۶۲۵	۶۴۳
حکم حجاب النساء	جمعہ	۱	ذی قعدہ	۵۷	۱۷	۴	۲/۷	۴	۶۲۶	۶۴۴
تبلیغ بہ سلاطین	چہارشنبہ	۱	محرم	۶۰	۲۰	۷	۱۱/۱۴	۵	۶۲۸	۶۴۷
فتح مکہ	پنجشنبہ	۲۰	رمضان	۶۱	۲۱	۸	〃	۱	۶۳۰	۶۴۸
فرضیت حج				۶۲	۲۲	۹			۶۳۱	۶۴۹
اولین حج بامامت صدیق رض	دوشنبہ سہ شنبہ	۹	ذوالحجہ	۶۳	۲۳	۹	۱۸/۲۱	۳	〃	〃
حجۃ الوداع	جمعہ	〃	〃	۶۳	۲۳	۱۰	۱۶/۹	〃	۶۳۲	۶۵۰
آغاز مرض	دوشنبہ	۲۹	صفر	۶۴	〃	۱۱	۲۵/۲۸	۵	۶۳۲	۶۵۱
وفات الم آیات	چاشت دوشنبہ	۱۲	ربیع الاول	〃	〃	〃	۵/۱۱	۶	〃	〃
تدفین جسد اطہر	شب چہارشنبہ	۱۴	〃	〃	〃	〃	۹/۱۲	〃	〃	〃

ہجری تقویم کے مروج ہونے کے کم و بیش ہزار سال بعد ۹۹۰ھ المطابق ۱۵۸۲ء میں جولین پیریڈ کا سال آغاز ہے حالانکہ اسے بہت قدیم زمانے سے شمار کرتے ہیں لیکن اپنی وضعی کیفیت میں وہ سنہ ہجری سے بہت بعد کا ہے۔

علاوہ ازیں عبرانی۔ رومی۔ سکندری۔ بکرمی، قبطی اور نوشیروانی و بخت نصری سالوں کا حساب بھی چلتا رہا ہے لیکن یہ سب دوہری تقویموں پر عمل پیرا رہے ہیں اور قمری تقویم کی سی فطری نہج پر ان کی پیش رفت نہیں ہو سکی۔

شمسی عیسوی جدید تقویم بھی دائرۃ المعارف برطانیہ (ENCYCLOPEDIA BRITANICA) کی تصریحات کے مطابق سنہ قمری ہجری کے بعد کی پیداوار ہے۔ جولین پیریڈ کے بارہ میں توہم اوپر واضح کر ہی چکے ہیں عبرانی سال کی تشکیل جدید بھی بعد کے دور میں ہوئی ہے۔ اسی طرح یورپی ہیئت دانوں نے کل جگ کی موجودہ تقویم کو بھی چوتھی صدی عیسوی سے زیادہ پرانا تسلیم نہیں کیا ہے۔ سنہ سکندری اگرچہ ہجری سال سے ۹۳۲ برس قدیم ہے۔ لیکن ان دنوں یہ قمری تقویم کے مطابق تھا۔ اب اسے شمسی مہینوں کے حساب سے ترتیب دیا گیا ہے۔ یہی حال سمت بروشٹھ اور بکرمی کا بھی ہے اور تو اور سنہ عیسوی قدیم بھی ۱۱۶۵ھ تک قمری تقویم اپنائے رہا۔ کلاسیکل ڈکشنری (CLASSICAL DICTIONARY) کے مطابق ۴ ذی قعدہ ۱۱۶۵ھ پنجشنبہ کے دن سے جدید شمسی حساب سے ۱۷۵۲ء کا ۱۴ ستمبر سے آغاز کیا گیا۔

اسلامی تقویم کا مدار علیہ قمری نظام المواقیت ہے۔ باوجودیکہ قمری سال کو شمسی سال کے برابر کرنے کے لئے ہر بارہ ماہ میں گیارہ دن سے کچھ زیادہ دن بڑھانے کی ضرورت ہے۔ لیکن غیر فطری انداز سے اس غرض کو پورا کرنے کی خاطر لوند۔ لیپ یا کبیسہ کا سہارا نہیں لیا گیا۔ مساوات اسلامی معاشرے کی اساسی اقدار میں سے ہے۔ اور اسلام نے ہر حالت میں تمام انسانوں کی برابری اور ان کے مختلف طبقات میں خوشگواری کی کیفیت استوار کرنے کی تلقین کی ہے اسلامی مہینوں کا ادلتے بدلتے موسموں میں آنا اور فصول کے تحول (ROTATE) کرنے سے مساوات کی عالمی فضا جنم لیتی ہے۔ شمسی حساب میں یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً رمضان کو کسی شمسی مہینہ کے ساتھ مطابق کر دیا جائے۔ تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہمیشہ ہمیش کے لیے نصف کرہ زمین کے مسلمان گرمی اور باقی نصف کرہ کے سردی میں روزے رکھیں۔ اسی پر باقی کے احکام و فرائض کی ادائی کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ البتہ قمری حساب میں بے اعتدالی نہیں ہے۔ ROTATION کے باعث زمین کے ہر خطہ کے مسلمان تغیر فصول کے ساتھ ساتھ برابر برابر کی کیفیات و حالات میں فرائض و مناسک ادا کر سکتے ہیں۔

شمسی تقویم اختیار کر کے قدیم عیسوی سال کو بھی یک گونہ غیر طبیعی نہج پر ڈال دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پرانا رومی کیلنڈر جسے آگسٹس نے ترمیم کیا اور پھر جولین نے ترمیم مزید کے بعد اسے جولین پیریڈ بنا دیا نت نئی ترمیموں اور بار بار کے حذف و اضافہ کا موضوع قرار پا گیا۔ ۱۵۸۲ء میں پاپائے گریگوری XIII نے اس میں ترمیمیں کر کے اسے موجودہ GREGORIAN CALENDAR کی شکل دی۔

جولین کے کم و بیش چھ سو سال بعد ایک عیسائی راہب ڈینس ایگز لگاس نے بے محابا جوش عقیدت کے تحت اسے ایک غلط حساب کتاب کی بنا پر حضرت مسیح علیہ السلام سے منسوب کر دیا وگرنہ اس سنہ کا عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام سے دور کا تعلق

بھی نہیں ہے۔ امریکن پیپلز انسائیکلو پیڈیا میں اس پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے

شمسی تقویم سال کو فصول و مواسم سے ہم آہنگ رکھنے کے لئے بار بار ترمیموں کا ہدف بنایا جاتا ہے۔ تاریخ واضح کرتی ہے کہ پہلی ترمیم سنہ [illegible] میں ہوئی پھر سنہ ۹۹ء میں بہت سی ترمیمیں کی گئیں اور پھر نہ جانے کتنی ترمیمیں کی گئیں پاپائے گریگوری کی ترمیم تو معلوم ہے کہ سنہ ۱۵۸۲ء میں ہوئی تھی۔

بہر حال ایسا لگتا ہے کہ فطری نہج سے ہٹ جانے کی پاداش میں اس تقویم کو بار بار حذف و اضافہ کا شکار بننا پڑا کبھی آٹھ دن کم کئے گئے۔ کبھی دس اور کبھی ملبیں دن اسی طرح خلا پُر کرنے کے لیے سال کو کبھی چودہ مہینوں تک پھیلا دیا گیا اور کبھی ساڑھے دس مہینوں ہی میں برابر کر لیا گیا۔

تقویم میلادی شمسی کو ان خرابیوں اور بے ضابطگیوں کے اثر سے بچانے کے لئے متعدد کوششیں عمل میں لائی گئیں۔ اس سلسلہ میں تقویم میلادی شمسی کو تقویم ہجری قمری سے منطبق کرنے کے لیے بھی ہاتھ پاؤں مارے گئے نقطۂ اعتدال ربیعی VERNAL EQUINOX کے بعد واقع ہونے سے پہلے بدرِ کامل کو عید الفصح (EASTER) کا دن مقرر کر کے پاپائے گریگوری نے میلادی سال کو ہجری تقویم کے قریب تر لانے کا اقدام کیا اور اب یہ کیلنڈر NEW STYLE کے نام سے مروج ہے۔

شمسی اور قمری تقویموں میں مطابقت پیدا کرنے کی کوششیں صدیوں سے جاری ہیں۔ اس غرض سے کئی طرح کی تقابلی جدولیں مرتب کی گئی ہیں۔ اسلامی حکماء نے بھی اس طرف خاصی توجہ دی ہے۔ تیسری صدی ہجری کا معروف ہئیت دان الیعقوبی ان کا پیشرو تھا۔ اس کے بعد البیرونی۔ خیام اور مسعودی نے اس خصوص میں قابلِ توجہ کوششیں کی ہیں۔

پندرھویں صدی عیسوی میلادی کے بعد یورپی ASTROLOGERS نے تقابلی جدولوں کی تیاری میں بہت زیادہ دلچسپی لی ہے۔ موجودہ دور میں جرمنی کے سکالر WUSTENFLED کی تقابلی جدول بین الاقوامی شہرت کی حامل ہے۔ اس کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کی اساس پر ماہرینِ ہیئت نے کئی اہم گوشوں پر تحقیقی مقالے بھی لکھے ہیں نے بعض اضافات کے ساتھ اس جدول کو سنہ ۱۹۲۶ء میں LEIPZIG سے شائع کیا تھا۔

جس کا ترجمہ ابو النصر محمد خالدی ایم اے عثمانیہ کے قلم سے انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی نے سنہ ۱۹۳۹ء میں تقویم ہجری و عیسوی کے نام سے شائع کیا تھا[1]

انگریزی میں MUSLIM AND CHRISTIAN CALENDARS کے نام سے G.S.P. FREEMAN GREMILLE نے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے اپنی جدول شائع کرائی تھی۔ اس کا عربی ترجمہ "التقویمان الہجری والمیلادی" کے نام سے الدکتور حسام محی الدین الآلوسی نے سنہ ۱۹۷۰ء میں شائع کیا ہے۔ جو اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس میں اپنے بعض مآخذوں پر معلومات افزا نقد کیا گیا ہے۔ ایک کتاب "جدول مقارنہ التواریخ الہجریہ والمیلادیہ" جو SIR WOLOSELY HAIG کی تالیف ہے اور جسے عبد العزیز المراغی نے عربی میں منتقل کیا تھا۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کثیرۃ الاغلاط معلومات غیر وافیہ۔ لا یحتوی علی جداول تعیین الایام وغیرہ وغیرہ

---

[1] انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی) نے اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۲ء میں شائع کیا۔ (ادارہ)

اس کتاب میں مؤلف نے خاصی کاوش سے آٹھ طول طویل جدولیں قمری اور شمسی تقویموں کی مدد سے اور ہجری و میلادی سالوں کے ایام میں تطبیق دے کر مرتب کی ہیں۔

مہینوں کی مطابقت سے بارہ برجوں کے نام ہیں۔ اسی طرح ہفتہ کے سات دنوں کی مناسبت سے سات ستارے مقرر کئے گئے ہیں گویا ہر دن کا ایک الگ ستارہ ہے۔ چنانچہ ہر دن کے نیچے اس کا ستارہ درج کیا جاتا ہے :-

۱- شنبہ	۲- یکشنبہ	۳- دوشنبہ	۴- سہ شنبہ	۵- چہارشنبہ
زحل	شمس	قمر	مریخ	عطارد

۶- پنجشنبہ	۷- جمعہ
مشتری	زہرہ

پھر چونکہ دن رات کو آٹھ پہر میں منقسم کیا گیا ہے۔ اس لئے ایک دن کے طلوع آفتاب سے لے کر دوسرے دن کے طلوع آفتاب تک روز و شب کو چوبیس ساعتوں میں تقسیم کیا گیا ہے :- ذیل میں شب و روز کی مقررہ ساعتوں کی جدول ملاحظہ ہو :

	پہلا پہر			دوسرا پہر			تیسرا پہر			چوتھا پہر		
ساعت ←	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
شب شنبہ	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر
روز شنبہ	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہر	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ
شب یکشنبہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ
روز یکشنبہ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل
شب دوشنبہ	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد
روز دوشنبہ	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس
شب سہ شنبہ	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری
روز سہ شنبہ	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر
شب چہارشنبہ	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ
روز چہارشنبہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ
شب پنجشنبہ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل
روز پنجشنبہ	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد
شب جمعہ	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس
روز جمعہ	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر	زحل	مشتری

مسلمان منجمین نے غرّہ ماہ مبارک کے حساب سے لیلۃ القدر دریافت کرنے کا ایک فارمولا مرتب کیا ہے۔ بعض مجربین کا بیان ہے کہ یہ اکثر حالتوں میں درست ثابت ہوا ہے واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔ بہرکیف وہ فارمولا یہ ہے۔

غرّہ ماہ رمضان المبارک اگر یکشنبہ کو پڑے تو شب قدر انتیسویں کو آئے گی۔
〃 〃 〃 دوشنبہ 〃 〃 〃 اکیسویں 〃 〃 〃 ۔
〃 〃 〃 سہ شنبہ 〃 〃 〃 ستائیسویں 〃 〃 〃 ۔
〃 〃 〃 چہارشنبہ 〃 〃 〃 انیسویں 〃 〃 〃 ۔
〃 〃 〃 پنجشنبہ 〃 〃 〃 پچیسویں 〃 〃 〃 ۔
〃 〃 〃 جمعہ 〃 〃 〃 سترھویں 〃 〃 〃 ۔
〃 〃 〃 شنبہ 〃 〃 〃 تیئیسویں 〃 〃 〃 ۔

ایک شاعر نے بارہ برجوں کے نام ذیل کے قطعے میں یکجا منظوم کر دیے ہیں :-

برجہا دیدم کہ از مشرق برآوردند سر جملہ در تسبیح و در تہلیل حیٌ لایموت
چوں حمل چوں ثور و چوں جوزا و سرطان واسد سنبلہ میزان و عقرب قوس و جدی دلو حوت

جدول ماہانہ طلوع وغروب ماہتاب

تاریخ	طلوع	غروب	تاریخ	طلوع	غروب
۱	ظہور قمر	۷ ، ۳۰ شام	۱۵	۶ ، ۱۵ تقریباً	تمام شب تقریباً
۲	〃	۸ ، ۲۰ شب	۱۶	۷ 〃	طلوع فجر
۳	〃	۹ ، ۳۰ 〃	۱۷	۸ 〃	〃
۴	۶ بجے شام	۱۰ ، ۰۰ 〃	۱۸	۹ 〃	〃
۵	〃 تقریباً	۱۱ ، ۰۰ 〃	۱۹	۱۰ 〃	〃
۶	〃 〃	۱۲ ، ۰۰ 〃	۲۰	۱۱ 〃	〃
۷	〃 〃	۱ ، ۰۰ 〃	۲۱	۱۲ 〃	〃
۸	〃 〃	۲ ، ۰۰ 〃	۲۲	۱ 〃	〃
۹	〃 〃	۳ ، ۰۰ 〃	۲۳	۲ 〃	〃
۱۰	〃 〃	۴ ، ۱۰ 〃	۲۴	۳ 〃	〃
۱۱	〃 〃	۴ ، ۴۵ 〃	۲۵	۴ 〃	〃
۱۲	۶ ، ۱۵	۵ ، ۳۵ 〃	۲۶	۵ 〃	〃
۱۳	〃 〃	۶ ، ۰۰	۲۷	۶ 〃	〃
۱۴	〃 〃	تمام شب تقریباً	۲۸	غیوب	غیوب

دائمی شمسی کیلنڈر

تاریخ	جنوری	فروری	مارچ	اپریل	مئی	جون	جولائی	اگست	ستمبر	اکتوبر	نومبر	دسمبر
۱	سہ شنبہ	جمعہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ
۲	چہار شنبہ	سہ شنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنج شنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ
۳	پنجشنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ
۴	شنبہ	سہ شنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ
۵	یک شنبہ	چہار شنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ
۶	دوشنبہ	پنجشنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ
۷	سہ شنبہ	جمعہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ
۸	پنجشنبہ	یکشنبہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ
۹	جمعہ	دوشنبہ	دوشنبہ	پنج شنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ
۱۰	شنبہ	سہ شنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ
۱۱	یکشنبہ	چہار شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ
۱۲	سہ شنبہ	جمعہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ
۱۳	چہار شنبہ	شنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنج شنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ
۱۴	پنجشنبہ	یکشنبہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ
۱۵	جمعہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ
۱۶	یکشنبہ	چہار شنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ
۱۷	دوشنبہ	پنجشنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ
۱۸	سہ شنبہ	جمعہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ
۱۹	چہار شنبہ	شنبہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ
۲۰	جمعہ	دوشنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ
۲۱	شنبہ	سہ شنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ
۲۲	یکشنبہ	چہار شنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ
۲۳	دوشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ
۲۴	چہار شنبہ	شنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ
۲۵	پنجشنبہ	یکشنبہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ
۲۶	جمعہ	دوشنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہار شنبہ
۲۷	شنبہ	سہ شنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	جمعہ
۲۸	دوشنبہ	پنجشنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہار شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ

BIBLIOGRAPHY

کتابیات

القرآن الحکیم — تنزیل من رب العالمین
تفسیر انوار التنزیل — ابن کثیر حافظ عماد الدین الدمشقی
الجامع الصحیح — لمحمد بن اسماعیل البخاری
سیرۃ ابن ہشام کتاب المغازی — لابن ہشام
کتاب المغازی — لابن اسحٰق
منطقۃ البروج — لمحمد بن علی القدوسی
الدائرۃ العظیمہ — لجلال الدین السیوطی
تقویم ہجری و عیسوی — ابو النصر محمد خالدی ایم اے عثمانیہ
التقویمان الہجری و المیلادی — الدکتور حسام محی الدین الآلوسی
تقویم تاریخی — عبد القدوس الہاشمی

ENCYCLOPEDIA BRITANICA.

AMERICAN PEOPLE' ENCYCLOPEDIA

زبدۃ المقادیر — لابی اسمٰعیل یوسف حسین الخانپوری
اسرار النجوم
جمہرۃ الخطب اور
بہت سی قدیم تقویمیں اور کتب فلکیات ۔

معجزانہ قوتِ انقلاب کا داعی

خلیق دہلوی

آج سے ہزاروں برس پہلے کی ایک جگ بیتی داستان ہے کہ دنیا استبداد و استعباد کے عذابِ الیم میں گرفتار تھی وحشت و جہالت کا دور دورہ تھا، اور قوت و بہیمیت کا سکہ رائج، عدالت مجروح تھی اور انسانیت زخمی، غلامی کی زنجیروں نے اس کا بند بند جکڑ رکھا تھا۔

فرمانروایانِ ملک، امرائے شہر، روسائے قبائل، اپنے اپنے حلقہ میں اپنی اپنی استبدادی وسعت فرمانروائی میں ارباباً من دون اللہ بنے بیٹھے تھے، اور ان کے مستعبد ہاتھوں میں ان کے اطاعت گزار، اور پیرو بالکل معدوم الارادۃ اور مفقود الحس آلات عمل تھے، طاعت نابود تھی، اور ایمان و ضمیر کا فقدانِ کلی، ان کی زندگی کا موضوع واحد اپنی متکبرانہ خوش خیالوں کی تعمیل اور اپنی قدرت جابرہ کی تکمیل تھا، ہوس تھی تو ہوائے نفس و اتباع مرضیات کی صداقتوں کی حقیقت، اور امور و واقعات کی صداقت کا فیصلہ سلاطین و امراء کے چشم و ابرو کا اک اشارہ یا ملوک و رؤساء کے کام و دہن کی ایک جنبش تھی؛!

مسیح سے ۱۸۰۰ برس پہلے ذات شاہی ہر تقدیس سے متصف اور ہر احترام فوق العادت سے مقدس ہر نقص و عیب سے مبرا تھی، کیونکہ وہ خدا تھی، خدا کا سایہ تھی، یا کم از کم اس کا ہیولا، رتبہ انسانیت سے ایک بالاتر شے سمجھا جاتا تھا۔

فراعنہ مصر دیوتا تھے، جب ہی تو مصر کے اک فرعون نے مسیح علیہ السلام سے ۱۸۰۰ برس پہلے اپنے درباریوں سے کہا تھا۔ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی، موسیٰؑ کا خدا کون ہے؟ تمہارا بڑا خدا تو میں ہوں، کلدانیوں کے ملک میں نمرود بابل کی پرستش کے لئے اس کے اسٹیچو بنتے تھے، ہندوستان کے راجہ دیوتاؤں کے اوتار بن کر زمین پر اترتے تھے، روما کا پوپ خدا کے مقدس فرزند کا جانشین تھا جس کا درِ آستانہ قدس سجدہ گاہ ملوک و سلاطین تھا؛

روم کے قیصر اور فارس کے کسریٰ گو دیوتا نہ تھے۔ مگر فطرۃ البشریہ سے منزہ اور مرتبۃ الانسانیہ سے بلند تر ہستی ضرور خیال کئے جاتے تھے، جن کے سامنے بیٹھنا ممنوع تھا۔ جن کے روبرو ابتدائے کلام اور سبقتِ سخن گناہ اور نام لینا سوء ادبی میں شامل تھا، جن کی شان میں ادنیٰ سا اعتراض موجبِ قتل تھا،!

دنیا اسی تعبد و غلامی اور ذلت و تحقیر میں مبتلا تھی کہ سواحل بحر احمر کی ریگستانی سرزمین پر اک عربی عدالت کا، اک عربی بادشاہ ہدایت کا ظہور ہوا، جس نے اپنی متصرفانہ قوت روحانی سے جس نے اپنی معجزانہ زور و توانائی سے قیصر و کسریٰ کے تختِ استبداد و استعباد الٹ دیئے، جس کے اعلائے کلمۃ الحق سے بابائے رومۃ الکبریٰ کے دیوانِ قدس کی بنیادیں ہل گئیں؛

حقارت و غلامی کی زنجیریں اس کی تیغ غیر آہنی کی ادنیٰ ادنیٰ ضرب سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں، نیاز عبدیت استقلال ذات، قدر حریت، شرف انسانیت، احترام نفس، مساوات، اور ابطال شاہنشی کی روشنی دنیائے قدیم کے قلب سے نکل کر ربع عالم میں پھیل گئی۔ شاہان دنیا مرتبۂ قدوسیت و معصومیت سے گر کر عام سطح انسانی پر آ گئے۔ اور عام انسان سطح غلامی و حیوانیت سے بلند ہو کر مصر و بابل کے دیوتاؤں اور روم و ایران کے قیصر و کسریٰ کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے۔

یہ معجزانہ قوت انقلاب جس نے حالتوں میں تغیر پیدا کر دیا کیا تھی؟ یہ جمال روحانی سے بھری جھلک کیا تھی، جس سے دنیا میں روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔؟ یہ با عظمت و ہیبت آواز کیا تھی جو بوقبیس کی چوٹیوں سے بلند ہو کر گنبد عالم کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی؟ یہ مکمل استبداد نہ تھا، یہ کوئی قوت جبریہ تھی، بلکہ قرین فراست ایک بات تھی، جو دل میں اتر گئی؟ اور یہ وہ سادہ دعوت تھی جو سب کے لئے قابل قبول تھی، کہ

یا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله (قرآن مجید)

"آؤ ایک بات جو اصولاً و عقلاً ہم میں، تم میں متفق علیہ ہے اسکو عملاً بھی تسلیم کر لیں، یعنی خدا کی پرستش کے سوا کسی کو نہ پوجیں نہ اس کی خدائی میں کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم خدا کے سوا ایک دوسرے کو اپنا خدا اور آقا بنائیں۔

کفر کی یورش تھی، اور توحید نرغہ میں تھی، عصمت مایوس تھی، اور دنیا، اور دنیا کی خوشی، دنیا کی حقیقت مرجھا گئی تھی جمال صداقت پژمردہ ہو گیا تھا، اس کا روئے ہدایت زخمی ہو گیا تھا، وہ پیمان روحی، مواثیق قلب، جو اولاد آدم نے برگزیدہ ہادیوں اور مقدس رسولوں سے ان کے پاک پیغاموں کو سن کر باندھے تھے، جو سعادت کے رشتے ضمیر و ایمان کے تاروں سے کبھی ٹوٹنے کے لئے، کبھی نہ توڑنے کے قابل باندھے تھے، ٹوٹ گئے تھے، خدا کی رحمت و رافت زمین کے بسنے والوں سے روٹھ گئی تھی، اس کا جمال ازلی و ابدی جس سے بارہا پردے اٹھا دیئے گئے تھے، پھر محجوب ہو گیا تھا پھر مستور ہو گیا تھا۔ اس میں اور اس کے بندوں میں کوئی رشتہ باقی نہ رہا تھا، کوئی ربط نہ رہا تھا ....

ہاں کوئی نہ تھا جو اس کو ڈھونڈے، کوئی قدم نہ تھا جو اس کی سمت مضطربانہ بڑھے، کوئی آنکھ نہ تھی جو اس کے عشق اس کے لئے اشکبار ہو، کوئی دل نہ تھا جو اس کے لئے بیقرار، کوئی روح نہ تھی جو اس کو پیار کرے، اس کی دنیا اس سے بے خبر تھی، دنیا، دنیا والے کو بھول گئی تھی، اس کے بندے اس سے غافل تھے، انسانی ضمیر مر چکا تھا، فطرت کا حسن حقیقی عصیان عالم کی تاریکی میں چھپ گیا تھا، تمرد و سرکشی کے سیلاب بہہ رہے تھے۔ جو خشک و تری میں امنڈ آئے تھے اور جن کے اندر خدا کے رسولوں کی بنائی ہوئی عمارتیں بہہ رہی تھیں؛

جب کہ یہ حالت تھی تو دنیا بگڑ کر پھر سنوری، انسانیت مر کر پھر زندہ ہوئی۔ خدا نے پھر چہرے کو بے حجاب کر دیا خدا پھر دنیا میں آیا، ہاں وہی جو شام کے مرغزاروں اور یروشلم کے ہیکل کے ستونوں سے روٹھ گیا تھا۔ اب پھر آیا تاکہ دشت حجاز کے ریگستانوں کو پیار کرے، اور اپنے راز و نیاز محبت کے لئے، اپنی عشوہ نواز محبت کے لئے ایک نئی قوم کو چن لے"

دنیا کن سے بعد کے اضطراب تجسس کو، اپنے پہلے ہیجان سعی کو جو پہلا ورثہ تھا اور جسے کام میں لاتی رہی ہے پھر کام میں لائی؛ صدیوں سے جس کو بھلا چکی تھی پھر اس کی تلاش پر اتر آئی۔

تلاش کے لیے ایک ہی چیز ہے، دنیا نے جس کی ہمیشہ تلاش کی ایک ہی چیز تھی،

اب سے ہزاروں برس پہلے اسی زمین پر خدا کے جس مخلص بندہ نے درد و اضطراب کے لہجہ میں رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا کہا تھا وہ وہی کامیاب تلاش تھی جس نے غافلوں کی شکایت کی، خود پا گیا تھا، دوسروں کو سمجھا، سمجھا جب، تو کا نو جو شکایت کی وہ تلاش کا پتہ تھی۔ کالڈیا کے بت خانے میں اصنام پرستوں کے مستقر میں جس برگزیدہ نوجوان نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض مقدس ادا کیا، اور چھری ہاتھ میں لے کر محبت الٰہی کی سرشاری میں اپنے فرزند کو زمین پر دے مارا ایک ذات کے حصول کے لیے علائق سے قطع تعلق تلاش تھی، تلاش کے مقصود پر قربانی تھی۔

تخت گاہ فراعنہ کے ایک قید خانے میں کنعان کے قیدی نے جس شے کا وعظ کہا تھا۔ وہ وہی چیز تھی، جس کا وہ سراغ دے رہا تھا۔

وہ بقعۂ مبارک کا مقدس چرواہا جو کوہ سینا کے کنارے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی ندا سے مخاطب ہوا وہ تلاش کا نمایاں وجود تھا، جبکہ ایک ظالم و جابر حکومت کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے اس یکہ و تنہا نے فرمانروائے عہد کے سامنے بے خوف کہا کہ رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی تو بھی اسی صداقت آمیز تلاش کا اعلان حقیقت تھا؛

ناصرہ کا وہ اسرائیلی نوجوان جو پچھلی بشارتوں کے مطابق آیا تھا تاکہ عہد اسرائیلی کے خاتمے اور دور اسماعیلی کے آغاز کا اعلان کرے۔ اس نے بھی اسی تلاش کی محویت کا اظہار کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی حیات ہدایت، و سعادت کی تاریخ یکسر تلاش و جستجو میں ہے، اس نے اپنے ہر دور میں جو پایا تھا کھو دیا ہے، پھر ہر دور میں جو کھویا تھا پا لیا ہے۔ وہ جب کبھی گری ہے تو اسی کو کھو کر، اور پھر جب کبھی اٹھی تو اسی کو پا کر، اس کے ہادیوں نے جب کبھی اس کو جگایا ہے تو اسی کے لیے جگایا، اور جب کبھی ہاتھ پکڑا تو اسی کی تلاش میں نکلنے کے لیے، اس نے جب مضطرب ہو کر پکارا، اس نے جب بے چین ہو کر یاد کیا، اثر ہوا، اور خبر لی گئی ہے۔ لیکن یہ انقلاب عظیم ہیئت انسانیہ میں جب کبھی ہوا جس نے یکسر دنیا کو بدل ڈالا کس چیز کا نتیجہ تھا؟ یقیناً وہ ایک صدائے الٰہی کا ولولہ شنید تھا، ایک جمال پاک کا شوق نظارہ تھا، کچھ شک نہیں کہ وہ جمال ربانی کی اک بے نقاب تجلی تھی، مگر اس جلوہ ریزی کا آفتاب کن کی پیشانیوں پر چمکا؟ کن کے خانۂ دل اس سے روشن ہوئے؟ وہ وہی تھے جو ذوق طلب رکھتے تھے۔ جو مذاق درد رکھتے تھے اصلاح عالم کی یہ آخری کوشش و تلاش مقبول ہوئی، محبت کے راز و نیاز نے ایک جماعت کو چن لیا۔

اس لیے عشق کو ضرورت ہے اک دل کی کہ وہ جمال و تاثرات کا مسکن بنے، اور عشق حقیقت کی وہ مقدس آگ جس کیلئے نوحؑ نے لکڑیاں چنیں، جسکو ابراہیمؑ نے اپنی قربانی سے بھڑکایا۔ جس کی چنگاریاں وادئ ایمن میں چمکیں، جس کے شعلہ خرد افروز پر خون مسیحؑ معصوم نے تیل چھڑکا اور اب بوقبیس کے غاروں میں سِرَاجًا مُّنِيْرًا بن کر بھڑکے،

ہاں وہ خدا جو قید مکان و زمان سے آزاد و منزہ ہے، جب دنیا میں آیا ہے، جب دنیا میں آتا ہے، تو اپنے رہنے کے لیے اپنے بسنے کیلئے اک گھر چاہتا ہے، زمین کی پرشان وشوکت آبادیاں، پہاڑوں کی سربلند چوٹیاں، سمندروں کی فراخ موجیں، صحراؤں کے وسیع و پرفضا میدان، یہ سب اس کے لئے بیکار ہیں۔ شہنشاہوں کے تخت ہیبت و جلال، اور لعل و جواہر سے لبریز خزانے، بڑے بڑے گنبدوں اور ستونوں کے عظیم البنیتہ ایوان و محل، اس کا گھر نہیں بن سکتے تم اس کے لئے ایک مختصر سا گھر بنالو جو اس کے جمال قدس کا نشیمن اور اس کے حسن ازلی کا کاشانہ بن سکے

تم جو اس کی جستجو میں نکلنا چاہتے ہو، پہلے اپنی جستجو میں نکل کھڑے ہو، تم کہ اس کے نہ ملنے کی شکایت کرتے ہو، پہلے اپنی گم گشتگی پر ماتم کرو، اس کے حریم محبت کا دروازہ ہمیشہ سے ہمیشہ کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اس کے کاشانہ وصل کے باب محبت نواز پر کوئی پاسبان نہیں، وہ تو ہر لمحہ و ہر آن اپنے متلاشیوں کا منتظر ہے، خرابی ساری اس کی ہے محرومی ساری یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی مکان نہیں جو اس کے قدوم محبت کا مسکن بن سکے،

اس کے بسنے کے لئے چاندی اور سونے کی محل سرائے اور کوئی زریں کوشک درکار نہیں۔ صندل و آبنوس کے تخت مطلوب نہیں، جس میں لعل و الماس جڑے ہوں۔ وہ تو ان مغموم دلوں کا طالب ہے جن میں اس کے درد و محبت کے زخموں سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہوں، اس کو تو فقیروں اور خاک نشینوں کے وہ جسم چاہئیں، جن کے پہلو میں ٹوٹے پھوٹے دل ہوں، جن میں جلے ہوئے جگر ہوں، جن کی آنکھیں خونبار ہوں، یہی ٹوٹے پھوٹے کھنڈر چاہئیں جو اس کے لئے محل بن سکتے ہیں، یہی اجڑی ہوئی ویران بستیاں ہوں جو اس کو اپنے میں بسا سکیں،

وہ کہ آبادی کی رونق، فضا کے روپ، صحراؤں کی شگفتگی، اور پہاڑوں کی دلفریبی اور ملکوت السموات کی نوظہوری کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ اور دلوں کی شکستہ حالی میں آسودہ ہو گیا، کیسی آسانی سے مل سکتا ہے،

کیا تھا عرب کی ساری آبادی میں ایسے دل پیدا ہو گئے تھے جن میں اس نے اپنا گھر بنالیا اور ان میں ایک تلاش مجسم، اک فروغ النسانیہ کبریٰ، اک مجسمہ نعمت عظمیٰ کا ظہور ہوا صلی اللہ علیہ وسلم

تلاش روحانیت کی یہ آخری تکمیل تھی، جس سے اصلاح عالم کا نظام حیات سعادت بالکل مکمل ہو گیا اور حقیقت آگہی کے لئے صاف صاف کہدیا گیا۔ اب جلب منفعت کی شکل اسی میں ہے کہ سود اعمال کی تلاش کی جائے اور وہ اس طرح ممکن ہے۔ اب سے جو انسان احکام الٰہی کی جگہ کسی دوسری تعلیم کو تلاش کریگا تو یقین کر دکہ اس کی تلاش کبھی کامیاب نہ ہوگی اور اس کے تمام کاموں کا انجام نامرادی ہی ہوگا۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین ۝

اب ہم اس انقلاب روحانی پر ارتقائی حیثیت سے اک نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے اندر تبدیلی پیدا کرنا کچھ آسان نہیں، تم کسی مکان کی ایک دیوار بناتے ہو یا گھر کے اندر کوئی تبدیلی کرنا چاہتے ہو، تو اس کے لئے کیا کیا سامان کرنے پڑتے ہیں۔ پھر وہ لوگ جو سطح ارضی کے بڑے بڑے رقبوں اور انسانوں کی عظیم الشان آبادیوں کو نہیں ان کے اسماء

معتقدات کو بدلنا چاہتے ہیں، سوچنا چاہیے کہ ان کے مقصد کس درجہ مشکل اور عظیم ہیں؛

دنیا میں مادی انقلابات، سلطنتوں کے تغیرات، اور خونریز جنگوں کے ظہور ہوتے ہیں لیکن اک نظر خاص ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ہر چھوٹا سا انقلاب بھی کیا کچھ قدر و قیمت رکھتا ہے۔

مدتیں فکر و تدابیر میں صرف ہو جاتی ہیں، معمور خزانے خالی کر دیئے جاتے ہیں۔ کروڑوں روپے قرض لئے جاتے ہیں، پھر کہ فوجوں کے سیلاب طوفان میں آتے ہیں، قیمتی سے قیمتی آلات و اسلحہ کروڑوں کی تعداد میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ لاانتہا انسانوں کی قربانیاں خونیں میدانوں میں تڑپتی ہیں؛ خون کی ندیاں بہتی ہیں۔ عورتیں بیوہ، بچے یتیم۔ والدین زندہ درگور ہو رہتے ہیں، یہ اور کیا سب کچھ ہو کر جب کہیں ایک مختصر سا ملکی انقلاب حد تکمیل کو پہنچتا ہے؛ پھر وہ بھی یقینی نہیں۔ بلکہ ہزارہا کوششیں رائیگاں اور صدیوں کی امیدیں پامال ہو جاتی ہیں؛ جب دنیا کے ان مادی انقلابات کی یہ صورت ہے جو انسانوں کی حکومت و سیاست اور انسانی نسلوں کی آبادیوں کو، متغیر کرنا مقصود کہتے ہیں تو ذرا سوچو جو زمین کی سطح اور انسانی جسموں کو نہیں بلکہ روحوں اور دلوں کی اقلیموں کی کایا پلٹ چاہتے ہیں اور کروڑوں انسانوں کے اعمال و خصائل کے اندر تبدیلی کے جویاں ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد وحید، ان ایسے انقلابات کے لئے کیا محض انسانی قوت تدبیر، محض اخلاقی کوشش، صرف مذہب کے چند رسمی اصول پکار دینا ہی کافی ہو سکتا ہے۔

تم اک مرتبہ خود اپنے نفس کو ذرا آزماؤ جس پر تمہارے ارادے پوری قوت رکھتے ہیں کیا گوارا ہے کہ ایک چھوٹی سے چھوٹی تبدیلی بھی اپنے نفس و اعمال کے خلاف اپنے اندر پیدا کرو۔ پھر جب کہ تم اک نفس کی تبدیلی یا اس میں کسی نوع کا بھی فرق کرنا جو خود تمہارے اختیار میں ہے۔ اس پر قادر نہیں، تو ان کروڑوں دلوں کو کیونکر بدل دو گے جن پر تمہاری طرح نہیں بلکہ صدیوں سے پرورش یافتہ، محکم اعتقادات و اعمال کی حکومت قاہرہ اور توہم کا تسلط جابرہ قائم ہے؟

اصل یہ ہے کہ انسان جسموں کو پارہ پارہ کر سکتا ہے۔ مگر دلوں پر ذرہ برابر بھی قدرت نہیں رکھتا۔ زمین کی جغرافیائی شکل تبدیل کر دینا آسان ہے۔ مگر قلب و روح کے کسی ایک گوشے میں بھی تغیر ممکن نہیں؛ میں تعلیم دے سکتا ہوں؛ میں ہدایت و تلقین کر سکتا ہوں مگر نہ تو کامیابی کی امید میرے پاس ہے اور نہ فتح مندی پر میرا قبضہ۔ یہ صرف اسی قدیر و حکیم کے دست قدرت میں ہے۔ جو مقلب القلوب، اور مسبب الاسباب ہے، ہاں یہ صرف اسی کا کام تھا۔ کہ ایک یتیم و معصوم، ایک سادہ و اُمّی، ایک اُمّی و محض عربی نژاد کو صدیوں کے جہل و سرکشی، طغیان و تمرد پر فتحمندی عطا فرمائی؛ اور سرگشتہ عصیان عالم کو راہ ہدایت دکھائی؛ کیا یہ بوالعجبی نہیں کہ اس قدر سادے بشر کے نام لیواؤں کی تعداد آج دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہے؟ الہم زد فزد،

اللّٰھم صل علی محمد و بارک وسلم

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین

چیف جسٹس شیخ آفتاب حسین

یہ مہینہ محسن انسانیت کی ولادت کا مہینہ ہے۔ یہ جلسے اور جلوس اس مبارک موقع پر ایک خاص مقصد کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں۔ اس مقصد کو پاکستان میں اسلامی نظام کی ترویج کی ایک کڑی کی حیثیت سے دیکھتا ہوں۔

اسلامی نظام کے دو پہلو ہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی ایک پہلو کی اہمیت کو کم کیا جا سکتا ہے۔ دونوں ہی پہلوؤں کا اجتماعیت سے واسطہ ہے۔ ان دونوں پہلوؤں میں ایک ملتِ اسلامیہ کے ہر ہر فرد کی اصلاح ہے کہ وہ ہر لحاظ سے ایک صادق الایمان ہی نہیں بلکہ صادق العقل اور صادق العمل مسلمان ہو جائے۔ جس ملت کے افراد میں یہ صفت پیدا ہو جائے وہ ملت اسلامیہ کی ہر ہر صفت سے بہرہ ور ہو جاتی ہے۔ دوسرے پہلو کا تعلق قوانین ملکی سے ہے کہ ایک ایسی سوسائٹی میں جس میں اسلامی معاشرہ کی تدوین اصلاح اعضائے ملت کی بنا پر ہو چکی ہو۔ اس میں ایسے قوانین رائج کئے جائیں جو اس معاشرہ کو راہ راست پر رکھنے میں ممد و معاون ہوں۔ حدود و تعزیرات اس لئے ہوں کہ ایک نیک معاشرے میں اگر کسی شخص سے وہ جرائم سرزد ہوں جس سے معاشرے میں خرابی کا امکان ہو تو وہ کیفر کردار کو پہنچ جائے تاکہ اچھے لوگ اطمینان کا سانس لیں اور کمزور طبیعت لوگوں کو جن کا اشتعال و ترغیب کی زد میں ہو جانے کا امکان ہو عبرت حاصل ہو۔ اس طرح سوسائٹی میں اعتدال اور توازن پیدا ہو جاتا ہے اس کے لئے کسی طویل تقریر یا تبصرے کی ضرورت نہیں ہے آنحضرتؐ کا اسوہ اس کی بہترین مثال ہے آنحضرتؐ کا مشن اگر ایک طرف تبلیغ اسلام تھا تو دوسری طرف ایک ایسی ملت کی تخلیق اور اس کا فروغ تھا جس کا ہر فرد یا کم از کم افراد کی اکثریت نیک اور پاک و صاف زندگی بسر کر سکتی ہو ظاہر ہے جو شخص کسی ملت یا قوم یا گروہ کی اصلاح کرنا چاہتا ہو تو اس کو اس گروہ ملت یا قوم کے سامنے اپنے آپ کو نیکی کے نمونہ کی حیثیت سے پیش کرنا چاہیئے چنانچہ آنحضرتؐ کی زندگی ہر نقص سے پاک و صاف تھی جس کے نمونہ اور اسوہ پر دوسرے عمل کر سکیں۔ اقراء کی وحی آنے سے قبل حضور اکرم نے اگرچہ یہ بات محسوس نہ ہونے دی کہ آپ دنیا کی اصلاح کے لئے نبی مبعوث ہوئے ہیں لیکن پھر بھی چالیس سالہ زندگی میں نہ صرف یہ کہ آپ نے بتوں کی پرستش کبھی نہ کی بلکہ ہمیشہ جاہلانہ لہو و لعب اور ہر قسم کی برائی سے علیحدگی اختیار کی خود کو قوم کے سامنے بحیثیت صادق و امین پیش کیا کہ آپ کا بڑے سے بڑا دشمن بھی آپ پر جھوٹ بولنے کا الزام نہیں لگا سکتا تھا۔ حضرت خدیجہ کی طرف سے تجارت پر مامور ہوئے تو تجارت میں دیانت و امانت کا سکہ بٹھا دیا۔ آنحضرتؐ کی اس زمانہ کے ماحول میں ان منفرد خوبیوں نے ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو نکاح کا پیغام دینے پر مجبور کیا۔ انہی خصائص کا یہ نتیجہ تھا کہ اولاً جو لوگ آپ پر ایمان لائے وہ آپ کے دوست اور عزیز تھے۔ یعنی حضرت خدیجہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت علی آپ کے چچا زاد حضرت ابوبکر آپ کے رفیق جان نثار واقعہ معراج کی تصدیق حضرت ابوبکر نے محض اپنی صفت ایمانی کی وجہ سے نہیں کی کیونکہ اس قسم کی تصدیق تو ہر مسلمان کا فرض تھا جو قرآن پر ایمان رکھتا ہو بلکہ اس کا بھی خاص محرک ان کا آپ کے اکمل البشر ہونے کا علم تھا۔ اسی تصدیق نے ان کو صدیق اکبر بنا دیا اس پر مستزاد یہ کہ قرآن کریم نے آپ کی ان خوبیوں اور خصائص کی گواہی دے کر ان کی تاریخی اہمیت کو دائم

قائم بنا دیا۔ چنانچہ کفار کو بارہا جتایا گیا ہے کہ کیا تم ہمیشہ سے نبی سے واقف نہیں ہو۔ کیا تمہارا یہ علم ایمان لانے کے لئے کافی نہیں ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون (۱۶:۱۰) کیونکہ اس سے پہلے میں تم میں کافی عمر رہ چکا ہوں کیا پھر تم نہیں سوچتے) اور وہ واقعہ تو بہت ہی مشہور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے کفار مکہ سے دریافت کیا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے اس جانب دشمنوں کا ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہے تو کیا تم میری بات کا اعتبار کرو گے اور جواب میں کفار نے کہا۔ کیوں نہیں کیونکہ ہم نے تم کو ہمیشہ صادق پایا۔

بعثت کے بعد کے واقعات خصوصاً وہ واقعات جو مکی دور سے متعلق ہیں اس بات کے شاہد ہیں کہ نبوت نے پیروانِ محمدؐ میں وہ تاثیر پیدا کی کہ ہر شخص نہ صرف شرک سے محترز ہوا بلکہ دیانت سخاوت عالی ہمتی صدق و صفا غرضیکہ ہر اچھائی کا مرقع بن گیا۔

مدینہ منورہ میں قیام حکومت کے بعد بھی باوجود غزوات اور انتظامی مسائل میں انہماک کے رسول کا یہ مشن تابع فرمانِ الٰہی جاری رہا۔ کیونکہ مسلمان کی تعریف قرآن حکیم میں ان الفاظ میں کی گئی ہے "تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر" (تم لوگوں کو اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو)

رسول اللہ کی زندگی کے ان واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ نظام اسلام کے اجراء یا اس کے احیاء کے لئے معاشرے کو مکمل طور پر پاک صاف کرنا بے حد ضروری ہے خصوصیت کے ساتھ جبکہ کلام پاک کا مذکورہ حکم بھی موجود ہو۔ قوانین کا اجراء قرآن کریم کے ذریعہ بعثتِ رسالت سے کافی عرصے کے بعد عمل میں آیا ماسوا حکم زکوٰۃ کے۔ اس سلسلہ میں یہ توضیح ضروری ہے کہ زکوٰۃ کا حکم اس کلیہ سے اس وجہ سے مستثنیٰ ہے کہ مال کا جمع کرنا ہر ایسی سوسائٹی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ جس کا مقصد غریب لوگوں کی بھلائی ہو۔ بالخصوص ان غرباء کی جو قبول اسلام کی وجہ سے اور کفار کے رحم و کرم پر ہونے کے سبب اپنی روزی سے بھی محروم ہو چکے ہوں یا ایسے غلاموں کو خرید کر کے آزاد کرنے کے لئے جو ایمان لانے کے جرم کی وجہ سے مشرکین کے تختہ مشق بنے ہوں اور جن پر ظلم کر کے اور جن کو اذیتیں دے کر مشرکین اپنی اسلام دشمنی کے پیدا کردہ تجبر و انا کی تسکین کا سامان کرتے ہوں۔ اس لئے اکثر غلاموں کو خرید کر ان کو آزادی دینا ضروری ہوا لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ ابتدائی سوسائٹی میں زکوٰۃ یا صدقہ کی کوئی شرعی حد مقرر نہ کی گئی جس کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی کہ جب ملتِ اسلامیہ ایسی نہج پر پہنچ چکی تھی کہ یہ بات غیر ضروری ہو گئی کہ کوئی شخص اپنا سارا مال و متاع یا اس کا بیشتر حصہ ملت کی بقاء کی خاطر متاع جنگ کے حصول کے لئے پیش کرنا ضروری سمجھے۔

جہاں تک حدود و تعزیر کا تعلق ہے اس کی ضرورت کسی حکومت کی تنظیم کے وقت سے ہی محسوس ہونا چاہیئے بلکہ حکومت کی تنظیم کا انحصار ہی عام طور پر جبریہ قوانین کے نفاذ اور سزا پر ہوتا ہے لیکن ملت اسلامیہ کا معاملہ دوسری ملتوں سے اس لئے مختلف تھا کہ یہاں تبلیغ اور ترغیب کو زبردستی اور جبر پر فوقیت ہے چونکہ جبر مجبور کو باغی بنا سکتا ہے لیکن ترغیب سے اصلاح کا عمل تقویت ایمان کا باعث ہوتا ہے اور اثر میں دیرپا ہوتا ہے۔ سوسائٹی کے پاکباز ہونے کے بعد حدود اور تعزیر کی ضرورت بعد میں اس لئے محسوس کی گئی کہ اس معاشرہ میں بھی اگر کوئی شخص شیطان کے بہکانے سے کسی جرم کا مرتکب ہو تو اس کو ایسی سزا دی جائے کہ اچھے لوگ اچھائی

کی صفت پر نازاں و فرحاں ہوں اور جو لوگ کمزور ایمان ہوں ان کو تنبیہ اور عبرت ہو۔

اگر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ قوانین حدود و تعزیر کا حصہ ملت اسلامیہ کو معتدل اور متوازن رکھنے میں بہت کم ہے۔ مسلمان معاشرہ کو اسلامی صفات سے بہرہ ور کرنے کا سہرا زیادہ تر ترغیب اور تبلیغ کے سر ہے لیکن یہ بات فراموش نہیں ہونی چاہیئے کہ کوئی تبلیغ اس وقت تک موثر نہیں ہو سکتی جب تک مبلغ کی گفتار اور عمل میں یکسانیت نہ ہو۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی ترویج با عمل مسلمانوں کے عمل کو دیکھ کر ہوئی اس سے یہ نتیجہ بھی لازماً اخذ کرنا پڑتا ہے جو یقیناً صحیح ہے کہ جب سے مسلمانوں کا انفرادی اور اجتماعی کردار اسلامی اصولوں کے برعکس ہو گیا۔ ترویج مذہب میں لاینحل مشکلات پیدا ہو گئیں۔ دوسری قومیں اسلام کو مسلمانوں کے اعمال سے بھی جانچتی ہیں۔ اگر مسلمان کا عمل "برعکس نہند نام زنگی کافور" کے مصداق ہو تو کیا اس سے کوئی غیر مسلم متاثر ہو سکتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل اسلام میں ہر دور کے لئے فرض کیا گیا۔ اس پر عمل جہاں ہر مسلمان کا انفرادی فریضہ ہے وہ ایک اسلامی مملکت میں مملکت کا اجتماعی فریضہ بھی ہے لیکن ادائیگی فرض کے طریق کار میں بہت بین فرق موجود ہے۔ انفرادی حیثیت سے یہ فرض صرف تبلیغ اور ترغیب کے ذریعے ادا کیا جا سکتا ہے کیونکہ کسی فرد کو جبر کرنے کے لئے قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ تبلیغ کے ذریعہ رغبت دلانے والوں کو یہ نفسیاتی پہلو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ جو بات بلا طعن و طنز محبت و رافت سے سمجھائی جائے انسانی طبیعت اس کو جلد قبول کرتی ہے لیکن سختی ہی نہیں بلکہ طعن و تشنیع کی ملاوٹ بھی سامع میں تبلیغ کے خلاف ضد کا مادہ پیدا کرتی ہے جو تبلیغ کی نفی کے لئے کافی ہے اسی لئے مبلغ کے لئے شیریں دہنی ایک لازمی صفت ہے اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے طنز و مزاح کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر سکے۔ ارشاد ہے "ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک (اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔")

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حصول کے لئے جبر صرف حکومت وقت ہی کے لئے ممکن ہے ورنہ قوم میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جبر کا احسن طریقہ جزیہ اور عقود و حدود و تعزیرات کی تنفیذ ہے جس کی بنیاد عدل و احسان ہو لیکن معاشرہ کی اصلاح محض قوانین کے نفاذ سے ممکن نہیں اس سلسلہ میں ترغیب اور تبلیغ کا ایک جامع منصوبہ ضروری ہے

یہ صحیح ہے کہ حضورؐ نے پہلے اصلاح معاشرہ کی طرف توجہ دی لیکن یہ سیاق و سباق ہر مرتبہ اسلامی نظام کے اجراء میں قائم نہیں رکھا جا سکتا بالخصوص مسلمانوں کی اپنی مملکت میں اس لئے اصلاح معاشرہ کو ملت اسلامیہ بن جانے کے بعد نہ تنفیذ حدود و تعزیر پر مقدم کیا جا سکتا ہے اور نہ موخر۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اصلاح معاشرہ اور تنفیذ حدود و تعزیر پر ایک ساتھ عمل کیا جائے۔

ان اصولوں کی روشنی میں پاکستان میں اجرائے نظام شرعی کا جائزہ لینا ضروری ہے پاکستانی معاشرے کی اصلاح کی اشد ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اکثر و بیشتر پاکستانی مسلمان اپنے اخلاقی زوال اور اپنے درمیان غیر اسلامی اقدار کے

فروغ کا خود ذمہ دار ہے لیکن اس میں کچھ حصہ انگریز کے نافذ کردہ قانون کا بھی ہے۔ مثال کے طور پر انگریزی قانون میں دو بالغ مرد اور عورت میں زناکاری جرم نہیں اس وجہ سے اگر اس گناہ کو مسلمانوں میں فروغ حاصل ہوا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں اور حقائق اس بات کے شاہد ہیں کہ فروری ۱۹۷۹ء میں جبکہ یہ گناہ جرم قرار دیا گیا۔ اس کے مرتکبین کی تعداد بہت کافی تھی۔ اسی طرح رشوت کا جرم، منافع خوری، ذخیرہ اندوزی سمگلنگ جنگ عظیم دوئم کی پیداوار ہے۔ مسلمانوں میں یہ سب جرائم نیز غنڈہ گردی، قتل و غارت، بے جا طریقوں سے دولت کے حصول اور کسبِ حلال سے بے نیازی جس میں دھوکہ دہی اور کم تولنا بھی شامل ہے اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ دیکھ کر انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ پاکستانی معاشرے میں سے ان برائیوں کا سدِباب کس طرح ہو۔

سب سے قابلِ افسوس بات اس ضمن میں یہ ہے کہ عوام نے بڑے کام کو بُرا سمجھنا بھی ترک کر دیا ہے۔ اعمال حکام کی نکتہ چینی کے سلسلہ میں ایک مقولہ ہے کہ "افضل الجہاد ان تنظر منکراً منکراً" (افضل جہاد کسی بری چیز کو برا جاننا ہے) لیکن کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس مقولہ کی عمومیت کو کس طرح قطع کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی معاشرے کی بنیادی اچھائی اس بات پر ہی منحصر ہوتی ہے کہ کم از کم اس میں اچھے لوگ برائی کو برائی سمجھیں اور اس سے نفرت کریں اور اپنے کردار سے برائی کرنے والے پر اس برائی کی خرابی کو واضح کرتے ہیں لیکن پاکستان میں معاشرے کی خرابی کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی عزت کی جاتی ہے تو اس کی ثروت کی وجہ سے بغیر اس بات پر غور کئے ہوئے کہ یہ ثروت کن کن جرائم کی مرہونِ منت ہے یہی وجہ ہے کہ اگر رشوت لینے والا اپنی کسبِ حرام کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا تو اب وہ کسبِ حرام کو طرح طرح سے اچھالتا ہے بلکہ جو لوگ کسبِ حلال کی وجہ سے کم مایہ ہوتے ہیں ان کو کبھی کبھی تحقیر یا کم از کم رحم کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ بات نہیں کہ کاسبین حرام اپنے اعمال کی برائی سے واقف نہ ہوں وہ اپنی برائی سے ضرور واقف ہوتے ہیں اس لئے وہ حرام کے روپے کو تھوڑی سی خیرات کر کے یا مدرسوں، مسجدوں، خانقاہوں میں چندہ دے کر یا مانگنے والوں کو اچھی رقم دے کر اپنے پیسے کو پاک کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں میں ایسے صاحبان کی تعداد بھی کافی ملے گی جو ایک طرف تو فرائض کی ادائیگی میں بہت آگے آگے ہوتے ہیں اور دوسری طرف کسبِ حلال سے مستقل منہ موڑے رکھتے ہیں ان کی مثال اس بدو کی سی ہے جو مسجد میں نماز پڑھ کر باہر نکلا ہو تو اس نے راہگیر کو پیچھے سے گولی مار کر اس کا مال لوٹ لیا۔ جب استفسار کیا گیا کہ نمازی ہونے کے باوجود اس نے یہ حرکت کیوں کی تو اس نے کہا نماز کی ادائیگی تو میرا فرض تھا اور قزاقی میرا پیشہ ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ایسے صاحبان حساب کتاب کا معاملہ اللہ بزرگ و برتر پر چھوڑنے کی بجائے اپنے آپ ہی کر لیتے ہیں اور بزعم خود اپنی نیکیوں کو ستر سے ضرب دے کر بدیوں کی تعداد کم کر کے اپنے متعلق جنت کا مستحق ہونے کا فیصلہ صادر کرتے رہتے ہیں۔ یہ مذہب اسلام کو بدنام کرنے کے مترادف نہیں ہے تو کیا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد سے ہی نظام اسلام کے اجرا کا مطالبہ بہت اہمیت اختیار کر گیا اور باوجود اس کے کہ موجودہ حکومت نے اس سلسلے میں قابلِ قدر اور صریح اقدامات کئے ہیں لیکن مطالبے کی روز افزونی سے یہ احساس ہوتا ہے کہ مطالبہ کرنے والے صرف حکومت کو ہی اس نظام کے اجراء کا ذمہ دار خیال کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حکومت یا تو قوانین جاری کر سکتی ہے جو کافی تعداد میں اب تک جاری کر بھی دیئے گئے ہیں اور یا مبلغین کی ہمت بڑھا سکتی ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ تبلیغ کر سکیں۔ چنانچہ اس سلسلے

میں بھی اس حکومت کا کردار نمایاں ہے کہ اس نے علماء دین اور مذہبی مدرسوں سے فارغ شدہ فاضلین کو نمایاں عزت کا مقام اس ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ عنایت فرمایا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ تدریج نظام اسلامی کے لئے زیادہ اہم کام تبلیغ و ترغیب کا ہے تاکہ معاشرت کی اصلاح ہو، لوگ اچھائی کو اچھائی اور برائی کو برائی سمجھیں۔ اچھائی سے محبت کریں اور برائی سے نفرت کریں۔ اچھائی کے قریب ہوں۔ اور برائی سے بعید۔ مذہب کا یہ تخیل کہ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ ان کے دلوں سے بالکل محو ہو جائے۔ ان کو پتہ چلے کہ نماز اسی وقت اللہ کی بارگاہ میں قابل قبول ہے جب وہ فحشا اور منکر سے نماز پڑھنے والے کو روکے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر (بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے) ان کو اکل حلال کی اہمیت کا اور اکل حرام کی لعنت کا علم اور احساس ہو۔ ان کو معلوم ہو کہ مال حرام میں سے صدقہ یا خیرات سے انسان کو فائدہ نہیں ہو سکتا نہ کوئی پیر یا بزرگ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مال کے چڑھاوے سے متاثر ہو کر ان کی شفاعت کر سکتے ہیں۔ اسلام نام ہے دنیا میں تقویٰ کی زندگی بسر کرنے کا اور اسی زندگی کا حاصل جنت الفردوس ہے۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مساجد سے تبلیغ کرتے وقت عوام میں پیدا شدہ ان خرابیوں کا خیال نہیں کیا جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر مسجد سے خطبہ میں ان خیالات کی تردید کی جاتی جو معاشرے کے غلط کار افراد نے بزعم خود اپنا لئے ہیں۔

اصلاحِ معاشرہ کام ہے ان صاحبوں کا جو لوگوں میں بااثر ہیں۔ اس لئے یہ کام زیادہ احسن طریقہ سے علماء کرام اور مشائخ عظام اور دیگر مسلمانوں کے رہنما ہی انجام دے سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو ایک مثالی مسلمان بنا کر پیش کریں۔ اگر ان کو کوئی چندہ یا تحفہ پیش کیا جائے تو وہ اس بات پر قادر ہوں کہ حرام پیسے سے خریدا ہوا مال اور کسب حرام کا پیسہ دینے والے کے منہ پر مار دیں۔ صرف اسی صورت میں وہ کسبِ حلال کی وقعت لوگوں کی نظر میں بڑھا سکتے ہیں۔

نظام اسلام کا قیام حکومت و عمال حکومت کے علاوہ ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ جب تک اس ذمہ داری کا احساس نہ کیا جائے اس منزل تک رسائی مشکل ہے۔ یہ ایک محنت طلب کام ہے۔ خدارا ہر شخص اس میں حصہ لے کر اپنا فرض ادا کرے۔

واللہ اعلم بالصواب

مساوات کا علمبردار

مولانا علم الدین سالک

تہذیب جدید کی بدولت جو نئے الفاظ ہم تک پہنچے ہیں۔ ان میں حریت، مساوات اور اخوت اپنے اندر خاص جذب اور کشش رکھتے ہیں۔ غلام آباد ہند کا ہر فرد ان الفاظ کو بار بار دہراتا ہے اور انہیں اپنا وظیفہ حیات تصور کرتا ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو یہی الفاظ ابھی تک شرمندۂ معنی نہیں ہوئے۔ یورپ کے "عشرت کدے" اور امریکہ کی "مقدس سرزمین" بھی ان الفاظ کی حقیقی تفسیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

مساوات آج دنیا کی سیاسی اور اقتصادی کش مکش کا ایک اہم مسئلہ ہے جس نے بڑے بڑے مفکر اور سیاسی رہنماؤں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر رکھی ہے اور حق یہ ہے کہ دنیا کی تمام مصیبتوں اور انسانیت کے تمام دکھوں کا حل اسی ایک لفظ میں مضمر ہے۔ مگر اس کے باوجود لوگ مساوات سے کوسوں دور بھاگ رہے ہیں۔ گو سیاسی پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر تہذیب جدید کے علم بردار بنی نوع انسان کے خیر خواہ اور امن و امان کے پرستار ببانگ دہل اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہماری ملک گیری کی غرض و غایت دنیا اور اہل دنیا کو دکھوں سے نجات دلانا ہے۔ کالے گورے کی تمیز مٹا کر تمام انسانوں کو مساوی حقوق دلانا ہے۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ یہ بلند بانگ دعاوی کہاں تک اپنے اندر سچائی رکھتے ہیں اور ان کے پرستار کہاں تک اپنے عزائم اور مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں اور کیا ان کے ہاتھوں دنیا کے اندر مساوات پھیل سکتی ہے یا نہیں۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اس میں ناکام ہیں اور ناکام رہیں گے۔ البتہ اگر دنیا میں سچی اور حقیقی مساوات کہیں ہے اور وہ ہمیں عملی زندگی میں مدد دے سکتی ہے تو وہ اسلام اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات میں ہے اور اس کی پیروی سے دنیا نجات حاصل کر سکتی ہے۔

ہم اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کر کے اپنے دعوے کے جواز میں ثبوت پیش کریں گے۔

۱:- مذہبی نقطہ نظر

دنیا کے قدیم مذاہب میں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ ہندویت اور عیسائیت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہندوؤں میں مساوات سرے ہی سے مفقود ہے۔ ذاتوں اور ورنوں کی تقسیم دائمی غلامی کا پیش خیمہ اور انسانیت کے لئے ظلم اکبر ہے کیونکہ اس تقسیم کی وجہ سے برہمن کا درجہ اتنا بلند اور ارفع ہے کہ شودر اور اچھوت کی چیخ و پکار بھی اس کے کانوں تک نہیں پہنچ سکی۔ برہمن شکم مادر سے پوتر پیدا ہوتا ہے وہ گناہوں سے منزہ اور آلائشوں سے پاک سمجھا جاتا ہے

ؔ یہ مضمون ۱۳۵۵ھ میں چھپا تھا

کوئی عدالت اس کے خلاف مقدمہ قائم نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس کے بیان پر شک وشبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے اگر اس سے کسی انسان کا قتل بھی سرزد ہو جائے تو ہندو قانون کے مطابق اسے بڑی سے بڑی سزا بھی دی جاسکتی ہے کہ اسے شہر بدر کردیا جائے اور اس کی املاک اور جائیداد کی قیمت اسے دیدی جائے۔ شودر یا اچھوت شروع سے باقی تین درنوں کے مظالم کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں ان کو تعلیم سے روکا جاتا ہے۔ مندروں کے دروازے ان پر بند ہیں۔ انسانیت کے ابتدائی حقوق سے وہ محروم ہیں۔ ان کا سایہ اونچی ذات کے آدمیوں کو ناپاک کر سکتا ہے۔ ان کے کنوئیں علیحدہ ہوتے ہیں ان کی بستیاں الگ تھلگ بنائی جاتی ہیں اور اگر وہ بدقسمتی سے کسی اونچی ذات کی جگہ پر بیٹھ جائیں تو ان کے چوتڑوں کو گرم لوہے سے داغ دیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ اس قسم کے خون چکاں واقعات سے لبریز ہے اور اچھوتوں کی مظلوم خاموشی اب اچھوت ادھار کی صورت میں سیاسی اغراض کے لئے رنگ لارہی ہے۔

عیسائیت جس کا ماخذ انجیل مقدس ہے خود مساوات کے حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ بائیبل میں تو یہ پایا جاتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں سے اپنے جیسا سلوک کرو مگر آج ہر عیسائی اس تعلیم کے خلاف عمل کر رہا ہے۔ عیسائیت کی تاریخ جنگ وجدل کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ ایک مدت تک عیسائیوں کے مختلف فرقے مذہب کا نام لے لے کر ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہے۔ قرون وسطیٰ کی مذہبی عدالتوں نے مذہب کے نام پر ہزار ہا انسانوں کا خون بہایا۔ پروٹسٹنٹ فرقہ نے ایک مدت تک رومن کیتھلکوں کو ظلم وتشدد سے دبائے رکھا اور جب ان کی چیخ وپکار سے یورپ کی تمام فضا گونج اٹھی تو انہیں کچھ تھوڑے بہت سیاسی حقوق دے کر خاموش کر دیا گیا مگر ان کی عبادات اور دیگر مذہبی رسوم کی ادائیگی پر پابندیاں عائد کر دیں۔ اسی طرح صلیبی جنگوں میں ہم کو امتیاز رنگ وبو کی داستانیں بکثرت ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائی دنیا ہر طرح ناکام ہے۔

۲۔ تمدنی پہلو

تمدن عالم پر بھی سرسری نظر ڈالئے، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کے سوا دنیا کا کوئی تمدن مساوات کا حامی نہیں ہے۔

دنیا کا قدیم ترین تمدن اہل مصر کا ہے مگر اس میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے مظلوم فراعنہ مصر کے محلات کی تعمیر کے لئے ہزاروں من پتھر اپنی پیٹھوں پر لاد لاد کر لاتے تھے۔ انہیں جانوروں کی طرح چھکڑوں میں جوتا جاتا تھا، امراء کی تفریح کی گاڑیوں کو وہ میلوں تک کھینچتے تھے اور جب وہ تھک کا چکنا چور ہو جاتے تھے تو وہ کوڑوں سے ان کی پیٹھ کو لہولہان کر دی جاتی تھی۔ بیگمات مصر کی پالکیوں کو کندھوں پر اٹھائے اٹھائے پھرنا ان کے سروں پر چھتریاں تانے دم بخود تصویر مظلومی بنے سایہ کی طرح ساتھ ساتھ جانا ان کی سواریوں کے ہمراہ میلوں تک دوڑتے پھرنا اور آخر بدحواس ہو کر گر پڑنا۔ چیتھڑوں سے پیوند کئے ہوئے تہہ بند پھٹے پرانے لباس، غربت اور افلاس زدہ چہرے انہیں مصریوں

سے صاف ممیز کر دیا کرتے تھے۔

اسی طرح سرزمین یونان میں ایتھنز والوں کو تمام دنیا پر ترجیح دی جاتی ہے مگر افلاطون کا فلسفہ اور ارسطو کی نکتہ آرائیاں اس امتیاز کو مٹانے سے یکسر قاصر ہیں بلکہ انہوں نے خود اس بات کا اعلان کیا کہ اہل ایتھنز تمام دنیا پر فوقیت رکھتے ہیں وہ سب کو غلام بنا سکتے ہیں مگر انہیں کوئی غلام نہیں بنا سکتا۔

اسی طرح اہل روما کی عدم مساوات نے موجودہ قومیت اور نسلی امتیاز کی بنیاد رکھی۔ نیشنلزم کا موجودہ تخیل بھی ان کی تہذیب کا اثر ہے۔

یورپ کا جدید تمدن بھی بظاہر نہایت دلفریب اور دلکش معلوم ہوتا ہے سائنس اور فلسفہ کی ترقی سے دنیا نے یہ یقین کر لیا تھا کہ اب انسانیت کے مجروح قلوب کا مداوا ہو جاتے گا اور وہ دل جو بدرت کے ظلم وستم سے پاش پاش ہو چکے تھے۔ ان کے اندمال کا وقت آگیا ہے مگر نقاب اٹھنے پر معلوم ہوا کہ دنیا ایک عظیم الشان دھوکہ میں مبتلا تھی جسے وہ مساوات کی نیلم پری سمجھ رہی تھی وہ استبداد یت کا دیو تھا اور بنی نوع انسان کے جذبہ ہمدردی کی تہہ میں طمع زر، جنگ و جدل شخصی خود غرضی، مطلب پرستی اور مطلب براری استعمار پسندی اور تفریق رنگ و لو، سپید رنگ کا تفوق اور اس قسم کے دیگر خوفناک خیالات مضمر تھے۔ دنیا نے ایک بار پھر دیکھ لیا کہ بین الاقوامی قوانین کے شاندار اصول انسانی ہمدردی کیلئے لمبے چوڑے دعوے اور اس بات کا اعلان کہ تہذیب جدید کا اصول اساسی بنی نوع انسان کی خدمت اور مساوات ہے۔ ہماری پریشانیوں کو خوفناک صورت میں بڑھا رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے سچ کہا تھا۔

ہے وہی ساز کہن یورپ کا جمہوری نظام
کہ نہیں جس میں نوا غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے۔ نیلم پری

کیا یہ حقیقت نہیں کہ کینیڈا، نیوفاؤنڈلینڈ، تسمانیا اور دیگر سپید انسانوں کی بستیوں نے اپنے دروازے ایشیا پر بند کر دیئے ہیں اور کسی غیر یورپی انسان کو وہاں رائے دینے کا حق حاصل نہیں۔

کیا یہ درست نہیں کہ امریکہ میں کالے اور گوروں کے گرجے الگ الگ ہوتے ہیں؟

کیا یہ سچ نہیں کہ کالا کسی گورے کا امام نہیں ہو سکتا؟

کیا امریکہ نے ہندوستے احمر کو مٹانے میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور نہیں لگایا؟

کیا اہل فرانس نے اپنی بستیاں بسانے کے لئے ہمدردی کے بہانے خوفناک بیماریوں کے جراثیم سے آلودہ کمبل وہاں کے باشندوں میں تقسیم نہیں کئے؟

کیا اہل ہسپانیہ نے میکسیکو والوں پر انسانیت سوز مظالم نہیں توڑے؟

کیا اہل بلجیم نے ربڑ کی تجارت کے سلسلہ میں اہل کانگو پر خوفناک ستم نہیں ڈھائے ؟

کیا یورپ کی مختلف قوموں نے افریقہ کے غریب باشندوں کو بھیڑوں اور بکریوں کی طرح جہازوں میں لاد لاد کر مختلف ممالک میں فروخت نہیں کیا ؟

اور کیا جنگ عظیم کے بعد ایک بہت بڑی جمہوری سلطنت کے ایک وزیر نے تقریر کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ امریکہ اور یورپ کی گوری نسلوں کو خدا نے اس واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ سیاہ فام قوموں اور کالی نسلوں پر حکومت کریں اور انہیں محکوم بنائیں۔

یہ وہ حقائق ہیں جن پر انسانیت ہمیشہ خون کے آنسو بہائے گی اور مساوات ماتم کرے گی۔ ان واقعات کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے کہ یورپ اور امریکہ کی تہذیب مساوات کی علم بردار ہے اور اس سے انسانی دکھوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

آیئے اس تصویر کو اسلام کے آئینہ میں دیکھئے اسلام، اخوت اور مساوات کے ذریعے انسانوں کی عالمگیر برادری قائم کرتا ہے وہ نسلی امتیاز مٹا کر کالے اور گورے حبشی و رومی، یورپی اور غیر یورپی کو ایک سٹیج پر کھڑا کرتا ہے اور زندۂ جاوید حافظ کے قول کے بموجب کہ :-

محو بہ محل شاہی کہ در دولت عشق ‏ ‏ گدا بہ تخت نشاندو بادشاہ گیرند

اسلام کے آتے ہی نسلی تفاخر، قومی تکبر اور نسبی وجاہت کی کایا پلٹ گئی تمام عرب ایک ہی رنگ میں رنگے گئے اور وہ اسلام کا رنگ تھا جس نے انہیں ملکی بندھنوں اور جغرافیائی حدود سے آزاد کر کے ایک عالمگیر برادری کا رکن بنا دیا اب صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ سلمان فارسی اور ابن عباس میں کوئی فرق نہ تھا

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است

اسلام عمل کا مذہب ہے اس کی تعلیم عمل پر مبنی ہے جب ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کو مساوات کا درس دیا تو قریش نسبی تفاخر میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ اپنے سوا تمام انسانوں کو ہیچ سمجھتے تھے ان کی نظروں میں خدا کی بادشاہت فقط ان ہی کے لئے تھی وہ اپنے آبائی مذہب پر فخر کرتے اور اپنی نسلی نجابت پر اتراتے تھے یہاں تک کہ جنگ بدر میں مدینہ منورہ کے دو مسلمان ان کے مقابلے میں نکلے تو انہوں نے پکار کر کہا کہ "اے محمدؐ! قریش کی تلوار غیر قریشی کی گردن پر نہیں چل سکتی۔ تو ہمارے مقابلہ میں مدینہ کے آدمی بھیج کر ہماری تلواروں کی توہین و تذلیل کر رہا ہے" مگر ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں کا قلع قمع کیا اور بتایا کہ اے قریش اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارا باپ ایک ہی ہے کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اگر فضیلت ہے تو حسن عمل اور اتقا کی وجہ سے، اس حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ۔ یہی سچی حقیقت ہے اس سے سرتابی نہیں ہو سکتی یہ میرا فرض تھا میں نے

اسے پورا کر دیا۔"

پھر فرمایا :-

لَیْسَ لِاَحَدٍ عَلٰی اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بِدِیْنٍ وَتَقْوٰی

یعنی کسی کو ایک دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے پاکیزہ خصلت کے۔

ان ارشادات کا اثر یہ ہوا کہ جب بلال حبشیؓ نے شادی کی خواہش ظاہر کی تو اہل قریش کی گردنیں ان کے سامنے جھک گئیں سب یہ آرزو کرنے لگے کہ حضرت بلالؓ کی انگلی ان کی طرف اٹھے اور وہ یہ سعادت حاصل کریں۔ یہانتک کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آہ :

اُٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا   اٹھ گیا آج نقیب حشم پیغمبر

رسول امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا ماخذ قرآن حکیم ہے اس میں بھی خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ

"اے انسانو یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا تمہارے مختلف خاندان اور قبیلے اس واسطے قائم کئے کہ خاندانوں اور قبیلوں کا امتیاز باہمی جان پہچان کا سبب بن جائے۔"

خداوند تعالیٰ کا یہ حکم نسلی اور جغرافیائی امتیازات کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوا۔ آناً فاناً میں سب جھگڑے مٹ گئے اور ایک ایسی عالمگیر برادری قائم ہو گئی جس کا اصل اصول مساوات تھا اور جس کی تاسیس مواخات، محبت، عفو اور کرم پر تھی اس برادری کا طغرائے امتیاز یہ تھا کہ سب ایک دوسرے کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ وہ برادری تھی جس میں انصار نے اپنی جائیدادیں مہاجرین کے ساتھ نصف نصف بانٹیں اور جس میں ایک سیاہ فام حبشی اپنے اتقا کی وجہ سے ایک قریشی شہزادہ سے زیادہ معزز ہو گیا۔ اس مساوات نے ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ آقا اور غلام قانون کی نظر میں یکساں ہو گئے اور دوسری اقوام کے خلاف ادنے ادنے غلام اس عالمگیر برادری کی امامت اور بادشاہت کے درجے تک پہنچ گئے

یہ مساوات کوئی شاعرانہ تخیل یا ناقابل عمل اصول نہ تھا اسلام اور پرستاران اسلام نے اسے جس رنگ میں پیش کیا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں نہایت پرجوش الفاظ میں اس کا اعادہ کیا اور کہا کہ۔

"اے حاضرین میں تمہیں اسلامی وحدت کا سبق یاد دلاتا ہوں یاد رکھو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اخوت خدا کی ودیعت ہے پس کسی بھائی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے بھائی کی مرضی کے خلاف اس کا مال حاصل کرے۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے بخشدے تو اور بات ہے۔ اے حاضرین اسلام میں سب آدمی برابر ہیں نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر سب میں پایۂ امتیاز صرف پارسائی ہے اور خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ آج میں

نسل رنگ اور قوم کے بتوں کو پاؤں تلے روندتا ہوں اور تمام انسانوں کو عالمگیر اخوت اور مساوات کے رشتہ میں جکڑ دیتا ہوں کیونکہ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوا تھا۔

مساوات کا اس سے شاندار نقشہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیا کوئی مذہبی کتاب ایسے شاندار الفاظ مساوات کے متعلق پیش کر سکتی ہے؟ کیا کوئی سیاسی مفکر مساوات کے متعلق اتنے مؤثر جذبات دنیا کے سامنے رکھ سکتا ہے؟ کیا کوئی ریفارمر مساوات کا اتنا عمدہ درس دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں صدیاں گذر گئیں، زمانہ کے اوراق پلٹ گئے، تاریخ کے دور گذر گئے مگر مکہ کے ایک امی نبیؐ دنیا کے سب سے بڑے ریفارمر اور تاریخ عالم کے پہلے اور آخری تاریخی پیغمبر کے الفاظ حروفِ زریں کی طرح انسانیت کے اوراق اور تاریخ کے صفحات پر آج تک جگمگا رہے ہیں اور ان کی چمک دمک سے تہذیب و تمدن کلچر اور معاشرت کی آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں

ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آزاد اور غلام کے امتیاز کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا یہ وہ بندھنیں تھیں جو منو اور ارسطو کے انسانی دماغوں کی کاوشوں کا نتیجہ تھیں جن کے توڑنے میں گوتم بدھ اور جین مت کا بانی مہابیر ناکام رہ چکا تھا جن کی گرفت روز بروز مضبوط اور استوار ہو رہی تھی اور جنہیں بڑے بڑے فلاسفر اور روشن دماغ مقنن جائز اور مباح قرار دے رہے تھے۔ پرانا عہد نامہ اس کی تائید کرتا ہے۔ انجیل اس کے متعلق خاموش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بھی نبی آخر الزماںؐ کے لئے محفوظ رکھی تھی کہ وہ شودر اچھوت اور غلاموں کا ادھار کریں اور ان کو ایک عالمگیر برادری کا فرد بنا کر انسانیت کے ماتھے سے یہ کلنک کا ٹیکہ مٹائیں۔ تاریخ کہتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حین حیات میں ۵۰ ہزار غلاموں کو آزادی نصیب ہوئی اور وہ اسلام کی برادری کے اہم ترین رکن بن گئے۔

بلال حبشیؓ کے نام سے کون واقف نہیں، اسلام کا یہ معزز فرزند اسلام قبول کرنے سے پہلے غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ سلمان فارسی بھی اس مصیبت میں گرفتار تھے۔ زید بھی اسی جام کی تلخیوں کا مزہ چکھ رہے تھے ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لبوں کی ایک ہلکی سی جنبش نے انہیں غلامی کی آہنی زنجیروں سے رہا کر دیا۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول کریمؐ نے اس کی پر زور مذمت کی اور فرمایا کہ:

اے مسلمانو! تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ ان سے اتنا ہی کام لو جتنا آسانی سے وہ کر سکیں ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو جیسا کہ تم اپنے دوستوں اور عزیزوں سے روا رکھتے ہو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو وہ ان کے لئے بھی ناپسند کرو، جو خود کھاؤ وہ ان کو بھی کھلاؤ، جو خود پہنو وہی انہیں بھی پہناؤ۔"

کیا کوئی مذہب کوئی تہذیب اور کوئی مقنن غلاموں کے متعلق اس قسم کے خیالات ظاہر کر سکتا ہے۔ یورپ آج اس بات پر اتراتا ہے کہ اس نے غلامی کا سدباب کیا، اس کی روک تھام کے لئے قانون وضع کئے مگر جو امتیازی سلوک وہ ایک دوسرے کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ وہ صاف صاف بتاتا ہے کہ اس آزادی کا دوسرا نام غلامی ہے اور وہ قدیم زمانہ کی غلامی سے بھی بدتر ہے پہلے صرف جسم غلام ہوتے تھے۔ اب روح اور دماغ کو غلام بنایا جاتا ہے۔ اس کا

چارہ اور علاج محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آغوش میں ہے آپ کو غلاموں کا اتنا خیال تھا کہ جب آپ نے آخری وصیتیں کیں تو فرمایا کہ:

اپنی لونڈیوں اور غلاموں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔"

ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے اپنے ایک عجمی غلام کو برا بھلا کہا وہ فریاد لیکر بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ آپ حضرت ابوذرؓ پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ:-

یہ غلام تمہارے بھائی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ نے تم کو ان پر ایک گونہ فضیلت دی ہے یاد رکھو جو غلام تمہاری مرضی کے مطابق نہ ہو اسے فروخت کر دو اور خدا کی مخلوق کو عذاب اور تکلیف نہ دو۔"

ایک بار آپؐ نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے غلام کو پیٹ رہا ہے آپ نے فرمایا کہ" خدا تم سے زیادہ قدرت والا ہے" اس شخص نے آپ کی آواز پہچان کر غلام کو آزاد کر دیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا کہ" اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش جہنم تمہیں بھسم کر ڈالتی۔"

ان مثالوں کے ہوتے ہوئے بھی مغرب کے گندہ ذہن پادری گرجا کے منبروں پر کھڑے ہو ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اسلام غلامی کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر اس کا نام غلامی ہے تو یہ مغرب کی آزادی سے ہزار درجہ اچھی ہے۔

خدا گواہ است کہ گر جرم ہمیں عشق است گناہ گبر و مسلمان بجرم ما بخشند

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مظلوم اور بے زبان عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دلائے اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا کہ:-

اے مردو! عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، جس طرح تمہارے حقوق ان پر ہیں اسی طرح ان کے حقوق تم پر ہیں ان کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھو، وہ خدا کی طرف سے تمہارے پاس امانت ہیں ان کی عزت کرو۔

یہ ہے اسلامی مساوات کی تعلیم جو دنیا کے سب سے بڑے، سب سے کامیاب اور سب سے اولوالعزم پیغمبر کی معرفت ہم تک پہنچی اور یہ فقط تعلیم ہی تعلیم نہیں بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر عمل کیا اور دنیا کو بتایا کہ عمل بہترین معلم ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے اپنا لڑکا رسول خدا کی خدمت میں بھیجنا چاہا لڑکے نے پاس ادب سے دریافت کیا کہ وہ حضورؐ کو کس لقب سے مخاطب کرے۔ صحابی نے جواب دیا۔ جان پدر! بارگاہ نبوت میں کسی شاہانہ لقب کی ضرورت نہیں، تم محمدؐ کہہ کر پکار لینا۔

اللہ اکبر! کیا شان مساوات ہے۔ یورپ بایں ہمہ ادعائے مساوات آج یہ کہتا ہوا سنائی دیتا ہے: کہ ایک شریف مرد اپنے خادم کی نگاہ میں شریف نہیں ہوتا۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ یورپ کی مساوات ریاکارانہ ڈپلومیسی ہے۔ جس میں خلوص کلیتاً مفقود ہے۔ مگر تاریخی اوراق پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ عرب کا اُمی نبیؐ اپنے نزدیک ترین خدام کی

نگاہوں میں بھی اتنا ہی معزز رہتا جتنا کہ غیر ان کا احترام کرتے تھے کیونکہ وہ اخوت اور مساوات کا درس دینے سے پہلے خود اس پر عمل کرتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کسی بات پر حضرت بلالؓ اور سلمان فارسی کو ڈانٹا حضورؐ نے فرمایا کہ: "تم نے ان لوگوں کو آزردہ کیا" یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ واپس آئے اور ان سے معافی مانگی۔

قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت چوری کے الزام میں گرفتار ہوئی اسامہ بن زید لوگوں کی طرف سے شفیع بنکر بارگاہِ اقدس میں آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسامہؓ سے بہت محبت تھی آپ نے فرمایا کہ اے اسامہ، کیا تم حدودِ خداوندی میں تجاوز کی سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم سے پہلی امتیں اس واسطے تباہ ہوئیں کہ جب کوئی معزز آدمی جرم کرتا تو چشم پوشی کرتے اور جب کسی معمولی آدمی سے جرم سرزد ہوتا تو سزا دیتے خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جاتے۔

تہذیب جدید کے علم بردار آئیں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اسوۂ حسنہ کے ساتھ یورپ کی چکا چوند کر دینے والی تہذیب کے اس مقولہ کا توازن کریں کہ بادشاہ قانون سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی عدالت اس کے خلاف مقدمہ قائم نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سفر میں کھانا تیار نہ تھا، تمام صحابہ نے مل کر کھانا پکانے کا انتظام کیا۔ سب نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لیا۔ حضور علیہ السلام نے جنگل سے لکڑیاں لانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کام ہم خود ہی کر لیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے مگر میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم میں سے اپنے آپ کو ممتاز کروں۔ خدا اس بندہ کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں سے ممتاز بنتا ہے۔

جب حضرت عباسؓ جنگ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو لوگوں نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر باندھ دیئے، جس کی وجہ سے وہ بہت بے چین ہوئے۔ ان کے کراہنے کی آواز آپ کے کانوں میں آرہی تھی لیکن آپ اس خیال سے ان کے ہاتھ پاؤں نہیں کھولتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے عزیزوں کے ساتھ رعایت کرتے ہیں مگر ان کی تکلیف کی وجہ سے آپ کو رات بھر نیند نہ آئی۔ صحابہ کرام آپ کی کروٹیں بدلنے کا سبب سمجھ گئے اور ان کی گرہیں ڈھیلی کرنے کے لئے اُٹھے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ یا تو سب کی گرہیں ڈھیلی کردو یا سب کو ویسے ہی رہنے دو۔

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا وہ فوت ہوگیا۔ اس کے انتقال کی خبر آپ کو نہ ملی۔ آپ نے اس کا سبب پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ اس قابل نہ تھا کہ آپ کو اس کے مرنے کی اطلاع دی جاتی۔ آپ یہ سن کر بہت رنجیدہ ہوئے اور اس کی قبر پر جا کر نمازِ جنازہ ادا کی۔

ایک دفعہ ایک شخص آپ سے ملنے کے لئے آیا لیکن نبوت کا رعب اس درجہ طاری ہوا کہ وہ کانپنے لگا آپ نے اسے تسلی دی اور فرمایا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں ایک قریشی عورت کا لڑکا ہوں

جو سوکھا گوشت پکا کر کھاتی تھی۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت جب صحابہ کرام اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور مسجد کی تعمیر میں بڑے ذوق و شوق سے حصہ لے رہے تھے تو حضرت اقدسؐ خود بھی ان میں شریک تھے آپ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور نہایت پرجوش الفاظ میں انہیں یہ خوشخبری سناتے تھے کہ وہ شخص خوش نصیب ہے جو مسجد تعمیر کراتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن مجید پڑھتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور ہم خدمت کے لئے حاضر ہیں آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم سب کام کرو۔ اور میں خاموش بیٹھا رہوں مجھے بھی اس کام میں حصہ لینے دو۔

جنگ احزاب کا ذکر ہے کہ کفار عرب ۲۴ ہزار کی عظیم الشان فوج لیکر نہتے مسلمانوں کو مٹانے کیلئے مدینہ پر چڑھ آئے۔ مدینہ کی حفاظت کے لئے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ شہر کے گرداگرد خندق کھود دی جائے تمام صحابہ نے اس میں حصہ لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تین دن کے فاقہ کے باوجود خندق کھودنے میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ صحابہ کرام باربار عرض کرتے تھے کہ حضور تکلیف نہ فرمائیں مگر اس کام میں آپ اسی انہماک سے مشغول رہے۔ مٹی کھودی جا رہی تھی رجز پڑھتے جاتے تھے۔ حضورؐ بھی مٹی ٹوکریوں میں بھر بھر کر اٹھاتے تھے اور دوسروں کے ساتھ رجز خوانی کرتے تھے۔

کیا مساوات کی ایسی شاندار مثال انسانیت کی تاریخ میں مل سکتی ہے اور کیا یہ وہ مساوات نہیں جس پر عمل کرنے سے انسانی دکھوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ دنیا کا اضطراب مٹ سکتا ہے اور سارا جہان امن سکھ اور طمانیت قلب حاصل کر سکتا ہے۔

جنگ احزاب ہی کا واقعہ ہے کہ صحابہ کرام نے کام کو جلدی ختم کرنے کے لئے فیصلہ کیا کہ قبیلہ قبیلہ کے لوگ اکٹھے مل کر کام کریں۔ تمام صحابی ٹولیوں میں تقسیم ہو گئے۔ سلمان فارسیؓ اکیلے رہ گئے، وہ بے حد مغموم ہوئے ہادیٔ اکرمؐ نے انہیں دیکھا ان کے پاس تشریف لائے، تاسف کا سبب پوچھا اور جب اصل حقیقت سے واقف ہوئے تو اپنی باہیں ان کی گردن میں ڈال دیں اور فرمایا کہ "تم غمگین کیوں ہوتے ہو میں بھی تمہارا بھائی ہوں آؤ ہم تم اکٹھے ملکر کام کریں۔"

اللہ اکبر! مساوات کا کتنا روح افزا منظر ہے کیا پژمردہ قلوب میں روح حیات دوڑانے کے لئے یہی ایک واقعہ کافی نہیں؟

آخری ایام میں جب آپ نے رومیوں کی روک تھام کے لئے فوج روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی سپہ سالاری حضرت اسامہ بن زیدؓ کے سپرد کی، حضرت اسامہؓ آپؐ کے غلام زیدؓ کے صاحبزادے تھے، اس وقت سیکڑوں قریشی اور ہاشمی مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ آپ ان میں سے کسی کو منتخب فرما سکتے تھے۔ مگر مساوات کی عملی تعلیم دینے اور نسبی فخر مٹانے کے لئے آپؐ نے حضرت اسامہؓ کو نامزد فرمایا جس نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ درحقیقت پیغمبر مساوات ہیں اور اس دنیا میں رنگ اور نسل کے بت توڑنے آئے تھے آپ کی اس عملی تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ ہر مسلمان اس رنگ میں رنگا گیا اور آج ہم بلا خوف تردید

یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ مساوات کے متعلق جتنی شاندار روایات اسلام پیش کرتا ہے۔ دنیا کی تمام قومیں مل کر بھی پیش نہیں کر سکتیں۔ ساڑھے تیرہ سو برس سے اب تک حج کے موقعہ پر اس کا نظارہ دنیا کو محوِ تحیّر کر رہا ہے۔ دنیا کے ہر خطّہ کے مسلمان، ہر آب و ہوا کے بسنے والے مختلف بولیاں بولنے والے، کالے گورے خوبصورت و بدصورت، غرضیکہ ہر طرح کے انسان مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین میں جمع ہوتے ہیں اور ایک لباس پہنے ایک اثر میں ڈوبے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کے نعرے لگاتے حرم کے گرد طواف کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی ایک ایک حرکت مساوات کی زندہ تصویر اور ان کی ایک ایک جنبش خدائے قہار کی عبودیت کا جذبہ لئے ہوئے ہوتی ہے۔ وہ شمع حرم کے گرد پروانہ وار گھومتے ہیں ان کا جوش اور ولولہ دیکھنے والوں کے دلوں پر ایک خاص اثر کرتا ہے اور سخت سے سخت مخالف اسلام کو بھی اسلام کی مساوات کا قائل کر دیتا ہے۔

نماز جو مومن کی معراج ہے مساوات کی بہترین مثال ہے، دن میں پانچ مرتبہ اللہ کے بندے دوش بدوش کھڑے ہو کر مساوات کا عملی ثبوت دیتے ہیں وہ نظارہ کتنا شاندار اور حیرت افزا ہوتا ہے۔ جب ایک غریب مزدور جس کا جسم گرد و غبار سے اٹا ہوا جس کا لباس میلا کچیلا اور پھٹا ہوا اور جس کی ظاہری شکل و صورت مسکنت و افلاس کی منہ بولتی تصویر ہوتی ہے۔ ایک کروڑپتی نازک مزاج کے ساتھ کندھا جوڑ کر کھڑا ہوتا ہے اور دنیا کو بتاتا ہے کہ ؎

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے (اقبال)

اسلامی مساوات کا یہ ایک اجمالی سا خاکہ ہے جو عصبیتوں سے بلبلاتی دنیا کے لئے اکسیر اعظم کا حکم رکھتا ہے دنیا کے سیاسی مفکر لاکھ ہاتھ پاؤں ماریں بڑے بڑے روشن دماغ کتنا ہی سر پٹکیں اور دنیا کو دکھوں سے نجات دلانے کے لیے لاکھ جتن کریں مگر جب تک وہ اسلام کی آغوش میں آکر صحیح مساوات کا جذبہ اپنے اندر پیدا کر کے شاطرانہ عیاریوں کو ترک نہ کریں گے۔ اس وقت تک اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوں گے اور انسانیت اسی طرح مبتلائے آلام رہے گی۔ علامہ اقبال نے سچ کہا ہے ؎

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیرِ امتیازِ ما و تو رہنا

مقامِ رسولؐ

ڈاکٹر محمد ذکی

دنیا میں آج تک کسی بھی انسان کی سیرت پر اتنا تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ جتنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ہو چکا ہے۔ آپ کے سیرت نگاروں میں آپؐ پر ایمان لانے والے جاں نثار، عقیدت مند بھی شامل ہیں اور آپؐ کی رسالت کے منکر، سخت نکتہ چیں اور انتہائی دشمن بھی اور ان میں سے ہر ایک اپنے مخصوص نقطہ نظر سے آپؐ کی سیرت کے کسی نہ کسی پہلو کو اجاگر کرنے میں دوسرے سے بازی لے جانا چاہتا ہے۔ یہ گہرا لگاؤ اور عام دلچسپی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات سے مخصوص ہے ورنہ تو آپؐ سے پہلے بھی ایسی بہت سی شخصیات گزر چکی ہیں۔ جنہوں نے بڑے بڑے شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں اور انسانی قلوب پر بڑے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ ان میں سے کسی بھی رہنما کی زندگی کے مختلف گوشوں پر اتنی بحث نہیں کی گئی جتنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں کی گئی ہے۔

اس کی بہت سی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان ہستیوں کے صحیح اور تفصیلی حالات معلوم نہیں اور جتنا کچھ بھی معلوم اور مشہور ہے اس میں بھی غیر مستند روایات اتنی زیادہ ہیں کہ ان کی شخصیات کے صحیح خدوخال مستور ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب ظاہر ہے ظن و تخمین اور فرضی داستانوں کی بنیاد پر ان کی سیرت کی تشکیل ہو سکتی ہے نہ وسیع پیمانہ پر تحقیقی کام ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر بائبل ہی کو لے لیجیئے جو اس نوع کی قدیم ترین دستاویز سمجھی جاتی ہے۔ اس میں انسانِ اول (حضرت آدمؑ) سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک مختصر انسانی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ بنی اسرائیل کے تفصیلی حالات اور ان کے رہنماؤں کے سوانحی خاکے ہیں۔ چودھویں، پندرھویں صدی عیسوی تک عام اہل کتاب (یہودی پرانے عہد نامہ کو اور عیسائی نئے اور پرانے عہدنامہ کو یعنی بائبل کو) ایک الہامی اور مستند کتاب مانتے رہے لیکن دور جدید میں جب یورپ میں علمی سرگرمیوں کا آغاز ہوا اور اہل علم کا تنقیدی شعور بیدار ہوا تو انہوں نے بائبل کا بھی تحقیقی مطالعہ کیا لیکن ان کے انکشافات نے یورپ کے مذہبی حلقوں میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ کیوں کہ یہ سارے محققین اس نتیجہ پر پہنچے کہ بائبل الہامی کتاب نہیں ہے، اس کے مصنفین انسان ہی تھے لیکن ان سب کے نہ تو نام معلوم ہیں نہ ان کے مختلف صحائف کا زمانۂ تصنیف متعین کیا جا سکتا ہے۔ اس کا متن جو قدیم عبرانی زبان میں تھا اور تحریری شکل میں ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا رہا۔ لیکن نقل و روایت میں صحت کا التزام نہیں ہوا۔ مختلف مراحل پر مختلف وجوہ کی بنا پر راویوں اور کاتبوں نے تغیر و تبدل بھی کیا اور لفظی اور معنوی تحریف بھی کی ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ قدیم عبرانی نسخے اب ناپید ہیں، زیادہ سے زیادہ پرانا عبرانی نسخہ جو دستیاب ہو سکا ہے وہ نویں، دسویں صدی عیسوی کا ہے، یعنی ظہورِ اسلام کے بھی

کئی سو سال بعد کا۔ اس کے بیشتر نسخے یونانی تراجم کی شکل میں ملتے ہیں لیکن ان کے بارے میں بھی مغربی محققین کی رائے یہ ہے کہ ترجمے لاپروائی کے ساتھ ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں اختلافات، متضاد بیانات اور خرافات بھی ہیں اس لئے اس میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے اسے بہت احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے۔[1]

آج بھی مغربی دانشوروں کا یہی مسلک ہے البتہ وہ یہودی اور عیسائی جو تنقیدی مطالعہ کو جرم سمجھتے ہیں اور علمی ترقیات میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اب بھی بائبل کو الہامی اور غلطیوں سے پاک کتاب سمجھتے ہیں۔ اسی پر اُن کتابوں کو بھی قیاس کر لیجیئے جن میں مختلف قوموں کے رہنماؤں کی داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کے بارے میں عوام کا عقیدہ خواہ کچھ بھی ہو علمی حلقوں میں سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں حقائق کم اور اساطیر زیادہ ہیں اور ان میں سے بیشتر کتابوں کے مصنفوں کے نام معلوم ہیں نہ زمانہ تصنیف۔ پھر ان کتابوں کی بنیاد پر بھلا ماضی کی مشہور اور تاریخ ساز ہستیوں کے بارے میں علمی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے کیا کام ہو سکتا ہے۔

لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ اوّل تو آپؐ کا ظہور ہی تاریخ کی پوری روشنی میں ہوا ہے۔ دوسرے آپؐ کی سیرت کے لئے جتنے مستند مآخذ ممکن ہیں وہ سب موجود ہیں۔

سب سے زیادہ قابل اعتبار اور مستند ذریعۂ معلومات جو کسی شخصیت کے سمجھنے اور اس کے کارناموں کا جائزہ لینے کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے وہ خود اس کا کلام یا تصنیف ہے کیونکہ انسان کا اپنا کلام نہ صرف یہ کہ اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے بلکہ اس کے پورے ماحول کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی ممتاز شخصیت کی خود نوشت سوانح حیات (AUTO - BIOGRAPHY) دستیاب ہو جاتی ہے تو اُسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ورنہ اس کے اقوال اور متفرق بیانات کی تلاش کی جاتی ہے اور پھر ان کی روشنی میں اس کی سیرت مرتب کی جاتی ہے۔

دوسرے درجہ پر معاصرین کی شہادتوں اور بیانات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اگر کسی معروف شخصیت کے بارے میں کسی ہم عصر نے کچھ لکھا ہے یا اس کے ہم عصروں کی شہادتیں مل جاتی ہیں تو ان کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اُن لوگوں کی تحریروں اور بیانات کے مقابلہ میں جو کچھ زمانہ کے بعد قلمبند ہوئے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لئے اوّلین ماخذ قرآن حکیم ہے۔ اس کے بارے میں اہل اسلام کا عقیدہ تو یہ ہے کہ یہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے جو اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اس

---

[1] یہ رائے ان تمام مغربی محققین کی ہے جنہوں نے بائبل کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو۔

1- THE STORY OF BIBLE, LIBRARY EDIION; VOL.1, PP.7-14-

2-THE INTERNATIONAL CRITICAL COMMENTORY ED BY I SKINNEV

لئے اس میں حقیقت ہی حقیقت ہے ۔ اس کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس میں ماضی کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ حق ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے معاصرین اور عہد کے بارے میں جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہ سب ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تر ہیں ۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لئے اولین ماخذ قرآن حکیم ہے۔ اس کے بارے میں اہل اسلام کا عقیدہ تو یہ ہے کہ یہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے جو اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اس لئے اس میں حقیقت ہی حقیقت ہے ، اس کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس میں ماضی کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ حق ہے ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے معاصرین اور عہد کے بارے میں جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہ سب ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔

البتہ غیر مسلموں کا نظریہ ذرا مختلف ہے۔ ان کے نزدیک قرآن خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے (یعنی آپؐ کا کلام دوسرے لوگوں نے سن کر لکھا ہے کیونکہ آپؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے) اس اعتبار سے اس کا حکم وہی ہے جو ایک خود نوشت سوانح عمری کا ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی باتیں بالکل صحیح اور یقیناً قابل تسلیم ہیں لیکن دیگر باتیں ، بالخصوص رسالت سے متعلق ، ناقابل تسلیم ہیں۔

اس بنیادی اختلاف سے قطع نظر مسلمانوں اور غیر مسلموں ، سب کا اس پر اتفاق ہے کہ موجودہ قرآن حرف بحرف وہی ہے جو آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا تھا اور اس پوری مدت میں اس کے اندر ایک لفظ کی بھی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے[1] ۔ اس لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لئے قرآن نہایت مستند ذریعۂ معلومات ہے۔ اس کے مضامین اور بیان کردہ بعض واقعات کو اگرچہ غیر مسلم مفکرین تسلیم نہیں کرتے لیکن یہ سب ہی مانتے ہیں کہ قرآن تحریف سے بالاتر کتاب ہے جبکہ ماضی کے دوسرے رہ نماؤں کے اپنے بیانات صحت کے ساتھ نقل ہو کر ہم تک نہیں پہنچے ہیں ۔

دوسرا اہم ماخذ احادیث کا مجموعہ ہے ۔ اس میں بالاتفاق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے ۔ یعنی آپؐ کے خطبات ، قرآنی آیات کی تشریحات ، نصیحتیں ، آپؐ سے کئے گئے سوالات کے جوابات ، حالات پر تبصرے ، آپؐ کے اخلاق و عادات ، آپؐ کا طرز زندگی ، شب و روز کے مشاغل ، لوگوں کے بارے میں آپؐ کی آرائیں آپؐ کے معاصرین کے تبصرے اور آپؐ کے بارے میں ان کے تاثرات ، سب ہی شامل ہیں ۔

ان تفصیلات کے نقل کرنے والے آپؐ کے اصحاب ہیں جو آپؐ کی صحبت سے فیض یاب تھے اور جن کے بارے میں عام رائے یہی ہے کہ انہوں نے اپنی دانست میں ہر بات نہایت سچائی اور ایمان داری کے ساتھ نقل کی ہے ۔ اس میں مبالغہ

---

[1] مثال کے لئے دیکھئے ، ولیم میور ، سیرت رسولؐ ، مقدمہ ص ۲۶ ، رچرڈ بیل (RICHARD BELL) مقدمہ قرآن ، ص ۴۴

ہے نہ غلط بیانی۔ اس لئے جو کچھ صحابہؓ نے نقل کیا ہے اس پر اعتبار نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ۔

پھر ان اصحاب سے اس جماعت نے یہ تفصیلات سن کر نقل کی ہیں ۔ جو تابعین کے نام سے مشہور ہیں ۔ اور وہ لوگ صحابہؓ کے تربیت یافتہ اور ایمان داری، حافظ کی پختگی اور تقویٰ میں مشہور تھے ۔ اسی طرح دوسری نسل جو ان کے بعد آئی تبع تابعین سے فیض یافتہ اور نیکی و ایمانداری میں مشہور تھے ۔ روایت کا یہی سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ائمہ حدیث نے اس علمی سرمایہ کو قلمبند کر دیا اور پھر سب طرف شائع ہو گیا ۔

اس مجموعہ کی چند قابلِ ذکر خصوصیات حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ اس میں جہاں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے وہاں معاصرین کے بیانات بھی ہیں ۔ انہوں نے بچشم خود جو کچھ دیکھا، سنا اور محسوس کیا ہے وہ بھی نقل ہو گیا ہے علمی اور تاریخی اعتبار سے معاصرین کی یہ شہادتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں، بالخصوص جبکہ دوسری اہم شخصیات کے معاصرین کے بیانات سرے سے ملتے ہی نہیں یا اگر کچھ نقل بھی ہوا ہے تو صحت کے ساتھ نہیں ۔

۲۔ ان معاصرین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے ۔ ان میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں ۔ عرب بھی اور عجمی بھی، امیر بھی، غریب بھی، عام افراد بھی اور قبائل و اقوام کے سردار بھی ۔ وہ لوگ بھی جن کے سامنے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اور وفات بھی ہوئی ۔ وہ بھی جو بچپن کے ساتھی تھے، وہ بھی جنہوں نے آپ کا عہد شباب دیکھا تھا۔ آپ کے قریبی عزیز، دوست، احباب، پڑوسی اور ہم وطن، تجارت و کاروبار میں شریک رہنے والے، وہ بھی جنہوں نے دور سے دیکھا تھا، وہ بھی جنہوں نے قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ ایسے بھی جو لمحہ دو لمحہ آپؐ کے ساتھ رہے اور وہ بھی جو مدتوں آپؐ کے ساتھ رہے، آپؐ سے محبت کرنے والے۔ آپؐ کے اشارے پر گردن اتروا دینے کے لئے تیار رہنے والے بھی تھے اور وہ بھی جو کبھی شدید مخالف اور کٹر دشمن رہے تھے۔ اور ان میں آپؐ کی نجی زندگی کو نہایت قریب سے دیکھنے والی جماعت بھی ہے ۔ یعنی ازواج مطہرات ۔

۳۔ یہ تمام صحابہ اور صحابیات آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کے بارے میں ساری تفصیلات محفوظ کر کے نہایت اہتمام اور احتیاط کے ساتھ نقل کرتے ہیں ۔ سب عینی شاہد ہیں۔ گھر سے باہر آپؐ کا کوئی لمحہ (بالخصوص اعلان رسالت کے بعد) ایسا نہیں گزرا جب کہ کوئی نہ کوئی صحابی آپؐ کے ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح آپؐ کا گھر کے اندر بھی کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا تھا جبکہ ازواج مطہرات میں سے کوئی یا قریبی عزیز آپؐ کے مشاغل کو دلچسپی سے نہ دیکھ رہا ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے گرد مختلف فاصلوں پر اور مختلف زاویوں سے بے شمار کیمرے نصب تھے جو آپؐ کی ہر نقل و حرکت کو محفوظ کرتے چلے جا رہے تھے اور ایسے آلات لگے ہوتے تھے جو آپؐ کے ہر ہر لفظ کو ریکارڈ کر رہے تھے، اس میں نہ دن کی قید تھی، نہ رات، نہ گھر کی نہ باہر کی۔

اب آپ ساری دنیا کی تاریخ پڑھ جایئے ایک ایک ورق چھان لیجئے اور دیکھیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی ہستی ایسی نظر آتی ہے۔ جس کی زندگی کے تمام شعبوں کے ساتھ یہ اہتمام ہوا ہو؟ ناممکن، ناممکن ۔

اگر مشینوں کے ذریعے تصاویر اور آواز ریکارڈ کرنے اور پھر ان کو منتقل کرنے کے عمل میں کبھی کبھی نقص اور خامی کا امکان ہے تو اگر یہی کام انسانوں کے ذریعہ ہو تو کچھ نہ کچھ کمی رہ جانے کا قوی احتمال ہے اور یہی ہوا بھی ہے۔ تمام احادیث پر نظر ڈالنے سے ہر شخص اسی نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور ہے کہ اس میں نہایت مستند، مضبوط، شک و شبہ سے بالاتر احادیث بھی ہیں، کچھ کمزور کم تر درجہ کی احادیث بھی ہیں اور موضوع بھی۔ اصلی بھی ہیں اور نقلی بھی۔ لیکن اصل کی طرف رجوع کر کے جعلی اور نقلی الگ کی جا سکتی ہیں اور کر بھی دی گئی ہیں اور آئندہ اس عمل پر پابندی بھی نہیں ہے۔

اس کے باوجود ایک بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ نقل و روایت کے جو بہتر سے بہتر طریقے اس آسمان کے نیچے ممکن تھے وہ سب ہی استعمال کر لئے گئے ہیں اور ان سے بہتر ممکن بھی نہیں[1]

احادیث کے بعد سیرت اور تاریخ کی کتابوں کا نمبر آتا ہے۔ اسناد کا اہتمام گو یہاں بھی ہے۔ لیکن اتنی شدت اور احتیاط کے ساتھ نہیں۔ اس لئے صحت کے اعتبار سے ان کا وہ درجہ نہیں جو کتب حدیث کا ہے۔ پھر بھی دنیا کی دوسری سیرت و تاریخی کتب سے کسی طرح کم بھی نہیں۔

بہرحال ان مآخذ نے اتنا علمی سرمایہ مہیا کر دیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں معلومات نہ ہوں۔ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر آپ کی شخصیت کو سمجھنے اور آپؐ کا مقام متعین کرنے میں مدد ملتی، لیکن ہوا یہ کہ کوئی بھی شناور اس بحر کی تہ کو نہ پا سکا۔ جس کے ہاتھ جو موتی بھی آ گیا اسی کو اپنی کاوش کا ثمرہ سمجھ لیا۔ آپؐ کی سیرت کا ہر پہلو اپنی تابناکی کے ساتھ ابھر آیا کہ جس کی نظر ایک پہلو پر پڑ گئی اسی پر ساری توجہ مرکوز ہو گئی۔ دوسرے تمام پہلوؤں پر نظر نہ جا سکی اور کوئی بھی تمام پہلوؤں کا احاطہ نہ کر سکا

کسی نے بحیثیت رسول آپؐ کی سیرت پر نظر ڈالی تو تحقیقات کا دریا بہاتا چلا گیا لیکن بحیثیت رسول آپؐ کا کیا مقام ہے اس کا کوئی ادراک نہ کر سکا۔ آپؐ نے ایک بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح فرمائی، یہ دیکھ کر کسی نے آپؐ کو ایک مصلح کی حیثیت سے پیش کیا لیکن اصلاحات کے دائرہ کی وسعت اور قلیل مدت میں حیرت انگیز کامیابی پر نظر پڑی تو اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکا کہ آپ جیسا کوئی مصلح نہیں گزرا۔ کسی نے آپؐ کے لاتے ہوئے دین کو ایک انقلاب سے تعبیر کرتے ہوئے آپؐ کو انقلابی رہنما سمجھ لیا لیکن یہ انقلاب بھی بے مثل تھا۔ کسی نے آپؐ کو ایک عظیم رہنما کہا تو کسی نے محسن انسانیت، رحمۃ للعلمین، کسی نے بہترین نمونۂ حیات کہہ کر خراج عقیدت پیش کیا۔ کسی نے آپؐ کی سیاست، عدالت، غربا پروری، امانت اور دیانت کو موضوع بنایا کسی نے معاشرت اور ازدواجی زندگی کو اجاگر کیا۔ اس طرح ہر ہر پہلو پر مستقل کتابیں لکھ ڈالیں لیکن سفر ختم کرنے کے بعد یہی معلوم ہوا کہ تحقیق کی راہیں

---

[1] موضوع ذرا پیچیدہ اور وضاحت طلب ہے لیکن اس علم کے ماہرین تفصیلات کو ذہن میں پھیلا لیں تو اسی نتیجہ پر پہنچیں گے۔ یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

تو اب کھلی ہیں۔ نہ تو کسی ایک پہلو پر کام مکمل ہو سکا۔ نہ سارے پہلوؤں کا احاطہ ہو سکا۔ کوششیں جاری ہیں، ہر لمحہ نئے انداز سے آپؐ کی سیرت پر تحقیق ہو رہی ہے۔ نئے نئے گوشے ابھر رہے ہیں اور ہر میدان میں آپؐ کی امتیازی شان نمایاں ہوتی چلی جا رہی ہے۔

آپ تاریخ عالم کی منتخب ہستیوں کے کارناموں کو سامنے رکھ لیجئے۔ پھر اسی شعبہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں پر ایک نظر ڈالیے، آپؐ اسکے سوا کچھ اور نہیں کہہ سکیں گے کہ کسی بھی جہت سے کائنات میں آپؐ کا ثانی نہیں ہے۔ کوئی گل ہے تو آپؐ یقیناً لاجواب چمن ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ بات ہم بلاشبہ عقیدت کی بنا پر کہہ رہے ہیں۔ اس کے اظہار میں ہمیں قطعاً تردد نہیں اور اسے اپنی خوش نصیبی ہی سمجھتے ہیں کہ آپؐ کی ذات سے عقیدت کی نعمت سے نوازے گئے۔ لیکن یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ حقیقت بھی یہی ہے یعنی آپؐ کا ثانی نہیں ہے (انسانوں میں اور پوری کائنات میں) خالق کائنات کا بہترین اور حسین ترین کوئی شاہکار ہے تو وہ آپؐ ہی کی ذات ہے۔ اب ملاحظہ فرمایئے اس حقیقت کی کچھ جھلکیاں ———

جب بھی دنیا میں خرابی پھیلی ہے، جب جب انسانی معاشرہ میں فساد رونما ہوا ہے تو کچھ نہ کچھ لوگ اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اور کبھی کبھی اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔ ان تمام اصلاحی کوششوں کی چند مشترک خصوصیات یہ رہی ہیں۔

۱۔ اصلاحات کا دائرہ ہمیشہ زندگی کے چند مخصوص شعبوں تک محدود رہا ہے۔ مثلاً اگر کسی نے مذہبی شعبہ میں اصلاح کی کوشش کی تو سیاسی اور معاشی نظام سے تعرض نہیں کیا، کسی نے معاشی نظام کی خرابیاں دور کرنی چاہیں تو مذہب و اخلاق کو نظر انداز کر دیا، تو کسی نے سارے مسائل کا حل سیاسی نظام کی اصلاح میں منحصر سمجھ لیا۔ اس کا نتیجہ ہمیشہ یہی نکلا ہے کہ اول تو کسی بھی شعبہ میں اصلاح نہیں ہو سکی اور اگر وقتی طور پر کچھ خرابیاں دور ہو بھی گئیں تو پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ دوسرے شعبوں میں خرابیاں پھیل گئیں اور جزوی اصلاحات کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر شروع ہو گیا۔

۲۔ جتنے بھی مشہور مصلحین گزرے ہیں۔ ان کی نظریں ہمیشہ ایک مخصوص طبقہ یا زیادہ سے زیادہ اپنی قوم پر مرکوز رہی ہیں۔ اس لئے ان کے کارنامے وقتی رہے ہیں اور ان کے اثرات بہت محدود۔

اس کے برخلاف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے صرف ایک نہیں بلکہ تمام شعبوں میں اصلاح فرمائی ہے۔ اس کوشش میں نہ صرف یہ کہ آپ قلیل مدت میں کامیاب بھی ہو گئے بلکہ ہزاروں مصلحین کی ایک جماعت تیار فرما دی۔

دوسری اہم خصوصیت یہ رہی ہے کہ ابتداء ہی سے آپؐ نے تمام انسانوں کو خطاب فرمایا اور قومی نہیں انسانی معاشرہ کی اصلاح کو اپنا نصب العین بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے کارنامہ نے نوع انسانی کو متاثر کیا ہے نہ کہ کسی طبقہ یا ملک کو۔

یہی اصلاحی کوشش جب ذرا وسیع پیمانہ پر زیادہ شدت سے کی جاتی ہے تو اسے انقلاب سے تعبیر کر دیا جاتا ہے اسلام کو بھی ایک انقلاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسے دیکھیں آپؐ نے اسلام کے ذریعہ کس نوع کا انقلاب برپا کیا۔

انقلاب کے معنیٰ ہیں مروجہ نظام میں اہم اور بنیادی تبدیلی۔ یہ تبدیلی خواہ سیاسی نظام میں ہو یا معاشی یا معاشرتی نظام میں، جب رونما ہوتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پرانا نظام یکسر ختم ہوگیا۔ ایک دور کا خاتمہ ہوگیا اور ایک نئے دور کا آغاز ہوگیا۔ یہ عمل بہ تدریج پُرامن طریقہ سے نہیں بلکہ یک لخت، اچانک شدت کے ساتھ اور طاقت کے بل پر ہوتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں طاقت، حکومت اور معاشی وسائل انقلابیوں کے ہاتھوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس طرح قدیم نظام الٹ دیا جاتا ہے۔ اور اس کی جگہ ایک دوسرا ہی نظام قائم کر دیا جاتا ہے۔

بادی النظر میں یہ بنیادی تبدیلی اچانک (بہت قلیل مدت میں) ہوتی ہے لیکن واقعتاً ایسا نہیں ہوتا۔ اصل انقلاب کے رونما ہونے سے بہت پہلے سے اس کے لئے زمین ہموار ہوتی ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ مدتوں تک مروجہ نظام کی خرابیاں علانیہ بیان کی جاتی ہیں۔ تحریر و تقریر کے ذریعہ لوگوں کو یقین دلایا جاتا ہے کہ موجودہ نظام فرسودہ ہوچکا۔ اپنی افادیت کھوچکا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس نظام کو ہٹا کر اس سے بہتر نظام قائم کیا جائے۔ اس تبدیلی کے لئے مدتوں تک لوگوں کے ذہنوں کو تیار کیا جاتا ہے پھر جب ایک خاص طبقہ اس تبدیلی کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو پھر باقاعدہ کوششیں شروع ہوتی ہیں۔ انقلابیوں کی سرگرمیوں میں شدت آجاتی ہے۔ تشدد کا سہارا لیا جاتا ہے مروجہ نظام پر ضربیں لگائی جاتی ہیں۔ ادھر وہ بوسیدہ ہوتا ہے اور ادھر انقلابی آخری چوٹ لگا دیتے ہیں۔ بس یہی آخری کامیاب وار انقلاب کے نام سے موسوم ہوجاتا ہے۔

انقلاب کے لئے بنیادی شرط یہی ہے کہ اس سے پہلے مروجہ نظام کے خلاف عوام یا معاشرہ کے ایک طبقہ میں بےچینی پیدا ہوچکی ہو اور وہ اس کو الٹنے کے لئے تیار ہوجائیں۔ ورنہ انقلاب رونما ہی نہیں ہوسکتا۔ اس کو منظم طریقہ سے اشتراکیوں نے یوں پیش کیا ہے کہ ہمیشہ سے معاشرہ میں طبقاتی کشمکش برپا رہی ہے۔ طاقت ور طبقہ معاشی وسائل پر قابض رہا، اور کمزور طبقہ کو دباتا رہا۔ ان دونوں کے درمیان کشمکش شدت اختیار کرتی رہی اور بالآخر کمزور طبقہ منظم ہوا اور اس نے وسائل پر قابض طبقہ کو اکھاڑ پھینکا اور خود وسائل پر قابض ہوگیا۔ پھر اس کا ایک حریف طبقہ ابھرا اور از سر نو کشمکش شروع ہوگئی۔ جاگیرداروں کے خلاف کسان اٹھے۔ سرمایہ داروں کے خلاف مزدور، دنیا میں ہمیشہ اور ہر انقلاب کے پس پردہ یہی طبقاتی کشمکش رہی ہے۔ جس کا ایک کامیاب مظاہرہ روس کے ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں ہوا ہے، اس کے علاوہ سیاسی حقوق کے لئے کامیاب جدوجہد، غیر ملکیوں کو نکالنے اور نوآبادیات کے خلاف جو تحریکیں کامیاب ہوئی ہیں انہیں بھی انقلاب سے موسوم کیا گیا ہے۔ مثلاً

برطانیہ کا شاندار انقلاب، فرانس کا اٹھارویں صدی کا انقلاب، پھر اس کو اور وسعت دے کر صنعتی اور ثقافتی تبدیلیوں کو بھی انقلاب کی تعریف میں شامل کر لیا گیا۔

مختصر یہ کہ تبدیلی کی کوشش خواہ کسی بھی شعبہ میں ہوئی ہو اگر کامیاب ہوگئی اور اس کے اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں تو اسے انقلاب کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس اعتبار سے یقیناً یہ ایک انقلاب تھا۔ جس نے جاہلیت کے نظام کو الٹ کر اس کی جگہ اسلامی نظام قائم کر دیا اور نہ صرف عربوں بلکہ ان تمام لوگوں کی زندگی میں اہم اور بنیادی تبدیلی کر دی جنہوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ لیکن اس کے علاوہ دوسری تمام خصوصیات کے اعتبار سے یہ دنیا کے تمام انقلابوں سے بالکل مختلف تھا۔

پہلی بات تو یہ کہ انقلاب کے لئے ضروری ہے کہ مروجہ نظام کے خلاف ایک عام بے چینی پائی جاتی ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ پوری سرزمین عرب میں مروجہ نظام حیات جسے جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے کے خلاف کہیں بے چینی نہیں تھی بلکہ ہر فرد اس سے نہ صرف یہ کہ مطمئن تھا اس کے تحفظ کے لئے جان کی بازی لگا دینے کے لئے تیار تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صدائے انقلاب بلند کی ہے اس سے ایک لمحہ پہلے بھی کسی نے اپنی تقریر یا تحریر سے اس انقلاب کے لئے زمین ہموار نہیں کی تھی۔ جبکہ دوسرے تمام انقلابات سے مدتوں پہلے ذہنوں کو تیار کیا گیا ہے۔

اتنا ہی نہیں انقلاب کے اعلان میں آپ کا ایک بھی ہمنوا اور ہمخیال موجود نہیں تھا۔ کسی بھی انسان کے ذہن میں آنے والے انقلاب کا ہلکا سا بھی تصور نہیں تھا[1]۔ یہ انسانی تاریخ میں واحد انقلاب ہے جس کی ابتدا صرف ایک شخص نے کی اور اس کو بلندیوں تک پہنچا دیا۔ ورنہ دنیا میں جتنے انقلاب برپا ہوئے ہیں ان کے پیچھے انقلابیوں اور ان کے حامیوں کی منظم جماعت پہلے سے موجود رہی ہے۔

دوسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہ کسی طبقاتی کشمکش کا نتیجہ نہیں تھا۔ مکہ یا پوری دنیائے عرب میں کہیں بھی زمین داروں (جاگیرداروں) اور کسانوں یا سرمایہ داروں اور مزدوروں کے درمیان کشمکش نہیں تھی۔ دو منظم طبقے اقتدار کے لئے برسر پیکار نہیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسانوں یا مزدوروں کو جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف نہ بھڑکایا نہ اس قسم کی کوئی تحریک چلائی۔ انقلاب کے منشور (لا الٰہ الا اللہ) میں کہیں اس کی طرف اشارہ تک نہیں تھا۔ آپؐ کی دعوت پر امیر بھی آئے اور غریب بھی، مخالفت کی تو دونوں نے۔ اس سے اشتراکی نظریہ کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے۔ جس کی رو سے ہر انقلاب کی تہ میں طبقاتی کشمکش کارفرما ہوتی ہے۔

تیسری خصوصیت یہ تھی کہ اسلامی انقلاب کا رخ زندگی کے کسی ایک شعبہ کی طرف نہیں تھا۔ یعنی یہ محض مذہبی، سیاسی، معاشی یا معاشرتی انقلاب نہیں تھا بلکہ انسان کی پوری زندگی اور زندگی کے ہر شعبہ میں بنیادی تبدیلی لانے کا اعلان تھا اور اس نے کیا بھی یہی جبکہ دنیا کے تمام انقلابات جزوی تھے یعنی انہوں نے صرف ایک ہی شعبہ میں تبدیلی کی یا تو سیاسی

---

[1] گنتی کے چند لوگ، آپ کی بعثت کے وقت ضرور ایسے تھے جو بت پرستی سے بیزار تھے، انہیں حنیف کہا جاتا ہے اوّل تو ان کا اختلاف ایک ذاتی اور نظریاتی تھا۔ دوسرے انہوں نے بت پرستی کے خلاف کوئی تحریک نہیں چلائی۔ تیسرے یہ کہ اُن کے سامنے بت پرستی کے مقابلہ پر کوئی دوسرا مذہب واضح طور پر نہیں تھا۔ جسے وہ نعم البدل کے طور پر قبول یا پیش کرتے، نیز اگر عربوں یا دوسرے ممالک میں کہیں بھی مروجہ نظام کے خلاف بے چینی پائی جاتی تو لوگ اسلام کی اس شدت سے مخالفت نہ کرتے اور اپنے روایتی نظام کے تحفظ کی خاطر جان و مال کی بازی نہ لگاتے۔

نظام بدل دیا یا معاشی، مذہبی یا ثقافتی، دنیا کی تاریخ میں کسی ایسے انقلاب کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جو زندگی کے تمام شعبوں میں تبدیلی لانے کے لیے کیا گیا ہو۔

اس انقلاب کی چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ برسر اقتدار طبقہ کو حکومت سے محروم کرنے کی کوشش کی گئی نہ معاشی وسائل پر قبضہ کرنے کو نصب العین بنایا گیا، جیسا کہ دوسرے انقلابات (انقلاب فرانس اور انقلاب روس) میں ہوا اسلام کا انقلاب نہ کسی مخصوص طبقہ کے حقوق کے لئے تھا نہ کسی خاص طبقہ کی مخالفت میں تھا اس لئے جب لوگوں نے لبیک کہا تو ہر طبقہ کے لوگ اس میں شامل نظر آنے لگے۔ وہی لوگ جاہلیت کے نظام سے وابستہ تھے اب اسلام کے علمبردار بن گئے۔ حضرت حمزہؓ، عمر فاروقؓ، عمرو بن العاصؓ، اور خالد ابن ولیدؓ جیسے نہ جانے کتنے باصلاحیت افراد اسلام سے وابستہ ہو کر اور زیادہ چمک اٹھے۔ اس کے برخلاف جب دوسرے انقلابات آئے ہیں تو مخالفین کا صفایا کر دیا گیا ہے۔ نہ ان کی اصلاح کی کوشش کی گئی نہ انہیں معاف ہی کیا گیا (جیسا کہ فرانس اور روس میں ہوا)

ایک اور اہم خصوصیت اسلامی انقلاب کی یہ تھی کہ اس سے وابستہ افراد کی پہلے تربیت کی گئی۔ مکہ اور مدینہ کے ماحول میں ہر طرح کے حالات اور آزمائشوں سے گزارا گیا اور جب وہ خالص سونے کی طرح نکھر گئے تب انہیں اقتدار سونپا گیا، چنانچہ جب یہ تربیت یافتہ جماعت (صحابہ) انقلابِ اسلام کی علمبردار بن کر اٹھی تو پھر دنیا کی دولت، ہیرے اور جواہرات کے ڈھیر انہیں نصب العین سے نہ ہٹا سکے اور نہ ایران و روم کے سورما، فوجوں کے سیلاب، پہاڑ، دریا اور سمندر ان کی پیش قدمی کو روک سکے اور یہ بہت ہی قلیل مدت کے اندر اس وقت کی مہذب دنیا کے حکمران بن گئے۔ محکوم اقوام نے ان کا خیر مقدم کیا اور اپنے ہم قوم فرماں رواؤں پر ترجیح دی۔ ان کا دورِ حکومت ان کے لئے نعمت ثابت ہوا، لیکن جب دوسرے لوگوں نے سیاسی اور معاشی انقلاب برپا کیا تو ابتداء ہی سے اپنا مقصد یہ بنا لیا کہ کسی نہ کسی طرح اقتدار اور معاشی وسائل پر قبضہ کر لیں۔ چنانچہ آن کی آن میں انقلابیوں نے حکومت پر قبضہ تو کر لیا لیکن انقلاب کے بعد اقتدار جن لوگوں کو سونپا گیا ان کی پہلے سے تربیت نہیں کی گئی تھی۔ انہیں صرف اقتدار کی ہوس تھی وہ پوری ہو گئی اور پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ ظالموں کا ایک طبقہ جو صاحب اقتدار تھا۔ ہٹ گیا لیکن اس کی جگہ ظالموں کا دوسرا طبقہ برسر اقتدار آگیا۔ پہلے اگر جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے نام سے ظلم ہو رہا تھا تو اب "کسانوں اور مزدوروں" کی طرف سے ظلم کی چکی چلنے لگی۔

چھٹی خصوصیت، انسانی تاریخ میں، اسلام سے پہلے کوئی انقلاب ایسا رونما نہیں ہوا۔ جسے انسانی اور عالمگیری انقلاب کہا جا سکے۔ دنیا میں جتنے انقلابات برپا ہوئے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ قومی انقلاب تھے۔ وہ انگلینڈ و امریکہ کا انقلاب ہو یا فرانس، اٹلی یا روس کا، سب کا مقصد زیادہ سے زیادہ اپنے ملک میں تبدیلی لانا تھا۔ انقلابیوں کے سامنے ایک مخصوص طبقہ یا اپنی ہی قوم کا مفاد تھا۔ اس سے باہر نہ اُن کی نظریں اٹھیں نہ دوسرے اس میں شریک ہوئے مثلاً فرانس میں انقلاب برپا ہوا تو ہندوستان کا اس سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ فرانس کے لوگ صرف فرانس ہی کے نظام میں تبدیلی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے، ان کا مقصد کبھی یہ نہیں رہا کہ ایسی ہی تبدیلی ساری دنیا میں ہو، اور ساری

دنیا کے مروجہ نظام الٹ کر ایسا ہی نظام قائم ہو جاتے جیسا کہ وہ فرانس میں لانا چاہتے تھے۔ یہی بات دوسرے انقلابات کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

ساتویں اور نہایت اہم خصوصیت :۔ دنیا میں جتنے بھی انقلاب آئے ہیں ان سب کا منبع و مخرج اسی دنیا کا ماحول تھا مفکرین نے مروجہ نظام میں خرابیاں محسوس کیں، ان کا علانیہ اظہار کیا۔ غور و فکر کے بعد ایک دوسرے نظام کا خاکہ بنایا، اس کے لئے ذہنوں کو تیار کیا اور پھر انقلابیوں نے لائحہ عمل بنایا اور اس کو عملی شکل دی، مختصر یہ کہ ابتدا سے لے کر انتہا تک انسانی فکر و عمل کی کارفرمائی رہی ہے اور ہر انقلاب کے بانی اور رہنما اپنے ہی ذہن سے فیصلے کرتے رہے ہیں۔ ان سے کوئی (کامیاب) انقلاب مادرائی طاقت کے نام سے نہیں ہوا، وہ چاہے روس کا انقلاب ہو یا فرانس کا[1]

اس کے برعکس اسلام کا انقلاب کسی انسانی ذہن کی بنا پر رونما نہیں ہوا۔ اس کا لائحہ عمل ایک یا بہت سے انسانوں نے تیار نہیں کیا۔ اس کے لئے ہدایات کسی بھی انسان کی طرف سے نہیں دی جا رہی تھیں۔ یہ انقلاب اللہ کی طرف سے اور اسی کے نام سے رونما ہوا ہے۔ یہ بات ابتدا ہی سے واضح کر دی گئی تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں فرما رہے تھے، آپ فیصلے کر رہے تھے نہ ہدایات دے رہے تھے بلکہ آپ کی طرف جو کچھ وحی کیا جا رہا تھا اسی کا اعلان فرما رہے تھے۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ (النجم، ۵۳/۳-۴)

وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

مروّجہ (جاہلیت کے) نظام کو الٹنے اور اس کی جگہ دوسرا نظام قائم کرنے کا فیصلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے انسان کی طرف سے نہیں ہوا تھا۔ اس کا فیصلہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہوا، اسی کی طرف سے لحظہ بہ لحظہ ہدایات آتی رہیں اور اسی کے حکم کے مطابق یہ انقلاب شروع ہوا اور مختلف مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس کا مکمل منشور (قرآن حکیم) اسی کی طرف سے نازل ہوا۔ یہ ایک الٰہی انقلاب تھا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ رونما ہوا۔ یہ اپنی نوعیت کا واحد کامیاب اور عالمگیر انقلاب تھا۔ اس سے پہلے تاریخ میں کوئی انقلاب اس طرح نہ برپا ہوا اور نہ اس طرح پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

بلاشبہ اللہ کے دوسرے بہت سے انبیاء بھی اسلامی انقلاب کے نقیب تھے لیکن بہت کم اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اور جو ہوئے بھی تو ان کے انقلاب کا دائرہ صرف ان ہی کی قوم تک محدود رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی یا رسول پوری نوع انسانی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ یہ صرف آپؐ ہی کی خصوصیت ہے کہ آپ پوری نوع انسانی کی اصلاح اور ہدایت کے لئے کھڑے کئے گئے ہیں۔ ارشاد ہے:

---

[1] عام طور پر ان ہی دو انقلابات کے زیادہ چرچے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف ۱۵۸)

(اے پیغمبر! تم لوگوں سے) کہو "اے افرادِ نسلِ انسانی میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں ...

اس مختصر سے جائزہ سے یہ بات تو واضح ہو ہی جاتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا انقلاب دنیا کے تمام انقلابات سے بالکل مختلف اور بے مثل انقلاب تھا۔ اسی طرح بحیثیت رہ نما بھی آپ کی امتیازی شان نمایاں ہے۔

دنیا کی تاریخ رہ نماؤں سے بھری پڑی ہے لیکن سب کے بارے میں مندرجہ ذیل خصوصیات بالکل واضح ہیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے عظیم رہ نما گزرے ہیں ان کی تعلیمات اور ان کے حالاتِ زندگی چونکہ محفوظ نہیں رہ سکے اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے پیروؤں نے اُن کی تقلید کی، اُن کے بتائے ہوئے راستے پر چل رہے ہیں یا حالات کی مناسبت اور وقت کے تقاضوں کے مدنظر خود ہی راہیں تلاش کیں اور اصول بنالئے اور پھر ان سب باتوں کو ان رہ نماؤں کی طرف منسوب کر دیا۔

۲۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ دنیا میں جتنے رہ نما بھی گزرے ہیں وہ کسی گروہ یا قوم کی ہدایت کے مدعی تھے انہوں نے کبھی ساری دنیا کے انسانوں کی رہ نمائی کا دعویٰ نہیں کیا۔

۳۔ ان میں سے کسی بھی رہ نما کے بارے میں دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ کسی ایک ہی قوم کی زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی پیروی کی جا سکتی ہے۔

۴۔ ان میں سے بیشتر نے صرف اصول بیان کئے ہیں، اپنی تعلیمات کا عملی نمونہ پیش نہیں کیا ہے۔ مثلاً اخلاق کے اعلیٰ اصول تو وضع کر دیئے، ان پر عمل کر کے نہیں دکھایا۔ ایک مثالی معاشرہ کے خدوخال تو بیان کر دیئے، مگر ایسا معاشرہ قائم کر کے نہیں دکھایا۔ حکومت چلانے کے اصول تو بتا دیئے، مگر حکومت چلا کر نہیں دکھائی، ایک متوازن معاشی نظام کی تعریف میں صفحات کے صفحات تو لکھ ڈالے لیکن ایسا نظام قائم کر کے نہیں دکھایا۔

۵۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اصول جب عملی کسوٹی پر پرکھے گئے تو ناقابلِ عمل ثابت ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے پیروؤں نے ان کے بیان کردہ اصولوں میں ترمیم و تنسیخ کی اور ان کے مجوزہ نظام کو بدلتے بدلتے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

۶۔ جب یہ رہ نما ایک ہی قوم کی ہر قسم کے بدلتے ہوئے حالات میں رہ نمائی نہیں کر سکتے تو پھر نوعِ انسانی کی ہمیشہ رہ نمائی کرنے کا ان کے بارے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اتنی عظیم الشان ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے انتہائی غیر معمولی صلاحیتوں اور خوبیوں کی ضرورت ہے۔ مثلاً

کسی بھی قافلہ کی رہ بری کرنے کا حق اسی شخص کو حاصل ہے جو منزل سے باخبر ہو۔ محض ظن و تخمین کی بنیاد پر ایک خیالی منزل کی طرف نہ لے جائے۔ منزل اس کی نظر میں ہو، اس کا یقینی علم ہو، راستہ کا پورا علم رکھتا ہو، اس کے نشیب و فراز، خطرات اور سہولتوں سے واقف ہو، سفر کے لئے زادِ راہ اور جملہ ساز و سامان کے بارے میں مکمل ہدایات دے سکتا ہو۔ مسافروں کی ضروریات، ان کی صلاحیتوں اُن کے جذبات اور اُمنگوں کو جانتا ہو،

دور سے بیٹھ کر "وعظ و نصیحت، لیکچر و تقریر" ہی سے رہ نمائی نہ کرے بلکہ عملاً رہ نمائی کرے تاکہ لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل سکیں۔

اسی طرح ساری دنیا کے انسانوں کی رہ نمائی کا حق اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو نوع انسانی کی منزل سے باخبر ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اسی آیت کی رو سے (جو ابھی آپ کے ملاحظہ سے گزری ہے) ساری دنیا کے انسانوں کی رہنمائی کرنے کا اعلان فرمایا اور نوع انسانی کی منزل کی بھی نشاندہی فرما دی۔ یعنی یہ کہ سارے انسان مرنے کے بعد ایک مقررہ وقت پر زندہ ہوں گے، فرماں روائے کائنات کی عدالت قائم ہوگی، ہر انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا، جنہوں نے خالق کائنات کے احکام کے مطابق زندگی گزاری ہوگی وہ جنت کی نعمتوں اور اللہ رب العالمین کی رضا سے نوازے جائیں گے، البتہ جنہوں نے اللہ کی نافرمانی میں زندگی گزاری ہوگی عذاب الٰہی میں مبتلا ہوں گے اور مالک کائنات کا ان پر غضب ہوگا۔

ان باتوں کا علم آپ کو کس طرح ہوا۔ خود آپ کے بیان کے مطابق یہ باتیں آپ کو غور و فکر کے بعد لوگوں کی صحبت میں یا کسی اور ذریعہ سے نہیں معلوم ہوئیں بلکہ جس کی عدالت میں سب کو حاضر ہونا ہے اسی نے وحی کے ذریعہ بتائی ہیں[1]۔ اس منزل کے بارے میں آپ کو یقینی علم بھی تھا اور اس کے بعض گوشوں کا آپؐ نے بچشم خود مشاہدہ بھی کیا تھا۔ پس آپ جس منزل کی نشاندہی فرما رہے تھے اس کے عینی شاہد بھی تھے[2]۔ آپؐ کے سوا کسی اور انسان کے بارے میں انسانی تاریخ نہیں بتاتی کہ اس نے ماورائی منزل کا مشاہدہ کرکے اس کی تفصیلات بیان کی ہوں۔

اس منزل تک پہنچنے کے لئے انسان کو کیا کرنا ہے، خطرات سے بچ کر کس طرح سفر کرنا ہے، کس طرح زندگی گزارنی ہے، اس کی مکمل تفصیلات قرآن اور حدیث میں موجود ہیں۔ اس معاملہ میں نہ ابہام ہے۔ نہ ضروری معلومات کی کمی۔

اس میں شک نہیں کہ رہ نمائی کے لئے راستہ کے بارے میں تفصیلی علم کا ہونا ضروری ہے لیکن سفر کا تجربہ رکھنا اس سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اگر کوئی رہ نما اس راستہ پر خود سفر کر چکا ہے جس کی طرف وہ دوسروں کو دعوت دے رہا ہے تو لوگ زیادہ اعتماد کے ساتھ اس کی پیروی کر سکیں گے اور یہ عذر پیش نہیں کر سکیں

---

[1] بہت سی باتوں کے سلسلہ میں دلیل اور ثبوت کی ضرورت محسوس ہو رہی ہوگی، بعض کے بارے میں شکوک و شبہات بھی پیدا ہو رہے ہوں گے، ان پر بحث کرنے سے موضوع کا تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ اس کا کچھ ذکر آخر میں ثبوت رسالت کے ضمن میں مل جائے گا، ان شاء اللہ۔

[2] معراج کے سلسلہ میں سورہ نجم میں اس کا ذکر ہے، نیز بہت سی احادیث میں اس مشاہدہ کی تفصیلات ہیں جگہ کی کمی کے سبب یہاں اس سے زیادہ تفصیل ممکن نہیں۔

گے کہ اس راستہ پر سفر نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ لیکن تاریخ میں کوئی انسان ایسا گزرا ہے جو ساری دنیا کے انسانوں کے لئے نمونہ حیات بن سکے۔؟

دنیا میں سیکڑوں قومیں آباد ہیں، سب کے جغرافیائی حالات مختلف ہیں کوئی لا محدود وسائل کی مالک ہے تو کوئی ان سب سے محروم، سب کا رہن سہن الگ، تہذیب و تمدن جدا۔ مسائل مختلف مزاج جداگانہ۔ اب ظاہر ہے سب کا انداز سفر اور طرز زندگی مختلف ہوگا۔ بھلا وہ کونسا انسان ہے جو ان تمام حالات سے گزرا ہو جن سے اقوام عالم گزر چکی ہیں یا آئندہ دوچار ہو سکتی ہیں۔ کیا کسی ایسے رہ نما کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جس کے سامنے وہ تمام مسائل آچکے ہوں جن کا اقوام عالم نے سامنا کیا ہے اور کر سکتی ہیں۔

ایسے رہنما گزرے ہیں جنہوں نے امن و سلامتی کا پیغام دیا، پُرسکون زندگی گزاری اور اپنی قوم کو بھی اسی طرح زندگی بسر کرنے کی دعوت دی۔ اس میں شک نہیں پرسکون حالات میں ایسے رہنماؤں کی پیروی کی جا سکتی ہے لیکن دنیا میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو فساد برپا کرتے ہیں، لوگوں کو چین سے نہیں رہنے دیتے، ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔ انہیں آزادی کے حق سے محروم کر دینا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسے لوگوں یا قوموں سے تصادم ناگزیر ہو جاتا ہے اور جنگ کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں اُس رہنما کی زندگی کس طرح نمونہ بن سکتی ہے۔ جس کا جنگ سے کبھی سابقہ ہی نہیں پڑا؟

اس کے برعکس بعض رہ نماؤں نے صرف فرماں روائی کی ہے کبھی محکوم بن کر نہیں رہے۔ لہٰذا ایک حکمران قوم کو ایسے رہ نما سے ہدایت مل سکتی ہے لیکن اگر وہی قوم محکوم و مظلوم بن جائے تو کس طرح زندگی گزارے، اس صورت میں اس رہ نما کی زندگی نمونہ نہیں بن سکے گی۔

وہ رہنما جس نے تجرد کی زندگی گزاری ہو، ازدواجی زندگی کے لئے نمونہ نہیں بن سکتا، جس نے ترک دنیا کی تعلیم دی ہو۔ جنگلوں اور غاروں میں زندگی بسر کی ہو اُسے کو وہ لوگ کس طرح نمونہ بنا سکتے ہیں جو انسانوں میں رہتے ہیں۔ اور ان گنت معاشرتی مسائل سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ جن رہنماؤں نے فلسفہ کی بلند عمارتیں تعمیر کیں، مثالی معاشرہ کے خواب دیکھے اور دکھائے، اخلاقی اصولوں کے انبار لگا دیئے، ان کی زندگی سے ایک سپہ سالار، ایک تاجر ایک فاتح، یا فرمانروا کیا سبق حاصل کر سکتا ہے۔

بے شمار قومی اور اجتماعی مسائل کے علاوہ ہزاروں انفرادی مسائل بھی زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں، تنگی عسرت اور فاقہ، فراخی اور فراوانی، غم اور خوشی، اہل وعیال اور ان سے وابستہ مسائل، خواہشات و جذبات اور ہر لحہ بدلتے ہوئے حالات ——— ان بدلتے ہوئے مختلف النوع حالات میں کیا ایک ہی انسان کی زندگی اس کے لئے نمونہ بن سکتی ہے؟

پوری عقیدت اور احترام کے جذبات کے ساتھ، بلاخوف تردید، ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج تک جتنے

بھی رہ نما گزرے ہیں وہ زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف حالات میں بلاشبہ نمونہ بن سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ تاریخ عالم کے سارے صفحات الٹ ڈالیں، تمام دنیا کی کتابیں چھان ماریں تو کسی ایک فرد کی نشاندہی نہیں کر سکتے جو ایک ہی انسان کی ساری زندگی کے لئے نمونۂ عمل بن سکے یا ایک ایسا فرد جو ان تمام حالات سے گذر چکا ہو جن سے ساری دنیا کے رہ نما گزرے ہیں۔

بہ حیثیت رہ نما یہ مقام صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔ یہ بلاشبہ اظہار عقیدت بھی ہے اور اعتراف حقیقت بھی۔ اس اجمال کی شرح بھی ملاحظہ فرمایئے۔

اس کائنات اور نوع انسانی کے خالق کا، جس کی نظر میں ہر انسان اور اس کی تمام صلاحیتیں ہیں، ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ
الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿ (الاحزاب، ۳۳/۲۱)

درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ تھا، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

یہاں ہم مولانا بدر عالم مرحوم کا حقیقت سے لبریز ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے موضوع زیر بحث کے گوشے اچھی طرح واضح ہو جاتے ہیں۔

"یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ کتاب اللہ صرف ایک علمی کتاب نہیں جس کا مقصد صرف علمی طور پر حل کر لینا ہو اور بس بلکہ یہ افراد و اقوام کا وہ دستور العمل بھی ہے جسے زندگی کے ایک ایک شعبہ میں نافذ کرنا ہے۔ اس لئے رسول کی تعلیم کے بعد بھی ایک اہم ضرورت اور باقی رہتی ہے اور وہ اس کا نقشۂ عمل ہے۔ دنیوی علوم میں بھی بہت سے علم ایسے ہیں جو عملی مشاقی کے بغیر اولاً تو سمجھ ہی میں نہیں آتے اور اگر سمجھ میں بھی آجائیں تو اس وقت تک صحیح طور پر کئے نہیں جا سکتے جب تک کہ اس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے نہ ہو، جیسے ڈاکٹری کا علم یا سائنس کے دوسرے تجربات کہ ان کا علمی طور پر سمجھنا بھی پہلے ان کے عمل کو دیکھنے پھر خود عملی طور پر ان کو کر لینے پر موقوف ہے صرف ان کا پڑھ لینا ان کی پوری حقیقت سمجھنے کے لئے قطعاً ناکافی ہے۔ جب ان معمولی علوم کا حال یہ ہے تو پھر ربانی علوم کی دقتیں اور معاملات اور عبادات کی نزاکتیں اپنے انواع و اقسام کے اختلاف کے ساتھ کسی ربانی معلم کی تعلیم اور اس کے صحیح نقشے کے دیکھے ہوئے بغیر کیسے سمجھی جا سکتی ہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اس کا صحیح صحیح نقشۂ عمل بھی بھیجا جاتے تاکہ تعلیم رسول کے بعد جو اس میں عملی الجھنیں باقی رہ جائیں وہ اس مکمل نقشہ کو دیکھ دیکھ کر حل کر لی جائیں۔ مشیت ایزدی نے یہاں معلم کتاب کے ساتھ اس کا نقشۂ عمل علیحدہ نہیں بھیجا بلکہ جو معلم تھا خود اسی کو مجسم نقشۂ عمل بنا دیا تھا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ہر قوم کیلئے اپنے پیشوا نمونہ ہوتے ہیں تمہارے لئے بہتر

نمونہ خدا کا یہ رسول ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول صرف تبلیغ وحی کے لئے نہیں آتے بلکہ عملی طور پر کتاب اللہ کا نمونہ بھی ہوتے ہیں اس لئے ہر عمل میں ان کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم تمام کتب سماویہ میں سب سے زیادہ جامع کتاب ہے اس لئے اس کا نقشۂ عمل بھی تمام نقشوں میں جامع تر ہونا چاہیئے۔ یعنی اگر کتاب اللہ میں روزہ، نماز، حج زکوٰۃ کے احکام مذکور ہیں تو اس کی زندگی میں بھی ان عبادات کا مکمل نقشہ ملنا چاہیئے اور اگر اس میں امارت و امامت، غزوات و جہاد، نظم و نسق اور فصل خصومات کے ہدایات بھی موجود ہیں تو ان کا نقشہ بھی اس کی زندگی میں نظر آنا چاہیئے۔ اگر اس کی حیات میں قرآن کا ایک ہی پہلو ہو۔ فصل خصومات اور دیگر انتظامی امور کا نمونہ نہ ہو تو اس نمونہ کو مکمل نمونہ اور اس نقشہ کو قرآن کریم کا مکمل نقشہ نہیں کہا جاسکتا۔ اس نمونہ کو جامع اسی وقت کہا جاسکتا ہے۔ جب کہ قرآن کے ہر چھوٹے بڑے عمل کی تصویر اس کی ساعات زندگی میں نظر آجائے صرف عبادات و معاملات کی نہیں بلکہ اُن فطری حالات کی بھی جہاں شریعت نے کچھ نہ کچھ دخل دیدیا ہے۔ یعنی بول و براز، طعام و شراب، رفتار و گفتار، خندہ و گریہ، نوم و بیداری، حتیٰ کہ انسانی زندگی کے نازک سے نازک حالات کی بھی۔ اگر قرآن کی جامعیت کے لئے ان معمولی گوشوں پر بھی علمی حیثیت سے روشنی ڈالنا ضروری تھا تو اس کے نقشۂ عمل کی تکمیل کے لئے ان کی عملی نزاکتوں کا ظاہر کرنا بھی ناگزیر تھا۔ پس اگر قرآن نے ازدواجی زندگی کی تشریحات کرنا انسانیت کی تکمیل کے لئے ضروری سمجھا ہے تو ان نزاکتوں کی باریکیاں بھی اس نقشہ میں صفائی سے نظر آنی چاہیئں چہ جائیکہ باہمی معاملات کے فیصلے اُمت کے مہمات اور جنگ و صلح کی تدابیر جیسے مسائل.....

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو صرف کسی خاص شعبۂ زندگی کا نمونہ نہیں بنایا تھا۔ بلکہ جو کچھ قرآن میں کہا گیا تھا وہ سب یہاں دکھلا دیا گیا تھا۔ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا آپ کے اخلاق کیا تھے۔ فرمایا کہ یہ قرآن ہی آپ کا خلق تھا۔ خلق میں اقوال و افعال سب داخل ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ آپ کا کوئی قول کوئی فعل ایسا نہ تھا جو قرآن سے باہر ہو۔ گویا اسوۂ رسول کی جامعیت بھی کتاب اللہ کی ہم رنگ تھی۔ اسی لئے آپ کی ذات کو بلا کسی تفصیل کے تمام عالم کے لئے اسوہ بنا دیا گیا تھا، ایک طرف خدا کی یہ جامع کتاب موجود تھی۔ دوسری طرف یہ جامع اسوہ موجود تھا۔ خلاصہ یہ کہ ایک قرآن بشکل مصحف تھا اور دوسرا بشکل اسوۂ رسول، فرق یہ تھا کہ وہ خاموش تھا یہ ناطق، یہاں تیسری چیز احادیث رسول تھیں۔ یہ بھی قرآن ہی کی ایک شکل تھی مگر وہ مجمل تھا۔ یہ مفصل۔ یہ تینوں قرآن گو بلحاظ اجمال و تفصیل جدا جدا تھے۔ مگر بلحاظ اصل حقیقت یہ ایک ہی قرآن تھا۔ [1]

اجتماعی امور کے سلسلہ میں اتنی بات سمجھ لینا کافی ہے کہ قرآن حکیم نے کائنات کی ابتدا، تدریجی ارتقاء اور تکمیلی

---

[1] مولانا بدر عالم مرحوم، ترجمان السنۃ، ج ۱، مقدمہ، صفحہ ۱۰۵ - ۱۰۷

مراحل کا جہاں ذکر کیا ہے وہاں انسان کی تخلیق سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک انسانی تاریخ کا مختصر حال بھی بیان کر دیا ہے۔ بظاہر اس میں چند انبیاء علیہم السلام اور ان کی اقوام کا مختصر بیان ہے لیکن اگر تاریخ عالم کے پس منظر میں اس مختصر تاریخ انبیاء کو سامنے رکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یوں تو دنیا میں ہزاروں اقوام ابھریں۔ ترقی و تنزلی کے مراحل سے گزریں، بہت سی فنا ہو گئیں اور ان کے آثار بھی باقی نہیں رہے، کچھ کی نسلیں بچ گئیں۔ دنیا میں پھیلیں اور تہذیب و تمدن کے مختلف مدارج طے کرتی رہیں لیکن اگر ان کے مشترک مزاج اور خصوصیات کو سامنے رکھا جائے اور اس اعتبار سے ان کی گروہ بندی کی جائے تو ہزاروں کی تعداد گھٹ کر بہت کم ہو جائے گی

مثلاً دنیا کی بہت سی اقوام کی مشترک خصوصیت یہ رہی ہے کہ انہوں نے آخرت کی زندگی کا انکار کیا اور اسی دنیا کی زندگی کو آخری زندگی سمجھا اور دنیا کے وسائل سے فائدہ اٹھانے اور ان سے جی بھر کر لطف اندوز ہونے کو اپنا مقصد بنایا اور زندگی کو بے لگام چھوڑ دیا۔ اب دنیا کے مختلف خطوں میں جتنی اقوام بھی اس مزاج کی گزری ہیں ان میں سے ایک کا انتخاب کر کے اس کی سرگزشت بیان کر دینے سے زندگی کا ایک نمونہ سامنے آجائے گا، اس ایک قوم کی تاریخ اسی نوعیت کی تمام اقوام کی ترجمانی کے لئے کافی سمجھی جائے گی۔

کچھ قومیں ایسی ملیں گی جنہوں نے تمام اخلاقی حدود کو توڑ کر ہر قسم کی بے اعتدالی کو اپنا شعار بنا لیا، تو بعض نے دوسری اقوام کو غلام بنا لیا، ایسی قومیں بھی گزری ہیں۔ جنہوں نے اونچ نیچ کے تصور کی بنیاد پر معاشرہ کی تشکیل کی۔ اسی طرح آپ چاہیں تو معاشرتی نظام کے نمونوں کا انتخاب کر سکتے ہیں، عقاید کی بنا پر، معاشرتی نظام اور سیاسی تنظیم کے مشترک اصولوں کو لے کر اقوام عالم کی گروہ بندی کر سکتے ہیں۔

اس معاملہ میں قرآن کا انداز یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی مشترک خصوصیات کی بنیاد پر اقوام عالم کی گروہ بندی کر کے بطور نمونہ ایک ایک قوم کی جامع خصوصیات اور مختصر تاریخ بیان کر دی ہے اور اسی قبیل کی دوسری تمام اقوام کا ذکر نہیں کیا ہے۔ کیونکہ اسی پر دوسری اقوام کو قیاس کر لینا چاہیئے کہ اس مزاج اور ایسے نظام کی اقوام کی زندگی کس نوعیت کی تھی، وہ کن مراحل سے گذریں اور ان کا کیا انجام ہوا۔

بالفاظ دیگر قرآن میں جو چند اقوام کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے وہ دراصل نوع انسانی کی مختصر لیکن نہایت جامع تاریخ ہے۔

اس کا اندازہ آپ اس طرح بھی لگا سکتے ہیں کہ ساری دنیا کی جتنی اقوام کی تاریخ معلوم ہے ان پر ایک نظر ڈالئے اور ان کے مشترک انداز زندگی، طرز سفر کے اعتبار سے ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر لیجیے۔ اس کے بعد حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک جن اقوام کا ذکر قرآن میں ہے ان کو سامنے رکھیئے۔ آپ دیکھیں گے کہ اقوام عالم کے جتنے نمونوں کا آپ نے انتخاب کیا ہے وہ سب کے سب آپ کو قرآن کی بیان کردہ تاریخ میں مل جائیں گے[1]

---

[1] اس موضوع کو راقم نے اپنی تالیف "مغربی تہذیب، آغاز و انجام" میں زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرما لیا جائے۔

یہ بھی کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک جو اہم واقعات انسانی تاریخ میں رونما ہوئے ہیں وہ سب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترلیسٹھ سالہ زندگی میں دہرا دیئے گئے ہیں۔

اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ قرآن عزیز نے انسانی تاریخ کے مختلف ادوار کو مخصوص انبیاء کی بعثت کے تحت بیان کرتے ہوئے تمام مفید اور قابلِ ذکر گوشوں کو سمیٹ لیا ہے۔ اب آپ قرآن کی بیان کردہ تاریخ انبیاء کو سامنے رکھئے اور ان تمام واقعات کو بھی شامل کر لیجئے جو کسی تفریح کے بغیر قرآن میں بیان ہو گئے ہیں اور پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر نظر ڈالئے آپ بہ آسانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان تمام واقعات کی نشاندہی کرتے چلے جائیں گے جو انسان کی طویل "تاریخ" کے ضمن میں قرآن میں مذکور ہیں۔

زیادہ معروف اور واضح الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تمام انبیائے کرامؑ کی سیرتوں کی جامع ہے۔ جو دعوت ساری دنیا کے انبیاء اور رسولوں نے دی، وہی آپ نے دی۔ مختلف ادوار میں، مختلف ملکوں کی اقوام نے جو جوابات اپنے اپنے نبیوں اور رسولوں کو دیئے ہیں، وہی سب کے سب آپ کو دیئے گئے ہیں، جو سلوک دنیا کی اقوام نے اپنے اپنے رسولوں کے ساتھ کیا۔ وہی آپ کے ساتھ ہوا، جن مسائل کا سامنا سارے رسولوں نے کیا وہی آپ کے سامنے بھی آئے، اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچانے میں جو جو طریق کار آپ سے پہلے رسولوں کا رہا ہے وہی آپ کا بھی تھا، جن مشکلات کا سامنا آپ سے پہلے انبیاء نے کیا ہے ان ہی سے آپ بھی دوچار ہوئے ہیں۔ صبر آزما لمحات میں، جنگ و صلح کی صورت میں، فرماں رواؤں، سرداروں اور عوام کے سامنے تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرنے میں، عبادات، معاملات اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں جو کچھ آپؐ سے پہلے کے رسولوں نے کیا ہے وہی آپؐ نے بھی کیا[1]۔

آنچہ ہمہ خوباں دارند تو تنہا داری

یہ بات بھی کم حیرت انگیز نہیں کہ وہ تمام اقوام جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ مختلف علاقوں کی رہنے والی تھیں ان کے حالات اور نظام ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن سرزمین عرب کے علاقہ میں وہی ماحول پیدا ہو گیا جو مصر، شام و فلسطین، عراق و یمن جیسے سرسبز و شاداب علاقوں میں تھا اور وہی حالات رونما ہو گئے جو صدیوں پہلے ان علاقوں میں ہوئے تھے (جب اللہ کے رسولوں نے انہیں توحید و آخرت کی دعوت دی تھی۔)

بہر حال اتنا تو واضح ہو ہی جاتا ہے کہ تیئس ۲۳ سالہ دور نبوت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اقوام عالم

---

[1] یہ موضوع سے متعلق صرف اشارے ہیں۔ خاکسار نے اپنی تالیف "اعجاز سیرت" میں اسی موضوع کو لیا ہے، جو اگرچہ ابھی غیر مطبوعہ ہے لیکن اس کے کچھ اجزاء بعض جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

کی رہ نمائی کی تربیت مکمل طور پر دے دی گئی تھی۔ آپ کو وہ تمام تجربات ہو چکے تھے جو انبیائے سابقین کو ہوئے تھے۔[1] جس طرح سارے رسولوں نے مختلف اقوام عالم کی رہ نمائی کی تھی۔ آپ نے بھی ان طبقات کی رہ نمائی کر کے دکھا دی جو ٹھیک ٹھیک سابقہ اقوام کی پیروی کر رہے تھے۔

اب آپ کی سمجھ میں یہ بات آگئی ہوگی کہ اقوام عالم کی رہ نمائی صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیوں کر سکتے ہیں' کوئی دوسرا نہیں کر سکتا، کیونکہ تنہا آپ ہی کی ذات ہے جس میں سارے انبیاء (رہ نماؤں) کی صفات و خوبیاں جمع ہو گئی ہیں۔ اور اجتماعی یا انفرادی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کا عملی نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں نہ مل جاتے۔

ایک فرماں روا کس طرح حکومت کرے، آپ کی زندگی سے سیکھ سکتا ہے کیونکہ آپ نے بھی فرماں روائی کر کے دکھائی ہے، ایک معمولی چرواہا کس طرح زندگی گزارے، آپ سے سیکھ سکتا ہے کیونکہ آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں، تجارت کس طرح کرے، آپ کی سیرت میں اس کا نمونہ بھی ہے، بھوک اور فاقہ کی حالت میں کیا کرے، یہ بھی آپ کی سیرت میں مل جائے گا کہ آپ کے پیٹ سے بھی (بھوک کی شدت کے سبب) پتھر بندھے تھے۔ دوست احباب سے تعلقات کی نوعیت، عزیزوں، غریبوں، محتاجوں اور غلاموں سے کس طرح سلوک کیا جائے، ازدواجی زندگی کس طرح گزاری جائے، اولاد کی پرورش، ولادت و موت، غم و خوشی، نفع و نقصان، فتح و شکست کے مواقع پر کیا کیا جائے۔ سب کی مثالیں آپ کی سیرت میں مل جائیں گی۔ ظاہر ہے اس کی مکمل فہرست بنا کر پیش کرنا ناممکن ہے البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جو جو واقعات رونما ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں ان سب کا بہترین عملی نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں مل جائے گا آپ کے علاوہ کسی دوسرے انسان کی سیرت میں نہیں مل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات سے گہرا لگاؤ اور عام دل چسپی سب سے زیادہ ہے کیونکہ قدم قدم پر آپ کا اسوۂ حسنہ رہ نمائی کے لئے موجود ہے اور زندگی کے ہر شعبہ پر آپ کے قائم کردہ نقوش سب سے زیادہ گہرے ہیں ایک رہ نمائی ہی کیا آپ کی سیرت کا ہر پہلو یہی شان لئے ہوئے ہے۔ بحیثیت مصلح، عہد آفریں، انقلاب لانے والے، انسانی آزادی کا صور پھونکنے والے، کسی بھی حیثیت سے آپ کا ذکر کیا جائے۔ آپ کی امتیازی شان

---

[1] یہاں یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد گمراہی کی کوئی نئی شکل ظاہر ہوئی ہے نہ ہدایت کا کوئی نیا راستہ دکھایا گیا ہے۔ نیک لوگ اسی راستہ پر چل رہے ہیں جس پر پہلے نیک لوگ چل چکے ہیں، اسی طرح گمراہ لوگ ان لوگوں کی پیروی کر رہے ہیں جو گمراہ تھے۔ اب قیامت تک یہی صورت حال رہے گی، جس کی طرف سورۃ الفاتحہ میں اشارہ ہے "خدایا ہم پر (فلاح و سعادت کی) سیدھی راہ کھول دے! وہ راہ جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہوا، ان کی نہیں جو تیرے حضور مغضوب ہوئے اور نہ ان کی راہ جو راہ سے بھٹک گئے اور منزل کا سراغ ان پر گم ہو گیا۔" (ترجمان القرآن)

اور انفرادی حیثیت نمایاں ہی رہے گی۔

البتہ ایک بات ذہن میں رہنی چاہیئے وہ یہ کہ جب ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کسی خاص صفت کے اعتبار سے کراتے ہیں۔ مثلاً مصلح، انقلاب لانے والے، غریبوں کے ہمدرد، بےکسوں کے مونس، سب سے زیادہ کامیاب فرماں روا، بہترین جنرل، ازدواجی زندگی کے لئے نمونہ، عظیم رہنما وغیرہ تو اول تو اسی خاص شعبہ میں آپ کی سیرت کی بلندی اور مقام تک رسائی نہیں ہوتی، دوسرے اس سے آپ کی شخصیت کا پورا تعارف بھی نہیں ہوتا۔ بس زیادہ سے زیادہ آپ کی جامع الصفات سیرت کا ایک ہی پہلو اُبھر کر سامنے آجاتا ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کسی بھی انسان یا جماعت کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ سیرت کے تمام پہلوؤں کو بہ یک وقت واضح کرے۔ اسی لئے آپ کے مقام کا ادراک بھی ممکن نہیں، کیونکہ جب آپ کی مکمل شخصیت ہی سامنے نہیں آپاتی تو مقام کا تعین کس طرح ہو؟

اب آخر میں ملاحظہ فرمایئے:۔ قرآن نے آپ کا تعارف کس انداز سے کرایا ہے۔ ارشاد ہے۔

قل سبحان ربی هل كنت الا بشرا رسولا ۝ (بنی اسرائیل، ۱۷/۹۳)

(اے پیغمبرؐ!) ان لوگوں سے کہہ دے "سبحان اللہ! (میں نے کچھ خدائی کا دعویٰ تو کیا نہیں) میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ایک آدمی ہوں پیغام حق پہنچانے والا"

دو لفظوں میں دو حیثیتیں نمایاں کر دی گئیں، "بشر" اور "رسول" بہ حیثیت بشر آپ کی عظمت سے کسی کو بھی انکار نہ تھا نہ آج۔ انتہائی مخالفت اور عداوت کے باوجود قریش مکہ آپ کی امانت، دیانت، شرافت، حق گوئی، سخاوت، حسن سلوک، حسن صورت، حسن سیرت، کردار کی پختگی اور ان تمام خوبیوں کے معترف تھے جو حیثیت انسان کسی میں ہو سکتی ہیں۔ آج بھی تمام دنیا کے دانشور آپ کو ایک عظیم انسان، بہترین رہنما، منصف حکمران، اعلیٰ خوبیوں اور بلند حوصلوں میں ممتاز اور کم از کم دنیا کی عظیم ترین ہستیوں میں شمار کرتے ہیں۔

اسی طرح آپ کی رسالت بھی اتنی واضح اور روشن ہے کہ اس کا بھی انکار ناممکن ہے۔ جو لوگ آپ کو بحیثیت رسول تسلیم نہیں کرتے وہ دراصل اللہ ہی کے قائل نہیں۔ اب ظاہر ہے جو شخص اللہ کے موجود ہونے ہی کو تسلیم نہیں کرتا وہ اس کے رسول کا کس طرح قائل ہو جائے گا۔ البتہ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے آپ کی رسالت کا انکار ناممکن ہے، پھر اس کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس مضمون کو قرآن نے نہایت واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:۔

تنزيلاً ممن خلق الارض والسّمٰوٰت العلى ۝ الرحمٰن على العرش استوىٰ ۝ له ما فى السمٰوٰت وما فى الارض وما بينهما وما تحت الثرىٰ ۝ وان تجهر بالقول فانه يعلم السرّ واخفىٰ ۝ الله لا اله الا هو له الاسماء الحسنىٰ (طٰهٰ ۲۰/۴-۸)

یہ اس ہستی کا اتارا ہوا ہے۔ جس نے زمین پیدا کی اور بلندی سے آسمان۔ الرحمٰن کہ جہانداری کے تخت پر متمکن ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، جو کچھ مٹی کے نیچے ہے (یعنی زمین کے نیچے ہے) سب اسی کا ہے اور اسی کے لئے ہے۔

اور اگر تم پکار کے بات کہو (تو اس کی سماعت اس کی محتاج نہیں) کیونکہ وہ بھیدوں کا جاننے والا ہے زیادہ سے زیادہ چھپے بھیدوں کو بھی! وہی اللہ ہے۔ کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف وہی۔ اس کے لئے حسن و خوبی کے نام ہیں! (ترجمان القرآن)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو جس ہستی کا رسول بتایا ہے اس کی شان تو یہ ہے:۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝ (الفرقان ۲۵/۱-۲)

نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان (یعنی قرآن) اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لئے نذیر ہو وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے، جس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی (تفہیم القرآن)

اس حقیقت کو ذہن میں رکھیے اس کے بعد اس پر غور فرمائیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے اندر علانیہ اپنی رسالت کا دعویٰ کیا، مکہ، بلکہ سارے عرب اور اردگرد کے ممالک تک اس بات سے اچھی طرح واقف ہو گئے کہ آپ نے رسالت کا اعلان کیا ہے تو بتائیے کیا اُس ہستی کو اس کا علم نہیں ہوا جو کائنات کے ذرہ ذرہ سے آگاہ ہے جو علانیہ بات ہی نہیں مخفی ترین بات کو بھی خود سنتا ہے؟ کیا اس نے نہیں سُنا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود کو اُس ہستی کے رسول کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں اور اس کے نام سے ہزاروں فرامین لوگوں کو سُنا رہے ہیں؟

ظاہر ہے دنیا کا کوئی انسان بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان رسالت کا اللہ کو علم نہیں ہوا۔ جب یہ امر طے شدہ اور اظہر من الشمس ہے کہ اللہ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان رسالت کا علم تھا تو دیکھنا یہ ہے کہ اس نے کیا کیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی تردید کی یا آپ کی تائید و نصرت فرمائی؟ اس کے لئے کسی دلیل و استدلال کی ضرورت نہیں۔ اعلانِ رسالت کے بعد کی زندگی دنیا کے سامنے روشن ہے، اس کو سامنے رکھ کر دنیا کا ہر انسان فیصلہ کر سکتا ہے کہ اللہ نے آپ کو غلط مدعی قرار دیا یا سچا رسول۔ اس کا اندازہ صرف ایک ہی چیز سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

ہجرت کے وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ایک جاں نثار حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ جنگ بدر میں آپ کی حمایت کرنے والے تقریباً تین سو تیرہ، اُحد کے موقع پر، سات سو، حدیبیہ میں چودہ سو

فتح مکہ کے دن دس ہزار، جنگ حنین میں بارہ ہزار، تبوک کے موقع پر تیس ہزار اور حج الوداع کے دن تقریباً ایک لاکھ جان نثار آپ کے ارد گرد تھے ۔ اور آج تک یہ تعداد کتنی ہو چکی ہے ۔۔ شمار سے باہر
دس سال کے اندر یہ عروج، کامیابی کی انتہائی بلندی، دنیا کے گوشہ گوشہ میں آپ کی تعریفیں، آپ پر درود و سلام کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ، آپ کی اطاعت اور نام پر مٹنے والوں کی شمار میں آنے والی تعداد، مخالفین کی نظروں میں آپ کا احترام، ماننے والوں کے گل ہائے عقیدت، انسانوں کے قلوب پر آپؐ کے نقوش تاریخ عالم پر آپ کے اثرات، یہ سب کیا اس بات کا بین ثبوت نہیں کہ اللہ نے آپ کو یہ کامیابی اور عظمت عطا کی۔ اگر آپؐ اللہ کے رسول نہیں تو کیا اللہ آپ کو اس بلندی تک پہنچنے دیتا ؟ ۲
ایک انسان اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہے کہ بحیثیت بشر آپ احمدؐ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ یعنی آپ وہ ہیں جس نے پروردگار عالم کی (اس کائنات میں) سب سے زیادہ تعریف کی ہے اور اس کائنات میں (اللہ کے بعد) سب سے بہتر اور سب سے زیادہ تعریف آپ کی گئی ہے اور کی جاتی رہے گی۔
آج تک انسانوں نے جن الفاظ میں اور جس طرح آپؐ کی تعریف کی ہے اس سے ہمارے کان کم از کم آشنا تو ہیں۔ اس کا بہت قلیل ہی سہی کچھ تو اندازہ ہم کر سکتے ہیں، لیکن ذرا غور تو فرمائیے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إن الله وملئكته يصلّون على النبيّ ط يٰايها الذين اٰمنوا صلّوا عليه وسلموا تسليما ۝ (الاحزاب، ۳۳/۵۶)

اللہ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو
آپ پر ایمان لانے والوں نے آپ پر کس طرح درود بھیجا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ چودہ سو سال سے آج تک، اس آسمان کے نیچے کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا ہے جب کہ سیکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں اہل ایمان آپ پر (نمازوں اور اس کے علاوہ بھی) مسلسل درود نہ بھیج رہے ہوں اور سلام! آج بھی آپ کے دربار میں حاضر ہو کر آپؐ کی خدمت میں سلام عرض کرنا ایک عظیم نعمت ہے۔ شاہانِ عرب ہوں، یا سلاطین عجم، آپؐ کے حضور، مودب، سلام عرض کرنا اپنی خوش قسمتی سمجھتے رہے ہیں۔ آج بھی سلام کا ایک سیلاب رواں ہے جہاں آوازیں بلند نہیں ہوتیں مگر

۱ ملاحظہ ہو طبری ؛ مولانا شبلی، سیرت النبیؐ
۲ دراصل جو لوگ آپ کی رسالت کے منکر ہیں وہ اللہ کو نہیں مانتے بلکہ ایک ایسے معبود کے قائل ہیں جس کے بیٹیاں ہیں یا اس کے بہت سے شریک ہیں۔ اسی کی اوپر کی آیات میں تردید کی گئی ہے۔ قرآن یا آپؐ نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ آپ کو اس خدا نے رسول بنایا ہے جس کے بیٹیا یا شریک ہیں۔ جو آپ کی رسالت کے منکر ہیں۔ ان کے کہنے کا منشا یہ ہے کہ ان کے خدا نے رسول نہیں بنایا اور یہ صحیح ہے۔ وہ اللہ کے قائل ہیں نہ اس کے رسول کے منکر

اور اللہ تعالیٰ کس طرح درود بھیجتا ہے، اس کے کتنے فرشتے ہیں جو درود بھیجتے رہتے ہیں، اس کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟

رہا آپ کا مقام بہ حیثیت رسول، تو اس کا ادراک ہو تو کس طرح جب کہ آپ کا مقام سدرۃ المنتہیٰ سے بھی ماوراء ہے [2]

---

[1] متعلق صفحہ گزشتہ اسمائے گرامی کی شرح کرتے ہوئے مولانا بدر عالم تحریر فرماتے ہیں احمد: یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنی میں مستعمل ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہیں "احمد الحامدین لربہ" یعنی تمام تعریف کرنے والوں میں اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ دوسری صورت میں اس کے معنی ہیں "احق الناس واولاہم بان یحمد" تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل اور ثناء کا مستحق۔ حافظ ابن قیم "اسم محمد" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محمد وہ ہے جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں، جس کی اتنی تعریف کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے ....

حافظ سہیلی "لکھتے ہیں" محمد" کے وزن میں ہمیشہ تکرار کے معنی ملحوظ رہتے ہیں۔ اس لئے محمد اس کو کہا جائے گا جس کی بار بار تعریف کی جائے۔ (ترجمان السنہ، ج ۱، حواشی صفحہ ۴۵۲، ۴۵۳)

[2] سورہ النجم میں جہاں معراج کا ذکر ہے وہاں سدرۃ المنتہیٰ کا بھی بیان ہے اس کے بارے میں اکابر محققین کی تحقیق یہ ہے کہ یہ انسانی فہم و ادراک کی آخری سرحد پر ایک درخت ہے۔ اس پہ ہر عالم کا علم ختم ہو جاتا ہے آگے جو کچھ ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (تفہیم القرآن / سیرت النبیؐ (ج ۳، ۳۲۹) اس مقام سے آگے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ نہ جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے ملائکۃ اللہ کا گذر ہوا اور نہ کسی نبی مرسل کا (قصص القرآن ج ۴ حاشیہ ص ۳۶، مولانا حفظ الرحمٰن)

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: لیکن حضور صلعم چونکہ سرور انبیاء اور سید اولاد آدم تھے، اس لئے اس حظیرہ قدس اور بارگاہ لامکان میں آپ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جو اب تک دوسرے مقربان بارگاہ کی حد نظر سے باہر رہا تھا (سیرت النبیؐ، ج ۳ ۲۷۴)

محمد رسول اللہ کی فتح

سید قطب شہید

زمین کے گوشہ گوشہ میں روز و شب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی کروڑوں آوازیں گونجتی ہیں۔ یہ آوازیں چودہ صدیوں سے نہ خاموش ہوئی ہیں اور نہ کم۔ سلطنتیں بدل گئیں، حالات متغیر ہو گئے۔ لیکن زمانہ کے دل میں پیوست یہ ابدی گونج متغیر نہیں ہوئی۔

فتح کی جیتی جاگتی دلیل:

یہ آوازیں **محمد بن عبداللہ** کی فتح کی جیتی جاگتی دلیل ہیں۔ آپ کی یہ فتح کسی غزوہ یا معرکہ کی وقتی کامیابی نہیں، مکہ کی فتح نہیں، جزیرہ عرب کو مغلوب کر لینے کی تاریخی حقیقت بھی نہیں، قیصر و کسریٰ کو سرنگوں کر لینے کا مہتم بالشان واقعہ بھی نہیں بلکہ یہ وہ فتح ہے جس نے زندگی کی سرشت میں اپنا مقام پیدا کر لیا، جو تاریخ کا دھارا موڑنے والی ہے، دنیا کی قسمت پر متصرف ہے اور زمانہ کے قلب میں متمکن ہے۔

یہ فتح:

یہ وہ فتح ہے جو امت مسلمہ کو پہنچ جانے والے کسی ضعف سے ختم نہیں ہوتی، نئے نئے مذاہب اور فلسفے اس کی قدر و قیمت کم نہیں کر سکتے، زمین کے کسی گوشہ میں ایک فریق کا دوسرے فریق پر غلبہ اس کا نور بجھا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ اس کے بیج کائنات کی گہرائیوں میں دفن ہیں اور انسانوں کے ضمیر اس پر گواہ ہیں۔ یہ فتح آپ اپنی دلیل ہے۔ اس کے لئے کسی دلیل یا برہان کی ضرورت نہیں

آیئے ہم اس کے اسباب اور وسائل کا پتہ لگانے کی کوشش کریں تاکہ آج ہم وہی ذرائع و وسائل اختیار کر سکیں اور انہیں اسباب کے مطابق کام کر سکیں۔

قربانیوں کا منطقی نتیجہ:

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ محمد بن عبداللہ کامیاب و کامران ہوں اور دین مستقیم کو غلبہ نصیب ہو، لیکن اللہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کامیابی کو آسان اور سہل بنا دے، اور نہ یہ چاہتا تھا کہ اسے معجزہ بنا دے کہ کوئی انسانی کوشش اور ذریعہ اسے حاصل نہ کر سکے۔ اس لئے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کا شیریں پھل، اور آپؐ اور آپ کے اصحاب کی قربانیوں کا منطقی نتیجہ بنایا۔

چنانچہ جو شخص معلوم کرنا چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کامیابی کیسے حاصل کی اور اسلام کو فتح کیسے حاصل ہوئی، اُسے آپؐ کی

شخصیت، سلوک، سیرت اور جدو جہد کے مطالعہ سے معلوم کرنا چاہیئے۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ کامرانی کا طریقہ مقرر ہے، اس کے وسائل موجود ہیں، اسباب حاضر ہیں اور کوئی بھی شخص کسی بھی زمانہ میں، کسی بھی جگہ اگر کامران ہونا چاہے تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے نمونہ بنانا چاہیئے

تین بنیادی مراحل :

محمد بن عبداللہ کی کامیابی کے تین بنیادی مراحل ہیں۔ اسی میں سارے دیگر مراحل پوشیدہ ہیں۔

۱۔ محمد بن عبداللہ نے کامیابی کا پہلا مرحلہ اس دن طے کیا جس دن قریش کے سردار ابوطالب سے یہ مطالبہ کرنے آئے کہ اپنے اس بھتیجے کو روکے جس نے ان کے دین ان کے رسومات اور ان کے اعتقادات میں مداخلت کر کے ان کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اسے ان کے معبودوں کے بارے میں بولنے سے روک دے اور اس کے بدلہ میں اگر وہ چاہے تو وہ اسے مالا مال کردیں، اگر سردار بننا چاہے تو سرداری عطا کردیں۔ اور اس کے بعد اسے ان پر پورا اختیار ہوگا

محمد بن عبداللہ کامران رہے جب آپؐ نے ان لوگوں کے اور زمانہ کے کانوں میں ایمان کے منبع سے پھوٹنے والی ابدی بات کہی "خدا کی قسم، چچا جان! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تاکہ میں یہ چھوڑ دوں، تو میں یہ ہرگز ہرگز نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ مجھے موت آجائے"۔ خدا کی قسم، کیا ہی زلزلہ خیز شان و شکوہ ہے اکتنی پر شکوہ تصویر ہے۔

'لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِيْنِيْ وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِيْ'

اسی دن محمد عبداللہ نے کامیابی حاصل کرلی اور قریش کے اجتماعی ضمیر کو اس طرح ڈگمگا دیا کہ پھر وہ کبھی قرار نہ پکڑ سکا۔ یہ ایمان تھا، یہی وہ قوت ہے کہ جب انسان کے شعور میں جاگزیں ہو جائے تو پھر اسے کوئی چیز مغلوب نہیں کر سکتی۔

۲۔ اور محمد بن عبداللہ کی کامیابی کا دوسرا مرحلہ جب طے ہو گیا تو آپؐ نے اپنے اصحاب کو ایمان کی زندہ چلتی پھرتی تصویریں بنا دیا ——— ان میں سے ہر ایک کو زمین پر چلنے پھرنے والا زندہ قرآن اور مجسم اسلام بنا دیا۔

خالی نصوص کچھ نہیں کر سکتے۔ صرف مصحف سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اگر ان پر عمل کرنے والا انسان نہ ہو۔ نظریات زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر عملاً نہ اپنائے جائیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ انسان، تیار کریں، صرف وعظ و نصیحت نہ کریں۔ دلوں اور ضمیروں کو ڈھالیں، صرف تقاریر نہ کریں، ایک اُمت کی تعمیر کریں صرف فلسفہ پیش نہ کریں ——— نظریہ تو قرآن نے پیش کر دیا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن یہ تھا کہ اس مجرد فکر کو انسانوں کے قالب میں ڈھال دیں اور ایسی زندہ حقیقت بنا دیں جنہیں ہاتھ چھو سکیں اور آنکھیں دیکھ سکیں۔

جب یہ لوگ زمین کے مشرق و مغرب میں گئے تو لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو بالکل نئی مخلوق ہے۔ انسانیت اس سے پہلے ایسی مخلوق سے ناآشنا تھی۔ اس لئے کہ وہ نظریہ کے زندہ نمونے تھے جو اس وقت کی انسانیت کے لئے اجنبی ہو کر رہ گیا تھا۔ اس وقت لوگ اس نظریہ پر ایمان لے آئے۔ اس لئے کہ وہ ان لوگوں پر ایمان لے آئے تھے جن میں یہ نظریہ جلوہ گر تھا

یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی تھی کہ آپؐ نے اسلامی فکر کو انسانی شکل میں ڈھال دیا۔ مصحف کے سینکڑوں اور ہزاروں نسخے لکھے لیکن یہ روشنائی کے ذریعے کاغذ کے صفحات پر نہیں لکھے گئے تھے، بلکہ نور کے ذریعے دلوں پر لکھے گئے تھے۔ لوگوں کے حال کی صورت میں لکھے گئے تھے۔

لوگوں کا عمل یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اسلام کیا ہے جو اللہ کی طرف سے محمد بن عبداللہ لے کر آئے ہیں۔ اس محمد بن عبداللہ کی آخری کامیابی یہ تھی کہ شریعت اسلامیہ کو زندگی پر حکمرانی کرنے والا ضابطہ، معاشرے کی تبدیلیوں کا بنیادی مرکز، اور لوگوں کے معاملات کا حقیقی منتظم بنا دیا۔

اسلام ایک عقیدہ ہے جس کے بیج سے شریعت کی کونپل پھوٹتی ہے۔ اس شریعت پر ایک نظام قائم ہوتا ہے۔ اگر ہم اسلام کو ایک درخت سے تشبیہ دیں تو عقیدہ اس کا بیج، شریعت اس کا تنا اور نظام شرعی اس کا پھل ہے۔

تنا بیج کے بغیر جڑ نہیں پکڑ سکتا، اور اس بیج کی کوئی قدر و قیمت نہیں جس سے تنا نہ نکلے۔ اس تنے کا کوئی فائدہ نہیں جو پھل نہ دے۔ اس لئے اسلام نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اس کی شریعت ہی زندگی کی حاکم ہو۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ [1]

"جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں"۔

دین اور حکومت کی علیحدگی اسلام میں نہیں ہے۔ کوئی حکومت دین کے بغیر نہیں اور کوئی دین شریعت اور نظام کے بغیر نہیں۔

اسلامی حکومت کے قیام کے اوّل روز ہی سے شریعت اسلامیہ اس حکومت کا دستور العمل تھی اور صاحب شریعت اس کے والی تھے۔ اس حکومت نے مسلمانوں کو یہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ ظلم کے مقابلہ میں اپنا دفاع کر سکیں اور فتنہ سے اپنے آپ کو بچا سکیں اور زمین کے ایک ایک گوشہ میں اسلام کے پرچم تلے محفوظ رہ سکیں۔

اس وقت سے اسلام ایک اجتماعی نظام ہو گیا۔ یہ مسلمانوں کے تعلقات کا مرکزی سر رشتہ تھا۔ وہ ان کے لئے ایک ایسا نظام حکومت بن گیا، جس کی بنیاد پر وہ غیروں سے معاملات کرتے تھے۔ پھر اسلام زمین کے دوسرے گوشوں میں پھیلنے لگا جہاں بھی اس کا عقیدہ پہنچا اس کی شریعت اور اس کا نظام بھی پہنچا جس نے چاہا اس میں داخل ہو گیا اور جس نے نہ چاہا تو "دین میں اکراہ نہیں ہے"۔ لیکن اسلامی شریعت اور اسلامی نظام ہر اس سرزمین پر حکمرانی کرنے لگا۔ جہاں اسلام داخل ہوا لوگ اس سے وہ انصاف اور خیر پانے لگے جس کا مزہ انہوں نے پہلے کبھی نہیں پایا تھا اور اس وقت لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے اور اس وقت اللہ نے اپنے رسولؐ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ، وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ
دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ،
اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا

جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور (اے نبی) تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اسلام اس لئے فاتح ہوا کہ اس کے عقیدہ نے شریعت کا قالب اختیار کیا اور اس شریعت نے ایک ایسا نظام بنا دیا جس کی طرف لوگوں کے دل کھنچنے لگے اور لوگوں نے اسی میں اپنے دلوں کے لئے راحت اور سکون محسوس کیا۔

---

[1] المائدہ آیت ۴۴

اس وقت محمدؐ بن عبداللہ کامیاب ہوگئے اس لئے کہ آپؐ نے اللہ کی شریعت نافذ کردی جس طرح اللہ کی منشا تھی۔

یہ اس لازوال فتح کے مراحل تھے جس پر تاریخ انسانی کا ایک ایک باب گواہ ہے۔ اور آج کروڑوں آوازیں مشرق و مغرب میں اس کے نغمے گاتی ہیں، اور یہ مراحل طبعی اور حقیقی ہیں۔ ایسے مراحل جن پر ہم مسلمان ہر دور میں قدرت رکھتے ہیں۔ یہ وہ مراحل ہیں جو ہمارے سامنے ہیں کہ ہم کوشش کریں انکو آزمائیں اور ان کے ذریعے وہ کامیابی حاصل کریں جو اللہ نے ان بندوں کے لئے مقرر کردی ہے جو اللہ کی مدد کرتے ہیں۔

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۞ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔

اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ

دُنیا کا آخری پیغمبرؐ

مولانا قاری خلیل احمد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

آج سے تیرہ سو برس پہلے دنیا کی حالت بہت خراب تھی۔ مذہب سے کوئی تعلق باقی نہ رہا تھا۔ خدا کو لوگ بھول چکے تھے عرب کی حالت خاص طور پر بری تھی۔ مذہب کا تو ذکر کیا عام اخلاقی حالت بھی ایسی بدتر تھی کہ انسانیت کو اس سے شرم آتی تھی۔

خدا نے اس خراب حالت کو دور کرنے کے لئے اپنا ایک نیک بندہ دنیا میں بھیجا جس کا نام محمدؐ ہے آنحضرتؐ عرب کے اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو سارے عرب میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ نے دنیا کو وہ تعلیم دی جو اس خوبی سے پہلے کبھی نہیں دی گئی نہ آپ کے بعد اور اب جو بھلائی دنیا میں نظر آتی ہے وہ آپ ہی کی تعلیم کا اثر ہے اس تعلیم سے دنیا کو کیا فائدہ پہنچا اس کا بیان آگے آتا ہے لیکن اس سے پہلے آپ کی شخصیت کو واضح کر دینا ضروری ہے تاکہ آپ کی تعلیم کی عظمت کا صحیح طور پر اندازہ ہو سکے۔

محمدؐ قرآن میں

خدا کی طرف سے آنحضرتؐ کو ایک کتاب دی گئی تھی جسکا نام قرآن ہے۔ آنحضرتؐ نے اسی کتاب کے ذریعہ تمام دنیا کو تعلیم دی تعلیم محمدیؐ کی خوبی کے مطالعہ کرنے والے کو سب سے پہلے قرآن ہی میں تلاش کرنا چاہیئے کہ خدا نے اپنی کتاب میں آنحضرتؐ کا ذکر کن کن اوصاف کے ساتھ کیا ہے تاکہ آپ کی تعلیم کو آپ کے عمل کے مقابلہ میں رکھ کر جانچنے کے لئے اندرونی شہادت کے ساتھ ساتھ ہم کو یہ اندازہ کرنے میں آسانی ہو کہ آپ کی تعلیم کس حد تک صحیح ہے۔ خدا نے قرآن میں مختلف مقامات پر آپ کا ذکر کیا ہے اور ہر جگہ آپ کی ایک نہ ایک نمایاں خصوصیت کو بیان کیا ہے قرآنی توصیف کو ہم اپنے لفظوں میں اس طرح پیش کر سکتے ہیں۔ اے محمدؐ بیشک تم رسولوں میں ہو تم صرف ایک رسول ہو تم حق کو لیکر آئے ہو۔ تم رسولوں کی تصدیق کرتے ہو۔ اے محمدؐ تم اللہ کے رسولؐ اور آخری نبی ہو۔ اے محمدؐ تم سے وہی بات کہی جاتی ہے جو تم سے پہلے رسولوں سے کہی گئی یعنی تمہاری اور ان کی تعلیم مقصد کے لحاظ سے ایک ہے محمدؐ تم گمراہی وضلالت سے پاک ہو۔ کیونکہ یہ چیز انبیا کی شان کے خلاف ہو۔ مسلمانوں کے لئے تم رحمت ہو۔ اے محمدؐ تم کو سارے عالم کیلئے بشارت

دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے اور اے محمدؐ تم سچائی اور حق پر ہو۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ محمدؐ کس طرح عالم کے لئے رحمت اور بشارت دینے والے تھے اور بحیثیت ایک انسان کے آپ نے انسانیت کی کیا خدمت کی۔

خدمت

رسول کی زندگی کا ایک بہت بڑا مقصد مخلوق خدا کی خدمت تھی۔ رسولؐ نے فرمایا "قوم کا خادم ہی قوم کا سردار ہوتا ہے" آپ نے اپنے اس قول کو پورا کر دکھایا اور اپنی تمام عمر مخلوق کی خدمت میں صرف کر دی اور اسی کے ساتھ مخلوق کو سیدھا راستہ بھی دکھایا۔ ہم رسول کی زندگی کے تمام واقعات میں سے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں دکھا سکتے جو آپ کے قول کے خلاف ہو۔ آپ گھر کے اندر اپنی بیویوں کے ساتھ خود بھی کام کرتے تھے گھر کے باہر پڑوسیوں اور بیواؤں کی خدمت کرتے تھے۔ سفر میں اپنے ساتھیوں کی خدمت کرتے تھے۔ آپ نے زندگی کے آخری سانس تک معذور و مجبور بوڑھے بچے اور عورتوں کا خیال رکھا۔

دشمنوں کی نظر میں

آنحضرتؐ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ دشمنوں نے بھی آپ کی سچائی کا اقرار کیا۔ آپ نے سب سے پہلی مرتبہ ایک پہاڑ پر چڑھ کر اپنی قوم کو خدائے واحد کی تعلیم کے لئے جمع کیا آپ نے لوگوں سے کہا کہ جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں کیا تم اس پر یقین کرتے ہو۔ سب نے متفق ہو کر کہا نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ الا صدقاً" ہاں ہمیں اب تک بار بار کے تجربہ سے یہی ثابت ہوا کہ تم سچے ہو۔

ابوجہل، اُمیّہ بن خلف، نضر بن حارث، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ یہ لوگ آپ کے بہت بڑے مخالف تھے۔ لیکن آپ کی صداقت اور امانت کا اقرار سب نے کیا ہے اور ابوسفیان نے تو ہرقل شاہ روم کے بھرے دربار میں آپ کی صداقت و دیانت کا بحیثیت دشمن سردار کے اقرار کیا۔ یہ تمام باتیں اسلامی تاریخ میں اب بھی موجود ہیں جنہیں ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔

زندگی کا مقصد

آنحضرت دنیا میں کس لئے تشریف لائے تھے۔ صرف اس ایک بات کے سمجھ لینے سے مذہب اسلام کے متعلق آسانی سے رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ آنحضرت کی زندگی کا مقصد ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھنا چاہتے بلکہ ایک غیر مسلم اہل قلم کا مختصر سا مضمون پیش کئے دیتے ہیں وہ لکھتا ہے۔

"پیغمبر اسلام کی زندگی کا مقصد دنیا کی اصلاح کرنا تھا اور اس میں ان کو پوری پوری کامیابی ہوئی۔ دنیا ان کے احسانات سے دبی ہوئی ہے ان سے پہلے بھی بہت سے لیڈر اور ریفارمر اور نبی آئے اور اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ مگر رسول عربی کا طرز عمل کچھ ایسا مخلصانہ اور سادہ تھا کہ دوست و دشمن سب ان سے یکساں متاثر ہوئے اور فائدہ اٹھایا۔ آپ نے دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے ایک ایسے تمدن کی بنیاد ڈالی جو شخصیت پرستی سے مبرا ہے جس میں امتیاز رنگ و نسل کوئی چیز نہیں جس کے نزدیک انسانی بزرگی کا معیار پرہیزگاری اور خدا پرستی کی پیدائشی عظمت و فضیلت جس نے خدا اور اس کی مخلوق کے رشتہ کو مضبوط کر دیا جس کی بنیاد عدل و انصاف و صدق اخوت باہمی، ہمدردی، مساوات پسندی و رواداری پر قائم ہے اگر آج دنیا اسی طریقہ پر عمل پیرا ہو تو بہت سے دقت طلب مسائل کا حل آسانی سے ہو جائے اور خدا کی مخلوق پر امن زندگی بسر کرے۔"

یہ عبارت کسی مسلمان کے قلم سے نہیں بلکہ ایک غیر مسلم کے قلم سے نکلی ہے میں اسی بیان کی روشنی میں آپ کے سامنے ان تمام چیزوں کو پیش کرتا ہوں جن کی طرف اس غیر مسلم نے اشارہ کیا ہے آزادی پست اور کم درجہ انسانوں اور قوموں کے ساتھ اسلام کا سلوک لوگوں میں جذبہ انسانیت و شرافت پیدا کرنا۔ تہذیب و تمدن کی ترقی عورت کا مرتبہ کیا ہونا چاہیئے۔ بچوں کے ساتھ برتاؤ اور ہمسایہ قوموں کے ساتھ اسلام کس قسم کے برتاؤ کا حکم ہے۔

آزادی

ملک عرب بلکہ ساری دنیا میں برائیاں پھیل گئی تھیں۔ دماغوں میں ہر وقت ذلیل اور پست خیالات چکر لگاتے رہتے تھے۔ غریبوں کا کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ مالدار اپنی دولت اور عزت کے گھمنڈ میں کسی کی پروا نہ کرتے تھے۔ ہر شخص دوسروں کی بربادی کی فکر میں لگا رہتا تھا جن لوگوں کو غلام بنا لیا جاتا تھا ان کے ساتھ اتنا برا سلوک کیا جاتا تھا کہ اس کے خیال سے اس وقت بھی ظلم کرنے والوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر برسوں لڑائیاں ہوتی تھیں سیکڑوں جانیں ایک چھوٹی سی بات پر خاک و خون میں لتھڑی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اخلاقی حالت کا تقریباً وہی عالم تھا جو آج یورپ کا ہے یا ان ملکوں کا جہاں یورپ کے اثرات پہنچ چکے ہیں۔ ہندوستان میں بھی جہاں ہم بستے ہیں۔ برہمن اور شودر میں وہی فرق تھا جو آج موجود ہے۔ جیسا کہ ملک عرب میں آقا اور غلام کے درمیان امتیاز تھا چھوٹی اور نیچ ذات قوم کے کسی فرد کی یہ مجال نہ تھی (نہ ہے) کہ وہ کسی برہمن یا اونچی ذات والے کے پاس سے یا اس کی کسی چیز کو چھوتا ہوا گذر جائے۔ غرضیکہ جب دنیا کا یہ حال تھا تو خدا نے اپنی رحمت سے دنیا کی اصلاح کے لئے آنحضرتؐ کو بھیجا۔ آپ نے آقا اور غلام کے فرق کو مٹایا جو جہالت تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی اسے دور کیا تاکہ تمام آدمی یکساں طور پر امن و سکون کی زندگی بسر کریں۔ آپ اپنی تعلیم میں کامیاب ہوتے اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد دنیا نے دیکھ لیا، کہ مسلمانوں میں نہ کوئی آقا ہے نہ کوئی غلام سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اور صرف خدا کے بندے اور غلام ہیں۔ اگر کوئی

مالدار ہے تو اپنے لئے کوئی بڑی ذات کا ہے تو اپنے لئے۔ کسی غریب کے مقابلہ میں اسے اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ خدا کے نزدیک یہ تمام چیزیں قابلِ اعتبار نہیں۔ اس کے نزدیک تو وہی شخص عزت والا ہے جو اس کی عبادت کرے اور اس سے ڈرتا ہے۔

پست اور کم درجہ انسانوں اور قوموں کیساتھ اسلام کا سلوک

اچھوت اسلام سے پہلے

یہ عجیب بات ہے کہ آج انسانوں کے جس حصہ کو مہذب دنیا (یورپ امریکہ) میں حد سے زیادہ آزادی حاصل ہے اور جس کی بے انتہا آزادی نے مہذب دنیا کے چھوٹوں اور بڑوں سب ہی کو غیر مہذب بنا دیا اسلام سے پہلے یہاں اس انسانی گروہ جس کو صنف نازک سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی عورت کی حالت بہت خراب تھی روم و ایران کی مہذب حکومتیں جاپان، چین اور ہندوستان جیسے بڑے بڑے ملک اس انسانی گروہ کی کوئی قدر نہ کرتے تھے اور نہ اس صنف کو کوئی شرافت حاصل تھی حالانکہ عورت اس وقت بھی دنیاوی زندگی کے لیے اتنی ہی ضروری چیز تھی جتنی کہ آج ہے اسی طرح غلاموں اور نیچ اور پست قوموں کی حالت تھی اس گروہ کی خراب وخستہ حالت کا نقشہ ہم کسی قدر زمیندار اور کسان کی زندگی میں دیکھ سکتے ہیں۔ بیچارہ کسان باوجود اپنا خون و پسینہ ایک کرنے کے بعد چند دانے جمع کرتا ہے۔ سال بھر تک محنت و مشقت برداشت کرنے کے بعد بھی زمیندار، سرمایہ دار کے سود سے نجات نہیں پاتا اپنی بے انتہا مشقت سے پیدا کیا ہوا ایک ایک دانہ سرمایہ دار کے قرض میں ادا کرنے کے بعد بھی سکون اور چین نہیں پاتا۔ پست قومیں ساری عمر خدمت میں صرف کر دینے کے باوجود اپنے مالکوں کے دل میں کوئی عزت نہیں حاصل کرتیں۔ یہی حالت زمانۂ اسلام سے پہلے غلاموں اور کم درجہ رکھنے والے انسانوں اور قوموں کی تھی اسلام نے اس تفریق کو مٹایا۔ غلاموں، عورتوں اور کم درجہ قوموں کی بحیثیت انسان کے مساوی حیثیت تسلیم کی اور بتایا کہ اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔

آنحضرتؐ اور پسماندہ قومیں

اسلام نہ تو سرمایہ داری کا حامی ہے اور نہ نیشنلزم کا وہ دنیا میں صحیح اور واقعی جمہوریت کا طرفدار ہے جس کا نمونہ ہمارے سامنے خلفاء راشدین اور ان کا زمانہ خلافت ہے جمہوریت ہی وہ چیز ہے جو بڑے اور چھوٹے کے امتیاز کو مٹاتی ہے اور خالص اور سچی مساوات پیدا کرتی ہے۔ قرآن کے صفحات اور آنحضرتؐ کی خدمتیں ہمیں اسی چیز کی تعلیم دیتی ہیں۔

یہ ہی چیز تھی جس نے بلال حبشیؓ کی خاندانی پستی کا خیال تک مسلمانوں کے دلوں میں نہ آنے دیا۔ بڑے بڑے

صحابہ کرام بیساختہ پکار اٹھتے۔ تھے کہ بلال ہمارے سردار ہیں۔ یہ اسلامی تعلیم ہی کا اثر تھا کہ عرب جو اپنے نسب و خاندان کی شرافت کو سب سے بڑی فضیلت سمجھتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے بچے بچے کو اپنا شجرہ نسب ازبر تھا یاور د زبان تھا۔ لیکن جب بلال حبشی کو اپنے نکاح کی فکر ہوتی ہے تو عرب کے بڑے بڑے معزز خاندان بلال کو اپنی لڑکیاں دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

جس وقت تک دنیا آباد ہے اسلام کی تاریخ سے یہ بات کبھی مٹائی نہیں جا سکتی کہ مسلمانوں نے کم درجہ لوگوں کو وہ حیثیت دیدی تھی کہ آگے چل کر انہوں نے تخت حکومت پر بیٹھ کر حکمرانی کی اور ہندوستان میں سب سے پہلا حکمران خاندان غلاموں کا خاندان تھا۔

غریبوں کا ہمدرد محمدؐ

ہر زمانہ میں ہر بڑے آدمی نے خواہ وہ بادشاہ ہو یا وزیر۔ حاکم ہو یا لیڈر ہر ایک نے غریبوں کی ہمدردی کا اظہار اپنی زبان قلم سے کیا ہے اور یہ اس لئے کیا کہ دنیا کے کاروبار۔ دنیا کا سارا نظام زندگی ان غریبوں کی امداد و اعانت پر موقوف ہے اس لئے ہر وہ شخص جو جسموں یا روحوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے اپنی ضرورت کی آسانی کیلئے غریبوں کے ساتھ اظہار ہمدردی ضروری سمجھتا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عمل کے ساتھ اس کا قول کس حد تک مطابق ہے۔ تاریخ عالم پر نظر ڈالئے تو اس قسم کے بہت کم لوگ ملیں گے جن کے قول و عمل یکساں ہوں مگر آنحضرتؐ ان سب سے الگ بالکل نرالی شان کے مالک تھے۔ آپ نے اپنے قول کو کبھی اپنے عمل کے مخالف نہیں ہونے دیا۔ کتنا عبرتناک واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ جیسا عظیم الشان ہادی جس کی پیدائش نے قیصر و کسریٰ کے فلک بوس محلوں میں زلزلہ ڈالدیا تھا جب وہ دنیا میں آتا ہے تو باپ کا سایہ سر سے اٹھ جاتا ہے اور اس کی پرورش چچا کے سپرد ہوتی ہے جو خود بھی کوئی صاحب ثروت نہ تھے بلکہ غربت کی زندگی بسر کرتے تھے جس دایہ کو آنحضرتؐ کی دودھ پلائی ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ بھی ایک مفلس گھر کی فرد تھی بعد میں گو آپ کا نکاح ملکہ عرب حضرت خدیجہؓ سے ہو گیا لیکن آپ نے کبھی اپنے اخراجات کا بوجھ خدیجہؓ پر نہ ڈالا بلکہ باپ کے ترکہ سے جو معمولی سا حصہ ملا تھا اس پر بسر اوقات کرتے تھے۔ غرضیکہ ساری عمر آپ نے غریبی میں گذاری اور قدرت کے باوجود کبھی امیرانہ زندگی کو پسند نہ کیا اس لئے کہ آپ کو معلوم تھا کہ ہر زمانہ میں امیر اور مالدار گنے چنے ہوتے ہیں ساری دنیا غریبوں سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ غریبوں میں اکثر جا کر بیٹھتے تھے اور انکی صحبت کو پسند کرتے تھے اس چیز کا اثر تھا کہ امیروں اور مالداروں کی بے انتہا مخالفت کے باوجود غریبوں نے ہر موقع پر آپ کا ساتھ دیا۔ ابتدائے اسلام میں آنحضرتؐ نے انہی غریبوں کی امداد سے کامیابی حاصل کی۔ آج بھی اسلام کی وہی تعلیم موجود ہے اور وہی اللہ و رسول کا فرمان مسلمانوں کے لئے مستقل ہدایت ہے جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں تھی۔ البتہ خود مسلمان بدل گئے ہیں۔

انسانیت

آنحضرتؐ نے انسان کو انسان بنایا

آنحضرتؐ کو جن حالات میں نبوت میں عطا کی گئی وہ تاریخ کے اوراق میں ابتک موجود ہے جن کی تصدیق اب بھی نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم علماء بھی کرتے ہیں جہالت و گمراہی کا زمانہ تھا نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا میں بت پرستی کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی اس کا اثر تھا کہ سارا عالم ظلم و فساد فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا تھا۔ قرآن نے بھی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آنحضرتؐ نے چند ہی دن میں ان کی اس حالت کو ایسا پلٹ دیا کہ گویا عالم ہی بدل گیا جو گردنیں غیر اللہ کے سامنے جھکتی تھیں۔ اب صرف خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں جھک رہی تھیں۔ فارس آگ کے بڑے بڑے ڈھیروں کو اپنا معبود سمجھتا تھا روم اور ساری دنیائے نصرانیت عیسیٰ مسیح کی قربانی کو اپنی ساری نافرمانیوں اور بدعملیوں کا کفارہ سمجھتی تھی ہندوستان اپنی غیر معمولی وسعت کے باوجود محدود اور گنے چنے معبودوں پر کیسے اکتفا کر سکتا تھا۔ یہاں سینتیس کروڑ دیوتاؤں کا راج تھا جن کے سامنے ہندوستان کے بسنے والوں کی پیشانیاں جھکی تھیں عرب جو روم و فارس کا ہمسایہ ہونے کی وجہ سے وہاں کی گمراہیوں سے اچھی طرح متاثر تھا۔ وہ اپنی عبادت و پرستش کی ایک نرالی شان رکھتا تھا۔ اس اندھیری دنیا میں آنحضرتؐ توحید کی مشعل لیکر نکلے اور گمراہوں کو دکھلا دیا کہ توحید ہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان میں انسانیت و شرافت پیدا ہوتی ہے۔

دوسری چیز اخوت و مساوات تھی جو آنحضرتؐ نے دنیا کے سامنے پیش کی۔ شرافت و عظمت کا معیار اعمال کو قرار دیا۔ قومیت۔ نسل اور رنگ و روپ کی تفریق کو مٹایا۔ یہاں تک کہ اس کا خیال ہی لوگوں کے دلوں سے دور کر دیا۔ آپ کے نزدیک مالدار کبھی اس لئے قابل عزت نہیں قرار پایا کہ وہ مال و دولت کا مالک ہے۔ آپ نے ہمیشہ امیروں اور غریبوں کو ایک نظر سے دیکھا بلکہ کسی حد تک غریبوں پر آپ کی نظر عنایت زیادہ رہی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آج دنیا پھر اسی قومیت اور رنگ و روپ کی تفریق کے درپے ہے کہیں کالے اور گورے کا فرق ہے کہیں اونچ اور نیچ ذات کا امتیاز ہے اس وقت بھی یہ امتیاز و تفریق نہ صرف یہ کہ باہمی معاشرت ہی میں تھی بلکہ عبادت گاہوں تک اس کا اثر پہنچ گیا تھا جس طرح کہ آج بھی ہندوستان میں ہم دیکھ رہے ہیں ہر ذات کے الگ الگ گرجے اور مندر ہیں جن میں صرف اسی ذات کے لوگ جاتے ہیں۔ دوسری ذات والا نہیں جا سکتا اگرچہ اب اس حالت میں بعض مفاد سیاسی کی غرض سے تبدیلی ہو رہی ہے۔ ہندوستان میں نیچ ذات والوں کے لئے اونچ ذات والوں کے مندر کھلوائے جا رہے ہیں یا کھلوانے کی کوشش کی جا رہی ہے یہ چیز اگرچہ اچھی ہے لیکن ایسا کرنے والے اپنے اعتقاد کی روشنی میں نہیں بلکہ اپنے مفاد کے پیش نظر عقل کی رہنمائی سے کر رہے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان

کی عقل کی رسائی اس فائدہ کی طرف کیسے ہوئی تو ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی تعلیم کے سرسری مطالعہ نے یا اس گئی گزری حالت میں بھی مسلمانوں کو باہمی معاشرت اور اونچ نیچ کی تفریق نہ کرنے نے ان لوگوں کو اس اصلاحی و سیاسی تدبیر پر مجبور کیا۔

شرافت و انسانیت کے پیدا کرنے کے لئے جو سب سے اہم پیغام آنحضرتؐ نے ہم کو دیا وہ جسم و ضمیر کی آزادی ہے اس لئے کہ آزادی ہی وہ چیز ہے جو انسان میں شرافت کے جوہر پیدا کرتی ہے۔ کلیسا کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ پوپ اور پادری ایک عیسائی کے جسم و روح پر کس طرح حکومت کرتا تھا اسے عیسائیت نے ابھی فراموش نہ کیا ہوگا۔ اسی طرح ہندوستان میں پنڈتوں اور برہمنوں کے ہاتھ میں ہندوستان کی قسمت کا الٹ پھیر تھا۔ کوئی ہندوستانی بغیر ان کے حکم کے نقل و حرکت نہیں کر سکتا تھا لیکن آنحضرتؐ نے ان غلط اختیارات کا خاتمہ کر دیا۔ ان ناجائز حقوق کو باطل قرار دیا۔

آنحضرتؐ نے انسان کو بلند مرتبے پر پہنچایا

ان حالات کو دیکھ کر مجبوراً تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرتؐ نے انسان کو پستی و ذلت سے نکال کر بہت بلند درجہ پر پہنچا دیا انسانوں پر آپ کا یہ بہت بڑا احسان ہے۔ آنحضرتؐ کی تعلیم نے یہ ہی نہیں کہ عرب کے جاہل باشندوں میں تبدیلی پیدا کر دی اور آپ کی تعلیم عرب کے حدود میں بند ہو کر رہ گئی ہو بلکہ آپ کا پیغام ساری دنیا کیلئے تھا اور بلا امتیاز رنگ و نسل ساری دنیا نے آپ کے پیغامات سے فائدہ اٹھایا اور آپ نے اپنی تعلیم کے سلسلہ میں جان و مال غرضیکہ کسی چیز کے صرف کرنے میں تامل نہیں کیا۔ آپ کی انہی انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ تعلیمات اسلامی ملک عرب سے نکل کر اپنے گرد و پیش کے ملکوں اور پھر سارے عالم میں پھیل گئیں۔ قرآن نے اسی لئے آپ کو رحمۃ للعالمین کے خطاب سے نوازا۔

شرافت اور عہد قول کی پابندی

انسانی شرافت کا اظہار عہدوں کی پابندی سے بھی ہوتا ہے۔ عہد صرف اس چیز کا نام نہیں ہے کہ جو کچھ ہم دوسروں سے بطور وعدہ کے کہتے ہیں بلکہ ہر وہ چیز عہد ہے جو انسان سے عمل کی شکل لئے ہوئے صادر ہوتی ہے گو اس کا تعلق دوسروں سے نہ ہو لیکن خود اس شخص کے جسم و دل کے درمیان اس کا یہ عمل ایک عہد کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر ایک مصلح کیلئے تو بہت ہی ضروری ہے کہ ہر عمل جو اس سے صادر ہو یا قول جو اس کی زبان سے نکلے اسے پورا کر کے دکھائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ اپنے اس وصف میں بھی تمام دنیا کے ریفارمر اور اصلاح کرنے والوں سے ممتاز تھے۔ مثال کے طور پر اس یہودی کا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے جو ایک مرتبہ آپ کو راستہ میں ملا اور کہا کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔ آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں تم تھوڑی دیر یہیں ٹھہرو۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔ یہودی وہیں ٹھہر کر

آپ کی واپسی کا انتظار کرنے لگا کچھ دیر کے بعد اسے خیال ہوا کہ شاید محمدؐ کو واپسی میں دیر ہو گی اس لئے یہودی اپنے گھر چلا گیا۔ آپ کام سے فارغ ہو کر اسی جگہ پر واپس آئے دیکھا کہ یہودی موجود نہیں ہے۔ لیکن آپ صبح تک وہیں اس کے انتظار میں رہے۔ دوسرے دن یہودی کا گذر اسی طرف سے ہوا دیکھتا کیا ہے کہ آنحضرتؐ اس کے انتظار میں اب تک موجود ہیں عہد کی اس پابندی کو دیکھ کر وہ فوراً ایمان لے آیا۔ آپ کا یہی دستور ہر معاملہ میں تھا کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ نے کسی موقع پر بھی شرافت و انسانیت کو چھوڑا ہو۔

آنحضرتؐ بحیثیت انسان کے

آنحضرتؐ کو بحیثیت انسان کے ہم دنیا کا بہترین انسان پاتے ہیں گھر میں اور باہر دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ غیروں اور غریبوں کے ساتھ اولاد اور بچوں کے معاملہ میں ہر جگہ آپ انسانیت و شرافت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں اور جو چیز آپ نے دنیا کے سامنے پیش کی اس پر خود بھی عمل کیا اور اپنے ماننے والوں سے بھی اس پر عمل کرنے کی توقع کی۔

آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کا جب انتقال ہوتا ہے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ایک صحابیؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ یہ کیا بات ہے۔ آپ نے فرمایا رحمت و شفقت کی وجہ سے میرا یہ حال ہے۔ ان صحابیؓ نے دوبارہ یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا "آنکھیں نم ہیں دل غمگین ہے مگر ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی مرضی ہے۔ اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی سے بیشک غمگین ہیں۔"

یہ انسانی رحمت و شفقت کا کس قدر کھلا ہوا ثبوت ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص ملنے کے لئے آیا نبوت کے رعب و دبدبہ سے کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا "ڈرو نہیں میں فرشتہ نہیں ہوں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت پکایا کرتی تھی۔"

شجاعت و بہادری کے میدان میں بھی آپ سے انسانی مردانگی کا جوہر یعنی دلیری و جوانمردی کا اظہار ہوتا رہا ہے دوسرے مذہب کے پیشواؤں کی تاریخ میں ہم اس چیز کو نہیں پاتے ہمیں معلوم ہے کہ جب کبھی دنیائے عیسائیت میں جنگ کے شعلے بلند ہوئے تو پادریوں نے گرجا کی محفوظ چار دیواری میں اپنے آپ کو بند رکھا اور کلیسا کے معتقدین اپنی جانوں پر میدان جنگ میں کھیلتے رہے۔ ہندوؤں کے متعلق بھی واقف کاروں سے معلوم ہوا ہے کہ برہمن اور مندر کے پجاری ایسے وقت میں بتوں کے سامنے پیشانی رگڑتے رہے اور بھارت ماتا کو بچانے کے لئے عام ہندو سپوتوں نے اپنی جانیں قربان کیں لیکن آنحضرتؐ کی زندگی اس سے بالکل الگ ہے۔ عبادت کے موقع پر یقیناً آپ کی پیشانی مسجد کی محرابوں میں رکھی ہوئی نظر آتی تھی مگر جب اسلام کی حفاظت کا سوال پیدا ہوتا تھا تو دوسرے مسلمانوں کی طرح آنحضرتؐ کو ہم میدان کارزار میں مصروف جنگ پاتے ہیں۔

آپ کو اپنے چچا ابو طالب سے بہت محبت تھی ایک مرتبہ ابو طالب بیمار ہوئے۔ آنحضرت عیادت کے لئے

تشریف لائے تو چچا نے کہا میری صحت کے لئے دعا کرو آپ نے دعا کی۔ ابوطالب اچھے ہوگئے اس پر ابوطالب نے کہا "خدا تمہاری بات مانتا ہے"۔ آپ نے فرمایا "اے چچا آپ بھی خدا کا کہنا ماننے لگیں تو وہ بھی اسی طرح آپ کا کہا مانے"

ایک مرتبہ آپ ایک قبیلہ کے مکانوں کے پاس سے گذر رہے تھے کہ ایک مکان کو دیکھ کر فرمایا اس مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں یہی وہ تالاب ہے جہاں میں تیرا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ صحابہ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے۔ صحابہ جنگلی بیر توڑ توڑ کر کھانے لگے آپ نے فرمایا جو خوب سیاہ ہوتے ہیں وہ بہت لذیذ ہوتے ہیں میرا اس وقت کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا اپنے خالق و مربی کا خیال و خوف بھی انسانیت کا ایک فرض ہے۔ آنحضرتؐ کو جتنا خدا کا خوف رہا ہے اس کی مثال دنیا میں ملنا مشکل ہے حدیثوں میں وارد ہے کہ جب کبھی آندھی آتی تو آپ سہم جاتے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا کہ آندھی سے آپ اسقدر پریشان کیوں ہو جاتے ہیں۔ فرمایا عائشہ تمہیں کیا معلوم۔ کہیں قوم ہود کا حادثہ پھر پیش نہ آجائے۔ اس قوم نے بادلوں کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ہمارے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے آئے ہیں حالانکہ وہ عذاب الٰہی تھے ایک مرتبہ آپ جنازہ میں تشریف لے گئے قبر کھودی جا رہی تھی۔ آپ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور اس وقت کا منظر دیکھ کر آپ پر رقت طاری ہو گئی اسقدر روئے کہ زمین تر ہو گئی اس کے بعد فرمایا "بھائیو۔ اس دن کے لئے سامان کر رکھو"

جنگ بدر میں جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے ان میں سہیل بن عمرو بھی تھا جو فصیح و بلیغ تھا اپنی خوش بیانی سے لوگوں کو آنحضرتؐ کے خلاف بہکایا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ اس قیدی کے نیچے کے دانت اکھڑوا دیئے جائیں تاکہ پھر نفیس گفتگو نہ کر سکے۔ آپ نے فرمایا اگر میں اس کے ساتھ ایسا کروں گا تو گو نبی ہوں لیکن خدا اس کی جزا میں میرے اعضا بھی بگاڑ دے گا آنحضرتؐ کا حج وداع ایک تاریخی حج ہے کیونکہ یہ آپ کا آخری حج تھا۔ اس کے بعد آپ دنیا سے تشریف لے گئے اس حج میں کثرت سے لوگ شریک ہوئے تھے۔ لاکھوں کا مجمع تھا۔ نماز کے بعد آنحضرتؐ نے اسامہ بن زید کو اونٹ پر بٹھا لیا اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر کھینچتے ہوئے لے چلے چونکہ مجمع بہت تھا اس لئے بڑی کشمکش پیدا ہو گئی تھی۔ آنحضرتؐ داہنے ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ لوگو سکون و اطمینان کے ساتھ۔

آنحضرتؐ جب کبھی مجلس میں تشریف رکھتے تو آپ کے زانو دوسرے لوگوں کے بالکل برابر ہوتے۔ آگے نکال کر نہیں بیٹھتے تاکہ کوئی امتیاز پیدا نہ ہو جب کسی کے یہاں تشریف لیجاتے تو ممتاز جگہ پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے۔

آپ کی شرافت کے واقعات کو کہاں تک بیان کیا جائے۔ دوستوں کے ساتھ آپ کا سلوک آپ کی نرم دلی اور آپ کی خوش طبعی، غرضیکہ آپ کی ہر چیز ایسی تھی جس سے آپ کی انتہائی شرافت کا اظہار ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ مخالف بھی آپ کی شخصیت کو ماننے لگے تھے۔

اسلامی تمدن

تہذیب و تمدن ہی وہ چیز ہے جو کسی قوم کے کیرکٹر اور اس کے مذہب کی اچھائی اور برائی کو ظاہر کرتی ہے۔ غالباً

اسی بنا پر مذہب نے اپنی بنیاد دو چیزوں پر رکھی ہے۔
انسانوں کا تعلق اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ اور انسانوں کا باہمی ارتباط۔ اس کو ہم اجتماعی اور مدنی زندگی کہتے ہیں۔ تمام مذاہب کے لوگ مقدس اور بزرگ انہیں لوگوں کو سمجھتے ہیں جو اجتماعی زندگی سے الگ ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر تنہائی کی زندگی بسر کرنے لگیں یا مندروں اور گرجاؤں کے گوشوں میں تارک الدنیا ہو کر بیٹھ رہیں۔ اس صورتحال نے قوم میں کس قدر خرابیاں پیدا کیں۔ چرچ کی مخالفت اور آزاد پارٹیوں کے قیام سے اس کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے جن لوگوں کے دلوں میں مقدس بننے کی خواہش پیدا ہوئی۔ بر سرِ بیہ اور مذہبی عبادت گاہوں کی خدمت کا اعلان کر دیا حالانکہ ان کے دل خوف و مشیت الٰہی سے بالکل بے بہرہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تقدس کے پردہ میں شرمناک اعمال کا ظہور ہونے لگا۔ یہ خیالات میرے نہیں ہیں بلکہ ایک پادری کے ہیں جو آج بھی مسیح اور مسیح کی تعلیم کا دلدادہ ہے۔ لیکن وہ اس صورت حال سے پریشان خاطر نظر آتا ہے۔

اب اسلامی تعلیم کو دیکھئے وہ اگر ایک طرف خدا کے ساتھ مضبوط تعلق پیدا کرنے کا حکم دیتی ہے تو دوسری طرف دنیا والوں سے بھی رشتہ تعلق کو سلسلہ مراسم کے باقی رکھنے کا اور بڑھانے کا سبق دیتی ہے وہ دنیا اور دنیا کی خواہشوں اور لذتوں کو چھوڑنے سے منع کرتی ہے۔

بہرحال اسلام جس قدر خدا اور بندے کے تعلقات پر زور دیتا ہے اسی قدر بندوں کے آپس کے تعلقات پر بھی۔ یہ چیز اسلامی تمدن کی بنیاد ہے۔ ایسی بنیادی چیز کا اثر تھا کہ غلام و آقا کی مساویانہ حیثیت تسلیم کی گئی اسی تمدن کا اثر تھا کہ عورت کی وہ ذلیل حیثیت باقی نہیں رہی جو زمانہ جاہلیت کا طرۂ امتیاز تھا اور جس سے دنیا ئے انسانیت کو شرم آتی تھی عورت کا مرتبہ اس قدر بلند کیا گیا کہ خود آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ مجھے تین چیزیں پسند ہیں۔ خوشبو، نماز اور عورت۔

ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جس قدر اسلامی تمدن کو کامیابی نصیب ہوئی وہ کسی اور تمدن کو نہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی غیر مسلم قوموں نے اسلامی تمدن کو یا اس کے بعض حصوں کو تسلیم کیا ہے اس لئے اسلامی تمدن کو ایک کامیاب تمدن کہنا بالکل درست اور صحیح ہے۔

آنحضرتؐ کی تعلیم اور تمدن

آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو نماز پنجگانہ کی تعلیم دی۔ عیدین و حج کے اجتماع کا حکم دیا۔ زکوٰۃ کا حکم دیا ان تعلیمات کا مقصد قوم میں اجتماعی زندگی کا پیدا کرنا تھا اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ نے مساوات انسانی کا جذبہ خاص طور پر لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا۔ اس لئے عربوں کے ساتھ ساتھ جن عجمیوں نے اسلام کو قبول کیا۔ ان کو عرب کے بڑے بڑے معزز خاندانوں نے اس طرح اپنے اندر ملا لیا کہ ان کو اپنے غیر ہونے کا احساس تک نہ رہا اس مساوات اور اجتماعی

زندگی کا اثر یہ ہوا کہ تہذیب اور تمدن کے منازل بہت جلد مسلمانوں نے طے کر لئے۔

سیاسیات واخلاقیات، حکمیات و فنون لطیفہ، نظام عسکری، قانون، فن تعمیر غرضیکہ تہذیب کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جسے مسلمانوں نے ہاتھ نہ لگایا ہو اور اسی باعث ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس زمانہ کے لحاظ سے ہر فن میں یکتائے روزگار اور یادگار زمانہ افراد تاریخ کے صفحات پر چھوڑے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ اس وقت عملی طور پر خود مسلمان ہر چیز میں پیچھے نظر آرہے ہیں جس کی وجہ اپنی تعلیمات سے بے اعتنائی اور بے پروائی ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ مسلمانوں کی بے عملی اسلامی تعلیمات پر وجہ اعتراض نہیں بن سکتی اس لئے ان اوراق کے پڑھنے والوں سے میری یہ درخواست بیجا نہ ہوگی کہ وہ مطالعہ کے وقت مسلمانوں کی بجائے اسلامی تعلیم کو پیش نظر رکھیں۔

آنحضرتؐ کی بعثت اور مدنیت

آنحضرت ایک جاہل اور اکھڑ قوم میں پیدا ہوئے تھے اور ایسے زمانہ میں آپ کو نبوت دی گئی جبکہ ساری دنیا پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن چند دنوں کے بعد اس قوم کی بالکل ہی کایا پلٹ ہوگئی ہر شخص جس نے آپ کی تعلیمات کو قبول کیا وہ صحیح معنی میں ایک تہذیب یافتہ اور سچا انسان بن گیا۔ آپ نے ہر مسلمان کو بہترین اخلاق سے مزین کر دیا اسی لئے چند ہی دن میں مسلمان تہذیب و تمدن، جاہ و ثروت اور سلطنت و حکومت غرضیکہ ہر چیز کے مالک بن گئے۔

عورت

اسلام سے پہلے

آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے عورت کی حالت بہت ہی بری ہو چکی تھی۔ روم کی تہذیب یافتہ سلطنت میں یہ دستور تھا کہ عورتیں مردوں کے مخصوص مکانات میں داخل نہیں ہو سکتی تھیں اس کی گواہی قابل قبول نہ تھی کسی قسم کا معاہدہ یا اقرار کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔ صنفِ نازک کی شانِ امتیازی ذیل کے اوصاف تھے۔

"بدکرداری، بغض وحسد، حرص و طمع، بدزبانی اور آوارہ مزاجی فرانس کا ایک روشن دماغ شاعر تعجب سے کہتا ہے کہ قدرت نے آخر کیوں اس قسم کے ناپاک اور بدذات جانور (عورت) کو پیدا کیا۔ جس نے دنیا کی زیبائش و آرائش کا ستیاناس کر دیا۔"

چین میں اس کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ مذہبی دنیا نے اسے نکال باہر کر دیا۔ مندروں میں اس کے ناپاک قدم نہیں جا سکتے تھے۔

یونان میں عورت کو برائیوں اور گناہوں کا خزانہ سمجھا جاتا تھا۔

- روس کے باشندوں کا یہ خیال تھا کہ اس فرقہ کے دس افراد میں مشکل سے ایک روح ہوتی ہے۔
- اٹلی میں ذرا ذرا سی بات پر جوتے اور لات سے عورت کی خبر لی جاتی تھی۔
- آج کا مہذب جاپان بھی اس فرقہ کو مندروں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔
- ہندوستان میں بھی اس فرقہ کی حالت بہت ابتر تھی دنیا میں خطرناک سے خطرناک چیز عورت سے کم مضرت رساں سمجھی جاتی تھی۔
- مہاتما بدھ کے معتقد اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ عورت کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے بہتر یہ سمجھتے تھے کہ جلاد کے خنجر تلے جاں جانِ آفریں کو سونپ دی جائے۔
- یہودی ہر روز عبادت سے فارغ ہو کر اس بات کا شکریہ ادا کرتے تھے کہ خدا نے انہیں اس فرقہ میں نہیں پیدا کیا۔ عیسائی مذہب کے لوگ اس فرقہ کو کتاب مقدس کے چھونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔
- اطاعت و تابع داری اس کا کام تھا پڑھنے لکھنے سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ شیطانی حرکات کا سرچشمہ سمجھی جاتی تھی ظلم و سیہ کاری کا سبب اس کو قرار دیتے تھے غرضیکہ دنیا کی ہر برائی کا سبب عورت کو قرار دیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ اچھوتوں جیسا برتاؤ کیا جاتا تھا۔

اچھوت پن کی یہ بھی ایک شاخ ہے جو اس قدر ہولناک صورت میں دنیا کے اندر موجود تھی انسانیت کے سب سے بڑے محسن آنحضرتؐ نے اچھوت پن کی لعنت کو دنیا سے دور کرنے کے سلسلہ میں عورت کو بھی ان مصائب سے نجات دلائی۔ عورتوں کو آنحضرتؐ کے ان احسانات کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے۔

عورتوں پر احسانات

یہ تو تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام سے پہلے عورت کی حالت کس قدر خراب تھی یہ اسلام ہی کا صدقہ ہے کہ عورت نے اس مصیبت سے نجات پائی اب ذرا کسی قدر تفصیل کے ساتھ معلوم کرو کہ درحقیقت عورت پر کیا کیا احسانات آنحضرتؐ نے کئے۔

اسلام میں عورت کا مرتبہ

اسلام میں عورت کا مرتبہ کیا ہے۔ اس کے معلوم کرنے کیلئے صرف دو آیتوں کا ترجمہ پیش کر دینا کافی ہے۔

۱:۔ لوگو! اپنے پالنے والے سے ڈرو۔ جس نے ہم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا (عورت) اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پیدا کیں۔

۲:۔ اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس میں سے تمہارے واسطے بیویاں بنا دیں

تاکہ تم ان سے تسکین پاؤ اور اسی سے تم میں الفت اور محبت پیدا کی۔

ان دونوں آیتوں نے عورت و مرد کا باہم مساوی ہونا اور آپس میں ایک دوسرے سے محبت کے ضروری ہونے کو ثابت کیا ہے۔

اب ایک حدیث بھی ملاحظہ ہو۔

ایک عورت جو نماز روزے کی پابند ہو۔ پاکدامن ہو۔ شوہر کو خوش رکھتی ہو۔ وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو سکتی ہے۔

عورت کے لئے تحصیل علم

جس طرح مرد کے لئے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے اسی طرح عورت کے لئے علم کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔

ہر مسلمان (یعنی مرد اور عورت) پر علم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

اسی جذبہ کا اثر تھا کہ عورتوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کی کہ ہمارے لئے تحصیل علم کیلئے بھی ایک خاص وقت مقرر کیجئے مردوں کی آپ کے پاس اس قدر کثرت رہتی ہے کہ ہم لوگوں کو حصول فیض کا موقع بہت کم ملتا ہے۔

آپ نے ان کی خواہش کو پورا کیا ان کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا جس میں ان کو تعلیم دیتے تھے اور آپ کی یہ تعلیم صرف بڑے گھرانوں کی عورتوں تک محدود نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی کیونکہ آپ ہی کا یہ ارشاد ہے کہ جس شخص کے پاس لونڈی ہو اور وہ اس کو تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے ادب سکھائے اور اچھے آداب سکھائے۔ پھر اسے آزاد کر دے اور اس سے نکاح کر لے تو اس کے لئے دو گنا اجر ہے۔

عورت کا حق وراثت میں

دنیا کے بہت سے ایسے مذاہب نکلیں گے جو عورت کو وراثت کے حق سے محروم کرتے ہیں لیکن آنحضرتؐ نے عورت کے حق وراثت کو تسلیم کیا۔ قرآن کی اس آیت کو پڑھ کر پرانے دستور و رواج کا خاتمہ کر دیا۔

قرآن: "ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار جو مال و اسباب چھوڑ کر مر جائیں اس میں مردوں کے لئے حصہ ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ کر مر جائیں۔ مال تھوڑا ہو یا زیادہ۔"

نکاح میں عورت کا اختیار

نسل کو باقی رکھنے اور زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے عورت اس قدر ضروری چیز ہے کہ اس کے بغیر نسل کا

بقا اور زندگی کا خوشگوار ہونا ناممکن ہے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عورت اور مرد میں ایک پائیدار اور مستحکم رشتہ قائم ہو جائے اس کو ہم عقد اور نکاح سے تعبیر کرتے ہیں یہ عجیب بات ہے کہ ساری دنیا نے نکاح کے معاملہ میں بھی عورت کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اور تمام معاملات میں ہوتا رہا ہے لیکن اسلام نے جس طرح مردوں کو نکاح کے معاملہ میں آزادی عطا کی ہے۔ اسی طرح عورتوں کو بھی۔ اس لئے اسلام میں نکاح کے لئے عورت کی اجازت کا حاصل ہونا بھی ضروری ہے۔ اس آزادی کا کتنا خوشگوار اثر تہذیب و تمدن پر پڑا۔ یہ غور کرنے پر خود واضح ہو جاتا ہے۔

بیوہ کا نکاح

ہر زمانہ میں مردوں کو نکاح کے معاملہ میں آزادی حاصل رہی وہ ایک سے زائد بیویاں رکھ سکتے تھے لیکن بیوہ کے لئے بیچارگی اور تنہائی کی زندگی ہی ضروری سمجھی جاتی تھی کسی قوم نے بیوہ کے عقد کو جائز تو قرار دیا تھا۔ مگر اس کیلئے ایسی شرطیں کر رکھیں جن کا بآسانی پورا کرنا ہر بیوہ کے لئے ناممکن تھا۔ آنحضرتؐ نے عورت کی اس مشکل کو بھی دور کر دیا فرمایا۔ "تین باتوں میں ہرگز دیر نہ کرو۔ جب نماز کا وقت آجائے جب جنازہ آجائے اور جب بیوہ کا کفو (جوڑ) مل جائے (یعنی فوراً بیاہ کر دو)"

اور آپ نے اکثر بیواؤں سے شادی کر کے اس پر عمل کر کے یہی بتا دیا۔

ماں بیوی اور بیٹی غرضیکہ عورت کے جو جو رشتے نکل سکتے ہیں ان سب کے حقوق کے متعلق قول و عمل سے تصریح و تشریح فرما دی اس موقع پر ایک غیر متعصب اور صاحب علم پارسی کے مضمون سے دو جملے نقل کر کے اس عنوان کو ختم کرتا ہوں وہ لکھتے ہیں۔

" اسلام نے چودہ سو سال سے انہیں (عورتوں کو) وہ حقوق اور رعائتیں دی تھیں جو یورپ کی مجالس آئین ساز نے گذشتہ صدی کے آخر میں یورپ کی عورتوں کو دیں یا اب دی جا رہی ہیں"۔ اسی مضمون کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

" رسول کریم کی زندگی اور آپ کا پیغام عورتوں کے لیے آنیوالے زمانہ میں ایک مستقل شاہراہ اور ابدی (دائمی) شمع ہدایت ہے۔"

بچوں کے ساتھ محمدؐ کا برتاؤ

دنیا میں ایسی قومیں بھی گذری ہیں جو اپنے ہاتھوں سے اپنی اولاد کو فنا کر دیتی تھیں اور ان کے دلوں میں پدری اور مادری محبت کے جذبات ایک لمحہ کے لئے بھی حرکت میں نہیں آتے تھے۔ عرب نے اپنے زمانہ جاہلیت میں خدا جانے کتنے معصوم اور بے زبان بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا (اسی طرح ایسے لوگوں سے بھی دنیا خالی نہ تھی جو اپنے بچوں کے ساتھ نرمی و برتاؤ کرنا کیا معنی وہ اس احساس سے ہی خالی تھے کہ بچے محبت کرنے کی چیز ہیں وہ ایسے مہکتے ہوئے پھول

ہیں جن کو عمر بھر سونگھا جائے لیکن ان کی خوشبو سے سیرابی ناممکن ہے)

ایک طرف دنیا کا یہ حال تھا دوسری طرف آنحضرت جو گندگیوں اور بداعتقادیوں ہی کو دور کرنے کیلئے تشریف لائے تھے معصوموں کی اس حالت سے بہت متاثر ہوئے اور اپنی تعلیم سے اس بری رسم کو نیست و نابود کر دیا۔ لڑکیوں کی پرورش کو بہت ضروری اور اہم قرار دیا۔ بچوں سے اس طرح محبت کی کہ جوانوں کو رشک ہوا کہ کاش ہم بھی بچے ہوتے اور آنحضرتؐ کی گود میں کھیلنے کا شرف حاصل کرتے۔ آپ صرف اپنی ہی اولاد سے محبت نہیں کرتے تھے بلکہ دوسروں کی اولاد سے بھی ایسا پیار فرماتے تھے کہ اگر راستہ میں گذر ہوتا تو بچے آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور آپ ان سے باتیں کرتے۔

حسنؓ اور حسینؓ کو بارہا اپنی پیٹھ پر سواری دی اور جب کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کیا تو فرمایا "رحملی"

آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوتا ہے تو بے ساختہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ جب کبھی آپ کے پاس تشریف لاتی تھیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور بہت پیار و محبت کے ساتھ اپنی جگہ پر بٹھلاتے تھے۔

لیکن اسی کے ساتھ مناسب طریقہ سے آپ بچوں کی تربیت بھی کرتے تھے تاکہ جوان ہو کر وہ بھی انسانی اخلاق کا نمونہ بنیں اور یہ ہی والدین کا فرض ہے جسے آج کل کے مسلمانوں نے بھلا دیا ہے اسی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی اولاد کی شکایتیں کرتے رہتے ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو قصور خود ماں باپ کا ہے۔ کہ کیوں انہوں نے آنحضرتؐ کی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔

غلامی

بحیثیت انسان کے سب برابر ہیں

اسلام کو بدنام کرنے والوں نے ہمیشہ یہ پروپگینڈہ کیا اور اب بھی کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے تلوار کے زور سے ملکوں کو فتح کیا اور مفتوح قوموں کو غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا یہ ایک بالکل نئی بحث ہے۔ جس کے لئے بیان کی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں نے از خود ملکوں کو فتح کیا یا ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ بھی اپنی حفاظت کے لئے تلوار کا جواب تلوار سے دیں۔ لیکن اس چیز کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ مسلمانوں نے اسلام کی صحیح تعلیمات پر قائم رہتے ہوئے کبھی اور کسی وقت از خود دوسری قوموں پر حملہ نہیں کیا۔ بلکہ جب دوسروں نے مسلمانوں کو فنا کرنے کی کوشش یا سازش کی تو مسلمانوں نے مدافعانہ تدابیر اختیار کیں اور اپنے بچاؤ میں تلوار کو بھی آلہ کار بنایا جب صورتحال یہ تھی تو مسلمانوں پر یہ الزام کیسے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے غلامی کی رسم کو جاری کیا یا دوسروں کو غلام بنانے میں انہیں کوئی مسرت ہوتی تھی۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا کہ اسلام اور صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے چھوٹے اور بڑوں کے امتیاز کو مٹایا۔ آقا اور غلام کے

جابرانہ تعلقات کو عملی صورت سے ختم کر دیا۔ اس موقع پر ہندوستان کے مشہور قومی لیڈر گاندھی جی کے مضمون کے بعض اقتباسات پیش نظر ہیں جو بہت موزوں اور مناسب ہوں گے گاندھی جی لکھتے ہیں "اس نبوت کے زمانہ میں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ بلکہ اس کی مقبولیت کا باعث آنحضرت کی انتہائی سادگی بے نفسی۔ ایفاء وعدہ، بے خوف ہونا، مقلدین اور اپنے دوستوں سے محبت اور خدا پر پورا اعتماد تھا۔ تلوار کا زور نہیں۔"

اسلامی مساوات کی تعریف کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

"لیکن اسلام قبول کرنے پر وہ اس پیالہ میں پانی پی سکتا ہے۔ اس طشتری میں کھانا کھا سکتا ہے جس میں کوئی اور جنم کا مسلمان کھاتا ہے۔"

حضرت نے غلامی کو رد کیا ہے۔

جس عرب کے ریگستان میں آنحضرت کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ وہاں سیکڑوں برائیوں کے ساتھ ساتھ غلامی کی لعنت بھی موجود تھی آنحضرت کو انتہائی حیرت ہوئی کہ ایک ہی قسم کے ہاتھ پیر رکھنے والے دو شخصوں میں سے ایک اپنا مقصد حیات ذلت وخواری برداشت کرنا سمجھتا ہے اور دوسرا اس پر ہر قسم کی حکومت کا استحقاق رکھتا ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنی تعلیم کے ذریعہ غلامی سے کہیں زیادہ کم تر چیز امیر وغریب کے امتیاز ہی کو ختم کر دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عثمان غنیؓ جیسا رئیس اعظم اور ابوہریرہؓ جیسے فاقہ کش اور غریب جنہیں کئی کئی وقت کھانے کو نہیں ملتا تھا بعض وقت صرف کھجور کی گٹھلیاں چوس چوس کر زندگی بسر کرتے تھے مگر آنحضرت کی مجلس میں دونوں سے ایک قسم کا سلوک ہوتا تھا۔ آنحضرت نے آقا اور غلام کے فرق کو مٹانے کے لئے ہر ممکن صورت اختیار کی اور اپنی اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے تدریجی قدم اٹھایا آپ نے فرمایا یہ (غلام) تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو۔ ان کو کھلاؤ۔ جو پہنتے ہو ان کو پہناؤ" ایک مرتبہ ایک صحابیؓ اپنے ایک غلام کو مار رہے تھے۔ پیچھے سے آواز آئی۔

"اس غلام پر تم کو جس قدر اختیار ہے اس سے زیادہ خدا کو تم پر اختیار حاصل ہے۔"

صحابیؓ نے مڑ کر دیکھا تو آنحضرتؐ تھے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس غلام کو لوجہ اللہ آزاد کیا۔ فرمایا۔

"اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تم کو چھو لیتی۔"

ایک شخص نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں آپ خاموش رہے دوبارہ دریافت کیا پھر بھی خاموش رہے، تیسری بار دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ "دن میں ستر بار" ایک نکتہ یہاں پر اور یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ اسلام جسمانی اور روحانی غلامی کو ختم کرنے کے لئے آیا تھا جیسا کہ تعلیمات اسلامی سے اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ اسلام نے کسی وقت بھی غلامی کو جائز نہیں رکھا اس لئے اس نے ان طریقوں کو اختیار کرنے کا حکم دیا جو آہستہ آہستہ غلامی کا خاتمہ کر دینے والے تھے۔ چونکہ اس وقت کی دنیا غلامی کو ایک جائز شے تصور کرتی تھی اور دوسروں کو غلام بنانا۔

ان کی طبیعت کا ایک دل خوش کرنے والا شغلہ تھا اسی لئے ایک دم سے ایسی چیز سے روکنا جس کا انسان عادی ہو چکا ہو۔ نفسانی اصول کے خلاف تھا۔ لہٰذا اسلام نے جس طرح اور خرابیوں کو مثلاً شراب وجوا، لڑکیوں کا زندہ دفن کر دینا ان سب کو آہستہ آہستہ دور کر دیا۔ اس معاملہ میں بھی اس طریقہ کو اختیار کیا۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص جس کو کل تک پاس بیٹھنے کی بھی اجازت نہ تھی اس کے متعلق یہ حکم دیا جائے کہ وہ تمہارا بھائی ہے اور تم اس کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو تم اپنے ساتھ کرتے ہو۔ تو سوچیے کہ آقا کے ذہن میں یہ بات کس طرح رہ سکتی ہے کہ میں آقا ہوں اور یہ میرا غلام ہے اور ایسی صورت میں کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ اسلام کے سچے پرستار ایک زمانہ کے بعد غلامی کے مفہوم ہی سے ناآشنا ہو جائیں گے۔

جسمانی غلامی سے بڑھ کر روحانی غلام ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ فاتح قوم محکوم کی آزادی کو چھین کر اس کی شرافت اور احساس خودداری کا بھی خاتمہ کر دیتی ہے وہ یہی چیز ہے جو سرمایہ دار کے دل میں غریب و مفلس انسانوں کی روحوں کو غلام بنانے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ آج نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے اور بہت سے ممالک بھی "غلامی" کے اس مفہوم سے اچھی طرح واقف ہیں لیکن قربان جائیے آنحضرتؐ اور آپ کی تعلیم کے۔ کہ نہ صرف جسمانی غلامی کو بلکہ روحانی غلامی کو بھی دنیا سے مٹا دیا۔

سلمان فارسیؓ اور بلال حبشی کا شمار۔ ان صحابہ میں تھا۔ جو بہت غریب اور مفلس تھے۔ ابوبکرؓ صدیق نے ان کو کسی بات پر ڈانٹا۔ آنحضرتؐ نے ابوبکرؓ سے کہا "تم نے ان کو رنجیدہ تو نہیں کیا۔ آنحضرتؐ کا یہ ارشاد سن کر ابوبکرؓ ان دونوں صحابیوں کے پاس واپس آئے اور معافی مانگی۔

یہاں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہیئے کہ صحابہ کرام رسول اکرمؐ کے تربیت یافتہ تھے ظاہر ہے کہ بلا وجہ وہ کسی غریب کو کیوں ڈانٹتے۔ بلا سبب کسی غلام کو کیوں سزا دیتے۔ اس کے باوجود آنحضرتؐ کا ان کو متنبہ کرنا اور ان کا معافی مانگنا۔ غلام کو لوجہ اللہ آزاد کرنا آج دنیا کے لئے درس عبرت ہے۔ کیا اسلامی تعلیم کے سوا کوئی اور تعلیم صفحۂ ہستی پر موجود ہے جو اپنے ماننے والوں کو ایسی پاکیزہ تعلیم دیتی ہو۔

آنحضرتؐ اپنے غلاموں اور خادموں کے ساتھ

یہاں پر ہم صرف چند واقعات کا ذکر کئے دیتے ہیں جن کے پڑھ لینے کے بعد آسانی کے ساتھ معلوم ہو جائیگا کہ آنحضرتؐ کا برتاؤ اپنے غلاموں اور خادموں کے ساتھ کیا تھا۔

(۱) آپ کے وہ غلام ہیں کہ آپ نے آزاد کر دیا تھا اور انہیں اختیار دیدیا تھا کہ وہ جہاں جا سکتے ہیں اس لئے کہ وہ اب آزاد ہیں۔ لیکن ان غلاموں نے آزادی پر آپ کی غلامی میں رہنے کو ترجیح دی اور باوجود آزاد ہونے کے وہ آپ کے دروازے کو چھوڑ کر کہیں نہیں گئے۔ صحیح احادیث اور کتب تاریخ میں تفصیل کے ساتھ ان واقعات کا تذکرہ آتا ہے۔ سوچنا چاہیئے کہ آخر وہ کون سی کشش تھی جس نے ان کو آنحضرتؐ کی خدمت میں رہنے پر مجبور کیا۔

(۲) غزوۂ خندق (وہ لڑائی جس میں مسلمانوں نے اپنی حفاظت کے لئے خندق کھودی تھی) میں آنحضرتؐ نے کھودنے کے لئے زمین کی تقسیم کر دی تھی۔ کہ اتنا حصہ فلاں کھودے اور اتنا فلاں۔ ان سب کے ساتھ آنحضرتؐ نے بھی کدال لیکر خندق کھودی۔

(۳) مقام قبا کے رہنے والوں میں ایک مرتبہ جھگڑا ہو گیا جس نے نازک صورت اختیار کر لی۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو آپ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ صلح کرانے کے لئے قبا جا پہنچے۔ حالانکہ قبا کے رہنے والوں کو آپ اپنی خدمت میں بلوا سکتے تھے۔

(۴) جنگ خندق میں سعدؓ تیر سے سخت زخمی ہو گئے۔ آنحضرتؐ ان کو اپنے پاس لے آئے اور خود انکی تیمارداری کی۔ اپنے ہاتھ سے سعدؓ کے زخموں کو کئی مرتبہ داغا تاکہ خون کا بہنا بند ہو جائے۔

(۵) ایک دفعہ ایک شخص آپ کے یہاں آکر مہمان ہوا۔ رات کے کھانے کے لئے صرف بکری کا دودھ تھا جسے آنحضرتؐ نے مہمان کو پلا دیا اور خود مع اہل و عیال کے فاقہ سے گذار دی۔ حالانکہ اس سے پہلی رات میں بھی سب کا فاقہ ہی تھا۔

(۶) جنگ بدر میں سواریاں کم تھیں۔ اس لئے آنحضرتؐ نے تین تین آدمیوں پر ایک ایک اونٹ تقسیم کر دیا تھا اور آپ نے بھی دو آدمیوں کی شرکت میں ایک اونٹ لیا اور جس طرح دوسرے لوگ باری باری سے اونٹ پر سواری سے رہے تھے۔ ویسا ہی آنحضرتؐ بھی کرتے تھے۔ صحابہ کرام جوش محبت سے اپنی اپنی باری پیش کرتے تھے اور آپکی خدمت میں عرض کرتے کہ یا رسول اللہ آپ سوار رہیں۔ ہم پیدل چلیں گے آپ بڑی شفقت سے جواب دیتے کہ "تم لوگ مجھ سے زیادہ نہیں چل سکتے"

آپ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ عقیدت مند خادموں کیساتھ بھی کام میں شریک رہنا چاہیئے اور وقار کا سوال اس وقت بالکل نہ پیدا ہونا چاہیئے۔ جبکہ کوئی قوم جنگ کی مصیبت میں گرفتار ہو اور اپنے بڑوں کی امداد کی محتاج ہو۔ آپ نے بتا دیا کہ خادم بھی انسان ہے جسم و جان رکھتا ہے۔ وہ اگر بیماری و مصیبت میں مبتلا ہے تو تم آقا اور پیشوا ہونے کے باوجود اس کی خدمت کرو۔ آپ نے مسلمان کے لئے یہ سنت قائم کر دی کہ خود بھوکا رہنا بہتر ہے۔ مگر مہمان خواہ کتنی ہی کم حیثیت کا ہو۔ اس کی مہمانی جس طرح بھی ممکن ہو کرو اور آپ نے صرف قول سے نہیں بلکہ عمل کر کے بتا دیا کہ جسم و روح رکھنے والے خادم کو اسی طرح تکان اور تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ جس طرح آقا اور مالک کو اس لئے آقا کو اپنی آقائیت کے گھمنڈ میں یہ ہرگز زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے خادم کی تکلیف کو بھول جائے۔

آنحضرتؐ کا سلوک ہمسایہ قوموں سے۔

ساری دنیا نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مسلمان جن ملکوں میں فاتحانہ شان سے پہنچے۔ وہاں کے لوگوں

کی جان و مال اور مذہب ہمیشہ خطرہ میں رہا اور انہوں نے اپنی حکومت میں غیر مسلموں کو عہدے نہیں دیئے۔ لباس، سلام و دعا اور رہنے سہنے میں مسلم و غیر مسلم کا امتیاز رکھا۔ یہ اور اسی قسم کے بہت سے اعتراض مسلمانوں پر کئے جاتے ہیں۔ اس چیز کا پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ مسلمانوں نے خود کبھی کسی ملک پر حملہ نہیں کیا۔ کبھی کسی دوسری قوم سے اپنی طرف سے لڑائی نہیں چھیڑی لیکن جب دوسروں نے ان کی تباہی و بربادی کی فکر کی تو انہوں نے اپنے بچاؤ کیلئے جنگ کی اور اس طرح سے جن جن ملکوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ وہاں کے لوگوں کے ساتھ انہوں نے وہی برتاؤ کیا۔ جس کا حکم اسلام نے ان کو دیا تھا۔ آنحضرت نے مختلف قوموں سے معاہدے کئے ہیں۔ آپکے الفاظ بجنسہٖ اب تک تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں ہم آپ کا ایک عہدنامہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے فاتح اور غالب ہونے کے باوجود کس قدر شریفانہ عہدنامہ ان قوموں کو لکھوا کر دیا جو اسلام کی امان اور حفاظت میں داخل ہو رہی تھیں۔ تقریباً اسی قسم کا معاہدہ ایک قوم سے نہیں بلکہ متعدد قوموں سے آپ نے کیا ہے۔

عہدنامہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

۱ :۔ دشمن سے مخالفت کی جائے گی۔

۲ :۔ حفاظت کا ٹیکس ادا کرنے کے لئے خود ان کو ٹیکس وصول کرنیوالے کے پاس جانا پڑے گا۔

۳ :۔ مذہب سے ان کو برگشتہ نہیں کیا جائے گا۔

۴ :۔ ان کی جان محفوظ رہے گی۔

۵ :۔ مال محفوظ رہے گا۔

۶ :۔ قافلہ اور تجارت محفوظ رہے گی۔

۷ :۔ اراضی (زمین) محفوظ رہے گی۔

۸ :۔ پادری اور گرجوں کے مجاور وغیرہ اپنے عہدے سے برطرف نہیں کئے جائیں گے۔

۹ :۔ ان کے قبضہ میں جو چیزیں ہیں وہ انہیں کے قبضہ میں رہیں گی۔

۱۰ :۔ صلیبوں اور مورتیوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

۱۱ :۔ عشر، یہ ایک خاص ٹیکس ہے جو مسلمانوں کو دینا پڑتا ہے۔ نہیں لیا جائے گا۔

۱۲ :۔ ان کے ملک میں فوج نہیں بھیجی جائے گی۔

۱۳ :۔ عقیدے اور مذہب کو تبدیل نہیں کرایا جائے گا۔

۱۴ :۔ وہ حقوق جو پہلے سے چلے آرہے بحال رہیں گے۔

۱۵ :۔ جو لوگ اس وقت غیر موجود ہیں ان کے لئے بھی یہی شرائط ہیں۔

یہ وہ عہدنامہ ہے جو آنحضرتؐ نے مختلف وقتوں میں عیسائی قوموں کو لکھوا کر دیا۔ جس وقت پہلی مرتبہ مسلمانوں

کا داخلہ ہندوستان میں ہوا ہے تو ہندوستان کا وہ حصہ جو سندھ کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمانوں کا ہیڈکوارٹر تھا محمد بن قاسم وہ پہلا شخص ہے جس نے حکومت اسلامی کا پھریرا ہندوستان کی سرزمین پر لہرایا۔ یہ اپنی حکومت کی طرف سے سندھ کا گورنر تھا اور فوج کا سپہ سالار بھی۔ سندھ کو فتح کر لینے کے بعد وہاں کے برہمنوں کو ان کی عبادت گاہوں کے متعلق اختیارات کو ایک معاہدہ کی شکل میں لکھ کر برہمنوں کے حوالہ کر دیا تھا۔ وہ اختیارات یہ ہیں: جس طرح پہلے عبادت کرتے تھے ویسے ہی کرو اپنے قدیم مراسم کو پہلے کی طرح بجالاؤ برہمنوں کو جو صدقات پہلے دیئے جاتے تھے اسی طرح دیئے جائیں غرضیکہ ہر قوم اور مذہب کے ساتھ مسلمانوں کا مصالحانہ اور روادارانہ برتاؤ رہا ہے باوجودیکہ حکومت اسلام کی تھی لیکن دوسرے کہنے کو مسلمانوں کے محکوم تھے۔ اسلامی رواداری کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ فقہا اسلام نے کسی عیسائی کے گرجا بنانے کی وصیت کو جائز تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اگر مسجد بنانے کی وصیت کرے تو تسلیم نہیں کی جائے گی۔ یعنی وصیت کے بعد اس کا مال گرجا بنانے پر تو خرچ کیا جا سکتا ہے لیکن مسجد بنانے پر نہیں گو اس نے پہلے ہی رو پیہ سے مسجد بنانے کی وصیت کی ہو۔

ایک اور واقعہ مسلمانوں کی رواداری کا سنیئے۔ ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانہ میں اسلامی حکومت کے ایک افسر نے ایک عورت کے ہاتھ اس لئے کٹوا دیئے تھے کہ وہ مسلمانوں کی ہجو کیا کرتی تھی۔ مسلمانوں کے متعلق حقارت آمیز کلمات استعمال کیا کرتی تھی۔ ابوبکر صدیق کو اس واقعہ کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے اس افسر کو لکھا کہ "جب ہم ان کے اکافروں کے شرک و کفر سے درگذر کرتے ہیں۔ تو ان کی ہجو تو کفر سے بہت کم ہے۔"

غرضیکہ مسلمانوں نے فاتح ہونے کے باوجود مفتوح قوموں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کیا۔ کبھی فاتح و مفتوح کا فرق نہیں پیدا ہونے دیا۔ حکومت کی طرف سے قانون جس طرح ایک غیر مسلم پر جاری ہوتا تھا۔ بلکہ اسی طرح ایک مسلمان پر۔ جو ٹیکس مسلمانوں پر تھے تقریباً وہی غیر مسلم پر بھی۔ مسلمانوں نے کبھی غیر مسلموں سے کوئی ایسا ٹیکس وصول نہیں کیا۔ جو ناجائز کہا جا سکتا ہو۔ یہ آنحضرتؐ کی تعلیم کا اثر تھا

خاتمہ

بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمان اسلام کی تعلیم سے بہت دور جا پڑے ہیں ان میں بڑے چھوٹے کا امتیاز پیدا ہو گیا ہے۔ اونچ نیچ کی تفریق پیدا ہو گئی ہے۔ ایک فرم کا مالک اپنے ملازموں سے وہ سلوک کرتا ہے۔ جس سے انسانیت شرماتی ہے ایک کارخانہ دار اپنے مزدوروں کو حقیر و ذلیل سمجھ کر کام لیتا ہے۔ حتیٰ کہ مسلمان لیڈر اور علماء بھی جن کی عزت و حرمت قوم کی عنایت کردہ ہوتی ہے وہ بھی اس قوم کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کرتے ہیں کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ مخدوم ہے اور قوم اس کی خادم، مذہبی جماعتوں اور اداروں کا بھی یہی حال ہے۔

مدرسہ کا مہتمم ناظم یا رکن اور ٹرسٹی مدرسہ کے استادوں اور ملازموں کو یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب مجھ سے کم درجہ کے انسان ہیں۔ غرضیکہ مسلمانوں کا نظم زندگی ہر شعبہ میں بد سے بدتر نظر آئے گا۔ لیکن حق کے متلاشی کو ان چیزوں سے بد دل ہونا چاہیئے کیونکہ کسی مذہب کے اچھے یا برے ہونے کا دارو مدار اس کی تعلیمات پر ہے۔

آج اس گئی گذری حالت میں بھی دو ایک باتیں محمدی تعلیم کی مسلمانوں میں باقی نظر آتی ہیں اور ہماری لیست حالت کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اتفاقی طور پر وہ باتیں ہم میں باقی رہ گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ "ہر انسان خواہ وہ کسی معزز قوم کا فرد ہو یا نیچ قوم کا اسلام میں آنے کے بعد ہر مسجد میں مسلمانوں کے بڑے سے بڑے آدمی کے برابر کاندھے سے کاندھا ملا کر نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے۔ کسی کو یہ کہنے کی مجال نہیں کہ تم ایک بڑے آدمی کے برابر کیوں کھڑے ہو گئے حالانکہ تم چھوٹے ہو" اسی طرح ایک مسلمان کسی بڑی سے بڑی قوم کی لڑکی سے اپنے نکاح کا پیغام دے سکتا ہے اور اگر جانبین کی رضامندی کا اظہار ہو جائے تو وہ بلا تکلف نکاح کر سکتا ہے۔

غرضیکہ آج کے مسلمانوں کو ان کی مذہبی تعلیم کی اچھائی یا برائی کا معیار قرار نہ دینا چاہیئے اس لئے کہ اس دور کا مسلمان اپنی مذہبی تعلیم سے بہت دور جا پڑا۔



سرورِ کائناتؐ کی پیش گوئیاں

محمد نیاز عبداللہ

خندق میں سلطنتوں کی کنجیاں عطا ہوئیں یہ تو سبھی کو معلوم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ملکِ شام۔ ملکِ فارس اور ملکِ یمن کی کنجیاں عطا فرمائی گئی تھیں اور ہر ملک کے محل اور دروازے دکھائے گئے تھے۔ گویا حضورؐ نے اپنے اور اسلام کے۔ جان نثاروں سے ان مملکتوں کی تسخیر کا وعدہ فرمایا تھا اور ایسے حالات میں کہ مدینہ منورہ پر کفار حملہ آور ہو رہے تھے اور ان کے سیلاب کو روکنے کے لئے خندق تیار کرائی جا رہی تھی۔

جنگِ خندق میں تائیدِ ایزدی نے آندھی کی شکل اختیار کر لی تھی اور نادیدہ لشکر بھی آسمان سے اترا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:۔

"اذجاءتکم جنودٌ فارسلنا علیھم ریحًا وجنودً الم تروھا"

جب تم پر کافروں کا لشکر (احمد کے) آپڑا تو ہم نے (تمہاری مدد کو) ان پر آندھی بھیجی اور ایک ایسا لشکر جس کو تم نے نہ دیکھا

خندق کی لڑائی جاڑے کے دنوں میں ہوئی تھی۔ بلا کی سردی تھی۔ ہاتھ پاؤں ٹھٹھرے جا رہے تھے۔ جس آندھی کا آیت مندرجہ بالا میں ذکر ہے وہ اس زور سے چلی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ چولہے ٹھنڈے ہو گئے۔ پہلے ہی سردی کیا کم تھی پھر آندھی کی ہلاکت آفرینی! کفار ایسے گھبرائے کہ اپنے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو سمیٹا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

جب خندق کھودی جا رہی تھی تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو اپنے بچاؤ کی پڑی تھی۔ کتاب "رحمۃ للعالمین" کے مصنف بجا لکھتے ہیں:۔

"ایسے ضعف کی حالت میں اتنے ممالک کی فتوحات کی اطلاع دینا اللہ کے نبیؐ ہی کا کام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرف بحرف پورا فرمایا۔"

پورے ہوئے کئے تھے جو وعدے حضورؐ نے: اقبال جنگِ یرموک کا ایک واقعہ پیش کرتا ہے۔

صف بستہ تھے عرب کے جوانانِ تیغ بند — تھی منتظرِ حنا کی عروسِ زمینِ شام
اک نوجوان صورتِ سیماب مضطرب — آکر ہوا امیرِ عساکر سے ہمکلام

اے بوعبیدہؓ رخصت پکارئے مجھے — لبریز ہوگیا مرے صبر و سکوں کا جام
بے تاب ہو رہا ہوں فراقِ رسولؐ میں — اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں میں حضورِ رسالت پناہؐ میں — لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام
یہ ذوق و شوق دیکھ کے پُرنم ہوئی وہ آنکھ — جس کی نگاہ تھی صفتِ تیغ بے نیام
بولا امیرِ فوج کہ وہ نوجواں ہے تو — پیر دل پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام
پوری کرے خدائے محمدؐ تری مراد — کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
پہنچے جو بارگاہِ رسولِ امیںؐ میں تو — کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے کئے تھے جو وعدے حضورؐ نے

"میں نے اُس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶ھ ہجری میں دیگر ملوک و سلاطین کے علاوہ شہنشاہ ایران کے نام دعوتِ اسلام کا خط بھیجا۔ ان تبلیغی خطوط میں عرب کے طرزِ تحریر کے مطابق (آج ساری دنیا کا طرزِ تحریر یہی ہے) فرستندہ کا نام مکتوب الیہ کے نام سے پہلے تھا۔ خسرو پرویز سخت برہم ہوا اور یہ کہہ کر کہ میرا غلام مجھے اس طرح لکھتا ہے۔ نامۂ اقدس کو چاک کر ڈالا اور امیر باذان والیِ یمن کے نام حکم صادر کر دیا کہ میرے اس حکم کے ملتے ہی حجاز کے اس مدعیِ نبوت کو گرفتار کر کے میرے دربار میں حاضر کرو۔ امیر مذکور نے دو آدمی مدینہ بھیجے۔ انہوں نے عرض کی کہ آپ کو مدائن طلب کیا گیا ہے۔ شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:-

"جاکر اس سے کہہ دو کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچے گی۔"

ابھی یہ دونوں سفیر واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ خسرو پرویز کے لڑکے نے باپ کا کام تمام کر دیا۔

جب قاصدِ نبویؐ حضرت عبداللہ نے واپس آکر خبر سنائی کہ کسریٰ نے آپؐ کا نامۂ اقدس دیکھتے ہی پھاڑ ڈالا تو ارشاد ہوا۔ "میں نے اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا۔"

عبرت

پیغمبرِ جلیل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے نکلی ہوئی بات کس طرح خالی جاتی۔ خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ نے پہلے باپ کو قید کیا۔ اپنے سترہ بھائیوں کو اس کے سامنے قتل کیا۔ پھر اس کی آنکھیں نکلوائیں۔ وہ تیرہ دن تک ایک تیرہ و تاریک زنداں میں بھوکا پیاسا پڑا رہا۔ آخر عین اس وقت جب مبلغ عالم مدینہ پہنچے اس کو قتل کر دیا!

عبرت پر عبرت!

بادشاہِ ایران نے جس ذاتِ اقدسؐ کی گرفتاری کے احکام صادر کئے تھے اور جس کو وہ اپنا غلام سمجھتا تھا اُسی کے غلاموں نے اس کے خاندان۔ اس کے تخت و تاج اور اس کے ملک کے پرزے اڑا کر رکھ دیے!

امیر باذان مسلمان ہوگیا

امیر باذان والیِ یمن کے دونوں آدمیوں کو حضورؐ نے خبر دے دی تھی کہ پرویز کے بیٹے نے پرویز کو مار ڈالا ہے۔ چند روز بعد باذان کے نام شیرویہ کا خط پہنچا کہ پرویز ظالم تھا میں نے اس کو ہلاک کر دیا۔ باذان:

دو بیٹوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

"فاتح ایران" کی بیماری اور حضورؐ کا ارشاد

سیرۃ النبیؐ میں مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔

"حضرت سعد بن وقاص حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں مکہ معظمہ گئے تھے اور وہاں وہ اس قدر سخت بیمار پڑے کہ اُن کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو ان کا اضطراب دیکھ کر ان کو تسلی دی اور اُن کے حق میں دعا فرمائی اور فرمایا کہ اگر خدا نے چاہا تو ابھی نہیں مرو گے۔ تم کو، اگر خلوص سے کام کرو گے تو درجۂ عظیم ملے گا۔ بہتیرے لوگوں کو تم سے فائدہ اور بہتوں کو تم سے نقصان پہنچے گا۔"

حضرت سعد نے سپہ سالارِ اسلام بن کر بڑا درجہ پایا اور چند سال میں کسریٰ کا تاج و تخت چھین لیا۔ مسلمانوں کو ان سے فائدہ اور مجوس کو نقصانِ عظیم پہنچا۔"

کسریٰ ہلاک ہو گیا۔ اسکے بعد کسریٰ نہ ہو گا اور قیصر بھی ہلاک ہو جائے گا۔ اسکے بعد قیصر نہ ہو گا

کتبِ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد درج ہے۔ اس پیش گوئی کے متعلق ایک شخص لکھتا ہے:۔

"کسریٰ کے متعلق یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ حضورؐ کی رحلت سے صرف دس برس بعد ۶۴۲ء میں جنگِ نہاوند نے ساسانی خاندان کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ کچھ عرصہ بعد آخری کسریٰ یزدگرد قتل ہو گیا اور اس کے بعد آج تک پھر کوئی کسریٰ پیدا نہ ہوا۔

قیصر ہرقل ۶۴۱ء میں مرا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ ۱۴۵۳ء تک جاری رہا یہاں تک کہ سلطان محمد ثانی (۱۴۵۱ء سے ۱۴۸۰ء) فاتح قسطنطنیہ نے اس سلسلہ کو ۱۴۵۳ء میں ختم کیا۔ حضورؐ نے یہ پیش گوئی ۶۳۰ء میں کی۔ یہ خاندان ۸۲۳ برس بعد بھی زندہ رہا۔"

معترض کو (جو مسلمان ہے) اس بنا پر کہ قیصر کا خاندان ۸۲۳ برس بعد بھی زندہ رہا ارشادِ اقدس کی صداقت میں شبہ ہے یا اس سے انکار ہے لیکن "الہلال" مصر کا عیسائی مدیر لکھتا ہے:۔

"سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ اہلِ عرب نے صرف چودہ پندرہ برس کی قلیل مدت میں ان دونو (سلطنت ہائے روم و فارس) کا چراغ گل کر دیا اور انھیں فتح کر لیا۔"

تاریخ شہادت دیتی ہے کہ صحابہؓ کے ہاتھوں نہ صرف کسریٰ کا خاتمہ ہوا بلکہ مؤرخ گبن کے الفاظ میں خالدؓ نے:

"شام و دمشق فتح کر کے شاہ روم کا تخت ہلا دیا۔"

کسریٰ کی تباہی کے ساتھ ساتھ قیصر کی خانہ بربادی بھی ہوئی۔ مسلمانوں نے سلطنتِ روم کے مقبوضات بھی انھیں ایام میں اس سے چھین لیے۔ اگر قیصر کا خاندان ۸۲۳ برس بعد بھی اپنے ایشیائی و افریقی ممالک کا ماتم کرنے کے لیے یورپ میں زندہ رہا اور اس مدت کے بعد اس کا دم نکلا تو اس سے کیا فرق پیدا ہو گیا؟ حضورؐ کی پیش گوئیاں تو ان واقعات کے متعلق بھی ہیں جو قیامت تک ظہور میں آتے رہیں گے قیصر کے متعلق حضورؐ کے ارشاد کی تصدیق اس واقعہ سے ہو جاتی ہے کہ آٹھ سو سال بعد ہی سہی خاندانِ قیاصرہ کا

خاتمہ ایک مسلمان (سلطان محمد ترک) نے کیا اور ہلاک ہونے والے قیصر کے بعد دوسرا قیصر نہ ہُوا بلکہ اس کے تخت و تاج کا وارث جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پیرو ہُوا۔ حضورؐ کے ارشاد کا ایک حصّہ یہ بھی ہے۔

"کسریٰ و قیصر کے خزانے خدا کی راہ میں تقسیم کئے جائیں گے۔"

یہ کوئی لازمی بات نہ تھی کہ قسطنطنیہ کا آخری قیصر کسی مسلمان کے ہاتھ سے ہلاک ہوتا۔ یہ امر بھی ممکن تھا کہ وہ کسی غیر مسلم سے لڑ کر ہلاک ہو جاتا لیکن تاریخ گواہ ہے کہ حضورؐ کی پیش گوئی ہی اس خاندان کے نیست و نابود ہو جانے اور مسلمانوں کے قسطنطنیہ پر قابض ہونے کا باعث بنی۔

تم قسطنطنیہ کو ضرور فتح کر لوگے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ مسلمان قسطنطنیہ کو ضرور فتح کر لیں گے۔ اسی ارشاد کی بنا پر معاویہ کے عہد میں تسخیرِ قسطنطنیہ پر ایک لشکر مامور ہُوا۔ بڑے بڑے صحابہ مثلاً حضرت ابوایوب انصاری۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عباس وغیرہ اس فوج میں شامل تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ شہید ہوئے۔

سلطان محمد ثانی کی فتح سے پیشتر متعدد مرتبہ مسلمانوں نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی کوششیں کی تھیں اور ان تمام کوششوں کی بنیاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورۂ بالا پیش گوئی تھی اور سلطان کی فتح کی بنیاد بھی اسی پیش گوئی نے رکھی تھی۔

کسریٰ کے خزانے جو خدا کی راہ میں تقسیم ہوئے

وہ لوگ جو تاریخِ اسلام اور فتوحاتِ اسلام سے بے خبر ہیں دیکھیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لُطف و کرم نے شہنشاہوں کے خزانے مجاہدینِ عرب کو بخش دیئے تھے۔ "الفاروق" میں لکھا ہے:

"جب حضرت سعد جنگِ قادسیہ میں مظفر و منصور ہو کر مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں۔

"کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمۃ کانوا فیھا فاکھین کذالک واورثناھا قوماً اخرین۔"

ایوانِ کسریٰ میں تختِ شاہی کے بجائے منبر نصب ہُوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ چند دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ ایواناتِ شاہی کا خزانہ اور نادرات لا کر ایک جا جمع کئے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لے کر نوشیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقانِ چین۔ راجہ داہر۔ قیصرِ روم۔ نعمان بن منذر۔ بہرام چوبیں کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ۔ ہرمز اور قباد کے خنجر تھے۔ نوشیرواں کا تاج زرنگار اور ملبوسِ شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہُوا تھا اور سینے پر یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مہار میں بیش قیمت موتی پروئے ہوئے تھے۔ ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اس میں

بہار کے تمام سامان مہیا کئے تھے اور بیچ میں سبزے کا چمن تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول اور پھل تھے۔ طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا۔ سونے کی زمین۔ زمرد کا سبزہ۔ پکھراج کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت۔ حریر کے پتے۔ جواہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری میں ہاتھ آیا تھا۔ لیکن اہلِ فوج ایسے راست باز اور دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہٖ افسر کے پاس لاکر حاضر کردی تھی۔ چنانچہ جب سب سامان لاکر سجایا گیا اور دور دور تک میدان جگمگا اٹھا تو خود سعد کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا بے شبہ انتہا درجے کے دیانت دار ہیں۔ مالِ غنیمت حسبِ قاعدہ تقسیم ہوکر پانچواں حصہ دربارِ خلافت کو بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہٖ بھیجی گئیں تاکہ اہلِ عرب ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کے فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ سامان پہنچے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغنا پر حیرت ہوئی۔

محلّم نام مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت و خوب صورت تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نوشیروان کے ملبوسات اس کو لاکر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا جدا۔ دربار کا جدا۔ جشن کا جدا۔ تہنیت کا جدا۔ چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلّم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوسِ خاص اور تاجِ زرنگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔

فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے۔ خود حضرت عمرؓ کا بھی یہی منشا تھا۔ لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آئی اور دولتِ نوشیروانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔“

ایک اور کتاب میں کسریٰ کے خزانے کا حال اس طرح درج ہے:-

”رستم جس قدر زر و جواہر خیمہ و خرگاہ اور نقد و جنس ہمراہ لایا تھا سب کا سب قادسیہ کے میدان میں پڑا تھا۔ اہلِ عرب نے ان کو اتنا بھی نہ سنبھلنے دیا کہ وہ کوئی چیز اٹھا سکتے۔ سعد اور تمام لشکرِ اسلام نے نمازِ شکر ادا کی اور کیمپ کے گرد پہرہ لگا کر نماز پڑھنے لگے۔

دوسرے دن مالِ غنیمت جمع کیا گیا۔ مالِ غنیمت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ اہلِ عرب نے اس قدر نقد و جنس اور سامان اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ تمام نقدی جو ایرانی پہلوانوں کو انعام دینے کے لیے لائی گئی تھی اسلامی لشکر کے حصے میں آئی۔ اہلِ عرب مالا مال ہوگئے اور اس نعمت پر بار بار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔ ہلال بن علقمہ کو رستم کا کل سامان ملا۔ رستم کا تاج تو ندی میں بہ گیا تھا مگر اس کے کمربند اور اسلحہ بڑے قیمتی تھے کیونکہ ان میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ صرف ایک کمربند کی قیمت ستر ہزار اشرفی تھی۔ جس شخص نے درفشِ کاویانی یعنی ایران کا قومی عَلَم جان پر کھیل کر حاصل کیا تھا اس کو اس کے صلے میں تیس ہزار اشرفیاں دی گئیں کیونکہ عَلَم بیش بہا تھا اور اس کے جواہرات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جب اس عَلَم کے جواہرات اتار کر فروخت کئے گئے

تو ایک لاکھ اشرفیاں وصول ہوئیں جو بیت المال میں داخل کی گئیں۔ جن بہادروں نے میدانِ جنگ میں حیرت ناک کام کئے تھے ان کو علاوہ حصہ کے ان کے کاموں کی شان کے لائق انعام دلائے گئے اور ہر ایک سپاہی کو معمولی حصہ چھ ہزار اشرفیاں ملا۔

اس طرح کسریٰ کے خزانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو نصیب ہونے شروع ہوئے اور آپؐ کی پیش گوئی کے پورا ہونے کا آغاز ہُوا۔

"تو دیکھے گا کہ ایک شخص زکوٰۃ کا سونا اور چاندی لئے ہوئے پھرے گا اور اُسے کوئی نہ ملے گا جو زکوٰۃ کا پیسہ لینے والا ہو۔"

کتاب "رحمۃ للعالمین" سے ایک پیش گوئی نقل کی جاتی ہے:-

"صحیح بخاری میں عدیؓ بن حاتم طائی کی روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی۔ دوسرا آیا اس نے ڈکیتیوں کی شکایت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عدی! اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھ لوگے کہ ایک بڑھیا حیرہ سے اکیلی چلے گی اور خانۂ کعبہ کا طواف کرے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتی ہوگی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ طے کے ڈکیت کدھر چلے جائیں گے جنہوں نے تمام بستیوں کو اجاڑ رکھا ہے۔ پھر فرمایا اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانوں کو جا کر کھولوگے۔ میں نے پوچھا کیا کسریٰ بن ہرمز؟ فرمایا ہاں کسریٰ بن ہرمز۔

پھر فرمایا اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تُو دیکھے گا کہ ایک زکوٰۃ کا دینے والا سونا اور چاندی لئے ہوئے پھرے گا اور اُسے کوئی نہ ملے گا جو زکوٰۃ کا پیسہ لینے والا ہو۔

عدیؓ کہتے ہیں میں نے ایسی بڑھیا کو بھی حج کرتے دیکھ لیا جو کوفہ سے اکیلی چلی اور اللہ کے سوا اسے کسی اور کا خوف نہ تھا اور خزائنِ کسریٰ کی فتح میں تو میں شامل تھا۔ تیسری بات بھی اے لوگو! تم دیکھ لوگے۔

امام بیہقی کہتے ہیں کہ عمرؓ ابن عبدالعزیز کی سلطنت میں تیسری بات بھی پوری ہوگئی کہ زکوٰۃ دینے والے کو تلاش سے بھی کوئی فقیر نہ ملتا اور وہ اپنا مال گھر واپس لے جایا کرتا تھا۔"

ابوہریرہؓ پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ میں آتے ہیں

ابتدائے اسلام میں حضرت ابوہریرہؓ کے افلاس کا یہ حال تھا کہ مسلسل فاقہ کی وجہ سے غش کھا کھا کر گر پڑتے تھے۔ یہ حالت بار بار رونما ہوتی۔ یہی ابوہریرہؓ بحرین کے حاکم مقرر ہوئے تو پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ منورہ میں آئے۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع کی گئی۔ پانچ لاکھ کی رقم اتنی عجیب چیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے کہا خیر ہے کہتے کیا ہو۔ انہوں نے پھر پانچ لاکھ کہا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: "تم کو گنتی بھی آتی ہے"۔ —— کہا: "ہاں۔ یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔"

الطاف مسلسل

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ غلبۂ اسلام کی خبر دی اور فرمایا:
"میں سو رہا تھا۔ میرے پاس تمام دنیا کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں"

اُمت پر الطاف مسلسل کی بارش کا تماشا دیکھئے:۔

۱۔ حضورؐ نے عرب کو فتح کیا اور ملکِ شام۔ ملکِ یمن اور ملک فارس کی فتوحات کی خبریں دیں اور وہ پوری ہوئیں۔

۲۔ قسطنطنیہ کی فتح کی خبر دی اور وہ پوری ہوئی۔

۳۔ ہندوستان کی فتح کی خبر دی اور وہ پوری ہوئی۔ اقبال کہتا ہے:

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

۴۔ سپین پر حملہ کرنے کا حکم طارق کو دیا۔ اس کا حال بھی سن لیجئے جو ہم نے اپنی ایک اور کتاب میں لکھا ہے:۔

"طارق نے اللہ کا نام لے کر سپین پر حملہ کر دیا۔ اس کے ساتھ بارہ ہزار تین سو سپاہی تھے۔ سپین کے بادشاہ راڈرک کے پاس ایک لاکھ فوج تھی۔ لیکن طارق فتح یاب ہوا۔ اس نے اپنی تمام کشتیاں جلا دی تھیں کہ لشکر کے دل میں واپسی کا خیال بھی نہ آئے۔ لوگوں نے کہا یہ کیا نادانی ہے۔ جنگ کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ ہم غریب الوطن ہیں۔ اگر ہم کو پسپا ہونا پڑا تو کدھر جائیں گے؟

طارق کے خواب کو اقبالؒ نے اپنے ایک نہایت دل آویز قطعہ میں بقائے دوام کا لباس پہنایا ہے:

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ تو بنگاہِ خرد خطاست
دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم
ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست
خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

طارق عرب تھا۔ اس کی رگوں میں خون نہیں دوڑتا تھا بجلیاں لہراتی تھیں۔ مسلمان تھا اس کے دل میں خوف وہراس کے لیے جگہ نہ تھی۔ لیکن کشتیاں جلا دینے کا سبب کچھ اور تھا۔ حملہ سے پہلے اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضورؐ کے پاس تمام صحابہ تلواریں سونتے کھڑے ہیں اور آپؐ فرما رہے ہیں:۔

"طارق! اپنے کام کی طرف بڑھ"

اِس خواب نے اس کا حوصلہ بڑھا دیا۔ اس کو اپنی فتح کا یقین بلکہ عین الیقین تھا۔ جانتا تھا کہ سپین سے واپس نہ جانا پڑے گا۔ "(خدا کا آخری پیغام)

(۵) خلافتِ عباسیہ کے قیام کی بنیاد یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا تھا کہ خلافت آخر تمہاری اولاد کو ملے گی۔ بنو عباس اس وقت سے خلافت کے اُمیدوار چلے آتے تھے۔

(۶) بابر کی سلطنت حضورؐ کا عطیہ تھی۔ ہندوستان میں خاندانِ مغلیہ کی سلطنتِ عظیم کی بنیاد شہنشاہ بابر نے رکھی تھی۔ تاریخ داں جانتے ہیں کہ اس بادشاہ کو بارہ برس کی عمر میں آوارہ دشتِ غربت ہونا پڑا اور مسلسل گیارہ برس اس طرح گزرے کہ خانماں برباد ہو کر شب روز صحراؤں، دریاؤں اور پہاڑوں کے دامن میں پناہ لیتا پھرتا تھا اور اعدائے جان اس کا تعاقب کرتے رہتے۔ بابر خود اپنی تزوک میں لکھتا ہے کہ ایک مقام پر وہ تھکا ماندہ پڑا سوتا تھا اور دشمن بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو خواب سے بیدار کیا اور خطرے سے آگاہ فرمایا۔ گویا وہ سلطنت جو بابر نے اولاد کے لئے پشتوں تک قائم کی حضورؐ شہنشاہِ کونینؐ ہی کا عطیہ تھی۔

(۷) وہ تمام ممالک جن کی تسخیر میں صحابہ کرام کا ہاتھ تھا آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ یہ ممالک آغوشِ اسلام میں آنے کے بعد ایک دن کے لیے بھی آستانِ کفر پر سرنگوں نہیں ہوئے۔ مثلاً عرب۔ عراق۔ شام۔ مصر۔ ایران۔ قسطنطنیہ۔ شمالی افریقہ وغیرہ۔ ہم نے اس سلسلہ میں قسطنطنیہ کو بھی شامل کیا ہے۔ اس کو سلطان محمد ثانی نے ۱۴۵۳ء میں فتح کیا تھا لیکن سب سے پہلے جہاد میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ شامل ہو کر شہید ہوئے تھے۔ قسطنطنیہ میں جامع ایوبؓ کی قدر و منزلت رہتی دُنیا تک رہے گی۔ شمالی افریقہ کو ایک صحابی عقبہؓ بن نافع نے فتح کیا تھا۔ کابل۔ غزنی وغیرہ پر اسلام کا جھنڈا حضرت عثمانؓ کے عہد میں لہرانے لگا تھا۔ اگر بغداد، مصر اور شمالی افریقہ پر فرنگی چند روز غالب رہے تو اس عرصہ میں بھی فرمانروا مسلمان ہی رہے۔

برعکس اس کے اندلس۔ صقلیہ اور دہلی کی اسلامی حکومتوں کا حشر ہم دیکھ چکے ہیں۔ اندلس اور صقلیہ کی اسلامی سلطنتیں صدیوں بصد جاہ و جلال قائم رہیں۔ ان دونوں ممالک نے دنیا کو تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی دولت سے مالا مال کیا لیکن آخر پیوندِ خاک ہو گئیں اور آج وہاں مسلمان نہیں رہا۔ دہلی کی اسلامی حکومت کا خاتمہ بھی نہایت رنجدہ حالات میں ہوتا رہا اسی لئے اقبال کو کہنا پڑا تھا۔

ہزار مرتبہ کابل نکوتر از دلی است

کہ ایں عجوز عروسِ ہزار داماد است

اگر ان تینوں ممالک کو فتح کرنے میں صحابہ کا دخل ہوتا تو کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آج بھی یہاں اسلامی حکومتیں نظر آتیں؟

(۸) سرزمین حبش کو اسلام سے نہایت زبردست تعلق رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقدس جھنڈا آج تک حبش کے عیسائی بادشاہ کے پاس بطورِ تبرک موجود ہے اور اسی جھنڈے کی برکت سے آج بھی اس کی آزادی برقرار ہے۔ اطالیہ ایلان پر قابض ہوا لیکن سڑکیں بنا کر اور جدید ساز و سامان مہیا کر کے ملک کو چھوڑ گیا۔

(۹) افغانستان کے سابق بادشاہ امان اللہ خاں مرحوم کا ذکر یہاں کرنا پڑتا ہے۔ غریب انتہائی نیک نیتی کے باوجود فریبِ فرنگ

سے بچ سکا تھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ روما میں رہ کر غریب الوطنی کے دن پورے کئے اور غربت ہی میں جان دی - اس کا ایک خواب قابلِ ذکر ہے کہ عبرت انگیز اور سبق آموز ہے۔

امان اللہ خاں ابھی افغانستان کا فرمانروا تھا کہ اس نے یورپ کا سفر اختیار کیا۔ ارضِ فرنگ کی طرف جاتے ہوئے اس نے خود ہندوستان میں اپنے اس خواب کا ذکر مجمعِ عام میں کیا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک بھاری صندوق میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ اقدس رکھا تھا۔ امیر اس صندوق کو اٹھا کر تھوڑی دور لے گیا مگر فوراً رکھ دیا کہ اس کی برداشت دشوار ثابت ہوئی ۔ غور اور عبرت کا مقام ہے کہ اس کا اپنا بیان کیا ہوا خواب چند ہی روز میں صحیح ثابت ہوا۔ کاش وہ فتنۂ تفریح سے بچ جاتا اور اس کا تخت و تاج قائم رہتا! دنیا جانتی ہے کہ اصلاحات کے شوق کی گرمی نے نہایت عجلت کے ساتھ اس کے جاہ و اقبال کو ٹھنڈا کر دیا اور اس کو جان بچا کر ملک سے رخصت ہونا پڑا۔

تعجب ہے کہ یہ خواب ہمارے ملک کے تمام اخباروں میں شائع ہوا تھا لیکن امیر کا انجام دیکھ لینے کے بعد بھی کسی کا ذہن اس خواب کی طرف منتقل نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ جبۂ اقدس سے مراد شعائرِ اسلام ہی تھے۔

(۱۰) قیامِ پاکستان کے متعلق کیا مجھ کو کچھ کہنے کی ضرورت ہے؟ اگر یہ مملکت عالم وجود میں آئی تو فقط اس لیے کہ قائدِ اعظم کے الفاظ میں " THE MUSLIMS ARE A NATION " (مسلمان ایک "قوم" ہیں "فرقہ" نہیں ہیں)۔ کون نہیں جانتا پاکستانی مسلمانوں کی قومیت اور پاکستان کا قیام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطیہ ہیں۔

آج بھی مسلمان دُنیا میں ہر اعتبار سے سربلند ہے

ایک امریکی رین کراس ۱۹۳۹ء میں رسالہ کرنٹ ہسٹری (THE CURRENT HISTORY.) میں "دنیائے اسلام کی بیداری" کے عنوان سے لکھتا ہے:-

" ہر جمعہ کے روز نیو یارک کے پچیس ہزار مسلمان رو بہ قبلہ ہو کر نماز با جماعت ادا کرتے ہیں اور یہ صرف نیو یارک میں نہیں ہوتا بلکہ دنیا بھر کے مسلمان جو مراکو سے لے کر جزیرہ سنداتک اور مڈغاسکر سے لے کر منگولیا تک پھیلے ہوئے ہیں ہر جمعہ کے دن اکٹھے ہو کر ایک خدا کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ جزائر فلپائن میں ۔ مصر کی یونیورسٹیوں میں ۔ مشرقی ایوان ہائے حکومت اور تاتاری خانہ بدوشوں کے خیمہ میں ۔ یوگوسلاویہ پارلیمنٹ کے بنچوں پر ۔ افریقہ کی گولڈ کوسٹ کی نوآبادی میں ۔ حبشیوں کی جھونپڑیوں میں ۔ غرض ہر جگہ اور ہر وقت یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اسلام اور اس کے پیرواز سرِ نو جدید زندگی اور طاقت حاصل کر رہے ہیں۔"

" اسلام کی طاقت کا پہلا سنگِ بنیاد تو اس کی مذہبی یگانگت و قوت ہے لیکن دوسرا اہم ترین ذریعہ اس کی بے مثال قوتِ تولید میں مضمر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایشیائی بیشتر اقوام کی شرح پیدائش کافی ہے۔ لیکن مسلمان تو خرگوش کی طرح اس سرعت سے بڑھ رہے ہیں کہ اس کا اندازہ کرنا محال ہو رہا ہے۔ بطورِ مثال کے مصر کو دیکھئے اس کی آبادی اس تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ صرف ایک صدی میں وہ چار گنا ہو جائے گا اور اگر ترقی کی یہی رفتار جاری رہی تو ماہرینِ حساب کا بیان ہے کہ چار سو پچیس برس کے عرصہ میں مصر کی آبادی اتنی بڑھ جائے گی جتنی اس وقت دنیا بھر کی ہے۔ فلسطین میں جہاں یہودی بکثرت آباد ہیں وہاں عربوں اور یہودیوں کی شرح

پیدائش کا اندازہ کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کی شرح پیدائش یہودیوں سے اڑھائی گنا زیادہ ہے۔ الجیریا میں مسلمانوں کی شرح پیدائش یورپینوں کے مقابلہ میں چار گنا زیادہ ہے۔ مصر، ترکی اور ایران میں عام یورپین ممالک کے مقابلہ میں سہ گنا زیادہ شرح پیدائش ہے۔

اسلام کی قوت کا تیسرا سبب اسلامی ممالک کی خام پیداوار کی کثرت و قیمت ہے۔ روئی اور مٹی کا تیل انھیں امریکہ کا مدِّمقابل بنا دیتا ہے۔ ایران، عراق، ترکی اور افغانستان میں تیل کے اتنے چشمے ہیں جتنے دنیا بھر میں ہوں گے۔ روئی کی پیداوار میں مصر کا درجہ اتنا بلند ہے کہ اس کی روئی کے لیے دنیا بھر کی منڈیاں کھلی رہتی ہیں۔ سوڈان، عراق اور اناطولیہ کی روئی بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔"

مضمون نگار آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"پان اسلامزم ایک خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ کھدر پوش مسلمان تاجر جو کلکتہ کے شاندار ایوان ہائے تجارت میں بیٹھا نظر آتا ہے۔ بورینو اور سماٹرا کے مزدور، تبت اور منگولیا کی سول وار کے مارشل۔ سائبیریا کے انقلاب پسند نوجوان۔ کابل، طہران اور مکہ کے بادشاہ۔ ترکی کے انجینئر، ماہرینِ حرب اور افسر۔ شام کے طلبہ۔ عرب کے مذہبی دیوانے۔ مصر کے نوجوان۔ صحرا کے خانہ بدوش بحر اطلانتک کے کناروں پر رہنے والے عرب۔ افریقہ کی جھونپڑیوں کے نیم وحشی۔ یہ سب سینکڑوں قسم کی مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ لیکن سب تہذیب و تمدن کے دروازے پر کھڑے ہیں۔

ان کے رنگ سفید سے لے کر آبنوس کی طرح سیاہ ہیں۔ لیکن جب جمعہ کے دن وہ نماز کی اذان سنتے ہیں تو سب کے سب خدائے واحد کی پرستش کے لیے مکہ کی طرف منہ کر کے سربسجود ہو جاتے ہیں۔

جو لوگ پان اسلامزم کو ایک کہانی سمجھتے ہیں وہ اس حقیقت سے کیسے آنکھیں بند کر سکتے ہیں۔"

اسلام کی نمایاں باتیں | ریمن کراس کے مضمون میں اسلام کی حسب ذیل باتیں نمایاں طور پر ظاہر ہیں:۔

۱۔ مسلمان دنیا کے ہر حصہ میں موجود ہیں اور ان میں یگانگت و قوت ہے۔

۲۔ مسلمانوں کی آبادی دنیا کے ہر حصہ میں نہایت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ غیر مسلم ممالک کی آبادی کے مقابلہ میں شرح پیدائش سہ چند بلکہ چہار چند ہے اور بے مثال ہے۔

۳۔ تمام اسلامی ممالک میں خام پیداوار کی کثرت ہے۔ مصر، سوڈان، عراق، اناطولیہ کی روئی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

۴۔ تیل کے چشمے اتنے ہیں جتنے دنیا بھر میں ہوں گے۔

کیا ان چاروں باتوں سے یہ امر ظاہر نہیں ہوتا کہ مسلمان آج بھی ہر اعتبار سے دنیا میں سربلند ہے۔ جہاں تک قدرت کے الطاف و کرم کا تعلق ہے مشرق و مغرب کی کوئی دوسری قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خدا نے اس کو سب کچھ دے رکھا ہے اور دوسروں سے زیادہ! کاش اس کو اپنے تفوق کا احساس ہو!

(۲)

چند معجزات

ستون حنانہ | کھجور کا ایک تنہ جس کو ستونِ حنانہ کہا جاتا ہے رونے لگ گیا تھا۔ یہ تنہ مسجد نبویؐ میں تھا۔ جب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو ذرا ٹیک لگا لیتے تھے۔ ایک بڑھئی نے منبر تیار کر کے پیش کیا کہ حضورؐ کو کھڑے رہنے کی تکلیف نہ ہو۔ جب حضورؐ منبر پر بیٹھے تو ستون بیخ اٹھا اور بچوں کی طرح رونے لگا۔ اس گریہ وزاری کا اثر نہ صرف حاضرین پر ہوا بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی متاثر ہوئے۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اس واقعہ کا ذکر اپنی کتاب میں کرتے ہوئے زبانِ عربی کے یہ دو اشعار بھی نقل کئے ہیں:۔

وحن لہ الجذع القدیم تحزنا فان فراق الحب ادھی المصائب

(چیخنے لگا حضورؐ کے لیے بوسیدہ کھجور کا تنہ غم فراق کی وجہ سے کیونکہ محبوب کی جدائی سب سے بڑی مصیبت ہے)

رأیتم جذعا حنت وانت ودون الحاضرون لھا دینا

(دیکھا تم نے ایک کھجور کے تنہ کو چیخنے لگا اور زاری کرنے لگا حتٰے کہ حاضرینِ مجلس بھی اس کے ساتھ چیخنے لگے)

ان باتوں کو نہ ماننے والے کم از کم یہ نہیں کہہ سکتے کہ درخت جذبات سے آزاد ہوتے ہیں اور ان کا چیخنا اور رونا "قوانینِ فطرت" کے خلاف ہے۔

ابوجہل کی مٹھی میں کنکریاں

مولانا روم نے اس معجزہ کا ذکر کیا ہے ؎

معجزہ جُست از نبیؐ بوجہل سگ

دید و نفزود ش ازاں الا کہ شک

ابوجہل نے حضورؐ سے کہا تھا کہ بتایئے میری مٹھی میں کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا میں بتاؤں یا یہ کنکریاں خود بتائیں۔ کہا کنکریاں بتائیں فوراً کنکریاں تسبیح میں مصروف ہوگئیں۔ ابوجہل نے کہا یہ جادو ہے۔

جن لوگوں کو حضرت سید احمد بریلوی کی طرح شبِ قدر کا ذاتی تجربہ ہوا ہوگا کیا ان کو کنکریوں کے بول اٹھنے پر تعجب ہو سکتا ہے؟ لیلۃ القدر ایک سالانہ عید ہے اور دیکھنے والے اس مقدس رات کی تجلیاں ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں۔

شق القمر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعجاز سے چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے تھے اور نہ صرف حاضرین نے اس امر کو دیکھا تھا بلکہ ان لوگوں نے بھی دیکھا تھا جو کہیں دور سے آرہے تھے۔ یہ لوگ میدانوں میں سفر کر رہے تھے۔ قرآن مجید میں اس معجزہ کا ذکر ہے۔ بعض مسلمان حضرات نے جو نام نہاد قوانینِ فطرت سے مرعوب ہیں اور ضرورت سے زیادہ مرعوب ہیں اس کو آثارِ قیامت میں شامل کیا ہے کیونکہ آیت کے الفاظ ہیں:

"اقتربت الساعۃ وانشق القمر" قریب آگئی ساعت اور پھٹ گیا چاند

لیکن معلوم ہوتا ہے ان حضرات نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ کفار نے اس کو جادو سمجھا اور آیت میں الفاظ مذکورہ کے بعد ہی اس چیز کا ذکر بھی فرمایا گیا ہے:۔ "وان یروا ایۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر" (اگر یہ کفار کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو سحر مستمر ہے)

یہی جملہ واضح کر دیتا ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے حقیقت میں ہوئے ورنہ وہ اور کون سی چیز تھی جس کو منکرینِ اسلام نے جادو

خیال کیا۔ "سحرٌ مستمر" کے معنی ہیں "وہ جادو جو دائم ہو"۔ کفار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام معجزات کو جادو سمجھتے تھے۔ جب انہوں نے معجزۂ شق القمر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو کہا کہ یہ بھی وہی جادو ہے جو ہمیشہ کیا جاتا ہے۔

اگر یہ فقط قیامت کا ذکر ہوتا تو کفار کے لیے "سحر" اور "سحر مستمر" کے ذکر کا کیا موقع تھا۔ قرآن مجید میں قیامت اور اس کی ہول آفرینیوں کا ذکر جا بجا آیا ہے اور سینکڑوں بار آیا ہے لیکن کسی مقام پر یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ کفار قیامت کے ذکر کو بھی جادو سمجھتے ہیں۔ جس چیز کو انہوں نے دیکھا ہی نہ تھا اس کے متعلق وہ کیونکر کہہ سکتے تھے کہ "یہ جادو ہے اور وہی پرانا جادو ہے"۔ ہاں جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ چاند پھٹ گیا تو حسب عادت اور از راہِ ضلالت اس کو جادو خیال کر لیا۔

پھر ایک اور نکتہ قابلِ غور ہے۔ جن آیات میں قیامت کا ذکر فرمایا گیا ہے اُن میں تنہا ایک چیز مثلاً شق القمر کا بیان نہیں ہے۔ بلکہ زمین۔ آسمان۔ پہاڑ۔ دریا۔ سورج۔ چاند۔ ستارے وغیرہ بیسیوں چیزیں مذکور ہیں۔ اگر آیت زیر بحث بھی ان آیات میں سے ہے تو فقط چاند کے پھٹ جانے کا ذکر کیوں ہے۔ قیامت کے متعلق قرآن مجید کی دوسری تمام آیات دیکھ لیجئے یہ اختصار کہیں نہ ملے گا۔

کیا یہ نظر بندی تھی؟

اوپر کی چند سطور قطعی طور پر واضح کر دیتی ہیں کہ کفار نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے۔ اگر انہوں نے اس کو "نظر بندی" سمجھ لیا تو ہماری رائے میں یہ چیز قابلِ توجہ نہیں ہے۔ بہرحال کسی نے وہ بات کر دکھائی جو کوئی اور شخص نہ کر سکتا تھا۔ کرنل کے حسین آفندی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"فرض کر لیجئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کی نظر بندی کر دی، یہاں تک کہ انہوں نے اس امر کا مشاہدہ کر لیا کہ چاند شق ہو گیا تو کیا آپؐ کی قدرت میں یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ آپ ان مسافروں کی بھی نظر بندی کر دیتے جن میں سے ہر فریق میدانوں میں جدا جدا مقام پر تھا۔"

ایک تازہ نظیر

مولانا عبد الماجد دریابادی نے جون ۱۹۵۳ء میں "ایک تازہ نظیر" کے عنوان سے حسب ذیل الفاظ لکھے تھے۔
"واشنگٹن۔ وسکونسن (امریکہ) ۲ جون ۱۹۵۳ء۔

کل متعدد شخصوں نے یہاں کہا کہ انہوں نے اتوار کو صبح تڑکے آسمان پر ایک دوسرے چاند کا مشاہدہ کیا۔ لیکن ہوائی فوج والوں کی رپورٹ ہے کہ ہوا باز جو اس تحقیق کے لیے اوپر گئے انھیں کچھ معلوم نہ ہوا۔ زمین سے مشاہدہ کرنے والوں کا جن میں ایک رئیس بلدیہ ہیں۔ کئی پولیس والے ہیں اور محکمہ دفاع ہوائی کے ایک فضا کار پاسبان ہیں بیان ہے کہ ہم نے ایک عظیم الشان نیلی سفید روشنی دوسرے چاند کی طرح مشاہدہ کی۔ کرنل شوب افسر دفاعِ ہوائی نے کہا کہ یہ شے جو مشاہدہ میں آئی، ممکن ہے فضائی کیفیات کا عکس ہو اور ابر کی یا سورج کی یا چاند کی کرشمہ سازی ہو۔"

(یو۔ پی۔ اے)

اصل واقعہ جو کچھ بھی ہو بہرحال اتنا تو ظاہر ہی ہے کہ اس بیسویں صدی کے وسط میں معتبر ثقہ گواہوں کی ایک جماعت نے اپنے نزدیک آسمان پر ایک قمر ثانی کا مشاہدہ کیا اور اس شہادت کے بعد ناممکن نہ رہا کہ ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں بھی مکہ کی سرزمین

میں ایک پوری جماعت نے فضا میں ایک قمرِ ثانی کا مشاہدہ کیا ہو۔

اجرامِ فلکی کی ہیئت اور نوعیت بجائے خود کیا ہے اس سے اسلام اور شریعتِ اسلامی کو مطلق بحث نہیں۔ ان کو تو صرف اس سے بحث ہے کہ یہ چاند اور سورج اور ستارے عام انسانوں کو کیسے نظر آتے ہیں اور ان کے حواس اور عقل اور جذبات پر اثر کیا کیا ڈالتے ہیں۔"

ہم کو مولانا دریا بادی کے آخری جملوں سے اتفاق نہیں۔ لیکن ہم یہاں ایک غیر ضروری بحث میں نہیں الجھنا چاہتے۔ اوپر جو کچھ لکھا گیا اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں شق القمر کے ذکر کو قربِ قیامت کے آثار میں داخل کر دینا اور اس بات سے انکار کرنا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوئے عقلِ سلیم سے فراغت حاصل کرنا ہے۔ کفار نے آخر مکہ میں کچھ نہ کچھ دیکھا تھا کہ ان کو خود فریبی کے پرانے حربے سے کام لینا پڑا اور کہنا پڑا کہ "یہ تو وہی جادو ہے!"

ہم کو معلوم ہے کہ قرآن اجرامِ فلکی اور تمام کائنات کی حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے اور یہی وہ بات ہے جس میں ہم کو مولانا عبدالماجد صاحب سے اتفاق نہیں ہے۔

اسمِ اقدس آسمان پر

ہم نے روزنامہ "زمیندار" لاہور اور دیگر اسلامی اخباروں میں پڑھا تھا کہ ۵ شعبان ۱۳۴۵ھ مطابق ۸ فروری ۱۹۲۷ء کو مغرب کے بعد آسمان پر ستارے اس طرح اکٹھے ہوگئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک نام لکھا ہوا نظر آیا۔ سینکڑوں آدمیوں نے مختلف مقامات پر الہ آباد۔ جبل پور، سکھر وغیرہ میں یہ نظارہ آدھ گھنٹے تک دیکھا اور نامہ نگاروں کی تحریریں نہایت آب و تاب کے ساتھ اسلامی اخباروں میں شائع ہوئیں۔

اسمِ اقدس کے اس اعجاز کا چرچا مدت تک ہمارے ملک میں رہا۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم نے ایک نظم میں مندرجہ ذیل شعر بھی کہا تھا۔ ؎

ستارہ کو وہ قلم مستعار دیتے ہیں

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی کتاب "اسلام اور عقلیات" میں یہ الفاظ درج ہیں:-

"راقم نے بعض مقامات سے اس کی تصدیق کرائی - ۴۶ اشخاص کے نام - ولدیت - سکونت - دستخط یا نشان انگوٹھا راقم کے پاس موجود ہیں جن میں بہت سے مندرجی ہیں۔"

فتنۂ تاتار اور اہلِ فرنگ کے موجودہ تفوق کی خبر

فتنۂ تاتار

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) قیامت قائم نہ ہوگی (کئی باتوں کے بعد فرمایا) جب تک تم ان ترکوں سے جنگ نہ کر لوگے جو چھوٹی آنکھوں والے، سرخ چہرے والے، پست ناک والے ہوں گے ان کے چہرے ڈھال جیسے چوڑے ہوں گے۔

یہ فتنہ تتر کی خبر ہے۔ ہلاکو خاں کے لشکروں نے خراسان و عراق کو تباہ کیا۔ بغداد کو لوٹا تھا اور بالآخران کو بھی ایشیائے کوچک میں شکست عظیم ہوئی تھی۔

یہ واقعہ ۶۵۶ھ کا ہے اور صحیحین میں پانچ صدی پیشتر سے درج چلا آتا تھا۔"

("رحمۃ للعالمین")

اہلِ فرنگ کا موجودہ تفوق

"مستورد قرشی نے عمرو بن العاص المتوفی ۴۳ھ کے روبرو کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے قیامت اس وقت قائم ہوگی جب یورپین لوگ سب سے زیادہ ہوں گے۔

عمرو نے کہا دیکھ! تو کیا کہتا ہے؟

مستورد نے کہا: میں تو وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ صلعم سے سنا ہے (عمرو نے کہا تب تو ٹھیک ہے)

بے شک ان میں چار خصلتیں ہیں:

۱۔ وہ مصیبت کے وقت نہایت بردبار ہیں۔

۲۔ مصیبت کے بعد بہت جلد ہوشیار ہو جاتے ہیں

۳۔ بھاگنے کے بعد سب سے پہلے پھر حملہ کرتے ہیں۔

۴۔ مسکین و یتیم و ضعیف کیلئے سب لوگوں سے بہتر ہیں۔

اور ایک پانچویں صفت اور ہے جو نہایت عمدہ ہے۔ وہ بادشاہوں کے ظلم کو سب لوگوں سے بڑھ کر روکتے ہیں۔

واضح ہو کہ یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے۔

امام مسلم کا رجب ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا اس لیے ہر ایک مخالف کو اس قدر تو ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ پیش گوئی مسلمانوں میں تیسری صدی کے اندر پھیل چکی تھی یہ وہ زمانہ تھا جبکہ کل دنیا پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔ علم و حکمت۔ زور و طاقت تمدن و سیاست میں سب سے فائق تر تھے۔ اُس وقت یہ کہنا کہ یہ تمام بزرگی و برتری خاک میں مل جائے گی اور دنیا میں یورپین عیسائی قوموں کی حکومت ہو جائے گی بالکل عقل و فکر سے باہر تھا اور مسلمانوں کے لئے فالِ بد بھی تھا۔ مگر امام مسلم نے اسے اپنی کتاب میں درج کر دیا کیونکہ ان کو صحیح طور پر معلوم ہو گیا کہ ضرور یہ ارشاد نبیؐ پاک کا ہے۔ بالآخر اب صدیوں کے بعد اس کا ظہور ہو رہا ہے۔ آج کوئی بتلائے کہ کون سا ملک ہے جو عیسائی سلطنتوں کی حکومت یا اثر یا ڈپلومیسی سے باہر ہے۔ اس لیے پیش گوئی کے صحیح ہونے میں کلام نہیں۔"

("رحمۃ للعالمین")

مدینہ منورہ کے متعلق

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینکڑوں آنے والے واقعات کی خبر دی اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضورؐ کی پیش گوئیاں پوری ہو رہی ہیں۔ ایک خبر مدینہ منورہ کے متعلق بھی ہے جس کو لکھتے ہوئے قلم کانپتا ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "ظہورِ دجال کے وقت بیت المقدس آباد ہوگا اور مدینہ تباہ۔"

نفیِ معجزہ بھی اسلام کا معجزہ ہے

کفار معجزے طلب کیا کرتے تھے | ہم نے اپنی ایک کتاب میں جس کا نام "خدا کا آخری پیغام ہے"۔ لکھا ہے:۔
"منکرینِ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزے طلب کرتے تھے۔ وہ خرقِ عادت کو لازمۂ نبوت سمجھتے تھے آج بھی کفار نہیں مسلمان اور جہلا نہیں بڑے تعلیم یافتہ لوگ باخدا حضرات سے اسی چیز کی توقع رکھتے ہیں۔ گویا نبوت یا ولایت کا یہ معیار بہت کم بدلا ہے یہ جو لوگ اس معیار کو صحیح نہیں سمجھتے وہ زیادہ تر ایسے اشخاص ہیں جو اپنے اپنے زمانہ میں حکیم سمجھے گئے یا سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً بو علی سینا جس نے تمام خرقِ عادات کے طبعی اسباب تلاش کئے۔ امام رازی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر کے لیے معجزہ شرط نہیں ہے۔ امام غزالی بھی اسی قسم کی باتیں لکھ گئے ہیں۔

آج مغربی تعلیم نے بھی معجزات کی اہمیت ختم کر دی ہے۔ جو لوگ خدا اور انبیا کے قائل نہیں ان کو معجزات و خوارق سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ تمام مسلمان بھی جو تعلیم یافتہ سمجھے جاتے ہیں (کم از کم راقم کی نظر میں یہ لوگ نیم مغربی ملا ہیں) اور مغربی "روشن خیالی" سے متاثر ہو چکے ہیں وہ معجزہ کا لفظ نہیں سن سکتے البتہ امتحان کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی ذہنیت بہت مختلف تھی۔ اسلام نے بے شبہ ہر مومن کو حکیم بنا دیا لیکن اسلام سے پہلے وہ حکیمانہ دفتر آرائیوں کی صلاحیت سے محروم تھے۔ ان کے دماغ پر کسی تعلیم فلسفہ یا سائنس کا سایہ نہ پڑا تھا۔ وہ معجزات ہی طلب کرتے تھے۔ اس مطالبہ کا ذکر قرآن مجید میں کئی مرتبہ فرمایا گیا ہے۔

وقالوا لن نومن لک حتیٰ	اور وہ تم سے کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان
تفجر لنا من الارض ینبوعاً	نہیں لائیں گے کہ یا تو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ بہا
او تکون لک جنۃ من نخیل	نکالو یا کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو
و عنب فتفجر الانھار خلٰلھا	اور اس کے بیچ میں تم بہت سی نہریں جاری کر دکھاؤ
تفجیرا او تسقط السماء کما	یا جیسا کہ تمہارا خیال ہے آسمان کے ٹکڑے ہم پر لا کر گراؤ
زعمت علینا کسفاً او تاتی باللہ	یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو یا
والملٰئکۃ قبیلا او یکون لک	رہنے کے لیے تمہارا کوئی طلائی گھر ہو یا آسمان پر چڑھ
بیتٌ من زخرفٍ او ترقیٰ	جاؤ اور جب تک تم وہاں سے ایک کتاب اتار کر نہ لاؤ
فی السماءِ ولن نومن لرقیک حتیٰ	کہ ہم آپ اس کو پڑھ بھی لیں ہم تمہارے چڑھنے کو بھی باور
تنزل علینا کتاباً نقرؤہ قل سبحان	کرنے والے نہیں کہ دیکھئے (اے محمد صلعم) کہ میں رسول
ربی ھل کنت الا بشرا رسولا۔	تو ہوں مگر بشر رسول ہوں۔

اس مطالبہ کا جواب | ایک جواب تو آیت مندرجہ کے اختتام پر موجود ہے۔

"قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا" (کہہ دو کہ سبحان اللہ میں تو صرف آدمی ہوں اور پیغمبر ہوں)

ایک اور جواب یہ ہے:

"ویقول الذین کفروا لولا نزل علیہ آیۃ من ربہ انما انت منذر و لکل قوم ھاد۔" — کفار کہتے ہیں ان پر کوئی نشانی (معجزہ) خدا کے ہاں سے کیوں نہیں اتری۔ اے محمدؐ! تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے ایک ڈرانے والا ہوتا ہے۔

وقالوا لولا انزل علیہ آیات من ربہ قل انما الآیات عند اللہ وانما انا نذیر مبین۔ — کافر کہتے ہیں کہ ان پر خدا کے ہاں سے معجزے کیوں نہیں آئے۔ کہہ دو کہ معجزے تو خدا کے پاس ہوتے ہیں اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں۔

آیات مندرجہ کی ہم مضمون آیات اور بھی ہیں۔ خداوند تعالےٰ نے بار بار اپنے محبوب رسولؐ کو حکم دیا کہ آپ اپنی بشریت کا واضح اعلان کریں اور معجزات طلب کرنے والوں کو صاف کہہ دیں کہ آپ کسی معجزہ پر قادر نہیں ہیں۔ معجزے تو خدا کے پاس ہوتے ہیں اور آپ فقط ڈرانے والے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کی بے نیازی اللہ تعالیٰ کی بے نیازی ذیل کی آیات میں اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔

"قل لا اقول لکم عندی خزآئن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ۔" — ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو اس حکم پر چلتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

"قل لا املک لنفسی نفعاً و لا ضراً الا ما شآء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر و ما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یؤمنون ہ" (۷ : ۱۸۸) — ان لوگوں سے کہہ دو کہ میرا ذاتی نفع و نقصان بھی میرے اختیار میں نہیں ہاں جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر میں غیب کی بات جانتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھ کو گزند نہ پہنچتا۔ میں تو خوش خبری دینے والا اور خوف دلانے والا ہوں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

یہ باتیں رسولِ جلیلؐ اللہ تعالےٰ کے حکم کے ماتحت کہہ رہا ہے! وہ رسول جو لولاک کا خلعت پوش ہے۔ انبیاؑ کا سرتاج ہے اور انجمنِ کائنات کا صدر۔ کونین کا شہنشاہ ہے۔

کس زمانہ میں کہہ رہا ہے؟ آج سے چودہ سو برس پہلے!

کہاں کہہ رہا ہے؟ اور کن لوگوں کے سامنے کہہ رہا ہے؟ ریگزارِ عرب میں! اُمیوں کے سامنے! بدویوں کے مجمع میں جو بجز معجزات و خوارق کے اور کسی چیز سے مرعوب و متاثر نہ ہو سکتے تھے جن کو فلسفہ یا حکمت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن ان متواتر اعلانات

کے باوجود کہ میرے پاس خدا کے خزانے نہیں ہیں۔ میں غیب نہیں جانتا۔ میرا ذاتی نفع و نقصان بھی میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میں گزند سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ میں بشر ہوں فرشتہ نہیں ہوں۔ سارا عرب اس کے قدموں پہ گر جاتا ہے اور ایک ہی صدی کے اندر اندر مشرق و مغرب کی بلندیاں اس کے ذکر کو سجدہ کرتی ہیں۔

"ورفعنا لک ذکرک" ہم نے تیرے ذکر کو بلند کر دیا

کیا یہی ایک بات سینکڑوں معجزوں سے زیادہ نہ تھی!

دورِ جدید کا رنگ

قرآن مجید کی ان آیات میں اور اُن کے علاوہ تمام دیگر آیات میں یہ بات بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ زمانۂ حال کا رنگ جھلک رہا ہے اور یہ قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ یہ باتیں آج سے قریباً ڈیڑھ ہزار برس پہلے ان لوگوں سے کہی گئی تھیں جن کی طبائع ان کو قبول کرنے سے قاصر تھیں۔ دورِ قدیم میں تو لوگوں کی ذہنیت یہ تھی کہ شجر و حجر بلکہ نہایت ادنیٰ اور حقیر جانور بھی ان کی نظر میں "خدا" تھے۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے راجے خدا تھے۔ ہندوستان میں کرشن، رام چندر وغیرہ آج تک کروڑوں شخصوں کی نگاہ میں خدا ہیں۔ پیشوایانِ مذہب کو کمتر رتبہ کس طرح دیا جا سکتا تھا وہ بھی خدا تھے اور آج تک ہیں گوتم بدھ اور حضرت عیسٰیؑ کی مثالیں دیکھ لیجئے۔ ہم نے ایک مغربی پادری سے جو ریل گاڑی میں ہمارا ہم سفر تھا پوچھا کہ تم حضرت عیسٰیؑ کو خدا سمجھتے ہو۔ جواب دیا کہ ہاں عیسٰی خدا ہے (گفتگو انگریزی میں تھی)

ہم نے دورِ حاضر کے جس رنگ کا ذکر کیا ہے اس سے ذہنیت کا فقط وہ انقلاب مقصود ہے جو خود اسلام نے پیدا کیا۔

آیاتِ مندرجہ بالا کو نفیِ معجزہ کا ثبوت سمجھا گیا

اسلام نے تمام اوہامِ باطلہ اور وساوس کا خاتمہ کر دیا۔ اس نے اس بات کا بھی خاتمہ کر دیا کہ کوئی نبی معجزہ پر یا علمِ غیب پر قادر ہو سکتا ہے۔ قرآن میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے:

"وما کان لرسولٍ ان یاتی بایۃٍ الّا باذن اللہ" (کسی پیغمبر کی یہ مجال نہ تھی کہ کوئی معجزہ خدا کے اذن کے بغیر لا دکھائے)

آیاتِ مندرجۂ بالا سے نفیِ معجزہ فقط اِس حد تک ثابت ہے کہ نبی خدا کی اجازت کے بغیر معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ یہ چیز فقط قدرت کے ہاتھ ہے۔ بعض مسلمان بہت دُور چلے گئے۔ انہوں نے فریبِ تجدد کے دام میں آ کر سمجھ لیا کہ قرآن سے خوارق کا وجود ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن اگر نفیِ معجزہ سے مراد یہ ہے کہ معجزات کا اختیار رسولوں کو نہیں دیا گیا کہ جب چاہیں دکھا دیں تو ہم اس نفیِ معجزہ کو بھی معجزہ سمجھتے ہیں کہ روشن خیالی کی یہ بنیاد اُس زمانہ میں رکھی گئی جب تمام دنیا میں معجزہ پرستی کا اندھیرا تھا۔

"جاہل سے جاہل اقوام میں مسلمانوں کا خالص توحید کی رُوح پھونک دینا نہایت حیرت انگیز ہے" (لیکی)

رُوم میں مسیحیت کے عروج و اشاعت کا سبب وہ اہلِ روما کی معجزہ پرستی قرار دیتا ہے اور آخر میں کہتا ہے:-

"یہ چیز مطلق حیرت انگیز نہیں۔ یہ تو تمام تر حالاتِ معاصرانہ و اسباب طبعی کا صریحی نتیجہ تھا۔"
لیکن لیکی دو، اور فقط دو باتوں پر حیران ہوتا ہے۔ اس کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔
"ہمیں اس سے انکار نہیں کہ واقعاتِ تاریخی کی سطح تمام تر ہموار نہیں۔ بعض واقعات بلاشبہ تاریخ کی رفتارِ طبعی کے بظاہر مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ قطعی ہے کہ رومی حکومت کا اصطباغ ان مستثنیات میں نہیں۔ یہ تو ایک سیدھا سادہ طبعی اور معمولی واقعہ ہے جس کی توجیہ و تشریح علت و معلول کے عام سلسلہ میں بخوبی ہو جاتی ہے۔

یونان کی محدود و قلیل آبادی میں اکثر ایسے لوگ ایک دو کی تعداد میں نہیں بلکہ کثرت سے پیدا ہو گئے جن کی نظیر فلسفہ۔ شاعری۔ ڈرامہ۔ خطابت۔ نقاشی۔ مصوری۔ سیاست۔ موسیقی وغیرہ میں آج تک نہ پیدا ہو سکی یا مثلاً جاہل سے جاہل اقوام میں جن کے پست دماغوں کے لیے شرک و بت پرستی کا تخیل ناگزیر تھا، مسلمانوں کا خالص توحید کی روح پھونک دینا بے شبہ نہایت حیرت انگیز عجیب واقعات ہوئے ہیں اور گو ان میں سے پہلے واقعہ کی توجیہہ آب و ہوا۔ جغرافی۔ سیاسی۔ معاشری و ذہنی خصوصیات کی بنا پر کی جاتی ہے اور دوسرے کی اس بنا پر کی جاتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تصویر کشی اور دیگر فنونِ لطیفہ کو کس قدر دبا دیا تاہم ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ پھر بھی ان واقعات کی ندرت و بوالعجبی باقی رہتی ہے۔ لیکن میں مکرر کہتا ہوں کہ روم میں مسیحیت کا عروج و شیوع مطلق حیرت انگیز نہیں۔"

مسیحیت اور تائیدِ ربانی

سلسلۂ مذکور میں لیکی کی مندرجۂ ذیل سطور بھی پڑھنے کے لائق ہیں:۔
"جن مصنفوں کا خیال اس کے برعکس ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ روم میں مسیحیوں پر مظالم کیسے روا رکھے گئے۔ مسیحیت کو کس طرح حکومت نے کچلنا چاہا اور تعذیب و عقوبت کی کوئی شکل باقی نہیں رہی جس کا استعمال مسیحیت قبول کرنے والوں پر نہ کیا جاتا ہو۔ ایسی حالت میں اور ان عظیم الشان موانع کے باوجود بھی اگر مسیحیت نے قبولیت حاصل کی تو اسے سوا تائیدِ ربانی کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

میں اس رائے کی غلطی آئندہ صفحات میں دکھاتا ہوں اور یہ بتاتا ہوں کہ مسیحیوں پر جو کچھ بھی مظالم ہوئے وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس طرح کے نہ تھے کہ مسیحیت کی رفتارِ ترقی کو روک دیتے۔

اس کے بعد لیکی دو فصلوں میں تقریباً ساٹھ صفحات لکھ کر اس غلطی کو کامیابی سے دکھاتا ہے۔

جو شخص روم میں مسیحیت کی ترقی و اشاعت کو تاریخ کی رفتارِ طبعی کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور اس لئے اس کو تائیدِ ربانی نہیں سمجھتا وہ اسلام کے عقیدۂ توحید کی اشاعت کو حیرت انگیز اور عجیب و نادر تسلیم کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جاہل اقوام کے پست دماغوں کے لئے شرک و بت پرستی کا تخیل ناگزیر تھا۔ بالفاظِ دیگر وہ تسلیم کرتا ہے کہ جس نے ان اقوام میں خالص توحید کی روح پھونک دی اس کو تائیدِ ربانی حاصل تھی۔

مسیحیت اور اسلام کے حالات کا مقابلہ

یہاں ہم بطورِ اعادہ ان حالات کا مقابلہ کرتے ہیں جن کے ماتحت روم میں مسیحیت کی اشاعت ہوئی اور دنیا میں اسلام پھیلا تھا:

مسیحیت

۱۔ اہلِ روما کے دماغ پر وہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی مسلط تھی۔ ان کی معجزہ پرستی کی استعداد نے قبولِ مسیحیت کی راہ کشادہ کی۔

۲۔ معجزاتِ مسیح کے قصے صدی دو صدی کے بعد بغیر تفتیش کے قبول کر لیے گئے۔

۳۔ لیکی کہتا ہے کہ مسیحیوں نے سینکڑوں ہزاروں جعلی پیش گوئیوں کا بہت سارا لٹریچر جمع کر لیا۔

۴۔ تمام مسیحی خرقِ عادت اور علمِ غیب کے مدعی تھے۔

۵۔ بت پرستوں کے نظریات اور معتقدات مسیحیت نے قبول کر لئے کہانت کی واقعیت تسلیم کی گئی۔ دیوتاؤں کو مانا گیا جیسا کہ لیکی نے لکھا ہے۔

۶۔ ترقی کے میدان میں معجزات نے قدم قدم پر مسیحیت کا ساتھ دیا۔ اہلِ روم نے اپنی معجزہ پرستی کی وجہ سے اس کو قبول کیا پیروانِ مسیح نے معجزاتِ مسیح کی داستانیں پھیلائیں پیش گوئیوں کے جعلی دفتر تیار کئے۔ پیغمبر کو خدا بنا دیا اور خود صاحبِ کرامات بن گئے۔ بت پرستوں کے عقائد بھی قبول کر لئے کیونکہ کاہنوں کے بعض اقوال مسیحیت کو تقویت دیتے تھے۔

لیکن

ارضِ فرنگ ہی کا نقاد کہتا ہے کہ مسیحیت کا عروج روم یعنی یورپ میں کوئی معجزہ نہ تھا یا غیر معمولی بات نہ تھی۔

اسلام

۱۔ اسلام کے دشمن معجزات دیکھتے تھے لیکن مانتے نہ تھے بلکہ ان کو جادو سمجھ کر منہ پھیر لیتے تھے۔

۲۔ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اہلِ عرب کے درمیان موجود تھے۔

۳۔ یہ سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

۴۔ کفار کے مطالبہ کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ دیا جاتا تھا کہ میں غیب کا علم نہیں رکھتا معجزوں پر قادر نہیں ہوں۔ فقط بشر ہوں اور رسول ہوں۔

۵۔ اسلام نے کفر و شرک کی ہر شکل سے مکمل بیزاری اور علیحدگی اختیار کی۔

۶۔ اسلام نے معجزات و کرامات کا عصا نہ ٹیکا وہ جس کے ادنٰے غلام بھی صاحبِ کرامات ہیں بار بار اعلان کرتا ہے کہ معجزات خدا کے پاس ہیں میرے پاس نہیں ہیں۔ میں اپنے نفع و نقصان پر بھی قادر نہیں ہوں۔ میرے پاس غیب کا علم نہیں ہے۔ عالم الغیب فقط خدا ہے۔ میں بشر ہوں اور خدا کا پیغام پہنچا دیتا ہوں۔

اس لیے

ارضِ فرنگ کا وہی نقاد کہتا ہے کہ جاہل سے جاہل اقوام میں مسلمانوں کا خالص توحید کی روح پھونک دینا نہایت حیرت انگیز اور عجیب بات ہے یعنی معجزہ۔

اب آپ بھی بتائیے کیا نفیِ معجزہ بھی اسلام کا معجزہ ہے؟ کیا یہ عجیب بات ہے کہ اس قسم کی باتیں آج بیسویں صدی عیسوی میں نہیں بلکہ ساتویں صدی کی ابتدا میں کہی گئی تھیں۔

اسلام کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے

معجزہ کا فائدہ یہی ہو سکتا ہے کہ شکوک مٹ جائیں۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن ہی میں فرمادیا ہے "اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ"

ترجمہ: (جو کچھ ہم نے اپنے عبد پر نازل کیا ہے اگر اس میں تم کو شک ہے تو ایک ایسی سورت تم بھی لاکر پیش کردو)
اس سے ظاہر ہے کہ قرآن ہی وہ معجزہ ہے جو شک وارتیاب کا خاتمہ کردیتا ہے۔

ما بداں منزلِ عالی نتوانیم رسید
ہاں مگر لطفِ خدا پیش نہد گامے چند!

رسولِ اکرمؐ کا انتباہ

مولانا ڈاکٹر عبدالحی

کچھ عرصہ سے میری طبیعت ناساز چل رہی ہے ضعف بھی زیادہ ہے مگر آپ لوگ زحمت اٹھا کر دُور دُور سے آتے ہیں، عذر کرتے ہوئے بھی شرم معلوم ہوتی ہے۔

آج آپ لوگوں سے ایک بہت ضروری بات کہنی ہے جو بلا تکلف اور بلا خوف تردید عرض کرتا ہوں۔

دیکھئے! اس وقت زندگی کے کسی شعبہ پر بھی نظر ڈالیئے، ہر فرد پر کچھ ایسی بے حسی طاری ہے کہ کسی کو اپنے مآل کار کا ہوش نہیں، ہر شخص کے ذمہ اپنے اپنے مشاغل ہیں وہ دیندار ہوں یا دنیا دار۔ مگر سب کے ساتھ ایک بے حسی کا عالم ہے۔ میں سب کو تو نہیں کہتا مگر اکثر و بیشتر کی یہی حالت ہے۔ تجارت گاہوں میں، دفاتر میں، مختلف اداروں میں لوگ اپنی اپنی دُھن میں سرگرداں ہی رہتے ہیں قربِ قیامت کی علامات میں یہ بھی ہے کہ ایسا وقت آئے گا کہ لوگ اپنی زندگی کے انداز میں ایسے مدہوش ہو جائیں گے کہ ان کو یہ ہوش ہی نہ ہوگا کہ صبح کب ہوئی اور شام کب ہوئی اور کس طرح ہوئی جائز طریقہ سے ہوئی کہ ناجائز طریقہ سے۔ حلال کی کمائی ہوئی کہ حرام کی ہوئی۔ انسانوں کی طرح سے ہوئی کہ حیوانوں کی طرح ہوئی یہ احساس ہی مٹ جائے گا اس وقت اب ایسے ہی آثار دیکھ رہا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنی علامات قیامت احادیث میں ارشاد فرمائی ہیں وہ کچھ تو برملا اب پائی جارہی ہیں اور جن کا ابھی وقت نہیں آیا وہ بھی آئندہ ظاہر ہوتی رہیں گی۔

قربان جائیے اُس نبی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سے کہ جس نے دین کی یا دنیا کی کوئی بھی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی ضرورت اور بات ایسی باقی نہیں چھوڑی جس کے متعلق صاف اور کھلے الفاظ میں احکام نہ بیان فرما دیئے ہوں اور اُن کے منافع اور نقصان نہ بتا دیئے ہوں اگر مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا رسولؐ سمجھتے ہیں تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قسم کے اعمال پر جس قسم کے عذاب اور پریشانیوں کا مرتب ہونا ارشاد فرمایا ہے وہ تو یقیناً ہو کر رہیں گے مگر ہم کو اپنی مدہوشی کی وجہ سے ان ارشاداتِ نبویہ کی طرف دھیان دینے کی فرصت اور ہوش کہاں؟

علامات قیامت کے سلسلہ میں ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس اُمت میں ایک جماعت رات کو کھانے پینے اور لہو ولعب میں مشغول ہوگی اور صبح کو بندر اور سؤر کی صورتوں میں تبدیل ہو جائے گی اور بعض لوگوں کو زمین میں دھنس جانے کا عذاب ہوگا لوگ کہیں گے کہ آج رات فلاں خاندان دھنس گیا اور فلاں گھر دھنس گیا اور بعض لوگوں پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے جیسے کہ قوم لوط پر برسائے گئے تھے اور بعض لوگ آندھی سے تباہ ہوں گے۔ اور یہ سب کیوں ہوگا ان حرکتوں کی وجہ سے، شراب پینے کی وجہ سے۔ ریشمی لباس پہننے کی وجہ سے گانے والیاں رکھنے کی وجہ سے، سود کھانے کی وجہ سے، اور قطع رحمی کی وجہ سے۔ (مشکوٰۃ)

علاماتِ قیامت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ عام کساد بازاری ہوگی، زنا کی کثرت ہوگی، غیبت پھیل جائے گی، مالداروں کی عظمت کی جائے گی، منکرات کرنے والوں کا غلبہ ہوگا اور تعمیرات کی کثرت ہوگی۔ نیز فحش گوئی، بدخلقی، پڑوسیوں کے ساتھ برا برتاؤ۔ نیز یہ بھی علاماتِ قیامت میں ہے کہ مرگِ ناگہانی کثرت سے ہونے لگے گی جو آج کل عام طور سے ہونے لگی جس کو دل کی حرکت بند ہو جانا (HEART FAILURE) کہتے ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ نیک اعمال میں جلدی کرو مبادا ایسے فتنے واقع ہوں جو اندھیری رات کی طرح ہوں کہ حق ناحق کا پہچاننا مشکل ہو جائے ان میں آدمی صبح کو مسلمان ہوگا شام کو کافر۔ شام کو مسلمان ہوگا تو صبح کو کافر ہوگا معمولی سے دنیوی نفع کے عوض دین کو فروخت کرے گا (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ارشاد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس امت کے زمانہ میں خسف ہوگا یعنی آدمیوں اور مکانوں کا زمین میں دھنس جانا اور مسخ ہوگا کہ آدمی کتے اور بندر وغیرہ کی صورتوں میں ہو جائیں گے اور قذف ہوگا کہ آسمان سے پتھر برسنے لگیں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اس حالت میں بھی ہلاک ہو سکتے ہیں کہ ہم میں صلحاء موجود ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہاں جب خباثت کی کثرت ہو جائے۔

اور یہ ارشاد تو متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے وارد ہوا ہے کہ نیک کاموں کا آپس میں ایک دوسرے کو حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو ورنہ حق تعالیٰ شانہ تم پر اپنا عذاب مسلط کر دیں گے پھر تم اس سے دعائیں کرو گے تو تمہاری دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ارشاد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اسلام میں فوجیں کی فوجیں داخل ہو رہی ہیں لیکن ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اسی طرح فوجیں کی فوجیں اسلام سے خارج ہونے لگیں گی۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو قوم بدعہدی کرتی ہے اس میں آپس میں خونریزی ہوتی ہے اور جس قوم میں فحش کی کثرت ہوتی ہے اس میں اموات کی کثرت ہوتی ہے اور جو جماعت زکوٰۃ کو روک لیتی ہے اس سے بارش رک جاتی ہے

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جن لوگوں میں رشوت کی کثرت ہوتی ہے ان کے دلوں پر رعب کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ ہر شخص سے مرعوب رہتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، چند آدمیوں کے کسی ناجائز کام کے کرنے سے عام عذاب نازل نہیں فرماتے جب تک کہ ان لوگوں کے سامنے وہ کام کیا جائے اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں، اور جب یہ نوبت آجائے تو پھر عام و خاص سب ہی کو عذاب ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

اور یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے آج کل نئی نئی آفات اور حوادث روزمرہ کے واقعات ہیں، نئے نئے امراض، نئے نئے مصائب ایسے روز افزوں ہیں جو پہلے کبھی برسوں میں بھی سننے میں نہ آتے تھے:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب میری امت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے اور بازاروں کی تعمیر کو نمایاں کرنے لگے اور دراہم (روپیہ) جمع کرنے پر نکاح کرنے لگے (یعنی نکاح کرنے کے لئے بجائے دیانت، تقویٰ، دینداری کے مالدار ہونے کی رعایت ملحوظ ہو) تو حق تعالیٰ شانہ ان پر چار چیزیں مسلط فرما دیں گے۔

۱۔ زمانۂ قحط۔

۲۔ اور بادشاہ کا ظلم۔
۳۔ اور حکام کی خیانت۔
۴۔ اور دشمنوں کا حملہ۔ (مشکوٰۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علامات قیامت میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہر ذی رائے اپنی رائے کو سب سے اچھا سمجھے گا جس کا آج کل ظہور پوری طرح ہو رہا ہے، ہر شخص یہی سمجھتا ہے بزعم خود "ہمچو من دیگرے نیست" کہ جو میری سمجھ میں آیا ہے وہی درست اور ٹھیک ہے چاہے کوئی بڑا کچھ کہے یا چھوٹا۔

الغرض سینکڑوں روایات ہیں جن میں صاف طور سے نیک اعمال پر دارین کی فلاح اور بدعملی پر دارین کے نقصان تفصیل سے بتا دیئے گئے ہیں ——

مقصود ان چند احادیث کے ذکر کرنے سے یہی ہے کہ اگر ہمارے نزدیک حضور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سچے ہیں تو پھر ہم لوگوں کا اپنے اوپر کتنا صریح ظلم ہے کہ دیدہ و دانستہ ہم خود اپنے افعال سے ہلاکت میں پڑتے ہیں۔ نقصان اور خسارہ والے... امور اختیار کرتے ہیں اور کام کے انجام پر نظر نہیں کرتے۔

الغرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم پر غفلت کی مدہوشی طاری ہے اس کا تدارک کیا جائے اس کے لئے اپنے بزرگوں سے سنی ہوئی باتیں آپ کی ہدایت کے لئے عرض کر رہا ہوں، اس کے بعد واللہ اعلم یہ باتیں سننے میں بھی آئیں یا نہ آئیں۔

سب سے پہلے آپ اسی بات پر توجہ کر لیں کہ اس وقت دنیا جن آلام و آزار میں مبتلا ہے اور جس کا ہم کو کسی نہ کسی درجہ میں علم ہوتا رہتا ہے اس کے متعلق ہمارے کیا تاثرات ہیں؟

دیکھئے! ہم میں سے اکثر و بیشتر روزانہ اخبار پڑھتے ہیں پہلے صفحہ سے لے کر آخری صفحہ تک کیا ہوتا ہے؟ فلسطین میں یہ قتل عام ہو رہا ہے؟ عراق اور ایران میں کیسی خونریزیاں ہو رہی ہیں؟ افغانستان میں مسلمانوں کی کیسی تباہی و بربادی جان و مال کی ہو رہی ہے ہندوستان میں کیسے مسلم کش فسادات ہو رہے ہیں جہاں بغیر کسی داد و فریاد کے مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ روزمرہ یہ خبریں اخباروں میں آپ پڑھتے ہیں یا نہیں ——

اس کے علاوہ اور سانحات و حادثات کی خبریں برابر شائع ہوتی رہتی ہیں آج یہاں بس گر گئی۔ اتنے افراد ہلاک ہو گئے فلاں جگہ ریل کا حادثہ ہو گیا اتنے آدمی مر گئے۔ کہیں ہوائی جہاز گر گیا یا جہاز کا اغوا ہو گیا۔ آج فلاں جگہ آگ لگ گئی اتنا نقصان ہو گیا۔ آج فلاں جگہ زلزلہ آ گیا اتنے آدمی مر گئے آج فلاں محلہ میں قتل ہو گیا کل فلاں جگہ دوہرا قتل ہو گیا فلاں جگہ آج ڈاکہ پڑ گیا۔ فلاں گھر لوٹ لیا گیا۔ فلاں بنک لوٹ لیا گیا۔ یہ خبریں بلاناغہ روز اخباروں میں آپ پڑھتے ہیں یا نہیں؟

قتل، غارت گری، چوری، ڈاکہ، لوٹ مار، اغوا، کراچی میں، پاکستان میں اور بیرونی مقامات میں فلسطین و لبنان تک پہنچ جایئے۔

یہ سب ہو رہا ہے یا نہیں؟

بس آپ نے اخبار پڑھا اور ڈال دیا آپ سچ سچ اپنے تاثرات بتایئے کہ کسی کے دل میں ایک لمحہ کے لئے جنبش پیدا ہوئی

دن دہاڑے لوٹ مار، غارت گری، تباہ کاری، جانی اور مالی حادثات اور نقصانات کے واقعات وحالات پڑھے اور اخبار رکھ دیا کسی نے کوئی تاثر لیا؟

میں کہتا ہوں کہ کسی نے کوئی تاثر نہیں لیا تو یہ کتنی بڑی بے حسی ہے گویا یہ واقعات صرف اخبار میں پڑھ لینے کے لئے ہیں یا سُن لینے کے لئے ہیں آپ سے اور آپ کے امور زندگی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں، آپ کی جان و مال کو گویا کوئی خدشہ نہیں یہ کس قدر بے حسی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی پکارنے والا پکار اُٹھے ؎

؎ اے موجِ حوادث ان کو بھی دو چار تھپیڑے ہلکے سے کچھ لوگ ابھی تک ساحل پر طوفاں کا نظارہ کرتے ہیں

پھر انسانی ہمدردی کا بھی کوئی تقاضا ہونا چاہئیے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

بھائی اخبار پڑھنے کے بعد کم از کم دو کلمہ تو کہہ لیتے کہ یا اللہ اپنا رحم فرمائیے آپ کی مخلوق تباہ ہو رہی ہے ہم بھی محفوظ و مامون نہیں۔ یا اللہ ہماری اور ہمارے اہل وعیال کی حفاظت فرمائیے۔ کیا اخبار پڑھنے کے بعد یہ دو کلمے بھی آپ کی زبان سے نکلتے ہیں! یہ بے حسی ہے یا نہیں؟ یہ آپ نے اخباروں میں کس کا ذکر پڑھا۔ یہ سب اپنے مسلمان بھائیوں ہی کا ذکر تو تھا۔ کیا دین اور انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ اتنی دلسوزی اور ہمدردی بھی نہ ہو ایمان واسلام تو ہمیں انسانیت کی تعلیم دیتا ہے، جذبات انسانیت کو بیدار کرنے کے لئے آیا ہے اشرف المخلوقات بنانے کے لئے آیا ہے مگر ہم نے ساری انسانیت اور ساری اسلامیت بے حسی کی نذر کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کبھی غور بھی کیا کہ یہ نتیجہ کس بات کا ہے؟

اس کا سبب یہی ہے کہ عام طور پر مسلمان فی زمانہ غیر اسلامی تعلیم وتہذیب اور معاشرہ کے ماحول میں اسلامی شعائر وشعور سے بیگانہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور جو عبرت ناک حالات ابھی مذکور ہوئے ہیں وہ سب ہماری شامت اعمال اور بے محابا گناہوں کا خمیازہ ہیں، کاش ہم اس کا احساس کریں۔

اب دوسری بے حسی سنیئے جو اس سے بھی زیادہ سنگین ہے۔

میں ہمہ گیر بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اکثر وبیشتر کا حال ہے کہ کسی شعبے میں بھی تبائیے کہ شرافت دیانت اور امانت کا کام ہو رہا ہے! دفاتر میں جائیے، تجارت گاہوں میں جائیے، تعلیم گاہوں میں جائیے، انجمنوں میں جائیے بازاروں میں جائیے کہاں خدا کا قانون نہیں توڑا جا رہا کھلے بندوں جوا کھیلا جا رہا ہے شرابیں پی جا رہی ہیں، بدکاریاں ہو رہی ہیں بے شرمی اور بے غیرتی کے اڈے قائم ہیں سینما جاری ہیں، ٹیلی ویژن چل رہے ہیں۔ عورتوں کے ناچ رنگ ہو رہے ہیں۔ ریڈیو چل رہا ہے۔ فلمی گانے بجانے ہو رہے ہیں۔ اب ایک اور نامراد چیز چل رہی ہے جس کا نام وی سی آر کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں جہنم بن رہی ہیں بڑے ذوق شوق سے دیکھا جاتا ہے جو لوگ اسے ذوق شوق سے دیکھ رہے ہیں ان کو احساس تک نہیں کہ یہ باتیں سب ایمان واسلام کے خلاف ہیں اور کبیرہ گناہ ہیں۔ یہ بے حسی نہیں تو اور کیا ہے؟ کتنی حیا سوز، کتنی مخرب اخلاق اور کتنی برباد کرنے والے حرکات سینما اور ٹیلی ویژن پر ہو رہی ہیں کہ الامان الحفیظ۔

ہم لوگ انہیں دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اگر خدا کا قہر نازل ہو جائے تو پھر کیا ہوگا؟ یہ سب کبیرہ گناہوں میں شامل ہیں کہ نہیں ہیں؟ اللہ اور اللہ کے رسُول نے انہیں کبائر میں شمار کیا ہے کہ نہیں؟ ان کا خمیازہ اور وبال دنیا اور آخرت میں تبلایا ہے کہ نہیں

ہماری اور آپ کی دوسری بے حسی یہ ہے کہ ہم چاروں طرف کھلم کھلا علانیہ طور پر کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہوتے دیکھ رہے ہیں نہ اپنے لئے حفاظت کی دعا مانگتے ہیں اور نہ اُن کے لئے ہدایت کی دعا مانگتے ہیں۔ بھائی آخر کب تک بے حس رہو گے؛ ذرا اپنے اسلام اور ایمان کی خبر لو۔

میں پھر عرض کروں گا کہ اس وقت میرے مخاطب وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان و اسلام کی قدر نہیں ہے صرف اسلام کے نام سے موسوم ہیں تو کیا نام رکھ لینے سے؛ صورت شکل بنا لینے سے؛ مردم شماری میں مسلمان لکھے جانے سے آپ صحیح معنی میں مسلمان ہوگئے؛ کس نے آپ سے ایسا کہہ دیا شیطان نے آپ کو دھوکہ دیا ہے۔ یاد رکھئے! جب تک اللہ تعالےٰ کے تمام اوامر و نواہی پر نظر نہ جائے گی اور اُس کے احکام کی عظمت دل میں نہ ہوگی اور اُس کے مطابق عمل نہ ہوگا ہرگز آپ کا ایمان کامل نہیں۔ اب یہ اللہ تعالےٰ کی رحمت ہے کہ جس کو چاہیں بخش دیں۔ وہ اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کر دیں تو کوئی کہنے والا نہیں۔ اُن کی قدرت اور اُن کی رحمت ایسی ہی ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں عرض معروض کرنے کی کیا صورت ہے؟

غرضیکہ بے حسی کا یہ عالم ہے کہ دن رات کے سانحات سے نہ عبرت لیتے ہو۔ اور نہ رائج الوقت کبیرہ گناہوں کو دیکھ کر اپنے لئے اللہ سے پناہ مانگتے ہو۔ نہ اُن کے لئے اللہ تعالےٰ سے ہدایت کے لئے دعائیں مانگتے ہو حالانکہ نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی بہت سی دعائیں ہم کو تعلیم فرمائی ہیں جن میں تمام مسلمانوں کے لئے مغفرت اور عذاب الٰہی سے نجات مضمر ہے استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ذرا غور تو کرو: کہ اس زمانہ میں کون سے وہ گناہ ہیں اور کون سے وہ کبائر ہیں جن میں قوم کی اکثریت مبتلا نہیں ہے ذرا کلام الٰہی کو پڑھو اور تاریخ کو دیکھو گزشتہ زمانوں میں کتنی قومیں تباہ و برباد ہوئی ہیں اُنہی حرکتوں اور بدعملیوں سے جو آج کل رائج الوقت ہیں؛ ایک ایک حرکت اور کارنامہ اپنی قوم کا دیکھ لو کہ علانیہ کتنے گناہ کبیرہ کا رواج ہو رہا ہے؛ بازاروں میں؛ دفتروں میں؛ تجارت گاہوں میں؛ تعلیم گاہوں میں؛ تفریح گاہوں میں؛ حتیٰ کہ گھر گھر میں لغویات رائج ہوگئی ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ خاندانوں میں بدمزگی؛ آپس میں نااتفاقی؛ زن و شوہر میں نہیں بنتی؛ نہ ماں باپ کا احترام؛ نہ بڑوں کا ادب۔ معلوم ہوتا ہے کہ چین و سکون سلب ہوگیا ہے؛ بڑے عبرت کا مقام ہے بڑے مطمئن ہیں کہ ہم سفید پوش ہیں؛ دفاتر میں ہمارا یہ منصب اور رتبہ ہے تجارت گاہوں میں ہمارا اتنا سرمایہ ہے۔ بینک بیلنس بھرپور ہے کوٹھیاں ہیں؛ بنگلے ہیں؛ کاریں ہیں یہ ہے؛ وہ ہے۔ یہ سب کچھ سہی پر یہ تباؤ کہ تم انسان بھی ہو کہ نہیں؛ تمہارے اندر انسانیت کے جوہر بھی ہیں کہ نہیں و خاک بھی نہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے انسانوں کی سی بس صورت ہے لیکن اعمال حیوانوں سے بدتر ہیں۔ بھائی معاف کرنا میرا لہجہ تلخ ہوگیا مگر غور کرو اور اپنے گریبان میں سر ڈال کر دیکھو کہ اللہ تعالےٰ کے کھلے ہوئے احکامات کی کس بے باکی اور جرأت سے نافرمانی ہو رہی ہے اور معاشرہ میں کیسے اشد گناہ کبیرہ ہو رہے ہیں نہ عورتوں میں شرم و حیا ہے نہ مردوں میں غیرت۔ عورتیں برہنہ سر عریاں لباس پہنے بازاروں میں گھوم رہی ہیں؛ نوجوان لڑکیاں آزاد۔ نوجوان لڑکے آزاد۔ کیا یہ سب علامات قیامت نہیں ہیں؟ اور کیا ان پر قہر خداوندی اور عذاب الٰہی کو دعوت دینا احادیث میں اللہ کے سچے رسول نے نہیں بتلایا ہے؟ عبرت حاصل کرو اور توبہ و استغفار کرو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب کرو۔

ابتداء میں جو چند احادیث علامات قیامت کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں ان پر ایک بار پھر نظر ڈالیئے اور ان پر جو قہر خداوندی اور عذاب الٰہی ہونا ارشاد فرمایا گیا ہے اُن کو سوچیئے کہ جن معاصی اور گناہوں میں ہم ہر وقت مبتلا رہتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی جتنی کھلی ہوئی نافرمانیاں ہوتے دیکھتے ہیں اور اُن سے مانوس ہوئے جاتے ہیں اور جس شامت اعمال میں مبتلا ہو رہے ہیں اس کا بھی احساس نہیں ہے۔

ایسی حالت میں کیا تو ہماری دعائیں قبول ہوں اور کیا ہماری پریشانیاں دُور ہوں یہ تو اللہ کی رحمت خاصہ اور نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کی برکت ہے کہ پھر بھی ہم سب محفوظ اور مامون ہیں۔

غور کیجئے کہ میری باتوں میں کچھ حقیقت ہے یا محض باتیں ہی باتیں ہیں اب میں ایک اعلان کرتا ہوں جس کو عبرت اور غور و خوض کے ساتھ سنیئے اور وہی اس وقت کی تقریر سے میرا مقصود ہے خدا کرے کہ آپ لوگوں کے قلب میں کچھ جنبش ہو۔ کچھ خلش اور فکر پیدا ہو۔ پہلے آپ اپنے ذہن میں اُن باتوں کا استحضار کر لیجئے جو میں نے موجودہ معاشرہ کی بے حسی کے متعلق کہی ہیں کہ کس درجہ ہم نافرمانیوں اور گناہوں سے مانوس ہو گئے ہیں اور شب و روز کے حادثات و سانحات سے کیسے بے حس اور بے فکر ہو گئے ہیں۔

آج جو تھا سوز ہے منگل کا قصہ ہے کہ شام کو پانچ بجے مجھ سے کہا گیا کہ کچھ لوگ مجھ سے ملنے آئے ہیں میں باہر آ کر اُن میں بیٹھ گیا۔ وہ اجنبی لوگ تھے۔ معلوم یہ ہوا کہ پشاور کی طرف کے ہیں۔ اور اس وقت لانڈھی سے آئے ہیں ایک صاحب جو مجھ سے بات کر رہے تھے وہ بھی شاید صوبہ سرحد ہی کے تھے مگر وہ اُردو جانتے تھے اور باقی لوگ پشتو جانتے تھے کچھ اُردو بھی سمجھ لیتے تھے۔ میں نے اُس وقت اُن سے اس نیت سے باتیں نہیں سُنیں کہ ان کو بعینہٖ یاد رکھوں گا۔ وقت کم تھا مغرب قریب تھی۔ میں نے دریافت کیا کہ کیسے تشریف لائے؟ تو متکلم نے اشارہ کر کے کہا کہ یہ جو بڑے میاں بیٹھے ہیں اُنہوں نے کچھ خواب دیکھے ہیں اُن کی تعبیر لینے آئے ہیں۔

کہنے لگے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کہیں جا رہا ہوں کسی بزرگ کے پاس تفسیر پڑھنے کے لئے تو میں نے ان بزرگ سے کہا کہ مجھے تفسیر پڑھا دیجئے اُنہوں نے کہا کہ بھائی ہم پشتو میں تو پڑھائیں گے نہیں تفسیر پڑھا دیں گے اور تمہاری سمجھ میں آ جائے گی اتنے میں پیچھے سے ایک آواز آئی کہ۔

دیکھو! مسلمانوں سے کہہ دو کہ بیدار ہو جاؤ۔ خدا کا قہر نازل ہونے والا ہے اور اس سے کوئی نہیں بچے گا خدا کا قہر نازل ہونے والا ہے۔ مسلمانوں سے کہہ دو سنبھل جائیں۔ کہہ دو مسلمانوں سے۔ اعلان کر دو کہ گناہوں کو ترک کریں اور توبہ و استغفار کریں۔ جنہوں نے یہ خواب دیکھا وہ سیدھے سادے آدمی تھے دو ایک لوگوں سے اس خواب کا ذکر کر دیا۔ دوسری رات حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا۔

تم نے ہمارا اعلان کیوں نہیں لوگوں سے کہا؟

حضور اقدس رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لہجہ بدل کر فرمایا۔ تم نے ہمارا پیغام کیوں نہیں لوگوں تک پہنچایا کہ لوگوں میں طغیان بڑھ گیا ہے خدا کا قہر متوجہ ہونے والا ہے بیدار ہو جاؤ جلد توبہ کر دو استغفار کر دو۔ گناہوں کو ترک کریں۔

اب یہ بیدار ہوئے اور کچھ لوگوں سے ذکر کیا اپنے اس خواب کا۔ ظہر کی نماز جب مسجد میں پڑھنے گئے اور جماعت کھڑی ہونے لگی تو زلزلہ آیا۔ اور اتنے زور کا زلزلہ آیا کہ لوگ لڑکھڑا گئے اور گر گئے اس کے بعد متعدد جھٹکے آتے رہے یہ ابھی حال ہی کا واقعہ ہے اور اخبار میں لانڈھی میں زلزلہ محسوس ہونے کی خبر بھی شائع ہوئی ہے۔

اس کے بعد تیسری رات میں پھر حضور سرور کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھر زیارت ہوئی۔ آپ رحمۃ للعالمین ہمیشہ تھے اور ہمیشہ رہیں گے۔ آپ کی اُمت چاہے جو کچھ ہو جائے لیکن آپ کو اپنی اُمت کے ساتھ بڑی محبت اور تعلق ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تو ان صاحب کو پھر خواب میں زیارت ہوئی اُنہوں نے بتایا کہ۔

مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے لوگوں سے کیوں نہیں کہا؟ لوگوں سے علی الاعلان کہو کہ خدا کا قہر متوجہ ہونے والا ہے' (اور فرمایا کہ) لوگ تائب ہوجائیں' اپنے گناہوں کو چھوڑ دیں توبہ واستغفار کریں ورنہ خدا کا قہر متوجہ ہوجائے گا۔

صاحبِ خواب نے تین دن مسلسل یہ خواب دیکھے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس کی تعبیر بتائیے۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں کیا تعبیر بتاؤں تعبیر تو صاف ظاہر ہی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا رحم اور شانِ کرم ہے کہ اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے یہ اعلان کروا دیا اسی طرح کے خواب اور چند حضرات نے بھی دیکھے جن سے ان کے خواب کی تائید ہوتی ہے میں سوچتا رہا کہ یہ خواب کسی بزرگ سے کہوں' کس سے مشورہ کروں' کیا کرنا چاہیئے کس طرح اعلان عام کرنا چاہیئے تاکہ مسلمانوں کو اطلاع عام ہوجائے

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہر زمانہ میں' ہر ملک اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے نیک مقبول بندے گو تعداد میں کم سہی' موجود ہوتے ہیں جو تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام اور مسلمانوں کی مغفرت اور فلاحِ دارین کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں

میں نے اپنے بزرگانِ دین سے یہی سنا ہے کہ ایسے حوادثات کے وقت مساجد کے امام ہر پنجگانہ نماز کے بعد مسنونہ دعائیں استعاذہ کی پڑھیں اور مقتدی آمین کہیں' اس کے علاوہ ہر شخص نماز کے بعد چند دعائیں پڑھا کرے' عورتیں بھی پڑھیں تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت کچھ رحمتِ الٰہی کو متوجہ کرنے کی صورت ہوجائے گی اور ہم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہوگا۔ میں نے اسی دن سے ارادہ کیا کہ تمام مساجد کے ائمہ' جن سے میری ملاقات ہوتی ہے' اُن سے کہتا ہوں کہ آپ اپنی اپنی مساجد میں ایسی اجتماعی دعا بعد نماز جاری کردیجئے۔

آج مجھے آپ لوگوں سے بھی یہی کہنا تھا کہ ہوشیاری کے ساتھ سن لیجئے۔ مرد بھی اور عورتیں بھی' اپنے مصائب اور پریشانیوں کا اندازہ کرو' اور عبرت حاصل کرو۔ ترکِ معاصی اور گناہوں کو چھوڑ دو۔ ٹیلی ویژن' ریڈیو' سینما کی لغویات اور فضولیات اور فسق وفجور کی باتیں جو رائج الوقت ہو رہی ہیں ان سے بچو۔ اخباروں میں حادثات وسانحات کی خبریں پڑھو تو بارگاہِ الٰہی میں رقت کے ساتھ فریاد کرو کہ یا اللہ! یا ارحم الراحمین!! اُمت مسلمہ پر رحم فرمائیے یہ آپ کے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں ہم سب پر رحم فرمائیے جہاں لوگوں کو طرح طرح کی پریشانیوں میں بیماریوں میں گرفتار دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے پناہ چاہو اور بیماروں کی شفا کے لئے دعا کرو لوگوں کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت کے لئے دعا کرو اور اپنے لئے ہر گناہ سے بچنے کی توفیق کی دعا کرو اور توبہ واستغفار کو اپنا شعار بنالو۔

یہ اعلان معمولی بات نہیں ہے بڑا ضروری اور اہم اعلان ہے صرف خواب ہی کی اہمیت نہیں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیداری کی مستند احادیث میں صاف صاف اعلان کیا گیا ہے کہ گناہوں کی کثرت پر قہر خداوندی متوجہ ہوتا ہے اس سے پناہ مانگو۔ میں نے آپ سب لوگوں کے کان میں ڈال دیا ہے۔ اپنی اپنی مسجدوں میں' اپنے اپنے گھروں میں' اور اپنے اہل وعیال ومتعلقین سے کہو کہ ہر نماز کے بعد خدا کے قہر سے پناہ مانگیں اور خوب گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں' اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں' اور گناہوں کو بالکل ترک کر دیں۔

خدانخواستہ اگر ایسی ہی بے حسی غفلت اور مدہوشی چھائی رہی اور علانیہ طور پر یونہی اللہ جل شانہٗ کی نافرمانیاں ہوتی رہیں تو اندیشہ ہے کہ خدا کا قہر متوجہ نہ ہو جائے تو قبل اس کے کہ خدانخواستہ ایسا وقت آجائے توبہ و استغفار کرلو۔ اپنے لئے بھی کرو اور تمام مسلمانوں کے لئے کرو اور ایسی چند جامع دعائیں کتاب "معمولات یومیہ" میں شائع ہو چکی ہیں ان کو اپنا ورد بنایئے۔

قرآن کریم کی یہ دعائیں بھی اپنی نمازوں کے بعد اور ویسے بھی مطلب و معنی سمجھ کر مانگا کرو۔

۱۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ہ

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔

۲ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۔ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ، وَاعْفُ عَنَّا ، وَاغْفِرْ لَنَا ، وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا ، فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۔

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب! نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا رکھا تھا ہم سے اگلوں پر۔ اے ہمارے رب! اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ جس کی ہم کو طاقت نہیں اور درگذر ہم سے۔ اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر۔ تو ہی ہمارا رب ہے، مدد کر ہماری کافروں پر۔

۳ ۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ہ

ترجمہ:۔ اے میرے رب! بخش (مجھ کو) اور رحم کر، اور تو ہی سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

۴۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَصْلِحْهُمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِهِمْ وَاجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَالْحِكْمَةَ وَثَبِّتْهُمْ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِكَ وَاَوْزِعْهُمْ اَنْ یَّشْكُرُوْا نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ وَاَنْ یُّوْفُوْا بِعَهْدِكَ الَّذِیْ عَاهَدْتَّهُمْ عَلَیْهِ

یا اللہ بخشش فرما دیجئے تمام مومن مردوں اور عورتوں کی۔ اور ان کی بہتری فرما دیجئے اور ان کے آپس میں محبت و اخوت پیدا فرما دیجئے۔ اور ان کے دلوں میں ایمان و حکمت ڈال دیجئے اور ان کو اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین پر ثابت قدم رکھ اور ان کو اس کی توفیق عطا فرما کہ وہ تیری عنایت کی ہوئی نعمتوں کا شکر بجا لائیں اور اس کی بھی کہ وہ اس عہد کو نبھا سکیں جو آپ نے ان سے ازل میں لیا تھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک صحابی نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! آپ ہم کو ایک ایسی دعا بتلا دیجئے کہ جس میں تمام خیر اور سب دعائیں آجائیں آپ نے فرمایا کہ دیکھو! میں تم کو ایک ایسی ہی جامع دعا بتاتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی امت کو یہ دعا تعلیم فرمائی، اور کمال شفقت سے اپنا اسم گرامی ہر جزو کے ساتھ شامل فرما دیا تاکہ مقبولیت یقینی ہو جائے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَاَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

یا اللہ! ہم آپ سے وہ سب بھلائیاں اور خیر مانگتے ہیں جو آپ کے محبوب نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ سے مانگی ہیں یہ تو بڑی قوی اور جامع دعا ہے وہ کون سی خیر اور بھلائی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ سے نہیں طلب فرمائی۔

پھر دنیا میں خیر کے ساتھ شر کا بھی سلسلہ چل رہا ہے۔ تو جہاں اللہ تعالےٰ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کردہ دعا کے ذریعہ خیر طلب کی جائے وہیں شر سے اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگنے کی بھی ضرورت ہے اور اس کے لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ

وسلّم نے یہ جامع دعا تعلیم فرمائی کہ اس طرح اللہ تعالیٰ سے تمام شرور سے پناہ مانگا کرو۔
اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّمَا اسْتَعَاذَ مِنْہُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

یا اللہ! ہم آپ سے پناہ مانگتے ہیں ان تمام بُرائیوں اور شروروں سے جن سے آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آپ سے پناہ مانگی ہے

بس اب وقت بھی تھوڑا ہے مگر دعا سے پہلے میں ایک بات اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ معاشرہ کے حالات کیسے ہی ابتر ہوں اور ہم کیسے ہی شامتِ اعمال میں مبتلا ہوں مگر مایوسی اور نا امیدی کسی حال میں مسلمان کا شیوہ نہیں۔ ایمان اور اسلام اللہ تعالیٰ کی ایسی عظیم نعمت ہے کہ مسلمان کے لئے ہمیشہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کا وعدہ ہے اور کیسے پیار اور شفقت کے الفاظ میں خطاب فرمایا گیا ہے۔
یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

اے، میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پہ زیادتیاں کی ہیں تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید مت ہو، بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ مجھے ساری دنیا اور اس کی ہر چیز کے ملنے سے اتنی خوشی نہ ہوئی جتنی اس آیت کے نازل ہونے سے ہوئی ہے۔

تو یہ آیت ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں اور عفو و درگزر کی شان عظیم کا اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت گناہگار اور مایوس العلاج مریض کے حق میں اکسیر شفا کا حکم رکھتی ہے تو اس آیت میں تمام نافرمانوں کو گو وہ مشرک اور کافر بھی ہوں توبہ کی دعوت دی گئی ہے کہ اگر کوئی گذشتہ غلطیوں پر نادم ہو کر اور اللہ تعالیٰ کے بے پایاں جود و کرم سے شرما کر عصیان و نافرمانی کی راہ چھوڑ دے اور عجز و اخلاص کے ساتھ رب کریم کے احکام کے سامنے گردن ڈال دے تو ایسی سچی توبہ سے گذشتہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس لئے کسی کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ بھی اعلان فرما دیا ہے کہ جب تک بندے توبہ و استغفار کرتے رہیں گے ہم ان پر عذاب نازل نہیں فرمائیں گے مگر توبہ کی شرط ترکِ گناہ ہے۔

اور پھر یہی نہیں کہ سچی توبہ سے گذشتہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں بلکہ اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور اُن کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرماتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جس نے گناہ کے بعد توبہ کر لی وہ گویا بے گناہ ہو گیا، یعنی گناہ کے وبال سے بچ گیا۔

تو بھائی اللہ کی کریمی و رحیمی کا دریا بھی ابھی بہہ رہا ہے، لگاؤ اس میں غوطہ اور پاک صاف ہو جاؤ اور اگر کوئی اپنی بدنصیبی سے اُس کے لئے تیار نہیں ہے تو پھر اللہ کے عذاب کی گرداب میں پڑ کر تباہ ہونے اور خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق ہونے کے لئے تیار رہے، کیونکہ عصیان و نافرمانی کا نتیجہ ہمیشہ ہلاکت ہی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت بدلا نہیں کرتی۔ عمل اور ردِّ عمل قانونِ فطرت ہے۔

بس اب دعا کر لو۔

یا اللہ! ہمارے قلوب میں بیداری پیدا فرما دیجئے ہماری غفلتوں کو اور شامتِ اعمال کو دور فرما دیجئے۔

یا اللہ! ہم پر جو بے حسی طاری ہے اُسے دور فرما دیجئے۔

یا اللہ! تمام عالم امکان میں جہاں جہاں مسلمانوں پر تباہیاں اور بربادیاں آرہی ہیں، ان پر رحم فرمائیے۔ یہ سب ہمارے شامت اعمال کی صورتیں ہیں، ان کو اپنی رحمت سے بدل دیجئے۔

یا اللہ! ہماری توبہ اور استغفار کو قبول فرمائیے اور اپنے قہر کو ہم سے دور کر دیجئے اور ہم کو اپنے آغوشِ رحمت میں لے لیجئے۔

یا اللہ! ہر طرح کے مصائب و آلام سے۔ ہر طرح کے حادثات و سانحات سے، ہر طرح کے شر و فساد سے ہر طرح کے آلام و آزار سے ہماری، ہمارے اعزہ و اقارب کی اور تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائیے۔

یا اللہ! ہمارے وجود کو دنیا و آخرت کے دردناک عذاب سے بچا لیجئے اور عبرت ناک آزمائشوں سے بچا لیجئے۔

یا اللہ! ہم ضعیف الایمان ہیں کسی آزمائش کی سہار نہیں رکھتے ہیں ہمارے ساتھ اپنی مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائیے۔

یا اللہ! آپ خالق خیر و شر ہیں۔ ہم تمام شرور اور فتن سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں اور ہر طرح کی دین و دنیا کی خیر آپ سے طلب کرتے ہیں۔

یا اللہ! ہمارے ایمانی تقاضے بیدار فرما دیجئے ہمارے ایمان کو قوی فرما دیجئے۔ ہم کو سچا مومن و مسلمان بنا دیجئے۔

یا اللہ! ہم کو، ہمارے اہل و عیال کو، ہمارے دوست احباب کو ہمارے عزیز و اقربا، کو سب کو عافیتِ دارین نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! جو حاضر ہیں، ان کے حق میں بھی، اور جو حاضر نہیں اُن کے حق میں بھی ہماری دعائیں قبول فرمائیے۔

یا اللہ! لبنان، فلسطین، ہندوستان اور افغانستان کے مسلمانوں کی امداد و نصرت فرمائیے۔

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا۔

اور جہاں جہاں مغلوب ہیں دشمنانِ اسلام پر انہیں غلبہ عطا فرمائیے۔

یا اللہ! پاکستان کو فواحشات و منکرات سے پاک و صاف فرما دیجئے۔ ایمانی اور اسلامی شعور بیدار فرما دیجئے۔

یا اللہ! رشد و ہدایت کے دروازے ہمارے لئے کھول دیجئے۔

یا اللہ! ہمارے جو صاحب اقتدار ہیں، ان کے قلوب کو قوی فرما دیجئے۔ اسلام اور ایمان کی سچی محبت سے ان کے دلوں کو بھر دیجئے اور اشاعتِ دین و حفاظتِ دین کی ان کو توفیق عطا فرمائیے اور ان کی نصرت فرمائیے۔

یا اللہ! رشد و ہدایت کا فیصلہ اس قوم اور ملک کے حق میں صادر فرما دیجئے اور اس کے ذرائع و وسائل پیدا فرما دیجئے۔

یا اللہ! جو آپ کی نافرمانیوں اور گناہوں میں ملوث ہیں ان کے قلوب کو بدل دیجئے ان کو ہدایت نصیب فرمائیے ان کو سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیے۔ ان کو اپنا فرمانبردار بندہ بنا لیجئے۔

یا اللہ! اس ملک میں دین اور قرآن و سنت کی ہوائیں چلا دے اور فسق و فجور کے طوفان ٹھنڈے فرما دے اور دنیا میں سربلند فرما دیجئے۔

یا اللہ! ہم کو اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت عطا فرما دے۔ اسلام اور ایمان کی عظمت ہمارے دلوں میں بٹھا دے اور اُن کا حق ادا کرنے کی صلاحیت پیدا فرما دیجئے۔

یا اللہ! ہم میں جو صاحب اقتدار ہیں، اور جو مصلح بھی خواہانِ قوم و ملت ہیں، جو واعظین اور مبلغین ہیں اُن کے مساعی میں اور اُن کے ذرائع و وسائل میں اعانت و نصرت فرمائیے اور کامرانی عطا فرمائیے۔

(آمین رب العالمین، آمین ثم آمین)

موجودہ مشکلات اور سیرتِ رسولؐ

سید حامد علی

آج ساری دنیا پریشان ہے، انسانی مسائل میں گتھیوں پر گتھیاں پڑتی جارہی ہیں جو طریقے بناؤ اور سدھار کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں، وہ اُلٹا بگاڑ کا باعث ہوتے ہیں، کسی کو چین اور سکون حاصل نہیں، ایک دائمی بے اطمینانی ہے جو سب پر مسلط ہے۔ ایک جنگ ختم ہونے نہیں پاتی کہ دوسری جنگ کا ہوّا سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ جھگڑوں، خونریزیوں، فسادات، انقلابات اور باہمی کشمکشوں نے دنیا کا سکون بالکل غارت کردیا ہے۔ قومیں، قوموں سے، فرقے فرقوں سے، طبقے طبقوں سے، پارٹیاں پارٹیوں سے اور افراد افراد سے دست و گریبان ہیں اور یہ کشمکش ختم ہوتی نظر نہیں آتی، ہر شخص خود غرضی میں مبتلا ہے، کسی کو کسی پر اعتماد حاصل نہیں۔ نیکی، شرافت اور اخلاق کوئی چیز نہیں۔ انسان کا علم بہت بڑھ چکا ہے۔ وہ بڑے بڑے خوشنما فلسفے گھڑتا ہے بڑی دلفریب اسکیمیں بناتا ہے۔ امن و انسانیت، آزادی و فلاحِ عالم پر بڑی جادو بیانی کے ساتھ لیکچروں پر لیکچر دیتا ہے لیکن ان سب کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ دنیا کو دھوکہ دے اور لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اپنا اُلّو سیدھا کرے۔ انسان کو مادی وسائل پر بے پناہ قدرت حاصل ہوگئی ہے۔ یہ انسانیت کی بہترین تعمیر کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ لیکن انسان کے بگڑ جانے کی وجہ سے بدترین تخریب کا باعث بن گئی ہے۔ آج انسان کی عقل جواب دے چکی ہے اس کی تمام تدبیریں فیل ہوچکی ہیں۔ خدا کی ہدایت اور اس کے رسولوں کی رہنمائی کی ضرورت اگر کبھی انسان کو ہوتی تھی تو آج یہ ضرورت سب سے زیادہ ہے

انسان کی سب سے بڑی مشکل کسی متفقہ اقتدار کا نہ ہونا ہے، کوئی ایسا اقتدار نہیں جسے سب مل کر تسلیم کرسکیں جس کی سب اطاعت کرسکیں اور جو انسانیت کے شیرازے کو مجتمع رکھنے کا باعث ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں تصادم اور کشمکش کا ایک طوفان برپا ہے اور کوئی روکنے والا نہیں، نہ کوئی کسی کی سنتا ہے۔ یہ سب سے بڑی گتھی ہے جس کے حل ہونے پر دوسری گتھیوں کے سلجھنے کا دارومدار ہے۔

اللہ کے رسولؐ نے اس گتھی کو انتہائی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے۔ آپؐ نے دنیا کے انسانوں کے سامنے یہ حقیقت دلائل کی روشنی میں رکھی کہ دنیا کے انسان جو کبھی پیدا ہوئے تھے جو آج موجود ہیں اور جو آئندہ رہتی دنیا تک پیدا ہوں گے، ان کا پیدا کرنے والا، پالنے والا، ان کی زندگی و موت کا مالک، ان کے لئے زندگی کا تمام سامان بہم پہنچانے والا، انہیں جسمانی، ذہنی، روحانی ہر قسم کے قویٰ بخشنے والا صرف اللہ ہے اسی نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہی اس نظامِ عالم کا نگراں اور مدبّر و منتظم ہے۔ وہی تمام انسانوں کا مالک اور آقا ہے اور وہی ان کا حقیقی فرمانروا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی جو کتاب انسانوں کی ہدایت کے لئے لائے اس کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (شکر و ستائش اللہ کے لئے ہے جو ساری کائنات کا مالک

اور پروردگار ہے) سے ہوتی ہے اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ .... (کہہ دیجئے میں پناہ چاہتا ہوں تمام انسانوں کے پروردگار کی تمام انسانوں کے بادشاہ کی اور تمام انسانوں کے معبود کی) پر اس کی انتہا ہوتی ہے۔ اور اس کا پورا زور اسی بنیادی تعلیم پر ہے کہ تمام انسان اللہ کو اپنا مالک و آقا مانیں اور اُسی کو مقتدرِ اعلیٰ تسلیم کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی اسی بات کے منوانے میں صرف کر دی اور اپنے پیچھے ایک بہت بڑی جماعت چھوڑی جو اس بنیاد پر متفق ہو چکی تھی۔

آپ غور کریں تو انسانوں کی اس گتھی کو سلجھانے کا یہی فطری اور حقیقی حل ہے اور اُس کے سوا اس کا اور کوئی حل ہے نہیں۔ کسی ایک انسان کی حاکمیت سے ایک قوم کے افراد بھی مطمئن و راضی نہیں ہوتے تو تمام انسان اور سب قومیں کس طرح راضی ہوں گی۔ اس دور میں جب کہ ہر قوم دوسری قوم سے انتہائی بدظن ہے اور ان میں اتحاد کی کوئی بنیاد نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی ایک انسان کو جو بہر حال کسی خاص قوم سے متعلق ہوگا، سب اپنا فرمانروا منتخب کریں اور اگر ایسا ہو بھی جائے اور اس شخص کو قوت و اقتدار کے سارے ذرائع و وسائل سونپ دیئے جائیں تو اس کے سوا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا فرعون بن جائے اور اپنی طاقت کے نشے میں تمام انسانوں کو مصائب و آلام میں مبتلا کر دے۔ معمولی اقتدار پانے پر بھی انسان نے ہمیشہ یہی کیا ہے، تو اتنے بڑے اقتدار کے مل جانے کے بعد وہ کیوں ظلم کی راہ اختیار نہ کرے گا؟ انسان اغراض اور خواہشات سے پاک نہیں ہو سکتا اس لئے وہ اپنے لئے، اپنے خاندان کے لئے، اپنے فرقے اور اپنی قوم کے لئے سارے فائدے سمیٹ لے گا اور باقی انسانوں کو اُن سے محروم کر دے گا۔ وہ بہر حال اپنے عزیزوں سے زیادہ محبت رکھتا ہوگا، وہ اپنے خاندان کو زیادہ چاہتا ہوگا اور اپنی قوم کو زیادہ پسند کرتا ہوگا اس لئے وہ سب کے ساتھ یکساں انصاف نہ کر سکے گا، اس کے احکام میں عدل اور مساوات کی بجائے ظلم اور نامساوات ہوگی۔ اس کا علم کسی طرح اتنا وسیع نہیں ہو سکتا کہ وہ سب انسانوں کی ضروریات سے واقف ہو، سب کی فلاح و بہبود کے طریقوں سے باخبر ہو اور سب کی فطری صلاحیتوں کے ارتقاء کی راہیں جانتا ہو، وہ جہالت کی وجہ سے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے گا اور اس طرح انسانیت کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔ رہی یہ بات کہ کوئی ادارہ تمام انسانوں کا حاکم بن جائے تو یہ اور بھی ناممکن ہے۔ ایسے ادارے جو مختلف اغراض و مقاصد رکھنے والی قوموں کے اشتراک سے وجود میں آئے کبھی ایسی طاقت ہاتھ نہیں آسکتی کہ وہ سب قوموں اور سب انسانوں کو ایک مرکز پر جمع کر سکے اور انہیں اپنی اطاعت کے لئے مجبور کر سکے، اس ادارے کے پاس متصادم اغراض کے سوا کوئی ایسا بنیادی قانون بھی نہ ہوگا جس کو سب دل و جان سے مانتے ہوں اور جس کے مطابق انسانیت کے اختلافات طے ہو سکتے ہوں۔ یہ ادارہ لازمی طور پر قوت و اکثریت رکھنے والی قوموں کے ہاتھ میں ایک کھلونا بن جائے گا اور ان کی ناجائز اغراض پورا کرنے کے سوا کسی بھی گتھی کو سلجھا نہ سکے گا۔ یہی حال لیگ آف نیشنز کا ہوا اور یہی یو این او کا ہو رہا ہے اور یہی حشر ہر اس ادارے کا ہوگا جس کی بنیاد کسی متفقہ مقصد و مفاد پر نہ ہو اور جس کی زمام کسی ایک مقتدرِ اعلیٰ کے ہاتھ میں نہ ہو۔

اللہ سب کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے۔ اس لئے اس کی حاکمیت پر سب انسان اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ وہ ساری کائنات کا حاکم و فرمانروا ہے۔ اس لئے اگر انسان اُسے حاکم مان لے گا تو اس کے اقتدار میں کوئی اضافہ نہ ہوگا کہ نشۂ اقتدار کا خطرہ ہو۔ اس کی حکومت کسی کے قائم کرنے اور تسلیم کرنے کی محتاج نہیں کہ اس کی وجہ سے وہ لوگوں کی ناروا رعایت کرے، اس کی حکومت آپ سے آپ قائم ہے۔ وہ ظلم سے پاک ہے۔ عدل و انصاف کا سرچشمہ اور اس کا خالق ہے۔ اس لئے اس سے تمام انسانوں کو یکساں طور پر عدل و انصاف مل سکتا ہے۔ سب انسان اس کے بندے ہیں۔ اس کا تعلق سب سے یکساں ہے، اس کی مہربانیاں سب کے لئے عام ہیں، اس لئے اس کی حکومت میں کسی کی حق تلفی نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے کسی کو

جانب داری کا ڈر ہو سکتا ہے۔ پھر وہ تمام انسانوں کی تمام ضروریات سے اچھی طرح واقف ہے اور ان کی تمام فطری صلاحیتوں اور ان کے ارتقاء کی ایک ایک راہ سے خوب باخبر ہے اس لئے اس سے بہتر اور اس کے سوا انسانوں کے لیے مقتدر اعلیٰ اور واحد مقتدر اعلیٰ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

انسانیت کی دوسری بڑی مشکل کسی مشترک رشتے کا نہ ہونا ہے۔ یہ بات اس وقت تو کسی حد تک قابلِ برداشت تھی جب دنیا کی قومیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ پڑی تھیں اور ایک دوسرے سے غیر متعلق تھیں لیکن آج جب کہ پوری دنیا ایک شہر اور تمام قومیں ایک خاندان میں تبدیل ہو گئی ہیں ان میں کسی رشتے کا نہ ہونا کتنی بڑی مصیبت ہے! اسی کا نتیجہ ہے کہ سفید فام سیاہ فام کے دشمن ہیں، ایشیا اور یورپ میں برتری اور کمتری کی مستقل نسبت قائم ہے اور آرین نسل کے لوگ سامی نسل والوں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر قوم دوسری قوم کی بدخواہ ہے اور ہر ملک دوسرے ملک کا مخالف، یہ دوسری بڑی غلطی ہے جس نے انسانوں کو جنگل کے وحشی درندوں کے مقام سے بھی گرا دیا ہے اور پوری دنیا ردما کے اکھاڑوں کی شکل میں تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔

وحدت انسانیت کے اس سب سے بڑے علمبردار (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس گتھی کو سلجھانے کے لئے سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی کوشش کی کہ سب انسان ایک خالق کی مخلوق، ایک مالک کے بندے اور ایک حاکم کی رعیت ہیں اور انہیں صاف صاف الفاظ میں بتا دیا کہ ان کا مالک اپنی رعیت کو متحد و متفق دیکھنا پسند کرتا ہے اور وہ جھگڑے فساد اور دشمنی و بدخواہی کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ آپؐ نے دوسری بات یہ بتائی کہ زمین کو جن جغرافیائی سیاسی اور معاشی حدود میں بانٹ دیا گیا اور جن کی وجہ سے انسانیت قومیتوں کی ناقابلِ شکست قسموں اور تفریقوں میں تقسیم ہو گئی۔ ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ پوری زمین اللہ کی ہے اور اس پر پائے جانے والے سارے ذرائع و وسائل اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور سب انسانوں کے لئے ہیں، پوری زمین انسان کا وطن ہے اور خاک و وطن کے تمام تعصبات نہ صرف یہ کہ بے اصل ہیں بلکہ انتہائی غلط اور مالک ارض و سما کی ناخوشی کا باعث ہیں۔

اس کے بعد آپؐ نے یہ بات دلوں میں پیوست کی کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ (آدم و حوّا) کی اولاد ہیں اس لئے ان میں خون کا اشتراک ہے اور وہ بھائی بھائی ہیں، رنگ و نسل کی ساری تفریقیں غلط اور بے بنیاد ہیں، کسی کو کسی پر رنگ و نسل کی بنیاد پر کوئی برتری اور بڑائی نہیں۔ تقسیم ایک ہی صحیح ہے اور وہ ہے اچھوں اور بروں کی تقسیم، خدا کو مقتدرِ اعلیٰ ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی تقسیم۔

جس سوسائٹی اور جس قوم کو آپؐ نے سب سے پہلے یہ تعلیم دی وہ اس لحاظ سے بہت گئی گزری تھی، چھوٹی سی قوم ہونے کے باوجود اس میں سینکڑوں قبیلے تھے۔ پھر ہر قبیلے کے مختلف ٹکڑے تھے اور ہر ٹکڑے میں مختلف خاندان اور کنبے تھے اور ان میں سے ہر ایک اس نسلی غرور کا بُری طرح مارا ہوا تھا، اسی بنا پر وہ آپس میں دست و گریبان رہتے تھے اور کسی طرح بھی ان کو متحد نہ کیا جا سکتا تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ چند سال کے اندر وہ بھائی بھائی بن گئے اور جہاں جہاں یہ پیغام گیا اور اسے دل و جان سے تسلیم کیا گیا وہاں تمام تفریقیں ختم ہو گئیں اور ایک عالمگیر برادری اور ہمہ گیر اخوت وجود میں آ گئی جس کا ہر فرد دوسرے فرد سے اسی طرح وابستہ و متعلق تھا جس طرح ایک جسم کے اعضا ایک دوسرے سے ——— آج بھی اس تعلیم کو عام کرنے سے یہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اور انسانیت کا انتشار اور تصادم یقینی طور پر ختم ہو سکتا ہے۔

انسانیت کی تیسری پریشانی کسی متفقہ نصب العین کا نہ ہونا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مختلف قوموں کے نصب العین مختلف ہیں ہر فرقے اور ہر طبقے کا نصب العین جدا ہے۔ ہر خاندان اور ہر فرد کا مقصدِ زندگی علیحدہ ہے جن کے حاصل کرنے کے لئے یہ سب اپنی سی پوری کوشش کرتے ہیں۔

اس طرح یہ نصب العین ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور دنیا کے امن و امان کے لیے خطرے کا باعث ہوتے ہیں۔ پھر یہ نصب العین عموماً غلط ہوتے ہیں اور ان کے غلط ہونے کی وجہ سے نوعِ انسانی کی بہترین صلاحیتیں اور زمین کے کثیر مادی وسائل نہ صرف رائیگاں جاتے ہیں بلکہ وہ انسانیت کی تخریب میں صرف ہوتے ہیں۔ پھر یہ نصب العین آئے دن بدلتے رہتے ہیں اور اس طرح انسانوں کو مسلسل ذہنی، عملی اور سیاسی و معاشی پریشانی میں مبتلا رہنا پڑتا ہے۔ یہ ہے تیسری پریشانی جسے دور کئے بغیر انسانیت کی گاڑی چند قدم بھی خطرے کے بغیر نہیں چل سکتی۔

اس مشکل کو بھی دنیا کے سب سے بڑے رہنما نے بڑی عمدگی سے حل کیا۔ آپ نے بتایا کہ انسان کی زندگی کا مقصد اور پوری انسانیت کا نصب العین مقرر کرنا اصل میں خالق و مالک کا کام ہے۔ وہی بتا سکتا ہے کہ اس نے سب انسانوں کو کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور وہی بتا سکتا ہے کہ کون سا نصب العین صحیح ہے، انسانیت کے لیے مفید ہے اور نوعِ انسانی کے اتحاد و اتفاق کا باعث ہے۔ آپؐ نے بتایا کہ یہ پوری کائنات اللہ کی تابع فرمان ہے اور اس کی ہر ہر شے کی زندگی اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں بسر ہو رہی ہے، انسان بھی اسی کائنات کا ایک جزو ہے اُسے بھی خدا نے پیدا کیا ہے، وہ خدا ہی کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور خدا ہی اس کا مالک و آقا ہے اس لئے انسان کی زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے مالک و آقا اور خالق و پروردگار کی اطاعت و بندگی اختیار کرے اور اپنی ساری کوششیں خدائے پاک کو خوش کرنے میں صرف کرے۔ یہی ہر انسان کا مقصد ہے، ہر خاندان اور ہر گروہ کا مقصد ہے اور ہر قوم اور پوری نوعِ انسانی کا مقصد ہے۔ اسی لئے مقاصد کے اختلاف سے جو کشمکش آئے دن برپا رہتی ہے وہ اُسے اختیار کر لینے کے بعد آپ سے آپ ختم ہو جاتی ہے۔ پھر یہ ایک ایسا مقصد ہے جو صحیح او رمفید ہے جو سب انسانوں کی فطرت کو اپیل کر سکتا ہے اور جس پر تمام دنیا کے انسان اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

چوتھی مشکل یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان کوئی ایسا مشترک اور منصفانہ مفاد موجود نہیں جو ان سب کو یکجا رکھے اور ایک مقصد میں لگائے رکھے ایک فرد سے لیکر ایک قوم تک سب کے مفاد جدا ہیں، ہر شخص خود غرضی میں مبتلا ہے، ہر قوم مفاد پرستی کا شکار ہے ہر طبقے اور ہر انسان پر اپنے مادی مفاد کا بھوت سوار ہے، ہر ایک اپنے جائز و ناجائز حقوق ہر طرح منوانے پر مُصر ہے اور دوسروں کے حقوق دینے کے لئے کسی طرح تیار نہیں، ہر ایک دنیا کے تمام مادی وسائل پر قابض ہونا چاہتا ہے اور دوسروں کو کچھ دینا نہیں چاہتا۔ یہ کشمکش ہر دم جاری ہے اور برابر تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ دنیا کے محدود وسائل اس کشمکش کو سہار نہیں سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جنگوں پر جنگیں جاری ہیں، دنیا ایک سخت قسم کے معاشی بحران میں مبتلا ہے، ہر طرف بے اطمینانی، بے چینی، بھوک، خوف و ہراس کا دور دورہ ہے۔ روز بروز حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مکمل تباہی و بربادی کے قعرِ عمیق میں گرا ہی چاہتی ہے۔ بڑے بڑے امید افزا اور خوش آئند پروگرام پیش ہوتے ہیں مگر مفادات کی کشمکش کی وجہ سے سب کے سب خاک میں مل جاتے ہیں۔ انسانوں کی خود غرضیاں ہر بنتے ہوئے کام کو بگاڑ دیتی ہیں اور اس طرح کوئی الجھن دور نہیں ہوتی بلکہ کئی الجھنوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

انسانیت کے اس سب سے بڑے محسن نے اس عقدۂ لاینحل کا جو حل پیش کیا ہے اس سے بہتر کسی حل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے آثارِ کائنات اور قوانینِ فطرت کی روشنی میں دنیا کو اس حقیقت سے روشناس کرایا کہ زندگی یہی زندگی نہیں ہے، مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی انسان کو ملے گی یہ زندگی دائمی و ابدی ہوگی، جس عالم میں یہ زندگی بسر کرنا ہوگی اس کے ذرائع و وسائل غیر محدود اور اس کی نعمتیں اور تکلیفیں بے پایاں و غیر فانی ہوں گی۔ اس عالم کی دوامی اور لامحدود نعمتوں کے مقابلے میں اس دنیا کی چند روزہ اور محدود فائدوں کی وہی حیثیت ہے جو سمندر کے

مقابلے میں ایک حقیر لونڈی کی۔ دنیا کی یہ حقیر نعمتیں پوری جدوجہد اور دوڑ دھوپ کے باوجود اکثر انسانوں کو حاصل نہیں ہو پاتیں اور وہ اس کی تمنا کرتے کرتے ہی دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں لیکن اس عالم کی لازوال اور عظیم نعمتیں ہر اس انسان کو جو اُن کے لئے مناسب کوشش کرے یقیناً ملیں گی، خواہش اور تمنا کے مطابق ملیں گی، بلکہ انسان کی تمنا سے کہیں زیادہ ملیں گی اور اتنی اور ایسی ملیں گی کہ انسان کا تصور کسی طرح وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتا لیکن یہ سب کچھ صرف اُن لوگوں کو ملے گا جو دنیا کے بھوکے ہونے کے بجائے آخرت کی کامیابی کے دلدادہ ہوں جو مادہ پرست ہونے کے بجائے خدا پرستی کے پیکر ہوں جو ہوس کے بندے ہونے کے بجائے خدا کے بندے اور اس کے تابع فرمان ہوں، جو خدا کی تھوڑی سی خوشنودی کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت کو ہیچ سمجھتے ہوں، جو حق پرستی اور انصاف کے لئے اپنے بڑے سے بڑے فائدے کو قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوں جو اپنے ناجائز مفادات کو پورا کرنے کے چکر میں پھنسے رہنے کے بجائے دوسروں کے حقوق ادا کرنے اور انسانیت کی خدمت کرنے کے لئے غلطاں و پیچاں رہتے ہوں، جو خود تکلیفیں اٹھا اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہوں۔ ایسے ہی لوگ آخرت میں کامیاب ہوں گے اور دائمی و ابدی نعمتوں کے مالک، لیکن جو لوگ ایسے نہ ہوں جو اپنے مادی فائدوں کی خاطر خدا کی خوشنودی، آخرت کی کامیابی، انسانیت، امن و انصاف سب کو قربان کر سکتے ہوں اور کر دیتے ہوں اُن کے لئے اس عالم میں دردناک سزائیں ہوں گی، ہولناک تکلیفیں ہوں گی، مصائب و شدائد کا ہجوم ہوگا۔ ایسے ایسے دکھ ہوں گے جن کو انسان کسی طرح برداشت نہ کر سکے گا، وہ چاہے گا کہ اسے موت آجائے، لیکن موت بھی اس کی دستگیری نہ کرے گی، یہ سزائیں دائمی اور غیر فانی ہوں گی۔ اس عذاب کے مقابلے میں دنیا کے سارے عذاب ہیچ ہوں گے۔ انسان کے پاس اس عالم میں کچھ بھی نہ ہوگا، کوئی اس کا امداد کرنے والا نہ ہوگا۔ کسی کی سفارش وہاں کام نہ آئے گی۔ انسان نہ اس عذاب سے نکل کر بھاگ سکے گا اور نہ دنیا بھر کی ساری دولتیں اور نعمتیں دے کر اس عالم کے معمولی عذاب سے نجات پا سکے گا — اس عقیدے کو آپؐ نے زندگی بھر مختلف انداز سے ذہنوں میں اتارا اور اپنا ماننے والوں کے رگ و پے میں پیوست کر دیا، نتیجہ کیا ہوا، تاریخ سے معلوم کیجئے، مسلمانوں کے بجائے غیر مسلموں سے دریافت کیجئے۔ سب جانتے اور سب مانتے ہیں کہ جن لوگوں کے ذہن میں یہ عقیدہ اچھی طرح بیٹھ گیا تھا۔ ان کے ہاتھوں ایک ایسا زریں دور وجود میں آیا جس سے زیادہ پُرسکون اور انصاف پرور دور دنیا نے کبھی نہ دیکھا یہ لوگ قعرِ مذلت سے اٹھ کر تختِ حکومت پر جا بیٹھے لیکن نشۂ اقتدار سے بدمست نہ ہوئے۔ یہ کروڑوں اور اربوں انسانوں کی جان و مال کے مالک بنے۔ لیکن ہمیشہ اپنے آپ کو ان کا خادم سمجھتے رہے، یہ فاتحے کرتے کرتے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے وارث ہو گئے مگر دولت پرستی اور ہوسِ اقتدار کا شکار نہ ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں بے شمار دولت آتی اور رعیت کو ملتی تھی مگر انہوں نے سادہ زندگی گزاری اور وہ قوتِ لایموت سے زیادہ لینے کے خواہشمند نہ ہوئے۔ وہ مظلومیت کی زندگی گزارتے گزارتے اٹھے اور بے پناہ اقتدار کے مالک ہوئے لیکن اس کے باوجود ظالم و جابر نہ ہوئے۔ ان کے بدترین دشمنوں نے گواہیاں دیں کہ وہ دشمن و دوست سب کے ساتھ یکساں انصاف کرتے ہیں، سب کے حقوق کا برابر خیال رکھتے ہیں اور ہر انسان کے جان و مال کو اپنے جان و مال کی طرح عزیز و قیمتی سمجھتے ہیں —— آج بھی اگر اس دور کو واپس لانا ہے تو آخرت کے عقیدے ہی کو ذہن میں اتارنا ہوگا اور دنیا کے مفادات کے بجائے آخرت کی کامیابی کو اپنا مقصود بنانا ہوگا۔

دنیا کی پانچویں گتھی کسی ایسے کامل اور متوازن نظامِ زندگی کا نہ ہونا ہے جو خیر و صلاح کا سرچشمہ ہو، فلاح و بہبود کا ضامن ہو جس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے متوازن اصول ہوں جس میں تمام انسانی قوتوں اور صلاحیتوں کے ارتقاء اور ہم آہنگی کا سامان ہو جس میں ہر ہر فرد، ہر ہر صنف، ہر ہر قوم اور پوری نوعِ انسانی کے تمام مسائل کا صحیح اور عادلانہ حل ہو، جس میں پوری زندگی اور ہر ایک کی پوری رہنمائی کا مکمل انتظام ہو، جو نہ صرف آج کارآمد

ر صحیح ہو بلکہ کل حالات کے بدل جانے اور مادی حیثیت سے انسان کے ارتقار کر جانے کے بعد بھی بدستور موزوں اور صحیح ہو — ایسا نظام زندگی انسان اتنک وضع نہیں کرسکا اور نہ اپنے محدود علم، ناقص عقل، مستقبل کے حالات سے اپنی بے خبری، خواہشات واغراض اور جذبات کی بندگی کرتے ہوئے وہ سا نظام کبھی وضع کر سکتا ہے، کچھ ناقص، غیر متوازن، غیر صالح اور قومی وطبقاتی نظام ہیں جو دنیا کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ جن سے نہ کسی کو امن و سکون میسر ہے انسان کی ساری صلاحیتوں کا استعمال ہوتا ہے۔ نہ تمام شعبے ہم آہنگی اور توازن کے ساتھ ترقی کر پاتے ہیں اور نہ تمام قوموں اور طبقوں کے لئے ان میں سیاسی عاشی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ ہے۔ کسی میں اگر انسان کی انفرادی آزادی محفوظ ہے تو اس کی معاشی خطرے کی نذر ہو چکی ہے اور معاش کے ساتھ ساتھ اخلاق و شرافت بھی کسی دوسرے نظام میں اگر معاش کا مسئلہ حل کیا گیا ہے تو انسان کی آزادی ختم کر کے رکھ دی گئی ہے اور اخلاق اور انسانیت سے اُسے محروم ر دیا گیا ہے۔

کسی دوسرے نظام میں اخلاق و روحانیت کا انتظام ہے مگر اس کے پاس سیاسی ومعاشی مسائل کا کوئی حل نہیں — یہ ہے بلا استثنا ر ام موجودہ نظام ہائے حیات کا حال۔

اگر آپ اس مسئلے پر پوری سنجیدگی سے غور کریں تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ ایسا نظام صرف اُسی خدا کی طرف سے مل سکتا ہے جس نے ہم سب کو ند ہماری صلاحیتوں اور قوتوں کو پیدا کیا ہے، جس نے انسانی ضرورتیں پیدا کی ہیں اور ان کے پورا کرنے کا انتظام کیا ہے۔ جو سب پر مہربان ہے اور سب کی ضروریات سے اچھی طرح واقف ہے، جس کا علم ہر شے کو محیط ہے جس کی نظر ماضی و حال اور مستقبل سب پر یکساں حاوی ہے اور جو ظلم و ررسے اور خواہشات وجذبات کی بندگی سے پاک ہے کیا جس خدا نے انسان کی معمولی معمولی ضرورتوں کے لئے پورا کرنے کے لئے وسیع انتظامات کئے ں کیا اُس نے اس سب سے بڑی ضرورت کے پورا کرنے کا انتظام نہ کیا ہوگا، جس کا بندوبست کرنے سے انسان بطور خود عاجز ہے؟ آپ کی عقل کہے گی نہ ضرور کیا ہوگا اور مذاہب عالم اور انسانی تاریخ گواہی دیتے ہیں کہ اس نے ایسا بندوبست کیا ہے۔

انسانیت کے اس سب سے بڑے رہنماؐ نے ہمیں بتایا کہ خدا ہی انسان کی اس ضرورت کو پورا کر سکتا ہے اور اسی نے اس ضرورت کو پورا بھی کیا ہے س نے ہر مخلوق کی رہنمائی فرمائی ہے اور اس کو مختلف انداز سے یہ بتا دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کس نہج پر گزارے، اس طرح اس نے پہلے انسان کو زمین پر بھیجتے ہی یہ واضح کر دیا تھا کہ انسان دنیا میں اپنی زندگی کیسے گزارے۔ پھر جب انسان اس حقیقت کو بھول گیا اور گمراہی اور ناکامی کا شکار ہو گیا تو اللہ عالیٰ نے یاد دہانی کے لئے اپنے نبی و رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں تاکہ لوگوں کو ہر وہ طریقہ معلوم ہو جس پر چل کر وہ اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔ ندکیہ بندے ہر ملک و قوم آئے۔ مختلف زمانوں میں آئے اور لوگوں نے جب اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو بھلا دیا یا اُس میں گڑبڑ کر دی تو اُسکو از سر نو پیش رنے یا اس کو ٹھیک کرنے آئے۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا اور اللہ کی طرف سے ہدایت اسی طرح آتی رہی یہ ہدایت اپنے اساسات، اپنے اصول اور پنے بنیادی احکام کے لحاظ سے ہمیشہ ایک ہی رہی۔ البتہ حالات کے اختلاف اور مختلف ضروریات ومزاج واطوار کے مطابق اس نظام زندگی کی تفصیلات میں تھوڑا بہت فرق رہا جو مختلف قوموں کو دیا جاتا رہا۔ قوموں نے جب کبھی اس نظام زندگی کو اپنایا وہ کامیاب و کامران رہیں اور ترقی و عروج ی منزلیں طے کرتی چلی گئیں اور جب انہوں نے اس سے انحراف کیا تو سارے مادی شان وشکوہ کے باوجود آخر کار وہ ناکام و ذلیل ہوئیں اور دنیا سے ن کا وجود مٹا دیا گیا یا باعزت و ذی اقتدار قوم کی حیثیت سے باقی نہ رہیں۔

انسانیت کے اس عظیم رہنماؐ نے بتایا کہ وہ کوئی نیا مشن لے کر نہیں آئے ہیں اور نہ اُن کے پاس کوئی نیا پیغام ہے۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے زریں

سلسلے کی جو ابتدائے آفرینش سے چل رہا تھا، آخری کڑی ہیں، وہ اسی حیات بخش پیام کو پھر لوگوں تک پہنچانے آئے ہیں جسے اُن سے پہلے بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کے پاس لاتے رہے ہیں اور جسے انسان نے اپنی بدبختی سے بار بار بھلا دیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ خدا کے بھیجے ہوئے نظامِ زندگی میں لوگوں نے جو تحریفات کر دی ہیں میں اس نظام کو ان تحریفات سے پاک کر کے تمہارے سامنے رکھ رہا ہوں تاکہ تم پورے اطمینان کے ساتھ خدا کی بندگی کر سکو اور اپنی زندگی سنوار سکو۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اب تک جو نظام ہائے زندگی خدا کی طرف سے آئے تھے وہ وقتی اور قومی تھے۔ دائمی اور عالمگیر نہ تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک ہی قوم کو مخاطب کیا اور کچھ عرصے کے بعد اُن نظاموں میں مختلف اسباب کے ماتحت کچھ تحریفات ہوتی رہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح فرماتا رہا یا کچھ دوسرے بہتر قوانین بھیجتا رہا، لیکن اب جو نظامِ زندگی میں خدا کی طرف سے لایا ہوں یہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے قیامت تک کے لئے ہے اور اس سے ہمیشہ ہمیشہ انسانوں کو صحیح رہنمائی مل سکے گی۔ اس طرح یہ نظامِ زندگی عالمگیر و بین الاقوامی ہونے کے ساتھ ساتھ مکمل بھی ہے اور چونکہ قیامت تک اس سے راہنمائی حاصل کی جانی ہے اس لئے یہ قیامت تک محفوظ رہے گا اور اس میں کسی طرح تحریف نہ ہو سکے گی، کسی انسان کی دیانت و صداقت کو معلوم کرنے کے لئے جن سخت سے سخت شرائط سے کسی کی سیرت کو پرکھا جا سکتا ہے ان سے اگر آپ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو جانچیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس شخص نے اپنی پوری زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، نہ مزاح میں نہ دشوار سے دشوار تر حالات میں، اس شخص کی زندگی سرتاپا صداقت تھی پھر اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے جو دلائل دیئے۔ اگر آپ ان پر غور فرمائیں تو آپ کا دل اندر سے خود گواہی دے گا کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پچھلے صحیفوں کی پیش گوئیاں اگر آپ اٹھا کر دیکھیں گے تو وہ آپ پر ٹھیک ٹھیک اُتریں گے۔ مذاہب کی جو تاریخ آپ نے بیان کی ہے، خود مذہبی کتابیں اس کی گواہی دیتی ہیں اور اس سے بہتر مذاہب کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے محفوظ رہنے کے متعلق جو پیش گوئی کی تھی وہ بالکل صحیح ثابت ہوئی اور عربوں کے کم تعلیم یافتہ اور امی ہونے کے باوجود قرآن من و عن ویسا ہی موجود ہے جیسا کہ دورِ رسالت میں تھا اور اس کے شواہد اتنے محکم ہیں کہ خود غیر مسلموں کو اس کا اعتراف ہے اس کے برعکس تعلیم یافتہ اور مہذب قوموں نے اپنی کتابوں کو ضائع و محرف کر دیا اور آج قرآن ہی وہ واحد خدا کی کتاب ہے جو مستند ہے اور ہر طرح کی تحریفات سے محفوظ ـــ جو نظامِ زندگی آپ نے پیش فرمایا عقلِ انسانی اس سے بہتر، اس سے جامع اور اس سے مکمل نظام نہ سوچ سکی۔ اس نظام کی تفصیلات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب انسانوں کے لئے مفید اور موزوں ہے اور اس میں تمام انسانوں کی زندگی کے تمام شعبوں کا صحیح اور کامل ارتقاء ہے، پھر یہ نظام وقتی بھی نہیں ہے۔ اگرچہ یہ آج سے چودہ سو سال پہلے پیش کیا گیا تھا اور آج کے بہت سے مسائل اس وقت تک نہ پیدا ہوئے تھے اور نہ کسی کے ذہن میں ان کا خیال و گمان تک تھا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ دور کے وہ تمام مسائل جنہیں سلجھانے سے انسانی عقول عاجز ہیں اس تعلیم میں اُن کا بہترین حل موجود ہے اور ہم پورے عقلی اطمینان کے ساتھ اپنے آپ کو اس یقین پر مجبور پاتے ہیں کہ اگر آج اسے پورے کا پورا اختیار کر لیا جائے تو وہ ان مسائل کا بہترین حل ہے پھر ایسا بھی نہیں کہ یہ نظام کوئی فلسفیانہ اور غیر عملی نظام ہو، یہ خود اسی رہنمائے انسانیت کے ہاتھوں عملاً قائم ہو چکا ہے اور اُس کے بعد اس کے جانشینوں نے اُسے چلا کر اس کے ہر ہر پہلو کو بالکل اُجاگر کر دیا ہے۔ تاریخ میں اس دور کی مکمل تاریخ اور معاصرین کے تاثرات کا ریکارڈ موجود ہے جسے دیکھ کر ہر دوست و دشمن اُسے انسانیت کا بہترین دور کہنے پر مجبور ہے ـــ ظاہر ہے کہ اس سے بہتر اس گتھی کا کوئی حل نہیں ہو سکتا۔ خدائی نظام ہمارے پاس محفوظ، مستند اور یقینی شکل میں موجود ہے جو عملی بھی ہے اور تجربہ شدہ بھی اور انسانیت کے سارے مسائل کا حل بھی۔

دنیائے انسانیت کو غلط نظاموں سے جو نقصانات پہنچے ہیں ان کی طرف اوپر اشارہ ہو چکا ہے اور در حقیقت یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے آج کا کوئی انسان بے خبر ہو ہم سب ہی ان تلخ نتائج سے دوچار ہیں جو ان نظاموں کے پیدا کردہ ہیں۔ انقلاب، انقلاب کی ہمہ گیر آوازیں انہیں تلخیوں کی بازگشت ہیں لیکن سچ پوچھئے تو ان پریشانیوں اور مصیبتوں کے پیدا کرنے میں جہاں ان نظام ہائے حیات کو دخل ہے۔ وہاں ان افراد کا بھی ہاتھ ہے جو ان نظاموں کو بددیانتی اور بے ایمانی کے ساتھ چلاتے ہیں۔ ہر غلط نظام برائیوں کے ساتھ کچھ اچھائیاں ضرور رکھتا ہے اور اس کے قائم ہونے پر برائیوں کے غلبے کے ساتھ ساتھ کچھ اچھائیوں کا پرورش پانا بھی ضرور ہے مگر ہوتا یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں زمام کار ہوتی ہے وہ بددیانت اور خودغرض ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ان چند خوبیوں سے بھی بہرہ یاب نہیں ہو پاتے جو ان نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ سارے اچھے اور مفید نتائج برسر اقتدار طبقے کے حصے میں آتے ہیں اور عوام کی قسمت میں صرف تلخیاں اور پریشانیاں رہ جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ مختلف نظام ہائے حیات سے جو توقعات لگائے ہوتے ہیں۔ وہ ان کے قائم ہونے کے بعد پوری نہیں ہوتیں اور انقلاب در انقلاب کا ایک لامتناہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

یہ بڑی اندوہناک صورت حال ہے لیکن کوئی اتفاقی بات نہیں۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ دنیا کے تمام انسانی نظام انقلاب برپا کرنے اور اقتدار پر قبضہ کرنے کی فکر میں تو رہتے ہیں لیکن اس بات کی فکر بالکل نہیں کرتے کہ اپنے علمبرداروں کو دیانت دار اور مخلص بنائیں وہ اس بگڑی ہوئی دنیا کی اصلاح کے لئے اس دنیا کے اُن بگڑے ہوئے انسانوں کو اپنے ساتھ لیلتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہوں۔ اور چونکہ یہ جمہوری انقلابات کا زمانہ ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ بھیڑ اکٹھی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس جدوجہد میں کامیاب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اخلاق و دیانت کی بات نہ کرے کیونکہ لوگ اس "وعظ" کو سن کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس "اخلاق باختہ" بھیڑ کو مادی مفادات کا لالچ دے دے کر خودغرض، لالچی اور ضمیر فروش بنایا جاتا ہے اور پھر انقلاب برپا کرنے کے لئے اُسے تمام جائز و ناجائز طریقوں کا عادی بنایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایسے لوگوں کے ہاتھ میں زمام کار آئے گی تو وہ خودغرض اور لالچی کیوں نہ ثابت ہوں گے اور مقصد براری کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کرنے میں کیوں دریغ کریں گے جبکہ انہیں خدا کے آگے جواب دہی کا کوئی خوف نہیں ہوتا اور آخرت کی کامیابی ان کے سامنے نہیں ہوتی۔ اس طرح یہ لوگ پہلے ہی سے کافی بگڑے ہوئے ہیں اور اقتدار و دولت کا نشہ انہیں اور بھی بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

یہ انسانیت کی چھوٹی بڑی گتھی ہے اور افسوس یہ ہے کہ اس کے حل کی طرف کسی کی توجہ نہیں۔ اس گتھی کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار کی کنجی دینے سے پہلے انہیں اتنا بااخلاق بنا دیا جائے کہ وہ اس سے غلط فائدہ اٹھانے کی خواہش نہ کر سکیں۔ نیز ماحول ایسا بنا دیا جائے کہ اس میں اخلاق و دیانت داری ہی کا چلن ہو تاکہ بددیانت اور بداخلاق لوگ برسر اقتدار نہ آنے پائیں اور برسر اقتدار لوگ بددیانت ہو کر اقتدار کی کرسی پر قابض نہ رہنے پائیں۔

انسانیت کے اس سب سے بڑے رہنما نے جہاں انسانیت کو ایک ایسا نظام دیا جو سراسر خیر و برکت کا سرچشمہ ہے وہاں اس نے اس نظام کو قائم کرنے اور چلانے والے افراد کی تعمیر سیرت کا بہترین انتظام کیا۔ آیئے اس تربیتی پروگرام پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں۔

آپؐ نے سب سے پہلے لوگوں میں اللہ پر ایمان و یقین پیدا کرنے کی کوشش کی اور انہیں لوگوں کو اپنے ساتھ لیا جو اللہ کے وجود اور اس کی صفات پر پورا یقین رکھتے تھے اور اللہ کی مکمل بندگی کو اپنا مقصود اور اس کی رضا کو اپنی زندگی کا حاصل یقین کرتے تھے۔ اللہ کی بندگی اور اس کی رضا کو مقصود بنانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ نظام اسلامی کے بہترین مخلص اور بے مثال پیرو بن جاتے تھے اور کسی قیمت پر اس سے خیانت کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ اللہ کے وجود

اور اس کی صفات پر ایمان رکھنے کا اثر زندگی پر یہ پڑا کہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو ایک ایسے مقتدرِ اعلیٰ کے سامنے جواب دہ محسوس کرتے تھے جو ہر دم ان کی نگرانی کر رہا ہے، جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے جس سے وہ اپنا کوئی فعل نہیں چھپا سکتے، جو دل کے ارادوں اور نیتوں تک سے بخوبی واقف ہے، جس کے قبضۂ قدرت سے نکل کر وہ کہیں نہیں جا سکتے، جس کی پولیس ہر جگہ انسان کو گھیرے ہوئے ہے اور جس کی سی آئی ڈی ہر وقت انسان کا ریکارڈ مرتب کرنے میں مشغول ہے جس کی رحمتیں بے پایاں ہیں اور انہی پر انسان کی زندگی اور اس کے تمام معاملات کا انحصار ہے۔ اس کا عذاب بے پناہ ہے اور وہ کسی وقت بھی نافرمان اور ظالم بندوں پر آ سکتا ہے اور انہیں تباہ و برباد کر سکتا ہے ــــــ اس یقین کا جو کچھ اثر انسانی زندگی پر پڑے گا اس کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ آپؐ نے آخرت کے یقین کو پیدا کرنے اور اس دنیا کی کامیابی کو مقصود بنانے کی کوشش کی۔ اس غرض کے لئے آپؐ نے وہ دلائل و براہین پیش کئے جو انسان کے دل میں آخرت کا یقین پیدا کر سکیں، پھر آپؐ نے دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا مقابلہ کر کے بار بار اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کیا کہ دنیا کی نعمتیں چند روزہ ہیں، معمولی ہیں، ناپائیدار ہیں، اور پھر بھی بہت کم انسانوں کو ملتی ہیں، اس کے مقابلے میں آپؐ نے بتایا کہ آخرت کی نعمتیں دائمی ہیں، پائیدار ہیں، عظیم الشان ہیں اور ہر اس انسان کو ملیں گی جو ان کے لئے ایمانداری و اخلاق کی راہ اختیار کرے اور اسی طرح آپؐ نے دونوں دنیاؤں کے تکالیف و مصائب کا موازنہ کیا، پھر آپؐ نے ہر ہر قدم پر اپنے ساتھیوں کی تربیت کی کہ وہ ہر کام صرف خدا کی رضا اور آخرت کی کامیابی کے لئے کریں اور دنیوی مفادات کو مقصود نہ بنائیں۔ اس کے لئے آپؐ نے دنیا کی طرف سے بے رغبتی پیدا کی، خدا کی راہ میں دولت خرچ کرنے، ضرورت پڑنے پر عیش و آرام کو تج دینے، گھر بار کو چھوڑ دینے، اپنے معاشی ذرائع و وسائل کو تباہ کر لینے اور بالآخر جان تک دے دینے کا حکم دیا اور اس کی عملی تربیت کرائی۔ پھر ان سب قربانیوں کے سلسلے میں دنیا کے دوسرے نظاموں کے برخلاف قدم قدم پر یہ حقیقت واضح کی کہ اگر تم یہ سب کچھ دنیوی فوائد یا اقتدار کے حصول کے لئے کرو گے تو یہ سب رائیگاں جائے گا اور اس کے لئے خدا کے یہاں جواب دہ ہو گے، نہیں یہ سب کام صرف خدا کو خوش کرنے کے لئے اور آخرت کو کامیاب بنانے کے لئے کرنا چاہیئے۔

آپؐ نے اس کے ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ اللہ کی صرف قانونی بندگی سے کام نہ چلے گا، اللہ کا تقرب ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ جو اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کی محبت کے مقابلے میں دنیا کی ہر ایک محبت کو قربان کر دیتے ہیں جو صرف وہی اعمال بجا نہیں لاتے جن کا خدا نے حکم دیا ہے بلکہ بہت سے وہ کام بھی کرتے ہیں جنہیں خدا نے قانوناً ضروری تو نہیں ٹھہرایا ہے لیکن جن سے وہ خوش ہوتا ہے۔ جو ہر کام پورے جذبۂ خلوص و اطاعت کے ساتھ کرتے ہیں اور اچھے سے اچھے طریقے پر کرتے ہیں۔ آپ نے ساتھ ہی اللہ کی ان صفات رحم و کرم کو بھی واضح فرمایا جن کو جاننے سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے پھر آپ نے یہ بھی بتایا کہ جو خدا سے محبت کرتے ہیں، خدا ان سے محبت کرتا ہے۔ اس طرح آپؐ نے لوگوں میں خدا کی گہری محبت اور اس کی مخلص فرمانبرداری پیدا کی ــــ موجودہ نظام اپنی پابندی قانون کے زور سے کرانا چاہتے ہیں جس کا دائرہ بہت محدود ہوتا ہے اور جس کو توڑنے کے لئے انسان سو بہانے کرتا رہتا ہے، برسر اقتدار طبقے کے لئے یہ روک بھی نہیں ہوتی اس لئے وہ خوب کھل کھیلتا ہے۔ اسلامی نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانوں کے دلوں میں اپنے مقتدرِ اعلیٰ کے خوف کے ساتھ ساتھ اس کی گہری اور والہانہ محبت پیدا کرتا ہے اور ان سے رضاکارانہ اور وفادارانہ اپنی اطاعت کراتا ہے اور اس محبت و وفاداری کے جذبے سے وہ لوگ بھی خالی نہیں ہوتے جن کے ہاتھ میں زمام کار ہوتی ہے۔

آپؐ نے اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا کہ انسان یقین رکھنے اور یہ فیصلہ کرنے کے باوجود جو غلطیاں کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دنیا کے دوسرے علائق اس پر چھا جاتے ہیں اور وہ تھوڑی دیر کے لیے ان حقائق کو بھول جاتا ہے جو اُس کے دل میں گھر کیے ہوئے تھے۔ یہ کیفیت ہر انسان پر طاری ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے اور اگر اس کیفیت کو دور نہ کیا جائے تو بالآخر انسان اپنا سرمایہ ایمان و یقین کھو بیٹھتا ہے۔ آپؐ نے انسان کی اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے اور اس کو اللہ کی عظمت یاد دلانے، اس کی بندگی پر اکسانے اور اس کی محبت و وفاداری کے بڑھانے کے لیے ذکر الٰہی کو مسلمان کی زندگی میں اس طرح سمو دیا کہ وہ خدا کو کسی طرح بھول نہ سکے۔ اُسے قرآن کی تلاوت کا حکم دیا جو ہدایت کا سرچشمہ ہونے کے علاوہ خدا کو یاد دلانے اور اس کی محبت پیدا کرنے اور آخرت کی کامیابی کی خوشخبری سنانے اور خدا کے عذاب سے ڈرانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ آپؐ نے دن رات میں ہر چند گھنٹے کے بعد نمازیں ادا کرنا دین کی بنیاد اور مومن کی سب سے پہلی اور اہم نشانی قرار دیا۔ یہ نماز کیا ہے، اللہ کی یاد، مسلسل یاد، اس کی بندگی کا عہد، اس کے سامنے انتہائی عاجزی و عبودیت کا اظہار، اس کی صفات کا ورد، اس سے قریبی تعلق پیدا کرنے کا بہترین طریقہ، نماز کے علاوہ آپؐ نے مومن کی یہ صفت بتائی کہ وہ ہر وقت خدا کو یاد رکھتا اور یاد کرتا ہے، اس غرض کے لیے آپ نے ہر کام کے کرنے سے پہلے اور کرنے کے بعد کچھ دعائیں مانگنے اور کچھ اذکار کے ورد میں رکھنے کی تلقین فرمائی جن میں سے ہر ایک غفلت کو دور کرنے، انسان کو اس کی حیثیت سے باخبر رکھنے اور خدا کی محبت و عظمت پیدا کرنے کے لیے اکسیر ہے، نماز کے علاوہ آپ نے مسلسل ایک ماہ کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا، یہ روزے ایک طرف اخلاقی انضباط پیدا کرنے کے بے مثل نسخہ ہیں، دوسری طرف ہمہ وقتی ذکر کا بہترین پروگرام ہیں، مزید برآں استطاعت رکھنے والوں پر حج بیت اللہ فرض قرار پایا جو محبت الٰہی میں انسان کو سرشار کر دینے اور دین خداوندی کا والہ و فریفتہ بنا دینے والی عبادت ہے۔

آپؐ نے اخلاقیات کی بہترین تعلیم علمی اور عملی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کی۔ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی اور انصاف اور حسنِ سلوک کو دین میں بنیادی اہمیت دی اور اربابِ اقتدار کی ذمے داریوں کو خصوصیت سے بہت واضح الفاظ میں بیان فرمایا آپ نے کھلے الفاظ میں بتا دیا کہ اسلام میں قیادت، مخلوق کی خدمت اور شبانہ روز محنت و تندہی کا نام ہے عیش و آرام اور نفع اندوزی کا نام نہیں۔ آپؐ نے طرح طرح سے عوام و خواص میں یہ ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کی کہ وہ دولت و اقتدار کو بڑائی کا ہم معنی قرار نہ دیں اس کے برخلاف حضورؐ نے وضاحت سے فرمایا کہ بڑائی اللہ کی بندگی اور اس کے قانون کی پیروی میں ہے اور جو اس لحاظ سے بڑا ہے وہی قیادت و سرداری کا مستحق ہے۔ آپؐ نے بتایا کہ مومن کی رائے بھی خدا کی امانت ہے اور اس کا مستحق وہی شخص ہے جو خدا ترس ہو اور واقعتاً اس منصب کا اہل ہو جس کے لیے رائے دی جا رہی ہے، آپؐ نے اس شخص کو منتخب کرنے سے بالکل روک دیا جو خود کسی عہدے کا طالب ہو اور اپنے آپ کو امیدوار کی حیثیت سے پیش کر رہا ہو۔

اس کے علاوہ آپؐ نے اپنے ماننے والوں پر ایمان و عمل کے بعد سب سے بڑا یہ فرض عائد کیا کہ وہ نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے اور حق کی طرف دعوت دینے کو اپنی زندگی کا مشن بنائیں اور جب تک دنیا میں کہیں بھی کوئی برائی موجود ہو وہ اپنے اس کام میں پورے انہماک کے ساتھ مشغول رہیں اس فریضے کو بجا لانے میں انہیں نہ تو سستی کرنا چاہیے، نہ محبت و قرابت کا کوئی لحاظ کرنا چاہیے، نہ کسی بڑے سے بڑے لالچ یا بڑے سے بڑے خوف کی بنا پر اسے ترک کرنا چاہیے۔ سوسائٹی میں جہاں کہیں برائی سر نکالے ہر مومن کا فرض ہے کہ اُسے بڑھ کر وہیں دبا دے۔ اسلامی نظامِ حکومت کا مقصدِ وجود یہی ہے کہ وہ اس فریضے کو ادا کرے اور دنیا میں نیکی، انسانیت، حق پرستی اور خدا کی بندگی غالب و عام کر دے لیکن اگر اربابِ اقتدار اس مقصد کو پورا نہ کریں اور خلافِ اسلام مقاصد میں منہمک ہو جائیں تو ہر مومن کا حق ہے کہ ان پر تنقید کرے اور اس کا فرض ہے کہ اس کو اس غلط روش

سے روکے اور راہ راست پر لائے اور ان کے ناجائز احکام کی تو ہرگز اطاعت نہ کرے، لیکن اگر وہ اپنی غلطیوں سے باز نہ آئیں اور کھلم کھلا خلاف اسلام روش اختیار کریں تو اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ انہیں اقتدار کی گدی سے اتار پھینکیں اور صالح قیادت کو برسر کار لائیں ——— ان احکام کی پابندی اور اس ماحول کی موجودگی میں اربابِ اقتدار کی بددیانتی کا خطرہ پیدا نہیں ہو سکتا اور اگر کسی خامی یا غلطی کی بنا پر پیدا ہو جائے تو اس قدر شدت اختیار نہیں کر سکتا جتنا اس دور میں ہے پھر اس کا تدارک آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

اس دور کی ایک بہت بڑی مصیبت یہ ہے کہ نیکی و اخلاق اور انسانیت و فلاح عالم کے دعوے کرنے والے، ان موضوعات پر تحقیقی مقالے لکھنے والے، دنیا کو اس کا درس دینے والے، ان چیزوں کو بنیاد بنا کر تنظیمیں کرنے والے تو کم نہیں ہیں، مگر ان لوگوں کی کمی نہیں، قحط ہے جو واقعی نیکی و اخلاق کا نمونہ اور انسانیت و خیر خواہی کا پیکر ہوں۔ اس کے برخلاف ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے اور وہ پوری دنیا میں حشرات الارض کی طرح بکثرت موجود ہیں جن کی زندگی سراسر بدی سے معمور ہے جو بدی کے پر جوش داعی و مبلغ ہیں اور جو بدی کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ہر قسم کی تدبیریں اور کوششیں کر رہے ہیں حکومتیں اور برسر اقتدار طبقے اس "مقدس مہم" میں آگے آگے ہیں اور عوام ان کے پیچھے بدی کے اس عالمگیر سیلاب میں کوئی نیکی کیسے اختیار کرے اور کونسا نمونہ سامنے رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ بدی کی راہ اختیار کرنا عام شیوہ ہو چکا ہے اور نیکی کی راہ سنسان پڑی ہے۔

پھر مشکل صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ نیکی کا کوئی نمونہ سامنے نہیں ہے بلکہ جو اسکیم بھی سامنے آتی ہے اس کا سب سے زیادہ ناقص پہلو یہی ہوتا ہے کہ وہ محض دماغی اسکیم ہوتی ہے جو ایک شخص یا چند اشخاص مرتب کرتے ہیں، ان کے سامنے اس اسکیم کے تمام روشن و تاریک پہلو نہیں ہوتے اور چند روشن پہلوؤں کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ اسکیم لوگوں کے لئے مفید ہوگی اور انہیں پہلوؤں کا وہ لوگوں میں پروپیگنڈا کرتے ہیں لیکن جب لوگ اس اسکیم کو اپناتے ہیں تو اچانک اس کے تاریک پہلو سامنے آتے ہیں اور جن پہلوؤں کو روشن خیال کیا گیا تھا۔ بسا اوقات وہ بھی اپنے پیچھے تلخ نتائج رکھتے ہوتے ہیں۔ وہ لوگ یہ حالت دیکھ کر گھبرا اٹھتے ہیں اور پھر یا تو ترمیموں کے ذریعے کچھ دنوں اس اسکیم کو اور گھسیٹ کر لے چلتے ہیں یا اس کے خلاف انقلابی جد و جہد شروع کر دیتے ہیں۔ یہ صورت حال ہر اسکیم اور ہر تحریک کے سلسلے میں پیش آتی ہے۔

انسانیت کے اس سب سے بڑے رہبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بہت بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے جہاں ایک ایسا نظام دنیا کو دیا جس کی بنیاد نیکی و خدا ترسی پر تھی اور جو سراپا خیر و برکت کا سرچشمہ تھا۔ وہاں انہوں نے اس کے ایک ایک جزو پر سب سے پہلے خود عمل کیا اور اس طرح عمل کا جذبہ رکھنے والوں کے سامنے اس کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کر دیا اور ان پر واضح کر دیا کہ اس نظام کو انفرادی طور پر اختیار کرنے سے انسان دنیا کیلئے کس قدر خیر و برکت کا باعث اور فلاح و بہبود کا ذریعہ بنتا ہے۔ اجتماعی اثرات واضح کرنے کے لئے آپ نے اُن کو گذشتہ قوموں کے حالات کا حوالہ دیا جن کی تاریخ لوگوں کے سامنے تھی اور جو اس نظام کو اختیار کرنے سے ترقی و کامرانی کی منزل تک پہنچے تھے اور جو اس سے انحراف کرنے کے باعث تباہی و بربادی کا شکار ہو گئے تھے کیونکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اسلامی نظام ہی ایک ایسا نظام ہے جو تفصیلات کے تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ ابتدائے آفرینش ہی سے دنیا میں موجود رہا ہے اور قوموں نے اس کے فوائد و برکات حاصل کئے ہیں۔ پھر آپ نے یہ بتایا کہ یہ اس خدا کا بھیجا ہوا نظام زندگی ہے جو علیم و خبیر ہے اور جس نے اپنے علم و آگہی کی بنا پر یہ نظام تمہارے لئے بھیجا ہے اس لئے نہ تو یہ غیر عملی ہو سکتا ہے کہ اس کے روشن پہلو تاریک ثابت ہوں، یا کچھ تاریک پہلو سامنے آ جائیں جو اس کے روشن پہلوؤں کو تاریک کر کے رکھ دیں جن لوگوں نے اس اعتماد پر اس نظام کو قبول کیا اور اپنی زندگی کو اس کا عملی نمونہ بنایا۔ آپ نے انہیں منظم کیا اور اس جماعت کا مقصد ہی یہ قرار دیا کہ وہ

اپنی زندگی اقامتِ دین، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور دعوت الی الحق میں لگادیں چنانچہ آپؐ کی زندگی ہی میں اس جماعت کی اجتماعی جدوجہد کے نتیجے کے طور پر وہ نظامِ حق عملاً قائم ہوگیا جو آپ لے کر آئے تھے اور آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفا نے اس کو عمدگی کے ساتھ چلا کر اور دنیا پر اسے غالب و با اقتدار کر کے دکھا دیا کہ اس سے جو توقعات لگائی گئی تھیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ پوری ہوگئیں بلکہ بہت سے ایسے روشن پہلو سامنے آگئے جن کا لوگ تصور تک نہ کر سکتے تھے۔

آج یہ ساری تفصیلات ہمارے سامنے موجود ہیں جنہیں دیکھ لینے کے بعد کسی شخص کو دوسرے نظاموں کی طرح اس نظام کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں ہو سکتی کہ یہ غیر عملی ہے یا مہلک و مضر ہے۔ پھر ان تفصیلات میں ہمارے لئے کام کی راہیں بھی آسان کر دی ہیں، ان سے ہم جان گئے ہیں کہ اس نظام پر کس طرح عمل کریں اور کن کن مراحل میں کون کونسی راہ اختیار کریں —— یہ کہ ایسی نعمت ہے جو صرف سیرتِ رسولؐ اور سیرتِ صحابہؓ ہی سے مل سکتی ہے لیکن ان سب آسانیوں کے باوجود یہ ایک واقعہ ہے کہ یہ ایک عملی نمونہ اب کتابی نمونہ بن چکا ہے اور مخالفین اور بدگمان لوگوں کے لئے یہ کہنے کی بڑی گنجائش پیدا ہوگئی ہے کہ یہ تو پچھلے زمانے کی باتیں اور کتابوں کی روایات ہیں۔ اس لئے اس دور میں سیرتِ رسولؐ کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ اسکو اپنا رہنما ماننے والے اپنی پوری زندگی کو اس نمونے کے مطابق ڈھالیں، اسی طرح پھر شہادتِ حق اور اقامتِ دین کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور اس کے لئے انفرادی اور اجتماعی جدوجہد شروع کر دیں یہاں تک کہ نظامِ حق کو سیاسی طور پر دنیا میں قائم و غالب کر کے چھوڑیں۔ اسی وقت دنیا کو یقین ہوگا کہ سیرتِ رسولؐ دنیا کے لئے خیر و برکت کا سرچشمہ ہے اور اس کا عملی نمونہ بھی ان کے سامنے آجائے گا اور در حقیقت عام انسان اسی وقت آپکی سیرت سے فائدہ اٹھا سکیں گے ورنہ مشکلات کا واحد حل کتابوں کی زینت بن کر رہ جائے گا اور دنیا اسی طرح ہلاکت و بربادی کی طرف بڑھتی رہے گی جس طرح بڑھ رہی ہے۔

رسولِ اکرمؐ اور تعمیرِ انسانیت

غلام احمد حریری

شرفِ انسانیت

کائنات گوناگوں موجودات کا مرقع ہے: فلاسفہ نے اشیاء کائنات کو تین قسموں میں منقسم کیا ہے۔ جمادات، نباتات اور حیوانات۔ پہلی دو قسمیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں تیسری قسم یعنی حیوانات میں نشو و ارتقاء کے ساتھ حرکت و ارادہ بھی پایا جاتا ہے اسی قسم میں مخلوق کی وہ نوع بھی شامل ہے جس میں تمام حیوانی اوصاف کے ساتھ عقل و شعور اور قوتِ ناطقہ کا جوہر بھی موجود ہے کائنات کی یہی انوکھی مخلوق ہے جو علم الاجتماع میں خصوصی موضوع کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ حضرت انسان ہے جو شاہکار فطرت ہے۔

موجوداتِ عالم میں انسان کو کیا مرتبہ و مقام حاصل ہے؟ اس کا جواب دو طرز پر دیا گیا ہے جو لوگ مذہب کو کسی فکر و فلسفہ کی اساس قرار نہیں دیتے ان کا کہنا ہے کہ انسانی حرکات و سکنات میں چونکہ حیوانیت کا پہلو نمایاں ہے اس لئے حیوانیت کی ارتقائی صورت کا نام ہی انسانیت ہے۔ بالفاظ دیگر انسان ایک سُلجھے ہوئے حیوان سے زائد اور کچھ بھی نہیں۔ اس نظریہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انسان واقعی شاہکار فطرت ہے۔

بخلاف ازیں اہلِ مذہب نے اس بات کو ایک بنیادی اصول کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے کہ انسان عام حالت میں ایک ادنیٰ مخلوق ہے اسے بلند مرتبہ حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت و کاوش کی ضرورت ہے مسیحیت نے انسان کو پیدائشی گناہگار قرار دیا۔ بدھ مت نے دنیوی زندگی کو آلائش کا نام دیا مہاتما بدھ کے نزدیک دنیا سے کنارہ کشی اور بے رغبتی ہی عین انسانیت ہے۔ انسان اپنے گناہوں اور آلائشوں سے اسی صورت میں نجات حاصل کر سکتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو سخت تکلیفوں میں مبتلا کرے۔ غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مذہبی نقطۂ نظر سے بھی انسان کا مرتبہ و مقام متعین نہیں ہو سکا۔ اگر ایک طرف روحانی پیشوا کی پُرشکوہ شخصیت کو دیکھ کر عظمت انسان کا احساس ہوتا ہے تو دوسری طرف جھکتے ہوئے انسانوں کی ذلت آشکار ہوتی ہے۔ جس طرح ایک طرف بادشاہ اور صاحب اقتدار انسان ہیں تو دوسری طرف بھیڑ بکریوں کی بکنے والے غلام اور باندیاں تذلیل کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

اسلام اور انسان

اس غیر فطری طرز فکر کو اسلام نے مٹایا اس نے انسانی عظمت کا نعرہ اس وقت لگایا جب اس اساس پر سوچنے کا شعور بھی مفقود تھا۔ یہ شرف صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اُس نے انسانی عظمت کا نظریہ پیدا کیا اور عقلی و منطقی دلائل سے اس کو ثابت کیا۔

قرآن کریم میں فرمایا۔

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ
الْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ

اور ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا۔ اور پاکیزہ چیزیں ان کو عطا کیں اور ہم نے

خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا" (بنی اسرائیل - ۷۰) ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔

"لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِيۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ" (التین ۴) ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے۔

انسانی عظمت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اس کائنات میں خلیفۃ اللہ یعنی اللہ تعالےٰ کا نائب ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس حیثیت کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ جب فرشتوں نے اس پر اعتراض کیا تو فرمایا: اِنِّيۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے) کائنات کی کوئی اور مخلوق اس فضیلت میں انسان کی شریک نہیں۔ قرآن کریم نے اسے امانت قرار دیا ہے اور انسان کو اس کا امین۔ ساری مخلوق نے اس بار امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند!

قرآن کریم میں فرمایا۔

"اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا" (الاحزاب ۷۲)

ہم نے یہ امانت آسمان زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی مگر انہوں نے اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

اکثر مفسرین نے اس آیۂ کریمہ میں امانت سے نیابت خداوندی اور خلافت الٰہی مُراد لی ہے کیونکہ اس سے انسانی عظمت کا اثبات ہوتا ہے گویا انسانی عظمت کا راز اس امر میں مضمر ہے کہ انسان ایک اجتماعی نظام تشکیل دے جس میں احکام خداوندی کو نافذ کیا جائے اس کا صحیح مقام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کا بندہ بن کر رہے اور لوگوں کو خدا کی بندگی کی طرف دعوت دے اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خود خدا بن بیٹھے اور خلق خدا کو اپنا محکوم بنالے۔

اسلام انسانی شرف کے لحاظ سے سب کو مساوی قرار دیتا ہے۔ کسی شخص کو اظہار فضیلت کا ایسا کوئی حق نہیں، جس سے فساد بپا ہو اور جو باطل امتیازات پر مبنی ہو۔ اسلام نے فخر و مباہات اور عصبیت جاہلیہ کو ملعون قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حاکم و محکوم آقا و غلام اور اشرف و ادنیٰ کا امتیاز جاتا رہا۔ مصنوعی حد بندیاں ٹوٹ گئیں اور انسان ایک مرتبہ پھر انسانی شرافت اور عظمت آدمیت کا حامل بن گیا۔

نبوت کا کارنامہ انسانی عظمت و شرف کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے رسل و انبیاء کو انسانوں کی اصلاح و تکمیل کا فریضہ تفویض کیا اور ان حضرات نے انسان کو اپنی دعوت و ارشاد کا موضوع بنایا۔ انبیاء علیہم السّلام کی بصیرت پر اللہ تعالےٰ نے یہ نکتہ فاش کیا کہ اس دنیا کی قسمت اور اساس کی آبادی و ویرانی کا فیصلہ انسان پر موقوف ہے اگر حقیقی انسان موجود ہے تو یہ دنیا اپنی سب ویرانیوں اور بے سروسامانیوں کے ساتھ آباد و معمور ہے اور اگر حقیقی انسان موجود نہیں تو یہ اپنی ساری رونقوں اور اپنے ساز و سامان کے ساتھ ایک ویرانے سے بہتر نہیں اس دنیا کی بدقسمتی وسائل کی کمی اور فقدان سے نہیں بلکہ اچھے انسانوں کے نہ ہونے سے ہے۔ پھر انسان اپنی عظمت، اپنی وسعت اور اپنی مرکزیت کے اعتبار سے کہیں زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو سعی و محنت اور توجہ کا موضوع

بنا یا جائے۔ یہ کائنات بڑی پُراسرار، بڑی پُر از عجائبات، بڑی حسین و جمیل اور بڑی طویل و عریض ہے۔ لیکن انسان کی فطرت کے اسرار و عجائبات اس کے تخیل کی بلند پروازیاں، اس کی روح بے تابیوں اور گرم جوشیوں اور اس کی غیر محدود صلاحیتوں کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کے عزم و ارادہ کے آگے ہر طاقت سرنگوں ہے۔ اس کی حسن سیرت کے سامنے دنیا کا ہر حسن ماند ہے۔

اسی بنا پر ہر نبوت نے اپنے دور میں ایسے افراد تیار کئے جنہوں نے اس دنیا کو نئی زندگی بخشی۔ نبوت کے ان کارناموں میں جو زندگی کی پیشانی پر درخشاں و تاباں ہیں سب سے روشن کارنامہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کارنامہ ہے۔ مردم سازی اور آدم گری کے اس کام میں اللہ تعالےٰ نے آپ کو جو کامیابی عطا فرمائی وہ آج تک کسی انسان کو حاصل نہیں ہوئی۔ آپ نے جس سطح سے تعمیر انسانیت کا کام شروع کیا اس سطح سے کسی پیغمبر اور کسی مصلح اور کسی مربی کو شروع کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی تھی۔ یہ وہ سطح تھی جہاں حیوانیت کی سرحد ختم ہوتی تھی اور انسانیت کی سرحد شروع ہوتی تھی اور جس سطح پر آپ نے اس کام کو پہنچایا اس سطح تک کبھی تعمیر انسانیت کا کام نہیں پہنچا تھا جس طرح آپ نے انسانیت کی انتہائی پستی سے کام شروع کیا اسی طرح انسانیت کی آخری بلندی تک اس کو پہنچایا۔ آپ کے تیار کئے ہوئے افراد میں سے ایک ایک نبوت کا شاہکار ہے اور نوع انسانی کے شرف و افتخار کا باعث، انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین و جمیل، اس سے زیادہ دلکش و دل آویز تصویر نہیں ملتی جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ دل کا پختہ یقین، ان کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی بے تکلف زندگی، ان کی بے نفسی و خدا ترسی، ان کی پاکبازی، ان کی شفقت و رافت اور ان کی شجاعت و جلادت، ان کا ذوق عبادت اور ان کا شوق شہادت، ان کی شہسواری اور ان کی شب زندہ داری، ان کی سیم و زر سے بے پروائی اور اُن کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل اور ان کا حسن انتظام دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ حضور کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے انسانی افراد تیار کئے۔ ان میں ایک ایک فرد ایسا تھا جو اگر تاریخ شہادت پیش نہ کرتی اور دنیا اس کی تصدیق نہ کرتی تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ معلوم ہوتا لیکن وہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے۔ وہ ایک ایسا انسانی وجود تھا جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد اوصاف و کمالات پیدا کر دیئے تھے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات ! ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دل نواز !
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو ! رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز !
اُس کے زمانے عجیب، اُس کے فسانے غریب عہد کہن کو دیا اُس نے پیام رحیل
ساقی ارباب ذوق، فارس میدان شوق بادہ ہے اس کا رحیق، تیغ ہے اس کی اصیل

سیرت سازی کے درخشاں نمونے

دنیا میں بے شمار اصلاحی اور انقلابی تحریکیں اُٹھیں، مگر ان میں سے ہر ایک نے انسان کو جُوں کا تُوں رکھ کر خارجی نظام کو بدلنے کی تدبیریں کی ہیں لیکن ہر وہ تبدیلی حقیقی مسائل حیات کو حل کرنے کے لحاظ سے بالکل رائیگاں رہی جو انسان کو اندر سے نہیں بدل سکی۔ حضور کی زندگی کا یہ پہلو بڑا ہی اہم ہے کہ انسان کا باطن یکسر بدل گیا انسانی روپ میں جو خواہش پرست حیوان پایا جاتا تھا حضور کی سیرت سازی کی تاثیر سے وہ بالکل مٹ گیا اور اس کی راکھ سے ایک نیا انسان

اُبھر آیا۔ اس نئے انسان کے کردار کی درخشانی دیکھیئے تو آنکھوں میں چکا چوند آجاتی ہے۔ حضرت عمرؓ جیسا مکہ کا ایک لاابالی نوجوان بدلا تو کہاں پہنچا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کو دیکھیئے کہ انقلابی جذبہ سے سرشار ہو کر جاہلیت کو چیلنج کیا اور خوب مار کھائی۔ کعب بن مالک کا کردار دیکھیئے، لُبینہ اور سُمیّہ جیسی کنیزوں کی انقلابی شجاعت و عزیمت پہ نگاہ ڈالئے۔ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ کی جرأت سے سبق سیکھیئے ایرانی سپہ سالار کے دربار میں ربعی بن عامر کی شانِ استغنا ملاحظہ فرمائیے۔ تاروں کے اس جھرمٹ میں سے کون ہے جس کا ایمان لمحہ اٰفگن نہیں ہے۔

ان ہستیوں سے وہ معاشرہ بنا اور ایسے قائدین اور اراکین کے ہاتھوں وہ نظام چلا جس نے اگر بندش شراب کی منادی کی تو ہونٹوں سے لگے پیالے فوراً الگ ہو گئے اور بہترین شراب کے مٹکے مدینہ کی گلیوں میں لنڈھا دیئے گئے جس نے اگر عورتوں کو سر و سینہ ڈھانپنے کا حکم دیا تو حکم ملتے ہی کسی تاخیر کے بغیر اس کی تعمیل ہو گئی جس نے اگر جہاد کے لئے پکارا تو نوعمر لڑکے تک ایڑیوں پہ کھڑے ہو کر یہ کوشش کرتے دکھائی دیئے کہ ان کو واپس نہ کیا جائے جس نے اگر چندہ طلب کیا تو حضرت عثمانؓ جیسے دولت مند تاجروں نے سامان سے لدے اونٹوں کی قطاریں لا لا کر کھڑی کر دیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ جیسے فدائیوں نے گھر کی ساری متاع حضورؐ کے قدموں میں ڈال دی۔

وہاں ایسے مزدور بھی تو تھے جنہوں نے دن بھر کی مزدوری سے حاصل شدہ کھجوریں جنگی فنڈ میں دے کر دامن جھاڑ دیا جس نے اگر مہاجرین کی بحالی کے لئے انصار کو پکارا تو انہوں نے اپنے مکان اور کھیت اور باغ آدھوں آدھ بانٹ دیئے اور اخوت کا ایک بے مثل سماں پیدا کر دیا جس نے اگر مالِ غنیمت کو سپہ سالار کے پاس جمع کرانے کا حکم دیا تو اس شان سے تعمیل کی گئی کہ فوج ایک ایک سوئی اپنے افسر کو پیش کر دیتی تھی۔ یہ واقعہ ہمیشہ تاریخ میں درخشاں رہے گا کہ مدائن کے اموال کا ایک قیمتی حصہ عامر نامی سپاہی کے ہاتھ آتا ہے اور بغیر اس کے کہ کسی کو بھی اس خزانہ زر و جواہر کا علم ہو وہ رات کی تاریکی میں چپکے سے اپنے سردار تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ ہستیاں تھیں۔ جنہوں نے نیکی کا ایسا ماحول تیار کیا کہ جس میں شاذ و نادر ہی جرائم ہوتے تھے حضورؐ کے پورے دس سالہ دور میں گنتی کے چند مقدمات عدالت میں آئے یہ نیکی کا ایسا ماحول تھا جس میں کوئی سی آئی ڈی نہ تھی بلکہ لوگوں کے ضمیر ہی ان کے پاسبان اور نگران بن گئے۔

یہ تھا وہ انقلاب جس نے باہر کے نظام کے ساتھ ساتھ اندر سے انسانی قلب و ذہن کو بدلا اور نیا کردار پیدا کر دیا۔ اسی لئے وہ حقیقی اور بنیادی مسائل حیات کو حل کرنے میں کامیاب ہوا۔ انہی اینٹوں سے اسلامی معاشرہ کی عمارت استوار ہوئی ان افراد ہی کی طرح ان سے بنا ہوا معاشرہ بھی صالح، امانت دار، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا تھا۔ اس معاشرے کے اثر و نفوذ اور اس حکومت کے اقتدار کے تحت عوامی زندگی میں ہر طرف ایمان و عمل صالح، صدق و اخلاص، جہاد و اجتہاد، لین دین میں نظر آنے لگا آپؐ کے تیار کردہ افراد آزمائش کی ان بھٹیوں سے کھرے اور خالص سونے کی طرح نکلے۔ جس میں کوئی کھوٹ اور ملاوٹ نہ تھی۔ انہوں نے ہر نازک موقع پر قوت ایمانی، قوتِ ارادی، پاکبازی، احساس ذمہ داری اور امانت و دیانت کے وہ بلند نمونے پیش کئے جس کی مؤرخین و ماہرین نفسیات توقع بھی نہیں کر سکتے۔

خلفائے راشدین کا زہد اور ان کی سادگی

اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زوجہ محترمہ کو ایک دفعہ میٹھی چیز کھانے کی خواہش ہوئی اور اس کے لئے انہوں نے روزانہ کے خرچ سے کچھ پس انداز کر لیا جب حضرت صدیقِ اکبرؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے وہ رقم بیت المال کو واپس کر دی اور اپنے روزانہ کے وظیفہ سے بقدر اس رقم کے کم کرا دیا۔ انہوں نے کہا کہ تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ اتنی رقم زائد تھی۔ اور اس سے کم میں ابوبکرؓ کے گھرانے کا گذارہ ہو سکتا ہے مسلمانوں

کا بیت المال اس لئے نہیں کہ اس سے حاکم کا خاندان عیش کی زندگی بسر کرے اور کھانے پینے میں توسّع سے کام لے۔

آپ نے بہت سے بادشاہوں اور بہت سی جمہوریتوں کے سربراہوں کے سرکاری دوروں کی رُوداد سنی ہوگی اور ان کے شاہانہ تزک و احتشام اور کرّوفر کا تماشا دیکھا ہوگا ساتویں صدی عیسوی کے سب سے بڑے طاقتور فرماں روا کے ایک سرکاری دورے کی تفصیل ابن کثیر کی زبانی سنئے۔ یہ ایسے حاکم کا دورہ تھا جس کا نام سن کر لوگوں کے دل لرز جاتے تھے اور وہ تھرا اُٹھتے تھے۔ میری مُراد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہے۔

ابن کثیر رقمطراز ہیں۔

"حضرت عمر بن الخطاب بیت المقدس جاتے ہوئے ایک خاکستری رنگ کی اونٹنی پر سوار تھے۔ دھوپ میں آپ کے سر پر کوئی ٹوپی اور عمامہ نہ تھا۔ کجاوہ کے دونوں طرف آپ پاؤں لٹکائے ہوئے تھے اس میں رکاب بھی نہ تھی۔ اونٹ پر موٹا اونی کپڑا تھا جسے آپ اتر کر بچھاتے تھے۔ آپ کی گٹھڑی جو چمڑے یا اون کی تھی، جس میں پتے بھرے ہوئے تھے۔ سواری کی حالت میں اسی پر ٹیک لگاتے اور اترنے کے بعد اس کا تکیہ بناتے تھے۔ آپ کی قمیص ایک پُرانے موٹے کپڑے کی تھی جو بغل کے نیچے سے پھٹی ہوئی تھی۔

آپ نے وہاں کے سردار کو بلایا۔ چنانچہ لوگ جلومس کو بلانے گئے۔ اس کے بعد حضرت عمر نے فرمایا کہ میرا کرتہ دھو دو اور اس کے پھٹے ہوئے حصے میں پیوند لگا دو۔ اور میرے لئے عاریتاً کوئی کپڑا فراہم کرو۔ چنانچہ ایک ریشمی کرتہ حاضر کیا گیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر حیرت سے پوچھا، یہ کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، ریشم ہے۔ فرمایا ریشم کیا ہوتا ہے لوگوں کے بتانے پر آپ نے کرتہ اتار کر غسل فرمایا۔ آپ کا پیوند لگا کرتہ حاضر کیا گیا تو آپ نے اُن کا ریشمی کرتہ اتار کر اپنا وہی کرتہ پہن لیا۔

سردار نے اُن سے کہا کہ آپ شاہ عرب ہیں اور یہاں کے لوگوں میں اونٹ کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس لئے آپ اگر کوئی اچھا کپڑا پہن لیں اور گھوڑے پر سوار ہوں تو اہل روم اس سے متاثر ہوں گے آپ نے فرمایا ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ تعالےٰ نے اسلام کے ذریعے عزت دی تو اب اللہ کے بدلے ہم کسی چیز کو نہیں اپنائیں گے۔ ایک گھوڑا لایا گیا جس پر آپ نے اپنی چادر ڈال دی اس پر نہ لگام استعمال کی اور نہ رکاب باندھی بلکہ یونہی سوار ہو گئے لیکن تھوڑی دیر بعد فرمایا۔ روکو روکو۔ میں نے اس سے پہلے لوگوں کو شیطان پر سوار ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ آپ کا اونٹ لایا گیا اور آپ اس پر سوار ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۵۹)

اسی طرح مؤرخ طبری نے آپ کے ایک سفر کا حال لکھا ہے۔

"ایک بار حضرت عمر حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنا کر سفر پر نکلے۔ آپ کے ساتھ کچھ صحابہ بھی تھے آپ بحر احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے اسی اثنا میں آپ اپنے غلام کی سواری پر سوار ہو گئے اور اپنی سواری غلام کو دے دی۔ جب لوگوں کا پہلا گروہ آپ سے ملا تو دریافت کیا کہ امیر المومنین کہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارے سامنے ہیں۔ چنانچہ وہ آپ کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے جب ایلہ کے مقام پر پہنچے تو لوگوں نے آپ کو پہچانا۔ (طبری ج ۴ ص ۲۰۳) خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی سیرت کے مختلف پہلو اور اُن کے محاسن اخلاق کتابوں میں متفرق و منتشر موجود ہیں ان سب کو جمع کر کے آپ اپنے ذہن میں ایک فرد کی مکمل زندگی اور پُوری تصویر تیار کر سکتے ہیں۔ خوش قسمتی سے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا پُورا اخلاقی سراپا ہمارے لٹریچر میں موجود ہے۔ اس کو پڑھیے اور دیکھیے کہ نبوت نے اپنی تعلیم و تربیت اور اپنی مردم سازی اور کیمیا گری کے کیسے یادگار نمونے چھوڑے ہیں۔ حضرت علی کی خدمت میں شب و روز رہنے والے ایک رفیق ضرار بن ضمرہ اس طرح ان کی تصویر کھینچتے ہیں۔

"بڑے بلند نظر بڑے عالی ہمت، چچی تلی گفتگو فرماتے۔ زبان و دہن سے علم کا سرچشمہ ابلتا۔ دنیا اور اس کی بہاروں سے وحشت تھی، رات کی تاریکی میں خوش رہتے آنکھیں پر آب۔ ہر وقت فکر و غم میں ڈوبے ہوئے۔ کپڑا وہ مرغوب جو موٹا جھوٹا ہو۔ غذا وہ مرغوب جو غریبانہ اور سادہ ہو۔ کوئی امتیازی نشان پسند نہیں کرتے تھے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایک شب ان کو ایسی حالت میں دیکھا کہ رات نے اپنی ظلمت کے پردے ڈال دیئے تھے اور ستارے ڈھل چکے تھے۔ آپ اپنی مسجد کی محراب میں کھڑے تھے۔ داڑھی مٹھی میں تھی اس طرح تڑپ رہے تھے جیسے سانپ نے ڈس لیا ہو، روتے جاتے تھے اور کہتے تھے۔

"اے دنیا کیا تو میرا امتحان لینے چلی ہے؟ مجھے بہکانے لگی ہے؟ مایوس ہو جا کسی اور کو فریب دے۔ میں نے تو تجھے ایسی تین طلاقیں دی ہیں جن کے بعد رجوع کا کوئی سوال نہیں تیری عمر کوتاہ، تیرا عشق بے حقیقت، ہائے زاد راہ کس قدر کم ہے سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشت ناک ہے (صفۃ الصفوۃ ابن الجوزی ج ۱)

پہلا اسلامی معاشرہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے نتیجے میں قائم ہونے والا یہ معاشرہ جسے آپ کی تربیت نے کندن بنا دیا تھا۔ انسانیت کی پوری تاریخ میں بہترین انسانی معاشرہ ثابت ہوا جو تمام انسانی محاسن کا جامع تھا۔ اس معاشرے کا تعارف اس کے ایک فرد حضرت عبداللہ بن مسعود نے بڑے بلیغ ہمہ گیر اور معنی خیز الفاظ میں اس طرح کرایا ہے۔ وہ لوگ تمام لوگوں میں پاکیزہ ترین دل، عمیق ترین علم اور کم سے کم تکلف والے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت بابرکت اور دین کی سربلندی و نصرت کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ (مسند دارمی)

حضورؐ کی سیرت سازی کا اثر بعد کی نسلوں پر

نبوت کا یہ کارنامہ زمانہ بعثت اور پہلی صدی ہجری کے ساتھ مخصوص نہیں۔ آپ کی تعلیمات نے اور آپ کے صحابہ کرام نے زندگی کے جو نمونے چھوڑے تھے۔ وہ مسلمانوں کی بعد کی نسلوں اور وسیع عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں ہر شعبہ زندگی اور صنف کمال میں عظیم انسان پیدا کرتے رہے۔ اس لازوال مدرسہ نبوت کے فضلاء اور تربیت یافتہ اپنے زمانہ کی زیب و زینت اور انسانیت کے شرف و عزت کا باعث ہیں۔ کسی بڑے سے بڑے مصنف اور مؤرخ کی طاقت نہیں کہ ان لاکھوں اہل یقین اور اہل معرفت کے ناموں کی فہرست ہی پیش کر سکے جو اس تعلیم کے اثر سے مختلف زمانوں اور مختلف مقامات پر پیدا ہوتے رہے یہ ان کے مکارم اخلاق۔ ان کی بلند انسانیت۔ ان کے روحانی کمالات کا احاطہ تو کسی طرح ممکن نہیں۔

ان کے یقین نے لاکھوں انسانوں کے دلوں کو یقین سے بھر دیا۔ ان کے عشق نے لاکھوں انسانوں کے سینوں کو عشق کی حرارت اور سوز سے منور کر دیا ان کے فیض صحبت نے لاکھوں حیوان صفت انسانوں کو حقیقی انسان بنا دیا۔ بادشاہوں کی صف میں بھی جو کشورستانی اور ملک گیری کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے۔ آپ کی تعلیم نے ایسے درویش صفت اور زاہد سیرت بادشاہ پیدا کئے۔ جنہوں نے زہد و ایثار کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی نظیر تارک الدنیا درویشوں اور گوشہ نشین فقیروں کے یہاں بھی مشکل سے ملتی ہے بقول اقبال۔

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب\
سلطنت اہل دین فقر ہے شاہی نہیں

مدرسہ نبوت کے ان فیض یافتہ سلاطین میں آپ صرف سلطان صلاح الدین ایوبی کا حال پڑھیں۔ نسل و نسب کے اعتبار سے جس کی رگیں عربی خون سے خالی تھیں۔ اور جو چھٹی صدی ہجری میں ہوئے ہیں، سلطان کے بارے میں ان کا معتمد خاص ابن شداد شہادت دیتا ہے

زکوٰۃ فرض ہونے کی ساری عمر نہیں آئی۔ اس لئے کہ انہوں نے کبھی اتنا پس انداز ہی نہیں کیا جس پر زکوٰۃ فرض ہو۔ اُن کی ساری دولت صدقات و خیرات میں خرچ ہوئی۔ وفات کے وقت صرف ۴۷ درہم اور ایک سونے کا سکہ چھوڑا۔ باقی کوئی جائیداد و ملکیت۔ کوئی مکان زمین اور باغ نہیں چھوڑا۔ اُن کی تجہیز و تکفین میں ایک پیسہ بھی اُن کی میراث سے صرف نہیں ہوا۔ سارا سامان قرض لیا گیا۔ یہاں تک کہ قبر کے لئے گھاس کے پولے بھی قرض لئے گئے۔ کفن کا انتظام ان کے وزیر قاضی فاضل نے کسی حلال ذریعہ سے کیا۔ (النوادر السلطانیہ ص ۱۳)

انسانی بلندی، شرافت نفس اور عالی حوصلگی کے اعتبار سے بھی سلطان تاریخ کے عظیم ترین انسانوں میں شمار ہونے کے قابل ہے بیت المقدس کی فتح کے موقع پر عیسائی فاتحین کے برخلاف سلطان نے جس شفقت و رحمت کا مظاہرہ کیا اس کا ذکر کرتے ہوئے اُن کا مغربی سوانح نگار اسٹنلی لین پول لکھتا ہے۔

اگر دنیا کو صلاح الدین کی شرافت و عالی حوصلگی کے اس معاملہ کے سوا اور کچھ نہ معلوم ہو جو اُس نے بیت المقدس کی فتح اور اسلام کے لئے اس کی بازیابی کے وقت اپنے مسیحی دشمنوں کے ساتھ کیا تھا تب بھی یہ بات ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ اس کے زمانے میں عالی ہمتی عظمت و شجاعت اور مردانگی و بسالت میں کوئی آدمی اس سے بڑھا ہوا نہیں تھا۔ بلکہ اس معاملہ میں وہ ہر زمانے کے لوگوں میں عظیم تر تھا۔

(سلطان صلاح الدین ص ۲۰۵)

یہ ٹھیک ہے کہ سارے سلاطین و فرمانروا جو اسلامی عہد میں گذرے، وہ نورالدین۔ صلاح الدین۔ ناصرالدین محمود۔ اور اورنگ زیب عالمگیر جیسے نہ تھے لیکن آپ کو جن سلاطین میں بلند اخلاقی۔ خدا ترسی، فقر و زہد۔ ایثار و قربانی اور شفقت و رحمت کی یہ شان نظر آتی ہے وہ صرف نبوت کے فیض اور دینی جذبہ کا نتیجہ ہیں۔ آپ اگر اُن کی زندگی اور سِیَر و سوانح کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو سراغ لگانے میں دقت نہ ہوگی کہ ان سب کا تعلق اسی ایک سرچشمہ ہدایت سے تھا جس نے ہر دور میں عظیم انسان پیدا کئے خواہ ان کا زمانہ کتنا ہی دُور ہو دراصل یہ سب اُسی درس گاہ نبوت کے فیض یافتہ ہیں جس نے تعمیر انسانیت کا کام سب سے وسیع پیمانے پر اور سب سے اعلیٰ سطح پر انجام دیا۔ اور جس کا فیض اب بھی انسانیت کے چراغ کو روشن کئے ہوئے ہے۔ اور جہاں کہیں روشنی ہے اسی ایک چراغ کا پرتو ہے۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

اس مدرسہ کی تربیت کی تاثیر اور اس کے بانی کا فیض کبھی طارق کی شجاعت، محمد بن قاسم کی بسالت اور موسیٰ بن نصیر کی ہمت کے پردے میں چمکا۔ کبھی امام حنیفہ اور امام شافعی کی ذکاوت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ کبھی امام مالک و احمد بن حنبل کی صلابت و استقامت کے پیکر میں آشکارا ہوا، کبھی نورالدین زنگی کے لطف و کرم میں جلوہ گر ہوا۔ کبھی صلاح الدین کے عزم محکم اور سعی پیہم سے ہویدا ہوا۔ کبھی امام غزالی کا جوہر کمال بن کر سامنے آیا اور کبھی شیخ عبدالقادر جیلانی کا تقدس و روحانیت بن کر دلوں کا مداوا بنا۔ کبھی ابن جوزی کی تاثیر بنا۔ اور کبھی اورنگ زیب عالمگیر کے آہنی عزم کی ہیبت میں نمایاں ہوا۔ کبھی مجدد الف ثانی کے آثار قلم میں۔ کبھی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت بن کر اُبھرا اور کبھی شاہ ولی اللہ کی حکمت بن کر اور کبھی ان کے بعد آنے والے داعی و مصلحین کی خدمات بن کر نمایاں ہوا۔

ان تمام عبقریتوں اور اُن کی عملی و علمی خدمات کا سلسلہ نسب اس مدرسہ اور اس کی تربیت اور اس خوش آئند عہد پر منتہی ہوتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا۔ جس میں انسانیت کے افضل ترین امکانات کو اُبھرنے اور سرگرم ہونے کا موقع ملا اور جس میں ان صلاحیتوں

سے فائدہ اٹھانے اور کام لینے والے افراد ملنے لگے۔ یہ مدرسہ زمانے کی چیرہ دستی اور لوگوں کی ناآشنائی کے باوجود تاریخ میں بے مثال افراد پیدا کرتا رہا۔ اور اپنے مفید اثرات و ثمرات سے انسانیت کی جھولی بھرتا رہا ہے۔

اس بات پر جس قدر افسوس کا اظہار کیا جائے کم ہے کہ ہماری جدید تہذیب اور موجودہ فکری قیادت معاشرہ انسانی کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے افراد تیار کرنے اور انسان کی سیرت سازی میں بُری طرح ناکام رہی ہے۔ وہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر سکتی ہے۔ وہ انسان کو چاند اور ستاروں پر پہنچا سکتی ہے۔ وہ ذراتی طاقت سے بڑے بڑے کام لے سکتی ہے۔ وہ علم و ہنر کو آخری نقطۂ عروج پر پہنچا سکتی ہے۔ اس کی ان کامیابیوں اور کامرانیوں سے کسی انکار کی گنجائش نہیں۔ لیکن وہ صالح اور صاحب یقین افراد پیدا کرنے سے بالکل عاجز ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی ناکامی اور بدنصیبی ہے۔ اور اسی وجہ سے صدیوں کی محنتیں ضائع و برباد ہو رہی ہیں اور ساری دنیا مایوسی اور انتشار کا شکار ہے۔

نئی فکری قیادت نے جو افراد دنیا کو عطا کئے ہیں وہ ایمان و یقین سے خالی، ضمیر انسانی سے محروم، اخلاقِ عالیہ سے تہی دامن، انسانیت کے شرف و احترام سے غافل ہیں وہ یا تو لذت و عزت کے فلسفہ سے واقف ہیں یا صرف قوم پرستی اور وطن دوستی کے مفہوم سے آشنا ہیں اس نوعیت و صلاحیت کے افراد خواہ جمہوری نظام کے سربراہ ہوں یا اشتراکی نظام کے ذمہ دار کبھی کوئی صالح معاشرہ، پُرامن ماحول اور خداترس و پاکباز سوسائٹی قائم نہیں کر سکتے۔ اور اُن پر خدا کی مخلوق اور انسانی کنبہ کی قسمت کے بارے میں کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

اس دنیا میں صالح ترین افراد اور صالح ترین معاشرہ صرف نبوت نے تیار کیا ہے۔ اور اسی کے پاس دل کو بدلنے اور گرمانے، نفس کو جھکانے اور جمانے، نیکی و پاکبازی کی محبت اور گناہ و بدی سے نفرت پیدا کرنے، مال و زر، ملک و سلطنت، عزّ و جاہ اور سیادت و قیادت کی سحر انگیز ترغیبات کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کرنے کی صلاحیت ہے وہی افراد ان صلاحیتوں کے مالک ہوں دنیا کو ہلاکت سے اور تہذیب جدید کو تباہی سے بچا سکتے ہیں

نبوت نے دنیا کو سائنس نہیں دی، ایجادیں نہیں عطا کیں۔ اس کو نہ اس کا دعویٰ ہے نہ ایسا نہ کرنے پر شرمندگی اور معذرت۔ اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے دنیا کو افراد عطا کئے جو خود صحیح راستے پر چل سکتے ہیں اور دنیا کو چلا سکتے ہیں جو اپنی زندگی کے مقصد سے واقف اور اپنے پیدا کرنے والے سے آشنا ہیں۔ نبوت نے دنیا کو ایجادوں کے عوض ابوبکرؓ اور عمرؓ دئیے ہیں، عثمانؓ و علیؓ دئیے ہیں۔ طارق و خالد اور محمد بن قاسم امام بخاری و مسلم رازی و غزالی اور ابن تیمیہ عطا کئے ہیں۔ انہیں کا وجود انسانیت کا اصل سرمایہ اور انہی کی تربیت نبوت کا اصل کارنامہ ہے۔ اس لئے دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کے لئے اس سرچشمہ فیض کی طرف رجوع کرنا چاہئیے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

ہمارے نبیؐ کی قوّتِ عمل

مولانا نیاز فتحپوری

اگر تمدنِ موجودہ کی محیر العقول نیرنگیاں، نظامِ کائنات کا یہ حیرت زا مستقر، مادی نشو و ارتقار کی ایسی محسوس بوالعجبیاں استقرار کے ایسے مسکت اور مبہوت کر دینے والے نتائج، یعنی اگر سائنس و فلسفہ کی حکومت تامہ کا یہ احاطۂ عظیم لاکھوں میل کی بات ایک ستون لاسلکی کے ذریعے سے آنِ واحد میں سن سکتا ہے ایک دوربین کے ذریعہ سے وہ کرۂ قمر کے اُن خشک شدہ بحور اور شقاق جبل کو دیکھ سکتا ہے جن کو ہماری عریاں آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ اگر وہ اپنے نظریات مسلمہ کے ذریعہ سے مغرب میں بیٹھ کر حالاتِ عالم کا مطالعہ کر کے واقعاتِ آئندہ پر حکم لگا سکتا ہے تو ہمیں ایسے محسوسات بصری، ایسے معلومات سماعی اور اس نوع کے اخبار کے یقین کر لینے میں ذرا تامل نہیں لیکن اگر نظام برق ہم کو ہماری سماعت حقیقی سے محروم کر دینے والا ہے، اگر آلاتِ نجوم میں ہماری اصلی بینائی ہم سے چھین لینے کو آمادہ ہیں، اگر ایسے مسلمات قیاس ہمارے دماغ کے نقوش فطرت اور ہمارے دلوں کے ضربات جبلی مٹا دینے والے ہیں تو ہم کو قبل اس کے کہ ایسی کورانہ بصارت، اس طرح کی کر سماعت اور اس نوع کے غیر وجدانی تیقنات پر ایمان لائیں۔ اپنے زوال سامعہ، اپنی تقصیر باصرہ اور اپنے فقدانِ روح پر ایک وسیع ماتم کرنا چاہیئے کہ کانوں نے سننا چھوڑ دیا، اور آنکھوں نے دیکھنا، دماغ نے سوچنا ترک کر دیا اور دل نے دھڑکنا

مشرق جس نے مغرب پر رشک کیا، یعنی وہ فطری سادگی جو آج غیر فطری صناعت کو دیکھ دیکھ کر اس میں جذب ہو جانا چاہتی ہے، وہ روحانی سکون جو آج مادی شور و غل پر اپنے تئیں قربان کر دینا چاہتا ہے، آج ان نفوس قدسیہ پر ناز کرنے کے لئے زندہ نہیں، جن کی اشراقیت اس کے ہر ہر ذرہ کے لئے مایۂ حیات تھی، بلکہ وہ ان تزئینات و تعیشات پر فخر کر رہا ہے جن کو اس نے اپنی اخلاقی رفعت اپنی روحانی عظمت اور اپنی انسانی خصوصیات ہاتھ سے دے کر حاصل کیا ہے لیکن اس کی آنکھیں نہیں ورنہ وہ دیکھتا کہ آج اخلاق کیسا سوگوار ہے۔ اس کے کان نہیں ورنہ وہ سنتا کہ آج روح کیسا شدید ماتم کر رہی ہے۔

لیکن دنیا حیرت سے سنے گی کہ وہ شخص جو صرف اس شوق سے نابینا بنا کہ دوسرے کے سہارے سے چلے، آج وہ اس سہارے کو بھی چھوڑ بیٹھا، وہ شخص جس نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی صرف اس امید پر کہ وہ اشارات سے اخذ مفہوم کر لیگا، آج ان اشارات سے بھی عملاً متنفر ہے۔ پھر اگر ہم مذہب سے صرف اس لئے بیزار ہو گئے تھے، کہ مذہب وحشت و ہیبت ہے، مذہب جہل و درندگی ہے، تو کہاں ہیں وہ مقتدایانِ مغرب اور کہاں ہیں ان کی تلقینات قدسیہ جنہوں نے ہمارے اندر یہ انجذاب گدایانہ پیدا کیا؟ لیکن مذہب ہمارے ہاتھ سے گیا کیونکہ ہم اس سے بیزار تھے اور مغربی

عروج نے ہمیں منہ نہ لگایا کہ ہم اس کے اہل نہ تھے، اور ہمیشہ یہی حال ہوتا ہے اس قوم کا جو قومیت کے مفہوم سے بیگانہ ہوتی ہے اور قومی خودداری کو ہاتھ سے کھو بیٹھتی ہے، ہم مناظر دولت کو دیکھ کر مست و سرشار ہو سکتے ہیں، ہم مادی ترقیات کی کرشمہ زائیوں سے مبہوت و متحیر ہو سکتے ہیں، ہم زرکار ملبوسات اور ایک پرتعیش زندگی کی جلوہ طرازیوں پر حسد کر سکتے ہیں لیکن ہم کو نہیں معلوم کہ دولت کیونکر حاصل ہوتی ہے۔ ہمیں خبر نہیں کہ مادی ترقی کا راز کیا ہے ہم بالکل بیگانہ ہیں کہ ایسی پرلطف زندگی حاصل کرنے کے کیا ذرائع ہیں۔ پھر اگر صرف خواہشات قلبی و داعیات تمنا سے کوئی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، تو بیشک خوش نصیب ہے وہ دل جو دولت کو دیکھ کر تڑپ جاتا ہے اور قابل تہنیت و تبریک ہے وہ آرزو جو ایک آسودہ اور فارغ البال حیاتِ انسانی سے متاثر ہو کر ہماری روح کو مالوف و مشغول کر سکتی ہے لیکن نہیں۔ تجربہ ایک ایسی واقعیت حقہ اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے جس سے انکار محال ہے، اور ہماری حالت اک ایسی تادیب میں ہے۔ جس کو زمانہ جھٹلانے کے لیے تیار نہیں، ہم نے وضع بدل کر دیکھ لیا، ہم نے اپنی صورتیں بدل کے تجربہ کر لیا، لیکن ترقی کا راز آج تک نہیں معلوم ہوا۔ ہم راستہ سے ہٹ گئے ہم نے ایک غلط راہ اختیار کی، جن کو ہم نے اپنے پندار میں رہبر و ہادی سمجھا تھا۔ ان کی گردنے بھی ہماری پرسش نہ کی اور اب ہم سراسیمہ و پریشان کھڑے ہیں کہ کیا کریں مگر نہیں۔ ادھر آؤ مذہب تم کو اب بھی بتانے کے لیے تیار ہے کہ حقیقی ترقی کیا ہے اور اس کے حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے۔

ترقیاں دو قسم کی ہیں ایک ترقی تو بالکل اضطراری ہے۔ جس میں مخلوقات عالم کو کوئی اختیار نہیں ہے، مثلاً تکوین عالم کہ پہلے ذرات سدیمیہ (ETHOR) کا فضائے عالم میں منتشر ہونا، پھر ان میں باہم انفصال اور پھر اس شدت انفعال سے جمادات کا ظہور میں آنا، جمادات سے نباتات کا پیدا ہونا اور پھر نباتات کا روح حیوانی کو قبول کرنا، روح حیوانی کا مختلف انواع میں تبدیل ہو جانا، ان انواع میں مختلف اجناس کا پیدا ہونا، اور پھر ہر جنس کے ہر فرد کا اک تدریجی انداز سے آگے بڑھنا وغیرہ وغیرہ لیکن اک ترقی اختیاری ہے جو نیچر نے بالکل ہمارے اوپر چھوڑ دی ہے، اور ہمارے اوپر کیا چھوڑ دی ہے یوں کہنا چاہیے کہ اس نے تمام اسباب مہیا کر دیئے ہیں، صرف ہم کو ان سے کام لینے کے لیے چھوڑ دیا ہے کہ ترتیب قضایا تو ہو چکی ہے۔ صرف نتائج پیدا کرنا باقی رہ گیا ہے۔ جس کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ ہم کو اختیار کلی دے دیا گیا ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ جس وقت وہ اضطراری ترقی عالم نوع انسان کی حد تک پہنچی۔ اس میں پھر مدارج پیدا ہوئے، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے انسان موجودہ شکل و صورت، وضع، تمدن اور انداز معاشرت تک پہنچا، اس لیے یقینی نہیں کہا جا سکتا کہ دنیا میں سب سے پہلا انسان جو پیدا ہوا وہ کیسا تھا، اس کی یہی شکل و صورت تھی یا اس سے کچھ مختلف، تاریخ جہاں تک ہم کو اس بحث میں مدد دے سکتی ہے وہ ہر چند نہایت ناقابل اطمینان اور قلیل ہے، تاہم انسان کا زمانہ حجری یا اس سے کچھ قبل کا زمانہ جس کے کچھ حالات اس وقت ہمیں معلوم ہو سکتے ہیں، اک بیّن ثبوت اس امر کا ہے کہ موجودہ حالت ارتقا خدا معلوم نیچر کی کتنی صدیوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ یعنی وہ زمانہ کہ جس وقت انسان نے اضطراری ترقی سے نکل کے اختیاری ترقی میں قدم رکھا، کس کو خبر ہے کہ کس انداز سے رفتہ رفتہ بڑھ کر اس حد تک پہنچا، ہر چند وہ لمحہ جب ایک انسان کے وجود سے

تمام دیگر مخلوقات کو اس کا مطیع و منقاد ہونا ثابت کر دیا گیا، ہماری اختیاری ترقی کا لمحۂ اولین تھا، لیکن اس ترقی کی کنہ دریافت کر لینے کے لیے جس کو ہم تدبیر عالم کہتے ہیں، ضرورت تھی کہ نیچر ہماری اور مدد کرتا، اور اس نے کی، یہاں تک کہ انسان اس سطحِ فائقہ پر آ گیا جس کو دیکھ کر نیچر نے اک سکون حاصل کیا، اور ایک حقیقی اختیاری جد وجہد کا وسیع میدان ہمارے پیش نظر ہو گیا؛ ذرا میں اس کو اور صاف الفاظ میں بیان کروں گا:-

وہ زمانہ اپنے پیش نظر رکھیے جب انسان کی آرزوئیں اور تمنائیں صرف اس حد تک محدود تھیں کہ وہ اپنی گرسنگی کو دور کر سکے، پیاس کو بجھا سکے، اور موسمی اثرات کے خلاف اپنے جسم کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جائے۔ صحرا اس کا گھر تھا، اور ویرانہ اس کا نشیمن، وہ اس زمانہ کے درندوں میں صرف اک ذی شعور درندہ تھا۔ جو پتھروں کو گھس گھس کے شکار کرنے کے کام میں لاتا تھا اور جن جانوروں کا وہ شکار کرتا تھا۔ انہیں کی کھال وہ اپنے جسم سے لپیٹ لیتا تھا، ہم کو خبر نہیں کہ وہ اپنی ان ضروریات سے زیادہ اور کوئی جذبات بھی اپنے اندر رکھتا تھا یا نہیں، اور اگر رکھتا تھا تو وہ جذبات متعدی بھی تھے یا نہیں یعنی وہ ان کو دوسروں تک منتقل کر بھی سکتا تھا یا نہیں، اس کے بعد وہ زمانہ آیا، جب اس کو اپنی انہیں مختصر و محدود ضروریات کے متعلق کچھ اور سلیقہ پیدا ہوا، اور اس میں اس نے ایک حد تک ترقی کی؛ بہر حال یہ تھی ہماری ابتدائی ہستی، اور یہ تھی بنیاد اس عقل کی جس نے آج عالم میں ایک قیامت برپا کر رکھی ہے اس کے بعد رفتہ رفتہ ایک زمانہ وہ آیا جب انسان نے اس بات کو سمجھنا شروع کیا کہ اس کا دل اور بھی بہت سی باتوں کو چاہتا ہے اور وہ ان کے حاصل کرنے کی تدابیر میں مصروف ہوا۔ یہاں تک کہ اللہ نے اس طور سے اس کی عقل کو پختہ کر دیا اور وہ ساعت آ گئی جب دنیا میں اعتساب کی بنیاد پڑی اور ہمارے لیے ہماری جنس سے زیادہ زیرک و صاحب فراست ہستیاں نمودار کی گئیں۔ ہم نے ان کو اپنا مقتدا سمجھا یا نہ سمجھا یہ بات دوسری ہے لیکن اس میں کلام نہیں کہ ہم اس قدر ضرور محسوس کرتے تھے کہ وہ ہم سے برتر و اعلیٰ تھیں اور انکی عقل ہماری عقلوں سے زیادہ پختہ و مستحکم۔ مگر نیچر ابھی پورے طور سے فارغ نہیں ہوا تھا اس کو ابھی اور کام کرنا تھا اس نے آدم پیدا کیا۔ شیث، نوح وغیرہ پیدا کیے۔ یہاں تک کہ نیچر کی طمانیت کا زمانہ قریب آتا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نگاہ حقیقت شناس سورج، چاند اور ستاروں کی کنہ کو صرف ایک شب و روز کے عروج و زوال میں پوری طرح سمجھ گئی اب وہ زمانہ قریب آتا جاتا تھا جس کی تخلیق عالم منتظر تھی، انسانی ہستیاں اب بہت بلند ہو گئی تھیں، ان کی آرزوئیں بہت وسیع ہو چلی تھیں اور ان کے حوصلے بہت بلند نظر آتے تھے۔ ان میں وہ مادہ پیدا ہو گیا تھا۔ جس سے کام لینے کے بعد دنیا میں حقیقی امن و سکون پھیل سکتا تھا، حضرت موسیٰ تشریف لائے اور ایک منادی کی حیثیت سے اپنی خدمت انجام دے کر چلے گئے، حضرت عیسیٰ مبعوث ہوئے اور اس انسان کے دیکھنے کی تمنا اپنے دل میں لیے ہوئے گزر گئے جو تکمیل منشائے خداوندی کے لیے ایک دفعہ اور ہمیشہ کے لیے آنے والا تھا؛

ابتدائے عالم سے ساری کائنات ترقی کرتی چلی آ رہی تھی، خدا معلوم کتنے دریا صحرا ہو گئے اور کس قدر صحرا جھیل، معلوم نہیں کتنے پہاڑ نباتات میں تبدیل ہو گئے، اور کس قدر نباتات حیوانیت میں، حیوان کو انسان ہوئے زمانہ ہو گیا۔

یہاں تک کہ انسانیت اللہ کی زمین پر پھیلی، اور اس کی آرزوؤں، اس کی تمناؤں نے کیسے کیسے تنوعات پیدا کر کے دکھا دیئے۔ بیداری نے سارے عالم پر قبضہ کر لیا تھا، لیکن فطرت حقیقی ابھی سو رہی تھی۔ انسانی بستیاں آباد تھیں، لیکن اللہ کا گھر ویرانہ تھا یعنی انسان، انسان تھا، لیکن خلیفۃ اللہ نہ تھا: زمانہ کی لاتعداد گردشوں کے بعد، آسمانوں کے بیشمار چکروں کے بعد آخر کار وہ ساعت آئی۔ جب خداوند جل وعلا نے براہ راست اپنا ہاتھ تمدن عالم کی طرف بڑھایا اور وہ تنہا عظیم ترین ہستی، وہ خلاصۂ موجودات، وہ تکوین عالم کا انتہائی نقطۂ تگ و دو، جو اساس مدنیت و تہذیب، یعنی وہ آسمانی صداقت جس کی جگہ اس وقت تک دنیا میں کسی نے پر نہیں کی تھی، وہ خداوندی حقیقت جو اس وقت تک عالم میں بے نقاب نہیں کی گئی تھی، یعنی وہ تمنائے خلیل اللہ جس نے کتنے آزر خانے اپنے انہماک جستجو میں برباد کر دیئے، وہ جلوۂ مستور جو ارنی گوئے کوہ طور کے لئے بھی عریاں نہیں کیا گیا۔ وہ فارقلیط موعود جس کا غلغلہ صدیوں قبل رہبانیتِ مسیح میں بلند ہو چکا تھا، منودار ہوا۔ پردے اٹھا دیئے گئے ساری دنیا اچھل پڑی، ذرے جگمگا اٹھے، ظلمت کی جگہ نور نے عدوان و بغاوت کی جگہ امن و صلاحیت نے لے لی اور بالآخر کار وہ آخری حقیقت کاملہ ظاہر کر دی گئی، جس کے لئے انسانیت اس دنیا میں مضطرب تھی، اور وہ حسن حقیقی پیش نظر ہو گیا جس کے لئے عالم تڑپ رہا تھا۔

وہ ہم جیسا سریع الاظفار، مستقیم القامۃ، متحرک بالارادہ حیوان ناطق تھا لیکن پھر بھی سارے انسانوں سے جدا، وہ اور تمام انبیاء و رسل کی طرح مدعی اصلاح و مبلغ احکام خداوندی تھا۔ لیکن ان سب سے ارفع و اعلیٰ، اس نے ہم کو وہ باتیں بتائیں۔ جو اس وقت تک کسی نے نہ بتائی تھیں، اس نے ہم کو ان رموز سے آشنا کیا جو اس وقت تک کسی نے ظاہر نہ کئے تھے، یعنی اس نے ہمارے سامنے ایک ایسی عملی زندگی کا نمونہ پیش کیا جو اس وقت تک ہمارے خیال میں نہ تھا، اور اس نے ہم کو ایسا درس دیا جو اس سے قبل کسی نے نہ دیا تھا۔ اس نے اتنا زبان سے نہیں کہا جتنا خود کر کے دکھایا، اور اس نے کبھی کوئی بات ایسی نہیں کی۔ جس کو کہتے ہوئے وہ شرماتا۔

گروہ صوفیہ جانتا ہے کہ وجود محض سے مراد ذات باری ہے اور وہ اسی ذات کا مظہر تھا۔ یعنی ان تنہا خصوصیت باری کا پرتو حقیقی تھا، جو سوائے ذات باری کے کچھ نہیں۔ اس نے ہم کو بتایا کہ زندگی کیا ہے، جینا عبارت کس چیز سے ہے۔ اس نے ہمیں وجود کا مفہوم بتایا اور اس خصوصیت حیات سے آگاہ کیا۔ جس سے اس وقت تک ہم غافل تھے

جس وقت وہ مبعوث ہوا، نہ صرف اس حصۂ زمین کی جو اس کا مسقط الراس تھا۔ بلکہ سارے عالم کی کیا حالت تھی؟ ہم اس کے متعلق کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے، کیونکہ بارہا اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے اور دنیا کا ہر شخص اس سے آگاہ ہے، لیکن ہم اس وقت صرف اس راز سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ جس نے اس کے مشن کو کامیاب کیا وہ باوصف اس کے کہ امی غریب تھا، وہ باوصف اس کے کہ کوئی اس کا سر دھرا اور تربیت کرنے والا نہ تھا، وہ باوصف اس کے کہ کوئی اس کا ہمنوا و ہم زبان نہ تھا، کوئی حامی مددگار نہ تھا، وہ باایں ہمہ نقائص ظاہری آخر تھا کیا؟ جس کی امیت نے فراستوں کو دنگ، جس کی غربت نے دولت و امارت کو سرنگوں، جس کی بے کسی نے قوموں کو آمادہ حمایت، اور

جس کی لاچارگی نے اک دنیا کو اس کا طرف دار بنا دیا۔ فلسفہ مبہوت ہے، علم سراسیمہ ہے اور دانش متحیر۔ لیکن ہم تنا ما چاہتے ہیں کہ وہ نہ کوئی سحر تھا اور نہ کوئی افسوں، نہ کوئی طلسم تھا اور نہ کوئی نظر بندی بلکہ وہ صرف اس کی قوتِ عمل تھی اور اس کے ارادہ کا استحکام، لیکن ہاں اس میں کلام نہیں کہ اس کی قوتِ عمل اک ایسی زبردست قوت تھی۔ اس کے ارادہ کا استحکام اک ایسا استحکام تھا جو تخلیق کی عالم ابتدا سے لیکر اس وقت تک زمانہ پیش نہ کر سکا۔ اور اس کی کھلی ہوئی وجہ ہے کہ وہ جملہ صفات باریہ کا مکمل ترین مظہر خصوصی تھا اور وجودِ مطلق جو اضطرابِ عمل کا سرچشمہ حقیقی ہے اس کے اندر کام کر رہا تھا۔ کوئی انسانی قوت، کوئی تزکیہ نفس، کوئی استقامتِ فکر، کوئی استقلالِ رائے اور کوئی اصابتِ ذہن و عقل، اپنی انتہائی حدِ ارتقا میں بھی اس قوتِ عمل کا درک صحیح نہیں کر سکتی۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا مبدا فیضانِ خداوندی تھا، ہم نے جو کچھ سمجھا، یا ہم جو کچھ حکم لگا سکتے ہیں وہ اس کے مجراء کو دیکھ کر۔

جس وقت اس مقدس ہستی نے فرائضِ تبلیغ ادا کرنے کی ابتدا کی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ اس کام کے لئے وہ کیسا پر آشوب زمانہ تھا۔ بہیمیت پورے طور سے انسانی نسلوں میں نفوذ کر چکی تھی اور زمانہ سے جہاتِ تہذیب یکسر محو ہو چکے تھے۔ لوگ گناہ کرتے تھے۔ لیکن اک عشرِ لمحہ کے لئے بھی وہ غور نہ کر سکتے تھے کہ یہ گناہ ہے، وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور اس کو اک صداقت تسلیم کرتے تھے وہ وحوش و بہائم کی طرح معاشرت مدنیت کو پامال کر رہے تھے اور انہیں ذرا احساس نہ تھا کہ یہ اک ناشائستہ فعل ہے۔ غرضیکہ عصیان و ضلالت کی حکومت تھی اور انسانیت زمین کے اوپر بار ہو گئی تھی۔ کسے خیال ہو سکتا تھا کہ ایسے زمانہ میں اور علی الخصوص ایسی سرزمین سے جو مرکزِ حیوانیت تھا اللہ اک ایسی ہستی ظاہر کرے گا۔ جو چند سال کے قلیل عرصہ میں نہ صرف اس قطعہ زمین بلکہ سارے عالم میں اک انقلابِ عظیم پیدا کرا دے گی۔ مگر نہیں۔ فطرت غافل نہ تھی، وہ خاموش تھی، لیکن سوتی نہ تھی۔ ظلمتِ شدید کا انتظار تھا کہ نور کی درخشانی زیادہ نمایاں ہو، سخت تاریکی کی ضرورت تھی کہ بجلی کوندتے ہی سب کی آنکھیں اسی طرف متوجہ ہو جائیں جب یہ سب کچھ ہو گیا، تو وہ بھی ہو گیا جس کے لئے یہ سب کچھ ہوا تھا۔ پھر اس سرشارِ محبت کا حال کسے نہیں معلوم۔ اک شیفتگی تھی جو کسی دماغ میں پیدا نہیں ہوئی اک والہانہ جسارت تھی جو کسی قلب سے ظاہر نہیں ہوئی۔ وہ نوحؑ نہ تھا کہ اپنی قوم سے تکلیف پا کر "رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا" پکار اٹھتا، وہ موسیٰؑ نہ تھا کہ فراعنہ عرب کی غرقابی اس کی انتہائے سعی تبلیغ ہوتی، وہ عیسیٰؑ نہ تھا کہ حوارئین سے تنگ آکر دین و دنیا کے جھگڑوں سے پناہ مانگتا۔ وہ سقراط نہ تھا کہ قوم کے ہاتھوں سے پریشان ہو کر چیخ اٹھتا کہ "تم نہیں مانتے تو نہ مانو۔ لاؤ مجھے زہر کا پیالہ دو کہ پی لوں اور پھر تمہیں نہ دیکھ سکوں"۔ وہ تو محمدؐ تھا، وہ مصیبتیں برداشت کرنے اور راحتیں پہنچانے وہ گالیاں سننے اور دعائیں دینے کو آیا تھا۔ وہ تو خاتم النبیینؐ تھا کہ اللہ کو اس کے بعد پھر اس دنیا میں کوئی رسول بھیجنا مقصود نہ تھا، وہ تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کے لئے آیا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ امانتِ الٰہی کا حامل ہونا آسان نہیں، دوست دشمن ہو جائیں گے اور عزیز بیگانے، اپنے چھٹ جائیں گے۔ وطن عالمِ غربت ہو جائے گا۔ لیکن باوصف اس

آگاہی وعلم کے اس نے غارِ حراء سے نکل کر جو پہلا وعظ دیا، کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ تادم واپسیں اس سے اس نے انحراف کیا ہو۔ راہ میں کانٹے اس کے بچھائے گئے، گالیاں اسے دی گئیں۔ قاتلانہ حملے اس پر ہوئے، تنہا بے یار و مددگار وہ چھوڑ دیا گیا۔ غرضیکہ دنیا اس پر بالکل تنگ کر دی گئی لیکن آج ہم غیروں کی تاریخیں تلاش کرتے ہیں اور پھر بھی ہم کو کوئی مثال ایسی نظر نہیں آتی کہ اس کی استقامت قدسیہ اور اس کے انہماک مقدسہ نے اپنے جادۂ اولین سے ایک اِنچ قدم ادھر ادھر ہٹایا ہو، پھر یہی نہیں کہ اس نے اسی ایک ابتلا کو ایسے پرشوکت تحمل وسکون سے برداشت کیا ہو۔ نہیں بلکہ اس سے زیادہ سخت آزمائشوں سے وہ دوچار ہوا یعنی لالچ اسے دیئے گئے، دولت اس کے سامنے پیش کی گئی سلطنت وحکومت اس کے قدموں پر ڈال دی گئی، مگر دنیا کے اس فاقہ کرنے والے اور ٹاٹ کا ملبوس استعمال کرنے والے سب سے بڑے انسان نے دولت سے منہ پھیر لیا، سلطنت کو ٹھکرا دیا، اور کہہ دیا کہ "محمدؐ نہ دولت جمع کرنے آیا ہے اور نہ سلطنت حاصل کرنے، وہ تو دنیا میں حقیقی سکون پھیلانے آیا ہے، جس کے لیے دنیا مضطرب تھی، وہ تو عالم میں ایک سچے امن کا بیج بونے آیا ہے جس کا عالم منتظر تھا، پس اگر تم اس سکون پھیلانے میں کچھ اس کی مدد کر سکتے ہو، اس امن کے قائم کرنے میں اس کا ہاتھ بٹا سکتے ہو، تو آؤ، ورنہ اس کو اسی کے حال پر چھوڑ دو"، آہ، خلق ورافت کی ایسی پاکیزہ مثالیں محبت وشفقت کے ایسے دلگداز واقعے، دیانت وحصانت کے ایسے عظیم الشان کارنامے، امانت واستقامت کی ایسی عجیب وغریب نظیریں، جیسی اسوۂ محمدی نے پیش کیں، ممکن نہیں کہ کوئی انسانی نظام عصبی پیش کر سکے، مذہب عیسوی نے حالانکہ وہ دنیا میں صرف درسِ رہبانیت دینے آیا تھا، دشمن سے عوض لینا مکروہ قرار دیا ہے۔ لیکن محمدؐ نے دشمنوں کے ساتھ بھی لطف ورفق کا درس دیا، اور اس درس کی عظمت کتنی بڑھ جاتی ہے، جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو ہم سے دنیا بھی ترک نہیں کراتا ایک تارک دنیا بادیہ نشین، ایک مجرد صحرا نورد جس میں قدرتاً جذباتِ عجز وانکسار کا پیدا ہونا لازمی ہے حضرت عیسیٰؑ کی اس تعلیم کو "دشمنوں کو بھی معاف کرو" جس آسانی کے ساتھ قبول کر سکتا ہے ظاہر ہے۔ لیکن اللہ اللہ شائستگی کے اس اوج، تہذیب کے اس عروج، انسانیت کی اس ترقی اور روحانیت کی اس ارتقاء کو دیکھئے کہ باوصف متاہل ہونے کے، باوصف جملہ مصالح دنیاوی کے پیش نظر ہونے کے، باوصف اس کے کہ تعلقات معیشت ومعاشرت ہم میں تمام وہ حسیات پیدا کر دینے والے ہیں جو اک حیاتِ انسانی کے لیے اس عالم میں ناگزیر ہیں۔ ہم کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی مہربانی کرو! اور پھر یہی نہیں کہ صرف زبانی تعلیم دی جاتی ہو بلکہ اس کا نمونہ بھی پیش کیا جاتا ہے، اور نہ صرف نمونہ ہی پیش کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے اثرات بھی دکھا دیئے جاتے ہیں۔ اس کی کامیابیاں بھی صفحاتِ تاریخ پر ثبت کر دی جاتی ہیں اور دور ونزدیک ہر متنفس سے یہ بات منوالی جاتی ہے کہ کونینؑ میں حصول اقتدار، دین ودنیا میں کسبِ مدارج کا اگر کوئی صحیح وجامع ذریعہ ہے تو وہ صرف وہی تعلیم مقدسہ ہے جو مذہب اسلام دیتا ہے۔ آج کل لفظ قومیت جیسا کثیر الاستعمال لفظ ہے اور کوئی نہیں، اور اس میں شک نہیں کہ یہی اصل اصول ہے لیکن عہد رسولؐ وصحابہ اطہار میں اس کا استعمال زبان پر اس قدر زیادہ نہ تھا جتنا درد اس کا دل میں تھا۔ پھر دیکھو کہ وہی

قومیت جس کا بکھرا ہوا شیرازہ آج ہم سے جمع نہیں ہو سکتا، اس کی حسِ صحیح پیدا کرنے والا کون تھا، کیا ہم تھے کہ
جن کی مغرور گردن، باوصف اس کے کہ حلق "قومیت قومیت" چیختے مجروح ہو گیا ہے، ایک غریب فرد قوم کا سلام
قبول کرنے کے لئے بھی نہیں جھکتی، یا وہ تھے جو اپنے سچے اور پکے دشمنوں اور ایذا پہنچانے والوں کی نجاست کو
خود اپنے ہاتھ سے دھوتے تھے اور اس کے حق میں دعا کرتے جاتے تھے۔ پھر جو آج ہم قومی ترقی کے لئے بیٹے
جا رہے ہیں۔ دوسروں کے عروج کو دیکھ دیکھ کر کڑھ رہے ہیں تو کیا ایک لمحہ کے لئے ہم اس بات پر غور نہیں کر سکتے
کہ وہ کیا اصول تھے جن سے ہم نے کسی زمانہ میں ترقی کی تھی، اور وہ ترقی کیا تھی۔ جس نے مادیات و روحانیات دونوں
کو ہمارا محکوم بنا دیا تھا۔ یہ یاد رکھو کہ مسلمان اگر کبھی ترقی کر سکتا ہے اور اگر اس کی ترقی وقیع ہو سکتی ہے تو وہ صرف
مسلمان ہی بننے سے ہو سکتی ہے۔ مشرق و مغرب جمع ہو سکتے ہیں۔ شمال جنوب سے مل سکتا ہے۔ لیکن ترقی اور اسلام
سے انحراف قیامت تک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، یہ ممکن ہے کہ ایک شخص تارک اسلام ہو اور زر و جواہر کا انبار اس
کے گھر میں ہو، لیکن یاد رکھو کہ رشک کرنے کی چیز یہ نہیں ہے بلکہ ہمیں رشک اس شخص کی زندگی پر کرنا چاہیئے، جو
حقیقتاً بڑا آدمی ہے، پھر بڑا آدمی ایک دولتمند نہیں کہ اس کی دولت اور خاک کا ڈھیر برابر ہے، بڑا آدمی ایک
بادشاہ نہیں کہ عزت اس کی ذات کی نہیں بلکہ تاج کی ہے بلکہ بڑا آدمی وہ ہے جو اپنے بعد ابنائے جنس میں اور
دنیا میں ایک ایسی مستقل یادگار چھوڑ جائے۔ جس سے ہمیشہ استفادہ ہو سکے۔ بڑا آدمی وہ تھا جس نے اول اول یہ معلوم
کیا کہ ایک اونس پانی کا بخار ایک پونڈ وزن کو ایک بالشت اٹھا سکتا ہے، جس پر علم جرثقیل (MECHANICS)
کی بنیاد رکھی گئی۔ لیکن آج اسے کوئی نہیں جانتا اور نہ اس کی زندگی پر کوئی رشک کرتا ہے، بڑا آدمی وہ تھا، جس نے
مقناطیس کی یہ خصوصیت دریافت کی کہ زلزلہ کے وقت اس کی قوت کہربائی سلب ہو جاتی ہے۔ بڑا آدمی وہ تھا
جس نے ہیضہ کی مدوّر تھیوری پر غور کیا، لیکن ہم میں سے کوئی ان جیسا بننا پسند نہیں کرتا اور نہ حامیان قومیت یہ حس قوم
میں پیدا کرتے ہیں مگر اسوۂ رسول کا مطالعہ کرو، کہ سب سے پہلے اس نے جس چیز کی ہمیں تعلیم دی وہ قوتِ عمل تھی اور
ارادہ کا استحکام جس کے احاطہ سے دین و دنیا کی کوئی ترقی باہر نہیں۔ رات دن میں پانچ وقت نماز فرض سمجھ کر پڑھنا،
زکوٰۃ کا پابندی کے ساتھ ادا کرنا، بشرط استطاعت حج کرنا یہ اور تمام دیگر شعائر اسلام سے منجملہ اور اغراض کے ایک
غرض یہ بھی تھی کہ قوتِ عمل ہم سے مفقود نہ ہو جائے اور ہم اس نکتہ سے غافل نہ ہو جائیں کہ کام کو اس کے وقت پر
کرنا، اور کسی مدعا کے حصول کے لئے برابر جد و جہد کرتے جانا۔ یہی ہے مقصود حیات اور یہی ہے اک تنہا ذریعہ فلاح،
پھر جبکہ ہم شعائر اسلام سے یکسر بیگانہ ہیں اور ان کی وقعت دل سے مٹا بیٹھے ہیں، تو کیوں ان کی برکات حاصل کرنے کے
آرزو مند ہیں۔

ایک معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ اقوام میں سے کوئی مذہب اسلام کی پابند نہیں۔ لیکن یہ اعتراض
اٹھ جاتا ہے، جب ہم ذرا جستجو کرتے ہیں اور انجیر میں اس ترقی کا سبب بھی اسی قوت عمل کو پاتے ہیں جو ہمارے ہاں

اصل اصولِ حیات ہے اور اس اعتراض کی وقعت تو اور بھی نہیں رہتی جب ہمارے معیار سے ان کی ترقی حقیقی ترقی میں شمار ہونے کے قابل نہیں، اس میں شک نہیں کہ انہوں نے مادی ترقی کی جو ہمارے مقاصد زندگی سے باہر نہیں لیکن یہ ترقی انسانیت کی ترقی نہیں ہے، بلکہ ذکاوت و ذہانت کی ترقی ہے جو بغیر شمول روحانیت حقیقتاً ایک جسد بے روح ہے اور دنیا کے لئے ہلاکت و بربادی، موجودہ زمانہ جنگ میں غالباً اس امر کے ثبوت کے لئے بہت سے دلائل مل سکیں گے، اور اس لئے ہمیں اس سے زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں، رہا یہ امر کہ روحانیت کیا چیز ہے، اور اس کی ترقی، مادیات کی ترقی پر کس طرح مشتمل ہے۔ یہ ایک جدا بحث ہے جس پر کبھی آئندہ لکھا جائے گا۔ فی الحال ہمیں اسوۂ محمدیؐ کی اس خصوصیت کا ذکر کرنا تھا جو ہماری رائے میں اصل راز اشاعت اسلام، استحکام قومیت، اور ثروت وجاہ کا تھا، غالباً اس سے انکار کسی کو نہ ہوگا۔ لیکن رہا یہ امر کہ اس قدر وقت خراب کرنے کے بعد بھی کچھ تم کو بھی کو اس سے فائدہ ہوا ہو، تو وہ معلوم ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ صرف زبانی وعظ و تلقین کی ضرورت نہیں، ضرورت ہے ایسے نفوس کی جن کا حال ہی ہمارے لئے مقال ہو، مگر ایسے نفوس کہاں، عہد رسالت گزر گیا، زمانہ صحابہ ختم ہو گیا اب کہ اس دورِ صالح کا ذکر بھی اپنی محافل میں نہیں۔ کیونکر امید کی جا سکتی ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق کبھی ہو سکے گی۔ ہاں بلا اسباب و علل کے انقلاب عظیم، سو ہمارے اعتقاد میں اللہ کر سکتا ہے اور اب جزئیات کے لئے اگر کوئی بہانہ ہے تو صرف یہی اعتقادی تسلی، ورنہ آرزوؤں کی اس فراوانی نے ہمیں کب کا مایوس کر کے خودکشی پر آمادہ کر دیا ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شعر

عبد الوہاب خاں ماجد

فاطر فطرت نے نفسِ انسانی کی اصلاح اور ارتقار کے لیے بمقتضائے وقت و مقام جو رہنما بھیجے ان کو ایک نصاب عمل دیا اور اس کی تعمیل کے ذرائع بھی دیئے تاکہ اس سے مخالف قوتوں کو دبا سکیں، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا زور تھا، جو رسّی اور لکڑی کے ٹکڑوں کو سانپ کر کے دکھا سکتے تھے، ان کے مقابلہ میں حضرت موسیٰؑ کو یہ معجزہ دیا گیا کہ وہ اپنے عصا کو اژدہا بنا دیں اور جادوگروں کا زور توڑ دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جالینوس کے اصولِ طب پر بڑا ناز کیا جاتا تھا جس سے خدا فراموشی اور مادہ پرستی عام ہو گئی تھی اس لیے حضرت عیسیٰؑ کو ایسا روحانی معجزہ ملا کہ وہ بیماروں کو صرف چھوکر اور مُردوں کو محض اپنے اعجازِ نفس سے زندہ کر سکتے تھے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب میں کہانت اور شاعری کا بڑا زور تھا، خاص کر شعرائے عرب کو اپنی طلاقت پر ایسا غرور تھا کہ وہ اپنے مقابلہ میں دیگر ممالک کو عجم (گونگا) کہتے تھے۔ بعض کو تو یہاں تک زعم تھا کہ ان سے بہتر شعر کہنا ناممکن ہے۔ چنانچہ سات قصیدے کعبہ کے دروازہ پر اسی دعوے سے لٹکائے گئے تھے۔ ایسے زمانہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی آیتیں سنانی شروع کیں تو فصحائے عرب اس کی فصاحت اور بلاغت اور جامعیت کو دیکھ کر مبہوت ہو گئے۔ ان کی مشکل یہ تھی کہ وہ نہ اس کو شعر کہہ سکتے تھے، اس لیے کہ قرآن کا اندازِ بیان ان کے اصولِ موضوعہ کے مطابق نہ تھا۔ نہ یہ ممکن تھا کہ وہ اس کو شعر نہ کہیں، اس لیے کہ سوا ایک مفروضہ وزن کے حسنِ کلام کے وہ تمام اصول جو ان کے مسلمات کے مطابق کسی کلام کو شعر بنا سکتے ہیں، اس میں پائے جاتے تھے۔ پھر ہر بات تاثیر میں ڈوبی ہوئی تھی اور ساتھ ہی جو پیش گوئیاں کی جاتی تھیں، وہ بھی صحیح ثابت ہوتی تھیں، اس لیے سب نے آپؐ کا اعجازِ کلام تسلیم کر لیا اور وہ آپؐ کو کاہن اور شاعر کہنے پر مجبور ہو گئے۔

کاہن اور شاعر

کہانت اور شاعری ان میں معیوب نہ تھی بلکہ موجبِ فخر سمجھی جاتی تھی۔ لیکن کیونکہ وہ اعجازِ نبوت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے آپؐ کو (نعوذ باللہ) کاہن اور شاعر کہتے تھے، اس لیے اس فریب کو بھی قرآن نے توڑ دیا اور کہانت و [illegible] آپؐ کی ذات سے شعر کی بھی نفی کر دی اور کاہنوں اور شاعروں کی اس طرح مفصل تنقید فرما دی کہ (۱) یہ کاہن تو باتیں اڑا لیتے ہیں (اِدھر اُدھر کی باتیں سن کر) یا اپنی معلومات پر قیاس کر کے پیشین گوئی کرتے ہیں اور غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں، (۲) ناقابلِ اعتبار اور بدکار ہوتے ہیں (۳) اور اکثر ان میں سے جھوٹے ہوتے ہیں اور شاعروں کو گمراہوں کا پیشوا کہہ کر فرمایا کہ (۱) یہ ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں (ہر قسم کی اچھی بُری بات کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور بیشتر جھوٹ اور مبالغے سے کام لیتے ہیں۔ (۲) جو کہتے ہیں کرتے نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ ہر شاعر اس حکم میں داخل نہیں، جو صاحبِ ایمان اور نیکوکار ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ سورۂ شعراء آخری رکوع) مختصر یہ کہ نہ کاہنوں کی قیاس آرائی کو احکامِ نبوت سے کوئی نسبت ہے نہ شاعرانہ موہومات اور واہی تباہی باتیں حقائق اور مکارمِ اخلاق کا مقابلہ کر سکتی ہیں لیکن

مخالفین یہی سمجھتے تھے کہ ایسی حیرت انگیز باتیں کرنے والا یا تو کاہن ہو سکتا ہے، یا شاعر، یا جادوگر، یا دیوانہ۔ بہرحال وہ آپؐ کی نبوت کا اعتراف نہ کرتے تھے۔ اس لیے اتمام حجت کے لیے اُن سے کہا گیا کہ اگر تم کو شبہ ہے اور تم قرآن کو اللہ کا کلام نہیں سمجھتے، تو ایسی کوئی سورت یا اس جیسی کوئی عبارت تم بھی بنا لاؤ اور ساتھ ہی یہ چیلنج بھی دے دیا گیا کہ تم سب مل کر بھی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکو گے چنانچہ سب مدعیان فصاحت اپنی کوششوں میں ناکام ہو کر رہ گئے اور جب ان چند کلمات میں اعجاز فصاحت و بلاغت کا مشاہدہ کیا۔

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ

تو ماننا پڑا مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ

(یہ آدمی کا کلام نہیں ہے)

نتیجہ یہ ہُوا کہ سبعہ معلقات جو معجزاتِ فصاحت سمجھے جاتے تھے کعبے کے دروازے سے اُتار لیے گئے اور شعرائے عرب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

سیرتِ نبویؐ کا یہ وہ پہلو ہے جس سے کہانت کا اس طرح ابطال ہو گیا جس طرح اعجاز موسوی سے جادو کا اور شعر کی اصلاح کی بنیاد ایسی پڑی جیسی تن بیمار کی اعجاز مسیحائی سے۔ کہانت کا دار و مدار چونکہ قرائن و قیاس پر تھا جو اکثر غلط ہو جاتے تھے اور چونکہ اس قسم کی اوہام پرستی کا قوت عمل پر سخت مہلک اثر پڑتا تھا، اس لیے اس کا تو تختہ ہی اُلٹ دیا گیا اور کاہنوں کو بلا استثناء ناقابل اعتبار اور اُن میں سے اکثر کو جھوٹا کہا گیا لیکن کیونکہ شاعری بیکار چیز نہ تھی بلکہ اس فن کا استعمال غلط کیا جاتا تھا، شعرائے جاہلیت ایک دوسرے کو آپس میں بھڑکانے اور لڑانے کے لیے اپنا سارا زور کلام صرف کرتے رہتے تھے اور خود کسی مسلک کے پابند نہ ہوتے تھے۔ اس لیے اُن کی اس قسم کی لاابالی اور بے عمل زندگی کے مقابلہ میں ایک راہِ عمل بتا کر سمجھا دیا گیا کہ جو اس راہ پر چلیں گے اچھے شاعر سمجھے جائیں گے۔

ایک شبہ

سیرت رسول اللہ کا شعر سے یہ علاقہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے لیکن بعض قرینے ایسے بھی ہیں، جن سے شعر کی نسبت مخالف اور موافق دونوں پہلو نکلتے ہیں، مثلاً قرآن کریم کا ارشاد کہ: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ o لِّیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ o

(سورۃ یٰسین) واضح کرتا ہے کہ (۱) آپؐ کو شعر کا علم نہیں دیا گیا (۲) نہ یہ علم آپ کے لائق تھا (۳) بلکہ آپؐ کا منصب تو تعلیم قرآن اور تبلیغ احکام دین تھا تاکہ ہر ایسے شخص کو جو زندہ ہو یعنی جس میں ہدایت پانے کی صلاحیت ہو، پاداشِ عمل سے ڈرائیں اور اگر کوئی آپؐ کی بات نہ بھی مانے، تو کم سے کم اس پر حجت پوری ہو جائے تاکہ وہ یہ نہ سمجھنے پائے کہ مجھ سے تو کسی نے حق بات کہی ہی نہ تھی۔ اس قرینے سے شعر کا منافی منصب نبوت اور خلاف منشائے ہدایت ہونا پایا جاتا ہے۔ (۴) اس کے علاوہ شاعروں کو گمراہوں کا پیشوا کہنا (وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ) اور آپ کا ایسے لوگوں کا رہنما ہونا جن میں ہدایت پانے کی صلاحیت ہو (لِّیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا) ایسا قرینہ ہے جس سے مذکورہ بالا نظریہ کی تائید ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ شعر اور نبوت میں وہی تقابل

ہے، جو ضلالت اور ہدایت میں ہے!

اسی ذیل میں یہ احادیث ہیں۔

(۱) لِاَنْ یَّمْتَلِیْ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحًا یَّرِیْہِ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یَّمْتَلِیْ شِعْرًا (صحیح بخاری)

البتہ پیپ سے پُر ہونا مرد کے پیٹ کا کیڑوں سے بہتر ہے اس سے کہ پُر ہو شعر سے۔

(۲) اَلشِّعْرُ مِنْ مَزَامِیْرِ اِبْلِیْسَ (صحاح)

شعر شیطانی باجوں میں سے ایک ہے۔ اسی قسم کا ایک قول ہے: اَلشِّعْرُ سِحْرٌ مِّنَ الزِّنَا۔ یعنی شعر محرک زنا ہے (یہ حدیث نہیں ہے)

(۳) اَلشُّعَرَاءُ کَذَّابُوْنَ (صحاح) شاعر بہت جھوٹے ہوتے ہیں

(۴) ھَلَکَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ (مسلم) ہلاک ہوئے وہ لوگ جو بناوٹ سے باتیں کرتے ہیں، یعنی جو لوگ شعر و سخن میں تصنع اور مبالغہ کرتے ہیں۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں نفس شعر کی مذمت نہیں ہے بلکہ ان شعراء کی مذمت ہے جو شعر کا غلط استعمال کرتے ہوں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَالشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّھُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ ۝ وَاَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ط وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

(سورہ شعراء) یعنی۔

۱۔ شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں، جو بے راہ ہوتے ہیں۔

۲۔ شاعر ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

۳۔ شاعروں کے قول و فعل میں مطابقت نہیں ہوتی۔

۴۔ البتہ ان شاعروں میں سے وہ مستثنیٰ ہیں، جو ایمان اور حسنِ عمل سے متصف ہیں اور بیشتر یادِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں، اور اگر ان پر ظلم ہوتا ہے، تو اس کی مدافعت کرتے ہیں (خود ظلم نہیں کرتے یعنی اگر کوئی شعر کے ذریعہ سے ان کی مخالفت ہجو وغیرہ سے کرتا ہے، تو وہ بھی اس کا جواب شعر میں دیتے ہیں۔ الخ

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعر کا عیب و صواب شاعر کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ نفسِ شعر کی طرف۔ چنانچہ امراء القیس کو جو دورِ جاہلیت کا جلیل القدر شاعر تھا، حضورؐ نے اَشْعَرُ الشُّعَرَاءِ وَقَائِدُھُمْ اِلَی النَّارِ۔ یعنی سب سے بڑا شاعر اور شاعروں کا جہنمی لیڈر فرمایا اور حسان بن ثابت کی نسبت جو عہدِ رسالت کے شاعر تھے، ارشاد ہوا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (اللہ روح القدس کے ذریعہ سے حسّان کی مدد کرتا ہے)

اس قسم کی احادیث جن سے شعرا کی موافقت ہوتی ہے اور بھی ہیں مثلاً:

۱- اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً (بخاری)
واقعی بعض شعر سراسر حکمت ہوتے ہیں۔

۲- اَلشُّعَرَاءُ تَلَامِیْذُ الرَّحْمٰن (شاعر رحمٰن کے شاگرد ہوتے ہیں یعنی شاعروں کو سرچشمۂ رحمت سے الہام ہوتا ہے۔)

۳- اِنَّ لِلّٰہِ تعالیٰ کُنُوْزًا تَحْتَ الْعَرْشِ مَفَاتِیْحُھَا اَلْسِنَۃُ الشُّعَرَاءِ (عرش معلّٰی کے نیچے اللہ کے خزانے ہیں جن کی کنجیاں شاعروں کی زبانیں ہیں۔

۴- عَلِّمُوْا صِبْیَانَکُمُ الشِّعْرَ فَاِنَّہٗ یُوْرِثُ الشَّجَاعَۃَ - (اپنے بچوں کو شعر سکھاؤ اس سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔

۵- صحابہؓ نے حضورؐ سے پوچھا، شعر کہنا اچھا ہے، یا بُرا۔ فرمایا:
ھُوَ کَلَامٌ فَحَسَنُہٗ حَسَنٌ وَ قَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ۔ یعنی شعر بھی عام کلام کی طرح دو قسم کے ہوتے ہیں، اچھی قسم کے شعر اچھے ہوتے ہیں، بُری قسم کے بُرے۔

۶- کعبؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ نے شعر کی مذمت کی ہے، آپ مجھے کیا فرماتے ہیں، فرمایا:
اِنَّ الْمُؤْمِنَ یُجَاھِدُ بِسَیْفِہٖ وَلِسَانِہٖ۔ یعنی جو شعرا تائید اسلام اور ہجو کفار میں شعر کہتے ہیں، وہ گویا تلوار سے جہاد کرنے والے مومن کی طرح زبان سے جہاد کرتے ہیں۔

۷- اسی قسم کے شعراء کی نسبت بسلسلۂ حدیث سابقہ آپؐ نے فرمایا: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَکَاَنَّمَا تَرْمُوْنَھُمْ نَضْحُ النَّبْلِ - (قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، البتہ تم کافروں کو اس طرح تیروں سے مارتے ہو، جس طرح جہاد میں تیر چلاتے ہو، یعنی تمہارے شعر کفار پر تیروں کی طرح کارگر ہوتے ہیں۔

ان احادیث اور اسی قسم کی دوسری حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ از روئے قرآن و حدیث شعر میں فی نفسہٖ کوئی عیب نہیں بلکہ جیسا شاعر ہوتا ہے ویسا ہی شعر کہتا ہے۔

لیکن شُبہ یہ ہوتا ہے کہ جب شعر میں فی نفسہٖ کوئی قباحت نہ تھی، جس کی وجہ سے اہل ایمان کے لیے روا رکھا گیا، تو پھر کیا وجہ تھی کہ اس فن کو شائستۂ نبوت نہ سمجھا گیا، اور اگر یہ فن محل قباحت ہونے کی وجہ سے یعنی اس وجہ سے آپؐ کے لائق نہ تھا کہ عموماً شعر میں جھوٹی اور بے سروپا باتیں کہی جاتی ہیں اور شاعر اکثر بے عمل ہوتے ہیں، تو جب ان عیوب کے نہ ہونے پر اہل ایمان عام شعراء سے مُستثنیٰ کر دیئے گئے، تو آپ تو بہ سبب سرچشمۂ ایمان و ہدایت ہونے کے بدرجۂ اولیٰ مستثنیٰ ہو سکتے تھے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شعر میں شعراء کے مذکورہ عیوب کے علاوہ فی نفسہٖ کوئی نہ کوئی بات ایسی اور بھی ہے جو منافی منصب نبوت اور خلاف منشائے ہدایت ہو۔ پھر سیرت نبویؐ سے شعر کی اصلاح اور ترقی کیا معنی؟

شعر کی حقیقت: اس شبہ کو رفع کرنے کی غرض سے اوّل ہم کو شعر کی حقیقت پر ایک تفصیلی نظر ڈالنی چاہیئے۔

شعر کلام کی اس مخصوص ترتیب کا نام ہے، جس کے لفظوں میں اصول موسیقی کی تصویر اور معنوں میں جذبات انسانی کی تاثیر پائی جائے۔ شعر کے اجزائے ترکیبی چار ہیں۔ لفظ، معنی، وزن، قافیہ۔ اور غالباً ہمیشہ ہر جگہ انہیں اربعہ عناصر پر شعر کی بنیاد رہی ہے آج کل جو شعر کی نئی نئی تعریفیں سننے میں آتی ہیں، وہ انہیں اجزا میں سے کسی نہ کسی کی تفصیل یا تحلیل ہوتی ہے، مثلاً کہا جاتا ہے -

(۱) دلکش الفاظ کا مجموعہ شعر ہے۔

(۲) حسنِ معانی کا اثر شعر ہے -

(۳) کلمات کی متناسب الحرکات ترتیب شعر ہے -

(۴) مشترکہ جز و کلمات کی منفصل تکرار شعر ہے۔

(۵) کبھی ان تمام تعریفوں کو جمع کرکے کہا جاتا ہے کہ شعر ایسے بامعنی الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے جس میں وزن اور قافیہ پایا جائے۔

(۶) کبھی اس پر یہ اضافہ اور کیا جاتا ہے کہ ایسا کلام ارادے سے کہا گیا ہو تو شعر ہے ورنہ نہیں۔ کبھی بطریق تفریق اس میں سے بعض اجزا کی نفی کی جاتی ہے، مثلاً

(۱) شعر کے لیے ارادہ ضروری نہیں -

(۲) شعر کے لیے نہ ارادہ ضروری ہے نہ قافیہ -

(۳) شعر وزن کا محتاج نہیں ہے -

(۴) شعر کسی مفہوم یا معنی میں مقید نہیں ہو سکتا -

(۵) شعر کے لیے لفظ کی قید بھی نہیں ہے۔ (محسوسات بھی شعر ہو سکتی ہیں)

(۶) ان آزادیوں کے دیکھتے ہوئے اب صرف یہ کہنا باقی رہ گیا ہے کہ شعر کو شعر نہیں کہا جا سکتا!

شعر کی تعریف

جو لوگ شعر کو لفظ، معنی، وزن اور قافیہ کی قید سے آزاد رکھنا چاہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ شعر چونکہ شعور سے مشتق ہے، اس لیے ہر وہ چیز جو کسی قسم کا معین یا غیر معین شعور پیدا کرے شعر ہوگی، مثلاً مرئیات، مشمومات، مسموعات، مذوقات، ملموسات، تخیلات، توہمات، متمیزات وغیرہ سب شعر ہیں۔ پانی کی صفائی ہو یا کیچڑ کا گدلا پن، گلاب کی خوشبو ہو یا شراب کا تعفن، بلبل کا ترانہ ہو یا کوّے کی کائیں کائیں، آم کی شیرینی ہو یا اندرائن کی تلخی، پھول کی نرمی ہو یا کانٹے کی خلش سب شعر ہیں جن سے کوئی خوشی یا رنج یا رحم یا غصہ یا ہمت یا ڈر یا اور کسی قسم کا تاثر پیدا ہو۔ اس نظریہ کی رو سے شعر صرف احساس کا نام ہے، اظہار اس میں شامل نہیں، لیکن چونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک چیز سے ایک طبیعت متاثر ہو، دوسری نہ ہو یعنی وہ چیز کسی کیلئے شعر ہو کسی کیلئے نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز سے ایک ہی طبیعت کسی وقت متاثر ہو کسی وقت نہ ہو۔ یعنی وہی چیز کبھی شعر ہو کبھی نہ ہو اس لیے اس تعریف سے شعر متعارف نہ ہوگا اور ضرورت ہوگی کہ اس میں احساس کے ساتھ اظہار بھی شامل ہو، لیکن چونکہ احساسات کی طرح اظہار کے ذریعے بھی متعدد ہیں اور ہر ذریعہ اظہار کو شعر کہنے میں وہی دشواری ہے جو ہر احساس کو شعر کہنے میں تھی، اس لیے شعر کے تعیین کی غرض سے کوئی ایسا ذریعہ اظہار تسلیم کرنا پڑے گا، جو شعور سے ناشی ہو اور دوسروں میں شعور پیدا کرے اور ظاہر ہے کہ یہ ذریعہ

الفاظ و معانی یعنی کلام ہی کا ہے، پھر چونکہ جنس کلام کا اطلاق اس کی ہر نوع پر ہوتا ہے، یعنی جس نوع کو شعر فرض کیا جائے وہ بھی اور جس نوع کو شعر فرض نہ کیا جائے وہ بھی دونوں برابر کلام ہیں، اس لیے یہ تعریف بھی کہ شعر ایسا کلام ہے جس سے اظہارِ احساس ہو، کافی نہ ہوگی بلکہ اس کے ساتھ کسی ایسی قید کی اور ضرورت ہوگی جس سے شعر اور غیر شعر کا امتیاز پیدا ہو اور وہ وزن ہی ہے یعنی وزن ہی کلام کا وہ جز ہے جس سے شعر کی صورت نوعیہ متعین ہوتی ہے ۔ قافیہ بھی اس کی کمی پوری نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ قافیہ شعر کا زیور تو ضرور ہے، لیکن نفسِ شعر میں داخل نہیں ہے اور یہ مسلم ہے کہ نہ قافیہ کے اضافہ سے نثر پر شعر کا اطلاق ہو سکتا ہے نہ قافیہ کی کمی سے شعر میں فرق آتا ہے۔ لہٰذا جب تک کلام میں وزن تسلیم نہ کیا جائے گا شعر کا مصداق سمجھ میں نہ آئے گا اور شعر کی سب سے زیادہ محکم اور جامع و مانع تعریف یہی ہوگی کہ کلام موزوں کو شعر کہا جائے ۔

وزن شعر کا جزوِ لاینفک ہے

کسی قوم کی شاعری وزن کی قید سے خالی نہیں پائی جاتی۔ یہ اور بات ہے کہ زمین کے فاصلے، زبانوں کے اختلاف اور زمانہ کے انقلاب سے شعر کی صورت مختلف نظر آئے اور ایک ملک کا شعر دوسرے ملک میں ناموزوں سمجھا جائے، مثلاً قدیم ہند کے علوم و فنون خاص کر مذہبی کتابوں کا وہ ذخیرہ جو نظم میں ہے اور جس کی سب سے بڑی اور پہلی کتاب وید ہے۔ اس کو پڑھ کر یا سن کر ایران و عرب میں کوئی موزوں نہیں کہہ سکتا بلکہ خود ہندوستان کی موجودہ شاعری کے اصول اب اس سے مختلف ہو چکے ہیں۔ قدیم ایرانی شاعری کا وہ دفتر جو گاتھا، اوستا اور ژند کے اوراق میں دستیاب ہوا ہے وہ موجودہ فارسی شاعری کے لحاظ سے بالکل ناموزوں نظر آتا ہے، حالانکہ ان کتابوں کا نظم ہونا مسلم ہے۔ اسی طرح عبرانی شاعری کے وہ نمونے جو اناشید اور مزامیر داؤد کی صورت میں موجود ہیں، اُن کے نظم ہونے کا دعویٰ اُن کے نام، اُن کی ترتیب کلام اور تاریخی شہادت سے ثابت ہے، لیکن ان کو نہ موجودہ عروضِ عرب کی رُو سے شعر کہہ سکتے ہیں، نہ مشرق و مغرب کے کسی اور اصولِ شعر کے لحاظ سے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے باوجودیکہ ہر ملک میں تناسبِ اعضا ہی کا نام حسن ہے لیکن معیارِ تناسب میں ملک تو ملک ایک جگہ کے دو آدمیوں کا مکمل اتفاق نہیں ہوتا۔ چین میں جس ناک نقشے کو حسن کہا جاتا ہے، ہندوستان میں اس کو بدصورتی سے تعبیر کرتے ہیں، یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص جس صورت کا دیوانہ ہے، دوسرے کو اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی، وہ یہی کہتا ہے ۔

سودا جو ترا حال ہے ایسا تو نہیں وہ
کیا جانیئے تو نے اسے کس حال میں دیکھا ۔

اسی طرح شعر جو تناسبِ کلام کا نتیجہ ہے، اگر اس کا موجودہ معیارِ تناسب گذشتہ سے اور ہندوستان کا انگلستان سے مختلف پایا جائے، تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ زمانۂ قدیم میں شعر نہ تھا اور اگر تھا، تو اس میں وزن نہ تھا، یا انگریزی شاعری جو ہمارے اصول سے مختلف ہے ناموزوں ہے ۔

شعر کا ماخذ نغمہ ہے

اس کے علاوہ یہ امر مسلّمہ ہے کہ شعر کی فطرت میں نغمہ مضمر ہے اور چونکہ نغمہ کا دار و مدار صرف آواز کے توازن پر ہوتا ہے، اس لیے شعر اس توازن سے خالی نہیں ہو سکتا بلکہ شعر کا وجود اصولِ نغمہ پر اس طرح مبنی ہوتا ہے، جس طرح لفظوں کا وجود آواز پر۔ انہیں اوزانِ غنائی کے مطابق شعر کے اوزان بنتے اور بدلتے رہتے ہیں، اور انہیں اوزان کے

اختلاف کی وجہ سے کبھی کلام موزوں، ناموزوں اور ناموزوں موزوں نظر آتا ہے۔ مثلاً موجودہ اُردو شاعری کا یہ اصول ہے کہ شعر کے دونوں مصرعے برابر ہوں، لیکن انگریزی میں کبھی دو مصرعے برابر ہوتے ہیں۔ کبھی ایک مصرعہ ایک انچ کا، دوسرا سات انچ کا۔ اس کی مثال عربی شاعری میں بھی پائی جاتی ہے۔ جہاں یک رُکنی دو رکنی شعر بھی ہیں اور کئی کئی رُکن کا ایک مصرعہ بھی۔ اس کو اُردو کی شاعرانہ طبیعت موزوں نہیں سمجھتی، لیکن بہ حیثیت فن اس کی موزونیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

رفع اشتباہ

ان امور سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں (۱) اوّل یہ کہ جن اجزا سے شعر مرکب ہوتا ہے، ان میں سے الفاظ کا وزن ہی ایسا جزو ہے جس سے کلام میں شعر اور غیر شعر کا امتیاز پیدا ہوتا ہے، یہ شعر کا بیرونی پہلو ہے (۲) دوسرے ہر حال اور خیال جس سے جذباتِ انسانی کی تحریک ہو شعر ہے۔ یہ شعر کا اندرونی پہلو ہے جس کو عموماً شعریت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ضمناً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شعر کے اجزائے ترکیبی جو اب ہیں، وہی رسول اللہ کے زمانہ میں تھے بلکہ کم و بیش انہیں پر ہمیشہ شعر کا انحصار رہا ہے، ان میں سے نفس شعر کا تعلق فطرت سے ہے اور اس کی صورت کا صنعت سے۔ فطرت کا کون سا راز ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف نہ ہوا ہو۔ لیکن صنعتیں بے شمار ہیں جن سے آپ کو سروکار نہ تھا منجملہ اُن کے ایک صنعتِ شعری بھی ہے، جس کا آپ کو علم نہ تھا یعنی آپ کی طبیعت میں شعریت موجود تھی لیکن آپؐ شاعر نہ تھے نہ فنِ شعر آپؐ کے لائق تھا، اس لیے کہ اوّل تو الفاظ کی موزونیت ہو یا تخیّل کی پرداز، فنِ شعر ہر حالت میں انسان کی کوشش اور صناعت سے متعلق ہے اور نبوّت انسان کی کوشش سے بالاتر ایک مرتبہ ہے جس کی اصل فطرتِ حق ہے۔ ایسی صورت میں اگر آپؐ شاعر ہوتے اور دینِ فطرت صنعت کا لباس پہن لیتا، تو دنیا کی نظر میں وہ بھی مصنوعی ہو کر رہ جاتا۔ دوسرے شعر کا مقصد تحریک جذبات ہے اور نبوّت کا منشاء تہذیب جذبات۔ اگر آپؐ کا دستور العمل موعظت اور حکمت کے بجائے شعر و شاعری ہوتا یعنی آپؐ کا پیغام صرف محرّک جذبات ہوتا، مفید تعقل نہ ہوتا، تو اصلاح نفس اور احقاقِ حق کا نتیجہ برآمد نہ ہوتا جس کی صراحت قرآنِ کریم میں آپ کی ذات سے شعر کی نفی فرما کر، ان لفظوں میں کی گئی ہے کہ (آپؐ جو کچھ فرماتے ہیں)، وہ تو ذکر حق اور قرآن یعنی نصابِ دین ہے تاکہ ہر ایسے شخص کو ڈرائیں، جو زندہ دل ہو اور جو منکر ہوں اُن پر حق ثابت ہو جائے تیسرے آپؐ کا منصب صرف یہ تھا کہ جو احکام آپؐ پر نازل ہوں وہ بجنسہٖ لوگوں کو پہنچا دیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہیں جیسا کہ شاعروں کا طریقہ ہوتا ہے۔ اگر آپؐ شاعر ہوتے، تو قرآن کو بھی انسانی خیالات اور حسنِ تفکر کا نتیجہ سمجھ لیا جاتا جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا تھا۔ اور اگر ایسا نہ بھی سمجھا جاتا، تو بھی آپؐ کا شاعر ہونا کس کام آتا جبکہ قرآن کے علاوہ بھی احکامِ دین میں آپؐ کے تخیل یا تفکر اور جذبات کا بالکل دخل نہ تھا بلکہ آپؐ صرف وہی بات فرماتے تھے جو بذریعۂ وحی آپؐ کو معلوم ہوتی تھی جس کی وضاحت قرآن میں اس طرح فرمائی گئی ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى (سورہ نجم) آپؐ اپنی خواہشاتِ نفس سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ وہی فرماتے ہیں، جو بذریعۂ وحی آپؐ کو معلوم ہوتا ہے، اس لیے فنِ شعر کسی طرح آپؐ کے لائق نہ تھا۔

لیکن اس کا نتیجہ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپؐ کے لائق نہ ہونے کی وجہ سے فنِ شعر سرے سے معیوب ہو جائے اور کسی کو بھی شعر کہنا جائز نہ ہو، اس لیے کہ اوّل تو یہ ضروری نہیں کہ جو امر آپؐ کے لیے مناسب نہ ہو، وہ کسی کے لیے بھی مناسب نہ ہو یا جو بات آپؐ کو روا ہو وہ سب کے لیے روا سمجھی جائے۔ مثلاً آپؐ کسی کے شاگرد نہ تھے۔ نہ کسی کی شاگردی آپؐ کو زیبا تھی، تو اس کا نتیجہ یہ نہیں ہو

سکتا کہ کسی کا شاگرد ہونا کسی کو بھی زیبا نہ ہو اس لیے کہ آپؐ تو براہِ راست سرچشمۂ علم سے فیضیاب ہوتے تھے۔ اس لیے آپؐ کو کسی کی شاگردی نہ ضروری تھی نہ مناسب، لیکن جو لوگ اس مرتبہ پر فائز نہیں ہوتے، ان کو اکتسابِ علم کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کرنا ضروری ہے، کیونکہ اکتسابِ علم کی ہدایت قرآن وحدیث میں موجود ہے، اسی طرح اگر حاملِ وحی ہونے کی وجہ سے آپؐ کے لیے شاعری مناسب نہ تھی تو جن پر وحی نہ آتی ہو، اُن کے لیے یہ فن نازیبا یا بیکار نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس کی اجازت موجود ہے، پھر شعر کو فی نفسہ معیوب، موجب غوایت یا منافی ہدایت کس طرح کہا جا سکتا ہے، بلکہ اس جہت سے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کو ایسا نوازا کہ قرآن کریم میں شعر کی ذاتی صلاحیت کی بناء پر اس فن کا اچھا یا بُرا استعمال کرنے والوں کی جو اصولی تقسیم کی گئی تھی، اس کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ: اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً۔ یعنی ہر شعر موجب غوایت نہیں بعض شعر سراسر حکمت ہوتا ہے تاکہ شعر کے فی نفسہٖ معیوب ہونے کا شبہ ہی نہ رہے۔

شعر اور حکمت

حکمت دراصل قول وفعل کی راستی کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً نفسِ انسانی کا علم وعمل میں امکانی کمال حاصل کرنا یعنی حقائق موجودات کا ایسی کہ وہ ہیں حتی الوسع علم حاصل کرنا اور جو مختلف قوتیں فطرت نے اس کو دی ہیں، ان کو اعتدال کے ساتھ عمل میں لانا حکمت ہے، لیکن کیونکہ صحیح اعتدال مزاج کا ہر شخص کو علم نہیں ہوسکتا بلکہ یہ وہ مرتبہ کمال ہے جس پر انبیاء علیہم السلام تائید الٰہی سے فائز ہوتے ہیں، اس لیے حکیم کامل دراصل نبی ہوتا ہے، جس کا منصب یہ ہوتا ہے کہ جو ہر نفس کی ایسی حفاظت کرے جس سے اس کی جملہ قوتوں میں خواہ وہ نظری ہوں یا عملی افراط وتفریط سے خلل واقع نہ ہو بلکہ ہر قوت دوسری قوت کی اس طرح مدد کرتی رہے کہ اُن کے باہمی امتزاج سے نفس میں وہ کیفیت متوسط پیدا ہو جائے جس کو عدالت کہتے ہیں اور جس پر نفس کی صحت کا دارومدار ہے، اور اگر صحتِ نفس میں فرق آئے، تو وہ اس کو بحال کرنے کی تدبیر کر سکے اور اس طرح اس جوہرِ شریف کو شریف سے شریف تر بنا کر خلافتِ الٰہی اور حیاتِ ابدی کا مستحق بنا دے۔

اس مقصد یعنی صحیح اعتدال مزاج کے قائم رکھنے یا حاصل کرنے کے لیے حکیم کامل جو اصُول تجویز کرتا ہے، اُن کا ضمنی نتیجہ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ نفس کے بعض خاصوں یا اُن کے عواطف میں جن کو جذبات اور وارداتِ قلب سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایک قسم کی غیر معتدل حرکت یا سکون پیدا ہو جائے جو دراصل شاعر کا نصب العین ہوتا ہے، یعنی جس طرح حکمت کا اصل منشا تہذیب قوائے انسانی ہے اور اس کے احکام سے ضمناً بعض جذبات کا برانگیختہ ہونا اور بعض کا افسردہ ہونا ممکن ہے، اسی طرح اگرچہ شعر کا مطمح نظر جذباتِ انسانی کو مشتعل یا مضمحل کرنا ہوتا ہے، لیکن ضمناً اس سے اصلاحِ نفس کا نتیجہ بھی برآمد ہوتا رہتا ہے۔ شعر کا یہی پہلو ہے جس کو دربارِ رسالت سے شریکِ حکمت ہونے کی سند ملی ہے اور شعر کی یہی فطری صلاحیت ہے جو شاعر کو اَلشُّعَرَاءُ تَلَامِیْذُ الرَّحْمٰن کا مصداق بنا دیتی ہے۔

پردۂ رازیکہ سخن پروری است
سایۂ از پردۂ پیغمبری است

قرآن اور شعریت

قطع نظر ان مباحث کے علم بیان کے وہ اسالیب جو شعر شاعری کی جان ہیں، قرآن کریم میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، مثلاً الفاظ ومعانی کا حُسن، ترتیب کلمات کی متانت، طرزِ بیان کی جدت، ہم قافیہ

جملوں کا تواتر، تشبیہ، استعارہ، کنایہ، تمثیل وغیرہ کی دل کشی، حقائق اور جذبات کا اہتمام غرض ایک عروضی وزن کے سوا وہ سب باتیں جو کلام میں شعریت پیدا کرتی ہیں، قرآن کریم میں بدرجہ اتم موجود ہیں، بلکہ کہیں کہیں موزوں جملے بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً :

۱۔	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	مفعولن مفعولن فاعلات
	قرآن کی پہلی آیت	بحر سریع مقطوع مطوی موقوف
۲۔	ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ	فاعلاتن فاعلاتن فاعلات
	سورہ بقرع ۱۰ آیت ۸۴	بحر رمل مسدس مقصور
۳۔	ثُمَّ اَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تَقْتُلُوْنَ	فاعلاتن فاعلاتن فاعلات
	سورہ بقرع ۱۰ آیت ۸۵	بحر رمل مسدس مقصور
۴۔	لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا	فاعلاتن فاعلاتن فاعلن
	سورۂ آلِ عمران، ع ۱۰ آیت ۹۱	بحر رمل مسدس محذوف
۵۔	اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ	فعلن فعلن فعلن فعلن
	سورۂ کوثر، ع ۱ آیت ۱	بحر متقارب مثمن اثلم

بسم اللہ، ایکہ منکر شعری بگو جواب
موزوں چرا ست آنکہ بقرآں مقدم است

علیٰ ہذا القیاس لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا وزن ہے، مفعول مفاعیلُ مفاعیلن فاع، بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف اخرم اہتم، جو رباعی کا وزن ہے۔

ان شواہد سے ظاہر ہے کہ محض شعر کہنا یا سننا سنانا کسی طرح محلِ اعتراض نہیں بلکہ فن شعر کا غلط استعمال باعثِ غوایت اور صحیح استعمال موجب ہدایت اور قابلِ تحسین و ستائش ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دربارِ رسالت سے ایسے شعرا کی وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی فرمائی جاتی تھی۔

آپؐ کا ذوقِ سخن

جس طرح یہ مسلّم ہے کہ آپؐ نے کبھی شعر نہیں کہا نہ شعر کہنا آپ کو زیبا تھا، اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کو شاعرانہ کلام سے دلچسپی تھی، شعر سنتے تھے۔ شعر پر تنقید فرماتے تھے اشعراء کی حوصلہ افزائی کے لیے مناسب داد اور انعام دیتے تھے، آپ کی خدمت میں جمع ہو کر شعرا مشاعرے کرتے تھے اور کبھی کبھی زبانِ مبارک سے ایسے کلمات ادا ہوتے تھے جو شعر سے مشابہ ہوتے تھے۔ کبھی کبھی کسی شاعر کا کلام بھی آپؐ کی زبان پر آجاتا تھا، چنانچہ شمائل ترمذی میں صفتِ کلام رسول اللہ فِی الشِّعْر کے عنوان سے ایک باب اسی قسم کی احادیث کا ہے، مثلاً :

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثال دینے کے لیے ابن رواحہ کے شعر پڑھتے تھے۔

۲۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا شعرائے عرب میں لبید نے کیا ہی بہتر شعر (اشعر کلمہ) کہا ہے، اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ (سب چیزیں اللہ کے سوا فنا ہونے والی ہیں)

۳۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت کے لیے مسجد میں منبر بچھواتے جس پر حضرت حسان کھڑے ہوکر رسول اللہ پر فخر کرتے اور جو آپ پر اعتراض ہوتے ان کا جواب دیتے اور آپ فرماتے: اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا نَافَحَ اَوْ فَاخَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اللہ تعالیٰ جبرئیل کے ذریعہ سے حسان کی مدد کرتا ہے جب تک وہ رسول اللہ کی طرف سے موافقت کرتے ہیں یا مفاخرت کرتے ہیں۔

۴۔ اسی ذیل میں یہ حدیث ہے۔ اَجِبْ عَنِّیْ اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ یعنی جواب دے میری طرف سے (اے حسان) یا اللہ مدد کر حسان کی جبرئیل کے ذریعہ سے۔

۵۔ ایک مرتبہ پتھر کی چوٹ سے حضرتؐ کی ایک انگلی زخمی ہوگئی اور خون بہہ نکلا۔ آپؐ نے فرمایا:

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِیْتِ
وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَا لَقِیْتِ

تو تو انگلی ہے خون میں بھری ہوئی اور جو تُو نے دیکھا راہِ خدا میں دیکھا ہے۔

۶۔ فتح مکہ کے بعد ۸ھ ہجری میں بنی ہوازن، بنی ثقیف وغیرہ آس پاس کے چند قبائل جمع ہوکر چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر اُن کی بے خبری کی حالت میں حملہ کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی۔ آپ ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی لے کر ان کے مقابلہ کے لیے بڑھے۔ فریقین کے دلوں میں یہ حالت تھی کہ ایک طرف مسلمانوں کو اگرچہ اپنی جمعیت پر ناز تھا، لیکن یہ بھی مانے ہوئے تھے کہ اہلِ ہوازن کے تیر خطا نہیں کرتے۔ دوسری طرف اہلِ ہوازن کو اپنی قدر اندازی کا غرور تھا، لیکن یہ بھی اندیشہ تھا کہ عبدالمطلب کا وہ خواب اسی وقت صحیح نہ ہو جائے کہ رسول اللہ آخر کار ہم پر غالب آجائیں گے۔ بہر حال دونوں طرف سے امید و بیم کے ان جذبات کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ بنی ہوازن نے اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ صورتِ حال کا اندازہ لگا کر حضورؐ آگے بڑھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں ہے، میں فرزندِ عبدالمطلب ہوں، یہ سن کر ایک طرف تو مسلمانوں کو جوش آیا کہ جب نبی برحق ہمارے ساتھ ہیں پھر ہم کو کیا خطرہ ہے، دوسری طرف کفار کا دل دہل گیا کہ عبدالمطلب کے خواب کے صحیح ہونے کا وقت آگیا اور ابنِ عبدالمطلب ہمارے سر پر آپہنچا۔ غرض زبانِ مبارک سے جو کلمات ادا ہوئے کام کر گئے اور لڑائی کا نقشہ فوراً بدل گیا۔

(یہ روایت بخاری شریف میں بھی ہے)

۷۔ عمرۃ القضا کے سال آپؐ مکہ تشریف لائے۔ جس وقت حرم میں داخل ہوئے تو آگے آگے ابنِ رواحہؓ چلتے تھے اور شعر پڑھتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا ابنِ رواحہؓ تم حرم شریف میں شعر پڑھتے ہو اور وہ بھی رسول اللہ کے سامنے۔ آپؐ نے فرمایا: عمرؓ اسے چھوڑ دو واقعی ان لوگوں میں شعر کہنا تیر برسانے سے زیادہ کارگر ہوتا ہے۔

۸ - آپؐ کے سامنے صحابہؓ شعر پڑھتے (مشاعرے کرتے) اور جاہلیت کی بعض باتوں کا ذکر کرتے، تو آپؐ کبھی چپ رہتے اور کبھی مسکراتے۔ حضرت جابرؓ بن سمرہ نے ایسے سو سے زیادہ مشاعرے سنے تھے۔

۹ - عمر بن شرید کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہتے تھے ایک مرتبہ میں رسولُ اللہ کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھ کر کہیں گیا اور امیہ بن ابی صلت کے سو شعر آپؐ کو سنائے۔ جب کوئی شعر پڑھتا، آپؐ فرماتے "ہاں" (اور سناؤ) یہاں تک کہ میں نے سو شعر پڑھے۔ آپؐ نے فرمایا قریب تھا کہ امیہؔ مسلمان ہو جاتا۔

(اُمیہ بن ابی صلت وہ شخص ہے جو حضورؐ کی ہجو کیا کرتا تھا اور لوگوں کو جمع کرکے سنایا کرتا تھا)

ان احادیث کے علاوہ شعر شاعری کی نسبت اور احادیث بھی ہیں۔ مثلاً:

۱۰ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں سب سے پہلا کام جو حضورؐ نے کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی۔ مزدوروں کے ساتھ آپؐ خود بھی کام کرتے تھے۔ عبداللہ بن رواحہؓ جو شاعر تھے وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں، وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

افلح من یعالج المساجدا

ویقرء القرآن قائما وقاعدا

ولا یبیت اللیل عنه راقدا

(وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا اور رات کو جاگتا رہتا ہے)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔ منقول از سیرت النبیؐ جلد اوّل از علامہ شبلیؒ بروایت وفاء الوفا بحوالہ ابن ابی شیبہ۔

۱۱ - مسجد نبوی کی تعمیر جاری ہے۔ حضورؐ (فداہ روحی) مزدوروں کے ساتھ شریکِ مشقت ہیں۔ صحابہؓ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے ہیں اور یہ رجز پڑھتے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی اُن کے ساتھ آواز ملاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

اللّٰھم لا خیر الا خیر الآخرہ

فاغفر الانصار والمھاجرہ

(اے خدا کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے، اے خدا مہاجرین اور انصار کو بخش دے) ماخوذ از سیرت النبی جلد اوّل مصنفہ علامہ شبلیؒ بحوالہ صحیح بخاری باب المساجد وغیرہ۔

یہ وہ اسباب تھے جن سے شاعری کا نیا دور شروع ہوا اور جن کی وجہ سے اب تک دنیا کے ادب میں اسلامی شاعری کا ڈنکا بج رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت کعبؓ بن زہیر، امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بہت سے صحابہؓ کرام اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اکابر امّت نے شعر کہے جن میں سے دورِ اولین میں حضرت علیؓ کا دیوان، حضرت حسانؓ کے بہت سے اشعار، حضرت کعبؓ بن زہیر کا قصیدہ بانت سعاد جس پر حضورؐ نے

اپنی چادر (بردہ) انعام میں مرحمت فرمائی تھی (بخاری و مسلم) اور جس کی وجہ سے یہ قصیدہ "قصیدہ بُردہ" کہلانے لگا کافی مشہور ہیں[1] اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ قصیدہ تو زبان زد خاص و عام ہے جس کا مطلع ہے:

اِنْ نِلْتِ یَا رِیْحَ الصَّبَا یَوْمًا اِلٰی اَرْضِ الْحَرَمْ
بَلِّغْ سَلَامِیْ رَوْضَۃً فِیْھَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَمْ

اے باد صبا اگر کسی دن حرم کی طرف تیرا گزر ہو جائے، تو روضۂ مبارک تک میرا سلام پہنچا دینا۔ جہاں نبیٔ محترم علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرماتے ہیں۔

---

[1] امام شرف الدین محمد بُوصیری (متوفی ۶۹۶ھ) کا قصیدہ بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ انھیں بھی حضورؐ کی بارگاہ سے قصیدہ کے صلہ میں بحالت خواب چادر مبارک عطا ہوئی تھی لیکن کعب کا قصیدہ بانت سعاد کے نام سے ہی مقبول ہوا۔ (ادارہ)

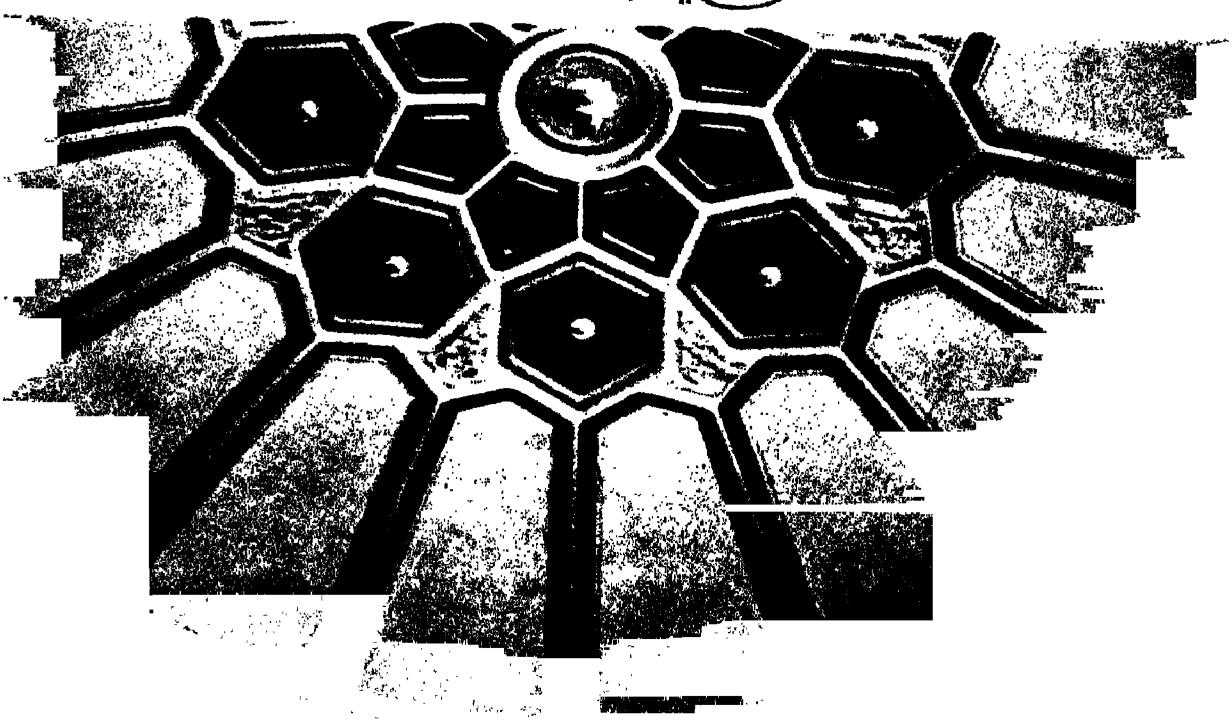
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لیے

۲۱

معمولاتِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم



چھٹی صدی ہجری میں امام ابو حفص عمر بن محمد بن الخضر الملاء الموصلی (المتوفی ۵۷۰ ہجری) نے "وسیلۃ المتعبدین الی متابعۃ سید المرسلین صلی اللہ
علیہ وسلم" المعروف "کتاب الوسیلۃ" کے نام سے احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا جس کی آٹھ جلدیں میں نے دیکھی ہیں۔ باقی چھپ رہی ہیں
اُس سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس میں حضور کی زندگی کے معمولات، خصائص اور معجزات وغیرہ پر کچھ مواد ملے گا۔
ہو سکتا ہے۔ اس مضمون کے بعض مندرجات سے میں اور آپ اتفاق نہ کریں۔ مگر یہ فضائل اور خصائص کی احادیث پر مشتمل ایک
اور ضخیم کتاب ہے۔ جس کے کچھ صفحات تقریباً ایک ہزار سال بعد ہم پہلی بار اُردو میں پیش کر رہے ہیں۔ یہی اس مضمون کی اہمیت ہے۔

(مدیر)

معمولاتِ رسولؐ

ترجمہ: سیّد خورشید احمد گیلانی

رسولِ اکرمؐ کا اپنے اصحاب سے مشورہ کرنا

(عبداللہ) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں بدر کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قیدیوں کا مسئلہ آیا تو آپ نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؓ سے مشورہ کیا اور فرمایا تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟

حضرت ابوبکرؓ نے کہا وہ اپنے ہی خاندانوں کے لوگ ہیں میں سمجھتا ہوں کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ یہ بات ہمارے لئے کفار کے معاملہ میں تقویت کا باعث بنے گی اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی راہ سجھا دے۔

آپ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ بولے قسم بخدا میری وہ رائے ہرگز نہیں جو ابوبکرؓ کی ہے بلکہ میں تو کہوں گا کہ ہم اپنے ہی ہاتھوں سے ان کی گردنیں اڑا دیں، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق فرمایا اور پھر وہ کچھ نازل ہوا جو نازل ہوا۔

ابن غنمؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ اور عمرؓ سے فرمایا اگر تم ایک بات پر متفق ہو جاتے تو میں تمہاری متفقہ رائے سے کبھی خلاف نہ جاتا۔

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ میں شریک تھے، آپ کے ہمراہیوں کو بھوک لگی اور کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا وہ آپ کے پاس آئے اور اپنی مشکل پیش کی، انہوں نے بعض سواری کے جانور ذبح کرنے کی اجازت چاہی آپ نے دے دی، وہ لوگ حضرت عمرؓ کے قریب سے گزرے انہوں نے پوچھا تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو؟ انہوں نے بتایا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سواری کے جانور ذبح کرنے کی اجازت دی ہے، حضرت عمرؓ بولے میں جا کر پوچھتا ہوں اور تم میرے ساتھ چلو آپ نے جا کر کہا اے اللہ کے رسول کیا واقعی آپ نے بعض سواری کے جانور ذبح کر دینے کو کہا ہے تو پھر وہ کس پر سوار ہوں گے؟ آپ نے فرمایا بتاؤ میں ان کے لئے کیا کرتا۔ میرے پاس تو دینے کو کچھ نہیں، حضرت عمرؓ بولے ہاں یا رسول اللہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ انہیں حکم دیں کہ جو زائد از ضرورت چیز کسی کے پاس ہے وہ سب لے آئیں اور پھر آپ اسے لوگوں میں تقسیم فرما دیں چنانچہ ایسا کیا گیا، کچھ لوگ زیادہ لائے اور کچھ کم آپ نے برکت کی دعا فرمائی اور اس کی تقسیم شروع کی، چنانچہ پورے لشکر میں سے کسی کا برتن خالی نہ رہا اور کچھ بچ بھی رہا۔ پھر فرمایا۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله

بعد ازاں فرمایا، جو شخص اللہ اور رسول کو خوش کر کے قیامت کے دن آئے گا اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے موقع پر صحابہ سے مشورہ کیا تھا کہ وہ باہر نکل کر جنگ کریں تو انہوں نے مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا تھا آپ نے فرمایا یہ امر نبی کی شان کے زیب نہیں کہ وہ ہتھیار بند ہو کر پھر ہتھیار کھول دے،

لہ "کتاب الوسیلہ" سے (مطبع دائرۃ المعارف عثمانیہ)

تا آنکہ اللہ تعالیٰ اُس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے۔

جب واقعہ افک (تہمت) پیش آیا تو آپ نے صحابہ سے سیدہ عائشہؓ کے متعلق رائے لی تھی ان میں حضرت علیؓ اور حضرت اُسامہؓ شامل ہیں۔ اُسامہؓ نے کہا تھا، ہیں تو خیر کے علاوہ کچھ گمان نہیں کرتا البتہ حضرت علیؓ نے کہا تھا آپ کے لئے عورتوں کی کمی نہیں تاہم آپ اپنی خادمہ سے ساری صورتحال معلوم کر لیجئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن پہلے پہل وہاں قیام فرمایا جہاں پانی جمع تھا حباب بن مُنذر بن جموحؓ نے آپ سے کہا اے اللہ کے رسول آپ کا یہ پڑاؤ حکم خداوندی کے مطابق ہے کہ ہم آگے پیچھے نہیں ہو سکتے یا آپ کی رائے اور جنگ کی حکمتِ عملی کا حصہ ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ جنگی حکمتِ عملی کا ایک حصہ ہے تو وہ بولے یہ مقام ہمارے قیام کے لئے مناسب نہیں، ہمیں وہاں قیام کرنا چاہیے جہاں قریش کا پانی ہمیں قریب ہو تاکہ ہم ایک گڑھا کھود لیں اور اس پر حوض بنا کر پانی اس میں جمع کر لیں پھر جنگ کریں کہ خود تو پانی پی سکیں لیکن دشمن کو نہ مل سکے آپ نے اس سے فرمایا تمہاری رائے صحیح ہے چنانچہ آپ نے وہاں قیام فرمایا جس کا مشورہ دیا گیا تھا۔

آپؐ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے اکثر و بیشتر مشورہ کرنے کے عادی تھے اور جب کبھی اہم کام پڑ جاتا یا جنگ کا امکان ہوتا تو آپ مدینہ کے اہل الرائے اور مہاجرین کو جمع فرماتے۔ اُن سے مشورہ لیتے اور جس طرح اللہ کا حکم ہوتا آپ اس پر عمل فرماتے۔

ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر نبی کے آسمان اور زمین میں دو دو وزیر ہوتے ہیں، میرے آسمانوں میں وزیر جبریلؑ اور میکائیلؑ ہیں اور زمین میں ابوبکرؓ اور عمرؓ۔

حذیفہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا ارادہ ہے کہ میں لوگوں کے لئے کچھ معلم بھیجوں، جو لوگوں کو فرائض اور سُنن کی تعلیم دے سکیں جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواری بھیجے تھے، کہتے ہیں کہ لوگوں نے کہا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کو لوگوں کی طرف سے بھیج دیا جائے آپ نے فرمایا میں اُن کے مشوروں سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، کیونکہ ان کی حیثیت دین کے لئے اس طرح ہے جس طرح جسم میں سر کی حیثیت ہے اور آپ بالعموم ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

رسولِ اکرمؐ کی مجلس اور اس کے آداب اور متعلقات کا ذکر

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کے پاس تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے، ابوہریرہؓ اور ابوذرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہوتے اور اجنبی آپ کو نہ پہچان پاتے کہ آپ سے گفتگو کریں چنانچہ ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم آپ کے لئے مٹی کا چبوترہ تیار کریں جس پر آپ بیٹھیں تاکہ ناواقف لوگ بھی آپ کو پہچان سکیں چنانچہ ایسا کیا گیا آپ اس پر بیٹھتے اور ہم آپ کے سامنے ہوتے۔

حسن بن علیؓ روایت کرتے ہیں میں نے اپنے والد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست و برخاست کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے کہا آپ کی مجلس کا آغاز اور اختتام ذکرِ الٰہی پر ہوتا تھا، جب جگہ پُر ہو جاتی تو آخر میں بیٹھ جاتے، ہر ایک کو اس کا حصہ دیتے ہر شخص یہی سمجھتا کہ آپ سب سے زیادہ مجھ پر مہربان ہیں اور اس کی ضرورت پوری کرنے میں سرگرم! آپ کی مجلس حیا، تواضع، راستی اور امانت

کی مجلس ہوتی تھی، کسی کی آواز بلند نہ ہوتی، بڑوں کی عزت کی جاتی اور چھوٹوں پر شفقت کی جاتی۔

بیٹھنے کا مقام :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا تو مسجد میں بیٹھتے یا بازار میں مسجد کے دروازے پر تشریف فرما ہوتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ صحابہ میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپؐ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے اور اکیلے تھے، جب وہ شخص بیٹھنے لگا تو آپ ذرا پیچھے کو ہٹ گئے۔ وہ بولا آپ کے پاس کوئی دوسرا شخص تو موجود نہیں تو آپ کس لئے اپنی جگہ سے ہٹے (یعنی جگہ بہت کھلی تھی)، آپ نے فرمایا ایک مسلمان کا دوسرے پر یہ حق بنتا ہے کہ جب وہ بیٹھنے لگے تو اس کے لئے مجلس میں جگہ پیدا کی جائے۔

بنی سلیط کے ایک شخص سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا اور آپ مسجد کے دروازے پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے سوتی کا کپڑا اوڑھ رکھا تھا اور آپ فرما رہے تھے۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ ظلم کرتا ہے اور نہ رسوا، پھر اپنے ہاتھ کا اشارہ سینے کی طرف کیا اور فرمایا تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ کا مقام یہ ہے۔

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے کسی حصے میں باہر تشریف لائے نہ آپ نے مجھ سے کلام کیا اور نہ ہی میں نے کچھ کہا حتی کہ آپ بنی قینقاع کے بازار میں پہنچے اور سیدنا فاطمہؓ کے گھر کے صحن میں تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: بزدل گنہگار ہے۔ بزدل گنہگار ہے۔

آپ کبھی زمین پر بیٹھ جاتے۔ کبھی مخملیں چادر پر، کبھی گاؤ تکیہ رکھتے اور کبھی تخت، چٹائی اور کرسی پر تشریف فرما ہوتے۔

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بیٹھتے اور وہیں کھانا تناول فرماتے۔

عبداللہ بن بسرؓ روایت کرتے ہیں مجھے میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ انہیں بلا لائے کیونکہ آپ کیلئے کھانا تیار کرایا تھا چنانچہ آپ میرے ساتھ آئے۔ آپ کے لئے مخملیں چادر بچھائی گئی اور آپ اس پر بیٹھے۔

عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کھجور کی چٹائی پر سو رہے تھے اور اس کے نشانات آپ کے جسم پر تھے جب مجھے دیکھا تو اٹھ بیٹھے۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چٹائی تھی جس پر آپ دن کو بیٹھتے اور رات کو اس پر سوتے اور نماز پڑھتے تھے۔

آپ کبھی بیٹھ اور ٹانگوں پر کپڑا لپیٹ کر بیٹھتے کبھی گھٹنوں کے بل اور کبھی چوکڑی مار کر تشریف فرما ہوتے۔ کعبے کی طرف منہ کر کے بیٹھتے یا اس کی طرف پیٹھ کر کے!

سلیم بن جابر ہجیمیؓ روایت کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ چادر کی لپیٹ لیکر بیٹھے تھے اور اس کا پلو آپ کے پاؤں پر پڑا تھا۔

ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو چادر اپنے اردگرد لپیٹ لیتے۔

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے صحن میں بیٹھے دیکھا کہ ہاتھوں کا حلقہ بنا کر بیٹھے ہیں۔

آپ گھٹنوں کے بل بیٹھتے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ ٹیک لگا کر کھانا کھایا کیجئے کیونکہ آپ کے لئے یہ زیادہ سہولت کا باعث ہے آپ نے فرمایا میں بندہ ہوں میری نشست بندوں جیسی ہے اور کھانا بھی بندوں کی طرح ہوں۔

حنظلہ بن حذیمؓ روایت کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو چوکڑی مار کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔

آپ اکثر کعبے کی طرف منہ کر بیٹھتے اور فرماتے اچھی مجلس وہ ہے جس کا رخ کعبے کی طرف ہو۔

جابر بن سمرۃؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز صبح پڑھ لیتے تو وہیں سورج طلوع ہونے تک بیٹھے رہتے۔

ابو درداءؓ روایت کرتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تو ہم آپ کے ارد گرد بیٹھتے تھے۔

اہلِ مجلس کا خیال رکھنا:

ابو مالک اشجعیؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ہم رسول اللہؐ کے پاس بیٹھتے آپ زیادہ تر خاموش رہتے اور آپ کے چہرہ پر اکثر مسکراہٹ کھیلتی رہتی۔

حضرت حسنؓ کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہم نشینوں کے درمیان کیسے ہوتے تھے؟ انہوں نے فرمایا آپ ہمیشہ شگفتہ رہتے، اچھا برتاؤ کرتے، نرم طبیعت تھے، کبھی نہ جھڑکتے نہ سختی برتتے، آپ نے تین چیزیں یکسر چھوڑ رکھی تھیں تکبر، بسیار گوئی اور بے مقصد بات آپ کبھی کسی کی برائی بیان نہ کرتے کسی کو شرمندہ نہ کرتے اور نہ کسی کی عیب جوئی کرتے، اچھی بات کے علاوہ کچھ منہ سے نہ نکالتے، جب آپ گفتگو کر رہے ہوتے تو مکمل خاموشی طاری رہتی جیسے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، جب آپ بولتے تو لوگ خاموش رہتے اور جب آپ خاموش ہوتے تو لوگ گفتگو کرتے، آپ کی محفل میں تو تکار نہ ہوتی، جو بھی بولتا باقی لوگ خاموشی سے سنتے حتیٰ کہ وہ اپنی بات مکمل کر لیتا، جب لوگ ہنستے آپ بھی ہنستے جب لوگ کسی بات پر اظہار تعجب کرتے تو آپ بھی ایسا کرتے، کوئی اجنبی کسی بات یا مسئلے میں اکھڑ پن کا مظاہرہ کرتا تو آپ اسے برداشت کرتے، آپ کسی کی قطع کلامی نہ فرماتے، ہاں اگر کوئی بات خلاف واقعہ ہوتی تو آپ اسے روک دیتے یا اٹھ کھڑے ہوتے۔

سماک بن حرب روایت کرتے ہیں میں نے جابر بن سمرۃؓ سے کہا کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجلس نشیں رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کئی بار! آپ بہت زیادہ خاموش رہتے۔ آپ کی مجلس میں کوئی دورِ جاہلیت کا واقعہ بیان کیا جاتا۔ لوگ ہنستے آپ بھی اس میں شامل ہو جاتے۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ کی مجلس میں شعر پڑھے جاتے، کھانے پینے کا ذکر ہوتا، مختلف چیزوں کے بارے میں باتیں ہوتیں، لوگ ہنستے تو آپ بھی مسکرا دیتے۔

سلیمان بن خارجہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اہلِ عراق کا ایک وفد زید بن ثابت کے پاس آیا اور کہا ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے تو ہم دنیا کی باتیں کرتے۔ آپ بھی دنیوی گفتگو کرتے اور جب ہم آخرت کی باتیں کرتے تو آپ اُخروی باتیں کرتے، جب ہم کھانے پینے کی باتیں کرتے تو آپ بھی کھانے پینے کی بات کرتے۔

صحابہؓ کی مجلس میں تربیت:

اسامہ بن شریکؓ روایت کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے پاس صحابہ بھی بیٹھے تھے (اور اس طرح سنجیدگی اور خاموشی تھی) گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں میں نے جا کر سلام کیا اور بیٹھ گیا کچھ دیہاتی آئے اور انہوں نے مسائل دریافت کئے۔

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا ایک شخص آیا اور دوسرا شخص اپنی جگہ سے اٹھا کہ وہاں جاکر بیٹھے آپ نے اُسے اس کی جگہ پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

عمرو بن یحییٰ المازنیؓ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف فرما تھے ایک شخص اٹھا اور دوسرا اس کی جگہ پر بیٹھ گیا پھر وہی شخص واپس آگیا آپ نے دوسرے سے فرمایا تم اس کی جگہ خالی کر دو کیونکہ ہر شخص اپنی جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ لوگ ایک شخص کی ہوا خارج ہونے پر ہنس پڑے آپ نے انہیں ملامت کی اور فرمایا کیا تم اس پر ہنستے ہو جو تم میں سے ہر ایک کرتا ہے؟

معاویہ کے غلام قاسم روایت کرتے ہیں ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے اپنی سرکش اونٹنی پر سوار ہو کر آیا اور آکر سلام کیا، جو شخص بھی آپ کے پاس آتا تو وہ اس سے اونٹنی کے متعلق پوچھتا اور اصحاب رسول یہ دیکھ دیکھ کر ہنستے ایسا کئی مرتبہ ہوا، بعد ازاں اسی اونٹنی نے اعرابی کو نیچے گرا دیا اور اُس نے اسے ذبح کر ڈالا، آپ کو بتایا گیا کہ اونٹنی نے اعرابی کو پچھاڑ ڈالا اور اس نے اُسے ہلاک کر دیا، آپ نے فرمایا ہاں تمہارے منہ اُس کے خون سے بھرے ہوئے ہیں (یعنی تمہارے ہنسی مذاق کا یہ نتیجہ نکلا ہے)

مجاہد روایت کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا آپ صحابہ میں تشریف فرما تھے جب آپ نے محسوس کیا کہ کسی کی ہوا خارج ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا وہ صاحب اٹھ کر وضو کر لیں۔ وہ شخص شرما گیا۔ آپ نے پھر فرمایا کہ وہ اٹھ کر وضو کر لیں، لیکن کوئی بھی نہ اُٹھا آپ نے تیسری بار فرمایا اور کہا اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا عباسؓ بولے کیا ہم سب اٹھ کر وضو نہ کر لیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اٹھو اور سب وضو کر لو۔

زید بن اسلمؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کہا گیا کہ میں فلاں کے بارے میں نہیں جانتا، آپ نے فرمایا کس چیز کے متعلق؟ انہوں نے کہا اس کے حسب نسب اور آباؤ اجداد کے بارے میں؟ آپ نے فرمایا (اس سے کیا فرق پڑتا ہے) جان لیا تو کوئی فائدہ نہیں نہیں معلوم تو کونسا نقصان واقع ہو گیا؟

سیدہ عائشہ روایت کرتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نسب کے باعث کسی کی عزت میں کمی یا بیشی نہیں دیکھی ہاں اہل تقویٰ کا احترام ہوتا تھا۔

حسنؓ روایت کرتے ہیں عہد رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی نے کسی کو اس کی ماں کا طعنہ دیا آپ نے اس سے فرمایا تم اسے اس کی ماں کے بارے میں ملعون کر رہے ہو بلا شبہ تم میں ابھی جاہلیت کا اثر موجود ہے فرمایا تم سر اوپر اٹھا کر اپنے ارد گرد دیکھو، قسم بخدا جو کچھ تم نے دیکھا اس میں تجھے کالے اور گورے ہونے کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں بلکہ تقویٰ ہی مدار فضیلت ہے۔

ابو درداؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو ہم بھی ارد گرد بیٹھ جاتے جب آپ مجلس سے اُٹھنا چاہتے تو اِدھر اُدھر سے کپڑے سمیٹتے اور پھر اُٹھ کر کھڑے ہو صحابہ اس سے پہچان جاتے کہ آپ اٹھنا چاہتے ہیں، چنانچہ وہ بھی اٹھ کھڑے ہوتے

یوسف بن عبداللہ بن سلام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے اور باتیں کرتے تو نگاہ زیادہ تر آسمان کی طرف اٹھی رہتی۔

جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ نے سر منڈوا رکھے تھے آپ نے

فرمایا میں تم میں یہ کیا حماقت دیکھ رہا ہوں؟

ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین مجلس وہ ہے جس میں وسعت ہو۔ آپ کو جب زیادہ دیر بیٹھنا ناگوار گزرتا تو اُٹھ کھڑے ہوتے۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب زینب بنت جحش سے نکاح کیا اور ولیمہ کا اہتمام فرمایا تو لوگوں کو بلایا، کچھ لوگ تو کھانا کھا کر چلے گئے اور کچھ لوگ آپ کے پاس بیٹھ رہے اور خاصی دیر بیٹھے رہے۔ آپ اٹھے اور باہر نکل آئے میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا تاکہ وہ لوگ چلے جائیں، آپ چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ چل دیا۔ حتیٰ کہ آپ حجرۂ عائشہ کی سیڑھی کے زینے تک پہنچ گئے، آپ نے سوچا کہ وہ لوگ چلے ہوں گے آپ واپس پلٹے میں بھی پلٹ آیا۔ جب سیدہ زینبؓ کے گھر پہنچے تو وہ لوگ ابھی تک بیٹھے ہوئے تھے آپ پھر پلٹ آئے اور حجرۂ عائشہؓ کی سیڑھی تک آئے آپ پھر لوٹے اور میں بھی ساتھ لوٹا دیکھا تو وہ لوگ جا چکے تھے آپ اندر چلے گئے اور میرے اور آپ کے درمیان پردہ حائل ہو گیا۔

چھینک مارنے والے کو جواب دینا اور چھینکنے والا کیا کہے:

انسؓ روایت کرتے ہیں دو آدمیوں نے رسول اللہؐ کی موجودگی میں چھینک ماری۔ ان میں سے ایک کو تو آپؐ نے جواب اور دوسرے کو نہیں آپ سے
کہا گیا اے اللہ کے رسولؐ آپ کے ہاں دو آدمیوں نے چھینک ماری آپؐ نے ایک کو جواب دیا لیکن دوسرے کو نہیں آپؐ نے فرمایا ایک نے تو الحمد للہ کہا لیکن دوسرے نے نہیں کہا۔

ایاس بن سلمہ بن الاکوعؓ روایت کرتے ہیں مجھے میرے والد نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے چھینک ماری
آپ نے فرمایا یرحمک اللہ، پھر دوسری چھینک ماری تو آپ نے فرمایا یہ زکام میں مبتلا ہے۔

سالم بن عبیدؓ روایت کرتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینک ماری اور کہا السلام علیکم آپ نے
فرمایا السلام علیك وعلیٰ اُمك (تم پر اور تمہاری ماں پر سلامتی ہو)

بعد ازاں آپ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اُسے کہنا چاہیے۔ الحمد للہ رب العالمین الحمد للہ علیٰ کل حال تو اس
کے جواب میں کہا جائے "یرحمکم اللہ" پھر یہ بھی کہنا چاہیے۔
یغفر اللہ لی ولکم (اللہ تمہیں اور مجھے بخشے)

ابی موسیٰؓ روایت کرتے ہیں یہودی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینکتے تو وہ توقع کرتے کہ انہیں جواب میں یرحمکم اللہ
کہا جائے لیکن آپ فرماتے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم (اللہ تمہیں ہدایت بخشے اور تمہارے معاملات سنوارے)

یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینک آئی اور اس نے کہا اللہ اکبر آپ نے
فرمایا اللہ اکبر، دوسرے کو چھینک آئی وہ بولا الحمد للہ علیٰ کل حال آپ نے فرمایا "یرحمک اللہ"

عبدالرحمٰن بن ذوہبؓ کہتے ہیں مجھے ایک شخص نے بتایا کہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینک آئی آپ نے اس کا
جواب دیا، پھر آئی تو جواب دیا، پھر چھینکا تو آپ نے جواب دیا، جب چوتھی بار آئی تو آپ نے فرمایا تمہیں زکام کی شکایت ہے اُٹھ کر

ناک صاف کرلو۔

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو کہے "الحمدللہ علی کل حال" (ہر حال میں اللہ کا شکر ہے) اس کا بھائی اور دوست جواب میں کہے "یرحمک اللہ" (اللہ تم پر رحم کرے) اور پھر وہ جواب میں کہے "یھدیکم اللہ ویصلح بالکم"

ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھینک آتی تو آپ اپنی آواز پست کرتے اور منہ چھپا لیتے۔

ایک اور روایت کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھینک آتی تو اپنا چہرہ ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے اور اپنا ہاتھ منہ پر رکھ دیتے اور اپنی آواز دباتے۔

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا اور اُباسی کو ناپسند کرتا ہے، پس جسے اُباسی آنے لگے تو وہ مقدور بھر اسے روکے اور خاہ خاہ کی آواز منہ سے نکالے کہ اس سے شیطان ہنستا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں شگفتہ رہتے آپ کے چہرے پر کبھی خشونت نہیں دیکھی گئی۔ آپ دوستوں کے ساتھ بشاشت اور خندہ روئی سے پیش آتے تھے۔

جریرؓ روایت کرتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے کبھی پوشیدہ نہیں ہوئے اور میں نے ہمیشہ آپ کو مسکراتا ہوا پایا۔

جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے بعد جائے نماز سے نہ اُٹھتے۔ تاآنکہ سورج طلوع ہو جاتا جب سورج نکلتا تو آپ اٹھ کھڑے ہوتے لوگ دورِ جاہلیت کی باتیں کرتے اور ہنستے اور آپ بھی مسکراتے رہتے۔

عبداللہ بن حارثؓ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو زیادہ ہنس مکھ نہیں دیکھا۔

رسول اللہؐ کا بازار آنا جانا اور معاملہ فرمانا

بکیر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں داخل ہوئے اور فرمایا، ہم اس بازار میں اللہ سے خیر مانگتے ہیں، اور میں نقصان دہ تجارت، بُری یا برکت ختم کرنے والی قسم سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں پھر فرمایا۔ اے بازار والو زیادہ قسمیں کھانے سے گریز کرو کیونکہ زیادہ قسمیں کھانے سے تجارت تو بڑھتی ہے لیکن برکت گھٹ جاتی ہے۔

ایک اور روایت کے مطابق جب آپ بازار میں داخل ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے پھر فرماتے میں اس بازار کے لئے اللہ سے خیر چاہتا ہوں اور اے اللہ میں اس کی نحوست اور گناہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اے اللہ میں نقصان دینے والے کاروبار اور بے برکت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

قیس بن ابی غرزہ روایت کرتے ہیں عہدِ رسالت مآب میں ہمیں سماسرہ (دلال) کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر گزر ہوا تو آپ نے ہمارے لئے ایک اچھا نام تجویز کیا پھر فرمایا، اے تاجروں کا گروہ! یہ تجارت ہے جس میں اکثر و بیشتر قسمیں کھائی اور توڑی جاتی ہیں۔

سو تم صدقہ کر کے کفارہ ادا کیا کرو۔

آپؐ کا معاملہ کرنا :

آپ معاملات میں نرم اور جنگ میں بہت بہادر تھے۔ آپ اچھے طریقے سے ادائیگی اور تقاضا کرتے تھے سوید بن قیس روایت کرتے ہیں میں اور مخرمہ عبدی ہجر (جگہ کا نام) سے کپڑا بیچنے مکہ آئے۔ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم سے شلوار کا کپڑا لیا میرے پاس اُجرت پر ایک تولنے والا تھا آپ نے اس سے فرمایا تولو اور جھکتی ڈنڈی سے تولو!

ابورافعؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوان اونٹ کچھ مدت تک قرض پر لیا جب صدقے کے اونٹ آئے تو آپ نے مجھے فرمایا کہ میں اسے اونٹ واپس کروں، میں نے عرض کیا وہاں تو چار دانتوں والا اونٹ ہے آپ نے فرمایا وہی دے دو پھر فرمایا اچھے لوگ وہی ہیں جو اچھے طریقے سے ادائیگی قرض کرتے ہیں۔

طارقؓ روایت کرتے ہیں ہم لوگ مدینہ منورہ کے قریب اونٹ بیچنے کی غرض سے لے کر آئے ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہم آپ کو نہیں پہچانتے تھے آپ نے فرمایا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا ہمارا تعلق بنی محارب سے ہے، فرمایا کہاں سے آئے ہو؟ ہم بولے ربذہ سے، آپ نے فرمایا تمہارے پاس فروخت کرنے کو کیا ہے؟ ہم نے کہا ہاں یہ اونٹ ہیں، آپ نے پوچھا یہ کتنے کا ہے؟ ہم نے اس کی قیمت بتائی کہ اتنے وسق کھجور۔ آپ نے اس کی مہار پکڑلی اور مدینہ منورہ چل دیئے، ہم نے کہا یہ کیا ہوا ہم نے یہ سودا کیسے کر دیا جب کہ ہم انہیں جانتے بھی نہیں ہمارے ساتھ ایک عورت تھی جو دیوار کی طرف بیٹھی تھی کہا میں نے اس شخص کو دیکھا ہے اس کا چہرہ چاند جیسا تھا میں اونٹ کی قیمت کی ضامن بنتی ہوں، جب صبح ہوئی تو وہی شخص آیا اور کہا میں اللہ کا رسول ہوں میں تمہیں یہ کھجور کھانے کا کہتا ہوں حتیٰ کہ سیر ہو جاؤ اور پھر تول کر اپنا حساب پورا کرلو اور جو کچھ کھاؤ گے یہ ہدیہ ہوگا اس کا کہ میں نے کھجور بھیجنے میں تاخیر کی!

حضرت حمزہؓ کی زوجہ خولہؓ روایت کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کا دو وسق کھجور قرض تھا اس کا تعلق بنی ساعدہ سے تھا۔ وہ آیا اور قرضہ طلب کیا آپ نے بلالؓ کو فرمایا اس کا قرض چکا دو۔ انہوں نے ان کھجوروں کے بجائے دوسری قسم کے کھجور دیئے اس نے نہ لئے۔ بلالؓ بولے کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چیز مسترد کرتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے مجھ سے بڑھ کر عدل کی پاسداری کرنیوالا کون ہے؟ پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا اللہ اس امت کو پاک نہ بنائے جو قوی سے ضعیف کا حق نہ لے سکے، پھر فرمایا اے خولہؓ اس کا قرضہ اتار دو، کیونکہ جو قرضہ دار اپنے قرض خواہ کو خوش کرتا ہے تو اس کے لئے خشکی اور تری کے جانور دعائے رحمت کرتے ہیں۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اعرابی سے ایک اونٹنی عجوہ کھجوروں کے بدلے خریدی۔ آپ گھر آئے کھجور تلاش کئے مگر وہ نہ ملے آپ واپس آئے اور فرمایا ہم نے تم سے اونٹ لیا تھا مگر کھجور میسر نہ آسکے لہٰذا تم اپنا اونٹ واپس لے لو اعرابی چیخ اٹھا ہائے مجھ سے دھوکہ ہو گیا لوگ اس کی طرف گئے اور کہا خدا تجھے غارت کرے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے دھوکہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اسے معاف کردو حقدار کو سب کچھ کہنے کا حق ہے آپ نے تین بار اس سے معذرت کی لیکن اس نے قبول نہ کی جب آپ نے دیکھا کہ وہ بات سمجھ نہیں رہا آپ نے صحابہ میں کسی سے کہا کہ تم خولہ بنت حکیم بن امیہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہتے ہیں اگر تمہارے پاس زخرہ کے کھجور ایک وسق کے برابر ہوں تو ہمیں ادھار دے دو ہم جلدی واپس کر دیں گے، وہ شخص اُن کے پاس گیا اور واپس آکر کہا وہ کہتی ہیں کہ ہاں میرے پاس موجود ہیں آپ اُسے بھیج دیجئے تاکہ میں اُسے دے دوں۔ آپ نے اس اعرابی سے فرمایا جاؤ وہ تمہیں اس کی قیمت ادا کر دیں گی چنانچہ وہ گیا اور اُسے ادا کر دیا گیا۔ وہ کہتی ہیں کہ وہ اعرابی آپ کے پاس سے گزرا۔ آپ صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے بولا اللہ آپ کو جزائے خیر دے آپ نے پوری اور اچھی قیمت ادا کی آپ نے فرمایا قیامت کے روز اللہ کے بہترین بندے وہ ہوں گے جو پورا اور اچھے طریقے سے ادا کرنے والے ہوں،

عبدالرحمٰن بن عثمانؓ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عید کے دن بازار میں کھڑے ہوتے دیکھا اور لوگ گزر رہے تھے۔

عبداللہ بن جعفر بن ابوطالبؓ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں اپنے بھائی کے پاس بکری کا سودا کر دوں آپ نے فرمایا اے اللہ اس کے سودے میں برکت ڈال، عبداللہ کہتے ہیں اس کے بعد میں نے کوئی چیز لی یا دی تو اس میں بہت برکت ہوئی۔

جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا آپ نے فرمایا تم اپنا اونٹ میرے ہاتھ فروخت کر دو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ آپ ہی کا ہے آپ نے فرمایا نہیں بیچ دو میں نے کہا بیچ دیا آپ نے بلال سے فرمایا اس کی قیمت ادا کر دو اور کچھ اوپر بھی دید و جب مجھے قیمت ادا کی جانے لگی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ داس سے تو بہتر ہے کہ مجھے میرا اونٹ واپس کر دیا جاتے آپ نے فرمایا جاؤ اور اونٹ اور قیمت دونوں لے جاؤ اور میرے لئے دعا بھی فرمائی۔

ایک اور روایت کے مطابق بلالؓ نے فرمایا جابرؓ کو تول دو اور ذرا ڈنڈی جھکا کر!

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا اور میں حضرت عمر کے اونٹ پر سوار تھا آپ نے فرمایا یہ اونٹ مجھے بیچ دو میں نے بیچ دیا آپ نے فرمایا اے عبداللہ یہ اونٹ تمہارا ہے جو چاہو اس سے کام لو۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں بے وقت تشریف لاتے حضرت ابوبکرؓ آپ کے پاس گئے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا ہے وہ بولے یا رسول اللہ میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں میں انہیں سفر کے لئے تیار کرتا ہوں اُن میں سے ایک آپ لے لیں۔ آپ نے فرمایا میں قیمت دے کر لوں گا'

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کھانا لیا اور اپنی زرہ اسکے پاس گروی رکھ دی'۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض آپ کی زرہ گروی رکھی ہوئی تھی۔

رسول اللہؐ کے کہیں جانے اور واپس آنے کے معمولات

حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے رسول اللہؐ کے کہیں جانے کے متعلق

دریافت کیا تو جواب دیا کہ آپ اجازت لینے کے بعد کسی کے گھر داخل ہوتے تھے۔

ایک اور روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو کہتے۔

اللہ کا نام لیکر ہم داخل ہوتے ہیں اور اللہ کا نام لے کر نکلتے ہیں، اے اللہ میں داخل ہونے اور نکلنے کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

سیدہ عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ گھر میں داخل ہوتے سب سے پہلے کیا کرتے اور آخر میں کیا؟ تو فرمایا آپ گھر میں داخل ہوتے ہی مسواک کرتے اور بعد ازاں دو رکعت نماز فجر ادا فرماتے (یعنی رات بھر کا آخری معمول صبح کی نماز ہوتی)

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں آپ جب صبح کی نماز پڑھتے تو گھر تشریف لاتے اور مسواک کرتے،

سیدہ ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب سے فارغ ہو کر گھر آتے اور آکر دو رکعت نماز ادا کرتے پھر یہ دعا پڑھتے "اے دل کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم فرما"

یہ بھی آپؐ کا معمول تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو جو بھی گھر میں ہوتا اُسے سلام کرتے :

مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو ساتھی رسول اللہؐ کے مہمان تھے۔ آپؐ ہمارے پاس تشریف لاتے اور ہمیں سلام کیا (اور اس انداز سے کہ) سویا ہوا جاگ نہ پڑے اور جاگتا ہوا سن لے۔

اور انہی سے روایت ہے کہ آپ جب گھر میں آتے تو سلام کہتے اور جاتے تو سلام کہتے۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوتے تو فرماتے۔

اگر ابن آدم کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو اس کی خواہش تیسری وادی کی ہوگی اور واقعہ یہ ہے کہ ابن آدم کا پیٹ تو (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے حالانکہ مال تو نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اس کی طرف متوجہ ہو۔

سیدہ عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ گھر میں آکر کیا کیا کرتے تھے؟ فرمایا کپڑوں کو پیوند لگانے، اپنا جوتا گانٹھتے اور وہ سب کچھ کرتے تھے جو لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہیں۔

ایک اور روایت کے مطابق جب آپ گھر میں ہوتے تو گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے اور گوشت کاٹتے بناتے تھے۔

عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دن کے وقت گھر پلٹتے تو فرماتے۔

لائق حمد ہے وہ ذات جس نے میری سرپرستی فرمائی، مجھے پناہ بخشی اور لائق حمد ہے وہ خدا جس نے مجھے کھلایا اور پلایا اور لائق حمد ہے وہ خدا جس نے مجھ پر احسان کیا اور میں (اے اللہ) تجھ سے دوزخ سے بچنے کا سوال کرتا ہوں۔

گھر سے نکلتے وقت تیاری کا معمول :

بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپؐ گھر سے نکلتے تھے تو اپنے بال درست کرتے، جسم سنوارتے اور آئینہ دیکھتے تھے اور کہتے تھے اللہ تعالیٰ اُس

بندے سے خوش ہوتا ہے جب وہ اپنے بھائیوں سے ملنے کے لئے نکلتا ہے کہ وہ اسے دیکھ کر خوش ہوں۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں ایک دن آپ میرے گھر سے نکلنے لگے تو آپ کی نظر چھاگل پر پڑی جس میں پانی بھرا تھا آپ نے اس میں نگاہ ڈالی اور اپنے بال سنوارے، اور فرمایا اللہ تعالیٰ اُس بندے کو پسند کرتا ہے جو اپنے بھائیوں کی طرف نکلے کہ وہ اسے دیکھ کر خوش ہوں۔

انسؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مجلس سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو اٹھتے وقت کہتے، اے اللہ تیرے حکم سے ہی میں اٹھ رہا ہوں اور تیری ہی طرف متوجہ ہوں اور تیرے ساتھ ہی وابستہ ہوں، تو ہی میرا سہارا میری امید ہے مجھے سخت کاموں میں اپنی سرپرستی سے نواز کہ جو میری ہمت سے زیادہ ہیں۔ اے اللہ میرا تقویٰ بڑھا، میرے گناہ بخش اور ہر اُس طرف بھلائی ہو جس طرف میں متوجہ ہوں،

انسؓ ہی سے روایت ہے کہ آپ جب کسی گھر سے جانے کا ارادہ فرماتے تو ڈیوڑھی پر کھڑے ہو کر فرماتے۔

"اللہ کے نام سے، اللہ ہی پر اعتماد ہے، نہیں ہے کوئی قوت بجز و بزرگ و بالا اللہ کے، اے اللہ میرے لئے فضل و رحمت کے دروازے کھول دے"۔

ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلتے تو کہتے تھے" اللہ کے نام سے اور اللہ پر ہی توکل ہے ہم تجھ سے آتے اور نکلتے وقت پناہ مانگتے ہیں"۔

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے مکان سے برآمد ہوتے تو فرماتے،

"اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ کی ذات پر توکل، اور اللہ کے علاوہ کوئی طاقت نہیں"۔

ایک اور روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکلتے تو فرماتے۔

"اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کے ساتھ میں اپنا رخ اللہ کی جانب کرتا ہوں، اور اپنی کمر اللہ کے آگے جھکاتا ہوں، اللہ کی توفیق کے علاوہ کچھ بھی نہیں، سارا فضل و کمال اللہ کے ہاتھ میں ہے، اصل ہدایت اللہ کی رہنمائی ہے اور بہترین صاحب قدرت اللہ ہے، بہترین آقا اللہ ہے، بہترین مددگار اللہ ہے، ہمارا پلٹنا اللہ کی طرف ہے۔ اللہ کی نعمت کے علاوہ کوئی نعمت نہیں، اللہ کے علاوہ کوئی گناہ بخشنے والا نہیں، اللہ کے علاوہ کسی کی حکومت نہیں، تمام امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اللہ کے فیصلے سے اس کے رحم کے علاوہ کوئی بچانے والا نہیں"۔ میں اللہ سے ہدایت چاہتا ہوں، میں اللہ کی سرپرستی چاہتا ہوں۔ میں اللہ کی مدد چاہتا ہوں اور میں اللہ کے فرشتوں، نبیوں، رسولوں اور اللہ کے نیک بندوں پر درود پڑھتا ہوں۔

اجازت لینے اور سلام اور مصافحہ کا ذکر:

آپؐ کا یہ معمول تھا کہ آپ جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو دروازے پر کھڑے ہو کر اجازت چاہتے اگر اجازت ملتی تو اندر تشریف لے جاتے۔

قیس بن سعدؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ملنے کے لئے تشریف لائے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا سعد نے آہستہ جواب دیا، قیس بولے، کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے؟ کہا رہنے دو تاکہ آپ بار بار

سلام ورحمۃ کہیں، آپ نے پھر السلام علیکم کہا سعد نے پھر آہستہ سے جواب دیا، آپ نے پھر السلام علیکم کہا۔ سعدؓ نے پھر آہستہ آواز میں سلام کا جواب دیا، حضورؐ پلٹ آئے اور فرمایا تین بار سلام کرنے کے بعد پلٹ جانا چاہیئے۔ سعد پیچھے دوڑے اور کہا اے اللہ کے رسول میں نے آپ کا سلام سنا تھا اور جواب بھی دیا تھا لیکن بہت آہستہ تاکہ آپ بار بار السلام علیکم کہتے رہیں۔

عبداللہ بن بسرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر جاتے اور اجازت چاہتے تو دروازے کے عین سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ دیوار کے ساتھ ٹہلتے رہتے تاآنکہ اجازت ملتی یا واپس پلٹ آتے۔ اور یہ بھی آپ کا معمول تھا کہ جب کسی کے ہاں جاتے اور آپ کے ہمراہ کوئی ہوتا تو دروازے پر کھڑے ہوکر اجازت طلب فرماتے اگر اجازت مل جاتی تو فرماتے میں اور میرا ساتھی بھی! (یعنی ہم دونوں اندر آسکتے ہیں)

عمران بن حصینؓ روایت کرتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمران ہمارے نزدیک تمہاری بڑی عزت ہے کیا تم فاطمہؓ کی عیادت کو نہیں چلو گے؟ میں نے کہا حاضر ہوں ابھی چلتا ہوں، چنانچہ آپ اُٹھے اور میں بھی ساتھ ہولیا حتیٰ کہ ہم سیدہ فاطمہؓ کے دروازے پر پہنچے، آپ دروازے پر ٹھہر گئے اور فرمایا السلام علیکم میری بیٹی! کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ بولیں، ہاں آجایئے۔ آپ نے فرمایا میں اور میرا ساتھی بھی؟ انہوں نے پوچھا ہمراہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا عمران بن حصین

سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی درز سے جھانک رہا تھا۔ آپ کے پاس پشت خار تھا جس سے آپ سر کھجا رہے تھے آپ نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو جھانک رہا ہے تو میں تیری آنکھ پھوڑ دیتا کیوں کہ ہمارے ہاں اجازت آنکھ ہی کی تو ہے (یعنی جب جھانک لیا تو پھر اجازت کاہے کی؟)

انسؓ روایت کرتے ہیں، ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جھانک رہا تھا آپ اس کی طرف تیر کا گانسا لے کر اُٹھے اور گویا کہ میں ابھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس کی آنکھ پھوڑنے کے لئے بڑھ رہے ہیں'

انسؓ روایت کرتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جھانک رہا تھا آپ نے تیر اٹھا کر اس کا منہ پھیر دیا۔

ابوموسیٰؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک تین بار اجازت چاہے اگر اجازت مل جائے تو بہتر ورنہ پلٹ آئے۔

جابرؓ روایت کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد پر قرض کے سلسلے میں حاضر ہوا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، آپ نے فرمایا کون؟ میں نے عرض کیا میں ہوں، آپ نے فرمایا۔ یہ کیا میں ہوں، گویا آپ نے اسے ناپسند فرمایا (یعنی نام بتانا چاہیے تھا)

ربعی بن حراش بنو عامر کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور کہا کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا تم اس کے پاس جاؤ اور کہو یہ کوئی اجازت کا اچھا طریقہ نہیں؟ تم اس سے کہو کہ وہ یوں کہے السلام علیکم کیا اندر آسکتا ہوں؟ اس شخص نے سن لیا اور کہا السلام علیکم کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ آپ نے اسے اجازت دے دی۔

دربان بٹھانے اور اس کا کسی کو روکنے کا ذکر:

رسول اللہؐ کا معمول تھا کہ جب کوئی آپؐ سے آنے کی اجازت چاہتا اور آپؐ مصروف ہوتے تو اجازت نہ دیتے۔
عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا........ دروازے پر ایک حبشی غلام تھا، میں نے اس سے کہا کہ میرے لئے آپ سے اجازت مانگو۔ وہ گیا اور پھر آیا اور کہا اجازت نہیں مل رہی، میں نے کہا واپس جاؤ اور میرے لئے اجازت چاہو اس نے پھر کہا اجازت نہیں ہے پھر بالآخر تیسری یا چوتھی بار اجازت ملی۔
ایک اور روایت کے مطابق عمرؓ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کیا عمرؓ داخل ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی، پھر پلٹ آئے اور پھر گئے، پھر اجازت مانگی لیکن پھر بھی اجازت نہ ملی۔

سلام اور مصافحہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام کرتے تھے تو تین بار کرتے تھے، انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام کرتے تو تین بار کرتے اور جب بات کرتے تو تین بار دہراتے۔
ایک اور روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے پاس جاتے یا ان کے پاس سے گزرتے تو ان پر سلام کرتے اگر جواب ملتا تو بہتر ورنہ تین بار السلام علیکم کہتے
بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے پاس جاتے تو انہیں سلام کرتے اور تشریف فرما ہونے جب اٹھتے تو سلام کرنے اور پلٹ آتے اور فرماتے پہلا سلام دوسرے سے کوئی زیادہ افضل نہیں (یعنی ہر بار سلام کا مستقل درجہ ثواب ہے) آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ جو بھی آپ کو ملتا آپ اسے سلام کرتے۔ اگر کوئی آپ کا ہاتھ تھام لیتا تو آپ اسوقت تک اپنا ہاتھ نہ چھڑاتے تا وقتیکہ وہ خود نہ چھوڑ دیتا۔ اور آپ کسی سے ملتے وقت معلوم کرنے میں پہل فرماتے اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیتے۔

بچوں اور عورتوں کو سلام کرنا:

جریرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہؐ عورتوں پر سے گزرے تو انھیں سلام کیا، اسماء بنت یزیدؓ روایت کرتی ہیں رسول اللہؐ عورتوں پر سے گزرے وہ بیٹھی تھیں، آپؐ نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اور فرمایا تم بطور خاص اپنے محسنوں کی ناشکری سے پرہیز کرو، وہ بولیں ہم اللہ کی پناہ مانگتی ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کریں، آپ نے فرمایا ہاں تم میں ہر ایک طویل کنوارپن یا بیوگی کے بعد شوہر والی بنتی ہو اس سے اولاد ہوتی ہے اور آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے پھر کسی بات پر رنجش ہو جاتی ہے تو تم اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہو کہ میں نے تو اس سے کبھی کوئی خوشی دیکھی ہی نہیں۔
ثابت البنانی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کیا۔ انصار کی شادی سے واپس آنے والی عورتوں، بچوں اور خادموں نے آپ کا استقبال کیا تو آپ نے انہیں سلام کیا اور فرمایا قسم بخدا میں تمہیں دوست رکھتا ہوں۔
یزید کی بیٹی کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر گزرے اور ہم عورتیں مسجد میں تھیں تو آپ نے ہمیں سلام کیا۔
انسؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام کیا۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بچوں کے پاس سے گزرے تو ہمیں سلام کیا اور فرمایا اے بچو، السلام علیکم

ثابت البنانی روایت کرتے ہیں کہ انس بن مالکؓ بچوں پر سے گزرے تو انہیں سلام کیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔

انسؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر سے گزرے اور ہم بچے کھیل رہے تھے، آپ نے ہمیں سلام کیا، آپ نے مجھے کسی کام پر بھیج دیا، اور آپ راستے میں بیٹھ کر میرا انتظار کرنے لگے، حتیٰ کہ میں واپس آگیا، تاہم میں ام سلیم کے پاس ذرا دیر سے پہنچا۔ انہوں نے کہا تاخیر کیوں ہوئی؟ میں نے کہا حضور نے مجھے کسی کام کے لئے بھیج دیا تھا بولیں کیا؟ میں نے کہا وہ آپ کا راز ہے تو بولیں اچھا آپؐ کے راز کی حفاظت کرو۔

مشرکوں اور اہلِ کتاب کا سلام کرنا :

اسامہ بن زیدؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہؐ ایک ایسی مجلس سے گزرے جس میں مسلمان، مشرک، بتوں کے پجاری اور یہودی ملے جلے تھے تو آپؐ نے انھیں سلام کیا۔

انہی سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گدھے پر سوار تھا اور اس پر پالان کسا ہوا تھا۔ آپ سعدؓ کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جا رہے تھے آپ کا گزر ایسی مجلس سے ہوا جس میں عبداللہ بن ابی بھی موجود تھا آپ نے انہیں سلام کیا۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں یہود کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ملنے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دے دی، جب وہ اندر آئے تو کہا السام علیک یا محمد (یعنی آپ پر بیماری ہو) آپ نے فرمایا وعلیکم! سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں میں نے کہا وعلیکم السام واللعنۃ، آپ نے فرمایا عائشہ اللہ تعالیٰ رفیق ہے اور وہ نرمی کو پسند کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا آپ نے کچھ نہیں سنا؟ فرمایا کیا تم نے وہ نہیں سنا جو میں نے کہا؟ میں نے کہا وعلیکم (یعنی تم پر بھی)

کسی کا سلام رد کر دینا :

ابی تمیمہؓ روایت کرتے ہیں ایک شخص رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا علیک السلام یا رسول اللہ آپ نے فرمایا علیک السلام مت کہا کرو کیونکہ یہ مردوں کا سلام ہے تم سلام علیکم کہا کرو۔ کلدہ بن حنبلؓ کہتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے اُسے رسول اللہؐ کی خدمت میں دودھ یا چھوٹے ہرن کا گوشت، لمیس اور چھوٹی ککڑی دے کر بھیجا آپ اس وقت مکہ کی بلندی پر تھے، میں گیا لیکن میں نے سلام نہ کیا آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اور پھر آکر السلام علیکم کہو، کہتے ہیں کہ میں گیا اور پھر آیا اور السلام علیکم کہا اور آپ نے فرمایا وعلیکم السلام،

عمران بن حصینؓ روایت کرتے ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، ایک شخص آیا اور آکر سلام کیا، آپ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا بیس (نیکیاں)، پھر ایک اور شخص آیا اور سلام کیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ نے فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اور کہا تیس (نیکیاں)

انسؓ کی روایت کے مطابق ایک اور شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ ومغفرتہ، آپ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا چالیس پھر فرمایا یہ فضائل (اور نیکیاں) ہیں

غالب بن خطاف کہتے ہیں ہم حسن بصریؒ کے دروازے پر بیٹھے تھے ایک شخص آیا اور کہا مجھ سے میرے والد اور انہوں نے اپنے والد سے بیان کیا کہ مجھے میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور مجھے کہا آپ تک میرا اسلام بھی پہنچا دینا کہتے ہیں کہ میں آپ کے پاس گیا اور کہا کہ میرے والد آپ کو سلام کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم پر اور تمہارے والد پر سلام!

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی جماعت میں تشریف فرما تھے انہوں نے آکر کہا السلام علیکم آپ نے فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ دس نیکیاں) میرے لیے اور دس تمہارے لیے، پھر حضرت علیؓ چلے گئے اور واپس آئے اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ نے فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ بیس نیکیاں) میرے لئے اور بیس تمہارے لئے، پھر پلٹ کر آئے اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ، آپ نے فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تیس نیکیاں) میرے لئے اور تیس تمہارے لئے ہیں اور تم اے علی سلام میں برابر ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا میری امی آپ کو سلام کہتی ہے۔ آپ نے فرمایا تم پر اور تمہاری امی پر سلام

انسؓ روایت کرتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا جو صحابہ کے مویشی چرایا کرتا تھا اور کہا السلام علیک یا نبی اللہ دیا کہا) یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ومغفرتہ ورضوانہ، آپ سے کہا گیا اے اللہ کے رسول آپ نے اس کا جواب اس طرح دیا کہ کبھی صحابہ کو ایسا جواب نہیں دیا، آپ نے فرمایا کون مجھے اس سے روک سکتا ہے اور وہ شخص دس آدمیوں کے برابر ثواب لے کر چلا گیا۔

آپ کا یہ کہنا کہ تم کیسے ہو؟ کیسے صبح کی؟ اور کچھ ایسی ہی باتیں:

عبداللہ بن ابی طلحہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی اپنے صحابی کو دیکھتے تو فرماتے تم کیسے ہو؟ کیسے صبح کی؟ وہ کہتا، خیریت ہے اللہ کی تعریف کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرماتے اللہ تجھے خیریت سے رکھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس بن عبدالمطلبؓ سے فرمایا تم اور تمہارے بیٹے صبح اپنے گھر سے نہ نکلیں تاآنکہ میں وہاں آؤں۔ مجھے تم سے کوئی کام ہے، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا السلام علیکم تمہاری صبح کیسے ہوئی؟ بولے خیریت سے اور ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

جابرؓ روایت کرتے ہیں عقیلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا خوش آمدید ابو یزید کس طرح صبح ہوئی؟ فرمایا خیریت سے اور خدا کرے کہ آپ کی صبح بخیر ہو۔

عباسؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا السلام علیکم صبح کیسے ہوئی؟ ہم بولے آپ پر ہمارے ماں باپ قربان، آپ کی صبح کیسی ہوئی؟ فرمایا صبح بخیر میں اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں۔

عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن عمرو کی والدہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا

اے ام عبداللہ کیسی ہو؟ بولی خیر سے ہوں، آپ پر میرے ماں باپ قربان! اور آپ کیسے ہیں؟ فرمایا خیریت سے ہوں اور ہاں تمہارے عبداللہ کا کیا حال ہے؟ بولیں خیریت سے ہے اے اللہ کے رسول!

عصام بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا بنی الحارث بن کعب نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا آپ نے فرمایا خوش آمدید وعلیکم السلام، کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان میں بنی الحارث سے ہوں، انہوں نے مجھے اسلام کی غرض سے آپ کے پاس بھیجا ہے، آپ نے فرمایا بہت خوب تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا میرا نام اکبر ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارا نام بشیر ہے اور آپ نے میرا نام بشیر رکھا۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا خوش آمدید میری بیٹی! پھر انہیں آپ نے اپنے داہنی جانب بٹھایا

ام ہانی بنت ابی طالبؓ روایت کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فتح مکّہ کے سال گئی۔ آپ ہاتھ منہ دھو رہے تھے میں نے سلام کیا آپ نے فرمایا خوش آمدید ام ہانی!

محمود بن لبید روایت کرتے ہیں غزوہ خندق کے دن سعدؓ کو زخم پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اُن کے پاس سے گزرتے تو فرماتے صبح کیسے ہوئی؟ آپ جب صبح کو گزرتے تو فرماتے صبح کیسے ہوئی؟ اور شام کو گزرتے تو فرماتے شام کیسے ہوئی؟ اور وہ آپ کو بتاتے۔

رسول اللہؐ جس شخص کو سلام کا جواب نہ دیتے اُور جسے اشارے سے جواب دیتے:

عمار بن یاسرؓ روایت کرتے ہیں میں رات کو سفر سے اپنے گھر واپس آیا میرے ہاتھ پھٹ گئے تھے میں نے ان پر زعفران مل لیا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ نے نہ تو جواب دیا اور نہ خوش آمدید کیا، بلکہ فرمایا تم جاؤ اور یہ ہاتھوں سے صاف کر دو، چنانچہ میں گیا اور اُسے دھو ڈالا پھر واپس آیا اور ابھی زعفران کا اثر باقی تھا میں نے سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا اور مرحبا بھی نہ کہا پھر فرمایا جاؤ اسے دھو ڈالو، میں گیا اور جاکر اُسے دھو ڈالا اور واپس آکر سلام کیا آپ نے جواب دیا اُور مجھے خوش آمدید بھی کہا اور فرمایا بلاشبہ خدا کے فرشتے اور کافر، زعفران ملنے والے اور جنبی کے جنازے میں شریک نہیں ہوتے۔

بیان کیا جاتا ہے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور آپ ابھی پیشاب کر کے فارغ ہوئے تھے۔ آپ نے جواب نہ دیا آپ نے اپنا ہاتھ دیوار پر مارا۔ ایک اور روایت کے مطابق وضو کیا اور پھر اسے سلام کا جواب دیا اور فرمایا مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ میں بغیر پاکیزگی حاصل کئے اللہ کا نام لوں،

رسول اکرمؐ کا حالتِ نماز میں سلام کا جواب دینا اُور نمازی کو سلام کہنا:

صہیبؓ روایت کرتے ہیں میں رسول اللہؐ کے پاس سے گزرا آپ نماز پڑھ رہے تھے میں نے سلام کیا اور آپ نے انگلی کے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی غرض سے مسجد کی طرف تشریف لائے ۔ انصار آپ کے پاس سلام کرنے کی غرض سے آئے اور آپ نماز میں تھے ۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں میں نے بلال سے کہا آپ نے کس طرح ان کے سلام کا جواب دیا ؟ انہوں نے بتایا آپ نے ہاتھ کھولا اور ہتھیلی کی پشت اوپر اور پیٹ نیچے کیا ۔

ابن عمرؓ ہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی بن کعبؓ کے پاس سے گزرے جب وہ نماز پڑھ رہے تھے آپ نے سلام کیا لیکن انہوں نے جواب نہ دیا ، انہوں نے نماز مختصر کی اور آپ کے پیچھے پہنچ گئے اور کہا یا رسول اللہ آپ نے سلام کیا جبکہ میں نماز پڑھ رہا تھا ۔ آپ نے فرمایا تمہیں سلام کا جواب دینے میں کونسی چیز مانع تھی ؟ بولے میں نماز پڑھ رہا تھا ، آپ نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا ۔ " اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کی پکار کا جواب دو جب وہ تمہیں بلائیں " وہ بولے اے اللہ کے رسول اب آئندہ ایسا نہیں ہوگا ۔

مصافحہ کرنا :

ایوب بن بشیر بن کعب العدوی رضی اللہ عنہ عنزہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں ، میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے اُن کے شام جاتے وقت دریافت کیا ۔ میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں ، وہ بولے میں تمہیں جب بتاؤں گا اگر وہ کوئی راز نہ ہوا تو ؟ میں نے کہا کوئی راز کی بات نہیں کی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصافحہ کرتے تھے جب آپ لوگ انہیں ملا کرتے تھے ، فرمایا آپ مجھے کبھی بھی نہیں ملے جبکہ آپ نے مصافحہ نہ کیا ہو ۔ ایک مرتبہ آپ نے مجھے بلا بھیجا ، میں گھر پر نہ تھا جب مجھے پتہ چلا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ آپ تخت پر تشریف رکھتے تھے ، آپ نے مجھے لپٹا لیا اور یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے ۔

رسول اللہؐ فرمایا کرتے پورا اسلام تو ہاتھ ملانا ہی ہے :

براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا جب دو مسلمان آپس میں ملتے اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے اللہ کی حمد کرتے اور گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دیتا ہے ۔

انسؓ روایت کرتے ہیں ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول ! اگر کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو اس کے لیے جھکے فرمایا نہیں ، وہ بولا کیا اُسے لپٹائے اور بوسہ دے ؟ فرمایا نہیں ۔ اس نے کہا کیا اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے ؟ فرمایا ہاں !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ جب آپ کسی سے ملتے تو اسے سلام کہتے اس کا ہاتھ پکڑتے اور اپنی انگلیاں اس کی انگلیوں میں پیوست کر دیتے اور آپ اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ چھڑاتے جب تک کہ وہ آپ کا ہاتھ نہ چھوڑ دیتا ۔

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا ہاتھ پکڑ کر اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہتے

اللھم آتنا فی الدنیا حسنۃً وفی الآخرۃ حسنۃً وقنا عذاب النار

حذیفہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ملے اور فرمایا ہاتھ ملاؤ ، لیکن میں نے نہ ملایا ۔ آپ نے دو تین بار یہی فرمایا ، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حالت جنابت میں تھا اور مجھے اچھا نہ لگا کہ آپ کے ہاتھ چھوؤں ، آپ نے فرمایا حذیفہ کوئی مسلمان

جب اپنے دوست سے ملتا ہے اور اس کا ہاتھ تھامتا ہے تو ان دونوں کے گناہ یوں جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے پتے جھڑتے ہیں

اُٹھ کر استقبال اور معانقہ کرنا:

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے کسی کو شکل و شباہت، سیرت، عادات اور گفتگو میں حضرت فاطمہؓ سے بڑھ کر رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہ نہیں دیکھا جب وہ آپ کے پاس آتیں تو آپ اٹھ کھڑے ہوتے، ان کا ہاتھ تھام لیتے، بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے اور جب آپ اُن کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں، آپ کا ہاتھ پکڑتیں اور چومتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں

شعبیؒ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعفر بن ابی طالبؓ سے ملے، انہیں گلے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا

سیدہؓ عائشہ روایت کرتی ہیں زید بن حارثہؓ مدینہ منورہ میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے لیے اُٹھے۔ آپ نے اس وقت کپڑے اتار رکھے تھے، اپنے کپڑے کھینچتے ہوئے اُن کی طرف بڑھے قسم بخدا میں نے انہیں اس سے پہلے اور اس کے بعد آپ کو کبھی برہنہ نہیں دیکھا آپ نے ان سے معانقہ کیا اور انہیں بوسہ دیا۔

ابو امامہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ نے عصا سے ٹیک لگا رکھی تھی ہم آپ کیلئے اٹھے آپ نے فرمایا تم عجمیوں کی طرح نہ اٹھا کرو جس طرح وہ ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں۔

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ کوئی شخص صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر محبوب نہ تھا لیکن جب وہ آپ کو دیکھتے تھے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ آپ کو یہ ناپسند ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص یہ پسند کرے کہ لوگ اسی کے لیے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے۔

ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں جب بنو قریظہ سعد بن معاذ کے فیصلے پر (قلعہ سے) نیچے اتر آئے۔ سعد آپ کے پاس گدھے پر سوار ہو کر آئے جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا اپنے سردار کے لئے اُٹھو۔

رسول اللہؐ کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ چومنا:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جنگ سے فرار ہونے والوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے آپ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور روئے اور کہا کہ ہم جنگ سے فرار ہونے والے ہیں، آپ نے فرمایا تم تو پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو،

اُسید بن حضیرؓ روایت کرتے ہیں کہ انصار کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پہلو پر بوسہ دیا۔

صفوان بن عسال المرادیؓ روایت کرتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ باتیں دریافت کیں آپ نے ان کا تشفی بخش جواب دیا تو انہوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں چومے اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

ام ابان بنت وازع اپنے دادا زارع بن عامر سے روایت کرتی ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور ہمیں بتایا گیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہم نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کے پاؤں چومے۔

انہی کی بیان کردہ روایت ہے کہ جب جعفر بن ابوطالب حبشہ سے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے ہاتھ کا بوسہ لیا۔

رسول اکرمؐ کے کھانے کی خصوصیت

- اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ٹیک سے لگا کر کھانا ناجائز قرار دیا ہے۔

سیدہ عائشہ روایت کرتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ، آپ کھانا ٹیک لگا کر کھایا کیجئے!۔

آپ نے فرمایا میں ایک بندہ ہوں اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندے کو بیٹھنا چاہیئے اور ویسے کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے،

ابن عمرؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ٹیک لگا کر کھانا کھاتے نہیں دیکھا۔

ابی جحیفہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واضح رہے میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا کرتا

- یہ بھی آپ کی خصوصیت تھی کہ آپ کے لئے پیاز اور لہسن کھانا جائز نہ تھا،

ابوایوب انصاری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں پیاز تھا آپ نے فرمایا تم کھاؤ کہ میں تمہاری مانند نہیں ہوں۔

ابوایوبؓ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا بھجوایا آپ نے اسے واپس لوٹا دیا اور کچھ بھی نہ کھایا میں نے عرض کیا کیا وجہ تھی اے اللہ کے رسولؐ آپ نے کھانا واپس کر دیا؟ فرمایا میں نے اس میں لہسن دیکھا تھا۔

- آپؐ گندنا اور بدبودار سبزیاں نہیں کھایا کرتے تھے

اُم ایوبؓ روایت کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا بھیجا اور بعض کچھ ایسی ہی سبزیاں تھیں، آپؐ نے انہیں پسند نہ فرمایا اور صحابہ سے فرمایا تم کھاؤ میں نہیں کھاتا اور میں تمہاری طرح بھی نہیں مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے میرے دوست (فرشتے) کو ایذا پہنچے گی۔

- آپ کو یہ بھی خصوصیت حاصل ہے کہ اگر آپ کو کسی کھانے، پینے اور پہننے کی کسی چیز کی ضرورت ہو اور وہ چیز کسی ایسے شخص کے پاس ہو جو خود حالتِ اضطرار میں ہو تب بھی اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دے خواہ وہ خود بھوک پیاس سے مر جائے لیکن اپنی ذات پر آپ کی ذات کو ترجیح دے۔

اسی طرح آپ پر عقیقہ اور قربانی بھی واجب تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر تین ایسی چیزیں واجب ہیں جو تم پر نہیں، قربانی، نماز چاشت اور وتر،

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قربانی کیا کرتے تھے اور دو چتکبرے رنگ کے مینڈھے ذبح فرماتے تھے ایک اپنی اور اہل وعیال کی

طرف سے اور دوسرا اپنی اُمت کی طرف سے،

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے دو مینڈھے قربان کئے ایک اُن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اُن کے لئے تھا، آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا مجھے آپ نے ایسا کرنے کو کہا تھا،

آپؐ کی یہ خصوصیت کہ آپؐ کیلئے دنیوی زندگی کی چمک دمک کی طرف توجہ کرنا ممنوع تھا:

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہؐ سرخ اونٹنیوں اور فربہ اونٹوں کے پاس سے گزرے اور موٹاپے کی وجہ سے اُن کا پیشاب اُن کی رانوں سے لتھڑا ہوا تھا۔ آپؐ نے آنکھیں نیچی کر لیں، آپؐ سے کہا گیا آپؐ نے آنکھیں جھکا لیں جبکہ یہ تو ہمارے بہترین مال مویشی ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے منع فرمایا ہے کہ میں دنیوی زندگی کی چمک دمک کی طرف نظر اٹھا کر دیکھوں، ارشاد خداوندی ہے۔" اور اپنی نگاہیں اس کے پیچھے لمبی نہ کرو جو ہم نے ان میں سے قسم قسم کے لوگوں کو سامان دیا ہے۔ (طٰہٰ: ۱۳۱)

ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے میں نے گلے میں ہار ڈال رکھا تھا جس میں کچھ سونے کی آمیزش تھی جب آپ نے اسے دیکھا تو میری طرف سے منہ پھیر لیا میں بولی یا رسول اللہ آپ نے منہ کیوں پھیر لیا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیوی زندگی کی آرائش پر نظر ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں آتا ہے کہ آپ نے ایک دن نماز پڑھی آپ نے منقش جبہ پہن رکھا تھا۔ آپ نے جب اس کی طرف دیکھا اور نماز سے فارغ ہوئے تو اسے اتار دیا اور فرمایا اس کے نقش و نگار نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا تم اسے ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور مجھے ابوجہم کا انبجانیہ یعنی سادہ دھاری دار کرتا لا دو،

علی بن ابی طالبؓ روایت کرتے ہیں، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر آپ کہیں تو ہم گدھے کا گھوڑے سے ملاپ کرائیں تاکہ جبلی خچر جیسا خچر بن جائے تو آپ نے فرمایا یہ مشغلے مُترف (سرمایہ دار) لوگوں کے ہوتے ہیں۔

آپ کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ آپ پر توکل کرنا واجب اور ذخیرہ کرنا ناجائز تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تم اللہ پر توکل کرو بے شک تم واضح حق پر ہو" (النمل: ۷۹)

ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات روتے رہے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ رات بھر روتے رہے فرمایا میں کچھ دینار بستر کے ایک کونے میں بھول گیا تھا اور وہ کوئی سات یا نو دینار تھے۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں مجھے فرمایا اے عائشہؓ کتنے دینار ہیں؟ میں نے عرض کیا کس لئے؟ فرمایا میرے پاس لے آؤ کہتی ہیں کہ میں لے گئی، پھر فرمایا انہیں نکال دو بعدازاں آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب اپنے رب سے ملے گا تو کیا گمان کرے گا کہ اس کے پاس یہ کچھ ہے"۔

انسؓ بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کل کے لئے کوئی چیز نہیں رکھ چھوڑی تھی!

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا جوڑنے کے لئے پیدا نہیں کیا جو شخص دنیا جوڑتا ہے تو زندگی کے باقی رہنے کا یقین رکھتا ہے جبکہ زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، میں نہ دینار جوڑتا ہوں اور نہ درہم اور نہ ہی کل کے لئے کچھ بچا کر رکھتا ہوں۔

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دستر خوان پر تشریف لائے جہاں پرندہ بھی تھا۔ آپ نے اپنی خادمہ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ بتلایا گیا یہ پرندہ ان ۲ میں سے ایک ہے جو شام کو آپ کی نذر کیا گیا تھا فرمایا، اچھا تم نے اسے کل کے لئے بچا رکھا تھا جب ہر دن کا رزق روز ہی اترتا ہے۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں رحلت پذیر ہوئے کہ آپ نے نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم اور نہ کوئی غلام چھوڑا نہ لونڈی اور نہ کوئی بکری اور نہ کوئی اونٹ چھوڑا۔

- یہ بھی آپ کی خصوصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کچھ بچا کر رکھنا ممنوع قرار دے دیا تھا جو کچھ آپ نے چھوڑا وہ صدقہ ہے کیوں کہ جب آپ پر زمین کے خزانے پیش کئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتخاب کا حق دیا کہ بادشاہ نبی بننا پسند کریں گے یا بندہ نبی! تو آپ نے فرمایا میں مسکین اور بندہ نبی رہنا پسند کرتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن سیر، جب پیٹ بھرے تو تیری تعریف کروں اور جب بھوک لگے تو تجھ سے التجا کروں۔

جب آپ نے خود ہی امیری پر فقیری اور خوشحالی پر تنگی کو ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اُسے لازم کر دیا۔

سیدہ عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواتر دو دن کبھی بھی شکم سیر نہ رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر دنیا میں سے کم سے کم قناعت کو واجب کر دیا اور آپ بھی اس پر راضی ہو گئے تو جو اس سے زائد تھا وہ اللہ کے لئے تھا آپ اسے وہیں پر خرچ کرتے جہاں اللہ کا حکم ہوتا جب آپ کی زندگی تمام ہوئی تو جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ اللہ کا تھا اس لئے وہ اپنے آپ اللہ کے ضرورت مند بندوں کی طرف منتقل ہو گیا۔

ارشاد نبوی ہے۔

میری وراثت میں دینار اور درہم تقسیم نہ کرد کہ جو کچھ اہل وعیال کے نفقہ سے بچے وہ صدقہ ہے۔

ملک بن اوسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطابؓ کو عثمان بن عفانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ سے یہ کہتے ہوئے سُنا کہ تمہیں وہ اللہ بیان کی توفیق دے۔ جس کی قدرت سے زمین وآسمان قائم ہیں کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ

"ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے"۔

ایک اور روایت کے مطابق "ہم انبیاء کا گروہ وارث نہیں بنایا جاتا جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے" بعض علماء کا یہ بھی کہنا ہے کہ انبیاء کے مال کی وراثت اس لئے بھی نہیں ہوتی کہ وہ زندہ ہوتے ہیں۔ بنا بریں میراث تقسیم نہیں ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم انبیاء کے گروہ کا گوشت زمین نہیں کھاتی اور نہ ہی ہمارا خون پیتی ہے، ہم اپنی قبروں میں زندہ

ہوتے ہیں اور قیامت تک نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

آپؐ کی یہ خصوصیت کہ آپ اُمّت کی ان تمام ذمہ داریوں از قسم قرض، خون اور کفارہ کے ضامن ہیں جن کی ادائیگی سے وہ قاصر ہو،

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"نبی، مومنوں کی جان سے بھی زیادہ ان کے قریب (خیر خواہ) ہے"۔ (الاحزاب: ۶)

بنا دریں یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر لازم کر دیا کہ آں تنگدست اُمتیوں کا قرض اتاریں جو مقروض ہو کر مریں، بیان کیا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین اور انصار میں مواخات قائم فرمائی اور ایک جماعت ایسی بھی تھی جن کی بعد از وفات میراث بھی مشترکہ قرار پائی تھی اور وہ بطور خاص مہاجرین میں تقسیم کی جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہاجر کی میراث اس کے ورثاء یا قرابت داروں میں تقسیم نہیں کی تاآنکہ مکہ فتح ہوا اور سلسلۂ ہجرت منقطع ہو گیا، تب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔

"اللہ کی کتاب میں اُن کے ذوی الارحام اُن سے زیادہ قریب ہیں" (الانفال: ۷۵)

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے ورثاء کا ہے اور جو قرض اور یتیم چھوڑ جائے، اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس شخص کا قرض ادا کرتے تھے جو مقروض ہو کر مرے اور اس کے اہل و عیال کی کفالت کرتے تھے جو تنگ دست ہو کر مرے۔

اسی طرح آپ اس شخص کا تاوان ادا کرتے تھے جو ادا نہ کر سکتا ہو اور ایسے کفاروں کی کیفیت تھی، اور ہر وہ حقوق جو کسی مسلمان پر عائد ہوتے اور وہ ان کی ادائیگی سے عاجز ہوتا تو آپ از رہِ شفقت ادا فرماتے، البتہ آپ اگر کسی میت کا قرضہ ادا کرنے کے قابل ہوتے تو آپ اس پر نماز نہیں پڑھتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے یہ خاص کر دیا ہے کہ مقروض ہو کر مرنے والے پر نماز نہ پڑھیں تاآنکہ اس کے مال سے قرضہ ادا کیا جائے یا آپ اپنی طرف سے ادا کر دیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ کے پاس کوئی جنازہ لایا جاتا تاکہ اس پر نماز پڑھیں تو آپ فرماتے تھے کیا اس پر کوئی قرض ہے؟ کہا جاتا کہ ہاں تو فرماتے کیا کچھ چھوڑا بھی ہے جس سے قرض ادا ہو سکے لوگ کہتے کہ ہاں تو آپ آگے بڑھ کر نماز پڑھتے اور اگر آپ پوچھتے کہ اس پر قرض ہے؟ اور لوگ کہتے کہ ہاں، پھر آپ فرماتے کیا ادائیگی کے لئے کچھ چھوڑا گیا ہے اور لوگ کہتے کہ نہیں! تو فرماتے تم اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ اور آپ نہ پڑھتے۔

آپ ہی کے متعلق آتا ہے کہ ایک دن آپ کے پاس جنازہ لایا گیا تاکہ آپ اس پر نماز پڑھیں، آپ نے فرمایا اس پر کوئی قرض ہے؟ کہا گیا ہاں! دو دینار ہیں فرمایا ادائیگی کے لئے کچھ چھوڑ گیا ہے؟ بتایا گیا نہیں، فرمایا تم اس پر نماز پڑھو اور آپ پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت علیؓ بولے یا رسول اللہ، یہ میرے ذمے رہا آپ نے فرمایا ہاں اب اس کی گرہ کھلی ہے ایک اور روایت کے مطابق اب اس کی جلد ٹھنڈی ہوئی ہے،

اے علی! اور پھر آپ آگے بڑھے اور نماز ادا کی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کی روح ہمیشہ قرض کے عوض گروی رہتی، ہاں اب گرہ کھلی ہے۔

آپؐ کی یہ خصوصیت کہ آپ کے لیے کن انکھیوں سے دیکھنا اور اشارہ کرنا ممنوع تھا :

مصعب بن سعدؓ اپنے والد سعدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن عبداللہ بن ابی سرح حضرت عثمانؓ کے پاس آیا اور یہ وہ شخص تھا جسکے متعلق ہر حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کا حکم دے رکھا تھا کیونکہ وہ مسلمان ہوا تھا اور کاتبِ وحی مقرر ہوا لیکن مکہ لوٹ کر پھر مرتد ہوگیا جب فتح (مکہ) کا دن آیا تو اس نے حضرت عثمانؓ کے ہاں پناہ لے لی۔ اور لوگوں نے اُسے چھوڑ دیا پھر اُسے حضرت عثمانؓ ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے اے اللہ کے رسول! یہ عبداللہ بن ابی سرح ہے بیعت کے لئے حاضر ہے آپ نے سر اٹھا کر دیکھا لیکن کوئی جواب نہ دیا تین بار آپ نے اسی طرح کیا اور اس کے بعد اُسے بیعت کیا، پھر آپ صحابہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا کہ تم میں کوئی بھی "رجل رشید" نہ تھا جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ بیعت سے ہاتھ روک دیتا اور اُسے قتل کر دیتا، صحابہ بولے اے اللہ کے رسول ہمیں کیا معلوم کہ آپکے دل میں کیا تھا، آپ ہمیں آنکھ سے اشارہ کر دیتے آپ نے فرمایا کہ یہ نبی کے شایان شان نہیں ہوتا کہ آنکھ سے اشارہ کرے،

بعض وہ باتیں جو اُمت کے بعض افراد کے لیے مخصوص ہیں :

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں ایک شخص رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: "اے اللہ کے رسولؐ! میں ہلاک ہوگیا، میں ہلاک کر دیا گیا" آپؐ نے فرمایا: کیا ہوا؟ بولا: "میں رمضان کے دن میں اپنی عورت کے پاس چلا گیا" آپ نے فرمایا "غلام آزاد کرو" کہا "میرا تو کوئی غلام نہیں" فرمایا "لگاتار دو ماہ کے روزے رکھو" کہا "اس کی بھی طاقت نہیں" آپؐ نے فرمایا "ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ" وہ بولا "اس کی بھی سکت نہیں" آپؐ نے فرمایا "بیٹھ جاؤ"۔ وہ بیٹھ گیا، آپ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا لایا گیا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور انہیں صدقہ کر دو۔ اس نے عرض کیا "حضور! مجھ سے بڑھ کر کون مسکین ہے" آپ ہنس پڑے، حتیٰ کہ آپ کے دانت ظاہر ہو گئے اور فرمایا "جاؤ اپنے بال بچوں کو کھلاؤ"، ایک اور روایت کے مطابق آپ نے اس سے فرمایا یہ لے جاؤ اور صدقہ کر دو اس نے کہا مجھ سے بڑھ کر کون غریب ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا سب کا سب لے جاؤ اور اہل و عیال کو کھلاؤ اور یہ تمہارے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں۔

ایسی ہی ایک خصوصیت کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے نکلے اور آپ کے ہاتھ میں ریشم اور سونا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں میری اُمت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں پر حلال! عبدالرحمٰن بن عوفؓ بولے یا رسول اللہ، مجھے خارش ہے میں ریشم کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں پہن سکتا، میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے انہیں اجازت دے دی اور یہ اُن کے لئے مخصوص تھی!

وائل بن حجرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت نماز کی غرض سے باہر نکلی (بعض روایات میں

نماز صبح کا ذکر ہے) کہتے ہیں ایک شخص اس سے ملا اور اس سے اپنی جنسی خواہش پوری کی اور چلا گیا بعد ازاں ایک اور شخص آیا تو اس عورت نے اس سے کہا کہ وہ آدمی جو ابھی یہاں سے گیا ہے اس نے میرے ساتھ یہ یہ کیا، وہ شخص اس کی تلاش میں نکل پڑا۔ اتنے میں انصار کے کچھ لوگ وہاں آئے اور اس عورت نے انہیں بھی بتایا کہ فلاں نے میرے ساتھ یہ یہ کیا، انصاری لوگ اس کی تلاش میں اسی جانب چل پڑے اور اس کو پکڑ لائے جو خود دوسرے کو تلاش کرنے گیا تھا، وہ بولا میں وہ نہیں ہوں۔ بہر کیف لوگ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور عورت بھی آگئی لوگوں نے کہا یہی وہ شخص ہے؟ بولی ہاں، آپ نے حد جاری کرنے کا حکم دیدیا۔ اتنے میں وہ اصلی شخص اٹھا اور کہا اللہ کی قسم وہ میں ہوں (یعنی جس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے) آپ نے اس عورت سے کہا تم جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا ہے اور آپ نے اس مرد سے نصیحت آمیز کلمات ارشاد فرمائے۔ آپ سے کہا گیا کیا آپ اسے سنگسار نہیں کریں گے؟ فرمایا اس نے بڑی اچھی توبہ کی ہے اگر اہل مدینہ ایسی توبہ کریں تو قبول کی جائے گی۔

اسی طرح کی ایک اور خصوصیت کا ذکر ہے کہ ایک بدوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے محمد! آپ مجھے اپنی دعوت کے بارے میں بتایئے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ایک ہونے کی شہادت اور میں اللہ کا رسول ہوں اور پانچ نمازیں جو رات دن میں فرض ہیں وہ شخص بولا اے محمد! کیا آپ اس پر رضامند ہیں کہ میں آپ پر ایمان لاؤں لیکن نماز نہ پڑھوں؟ فرمایا ہاں تم مجھ پر ایمان لاؤ اور نماز نہ پڑھو چنانچہ وہ شخص ایمان لے آیا اور کوئی چالیس دن گزرے ہوں گے کہ وہ دوبارہ آپ کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے رسول! میں نماز پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہوں آپ نے فرمایا نماز پڑھا کرو اور قضا نمازیں ادا کرلو۔

ایک اور واقعہ ہے، عمارہ بن خزیمہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں جو اصحابِ رسول میں سے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خرید لیا۔ اعرابی آپ کے پیچھے چلا تاکہ قیمت ادا کی جاسکے، آپ آگے نکل گئے اور اعرابی پیچھے رہ گیا۔ کچھ لوگ آئے تاکہ اعرابی سے اس گھوڑے کا سودا طے کریں اور انہیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہلے ہی خرید چکے ہیں۔ اعرابی بولا یا رسول اللہ! اگر آپ گھوڑا خریدیں تو بہتر ورنہ میں اُسے فروخت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تم اسے فروخت نہیں کر چکے؟ وہ بولا نہیں آپ نے فرمایا ہاں ہاں تم اسے فروخت کر چکے ہو، اعرابی نے کہا کون گواہ ہے؟ آپ نے فرمایا کون گواہی دیتا ہے؟ خزیمہؓ بولے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اس سے خریدا ہے، آپ خزیمہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم کیسے گواہی دے رہے ہو تم تو اس وقت موجود ہی نہ تھے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! جب ہم نے آپ کی آخرت کے معاملات میں تصدیق کی ہے تو دنیوی امور میں کیوں نہ کریں گے؟ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ کی گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دے دیا اور وہ اس دن سے لوگوں میں "ذوالشہادتین" مشہور ہو گئے۔

ام سلمہؓ کہتی ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں ایسی عورت ہوں جس کے بال بہت پیچیدار ہیں۔ کیا غسلِ جنابت کے وقت انہیں ضرور کھولا کروں؟ آپ نے فرمایا نہیں تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تم سر پر تین بار پانی بہا دیا کرو اور تم پاک ہو جایا کرو گی۔

اُم فضل بنت عباسؓ روایت کرتی ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں ہے اس

سے مجھے شدید اذیت ہوئی پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ اچھا خواب ہے، فاطمہ (الزہرا) بیٹا جنے گی اور تم ہی اسے دودھ پلاؤ گی، چنانچہ جب سیدہ فاطمہؓ نے حضرت حسینؓ کو جنم دیا تو میں نے انہیں دودھ پلایا جب دودھ چھڑایا تو انہیں حضور کے پاس لے آئی۔ آپ نے انہیں اپنی گود یا ران پر بٹھایا تو انہوں پیشاب کر دیا میں نے دونوں کندھوں کے درمیان انہیں ذرا ٹھوکا دیا تو آپ نے فرمایا میرے بیٹے سے نرمی برتو خدا تم پر رحم کرے خدا تمہارے کام سنوارے، پھر میں بولی ذرا کپڑے اتار دیجئے تاکہ دھو دوں۔ آپ نے فرمایا لونڈی کے پیشاب سے کپڑا دھویا جاتا ہے دودھ پیتے بچے کے پیشاب کے لئے صرف پانی چھڑک دینا ہی کافی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ جانوروں کا قتل حرم اور اس سے باہر ہر حال میں جائز ہے۔ بچھو، کوا، چوہا اور کاٹنے والا کتا۔ ایک اور روایت کے مطابق چیل۔

رسولِ اکرمؐ کے لیے کچھ اوقات کی خصوصیت :

یہ اوقات پانچ نمازوں کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان اوقات کو نماز کے لئے مخصوص فرمایا ہے دن کو ۲ نمازوں ظہر اور عصر کے لئے مخصوص فرمایا اور رات کو عشاء اور وتر کے لئے اور دو نمازیں رات اور دن دونوں کے بیچ ہیں صبح اور مغرب۔

جہاں تک ظہر کا تعلق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس وقت سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے، جب سورج ڈھلتا ہے تو آسمان کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ مجھے یہ پسند ہے کہ اس وقت میرے عمل اُوپر لے جائے جائیں۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا۔

جب سورج ڈھلتا ہے تو جہنم بھڑکائی جاتی ہے پس جو شخص اس وقت نماز پڑھے گا یعنی ظہر تو اللہ تعالیٰ اس پر عذاب جہنم حرام فرما دے گا۔

نماز عصر کا وقت وہ ہوتا ہے جب دن کی چوتھائی باقی رہ جائے نماز عصر کے وقت کے متعلق آپ سے پوچھا گیا آپؐ نے فرمایا اس ساعت میں آدم علیہ السلام نے وہ درخت کھایا تھا پس جو مسلمان اس وقت نماز ادا کرے گا وہ گناہوں سے یوں پاک ہو جائے گا جس طرح ابھی ماں کے پیٹ سے نکلا ہو۔

نماز مغرب کا وقت سورج کا ڈوب جانا ہے اور رات کا برآمد ہونا، اس وقت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس ساعت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کی تھی پس جو مسلمان اس وقت میں ذمہ داری کیساتھ نماز ادا کرے گا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے ضرور دے گا۔

نماز عشاء کا وقت شفق کا ڈوب جانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ

نے فرمایا قبر اندھیری ہے، اور قیامت اندھیری ہے۔ پس جو مسلمان اس کے لئے چل کر نماز ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو آگ کی ظلمت سے بچائے گا اور اُسے وہ نور عطا فرمائے گا جو پل صراط پر چلنے میں اسے کام دے گا، اور اللہ تعالیٰ اُسے قبر حشر اور جہنم کی ظلمت سے محفوظ فرمائے گا۔

نماز صبح کا وقت وہ ہے جب فجر طلوع ہو اور مشرق کے کناروں پر پھیل جائے، آپ سے اس وقت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ صبح کے وقت ہر رات آسمان دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے اور کہتا ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی بخشش کا طالب کہ اُسے بخش دوں؟ ایک اور روایت میں ہے کہ صبح کے وقت عرش حرکت کرتا ہے۔

صدقات میں خصوصیت

عبداللہ بن حارث بن نوفل اور عبدالمطلب بن ربیعہ بن ابن الحارث بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ اُن کے باپ ربیعہ بن حارث اور عباس بن عبدالمطلب دونوں نے اپنے بیٹوں فضل بن عباسؓ اور عبدالمطلب بن ربیعہ سے کہا کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اور ان سے گزارش کریں کہ اے اللہ کے رسول کہ ہم جس عمر کو پہنچ گئے ہیں وہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری خواہش ہے کہ ہم شادی کریں، اور آپ اے اللہ کے رسول لوگوں میں سب سے زیادہ نیکی کرنے والے اور انہیں جوڑنے والے ہیں، ہمارے والدین کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسے وہ خرچ کر سکیں، لہٰذا ہمیں صدقات اکٹھے کرنے پر مامور فرما دیں جو کچھ دوسرے اہلکار آپ کو دیتے ہیں اتنا کچھ ہم دیں گے، اور آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے مجھے اور فضل کو شرف ملاقات بخشا تو پھر ہم نے آپ سے گفتگو کی، فضل نے بھی کچھ کہا، جو کچھ ہمیں والدین نے کہا تھا، آپ ایک لمحہ خاموش ہوئے اور پھر اپنی آنکھیں گھر کی چھت کی طرف اٹھائیں، اور زیادہ دیر تک ایسے کئے رکھا ہم نے کہا کہ شاید اب آپ ہماری طرف متوجہ نہ ہوں گے، حتیٰ کہ ہم نے سیدہ زینب کو دیکھا کہ وہ پردے کے پیچھے سے اشارہ کر رہی تھیں اور مطلب یہ تھا کہ تم جلدی جانے کی فکر نہ کرو آپ ضرور تمہیں کچھ کہیں گے، پھر آپ نے سر نیچے کیا اور ہمیں فرمایا یہ صدقہ لوگوں کی میل ہوتی ہے اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد کے لئے قطعاً جائز نہیں پھر فرمایا نوفل بن الحارث کو میرے پاس بلاؤ۔ اُسے بلایا گیا آپ نے فرمایا اے نوفل تم عبدالمطلب کا نکاح کر دو، پس نوفل نے میرا نکاح کر دیا، پھر آپ نے فرمایا محمیہ بن جزء کو میرے پاس بلاؤ وہ بنی زبید کے آدمی تھے، آپ نے اُسے خمس وصول کرنے پر مامور فرمایا، پس آپ نے محمیہ سے فرمایا تم فضل کا نکاح کر دو، انہوں نے نکاح کر دیا اور اُس کو آپ نے فرمایا اٹھو اور اس طرح نکاح کے اخراجات خمس سے پورے کرو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستے سے گزر رہے تھے آپ کو ایک کھجور پڑی ہوئی ملی آپ نے اُسے اٹھایا اور ساتھ والے آدمی کو دے دی، اور فرمایا اسے کھالو، وہ بولا اے اللہ کے رسول میں کیسے کھاؤں؟ جبکہ آپ نے نہیں کھائی۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہے تو ضرور کھالیتا۔

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حسن بن علی کرم اللہ وجہہ، نے صدقے کی ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں فرمایا کخ کخ، تاکہ وہ منہ سے نکل پڑے پھر فرمایا کیا تمہیں یہ علم نہیں کہ ہم صدقہ کی چیز نہیں کھاتے اور فرمایا یہ صدقہ ہے لوگوں کی میل ہے اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وآلِ محمد کے لئے جائز نہیں۔

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لاتا تو آپ اس سے دریافت فرماتے یہ ہدیہ ہے یا صدقہ اگر تو وہ کہتا کہ صدقہ ہے تو آپ صحابہ سے کھانے کو کہتے اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو آپ مل کر کھاتے،

- صدقہ کی کوئی چیز کھانا جب وہ اپنے مصرف میں پہنچ چکی ہو۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور اس وقت ہانڈی میں گوشت پک رہا تھا، جو صدقہ میں بریرہ کو ملا تھا، آپ نے دوپہر کا کھانا طلب فرمایا۔ ہم نے روٹی اور جو کچھ گھر میں میسر تھا، آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ نے فرمایا کیا میں اُبلتی ہوئی ہانڈی نہیں دیکھ رہا تھا؟ ہم بولے ہاں یا رسول اللہ لیکن وہ تو بریرہ کے لئے صدقہ تھا اور آپ صدقہ نہیں کھایا کرتے۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ، ایک اور روایت میں ہے کہ صدقہ اپنے مقام پر پہنچ گیا اب یہ اُس کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ بعد ازاں آپ نے اُسے لے لیا اور تناول فرمایا۔

- آپ کی یہ خصوصیت کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ہدیہ کو حرام قرار دیا ہے۔

عیاض بن حمار المجاشعی بیان کرتے ہیں کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اسلام سے پہلے بھی شناسائی تھی۔ عیاض نے آپ کو کچھ ہدیہ بھیجا اور کہا گیا یہ اونٹ ہے آپ نے اُسے لوٹا دیا اور فرمایا ہم مشرکین کے "زبد" کو قبول نہیں کرتے، پوچھا گیا کہ "زبد المشرکین" کیا ہے؟ فرمایا اُن کے عطیے اور ہدیے!

بیان کیا جاتا ہے کہ ابو براء نے اپنے بیٹے کے ہاتھ کوئی ہدیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور وہ ایک گھوڑا تھا۔ آپ نے اسے لوٹا دیا اور فرمایا میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا (اور فرمایا کرتے تھے) اگر میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول کرتا تو ابو براء کا ہدیہ قبول کرتا،

- "آپ کی اس خصوصیت کا ذکر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے لازم قرار دیا ہے کہ آپ کسی ہدیہ کا مناسب معاوضہ عطا کیا کریں کہ ہدیہ دینے والا خوش ہو جائے"۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کسی اعرابی نے آپ کو ایک اونٹ بطور ہدیہ بھیجا آپ نے اس کے بدلے میں دس اونٹ بھیجے۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا اے فلاں کے باپ تم خوش ہوئے؟ وہ بولا نہیں، آپ پر یہ بات گراں گزری پھر فرمایا میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میں بجز قریش اور دوس کے کسی کا ہدیہ قبول نہ کروں اور آپ نے کچھ لوگوں کا ذکر فرمایا۔

آپ کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے یہ امر جائز نہیں کہ آپ کسی کو ہدیہ اس لئے دیں کہ وہ آپ کو اس سے زیادہ لوٹائے ارشادِ خداوندی ہے کہ "اس لئے احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کی طلب کرو" (المدثر: ۶) اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ کسی کو اس نیت سے کچھ نہ دیں کہ اس سے زیادہ مل جائے، بلکہ آپ ہدیہ کے جواب میں کچھ زیادہ عطا فرماتے تھے، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اس لئے کیا کہ آپ احسانات سے بچے رہیں۔ آپ کو اللہ نے جو جملہ مخلوق میں سب سے زیادہ عزت اور بے نیازی عطا کی ہے۔ یہ اس کا بھی تقاضا ہے۔

جہاد اور مال غنیمت میں آپؐ کی فضیلت

جہاد کے ضمن میں یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ جب امت کے لئے (جہاد کا) لباس پہن لیں تو پھر اس کا اتارنا جائز نہیں جب تک دشمن سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔

سیدہ عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ خندق سے واپس تشریف لائے تو آپ نے ہتھیار اتارے اور غسل فرمایا اتنے میں حضرت جبریلؑ آگئے اور انہوں نے کہا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے ہتھیار کھول ڈالے؟ فرمایا ہاں، انہوں نے کہا لیکن قسم بخدا ہم تو اب تک اسی طرح ہتھیار بند ہیں۔

ایک اور روایت کے الفاظ کے مطابق، لیکن ہم فرشتوں کے گروہ نے تو ہتھیار نہیں کھولے!

ایک اور روایت میں ہے کہ (جبریلؑ نے) کہا، اے اللہ کے رسول! آپ نے ہتھیار کھول ڈالے؟

فرمایا ہاں، وہ بولے، یہ تو نبی کے شایان شان نہیں کہ وہ امت کے لئے ہتھیار بند ہو اور پھر ہتھیار کھول دے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اُن کے اور دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے۔

آپ پر جہاد کے ضمن میں یہ بھی واجب ہے کہ آپ قتال پر مومنین کو ابھارتے رہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اے نبی اہل ایمان کو قتال کے لئے تیار کیجئے" (الانفال: ۶۵)

آپ پر کفار سے قتال اور جہاد میں اُن پر شدت کرنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور اُن سے سختی برتو" (التوبہ: ۷۳)

سعد بن عیاض الثمالیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم گفتگو فرمانے والے تھے لیکن جب آپ کو حکم جہاد ملا، تو آپ سخت اور تیز ہو گئے اور سب سے زیادہ بے خوف تھے،

علی بن ابی طالبؓ روایت کرتے ہیں کہ جب خوف وہراس عروج پر ہوتا اور قوم قوم سے بھڑ جاتی تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوف لاحق ہوتا لیکن آپ سب سے بڑھ کر دشمن کی صفوں کے قریب ہوتے۔

علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ میں نے غزوہ بدر کے دن دیکھا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پناہ لے رہے تھے۔ اور آپ دشمن سے سب سے زیادہ قریب تھے، اور آپ لوگوں میں سب سے زیادہ نڈر تھے۔

عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں غزوہ حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، لوگ ادھر اُدھر بکھر گئے اور آپ نے انہیں باآواز بلند پکارا، (کہاں ہو اے لوگو!) لیکن کوئی بھی نہ آیا، ایک اور روایت کے مطابق آپ نے بلند آواز سے پکارا، اے لوگو!

میں اللہ کا رسول اور تمہارا نگران ہوں تم میرے ارد گرد اکٹھے ہو جاؤ۔ آگاہ رہو کہ میں باعافیت ہوں، ایک اور روایت میں ہے کہ مسلمان جب ہزیمت سے دوچار ہونے کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچے تو روتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ کے رسول ہمارے لئے مغفرت کی دعا کیجئے ہم بھاگ جانے والے تھے، آپ نے فرمایا تم حملہ کرنے والے ہو اور میں دیکھ بھال کرنیوالا ہوں۔

- مال غنیمت میں آپ کی خصوصیت کا ذکر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت تھی کہ آپ کا مالِ غنیمت میں پانچواں حصہ ہے، اور آپ کے لئے خُمس مقرر کیا گیا۔ باقی چار حصے بھی آپ جہاں چاہیں اللہ کے حکم سے خرچ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت ہے اسمیں اللہ کے لئے پانچواں حصہ اور اس کے رسول کے لئے پانچواں حصہ ہے، اور اہلِ قرابت، یتامیٰ اور مسکینوں کا ہے (الانفال: ۴۱)

آپ کے لئے یہ اختیار تھا کہ وہ خُمس مالِ غنیمت میں سے جو چاہیں لے لیں، غلام، لونڈیاں اور گھوڑے وغیرہ اور باقی کو تقسیم فرمادیں اور جو خُمس آپ کے لئے مقرر تھا اس میں سے آپ اپنے اہل وعیال کا سال بھر کا خرچ نکالتے اور ہر ایک اہلیہ کے پاس سو یا اسی وسق کھجور اور بیس وسق جَو بھجوا دیتے۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت آپ کے حوالے فرما دیا کہ وہ جس طرح چاہیں کریں اور جسے چاہیں عطا فرمائیں۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن مال غنیمت عطا فرمایا اور جس وقت اہل بدر کو فتح نصیب ہوئی اور لوگوں کو حکم دیا گیا کہ لشکر میں سے مال غنیمت اکٹھا کر لیں، اور وہ (ایک جگہ) جمع کیا گیا تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا وہ لوگ جنہوں نے یہ مال اٹھایا کہنے لگے ہمارے لئے کیا ہے؟ اور جنہوں نے دشمن سے جنگ کی وہ بولے ہمارے لئے کتنا ہے؟ اور جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمن کی یلغار سے حفاظت کی تھی وہ کہنے لگے ہمارے لئے کیا ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالِ غنیمت لینے کو کہا اور یہ آیت اس موقع پر اتری۔

”آپ سے مالِ غنیمت کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہیے یہ سب کچھ تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے“۔

عُبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں مجھ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے متعلق پوچھا گیا ”ویسئلونک عن الانفال“ میں نے بتایا کہ یہ ہم اہل بدر کے بارے میں ارشاد ہوا کہ جب ہم مالِ غنیمت کے مسئلہ پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور بہت ہی زیادہ اختلاف، تو اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت ہم سے لے کر اپنے رسول کے حوالے کر دیا آپنے اُسے مسلمانوں میں برابر برابر تقسیم فرمادیا۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے اُسے مسلمانوں میں فضیلت اور نیکی کے اعتبار سے تقسیم فرمایا، یہ بھی آپ کو حق حاصل تھا کہ آپ مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد بھی جسے چاہیں کچھ عطا فرمائیں۔

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں مال غنیمت تقسیم فرمایا اور پھر خُمس میں سے بھی مجھے ایک بوڑھی اونٹنی ملی۔

ابن عمرؓ ہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بعض سریہ میں جانیوالوں کو عام لشکریوں سے زیادہ مال عطا فرماتے۔

آپ کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ آپ مالِ غنیمت میں سے انتخاب فرمائیں آپ کے لئے مالِ غنیمت میں سے انتخاب کر لینا درست ہے آپ چاہیں تو لونڈی لیں یا غلام اور گھوڑا وغیرہ لیکن جہاں تک "فئی" (بغیر لڑائی کے حاصل ہونیوالا مال) کا تعلق ہے وہ تو ہے ہی اللہ کے رسول کا ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اور جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اُن لوگوں سے دلوایا ہے اس میں تمہارا کوئی حق نہیں، کیونکہ اس کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ" (الحشر: ۶)

مالک بن اوسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مالِ فئے میں یہ خصوصیت رکھی ہے کہ وہ اس میں کسی کو کچھ نہ دیں پھر پڑھا "وما افاء اللہ علیٰ رسولہ منہم — قدیر (الحشر: ۶)

اور یہ امر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے کہ وہ اس میں سے اپنے اہل و عیال کے لئے سال بھر کا خرچ نکالیں اور جو باقی بچ رہے وہ اللہ کا مال ہے۔

عمرؓ روایت کرتے ہیں بنی نضیر (قبیلہ) کا مال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا جس کے لئے مسلمانوں کو نہ گھوڑے دوڑانے پڑے اور نہ اونٹ، یہ مال آپ کے لئے مخصوص تھا کہ وہ اس سے اپنے اہل و عیال کے لئے سال بھر کا خرچ نکالیں، اور جو بچ رہے اُسے جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کے لئے جانوروں اور اسلحے کے حصول میں خرچ کریں۔

عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو نضیر، خیبر اور فدک کا مال ملا۔

بنو نضیر کا مال آپ نے اپنے نائبین کے لئے مخصوص فرمایا، فدک کو مسافروں کے لئے مختص کیا۔ خیبر کے مال کے تین حصے فرمائے دو حصے مسلمانوں کے لئے اور ایک اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے اور جو اہل و عیال سے بچ رہا اُسے غریب مسلمانوں میں بانٹ دیا۔

عوف بن مالکؓ روایت کرتے ہیں جب مالِ فئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے اُسے ایک ہی دن میں تقسیم فرما دیا۔ اہل و عیال والوں کو دو حصے اور غیر متاہل کو ایک حصہ ملا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز، شرائطِ نماز

آپ کے لئے یہ جائز ہے کہ آپ حالتِ جنابت میں مسجد کے اندر رہ سکتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ آپ باوضو سو جائیں اور اُٹھ کر بغیر وضو کئے نماز ادا فرمائیں۔

(عبد اللہ) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنی خالہ اور ام المؤمنین سیدہ میمونہ کے ہاں ایک رات ٹھہرا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، جب رات ایک تہائی گزر گئی۔ آپ اٹھے اور قریب ہی لٹکی ہوئی پانی کی مشک کا تسمہ کھولا پھر وضو فرمایا اور نماز پڑھی بعد ازاں آپ لیٹ گئے، حتیٰ کہ خراٹے لینے کی آواز آئی اور ویسے بھی جب آپ سوتے تھے تو خراٹے لیتے تھے، اس اثناء میں بلالؓ آئے اور انہوں نے نماز کے لئے اذان دی، آپ اٹھے اور نماز پڑھی لیکن وضو نہیں فرمایا۔

آپ کی بیٹھ کر ادا کی جانیوالی نماز کھڑے ہو کر پڑھی گئی نماز کی مانند ہے۔

آپ کو یہ بھی خصوصیت عطا کی گئی ہے کہ جب آپ کسی کو نماز کی حالت میں بھی سلام کریں تو اُسے آپ کے سلام کا جواب دینا لازمی ہے اور اس سے اس کی نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی بن کعب کے قریب گزرے اور وہ نماز پڑھ رہے تھے آپ نے انہیں سلام کیا لیکن انہوں نے جواب نہ دیا، بعدازاں وہ نماز جلد ختم کرکے آپ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے فرمایا تم نے میرے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ عرض کیا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا "اے ایمان والو جب تمہیں اللہ اور رسول بلائیں تو انہیں جواب دو" (الآیہ)

اُبی بولے اب آپ جب بھی مجھے بلائیں تو میں ضرور جواب دوں گا۔

آپ کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ آپ نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھ سکتے ہیں۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر کے بعد کوئی نماز پڑھنے سے روکتے تھے لیکن خود پڑھتے تھے اور صوم وصال (لگاتار روزے) سے منع فرماتے تھے لیکن خود ایسا کرتے تھے۔

آپ پر ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنا لازم تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تم پر تین باتوں کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے، مجھ پر مسواک کرنا، چاشت کی نماز پڑھنا اور قربانی کرنا لازم ہے۔

اور یہ بھی آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ اگر کسی کو نماز کے وقت سویا ہوا دیکھیں تو اسے جگا دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف بلایئے"۔

مسلم بن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، میں صبح کی نماز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا۔ آپ اس اثناء میں جس بھی سوئے ہوئے شخص کے پاس سے گزرتے تو یا تو اسے نماز کے لئے کہتے یا اپنے پاؤں سے ہلاتے۔

- آپ پر رات کا قیام واجب تھا،

نصف رات یا تہائی یا اس سے کم اور یا اس سے زیادہ،

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے" اے کمبل پوش! رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑا، آدھی رات یا اس سے بھی کم یا اس سے زیادہ اور قرآن کو خوب خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں (المزمل: ۱-۴)

مزید ارشاد ہوتا ہے" اور رات کو تہجد آپ کے لیے ایک اضافی ذمہ داری ہے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ "مقام محمود" سے سرفراز فرمائے (الکہف: ۷۹)

یبعثک ربک مقاماً محموداً" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں "عسیٰ" اور "لعل" کا لفظ وجوب کیلئے ہے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "نافلۃ لک" کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص آپ کے لئے ہے یعنی اس کا قیام آپ کے لئے واجب ہے۔

مغیرہ بن شعبہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے تھے حتیٰ کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے، آپ سے کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی اور پچھلی لغزشیں معاف نہیں فرما دیں؟ آپ نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے آپ پر قیام لیل کا وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں ؛ شکر چونکہ واجب ہے اور آپ کا قیام لیل ہی شکر ہے۔

دراصل قیام لیل اول اول آپ پر اور امت پر فرض تھا، اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق "یا یھا المزمل قم الیل" پس کچھ رات کا قیام ترباقی رہ گیا اور وہ آپ اور آپ کی امت پر فرض تھا لیکن جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی تو امت پر سے یہ فرض ساقط ہو گیا کیوں کہ ان کے لیے مشقت کا باعث تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بموجب وہ فرض ساقط ہوا۔

" اس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نبھا نہ سکو گے تو اس نے تم پر مہربانی کی پس جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا قرآن پڑھ لیا کرو اس نے جانا تم میں سے بعض بیمار ہوتے ہیں اور بعض تلاش معاش میں زمین پر سفر کرتے ہیں اور بعض خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا پڑھ لیا کرو اور نماز پڑھتے رہو" (المزمل: ۲۰)

البتہ یہ فریضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر باقی رہا اس فرمان خداوندی کے مطابق "اور رات کی تہجد آپ کے لیے اضافی فریضہ ہے"۔

اور اسی طرح آپؐ پر چاشت کی نماز اور وتر بھی واجب تھے،

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ پر تین چیزیں فرض ہیں لیکن تم پر نہیں۔ نماز چاشت، قربانی اور نماز وتر۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد میرے ہاں تشریف لاتے تھے تو دو رکعت نماز پڑھتے اور جب تک آپ کو اللہ تعالیٰ نے بلا نہیں لیا۔ آپ برابر ایسا کرتے رہے اور وفات سے پہلے آپ کے لیے نماز پڑھنا دشوار ہو گیا تھا اور آپ اکثر و بیشتر نماز بیٹھ کر ادا فرماتے، تاہم آپ انہیں مسجد میں ادا نہ فرماتے کہ شاید امت پر بوجھ بن جائے اور جو چیز ان سے معاف کر دی گئی ہے وہ دوبارہ واجب ہو جائے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر تمام نمازیں فرائض اور نوافل وغیرہ فرض قرار دے دی تھیں۔ اور دن رات میں ان کی تعداد کوئی ڈیڑھ سو رکعت بنتی ہے، جیسا کہ انس بن مالکؓ نے بھی اسے روایت کیا ہے، صعصعہ کے حوالے سے حدیث معراج کے ضمن میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں، میں واپس آیا اور موسیٰ علیہ السلام سے ملا۔ انہوں نے پوچھا آپ کو کس بات کا حکم ملا؟ میں نے کہا ہر روز پچاس نمازیں ادا کرنے کا!

انہوں نے کہا یہ آپ کی امت کے بس میں نہیں کہ وہ ہر روز پچاس نمازیں ادا کر سکے،

اور قسم بخدا میں نے اس سے پہلے لوگوں کو بہت آزمایا اور بنی اسرائیل کا بڑی تندہی سے (روحانی) علاج کیا، اس لیے آپ واپس جائیے اور اللہ تعالیٰ سے مزید تخفیف کرائیے۔ آپ نے فرمایا میں واپس گیا، اور دس نمازیں کم کر دی گئیں پھر موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا۔ انہوں نے پھر وہی کہا اور پھر دس نمازیں کم کر دی گئیں، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا پھر دس نمازیں کم کر دی گئیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہوں نے وہی کہا جو پہلے کہا تھا پھر میں پلٹا اور دس نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا میں بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور انہوں نے وہی پہلے کی طرح کہا میں واپس گیا اور پھر مجھے پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا پھر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے پوچھا اب کیا حکم ملا؟ میں نے کہا پانچ نمازوں کا، انہوں نے کہا یہ بھی آپ کی امت کے لیے بہت مشکل ہے کہ ہر روز پانچ نمازیں پڑھے۔ میں اس سے پہلے

بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں، آپ واپس اپنے رب کے پاس جا کر تخفیف اور رعائت کی درخواست کیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے کہا اب مجھے مزید سوال کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ پر اور آپ کی اُمت پر کیا فرض کیا گیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اور میری اُمت پر پچاس نمازیں دن اور رات میں فرض قرار دی ہیں۔ انہوں نے کہا آپ اللہ تعالیٰ کے پاس واپس جائیے کیونکہ آپ کی اُمت کمزور ہے اور وہ اس کی طاقت نہیں رکھتی، اور میں بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف واپس جاتا رہا تا آنکہ ۵ نمازیں باقی رہ گئیں۔ پہلے آپ پر ستر اور آپ کی اُمت پر پچاس نمازیں فرض تھیں اور آپکا اللہ تعالیٰ کی طرف واپس جانا اُمت کی کمزوری کے باعث تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کمزوری کے پیش نظر باقی نمازیں ساقط فرمادیں اور بقایا نمازیں آپ پر ویسی کی ویسی فرض رہیں کیونکہ آپ ظاہری اور باطنی اعتبار سے لوگوں میں زیادہ طاقت رکھنے والے تھے اور آپ جو بھی نمازیں ادا فرماتے تھے وہ سب آپ پر لازم ہوتی تھیں کیوں کہ نوافل فرائض میں کمی بیشی رہ جانے کی غرض سے پڑھی جاتی ہیں اور آپ اس سے پاک اور محفوظ ہیں۔

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دن اور رات میں نمازوں کا ذکر،

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں (اصولی طور پر) دو دو رکعتیں ہی فرض کی گئی ہیں البتہ گھر پر ڈبل زائد کر دی گئیں اور سفر میں وہی برقرار رہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ نمازیں ادا فرماتے تھے اور اُن کی تعداد سترہ رکعات ہے۔

آپ ان کے ساتھ ہر روز اضافی بیس رکعتیں پڑھتے تھے، دو رکعت نماز فجر، چار نماز ظہر سے پہلے اور چار بعد میں اور چار نماز عصر سے پہلے۔ دو مغرب اور چار عشاء کی نماز کے بعد ادا فرماتے تھے، اور بعض کے مطابق چھ رکعت ادا فرماتے تھے۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی عشاء کی نماز پڑھی اور میرے ہاں تشریف لائے تو آپ نے مزید چار یا چھ رکعتیں پڑھیں۔

اور آپ ہی سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر سے پہلے چار رکعت ادا فرماتے تھے اور سورج طلوع ہونے کے بعد جب وہ نیزے کے برابر بلند ہو جاتا تھا تو دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔

جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجلس رہی ہے؟ میں نے کہا بہت زیادہ! کہ آپ اس وقت تک نماز کی جگہ نہیں چھوڑتے تھے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب سورج طلوع ہو چکتا اور بلند ہو جاتا تب آپ دو رکعت نماز ادا کرتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں ادا فرماتے تھے۔

سیدہ ام ہانیؓ فرماتی ہیں فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور میرے گھر پر آٹھ رکعت نماز پڑھی میں نہیں جانتی کہ آپ کا قیام طویل تھا یا رکوع یا سجدہ اور یہ نماز چاشت تھی۔

آپ زوالِ آفتاب کے بعد ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھا کرتے تھے، آپ سے کہا گیا اے اللہ کے رسول آپ زوالِ آفتاب کے بعد کی چار رکعت نماز کبھی نہیں چھوڑتے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ وہ گھڑی ہے جس میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور میں پسند کرتا

ہوں کہ اس میں میرے اچھے اعمال اوپر جائیں۔

آپ رات میں بارہ رکعتیں ادا فرماتے اور ایک وتر اور اس طرح تیرہ رکعتیں بن جاتیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی مجبوری یا بیماری کے باعث رات کی نماز کے لیے نہ اُٹھتے تو دن میں بارہ رکعتیں ادا فرما لیتے۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ آپ سات، نو اور گیارہ رکعت وتر پڑھتے تھے اور آپ نے کبھی تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھے۔

آپ مغرب اور عشاء کے درمیان بھی بیس رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور لوگوں کو یہ پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مغرب کے بعد بیس رکعت پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں گھر بنا دیتا ہے،

کبھی کبھار آپ دیگر اہم مشاغل کے باعث (نافلہ) نمازیں چھوڑ بھی دیتے تھے کیونکہ وہ مشاغل عذر میں شامل ہیں جس طرح اُمت کے لیے بعض نمازیں عذر کے باعث ساقط ہو جاتی ہیں مثلاً سفر کا عذر مائضہ سے مشقت کے عذر کے باعث!

خاص مقامات کی خصوصیت اور فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ زمین پر سب سے اچھا اور اللہ کا پسندیدہ شہر مکہ ہے۔ آپ نے فرمایا جو بھی نبی اپنی قوم سے نکلے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف نکلے اور مکے میں آباد ہوئے وہاں اللہ کی عبادت کی اور وہیں انتقال کیا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مکہ میں مرا گویا وہ آسمان دنیا میں مرا اور جو شخص حرمین شریفین میں کہیں بھی فوت ہوا حج یا عمرہ کے دوران تو اُسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس طرح اُٹھائے گا کہ اس پر کوئی حساب و کتاب اور عذاب نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان کا مہینہ مکہ میں گزارا، پورے روزے رکھے، راتوں کو قیام کیا جتنا کچھ ممکن ہو سکا اللہ تعالیٰ اُس کے لیے دیگر جگہوں پر گزارے ہوئے رمضان سے سوگنا زیادہ اجر عطا فرمائے گا اس کے لیے ہر دن مغفرت اور شفاعت کا ہوگا ہر دن اور رات اُسے اللہ کی راہ میں باربردار گھوڑوں کے وقف کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مکہ کی گرمی پر دن کی ایک ساعت بھی صبر سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ اس سے سو سال کے فاصلے کے بقدر جہنم کو دُور کرے گا اور اتنا ہی جنت کو قریب کر دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مکہ میں ایک دن بھی بیمار ہوا۔ اللہ تعالیٰ اُس کے لئے ساٹھ سال کی عبادت کے برابر نیک عمل لکھ دے گا، اور یہ بھی روایت ہے کہ مکہ میں گناہ بھی دگنا ہوتا ہے جس طرح نیکی دگنی ہوتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کوئی ایسا شہر نہیں بجز مکہ کے کہ جس میں تخریب کاری کا ارادہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ فوراً گرفت کرتا ہے ارشاد خداوندی کے مطابق "اور جو اس میں کسی تخریب کا ناروا ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے" (الحج ۲۲)

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ (طور) پر تجلی نازل فرمائی تو وہ پاش پاش ہوگیا اور اس کے چھ حصے بن گئے تین حصے مدینہ منورہ اور تین حصے مکہ مکرمہ میں نصب ہوگئے مدینہ کے تین پہاڑ احد، ورقان اور رضوی ہیں اور مکہ کے ثور، ثبیر اور حراء ہیں۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین مقام مکہ ہے، بہترین مہینہ رمضان ہے، بہترین دن جمعہ ہے اور بہترین انسان وہ ہے جو خود علم سیکھے اور سکھائے۔

حرم کے مخصوص فضائل کا بیان :

(عبداللہ) بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پہاڑی قبر پر کھڑے ہوئے (اور آج یہاں وہ قبر نہیں) اور فرمایا اللہ تعالیٰ اس جگہ اور حرم سے ستر ہزار آدمی ایسے اٹھائے گا جنہیں بغیر پوچھ گچھ کے جنت میں داخل کیا جائے گا اور ان میں ہر ایک دوسروں کی سفارش کریگا ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے۔ حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسولؐ! وہ لوگ کون ہوں گے؟ فرمایا مسکین لوگ۔

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک آیت) تلاوت کی "بیشک یہ قرآن کافی ہے عبادت والوں کے لیے" (انبیاء: ۱۰۶) پھر فرمایا یہ مسجد حرام میں باجماعت پڑھی جانیوالی نمازیں ہیں۔

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دو رکعت نماز مسجد حرام میں پڑھی گویا اس نے میری مسجد میں ایک ہزار رکعت ادا کیں اور جس نے میری مسجد میں ایک رکعت پڑھی وہ دوسرے شہروں میں پڑھی جانے والی ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اہلِ حرم کو دیکھتا ہے پس جو شخص اسے طواف کرتے ہوئے دیکھے وہ بخش دیا جائے گا جو سجدے کی حالت میں دیکھے بخش دیا جائے گا اور جو بیٹھے ہوئے دیکھے وہ بخش دیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر حج کرنے والے کو ایک قدم اٹھانے پر حرم کی سات سو نیکیاں ملتی ہیں پوچھا گیا اے اللہ کے رسول حرم کی نیکیوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ایک نیکی سو ہزار نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔

کعبہ کا فضل و شرف :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعبہ ستر ہزار فرشتوں سے ڈھنپا ہوا ہے وہ اسکے طواف کرنیوالے اور اس میں نماز پڑھنے والے لوگوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا بہترین اور اللہ تعالیٰ کے قریب ترین جگہ دو ارکان (رکن اسود و رکن یمانی) کے درمیان کی جگہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گھر کے لیے روزانہ ایک سو بیس رحمتیں ہیں ساٹھ طواف کرنیوالوں، چالیس نمازیوں اور بیس محض نظارہ کرنے والوں کے لیے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعبہ کے اردگرد تین سو انبیاء کی قبریں ہیں، رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان ستر انبیاء کی

قبریں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایمان ویقین کی نظر سے بیت اللہ کو دیکھے اس کے اگلے پچھلے گناہ بخشش دیئے جاتے ہیں اور وہ قیامت کے دن امن پانے والوں میں اٹھایا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکن یمانی جنت کا ایک دروازہ ہے اور رکن اسود بھی جنت کا ایک دروازہ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کو رکن اسود کے قریب بلاتا ہے یا رکن یمانی کے پاس اور یا میزاب (رحمت) کے قریب تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول فرماتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت اللہ کا طواف سراسر اللہ کی رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے درمیان طواف کرنے والوں پر اظہار فخر فرماتا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیت اللہ کا سات مرتبہ سخت گرمی میں طواف کرے اور حجر اسود کو چومے اور اس دوران کسی کو تکلیف نہ دے، اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ باتیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے ہر قدم اٹھانے اور رکھنے پر ستر ہزار نیکیاں عطا فرمائے گا اس کی ستر ہزار برائیاں معاف کرتا اور ستر ہزار درجے بڑھاتا ہے چل کر طواف کرنے والی کی فضیلت سوار ہو کر طواف کرنے والے پر اس طرح ہے جیسے چودھویں کے چاند کی باقی تاروں پر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رکن زمین میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے بندے اس سے یوں ہاتھ ملاتے ہیں جس طرح ایک دوسرے سے لوگ ملتے ہیں۔

جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سات بار بیت اللہ کا طواف کرے، نماز باجماعت ادا کرے اور آب زمزم پیئے اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دے گا۔

مقام عرفات کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص عرفات میں کھڑا ہوا اور دل میں گمان کیا اللہ تعالیٰ اُسے نہیں بخشے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُسے کبھی بھی نہیں بخشے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عرفہ کا دن ہوتا ہے اور لوگ مقام عرفات پر موجود ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آسمان کے دروازے کھول دیتا ہے اور فرشتوں سے اظہار فخر کرتا ہے اور کہتا ہے

"دیکھو میرے بندے گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہر طرف سے میرے پاس آرہے ہیں میری مغفرت کی اُمید رکھتے ہیں میں نے ان سب کو بخش دیا، اے میرے بندو چلو! تم سب بخشے گئے ہو اور تمہاری شفاعت قبول کی گئی ہے۔ خواہ تمہارے گناہ دنیا کے دنوں کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، خواہ وہ ریت کے ذروں اور پانی کے قطروں کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، میں نے سب گناہ بخش دیئے۔

جابر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پہلی حرکت کے ساتھ ہی اہل عرفات پر اللہ کی رحمت نازل ہو جاتی ہے، جب آخری مرحلہ طے ہو جاتا ہے تو شیطان (اللہ اس کے سر پر لعنت بھیجے) واویلا اور فریاد کرتا ہے۔ اس کے معاونین

شیاطین اکٹھے ہو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تمہیں کیا ہوا؟ وہ کہتا ہے تم نے جو ستر سال، ساٹھ سال محنت کی وہ رائیگاں گئی ان کے تمام گناہ پل جھپکنے میں معاف کر دیئے گئے ہیں۔

منیٰ اور مسجد خیف کے فضائل:

ابوہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ میں اگر اہل مکہ میں سے ہوتا تو ہر ہفتے مسجد منیٰ میں آتا، مجاہد کا کہنا ہے حج بیت اللہ کے موقع پر پچھتر انبیاء نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مسجد منیٰ میں نماز پڑھی۔

مدینہ منورہ کے فضائل:

ابوہریرہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ فرشتوں کی حفاظت میں ہے اس میں نہ طاعون داخل ہوگا اور نہ دجال، جو اس کے باشندوں کو تکلیف پہنچانا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اسے گھلا کر رکھ دے گا جس طرح پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کے لئے ممکن ہو وہ مدینہ میں مرے۔ میں یہاں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔

ابوبکر الصدیقؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

بیان کیا جاتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے تو حزورہ (مکہ کا ایک بازار) پر ٹھہرے اور کہا اے اللہ میں اپنی محبوب جگہ سے نکلا ہوں تو مجھے اپنے محبوب شہر تک پہنچا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ظہر کے لئے نکلا اور میری مسجد میں آیا یہ مدینہ کی مسجد ہے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی وہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اہل مدینہ کو خوفزدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے خوفزدہ کرے گا، اس پر قیامت تک اللہ کی لعنت اور ناراضگی ہوگی اللہ تعالیٰ اُس سے کوئی معاوضہ اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا۔

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ نفخۂ اُولیٰ کے بعد کعبہ اللہ تعالیٰ سے قبر رسول کی زیارت کی اجازت چاہے گا۔ اور اسے اجازت مل جائے گی جب وہ روضۂ رسول کی طرف آئیگا تو کہیگا اے اللہ کے رسول! میں تین آدمیوں کی شفاعت کروں گا آپ مجھے متہم نہ کیجئے گا، پہلا وہ جس نے میرا طواف کیا، دوسرا جو اپنے گھر سے نکلا مگر (کسی وجہ سے) مجھ تک پہنچ نہ سکا تیسرا وہ جس کا مجھ تک آنے کا مصمم ارادہ تھا مگر اُسے وسائل مہیا نہ ہو سکے۔

مسجد قبا کی خصوصیت کا ذکر:

علی بن ابی طالبؓ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسجد کی بنیاد ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ مسجد قبا ہے۔

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا میں پیدل یا سوار ہو کر آتے تھے اور ہر ہفتے کو تشریف لاتے تھے۔

سہل بن حنیفؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو کر کے مسجد قباء میں آئے اور دو رکعت نماز ادا کرے اُسے ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ اُن کے والد کہتے تھے خدا کی قسم میرے نزدیک مسجد قباء میں دو رکعت نماز ادا کرنا بیت المقدس کی طرف دو مرتبہ جانے سے زیادہ محبوب عمل ہے۔

(کوہ) احد کی فضیلت کا ذکر :

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں"

یمن کی برکت کی خصوصیت کا ذکر :

ابوذرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب فتنوں کا ظہور ہو تو تم یمن چلے جانا کہ وہ مبارک مقام ہے۔

ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم یمن چلے جانا جب فتنوں کا ظہور ہو، وہاں کے باشندے رحمدل، زمین برکت والی اور وہاں عبادت کرنے کا اجر بہت زیادہ ہے۔

جابر بن عبداللہ الانصاریؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی تہائی برکت یمن میں ہے، جو فتنوں کے باعث نکلے اسے چاہیئے وہ یمن کی طرف آئے کیونکہ یمن میں عبادت اللہ کی بہت بڑی خوشنودی کا باعث ہے۔

شام کی فضیلت اور برکت کا ذکر اور بیت المقدس :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔
(بنی اسرائیل : ۱)

بیان کیا جاتا ہے کہ برکت کے دس حصے ہیں اور ان میں سے نو شام میں ہیں۔

قتادہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے شام، یمن اور عراق کا لشکر ہے کسی نے کہا اے اللہ کے رسول کون سا لشکر حق پر ہے؟ فرمایا حق شام کے ساتھ ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام کی ضمانت دی ہے اور اس کے باشندوں کی بھی!

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عنقریب حضر موت یا حضر موت کے سمندر سے آگ بھڑکے گی قیامت سے پہلے پہلے اور لوگ پھیل جائیں گے۔ لوگوں نے کہا

یا رسول اللہ ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا شام چلے جانا

زید بن ثابتؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مبارک ہو شام کے لئے ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! وہ کس لئے؟ فرمایا اللہ کے فرشتے اس پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔

ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (آیت) تلاوت فرمائی "ہم نے انہیں ایک بلند زمین جو رہنے کا مقام ہے میں ٹھکانہ بخشا اور آنکھوں کے سامنے بہتا ہوا پانی ہے" (المومنون: ۵۰) پھر فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ کہا گیا اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا ارض شام! جسے غوطہ کہا جاتا ہے اور مدینہ میں دمشق! یہ شام کے بہترین شہروں میں سے ہے۔

بیت المقدس اور دیگر شہروں کی فضیلت :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں (بنی اسرائیل: ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ تین مقامات کے علاوہ کسی کے لئے رخت سفر نہ باندھا جائے۔ بیت الحرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد۔

ابو زیاد غسانی اور ابوامیہ شعبانی کہتے ہیں کہ ہم مکہ میں تھے ایک شخص کعبہ کے سامنے میں تھا اور وہ سفیان ثوریؒ تھے کسی نے ان سے پوچھا اے ابو عبداللہ آپ اس شہر میں نماز کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ نماز کا ثواب، وہ بولا اور مسجد نبوی کے متعلق؟ فرمایا پچاس ہزار نمازوں کا ثواب، پھر بولا اور بیت المقدس میں؟ فرمایا پچیس ہزار نمازیں، اس نے کہا مسجد دمشق؟ فرمایا تیس ہزار نمازوں کے برابر ثواب ہے۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جنت کی دیوار دیکھنا چاہے وہ بیت المقدس کی دیوار دیکھے ہر وہ شخص جو بیت المقدس کی دیوار پر اللہ کی کبریائی کا اعلان کرے تو فرشتے اسے آسمان کے کناروں سے جواب دیتے ہیں۔

مساجد کے مجموعی فضائل :

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کسی نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا، بدترین جگہ کونسی ہے؟ فرمایا میں نہیں جانتا جب تک جبریلؑ سے نہ پوچھ لوں، پس جبریلؑ سے پوچھا انہوں نے کہا جب تک میں اللہ تعالیٰ سے نہ پوچھ لوں آپ کو جواب نہیں دے سکوں گا، بہرکیف وہ آئے اور کہا بہترین جگہ مسجد اور بدترین جگہ بازار ہے۔

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین شہر اس کی مسجدیں ہیں اور بدترین مقامات بازار ہیں آپ نے فرمایا اگر آسمان سے اللہ کا عذاب نازل ہو تو صرف اہل مساجد ہی اس سے محفوظ رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو پھل کھایا کرو۔ لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ کے باغات کون سے ہیں؟ فرمایا مساجد۔ پھر کہا گیا اور پھل؟ فرمایا یہ کلمات، سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر اپنی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں میں اچھے اعمال بھی دیکھتا ہوں جس طرح راستے سے کانٹا وغیرہ ہٹانا اور برے اعمال بھی جیسے مسجد میں تھوکنا اور اسے مٹی سے ڈھانپ نہ دینا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد ہر نیک آدمی کا گھر ہے۔

آپ نے فرمایا اندھیرے میں مسجد کی طرف جانے والوں کے لئے قیامت میں بھرپور روشنی کی خوشخبری ہے۔

عبیداللہ بن جعفرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسجد کو اچھی طرح آباد رکھتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا تحفہ ہے۔ پوچھا گیا مسجد کی بہترین آبادی کیا ہے؟ فرمایا تم اس میں بلند آواز سے اور جھگڑے کی باتیں نہ کرو۔

عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے مسجد کی طرف گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک قدم پر دس نیکیاں لکھے گا اور مسجد میں بیٹھ کر دوسری نماز کا انتظار کرنے والا گویا اللہ کے لیے یکسو ہے اور وہ نمازی ہی سمجھا جائے گا تا آنکہ وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ دنیا والوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب وہ لوگوں کو گناہ کرتے دیکھتا ہے تو اس کا غضب بھڑک اٹھتا ہے اور جب مسجد والوں کی طرف دیکھتا ہے اور قل ھو اللہ احد کی تلاوت کرنے والوں پر نظر ڈالتا ہے تو اس کا غضب ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصایا

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت کیجئے! فرمایا تقویٰ اختیار کرو، کیونکہ یہ تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔

تم جہاد کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ اہل اسلام کے لئے یہی ترک دنیا ہے۔ تم ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن کریم کیا کرو کیونکہ یہ تمہارے لئے زمین میں روشنی اور آسمان میں تمہارے تذکرہ کا موجب ہے۔ اپنی زبان سے بجز اچھی بات کے کچھ نہ بولو، اس سے شیطان مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے میرے بیٹے، موت کو اکثر یاد رکھا کرو، کیونکہ جب تم اسے یاد رکھتے ہو تو تم میں دنیا سے بے نیازی اور آخرت میں رغبت پیدا ہو جاتی ہے، بلاشبہ آخرت دائمی گھر ہے، اور دنیا دھوکے کی ٹٹی۔ اپنے اوپر دعا لازم کر لو، تم نہیں جانتے کہ کب قبول ہو جائے۔ تم پر شکر خداوندی لازم ہے، شکر نعمتوں کے اضافے کا باعث بنتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا، کسی چیز کو برا نہ کہو، معمولی نیکی بھی ہاتھ سے نہ جانے دو خواہ مسلمان بھائی سے مسکرا کر بات کرنا ہی کیوں نہ ہو، اور اپنے ڈول سے کسی پیاسے کے برتن میں ایک گھونٹ پانی ڈالنا ہی کیوں نہ ہو۔ اپنا ازار نصف پنڈلی تک رکھو ہاں اگر اپنے گھر میں ہو تو ٹخنوں تک! اور ازار لٹکانے سے احتراز کرو۔ یہ تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ کو تکبر سخت ناپسند ہے۔

عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا آپ اسامہ بن زیدؓ کی طرف متوجہ تھے فرمایا اے اسامہ جنت کا راستہ اختیار کرو اور دوسرے راستوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ اسامہؓ نے عرض کیا، یہ راستہ کس طرح جلد طے ہو سکتا ہے؟ فرمایا سخت دنوں کے روزوں، میں پیاس اور نفس کی لذت گریزی سے۔ اے اسامہ! تم پر روزہ لازم ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو اور اس کے لیے کھانا پینا ترک کرنے سے بہتر اور کوئی چیز نہیں، اگر تم سے ہو سکے تو ایسا ضرور کرو کہ جب موت آئے تو تمہارا پیٹ خالی اور سینہ پیاسا ہو، اس سے تم آخرت میں بلند مرتبہ، انبیاء کی رفاقت، روح کے لیے فرشتوں کا استقبال اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحسین حاصل کر سکو گے اور ہاں اے اسامہ خالی سینہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے تمہارے حق میں جھگڑے گا، اور اے اسامہ، تم ایسے بندوں کی دعا سے بچو جنہوں نے اپنا گوشت گھلایا،

چمڑا، تند اور زہریلی ہواؤں میں جلایا، اور پسینہ پیاسا حتیٰ کہ ان کی آنکھیں مُند گئیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جب ان بندوں کو دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور فرشتوں کے سامنے فخر و مباہات کرتا ہے اور ان سے فتنوں اور زلزلوں کو ہٹا لیتا ہے، پھر آپ اس قدر روئے کہ صحابہ خوفزدہ ہو گئے کہیں آسمان سے کوئی مصیبت تو نہیں ٹوٹ پڑی پھر گویا ہوئے اور فرمایا افسوس ہے اس قوم پر۔ انہیں کیا ملا؟ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور وہ اس لئے ماریں اور جھٹلائیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ عمر بن خطابؓ بولے اے اللہ کے رسول! کیا اس دن وہ لوگ اسلام پر ہوں گے؟ فرمایا ہاں، بولے وہ آخر کس لئے اس کے قتل کا ارتکاب کریں گے کہ وہ خود اللہ کی اطاعت کرتا ہوگا اور انہیں اس کی تلقین کرتا ہوگا؟

فرمایا اے عمر، لوگ صحیح راستہ چھوڑ دیں گے اچھی سواریاں رکھیں گے، نرم لباس پہنیں گے، عجمی غلام ان کے خادم ہوں گے مرد اس طرح بنیں سنوریں گے جیسے عورت اپنے خاوند کے لئے بناؤ سنگھار کرتی ہے۔ اُن کی عادات ظالم بادشاہوں کسریٰ اور ہرمزان جیسی ہوں گی، جب کوئی اللہ کا بندہ اللہ کی بُرائی بیان کرے گا تو یہ اس کی پیٹھ داغیں گے۔ اسے پیاسا ہلاک کریں گے، جب کوئی انہیں سمجھانے کی کوشش کریں گے تو وہ اسے جھٹلائیں گے اور اس سے کہا جائے گا تم شیطان کے ساتھی ہو اور گمراہی کا سرچشمہ۔ تم اللہ کی زینتوں اور حلال رزق کو حرام قرار دیتے ہو؟ وہ اللہ کی کتاب کی غلط تاویلیں کریں گے اور اولیاء اللہ کو غلط راستوں پر چلانے کی کوشش کریں گے۔ اور اے اُسامہ! قیامت میں اللہ کے نزدیک وہ شخص ہوگا جو دنیا میں غمزدہ، بھوکا اور پیاسا رہا ہوگا۔ اللہ کے وہ بندے ایسے گمنام مگر سابح ہوں گے کہ کہیں موجود ہوں تو پہچانے نہیں جائیں گے اور گم ہو جائیں گے تو انہیں ڈھونڈا نہیں جائے گا، ہاں البتہ انہیں زمین کے خطے جانتے ہوں گے وہ آسمانوں میں خوب متعارف ہوں گے مگر اہل دنیا سے پوشیدہ ہوں گے فرشتے انہیں اپنے پروں میں ڈھانپے رہتے ہیں، لوگوں کو دنیوی نعمتیں دی جائیں گی اور انہیں بھوک پیاس سے نوازا جائے گا۔ لوگ نرم کپڑے زیب تن کریں گے اور وہ موٹے جھوٹے پر گزارہ کریں گے، لوگ فرش فروش پر آرام کریں گے اور ان کی پیشانیاں اور گھٹنے زمین پر ہوں گے۔ لوگ ہنسیں گے اور وہ محو گریہ ہوں گے۔ اے اُسامہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی دنیا اور آخرت کی تنگی کو اکٹھا نہیں کرتا۔ کاش تم انہیں دیکھتے کہ زمین ان پر فراخ ہوگی اور اللہ تعالیٰ اُن پر راضی! عام لوگ رسولوں کے اعمال اور اخلاق کو بھولے ہوئے ہوں گے اور وہ ان پر کاربند! وہ انسان رحمت کا مستحق ہوگا جو ان کی طرح اللہ کی طرف راغب ہو۔ وہ نقصان اُٹھائے گا جو ان کی مخالفت کرے گا زمین ان کے گم ہونے پر روئے گی وہ شہر خدا کے غضب کا مستحق ہے جہاں ایسے لوگ نہ ہوں۔ اے اُسامہ! جب تم انہیں کسی بستی میں دیکھو تو یقین جانو کہ وہ بستی کے باشندوں کی ضمانت ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے طفیل بستی والوں پر عذاب نہیں کرتا۔ تم اپنے لئے ان کی رفاقت لازم کر لو ہو سکتا ہے تم نجات پا جاؤ اور اس سے بچتے رہو کہ تم وہ چیزیں چھوڑ دو جنہیں یہ اختیار کرتے ہیں کہیں تمہارے قدم جہنم کی جانب نہ پھسل جائیں، یہ لوگ بعض جائز چیزوں کو بھی چھوڑ دیتے ہیں جو ان کے لئے حلال کر دی گئی ہیں یہ آخرت کی طلب زیادہ کرتے ہیں یہ لوگ اپنی مرضی سے کھانا پینا ترک کر دیتے ہیں، یہ دنیا پر یوں نہیں ٹوٹ پڑتے جس طرح کتے مردار پر ٹوٹتے ہیں۔ لوگ دنیا میں منہمک رہتے ہیں اور یہ خود کو اطاعت الٰہی میں مصروف رکھتے ہیں، تم انہیں خراب حال دیکھو گے، لوگ انہیں بیمار سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بیمار نہیں ہوتے، لوگوں کو اُن کے مخبوط الحواس ہونے کا گمان گزرتا ہے جبکہ وہ ہوتے نہیں دراصل خوف آخرت نے انہیں ایسا بنا دیا ہوتا

ہے، لوگ کہتے ہیں کہ ان کی عقل ٹھکانے نہیں جبکہ واقعہ میں یوں نہیں ہوتا۔ حقیقت میں ان کے دل کسی اور طرف لگے ہوتے ہیں جس سے ان کے ذہن دنیا سے کٹ جاتے ہیں، اور لوگ انہیں مجنوں سمجھ بیٹھتے ہیں، اے اُسامہ اُن کے لیے آخرت کی عزت ہے وہ اس وقت ہوش میں ہوں گے جب لوگ حواس باختہ ہوں گے۔

ثوبانؓ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ بن عباسؓ سے یہ فرماتے سُنا۔ اے عبداللہ، اے رسول کے چچا کے بیٹے، بیشک میں تمہیں عطیہ دوں، میں تمہیں آگاہ کروں اور تمہیں [illegible] بن نحضدوں۔ پھر آپ کچھ دیر خاموش رہے پھر گویا ہوتے اے رسول کے چچازاد بھائی ضبط نفس اس عہدے سے کہیں بہتر ہے جو قابو میں نہ ہو [illegible] عباس بن نے قرض [illegible] اور اس پر اکتفا کیا اس سے کہیں اچھا ہے جس نے زیادہ کیا اور بھلا۔

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرام و احتیاط سے رہو۔ لوگوں میں سب سے بڑے عابد بن جاؤ گے قناعت اختیار کرلو شاکر بندے بن جاؤ گے، لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو مومن بن جاؤ گے۔ بہترین ہمسائیگی کا مظاہرہ کرو مسلمان بن جاؤ گے۔ ہنسا کم کرو کیوں کہ زیادہ ہنسا دل مردہ کر دیتا ہے، اور فرمایا میں تمہیں پانچ چیزیں سکھاتا ہوں تم ان پر عمل کرو اور انہیں بھی تعلیم دو جو ان پر عمل کرنا چاہیں، فرمایا محرمات سے بچو سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔ اپنے مقدر پر راضی رہو غنی انسان بن جاؤ گے اپنے ہمسائے سے اچھا سلوک کرو مومن قرار پاؤ گے، لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو مسلمان ہو جاؤ گے اور زیادہ نہ ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کی موت ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا تم دنیا میں یوں رہو جیسے اجنبی یا راہ چلتا مسافر ہو، اور خود کو مُردوں میں شمار کرو، جب تم شام کرو تو صبح کی آرزو نہ کرو اور جب صبح کرو تو شام کی فکر نہ کرو، صحت کو بیماری زندگی کو موت اور دنیا کو قیامت سے پہلے غنیمت جانو پس تم اے عبداللہ کیا جانو کہ کل تمہارا نام کیا ہو؟

عمران بن حصینؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے میرا عمامہ پکڑ کر فرمایا۔

اے عمران ! بلاشبہ اللہ تعالیٰ خرچ کرنے کو پسند اور بخل کو ناپسند کرتا ہے، پس تم کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ نہ کرو کہ تمہارے لئے طلب مشکل ہو جائے یاد رکھو اللہ تعالیٰ مشکوک چیزوں کے بارے میں کڑی نگاہ اور کھلے ذہن رکھنے والے کو پسند کرتا ہے۔ اور لذائذ و مرغوبات میں ہوشمندی اختیار کرنے والے کو محبوب رکھتا ہے، وہ فیاضی کو پسند کرتا ہے خواہ کھجور ہی دی جائے، وہ بہادری پسند کرتا ہے گو سانپ مارنا ہی ہو، اور جان لو جو اللہ کا ہو کر

رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہر مشکل کو آسان بنا دیتا اور بے سان و گمان رزق عطا فرماتا ہے جو دنیا میں گم جائے، اللہ تعالیٰ اُسے دنیا ہی کا بنا کر رکھ دیتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کو نصیحت فرما رہے تھے کہ ہر نماز یوں پڑھو کہ آخری نماز ہے۔ ایسی بات مت کہو جس پر بعد میں معذرت کرنی پڑے۔ تم خود کو لوگوں کے مال سے ناامید کرو۔ اور آپ نے فرمایا تم خواہ کسی چیز کو محبوب بناؤ وہ تم سے جدا ہونے والی ہے اور جیو جیسے چاہو مگر بالآخر مرنے والے ہو، اور جو چاہو کرو بہر حال خدا سے ملنے والے ہو۔ آپ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا دنیا میں کٹ کر رہو کہ لوگ تم سے پیار کریں اور اس میں زیادہ رغبت پیدا کرو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں چاہے گا اور فرمایا۔

جو اپنی زبان قابو میں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب ڈھانپ لیتا ہے جو اپنا غصہ پی جاتا ہے اللہ اس سے اپنا غضب ہٹا لیتا ہے جو لوگوں کے عذر قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی معذرت قبول کر لیتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن کے لیے روانہ فرمایا تو ان سے کہا، اے معاذ! جب تم وہاں پہنچو تو انہیں کتاب الٰہی کی تعلیم دو۔ انہیں اچھے اخلاق سکھاؤ۔ حفظ مراتب کا خیال رکھو، حدود الٰہی اور بیت المال میں مروّت نہ کرو کیونکہ وہ مال نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا ہے، تم اپنے اہلکاروں کی معذرت قبول کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لیے اپنے دلوں میں تنگی محسوس کریں اور تمہیں معذور جانیں ...... نماز کا بطور خاص اہتمام کرو کیونکہ وہ ایمان کے بعد اسلام کی جڑ ہے۔ بار بار نصیحت کرو۔ یہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال کرنے پر زیادہ مفید ہے اور لوگوں پر معلم مقرر کرو۔

اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس پلٹ کر جانا ہے۔

پھر فرمایا اے معاذ مومن کو قرآن نے کئی ایک مرغوبات سے روک رکھا ہے اور اُن سے کہ جن میں پڑ کر ہلاکت کا خطرہ ہے۔ مومن کبھی مطمئن اور بے خوف نہیں رہتا تاآنکہ وہ پل صراط سے گزر جائے پس قرآن اس کے لئے رہنما، خوف دلیل، شوق سواری، نماز پناہ گاہ، روزہ ڈھال، صدقہ ادائیگی، راستبازی امیر، حیا وزیر اور اس کا رب اس کا نگران ہے۔ اے معاذ! مومن قیامت کے دن اپنی ہر کوشش کا بدلہ چاہے گا حتیٰ کہ آنکھ میں سُرمہ لگانے کا بھی! پھر فرمایا۔ اے معاذ دین میں مخلصانہ رویہ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تھوڑے عمل کو بھی تمہارے لیے کافی بنا دے گا۔

ابوالدسوا روایت کرتے ہیں۔ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نو باتوں کی وصیت فرمائی اور کہا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ خواہ تمہیں کاٹ ڈالا جائے اور جلا دیا جائے کسی صورت میں فرض نماز نہ چھوڑو۔ جو اسے ترک کر دیتا ہے۔ اس کا ... ہیں ذمہ دار نہیں۔ شراب سے بچو کہ ہر بُرائی کی کنجی ہے، اپنے والدین کی فرمانبرداری کرو۔ اگر تمہارے حاکم تمہیں دنیا ہی سے چلتا کر دیں

تو چلے جاؤ اور اپنے حکام سے مت الجھو خواہ تم حق پر ہی ہو۔ تم میدانِ جنگ سے نہ بھاگو، اپنے اہل وعیال پر کھلے دل سے خرچ کرو۔ البتہ اُن سے ڈنڈا الگ نہ کرو (یعنی بے ادب نہ ہونے دو) اور انہیں خدا سے ڈراتے رہو۔

ابوذرؓ روایت کرتے ہیں مجھے میرے دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں کی وصیت فرمائی ہے۔ مسکینوں سے محبت صلہ رحمی، خواہ وہ تم سے منہ موڑلیں، حق بات کہو چاہے کس قدر تلخ ہو، کسی سے سوال نہ کرنا، اپنے سے نیچے والوں کو دیکھو اور اوپر والوں کو نہیں۔ اللہ کی راہ میں کسی ملامت گر کی پروا نہ کی جائے اور اکثر زبان پر یہ کلمہ جاری رہے۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ ، کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ہے اور فرمایا:

اے ابوذرؓ! قبروں کی ہمسائیگی اختیار کرو تمہیں آخرت کا عذاب یاد دلاتی رہیں گی۔ مُردے نہلایا کرو نصیحت ملتی ہے۔ جنازوں کے ساتھ جایا کرو دل رقیق ہوتا ہے۔ جان لو اللہ کی راہ میں غم کھانے والے اللہ کے ہاں مسرور ہوں گے۔ تم اپنے اوپر دکھیوں اور ناداروں کی صحبت لازم کرو، اُن کے ساتھ اور اپنے نوکروں کے ساتھ مل کر کھانا کھایا کرو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عزت بخشے گا۔ موٹے اور کھردرے کپڑے پہنا کرو، محض اللہ کے سامنے انکسار اور عاجزی کی غرض سے، امید ہے تمہارے دل میں فخر اور غرور پیدا نہیں ہو سکے گا، اور اللہ تعالیٰ عطا کرے تو جائز حد تک زینت اختیار کرو تاکہ تمہارے اندر شکر کے جذبات پیدا ہوں۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں مجھے میرے دوست (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تین باتوں کی وصیت فرمائی اور تین باتوں سے روکا۔ سونے سے پہلے وتر پڑھنے، ہر ماہ میں تین روزے رکھنے اور صبح کی دو رکعتوں (یعنی مسنون) کی وصیت فرمائی اور تین باتوں سے روکا، بندر کی طرح بیٹھنا، لومڑی کی طرح جھانکنا اور کوے کی طرح (نماز میں) ٹھونگیں مارنا اور فرمایا جو ایسا کرے اس کی نماز نہیں ہوگی۔

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا اے اللہ کے رسول! بلاشبہ آپ کے وجود مسعود سے اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو برکت عطا فرمائی ہے پھر کہا اللہ کا شکر ہے میں پسند کرتا ہوں کہ مجھے بھی کوئی بھلائی پہنچے۔ آپ نے فرمایا کیا کوئی وصیت چاہتے ہو؟ عرض کیا ہاں۔ آپ نے فرمایا بیٹھو (اور سنو) جب تم کوئی کام کرنے کا ارادہ کرو تو اس کے نتیجے پر غور کرو اگر تو بہتر ہے تو کر گزرو اگر اس میں خطا ہے تو اسے چھوڑ دو۔

حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے لیے :

حضرت حسنؓ کے مطابق حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی: اے علیؓ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اسے یاد رکھو، ہمیشہ بھلائی ہی ملے گی اگر اسے یاد کر لو تو! اے علیؓ، مومن کی تین نشانیاں ہیں۔ نماز، روزہ اور زکوٰۃ۔

خود غرض کی تین نشانیاں ہیں۔ سامنے خوشامد کرے گا، پیٹھ پیچھے غیبت کرے گا، اور مشکل وقت میں بُرا چاہے گا، ظالم کی تین نشانیاں ہیں، کمزوروں پر ظلم کرے گا، طاقتوروں کی دگنا ہوں میں بھی، اطاعت کرے گا اور ظلم کو عام کرے گا، ریاکار کی تین نشانیاں ہیں۔ لوگوں میں چست ہوگا، تنہائی میں سست ہوگا، اور ہر کام میں خودستائی اور خودروی پسند کرے گا، منافق کی تین علامتیں ہیں

جب بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے، امانت میں خیانت کرتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے خلاف ورزی کرتا ہے۔

عقل مند انسان کو چاہیے کہ تین باتوں کا دھیان رکھے، طلبِ معاش، آخرت کی تیاری اور حلال چیزوں سے استفادہ۔ اے علیؓ یہ یقین ہی کا ایک حصہ ہے کہ تم اللہ کو ناراض کر کے کسی کی خوشنودی نہ چاہو، اللہ کی دین پر کسی دوسرے کی ستائش نہ کرو اور اگر اللہ نہ دینا چاہے تو کسی کی برائی نہ کرو، کیونکہ رزق کسی حریص کے حرص کے باعث بڑھتا نہیں اور کسی منکر کے انکار سے گھٹتا نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور فضل سے خوشی اور مسرت کو یقین اور اپنی خوشنودی میں پوشیدہ رکھا ہے اور پریشانی اور غم تشکیک اور اس کی ناراضگی میں ہے۔

اے علی! جہالت سے بڑھ کر افلاس، عقل سے بڑھ کر دولت، کبر سے بڑھ کر تنہائی، مشورہ سے بڑھ کر قوت، تدبیر سے بڑھ کر عقل، ضبطِ نفس سے بڑھ کر تقویٰ، حسن خلق سے بڑھ کر نسب اور غور و فکر سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔

اے علی! گفتگو کے لئے جھوٹ، علم کے لئے نسیان، عبادت کے لئے عدم استقلال، ظرف، تقلب، ہ کے لئے غلو یعنی تکبر، شجاعت کے لئے سرکشی، فیاضی کے لئے منت جتانا، حسن کے لئے شیخی، نسب کے لئے فخر مہلک ہے۔

اے علی! جب تم آئینہ دیکھو تو تین بار اللہ اکبر کہو اور پھر پڑھو اللھم انی اسئلک بحق محمد و آلِ محمد۔

اے علی! جب تم اپنے گھر میں سانپ دیکھو تو اسے نکل جانے دو تین بار ایسا کرو اگر چوتھی بار نظر آئے تو مار ڈالو کیوں کہ وہ کافر ہے، اے علیؓ جب تم سانپ کو راستے میں دیکھو تو اسے مار ڈالو کیونکہ جنوں کو اس کا پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ سانپ کا روپ نہ بنائیں پس اگر وہ اس روپ میں ظاہر ہوں تو مار ڈالو۔

اے علیؓ تین عادات بدبختی کی علامت ہیں۔ دل کی سختی دنیا کی محبت اور آرزو کا پھیلاؤ۔

اے علیؓ میں تمہیں چار بری باتوں سے روکتا ہوں حسد، حرص، تکبر اور غصہ سے بچو۔

اے علیؓ اگر کوئی شخص تمہارے منہ پر تمہاری تعریف کرے تو تم کہو اللھم اجعلنی خیرا مما یظنون واغفرلی مالا یعلمون ولا تؤاخذنی بما یقولون وتسلم مما قالوا اے اللہ مجھے ان کی گمان سے زیادہ اچھا بنا دے اور جو یہ نہیں جانتے وہ معاف فرما دے اور جو یہ کہتے ہیں اس کا مجھ سے مواخذہ نہ فرما اور مجھے اس سے بچا جو یہ کہتے ہیں، جب تم اپنی بیوی کے پاس جاؤ، تو کہو "مجھے شیطان سے دور فرما اور جو مجھے بخشا ہے اس سے شیطان کو دور کر دے اور مجھ سے شیطان کو دور فرما دے"۔ اگر اس دوران کوئی اولاد جنم لے گی تو اسے شیطان تکلیف نہ پہنچا سکے گا۔

اے علیؓ کھانا، نمک سے شروع کرو اور نمک پر ختم کرو کیونکہ اس میں شفا ہے، ستر بیماریوں کے لئے اور ان میں معمولی سے معمولی بیماری جذام، پھلبہری، حلقوم کا داڑھ اور پیٹ کا درد ہے۔

اے علی! زیتون کا تیل استعمال کیا کرو، زیتون کھایا کرو، کیوں کہ جو زیتون کا تیل استعمال کرے چالیس راتوں تک شیطان اس کے

اے علی! جب تمہارے ہاں بچہ یا بچی پیدا ہو تو اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہو اس سے وہ شیطان کی شرارتوں سے محفوظ رہیں گے۔

اے علی! تم اکیلے سفر نہ کرو کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ اور دو سے دور رہتا ہے،

اے علی! جب انسان اکیلا سفر کرتا ہے تو بھٹک جاتا ہے ۲ ہوں تو بھی بھٹک سکتے ہیں۔ لیکن تین ہوں تو جماعت بن جاتی ہے۔

اے علی! سفر کے دوران وادیوں میں مت پڑاؤ ڈالو اس لئے کہ وادیاں سانپوں اور درندوں کا گھر ہوتی ہیں

اے علی! جب روزے کے دوران شام ہو اور روزہ افطار کرو تو پڑھو "اللھم لک صمت و بک آمنت و علیک توکلت و برحمتک رجوت و علی رزقک افطرت" تمہارے لئے ساری دنیا کے روزہ داروں کے برابر ثواب لکھا جائے گا لیکن اُن کے ثواب میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی،

اے علی! سورج کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھو بلکہ پیٹھ پھیر کر بیٹھو کیونکہ اس کی طرف منہ کر کے بیٹھنا سراسر بیماری اور پیٹھ پھیر کر بیٹھنا شفا ہے۔

اسے علی! جب تم شیر کو دیکھو تو تین بار اللہ اکبر کہو۔ اور پڑھو "اللہ اکبر من کل شئ و اعز من کل شئ اللھم انی اعوذ بک من شر کل ما اخاف و احذر" تو انشاء اللہ تم اس کے ضرر سے محفوظ رہو گے، اور جب تم کتے کو دیکھو تو پڑھو "یا معشر الجن و الانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات و الارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان"

اے علی! رات کو ضرور قیام کرو خواہ بکری دوہنے کے وقت جتنا ہی ہو۔ صبح کے وقت نماز پڑھو اور دعا مانگو رد نہیں جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اور صبح کے وقت بخشش طلب کرنے والے"

حضرت علیؓ کہتے ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا پڑھا جائے جب میت کو نہلایا جائے فرمایا اللھم عفوک عفوک جب تک کہ فارغ نہ ہوا جائے۔

اے علی! کیا تمہیں بدترین انسان کے بارے میں نہ بتاؤں؟ عرض کیا ہاں! فرمایا جو لوگوں کو برا سمجھے اور لوگ اُسے برا سمجھیں۔

اے علی! تمہیں برا انسان بتاؤں؟ جو اکیلے سفر کرے، سخاوت نہ کرے اور اپنے غلام کو کوڑے مارے۔

فرمایا تمہیں ان سب سے زیادہ بُرے کے بارے میں خبر دوں جسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہیں بخشے گا اور اس کی معذرت قبول نہیں فرمائے گا۔ پھر فرمایا اس سے بھی زیادہ بُرے انسان کی نشان دہی کردوں؟ فرمایا وہ شخص جس کے شر سے ڈرا جائے لیکن اس سے کسی خیر کی توقع نہ ہو،

اے علی! اگر یہ باتیں مان لو تو ہمیشہ بھلائی میں رہو گے۔

(فرمایا) میری وصیت ہے کہ تم حق کے ساتھ ہو گے اور حق تمہارے ساتھ ہوگا، اے علی جب تم کسی مرد یا عورت کا جنازہ پڑھو تو کہو، "اللھم ہذا عبدک فلان بن فلان معاض فیہ حکمک خلقتہ، ولم یک شیئاً مذکوراً زارک وانت خیر مزور، اللھم لقنہ حجتہ، والحقہ بنبیہ ونوّرلہ قبرہ ووسّع علیہ مدخلہ وثبتہ بالقول الثابت فانہ افتقر الیک واستغنیت عنہ کان یشھدان لاالٰہ الاّ انت فاغفرلہ ولاتحرمنا اجرہ، ولاتفتنا بعدہ، اللھم ان کان زاکیاً فزکہ وان کان خاطئاً فاغفرلہٗ"

اور جب تم کسی عورت کی نماز جنازہ پڑھو تو کہو" اللھم انت خلقتھا وانت احییتھا وانت امتھا تعلم سرھا وعلانیتھا جئنا شفعاً فاغفرلھا وارحمہا ولاتحرمنا اجرھا ولا تفتنا بعدھا

اور جب تم کسی بچے کی نماز جنازہ پڑھو تو کہو" اللھم اجعلہ لابویہ سلفاً واجعلہ لھما فرطا واجعلہ لھما نوراً وزخراً واجعلہ لھما رشداً واعقب لو لاید الجنۃ ولاتحرمنا اجرہ، ولاتفتنا بعدہ،

اور جب تم وضو کر و تو پڑھو" بسم اللہ اللھم انی اسئلک تمام الوضوء وتمام الصلوۃ وتمام رضوانک وتمام مغفرتک"

حذیفہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم (عام رسم کے) پیرو کار نہ بنو کہ اگر لوگ تم سے حسن سلوک کریں تو تم بھی حسن سلوک سے پیش آو، اگر برا کریں تو تم بھی برا کرو، اگر وہ ظلم کریں تو ادھر سے بھی زیادتی ہو بلکہ تم اپنے مزاج کو اس پر تیار کرو کہ اگر لوگ اچھائی سے پیش آئیں تو تم بھی اچھائی کا مظاہرہ کرو اور اگر وہ برائی کریں تو تم ان پر زیادتی نہ کرو،

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب (ایسا دور آئے کہ) مالِ غنیمت کو اپنا مال، امانت کو مال غنیمت اور زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھ لیا جائے، دین کے علاوہ مضامین کی تعلیم عام ہو جائے، رشوت کھانا معمول بن جائے، مرد اپنی عورت کی اطاعت میں لگ جائے (بیٹا) اپنے باپ سے دور اور دوستوں کے قریب ہو جائے، مسجدوں میں چیخ وپکار ہونے لگے، قبیلے کی سربراہی اُن کے فاسق کے پاس ہو، قوم کا بڑا سب سے برا شخص ہو، کسی کی عزت محض اس کے شر سے بچنے کے لئے کی جائے رقص وسرود کا بازار گرم ہو جائے، شراب عام پی جائے۔ پچھلے لوگ اپنے اگلوں پر لعنت بھیجیں، تو ایسے وقت میں سُرخ ہواؤں زلزلوں، دھنسنے، چہروں کے مسخ ہونے اور آندھیوں کا انتظار کرو اور دہولناک، نشانیاں یکے بعد دیگرے یوں ظاہر ہوں گی جیسے ہار کے ٹوٹنے سے منکے اوپر تلے گرتے ہیں،

فرمایا، عنقریب قیامت سے پہلے دن حضرموت سے ایک آگ بھڑکے گی، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! تو پھر ہم کیا کریں؟ فرمایا شام چلے جانا،

حارثہ بن وہبؓ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، کہ صدقہ کیا کرو، ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنا (مال) صدقہ لے کر چلے اور مستحق کہے کہ اگر آپ کل شام کو دیتے تو میں لے لیتا لیکن اب آپ آئے ہیں اور مجھے اس کی ضرورت نہیں، اور بالآخر اُسے کوئی لینے والا نہ ملے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منعم حقیقی کا شکرادا کرنے کی وصیت فرمار ہے تھے اور آپ نے ایک واقعہ بیان

فرمایا، گنجے، اندھے اور کوڑھی کا،

بنی اسرائیل میں تین آدمیوں کو اللہ تعالیٰ نے آزمانا چاہا، ان میں ایک گنجا تھا، ایک اندھا اور ایک کوڑھ کا مریض تھا، اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو کوڑھی کے پاس بھیجا، اور آکر پوچھا تمہیں کونسی چیز محبوب ہے؟ بولا میرے رنگ اور جلد کا حسن لوٹ آئے، لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، فرشتے نے اپنا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرا جس سے اس کا رنگ اور چمڑا خوبصورت بن گیا، پھر پوچھا تمہیں کونسا مال پسند ہے؟ بولا اونٹ لہٰذا اُسے دس اونٹنیاں دے دی گئیں، پھر اُسے کہا اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت ڈالے، پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا، اور کہا تمہیں کونسی چیز پسند ہے؟ بولا خوبصورت بال، جب سے میرے بال جھڑے ہیں لوگ نفرت کرنے لگے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اُس فرشتے نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر پھیرا تو خوبصورت بال اُگ آئے، پھر پوچھا کس قسم کے مال کی خواہش ہے؟ کہا گائے تو اسے حاملہ گائے دیدی گئی اور اس میں برکت کی دعا کی گئی، پھر وہ اندھے کے پاس آیا، اور پوچھا تمہاری کیا خواہش ہے؟ بولا، اللہ تعالیٰ میری بینائی لوٹا دے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں، فرمایا کہ اُس فرشتے نے اُس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی بحال کر دی، پھر پوچھا تمہیں کونسا مال اچھا لگتا ہے؟ بولا بکریاں، تو اللہ تعالیٰ نے اُسے زیادہ بچے دینے والی بکریاں عطا فرما دیں۔

بالآخر یہ سب پھلے پھولے ایک کے لئے اونٹوں کی وادی بھر گئی، دوسرے کے لئے گایوں کی اور تیسرے کا بکریوں کا ریوڑ بن گیا، پھر وہی فرشتہ کوڑھی کے پاس اسی شکل و صورت میں آیا اور کہا میں ایک مسکین آدمی ہوں میرا سفر کا سامان جاتا رہا ہے۔ اب منزلِ مقصود تک پہنچایا تو خدا کی مہربانی سے ممکن ہے یا آپ کی مدد سے، میں آپ سے اس خدا کا واسطہ دے کر جس نے تمہیں اچھا رنگ اور اچھی جلد اور مال عطا فرمایا ہے ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں تاکہ اپنی منزل تک پہنچ جاؤں، (سابق) کوڑھی بولا مجھ پر بہت ذمہ داریاں ہیں، اس لئے تم اس کے مستحق نہیں ہو سکتے؟ فرشتہ بولا، شاید میں آپ کو پہچانتا ہوں آپ وہی نہیں جسے کوڑھ کی بیماری تھی، اور لوگ نفرت کرتے تھے؟ آپ کو تنگدستی لاحق تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال دیا، کوڑھی بولا یہ مال تو مجھے وراثت میں ملا ہے، فرشتے نے کہا اچھا اگر تم جھوٹے ہو تو تمہیں خدا ویسے کر دے جیسے تھے، بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی فرشتہ اسی صورت میں گنجے کے پاس گیا اور اس سے وہی کہا جو کوڑھی سے کہا تھا اور اس نے بھی وہی جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا، چنانچہ فرشتے نے کہا خدا تعالیٰ تمہیں ویسا بنا دے جیسے تم تھے اگر تم جھوٹے ہو؟ پھر حضور فرماتے ہیں وہی فرشتہ اندھے کے پاس گیا اور کہا میں ایک مسکین آدمی ہوں اور مسافر بھی، میرا سامان سفر جاتا رہا۔ اب منزل تک پہنچایا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ممکن ہے یا پھر آپ کی اعانت ہے، میں تم سے اس ذات کے طفیل ایک بکری مانگتا ہوں جس نے تمہیں دوبارہ بینائی عطا فرمائی تاکہ میں اپنا سفر پورا کر سکوں، اندھے نے یہ سن کر کہا، واقعی میں نابینا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے بینائی بخشی، پس جس قدر تمہارا دل چاہے لے جاؤ اور جتنا جی چاہے چھوڑ جاؤ، اور میں تم سے دی ہوئی چیز واپس لے کر تمہیں اذیت نہیں دوں گا۔ فرشتے نے یہ سن کر کہا تم اپنا مال اپنے پاس رکھو تم لوگوں کا دراصل امتحان لیا گیا تھا اللہ تعالیٰ تم سے راضی رہا اور دوسروں سے ناخوش ہوا۔

صخر بن قعقاع کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفات اور مزدلفہ کے درمیان ملا اور آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر کہا

وہ کیا چیز ہے جو مجھے جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرے، فرمایا تمہارا سوال بظاہر مختصر مگر بہت عظیم اور اہم ہے، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، حج بیت اللہ کرو اور جو تم اپنے لئے لوگوں کا رویہ پسند کرتے ہو اُن کے ساتھ وہی رویہ اختیار کرو اور جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو تو تم ایسا کرنے سے باز رہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہانی (بن یزید) سے فرمایا تم پر اچھی بات اور کھانا کھلانا لازم ہے۔

علقمہ بن حارثؓ روایت کرتے ہیں، میں سات آدمیوں کا ایک وفد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جب ہم آپ کے پاس گئے، اور آپ سے گفتگو کی، آپ ہماری عادات اور شکل وصورت دیکھ کر متعجب ہوئے پس فرمایا تم کون ہو؟ ہم بولے مسلمان ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا ہر چیز کی حقیقت ہوتی ہے تمہارے اس دعوے اور ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ ہم بولا پندرہ چیزیں ہیں، ان میں سے پانچ وہ ہیں جن کے بارے میں آپ کے سفیروں نے کہا کہ ان پر ایمان لایا جائے اور پانچ پر عمل کیا جائے اور پانچ ایسی ہیں جو دورِ جاہلیت میں بھی ہم میں تھیں اور اب تک ہیں الّا یہ کہ اُن میں سے کسی چیز کو آپ ناپسند فرمائیں۔ آپ نے فرمایا وہ پانچ باتیں کونسی ہیں جن پر میرے قاصدوں نے ایمان لانے کو کہا ہم بولے آپ کے پیامبروں نے کہا کہ ہم لوگ اللہ اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور مرکر جی اُٹھنے پر ایمان لائیں، پھر آپ نے فرمایا وہ کونسی پانچ باتیں ہیں جن پر میرے نمائندوں نے عمل کرنے کو کہا، ہم نے عرض کیا، آپ کے سفیروں نے ہمیں بتایا کہ ہم سب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور جسے طاقت ہو وہ بیت اللہ کا حج کرے اور روزہ رکھیں، اور ہم ایسا کر رہے ہیں، پھر فرمایا وہ کونسی پانچ باتیں ہیں جو تمہارے اخلاق کا حصہ ہیں، ہم نے کہا خوشحالی میں شکر، بدحالی میں صبر، ہر حال میں سچ بولنا، قدرت کے فیصلوں پر رضامندی اور دشمن کو تکلیف میں دیکھکر خوش نہ ہونا، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا یہ لوگ ادیب، عالم اور دانا ہیں اور ہوسکتا تھا کہ اپنی حکمت و دانائی کے باعث نبی بنتے کیونکہ ان کی یہ عادات بزرگانہ، شریفانہ اور بہت بڑے اجر کی موجب ہیں، پھر فرمایا میں تمہیں پانچ اور باتوں کی وصیت کرتا ہوں تاکہ بیس مکمل ہوجائیں۔ ہم نے کہا فرمایئے اے اللہ کے رسول! پس فرمایا اگر تم ویسے ہی ہو جیسا کہ کہتے ہیں تو وہ چیز جمع نہ کرو جو کھا نہ سکو اور وہ بناؤ جس میں رہ نہ سکو اور اس میں جی نہ لگاؤ جو کل کو ختم ہونے والی ہے اور اسے چاہو جو پیش آنے والی ہے اور اس پر جزا ملنے والی ہے اور اس خدا سے ڈرو جس کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور جس کے حضور پیش ہونا ہے۔

ابوذرؓ غفاری، روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی، کہ میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھوں اُوپر والوں کو نہیں، مجھے مسکینوں سے محبت کرنے کی وصیت فرمائی، اور اُن سے قریب ہونے کو کہا، اور مجھے سچ کہنے کی وصیت کی خواہ کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو؟ اور مجھے صلہ رحمی کی تلقین فرمائی خواہ دوسرے منہ کیوں نہ پھیریں، اور مجھے لوگوں سے سوال نہ کرنے کی وصیت فرمائی، اور اللہ کی راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کرنے کی پروا نہ کرنے کی وصیت فرمائی اور مجھے بکثرت لاحول ولا قوۃ الّا باللہ پڑھنے کی وصیت فرمائی کیوں کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ہے، انصار کا ایک نوجوان کھڑا ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول! مجھے بھی کچھ وصیت فرمایئے۔

آپ نے فرمایا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، خواہ تمہیں کاٹ ڈالا جائے پیٹا جائے اور سخت اذیت پہنچائی جائے۔ وہ بولا کچھ اور فرمایئے، فرمایا اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر وہ تمہیں کہیں کہ اپنے سارے مال سے دستبردار ہو جاؤ تو چھوڑ دو، پھر عرض کیا مزید فرمایئے! آپ نے اُس سے فرمایا تم میدانِ جنگ میں پیٹھ نہ دکھاؤ، کیونکہ میدانِ جنگ سے فرار اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے، پھر بولا کچھ اور! اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا! اپنے اہل وعیال کو خدا سے ڈراؤ، اور اُن پر سے ڈنڈا مت ہٹاؤ (یعنی ادب سکھاتے رہو)

ابی تمیمہؓ اپنی قوم کے ایک شخص کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا ہاں، بولا آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک خدا کی طرف بلاتا ہوں، اور حدیث بیان کی اور کہا اس شخص نے سلام کیا اور کہا اے اللہ کے رسول مجھے کوئی وصیت فرمایئے! آپ نے فرمایا کسی چیز کو برُا بھلا نہ کہو، اور نیکی کسی حال میں ترک نہ کرو خواہ اپنے بھائی سے ہنس کر بات کرنا ہی کیوں نہ ہو؟ کسی پیاسے کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ہی کیوں نہ ڈالنا ہو، اپنا ازار نصف پنڈلی تک رکھو اور اگر تم اپنے گھر میں ہو تو ٹخنوں تک ٹھیک ہے اور تہمد نیچے لٹکانے سے بچو کیوں کہ یہ تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔

عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں میں وہ اصحابِ رسول میں سے دسواں صحابی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں موجود تھے جب انصار کا ایک نوجوان آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کر کے بیٹھ گیا، پھر کہا اے اللہ کے رسول، بہترین مسلمان کون ہے؟ آپ نے فرمایا جس کے اخلاق اچھے ہوں، پھر پوچھا کونسا مسلمان دانا ہے؟ فرمایا جو موت کو ہمیشہ یاد رکھتا ہو اور اس کے آنے سے پہلے ٹھیک ٹھاک تیاری کرتا ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دانا ہیں، پھر وہ نوجوان خاموش ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے جماعتِ مہاجرین! پانچ باتیں ایسی ہیں جب وہ تم میں پیدا ہوں گی تو میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم انہیں پاؤ، جب کسی قوم میں فحاشی عام ہو جاتی ہے تو اس میں طاعون اور مختلف قسم کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جو تم سے اگلوں میں کبھی ظاہر نہیں ہوئیں اور جب ناپ تول میں کمی کا رجحان بن جاتا ہے تو قحط، مشقت اور حکمرانوں کے مظالم عام ہو جاتے ہیں، جب زکوٰۃ نہ دی جائے تو آسمان سے بارش بند ہو جاتی ہے، ہاں اگر جانور نہ ہوں تو بارش بالکل نہ اترے، اور جب اللہ اور رسول کے احکام توڑے جانے لگیں تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر دشمن کو مسلط کر دیتا ہے پس جو کچھ ہوتا ہے وہ چھین لیتا ہے اور جس قوم کے حکمران اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس کے سامنے اکڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں خوف و ہراس پیدا کر دیتا ہے۔

سائب العبسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تین باتیں ایسی ہیں۔ قیامت کے دن جو یہ لے کر نہیں آئے گا۔ اس کے لئے کچھ بھی نہ ہو گا، ایسا تقویٰ جو اسے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے روکے، ایسا خلق جس سے انسانوں کی مدارات ہو اور ایسا حلم جس سے بیوقوفوں کی جہالت برداشت کی جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے والدین سے نیکی کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کرے گی، تم عورتوں سے درگزر کرو، تمہاری عورتیں تم سے ایسا کریں گی، جو کسی نادم گنہگار کی معذرت قبول نہیں کرتا خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا، وہ میرے حوض پر نہیں آسکے گا.

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت)

علی بن ابی طالبؓ روایت کرتے ہیں جب آیت "اذا جاء نصر اللہ و الفتح" نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر عمر گذار لی پھر آپ کو بیماری نے آلیا جس میں آپ کی وفات ہوئی، آپ اسی بیماری کے دوران ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے، آپ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی آپ منبر کی آخری سیڑھی پر تشریف لے گئے آپ کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے پھر آپ نے بلالؓ کو بلا کر فرمایا کہ سب چھوٹوں بڑوں کو یہاں اکٹھا کرو اور انہیں فرمایا کہ مدینہ میں اعلان کر دو کہ سب لوگ رسول کی وصیت سننے کے لئے جمع ہو جائیں۔ پس سب لوگ جمع ہو گئے اور پوری مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بعد آنیوالوں کے لئے جگہ چھوڑ دو، بعد ازاں آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، انبیاء سابقین کا ذکر خیر کیا پھر اپنے آپ پر درود پڑھا اور فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم العربی ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اے لوگو! تحقیق میرے نفس نے مجھے موت کی خبر کر دی ہے اور آج تم سے بچھڑنے کا لمحہ ہے اور میرے رب نے مجھے مبتلائے مرض کیا ہائے افسوس ہے امت سے بچھڑنے پر، جب وہ میرے بعد تنہا رہ جائے گی اے اللہ سلامتی نازل فرما سلامتی نازل فرما،

اے لوگو! بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں حلال و حرام کو تمہارے لئے واضح فرما دیا ہے، اور جسے لو اور جس سے بچو، پس تم حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانو، متشابہات پر ایمان لاؤ اور محکمات پر عمل کرو، امثال سے عبرت پکڑو، پھر آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی، اور کہا اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟ پھر فرمایا، اے لوگو! بچو، ان گمراہ کن خواہشات سے جو اللہ سے اور جنت سے دور کرنے والی ہے،

عرباض بن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس سے آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور ہمارے دل ہل گئے، حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! لگتا ہے کہ یہ آپ کا آخری خطاب ہے آپ ہمیں کوئی وصیت فرمائیے، آپ نے فرمایا میں تمہیں خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور تمہیں اپنی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی بھی جو تم پر حاکم بنا کر بھیجوں خواہ وہ حبشی غلام ہی ہو، پس تحقیق جو شخص تم میں سے زندہ رہا وہ امت میں بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا پس تم پر میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء کا طریقہ اختیار کرنا لازم ہے تم اسے اپنے دانتوں سے پکڑ لو اور بدعات سے بچ کر رہنا کیونکہ ہر بدعت سراسر ضلالت ہے۔

ام سلمہؓ کی روایت کے مطابق کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی مرض الموت میں لوگوں کے درمیان تشریف لائے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگ ارد گرد بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں حوض کوثر پر تمہاری شفاعت کے لئے کھڑا ہوں گا، پھر آپ نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اس کے بعد سب سے پہلے شہدائے احد

کے حق میں دعائے مغفرت کی اور فرمایا بیشک اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو دنیا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو حاصل کرنے کا اختیار دیا گیا تو بندے نے اسے پسند کیا جو اللہ کے پاس ہے، پھر فرمایا مسجد کی تمام کھڑکیاں چن دو مگر ابوبکرؓ والی کھڑکی رہنے دو، پس تحقیق لوگوں میں سے مجھ پر سب سے زیادہ رفاقت اور مالی تعاون کے اعتبار سے احسانات ابوبکرؓ کے ہیں، اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو وہ ابوبکرؓ ہوتے لیکن اُن کے ساتھ اسلامی اخوت اور دوستی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے ہاں البتہ اس کے ساتھ بھائی چارہ اور رفاقت ہے، پھر فرمایا

اے لوگو! لشکرِ اُسامہ کو فوراً روانہ کرو، یہ بات آپ نے تین مرتبہ کہی،

ایک اور روایت کے مطابق ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ شہادت کے بعد یہ ارشاد فرمایا، اے جماعتِ مہاجرین! تم روز بروز ترقی کر رہے ہو اور انصار اپنی پہلی حالت پر ہیں، یہ لوگ میری پناہ گاہ بنے ہیں، یہی میرا جوتا ہیں جن سے چلتا ہوں، یہی میرا برتن ہیں جس میں کھاتا ہوں، پس ان کے معاملے میں میرا لحاظ کرو، ان کے معززین کی عزت کرو، اُن کے اچھے کاموں کو سراہو اور اُن کی لغزشوں سے درگذر کرو۔

اور فرمایا، بادشاہ اللہ کا سایہ ہوتا ہے زمین میں! اس کی طرف مظلوم لوگ رجوع کرتے ہیں پس اگر اس نے عدل و احسان کیا تو اس کے لئے اجر و ثواب ہے، اور تم پر اظہارِ تشکر، اگر وہ ظلم اور زیادتی کرتا ہے تو اس پر بوجھ ہے اور رعایا کیلئے صبر و ضبط! جان لو کہ جب وہ رعایا کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اجر عطا فرماتا ہے اور اگر وہ غلطیاں کریں تو اللہ تعالیٰ بخشش فرماتا ہے، پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا۔

"اس طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنائیں گے اس کے باعث کہ جو کچھ وہ کرتے تھے"۔

اور جب حکمران ظلم کرنے لگتے ہیں تو قحط پڑتا ہے، اور جب حقوق پامال کئے جاتے ہیں تو مال مویشی برباد ہو جاتے ہیں، جب سود عام ہو جائے تو فقر و مسکنت کا دور دورہ ہوتا ہے اور جب عہد شکنی کی جائے گی تو کفار غلبہ حاصل کریں گے۔

وفات کے وقت وصیت:

عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں ہمارے نبیؐ اور ہمارے محبوبؐ نے ایک ماہ قبل ہمیں اپنی موت کا اشارہ دے دیا تھا، پس جب جدائی کی گھڑی قریب آتی نظر آئی اور تکلیف بڑھ گئی تو ہمیں اُم المومنین عائشہؓ کے گھر اکٹھا کیا گیا پھر آپ نے کلمۂ شہادت پڑھا اور فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر سلامتی نازل فرمائے اللہ تمہیں حفظ و امان میں رکھے، تمہارا بھلا کرے۔ تمہیں رزق عطا فرمائے۔ تمہیں بلند مرتبہ عطا فرمائے۔ تمہیں اپنی پناہ میں رکھے، تمہیں (مصائب و آلام سے) بچائے، میں تمہیں خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، میں تمہیں اللہ کے لئے وصیت کرتا ہوں اور وہ جو تمہارے بعد آئیں اور میں تمہیں اللہ سے ڈراتا ہوں کیوں کہ میں تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا بن کر آیا ہوں کہ تم اللہ کے مقابلہ میں اس کے بندوں اور شہروں میں تکبر نہ کرنا، کیوں کہ اس نے مجھے اور تمہیں حکم دیا ہے کہ "یہ آخرت کا گھر اُن لوگوں کے لئے ہے جو زمین میں تکبر اور فساد برپا نہیں کرتے اور انجام کار خدا ترس لوگوں کیلئے ہے" (الآیہ) پھر ارشاد ہوتا ہے۔

”کیا جہنم متکبرین کا ٹھکانہ نہیں“ (آلایہ)

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ہم نے آپ سے پوچھا آپ کا وقتِ اجل کیا ہے؟ فرمایا بس جدائی قریب ہے۔ اللہ اور جنت کی طرف جانے ہی والا ہوں، کہتے ہیں کہ لوگ رونے لگ گئے، اور آپ بھی روئے پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا رحم فرمائے اور تمہارے نبی کی طرف سے تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے پھر آپ نے اپنے غسل، تکفین اور نماز جنازہ کا ذکر کیا۔ بعدازاں فرمایا تم پر میرا سلام ہو، اور تم میرا سلام اُن دوستوں تک پہنچا دینا جو یہاں موجود نہیں اور تم اس بات کے گواہ رہو کہ میں نے ہر اس شخص پر جو میری پیروی اور دین کی پیروی کرتا رہا قیامت تک سلام بھیجا ہے۔

مواعظ اور وصایا

عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ و نصیحت کچھ دن چھوڑ کر فرمایا کرتے تھے آپ ایسا ازراہِ شفقت کیا کرتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ہمارے اکتا جانے کے اندیشے کے پیشِ نظر ایسا کیا کرتے تھے۔ اہلِ بدر میں سے ایک شخص روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایسی مجلس میں بیٹھنا چار غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ شعبہؒ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کونسی مجلس؟ کہا جہاں قصص بیان ہو رہے ہوں۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے لوگو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور اس کی رضا طلبی میں کوشاں رہو اور دنیا کے فنا ہونے اور آخرت کے باقی رہنے پر یقین پیدا کرو اور مرنے کے بعد کے لئے عمل کرو۔ تم دنیا میں یوں رہو کہ گویا نہیں ہو اور آخرت میں رہنے کو دائمی سمجھو۔

اے لوگو! جو بھی دنیا میں ہے مہمان ہے اور جو کچھ اُس کے ہاتھ میں ہے عارضی ہے اور بلاشبہ مہمان جانے ہی والا ہوتا ہے اور مانگی ہوئی چیز واپس ہی کرنی ہوتی ہے۔ آگاہ رہو! تحقیق دنیا نقد جنس ہے۔ اُسے نیک اور بد کھاتے ہیں اور آخرت ایک سچا وعدہ ہے جس میں تمام قدرتوں کا مالک فیصلہ کرے گا۔ پس اللہ اُس شخص پر رحم کرے گا جو اپنے نفس پر نگاہ رکھتا ہے اور قبر کے لئے تیاری کرتا ہے۔ قبر ہمیشہ اس کی منتظر رہتی ہے اور اس کی رسی گردن پر پڑنے ہی والی ہے۔ قبل اس کے کہ اُس کی میعاد ختم ہو اور اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔

آپؐ نے فرمایا۔ اے لوگو! بلاشبہ یہ گھر چھوڑ جانے کے لئے ہے۔ یہ رہنے کے لئے نہیں اور دکھ کا مقام ہے سکھ کا نہیں۔ جو اس کی حقیقت جان لیتا ہے۔ وہ اس کی آسانی پر خوش نہیں ہوتا اور تنگی پر رنجیدہ۔ آگاہ رہو! اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارالامتحان بنایا ہے اور آخرت کو دارالجزا۔ پس اس دنیا کی تکلیف کو آخرت کے اجر کا سبب بنایا اور آخرت کا ثواب دنیا کی تکلیف کا معاوضہ ہے۔ پس وہ سلب کرتا ہے تاکہ عطا کیا جائے اور آزماتا ہے تاکہ جزا دیا جائے۔ پس یہ دنیا جلد جانے والی اور بہت جلد بدلنے والی ہے۔ تم دودھ پینے کی لذت کے مقابلے میں دودھ چھوڑنے کی تلخی سے ڈرو۔ عارضی لذت کو دائمی تکلیف کے لئے چھوڑ دو اور اُس گھر کو آباد کرنے کی کوشش نہ کرو جس کو برباد کرنے کا اللہ نے فیصلہ کر رکھا ہے اور تم اس کو اپنانے کی کوشش نہ کرو جس کو تم سے الگ کرنے کا اللہ نے ارادہ کر لیا ہے و

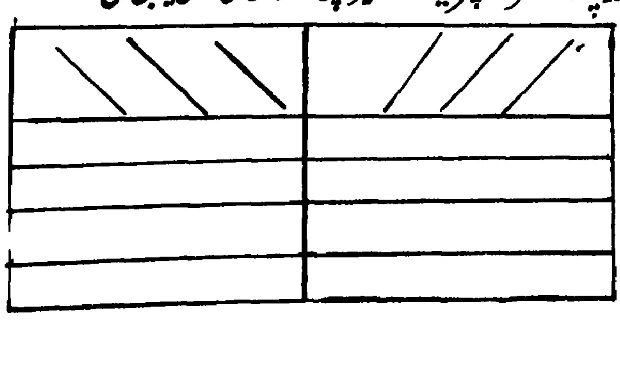
تمہیں اللہ کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑے گا اور اُس کے عذاب کے مستحق بنو گے۔

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وعظ فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ پس فرمایا
اے لوگو! تم اللہ کی طرف ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون حالت میں اکٹھے کئے جاؤ گے۔
پھر فرمایا

"جس طرح ہم نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا اُسی طرح لوٹائیں گے۔ یہ ہمارا پکا وعدہ ہے کہ ایسا کر کے رہیں گے"۔ آگاہ رہو! کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائے گا اور اُس دن میری اُمت کے کچھ لوگوں کے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ میں کہوں گا یارب! یہ تو میرے اصحاب ہیں پس مجھے کہا جائے گا۔ آپؐ نہیں جانتے انہوں نے آپؐ کے بعد کیا کیا۔ تب میں وہی کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے حضرت عیسٰی نے کہا "جب تک میں اُن میں رہا میں اُس کا گواہ ہوں"۔ پھر کہا جائے گا کہ آپؐ کے جدا ہوتے ہی اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ گئے تھے۔ پس میں کہوں گا۔ افسوس ہے! افسوس ہے!

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے۔ دانا وہ ہے جو اپنے نفس کی نگرانی کرے اور آخرت کے لئے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو پیروی تو کرے اپنے خواہشات نفس کی اور امید باندھے اللہ پر، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دو نعمتیں ایسی ہیں جو لوگوں کو بہت مرغوب ہیں صحت اور فراغت اور مومن تین باتوں میں کوشاں رہتا ہے، آخرت کی تیاری، معاش کا حصول اور جائز چیزوں سے لذت اندوزی، ایک عاقل کے لئے چار گھڑیاں ہونی چاہئیں۔ ایک ساعت وہ جب وہ اپنے رب کو پکارے۔ دوسری میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے تیسری کائنات خداوندی میں غور وفکر کے لئے ہو، اور چوتھی کھانے پینے کے لئے ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت کو اکثر یاد رکھا کرو کیونکہ وہ گناہوں کو مٹاتی ہے اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے۔ آپؐ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو کسی کی قبر کھود رہے تھے۔ آپ وہیں ٹھہرے اور رونے لگے حتیٰ کہ آپؐ کی ٹھوڑی تر ہوگئی اور فرمایا۔ اے میرے بھائیو! ہر ایک کیلئے یہی جگہ ہے پس تیار رہو اور آپؐ نے ایک دن اپنے دوستوں سے فرمایا۔ اللہ سے حیا کرو جیسے اُس سے حیا کرنے کا حق ہے بولے، وہ کیسے؟ اے اللہ کے رسولؐ! فرمایا وہ کچھ جمع کرتے ہو جو نہیں کھاتے اور اُس کی آرزو کرتے ہو جو نہیں پاؤ گے اور وہ بناتے ہو جس میں رہ نہیں سکو گے۔

عبداللہ (ابن مسعودؓ) روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مربع خط بنایا اور ایک لکیر درمیان میں کھینچی اور درمیانی لکیر کے پاس کئی لکیریں کھینچیں۔ اور چاروں طرف پھر ایک اور لکیر کھینچی اور اس کی شکل یہ بن گئی۔



پھر فرمایا جانتے ہو کیا ہے؟ عرض کیا گیا اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ جو درمیانی لکیر ہے انسان ہے اور اردگرد موت احاطہ کئے ہوئے ہے اور ادھر اُدھر کی لکیریں اُس کی ضروریات ہیں جو اُسے جکڑے ہوئے ہیں۔ اگر وہ انہیں پورا نہ کرے تو اُسے ڈستی ہیں اور باہر کی لکیر اُس کی اُمید ہے اور پھر فرمایا۔ ابن آدم جوں جوں بوڑھا ہوتا جاتا ہے ہوس زور اُمید توں توں بڑھتی جاتی ہے پھر فرمایا اے لوگو! زنا نہ کرو تمہاری عورتوں سے زنا کیا جائے گا کیونکہ جو لوگ زنا کرتے ہیں ان کی عورتوں سے زنا کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں فرمایا جو عدل کرتا ہے اس سے عدل کیا جاتا ہے جو جس باٹ سے تولتا ہے اسی باٹ سے تولا جاتا ہے۔ جو بغاوت کی تلوار کھینچتا ہے اُسی سے مارا جاتا ہے۔

قیس بن عاصم المنقریؓ روایت کرتے ہیں۔ میں بنی تمیم کے ایک وفد میں شامل ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے مجھے فرمایا کہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرو۔ میں نے ایسا کیا اور پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے اللہ کے رسولؐ! ہمیں ایسی نصیحت فرمایئے جس سے ہم نفع اٹھائیں۔ آپؐ نے فرمایا اے قیس! بے شک عزت کے ساتھ ذلت، زندگی کے ساتھ موت اور دنیا کے ساتھ آخرت ہے۔ بلاشبہ ہر ایک چیز کیلئے محاسب اور ہر ایک چیز پر نگران مقرر ہے۔ ہر نیکی کے لئے ثواب اور ہر برائی کے لئے عذاب اور ہر چیز کا وقت مقرر ہے اور اے قیس! یہ لازمی ہے کہ تیرا دوست (نامۂ اعمال) تیرے ساتھ دفن ہو اور وہ زندہ ہو اور تم اس کیساتھ دفن ہو اور تم مردہ ہو۔ بہرحال اس کا حشر تمہارے ساتھ ہو گا اور تم اس کے ساتھ اُٹھو گے اور تم سے اسی کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ تم اُسے زیادہ سے زیادہ اچھا بنانے کی کوشش کرو۔ اگر وہ اچھا ہوا تو تمہیں اُسی سے اُنس ہو گا اور اگر وہ بُرا ہوا تو تمہیں اُسی سے وحشت ہو گی کیونکہ وہ تمہارا ہی فعل ہے۔

ابن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خود کو دنیا کے لئے وقف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے دنیا کے سپرد کر دیتا ہے جو شخص کوئی چیز اللہ کی نافرمانی کر کے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے بہت دور کر دیتا ہے جس کی وہ آرزو کرتا ہے، اور اُسے قریب کر دیتا ہے جس سے وہ بچنا چاہتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے لوگوں کی تعریف چاہتا ہے تو اللہ اُن میں اس کے مذمت کرنے والے پیدا کر دیتا ہے، جو اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ان لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے جو لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کو خوش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اُن لوگوں کے شر سے محفوظ فرما لیتا ہے، جو اپنے اور خدا کے درمیان معاملات کو درست رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان معاملات کو ٹھیک کر دیتا ہے، جو اپنا باطن اچھا بناتا ہے خدا تعالیٰ اس کا ظاہر اچھا بنا دیتا ہے اور جو شخص آخرت کے کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے دنیوی کام آسان فرما دیتا ہے۔

اے لوگو! تمہارے لئے کچھ علامات ہیں۔

مومن کو دو خوف ہوتے ہیں، ایک یہ کہ جو وقت گزرا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق کیا کرتا ہے اور دوسرے جو وقت باقی رہ گیا ہے۔ اس کے بارہ میں کیا فیصلہ دیتا ہے، پس بندے کو چاہیئے کہ اپنی ذات کے لئے ہر سانس سے فائدہ اٹھائے آخرت سے پہلے دنیا، بڑھاپے سے

پہلے جوانی اور موت سے پہلے زندگی سے فائدہ اٹھاتے۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، کہ موت کے بعد کوئی مشکل امر نہیں اور اس دنیا کے بعد جنت اور جہنم کے علاوہ کوئی گھر نہیں، اور فرمایا کیا تمہیں سب سے زیادہ بُرے آدمی کے بارہ میں نہ بتاؤں؟ عرض کیا گیا اگر آپ چاہیں تو؟ اے اللہ کے رسول، فرمایا بُرا انسان وہ ہے جو اکیلا سفر کرے، اپنے غلام کو کوڑے مارے اور بخشش کو روک رکھے، پھر فرمایا اس سے بھی زیادہ بُرے انسان سے تمہیں آگاہ نہ کروں؟ عرض کیا گیا اگر آپ چاہیں تو اے اللہ کے رسول! فرمایا جو کسی کی لغزش سے درگزر نہیں کرتے کسی کی معذرت قبول نہیں کرتے اور کسی کا جُرم معاف نہیں کرتے، پھر فرمایا کیا اس سے بھی زیادہ بُرے انسان کی نشاندہی نہ کروں؟ عرض کیا گیا اگر آپ چاہیں تو؟ فرمایا تم میں سب سے زیادہ بُرا انسان ہے وہ ہے کہ جس سے کسی خیر کی توقع نہ ہو اور اس کے شر سے امان نہ ہو،

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے، جب وہ گفتگو کرتا ہے تو مفید ہوتی ہے یا خاموش رہتا ہے تو آسودہ رہتا ہے، بلاشبہ زبان سب سے زیادہ انسان کے قابو میں ہے، آگاہ رہو بندے کی گفتگو زیادہ تر اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے نفع بخش نہیں الّا یہ کہ ذکرِ الٰہی ہو، اچھی بات کا حکم ہو، بُری بات سے روکنا اور مسلمانوں کے درمیان اصلاح کی بات ہو، معاذ بن جبلؓ نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! کیا گفتگو پر بھی ہمارا مواخذہ ہوگا فرمایا، جہنم میں لوگ اپنی زبان کی بے اعتدالی کے باعث اوندھے منہ لٹکائے جائیں گے پس جو شخص امن چاہتا ہے وہ اپنی زبان قابو میں رکھے اور دل سے اٹھنے والے خیالات کی نگرانی کرے، اچھے عمل کرے اور آرزوئیں کم کر دے۔

ابی موسیٰؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دنیا کو بُرا نہ کہو کہ وہ مومن کی بہترین سواری ہے وہ اسی سے بھلائی تک پہنچتا ہے اور بُرائی سے بچتا ہے، جب کوئی شخص کہتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا پر لعنت بھیجے تو دنیا کہتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں پر لعنت بھیجے۔

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لذتوں کو مکدّر کرنے والی چیز کا اکثر ذکر کیا کرو۔

ہر انسان دو دنوں کے درمیان ہے ایک وہ دن جو گزر گیا اس کے عمل اس میں شمار کئے گئے اور وہ ختم ہوگیا اور ایک دن وہ جو ابھی آئے گا جس کے متعلق وہ نہیں جانتا کہ وہ اسے دیکھنا بھی نصیب ہوگا، ہر انسان موت اور قبر میں داخل ہوتے وقت اپنے گزشتہ اعمال کی جزا اور پیچھے چھوڑ جانے والے مال کو دیکھتا ہے اور اسے گمان گزرتا ہے کہ شاید اس نے یہ مال غلط طریقے سے جمع کیا اور حقداروں سے روکے رکھا۔

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رزق لکھ دیا گیا ہے اور جو کچھ طے ہوگیا ہے۔ اس میں سے کم نہیں کیا جائے گا لہٰذا اس کی خواہش میں کمی کرو اور عمر بھی مقرر کر دی گئی ہے اور جتنا کچھ مقرر ہوئی ہے اس میں اضافہ نہیں ہوگا۔ پس مدت مقررہ ختم ہونے سے پہلے اس سے فائدہ اٹھالو، اعمال گنے جا چکے ہیں اب ان میں سے کوئی بڑا یا چھوٹا چھوٹنے نہ پائے گا، پس زیادہ سے زیادہ اچھے عمل کرو۔ اے لوگو! قناعت میں کشادگی اور میانہ روی میں کامیابی ہے، اور بیشک زہد میں مسرت ہے۔ ہر عمل کی جزا اور آنے والی چیز قریب ہے۔

اے لوگو! تیاری کر لو کہ اگلا مرحلہ سخت ہے، جلدی کرو کہ کوچ کا وقت آ پہنچا ہے زاد راہ بنا لو کہ دور کا سفر ہے، اپنے بوجھ ہلکے کر لو کہ تمہارے پیچھے ہولناک وادیاں ہیں۔ انہیں ہلکے پھلکے لوگ ہی طے کریں گے،

اے لوگو! قیامت سے پہلے بہت سنگین واقعات، زبردست حادثات اور مشکل حالات ہوں گے۔ تاریکی چھا جائے گی، فسق و فجور کا دور دورہ ہوگا، بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والوں کو اذیتیں دی جائیں گی لہٰذا تم ایمان کو بچائے رکھو اور اسے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑے رکھو، اچھے اعمال کی طرف لپکو اور اپنے نفس کو اس پر مجبور کرو، تکلیفوں پر صبر کرو تو دائمی مسرتوں کو حاصل کر لو گے۔

اے لوگو! طمع تنگدستی ہے، اور بے نیازی دولت، قناعت میں مسرت ہے، گوشہ نشینی عبادت ہے، عمل خزانہ ہے، دنیا کان ہے، اللہ کی قسم ہے یہ ساری دنیا جتنا کچھ گذر گئی ہے چادر کے پلو کے برابر ہے اور جتنا کچھ باقی ہے وہ بالکل اتنی ہی ہے جیسے پانی پانی سے مشابہ ہوتا ہے، پس ہر ایک خاتمے کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس کا زوال قریب ہے۔ تم سانسوں کی مہلت میں جی رہے ہو، جلدی کرو قبل اس کے کہ تمہارا سخت ناراضگی کے ساتھ محاسبہ ہو اور تمہیں ندامت بھی کوئی فائدہ نہ دے سکے۔

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! تم حکمت کو نااہل لوگوں کے سپرد نہ کرو ورنہ تم ظلم کے مرتکب ہو گے اور نہ اُسے اس کے اہل سے روکے رکھو کہ اس طرح بھی تم ظلم کا ارتکاب کرو گے، ظالم کی پیروی نہ کرو تمہارا انعام گر جائے گا، دکھاوا مت کرو تمہارے اعمال ضبط ہو جائیں گے جو کچھ موجود ہے اُسے روکے نہ رکھو ورنہ تمہیں عطا کرنے میں کمی واقع ہوگی۔

اے لوگو! تین چیزیں ہیں ایک یہ کہ اس کی ہدایت واضح ہے پس اس کی پیروی کرو، ایک یہ کہ اسکی گمراہی ظاہر ہے۔ اس سے بچو اور ایک جس میں اختلاف ہے اسے اللہ کی طرف لوٹا دو۔

اے لوگو! کیا تمہیں ایسی دو چیزوں سے آگاہ نہ کروں جن پر محنت کم آتی ہے اور اجر زیادہ، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں وہ ہے خاموشی اور اچھے اخلاق،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن تین طرح کے لوگ آئیں گے یا تو وہ دین میں مشکوک چیزوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے، یا شہوات میں پڑ گئے ہوں گے یا غصے میں کچھ کر گزرے ہوں گے، پس اگر تم کوئی مشکوک چیز پاؤ تو اسے یقین کے ساتھ چھوڑ دو، اگر کوئی شہوت انگیز چیز کا سامنا ہو تو اسے زہد کے ساتھ دفع کر دو اور اگر غصہ آ جائے تو اسے عفو و درگزر سے ٹال دو، کیونکہ قیامت کے دن منادی ندا دے گا کہ جس کا اجر اللہ کے ذمے ہو وہ کھڑا ہو جائے پس لوگوں کو معاف کرنے والے کھڑے ہوں گے، پھر فرمایا جو معاف کرے اور بھلائی کرے اسکا اجر اللہ کے ذمے ہے، پھر آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! تجھے ہر روز کا رزق مل جاتا ہے اور تو غمزدہ رہتا ہے اور تیری عمر میں ہر روز کمی واقع ہوتی ہے اور تو خوش ہوتا ہے، یہ تیرے لئے کافی ہے لیکن تو وہ طلب کرتا ہے جو تجھے سرکش بنا دے، تھوڑے پر تو قناعت نہیں کرتا اور زیادہ سے سیر نہیں ہوتا، اے لوگو! تم اگلوں کے جانشین اور آنے والوں کے لئے بقیہ ہو، تم سے پہلے کئی لوگ زیادہ خوشحال اور طاقت ور تھے مگر پھر ہم اُن سے وہ مکانات خالی کرائے گئے جہاں وہ رہتے تھے اور انہیں اس چیز نے دھوکہ دیا جس پر انہیں بہت بھروسا تھا، سو نہ انہیں جتھے کی قوت نے فائدہ پہنچایا اور نہ اُن سے کوئی معاوضہ قبول کیا گیا، پس تم

منزل پر پہنچنے کے لئے زادِ راہ تیار کر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ اچانک پکڑ لئے جاؤ اور تمہیں تیاری کا موقع بھی نہ مل سکے ۔

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک دنیا چل پڑی ہے جانے کیلئے اور آخرت چل پڑی ہے آنے کیلئے، خبردار، تم جو آج کا وقت ملا ہے یہ عمل کیلئے ہے یہاں حساب نہیں اور کل تمہارا حساب ہوگا لیکن عمل کا موقع نہ ملیگا، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دنیا عطا فرماتا ہے خواہ وہ اُسے پسند کرے یا نہ ! لیکن آخرت صرف اُسے ملتی ہے جو اُسے محبوب ہو، بہرکیف کچھ دنیا کے بیٹے ہیں اور کچھ آخرت کے، پس تم لوگ آخرت کے بیٹے. تو دنیا کے نہیں، مجھے سب سے زیادہ تمہارے متعلق جس چیز کا خوف ہے وہ ہوا و ہوس کی پیروی اور امیدوں کے دراز ہونے کا خوف ہے ۔

اے لوگو! زیادہ کھانے سے پرہیز کرو، کیونکہ زیادہ کھانا دل کو قساوت سے زہریلا کر دیتا ہے، اعضاء کو اطاعت کیلئے سست بنا دیتا ہے۔ ارادوں کو نصیحت سُننے سے بہرہ بنا دیتا ہے اور بُری نظر سے بچو، کیونکہ وہ خواہشوں کو ابھارتی اور غفلت کو پیدا کرتی ہے طمع سے بچو، کہ وہ دل کو حرص سے بھر دیتا ہے، دلوں پر مہر لگا دیتا ہے حبِ دنیا کو اُبھارتا ہے، وہ ہر بُرائی کی کنجی ہے اور ہر نیکی کے ضائع ہونے کا سبب ہے ۔

آپ نے فرمایا وہ بھلائی نہیں ہے جس کی آرزو کی جائے اور بُرائی ہے جس سے بچا جائے. باطل کھلا ہے اس سے بچو. حق مضبوط ہے اسے طلب کرو، آخرت سعادت مندی کا سایہ ہے اس کے لئے کوشش کرو، اور دنیا ختم ہونے کے قریب ہے اس سے منہ پھیر لو، پس کیسے آخرت کا عمل ہو سکے گا اگر دنیا سے رغبت ختم نہ کی جائے اور اس کی لذتوں سے منہ نہ موڑا جائے. سب سے بڑھ کر تعجب خیز بات یہ ہے کہ ایک شخص آخرت کے باقی ہونے کا یقین رکھتا ہے اور کوشش فانی گھر کی کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اللہ کی رضا اس کی اطاعت میں ہے لیکن اس کی نافرمانی میں کوشاں رہتا ہے، سب سے بُرا انسان وہ ہے جو اترائے، اور تجاوز کرے اور اپنے ربّ کو بھول جائے، بُرا انسان ہے وہ جو بھٹک گیا، غافل ہوا اور قبر اور آزمائش کو بھول گیا، بُرا ہے وہ انسان جو باغی ہوا، سرکش ہوا اور اپنے آغاز و انجام کو بھول گیا، بُرا ہے وہ انسان جس کا پیشوا طمع ہے، بُرا ہے وہ انسان جسے خواہشات نے بھٹکا دیا،

اے ابنِ آدم! تجھے وہ کچھ میسر ہے جو تیرے لئے ضروری ہے اور تو اسے چاہتا ہے جو تجھے سرکش بنا دے، تو تھوڑے پر قناعت نہیں کرتا اور زیادہ سے سیر نہیں ہوتا، جبکہ تو صحت مند ہے، اپنے گھر میں آسودہ ہے، ہر روز کا کھانا میسر ہے گویا دنیا اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ تمہیں مہیا ہے، پھر فرمایا! دنیا کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ دو۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا جو شخص دنیا میں سے اپنی ضرورت سے زیادہ طلب کرتا ہے اُسے ہلاکت آ لیتی ہے اور اُسے اس کا شعور نہیں ہوتا ۔

قیامت کے دن کوئی شخص اپنے پاؤں کی جگہ نہ چھوڑنے پائے گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اُس سے یہ نہیں پوچھ لے گا کہ تم نے مال کہاں سے جوڑا اور کہاں پر خرچ کیا، اپنی عمر کن کاموں میں کھپائی، جوانی کیسے گزاری، امانتیں کیسے ادا کیں، پھر فرمایا قسم اسی ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ کا قیام اور اس کی شرمندگی اس قدر شدید ہوگی کہ وہ آرزو کرے گا کہ کاش جہنم ہی میں ڈال دیا جائے۔ بعد ازاں فرمایا جس قدر ممکن ہو دنیا کے دھندوں سے فارغ ہونے کی کوشش کرو جو دنیا ہی کی فکر

میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضائع کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے محتاج بنا دیتا ہے، جو بندہ اپنا دل اللہ کی جانب مائل کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دل اس کی طرف پھیر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے بھلائی میں بہت جلدی کرتا ہے پھر فرمایا کسی انسان کی حماقت یہی کافی ہے کہ اس کی لذت بڑھ جائے اعمل اور خدا خوفی کم ہو جائے۔ رات کو بے سُدھ سویا رہے اور دن کو لغویات بکثار رہے، کاہل، بے صبرا، حریص اور کھلنڈرا۔

ابن حبیبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نصیحت کرنیوالا ہو، اس کے لیئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ بھی ہوتا ہے، جو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملات درست کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور دوسروں کے درمیان معاملات ٹھیک کر دیتا ہے، جو شخص اپنی ذات کے لیے لوگوں سے انصاف کرتا ہے۔ اللہ اُسے زیادتیوں سے محفوظ رکھتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں دل میں فساد پیدا کرنیوالی ہیں، کسی پاگل کو اس کی حرکت پر سزا دینا، گناہوں کی کثرت، عورتوں کے ساتھ اختلاط، ان سے ناجائز تعلقات اور اُن کے مشوروں پر عمل کرنا، اور مردوں کے ساتھ نشست برخاست!

پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! یہ مُردے کون ہیں؟ فرمایا، وہ مالدار جسے دولت مغرور بنا دے اور ظالم حکمران،

فرمایا اے لوگو! کیا تم میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہوں کہ انہیں بغیر تعلیم کے علم حاصل ہو جائے اور بغیر طلب ہدایت کے راہ راست پر چل نکلیں؟ کیا تم میں ایسے ہیں جو چاہتے ہوں کہ ان سے اندھا پن ختم ہو جائے اور وہ دانا بینا ہو جائیں؟

آگاہ رہو، جو شخص دنیا میں غیر معمولی دلچسپی لیتا اور آرزوؤں کو طول دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا دل اندھا کر دیتا ہے، جو دنیا سے الگ تھلگ رہتا اور اپنی اُمید کم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بغیر تحصیل علم کے علم اور طلب ہدایت کے ہدایت عطا فرما دیتا ہے،

خبردار! تمہارے بعد کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو ظلم اور جبر سے حکومت حاصل کریں گے۔ وہ دولت کے باعث فخر و غرور میں مبتلا ہوں گے اور انہیں دنیوی مسرتوں اور خواہشات کی پیروی سے محبت ہوگی، لہٰذا تم میں سے جو لوگ اس وقت موجود ہوں انہیں چاہیئے کہ وہ فقر پر اکتفا کریں خواہ انہیں دولت حاصل کرنے پر قدرت بھی ہو، وہ عاجزی ہی کو اپنائیں گو کہ انہیں عظمت حاصل ہو، اگر ایسا وہ اللہ کی خوشنودی کے لیئے کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں پچاس صدیقوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔

آپ سے ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول، دنیا میں سب سے بڑا زاہد کون ہے؟ فرمایا جو قبر کو نہ بھولے، دنیا کی غیر ضروری زینت کو چھوڑ دے، باقی کو فانی پر ترجیح دے، آنے والے وقت کا انتظار نہ کرے اور خود کو مُردوں میں شمار کرے، پھر فرمایا اے لوگو! قریب ہے کہ تم لوگ اہل جنت کو اہل نار میں سے پہچان لو! کسی نے عرض کیا وہ کیسے؟ اے اللہ کے رسول فرمایا بُری شہرت یا اچھی شہرت کے ذریعے

ابو ایوبؓ انصاری روایت کرتے ہیں، میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اپنے نفسوں کو اطاعت سے آراستہ کرو اور انہیں خشیت (الٰہی) کے اسلحہ سے مسلح کرو، اپنے لیے آخرت کو اختیار کر لو اور تمہاری کوشش اپنے مستقل ٹھکانے

کیلئے ہونی چاہیئے، تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تم بہت تھوڑے اثاثے کو چھوڑ کر جانے والے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے والے ہو، تمہیں کوئی فانی چیز نہیں بچا سکے گی اِلاّ یہ کہ وہ اچھا عمل جو تم نے اپنے آگے بھیج رکھا ہے، تمہیں اپنے تمام اعمال کی جزا دی جائے گی۔ تمہیں دنیا کے ٹھیکرے جنت کے اعلیٰ مدارج کے مقابلے میں دھوکے میں نہ ڈال دیں، پس اس وقت تمام شکوک و شبہات زائل ہو جائیں گے ہر شخص اپنے ٹھکانے پر جا پہنچے گا، ہر ایک اپنے ٹھکانے کو پہچان لے گا

آپ نے فرمایا کہ یہ یقین میں ضعف کی علامت ہے کہ تم اللہ کی ناراضگی کے مقابلہ میں لوگوں کو راضی کرو اور اللہ کے عطا کردہ رزق پر لوگوں کی تعریف کرو اور اگر اللہ نہ دے تو لوگوں کو بُرا بھلا کہو، کیونکہ خدا کا رزق کسی حریص کے حرص کی وجہ سے بڑھتا نہیں اور کسی نہ پسند کرنے والے کی وجہ سے گھٹتا نہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے خوشی اور مسرت کو تسلیم و رضا اور یقین میں پوشیدہ رکھا ہے دُکھ اور غم کو شک اور ناراضگی میں رکھا ہے، پس تم اللہ کی رضا کے لئے کوئی بھی چیز مت ہاتھ سے جانے دو، یقیناً اس کا عظیم اجر تمہیں دیا جائے گا، لہٰذا تم اپنی تمام کوششیں آخرت کے لئے وقف کرو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسی بات جو تمہیں دوزخ سے دُور اور جنّت سے قریب کرنیوالی ہو بیان کرنے سے نہیں رہی جو تم پر واضح نہ کر دی ہو، جبریل نے یہ بات میرے دل پر اُتاری ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک موت سے ہمکنار نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا رزق پورا نہیں ہو جاتا، پس تم رزق تلاش کرنے میں حسن کارانہ انداز اپناؤ، نیز رزق ملنے میں تاخیر واقع ہونے پر تم خدا کی نافرمانی کر کے ذرائع اختیار نہ کرو، کیونکہ جو کچھ اس کے ہاں ہیں وہ اس کی اطاعت ہی سے ملتا ہے۔

آگاہ رہو کہ ہر شخص کا رزق اُسے مل کر رہتا ہے جو اس پر مطمئن ہو تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالتا ہے اور وسعت دیتا ہے، اور جو اس پر راضی نہیں ہوتا تو اللہ اُسے برکت اور وسعت سے محروم کر دیتا ہے، رزق بندے کو موت کی طرح ڈھونڈتا ہے

(عبداللہ) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جس دل میں دنیا کی محبت گھر کرتی ہے تو اس کے نتیجے میں تین باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس قدر مصروفیات کہ ختم نہیں ہوتیں، ایسی محتاجی کہ کبھی دل نہیں بھرتا اور کبھی نہ پوری ہونے والی آرزو! بے شک دنیا اور آخرت طالب بھی ہیں اور مطلوب بھی! پس جو شخص آخرت کا طالب ہے، اسے دنیا ڈھونڈتی ہے حتیٰ کہ اس کی روزی پوری ہو جاتی ہے، اور جو دنیا کا طالب ہو اس کی تلاش میں آخرت رہتی ہے تاآنکہ موت اُسے گردن سے آپکڑتی ہے۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر روز ملک الموت ہر انسان کے دروازے پر پانچ مرتبہ جاتا ہے وہ جب کسی کو دیکھتا ہے کہ اس کا رزق ختم ہو گیا اور مہلت کی مدت گزر گئی تو اس پر موت وارد کر دیتا ہے جس سے اس شخص کو دکھ اور غم چھا جاتے ہیں، اس کے پسماندگان اپنے بال نوچتے، منہ پیٹتے اور زار و قطار روتے ہیں، ملک الموت انہیں کہتا ہے، افسوس ہے تم پر یہ جزع فزع کیا معنی؟ میں کسی کا رزق نہیں چھینتا، کسی کی موت قریب نہیں کرتا، میں بغیر حکم الٰہی کسی کے پاس نہیں آتا، میں اللہ کی منشا کے بغیر کسی کی روح قبض نہیں کرتا، میں پھر آؤں گا، بار بار آؤں گا حتیٰ کہ تم میں سے کوئی بھی یہاں زندہ نہ رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر لوگ اس کا ٹھکانہ دیکھ لیں اور اس کی بات سنیں تو اس پر گریہ کرنے کے بجائے اپنے آپ پر روئیں، جب کسی میت کو چارپائی پر رکھ کر اٹھایا جاتا ہے تو وہ پکارتی ہے"اے میرے گھر والو! اے میرے بیٹو! تم دنیا میں یوں مشغول نہ ہونا جس طرح میں رہا، میں نے حلال و حرام سے مال جمع کیا پھر اُسے دوسروں کے لئے چھوڑ گیا، اس سے نفع انہوں نے اٹھایا اور ذمہ داری مجھ پر آ پڑی تم اس سے بچو جو مجھے پیش آیا۔

(عبداللہ) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں میری اُمت میں تین طرح کے لوگ ہیں، ایک طبقہ وہ ہے جو نہ مال جمع کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے اور نہ ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، بس انہیں دنیا سے اتنا کچھ مطلوب ہے کہ بھوک مٹ جائے اور لباس مل جائے، اُن کیلئے وہی کافی ہے جو آخرت میں انہیں ملے گا، بس یہی وہ لوگ ہیں جن پر کوئی خوف اور حزن نہیں،

دوسرا گروہ وہ ہے جو مال جوڑتا ہے لیکن جائز ذرائع سے، اُسے اچھی جگہ خرچ کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں، فقراء سے ہمدردی برتتے ہیں، اُن کے لئے منہ میں انگارہ لے لینا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ حرام ذریعے سے مال کمائیں، اسے غلط مصارف میں کھپائیں حقداروں سے روک رکھیں اور اُسے موت تک ذخیرہ بنائے رکھیں۔ یہ وہ لوگ ہیں اگر ان سے پوچھ گچھ ہوگئی تو پکڑے جانے کا امکان ہے اگر ان سے صرف نظر کرلی جائے تو محفوظ رہیں گے۔

تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو حلال و حرام ذرائع سے مال کماتا ہے۔ فرائض اور واجبات کو نظر انداز کرتا ہے خرچ کرنے تو ہمیشہ فضول جگہوں پر خرچ کرتا ہے، اگر خرچ نہ کرے تو بخل پر اُتر آتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل دنیا کے غلام بن چکے ہیں حتیٰ کہ اُن کے گناہ انہیں دوزخ میں اتار دیں گے۔

ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب آپ اُحد سے واپس تشریف لا رہے تھے لوگ آپ کے ارد گرد تھے اور آپ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا،

اے لوگو! اصلاحِ آخرت کے لئے جو کام تمہیں کہے گئے ہیں وہ کرو اور اُس سے بے نیاز ہو جاؤ جس کی دنیا میں تمہیں ضمانت دے دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے پلے ہوئے اعضاء و جوارح کو اس کی نافرمانی میں مت استعمال کرو خود کو طلبِ مغفرت میں مصروف رکھو، اپنی تمام کوششیں اطاعت کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے وقف کر دو۔

پس جو شخص دنیا کا ارادہ کرتا ہے اُسے دنیا مل جاتی ہے اور آخرت میں اُسے کچھ نہیں ملے گا اور جو شخص آخرت کے نصیب کی فکر کرتا ہے اسے دنیا بھی ملے گی اور آخرت میں جو ارادہ کرے گا وہ کچھ بھی ملے گا۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ اولیاء اللہ کون ہیں جنہیں نہ کوئی خوف لاحق ہے اور نہ کوئی غم، آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کا باطن دیکھتے ہیں جبکہ لوگ ان کے ظاہر پر خوش ہو رہے ہوتے ہیں، یہ دنیا کے انجام کی سوچ رہے ہوتے ہیں جبکہ لوگ دنیا کے مفاد عاجلہ کے حصول میں لگے ہوتے ہیں، وہ اُسے خود ہی ختم کر دیتے ہیں جن کے بارے میں انہیں اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ ختم کر دی جائے گی، وہ اُسے چھوڑ دیتے ہیں جس کے متعلق انہیں علم ہوتا ہے کہ وہ چھوڑنا پڑے گا۔

ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا، آپ کسی کو نصیحت فرما رہے تھے، تم اس میں دلچسپی بڑھاؤ جو اللہ کے ہاں ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنائے گا۔

کچھ گروہ قیامت کے دن ایسے آئیں گے جن کی نیکیاں پہاڑوں کی مانند ہوں گی لیکن انہیں دوزخ میں جانے کا حکم دیا جائے گا وہ بولا اے اللہ کے نبی! کیا وہ نمازی ہوں گے؟ فرمایا ہاں نماز پڑھتے ہوں گے روزے رکھتے ہوں گے، راتوں کو قیام کرتے ہوں گے لیکن جب اُن کے لئے دنیا کی کوئی چیز ظاہر ہوتی تھی تو وہ اس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔

ایک اور وعظ جس میں دجال کا ذکر ہے:

نواس بن سمعان کلابی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا نہایت حقارت کے ساتھ ذکر کیا اور (اس کے خوارق کی) ساتھ ساتھ بڑائی بیان کی حتیٰ کہ ہمیں گمان گزرا کہ وہ یہاں کھجوروں کی اوٹ میں موجود ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر آگئے، پھر ہم آپ کے پاس گئے۔ ہم نے وہاں دجال کا خوف اور اثر محسوس کیا۔ آپ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ ہم بولے آپ نے کل دجال کا ذکر بڑی اہانت اور اس کے فتنوں کی شدت کے ساتھ کیا اور ہمیں تو گمان گزرا کہ وہ کھجوروں کی اوٹ میں ہے آپ نے فرمایا مجھے تمہارے لئے دجال کے بارہ میں زیادہ ڈر ہے، اگر وہ ظاہر ہوا اور میں بھی موجود ہوا تو میں حجت بن کر اُس کے سامنے پیش ہوں گا اور اگر اس کے ظہور کے وقت میں موجود نہ ہوا تو ہر شخص اپنی ذات کا ذمہ دار ہے۔ اور میری طرف سے اللہ تعالیٰ ہی ہر مسلمان کا نگہبان ہے، تحقیق دجال نوجوان ہو گا، گھونگھریالے بالوں والا۔ اس کی ایک آنکھ سلامت ہو گی اس کا لشکر شام اور عراق کے درمیان سے برآمد ہو گا پھر وہ دائیں بائیں سب کچھ تباہ کر دے گا۔

اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا! پس ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ کتنی مدت زمین پر قیام کرے گا؟ فرمایا چالیس دن لیکن اس کا ایک دن ایک سال کے برابر ہو گا، اور ایک دن ایک ماہ اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہو گا اور باقی دن تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے، ہم نے پوچھا اگر وہ دن ایک سال کے برابر ہو گا تو ہمارے لئے ایک دن اور رات کی نماز کافی ہو گی، فرمایا نہیں، بلکہ اوقات نماز کا اندازہ کر لینا، ہم نے عرض کیا کہ زمین میں اس کے چلنے کی کیا کیفیت ہو گی؟

فرمایا تیز بارش کی طرح کہ ہوا اس کے پیچھے رہ جاتی ہے پھر وہ ایک قوم کے پاس جائے گا اور انہیں اپنی طرف بلائے گا اور وہ لبیک کہے گی، پھر وہ آسمان کو حکم دے گا کہ وہ برسے اور زمین کو کہے گا کہ وہ اگائے، پھر اُن پر اُن کے جانور پھریں لمبی کوہان والے تھنے پھلائے ہوئے اور دودھ بھرے تھن والے، پھر اس کا گزر ایک اور قوم پر ہو گا وہ اسے دعوت دے گا لیکن وہ اس کی دعوت کو مسترد کر دے گی وہ پلٹ جائے گا اور اس کے تمام مال اموال اُس کے ساتھ ہو لیں گے اور صبح کو اُن کے پاس کچھ بھی نہ ہو گا، پھر وہ ایک ویرانے پر سے گزرے گا، اور اسے کہے گا اپنا خزانہ نکال باہر کر۔ جب وہ پلٹے گا تو تمام خزانہ شہد کی مکھیوں کے بادشاہ کی طرح اس کے ساتھ ہو گا، وہ ایک آدمی کو قتل کر دے گا، اور اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا، پھر اُسے بلائے گا تو وہ زندہ ہو کر اس کے سامنے آ جائے گا اس کا چہرہ دمک رہا ہو گا، فرمایا اس حال میں عیسیٰ بن مریمؑ مشرقی دمشق کے سفید مینار سے دو زرد کپڑوں میں ملبوس فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہوں گے، پھر آپ اسے تلاش کر کے لُدّ شرقی کے دروازے پر قتل کر دیں گے، اسی اثناء

ہیں اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائے گا، کہ میرے کچھ بندے ایسے ہیں جن میں اس کے ساتھ مقابلہ کی تاب نہیں آپ انہیں (کوہ) طور کی طرف لے جائیں، بعد ازاں اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج نکالے گا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے" کہ وہ ہر بلندی سے امڈ پڑیں گے"۔

تب عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب اللہ کی طرف متوجہ ہوں گے، پھر ان کی گردنوں میں ایک کیڑا نمودار ہوگا اور وہ صبح کو مرے ہوئے ملیں گے جیسے کہ ایک آدمی تھا اور مر گیا، پس عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی نیچے اتریں گے، اور انہیں زمین میں ایک بالشت بھر جگہ نہ ملے گی کہ جہاں ان کی چربی، بدبو اور خون نہ ہوگا، عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے تب اللہ تعالیٰ اونٹوں جیسی گردن والے پرندے بھیجے گا وہ انہیں اٹھا کر پھینک دیں گے بعد ازاں اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا کہ جسے اون کے خیمے اور مٹی کے گھر روک نہ سکیں گے چالیس دن لگاتار بارش رہے گی جس سے زمین دھل جائے گی اور آئینے کی طرح صاف ہو جائے گی، پھر زمین کو حکم دیا جائیگا کہ وہ اپنے پھل نکالے اور برکتیں لائے۔ آپ نے فرمایا ایک دن میں ایک پوری جماعت ایک انار کھائے گی اور اس کے چھلکوں کا سایہ کریں گے، ان کے دودھ میں برکت دی جائے گی حتیٰ کہ ایک اونٹنی ایک پوری جماعت کے لئے کافی ہوگی اور ایک قبیلے کے لئے ایک گائے اور ایک خاندان کے لئے ایک بکری کافی رہے گی، لوگ اس حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک خوشبو دار ہوا ان کی بغلوں کے نیچے بھیجے گا، جس سے ہر مسلمان کی روح قبض ہو جائے گی یا فرمایا ہر مومن کی! البتہ برے لوگ بچ رہیں گے جو سر عام گدھوں کی طرح زنا کریں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

عورتوں کے لئے ایک وعظ اور ان سے صدقات کی وصولی :

اسماء بنت یزیدؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ مسجد کے ایک کونے میں تشریف لائے جہاں اور دیگر عورتیں موجود تھیں آپ نے ان کا شور سنا پھر فرمایا اے عورتو! تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن بنیں گی میں نے جواب دیا، اور میں ذرا اس معاملہ میں بیباک ہوں اور پوچھا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا جب ملتا ہے تو شکر نہیں کرتیں اور جب نہیں ملتا تو صبر نہیں کرتیں۔ اگر تم سے کوئی چیز روک لی جائے تو تم شکوہ کرتی ہو اور اگر دیدی جائے تو ناشکری کرتی ہو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ محسنوں کی ناشکری کا کیا مطلب؟ آپ نے فرمایا ایک عورت کسی مرد کے پاس ہوتی ہے، دو تین بچے پیدا ہوتے ہیں لیکن پھر بھی کہتی ہے کہ مجھے تمہاری طرف سے کوئی آرام نہیں پہنچا۔

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں عید کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا آپؐ نے نماز پڑھی، خطبہ ارشاد فرمایا بعد ازاں آپ عورتوں کے پاس گئے انہیں وعظ و نصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ دینے کو کہا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا تم صدقہ دیا کرو کیونکہ تم میں سے اکثر دوزخی ہیں، عورتوں نے آپ سے کہا وہ کس لئے؟ فرمایا کیونکہ تم ناشکری کرتی ہو۔ عورتیں بولیں کیا ہم اللہ کی ناشکری کرتی ہیں فرمایا نہیں بلکہ اپنے خاوند کی! اگر تمہارے ساتھ زمانے بھر کی بھی نیکی کی جائے تو تم کہو گی میں نے تم سے کبھی سکھ نہیں پایا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ کانوں اور گلے کی طرف ہاتھ بڑھاتیں اور بالیاں کڑے اتار کر بلالؓ کے کپڑے میں ڈال دیتیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کبریٰ

عباس بن عبدالمطلبؓ روایت کرتے ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! قریش ایک جگہ پر اپنے حسب و نسب کا ذکر کر رہے تھے اور آپ کے متعلق انہوں نے کہا کہ گویا گھوڑے پر کھجور کا درخت ہے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے بہترین گروہ میں شامل فرمایا پھر بہترین قبیلے سے انتخاب فرمایا پھر بہترین گھر کا فرد بنایا، لہٰذا میری ذات بہتر اور میرا گھر بہتر ہے۔

انسؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اٹھائے جانے والے لوگوں میں سے میں سب سے پہلے اٹھوں گا اور پیش کیے جانے والے انسانوں کا خطیب ہوں گا، میں اس وقت خوشخبری سنانے والا ہوں گا جب لوگوں پر مایوسی طاری ہوگی، اس دن "لواء الحمد" میرے ہاتھ میں ہوگا، میں اللہ کے ہاں نبی آدم میں سب سے زیادہ مکرّم ہوں مگر اس پر فخر نہیں کرتا۔ میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر شق ہوگی، مجھے قیامت کے دن جنت کا لباس پہنایا جائے گا، پھر میں عرش کے دائیں طرف کھڑا رہوں گا اس جگہ پر میرے علاوہ کوئی بھی کھڑا نہیں ہوگا۔

مہر نبوت اور آپ پر بادلوں کے سایہ کرنے کا ذکر:

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اُن کے والد (ابوطالب) نے بتایا کہ ہم شام گئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے چند بوڑھے بھی ہمراہ تھے، جب وہ راستے میں ایک راہب کے پاس سے گزرے تو وہیں اتر پڑے اور اپنے کجاووں سے سامان اتار لیا، راہب ان کے پاس آیا، اس سے پہلے جب کبھی وہ ادھر سے گذرتے تو راہب کبھی ملنے نہیں آیا تھا، راہب اُن کے درمیان آیا اور آکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا یہ سیدالعالمین ہیں۔ یہ رسول رب العالمین ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، قریش کے بڑے بوڑھوں نے پوچھا تمہیں اس کا کیسے علم ہوا؟ بولا جب تم یہاں پہنچے تو درخت اور پتھر سجدے میں جھک گئے اور یہ بغیر کسی رسول کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور میں انہیں مُہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو کندھوں کے درمیان سیب کی طرح ایک غدہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ چرانے چلے گئے۔ راہب نے کہا انہیں کسی کو بھیج کر بلا لو، جب آپ آئے تو بادل نے آپ پر سایہ کر رکھا تھا، جب آپ لوگوں کے پاس پہنچے تو لوگ درخت کے سائے میں بیٹھے تھے جب آپ بیٹھے تو سایہ آپ کی طرف جھک آیا،

سائب بن یزید کہتے ہیں مجھے میری خالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں اور بولیں اے اللہ کے رسول! یہ میری بہن کا بچہ ہے اور یہ بیمار ہے آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی، آپ نے وضو فرمایا میں نے وضو کا غسالہ پیا اور آپ کی پُشت کے پیچھے آگیا مجھے آپ کے کندھوں کے درمیان مُہر نظر پڑی جس طرح چھپرکھٹ کا گھنڈ ہوتا ہے۔

جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان سرخ رنگ کا کبوتر کے انڈے کی طرح ایک غدہ دیکھا،

بادل کے سایہ کرنے کا ذکر:

بیان کیا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے اُونٹ

لے کر شام کے سفر پر نکلے تو انہوں نے اپنا غلام میسرہ آپ کے ساتھ کر دیا۔ آپ ایک درخت کے نیچے بحیرا نامی راہب کے حجرے کے پاس ٹھہرے بحیرا نے آپ کو دیکھا کہ آپ چلتے ہیں اور بادل سایہ کرتے ہیں، جس طرف آپ جاتے ہیں بادل بھی اس طرف جاتا ہے جب بحیرا نے یہ دیکھا تو زور سے پکار کر پوچھا تم کون ہو؟ میسرہ بولا میں خدیجہ کا غلام ہوں اور میرے ہمراہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں، ہم شام تجارت کی غرض سے جارہے ہیں، جب راہب نے یہ سنا اور آپ کو دیکھا تو آپ کا سر چوما اور میسرہ سے نظر بچا کر آپ کے پاؤں چومے اور کہا اے محمد! ذرا اپنے کندھے کھولئے، آپ نے کندھے کھولے تو آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت چمک رہی تھی، اس نے بوسہ دیا اور کہا میں آپ پر ایمان لایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ نبی امی جس کی بشارت عیسٰی بن مریم علیہ السلام نے دی اور انہوں نے فرمایا تھا کہ اس درخت کے نیچے میرے بعد سوائے نبیٔ ہاشمی عربی کے اور کوئی نہیں اترے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ خدیجہ بنت خویلد نے واپسی پر اپنے غلام میسرہ سے شام کا حال دریافت کیا تو اُس نے آپ کی سیرت سے انہیں آگاہ کیا اور کہا کہ آپ کے سر پر ہمیشہ بادلوں نے سایہ کئے رکھا۔

آپ کے چہرۂ اقدس کی نُورانیت کا ذکر :

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر حسین نہیں دیکھا یوں لگتا تھا کہ چہرے پر سورج کھیل رہا ہے۔

حسن بن علیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ہند بن ابی ہالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پوچھیں تو بولے کہ آپ عظیم المرتبت تھے، آپ کے چہرے پر نور چمکتا تھا۔

ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک تاریک رات میں جا رہا تھا آپ نے سینے پر سے اپنی چادر ہٹائی۔ آپ کے سینے سے چمک پیدا ہوئی اور اسی کی روشنی میں ہم نے راستہ طے کیا۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب آپ دھوپ میں باہر نکلتے تھے تو جسم اطہر کے منور ہونے کے باعث آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

اور یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور ان کی سوئی گم ہو گئی تھی۔ انہوں نے اس کا آپ سے ذکر کیا، آپ ہنس دیئے جس سے پورا گھر آپ کے دانتوں کے نور سے روشن ہو گیا اور انہوں نے اپنی سوئی ڈھونڈ لی۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں آپؐ کی عزت اور کتاب اللہ میں آپکی قدر و منزلت کی خصوصیت کا بیان :

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہر نبی کو اس کے نام سے "یا" کی ندا کے ساتھ پکارا لیکن آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح خطاب نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو خطاب کیا۔

یاآدم انبئھم باسمآئھم (البقرہ ۳۳) یاآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ (البقرہ: ۳۵)

حضرت نوحؑ کے لئے ارشاد ہے "یانوح اھبط بسلام منا برکت علیک وعلیٰ امم ممن معک (ہود: ۴۸) یانوح انہ لیس من اھلک (ہود: ۴۶)

حضرت ابراہیمؑ کو مخاطب فرمایا یا ابراھیم اعرض عن ھذا (ہود: ۷۶)

حضرت لوطؑ کے بارہ میں فرمایا یالوط انا رسل ربک (ہود: ۸۱)

حضرت شعیبؑ کے متعلق آتا ہے یاشعیب مانفقہ کثیرا مما تقول (ہود: ۹۱)

حضرت ہودؑ کو مخاطب کیا گیا یاہود ماجئتنا ببینۃ (ہود: ۵۳)

حضرت صالحؑ کو پکارا گیا یاصٰلح قدکنت فینا مرجوا قبل ھذا (ہود: ۶۲)

حضرت داؤدؑ سے خطاب فرمایا گیا یاداوٗد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض (ص: ۲۶)

حضرت موسیٰؑ کو اس طرح مخاطب کیا گیا یاموسیٰ انی اصطفیتک علی الناس برسالتی وبکلامی (الاعراف: ۱۴۴)

حضرت یوسفؑ کے متعلق خطاب اس طرح ہے یوسف ایھا الصدیق (یوسف ۴۶)

یوسف اعرض عن ھذا (یوسف: ۲۹)

حضرت عیسیٰؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا یاعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ (آل عمران: ۵۵

اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس انداز سے مخاطب فرمایا۔

یاایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدا ومبشرا ونذیرا الاحزاب: ۴۵)

ارشاد خداوندی ہے، یاایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک المؤمنین (الانفال، ۶۴)

یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین (التحریم: ۹) یاایھا النبی قل لازواجک (الاحزاب: ۲۸)

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (المائدہ: ۶۷)

اور یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ انبیاء کرام کے ذکر میں آپ کا نام مقدم رکھا گیا جب انبیاء کرام سے میثاق لیا گیا "اور جب ہم نے انبیاء سے اور آپ سے میثاق لیا، نوحؑ سے، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم (علیہم السلام) سے میثاق لیا" (الاحزاب: ۷)

ابوہریرہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پیدائش کے اعتبار سے تمام انبیاء سے پہلے اور بعثت میں سب کے بعد ہوں اور اس طرح ارشاد خداوندی ہے۔

"جب ہم نے انبیاء اور آپ سے میثاق لیا اور نوح اور ابراہیم علیہما السلام سے" (الآیہ)

یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی قرآن مجید میں آپ کا ذکر کیا تو نبوت اور رسالت کی صفات کے ساتھ ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے رفقاء کافروں پر سخت اور اپنوں کے لئے نرم دل ہیں" (الفتح ۲۹)

ارشاد ہوا "محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے پہلے بھی کئی رسول ہو گزرے ہیں" (آلِ عمران: ۱۴۴)
ارشاد خداوندی ہے "محمد تم میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں" (الاحزاب: ۴۰)
ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور وہ بشارت دینے والا ہے ایک رسول کہ میرے بعد احمد نام کے رسول آئیں گے (الصف: ۶)
یہ بھی آپ کی تعظیم و تکریم کا ایک پہلو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کے تمام اعضاء کا ذکر فرمایا ہے۔
ارشاد ہوا "تم ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھو" (الحج: ۸۲)
اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ بار بار نگاہ اٹھا کر دیکھیے (کارخانہ قدرت میں) کہیں بھی جھول نظر نہیں آئے گی (الملک: ۳)
اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "اور ہم دیکھ رہے تھے آپ کا آسمان کی طرف بار بار چہرہ اٹھانا" (البقرہ: ۱۴۴)
اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے (القیامہ: ۱۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کہتے ہیں کہ یہ تو نرا کان ہے آپ کہیئے کہ یہ کان بھی تمہارے بھلے میں ہے" (التوبہ: ۶۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ اپنے ہاتھوں کو گردن سے نہ باندھ لیں" (بنی اسرائیل: ۲۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا" (الم نشرح: ۱) آگے چل کر فرمایا" (وہ بوجھ کہ جس سے آپ کی کمر دہری ہو رہی تھی" (الم نشرح: ۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا "روح الامین نے اسے آپ کے دل پر اتارا" (الشعراء: ۱۹۳، ۱۹۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ان کے دل نے اُسے جھوٹ نہ جانا جو کچھ کہ دیکھا" (النجم: ۱۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا "طٰہٰ، ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں" (طٰہٰ: ۱-۲)
پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجود مسعود کا ذکر فرمایا "آپ تو اپنا جسم گھلا دیں گے کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے" (الشعراء ۳)
اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی یہ تعظیم و تکریم بھی ہوئی کہ زلفوں کی سیاہی اور رنگ کی سفیدی کی قسم کھائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قسم ہے دوپہر کی اور رات کی جب چھا جاتی ہے" (الضحیٰ: ۱)
آپ کے قدموں کی جگہ کی قسم کھائی گئی ہے، ارشاد باری ہے "قسم ہے اس شہر کی کہ اس شہر میں آپ رہتے ہیں (البلد: ۱، ۲)
اس کا مطلب آپ کے شہر کی قسم ہے، آپ کی انسانیت کی قسم کھائی گئی،
ارشاد ہوا "اے سردار، قرآن حکیم کی قسم" (یٰسین: ۱، ۲) آپ کی زندگی کی قسم کھائی گئی "قسم ہے آپ کی زندگی کی یہ گمراہی میں بھٹک رہے ہیں" (الحجر: ۷۲)
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی آپ کو ٹوکنا چاہا تو اس سے پہلے لطف آمیز الفاظ استعمال فرماتے فرمایا گیا "اللہ آپ سے درگزر کرے آپ نے انہیں کیوں اجازت دی" (التوبہ: ۴۳)
کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صریح انداز اور اشاروں کنایوں میں کوئی چار ہزار مقامات پر آپ کی عظمت اور فضیلت بیان فرمائی ہے،

- آپ کی اس خصوصیت کا ذکر کہ اللہ تعالیٰ نے اُمت کو آپ کی تعظیم اور آپ سے محبت کرنے کا مکلف ٹھہرایا ہے،

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تم اس کی مدد کرو، اس کی عزت بجالاؤ اور صبح و شام حمد و تسبیح کیا کرو" (الفتح: ۹)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے ایمان والو، تم اپنی آوازوں کو رسول کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ اُن کے ساتھ اس طرح زور سے بات کرو جیسے ایک دوسرے سے کرتے ہو ورنہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا (الحجرات ۲۰)

بتایا جاتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا اے اللہ کے رسول اب میں ہمیشہ آپ سے آہستہ بات کیا کروں گا۔ اس آیت کے نزول کے بعد اگر کوئی آپ کو زور سے پکارتا تو آپ بھی زور سے اُسے جواب دیتے تاکہ امت اس آیت کی مصداق نہ بنے اور اس کے اعمال اس کی بے خبری ہی میں ضبط کر لئے جائیں۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت امت پر واجب کر دی اور آنحضورؐ نے بھی فرمایا ہے "تم میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنے اہل و عیال، مال، جان اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ رکھے"۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دن کہا اے اللہ کے رسول، قسم بخدا آپ مجھے اپنے اہل و عیال، مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں، آپ نے اُن سے فرمایا نہیں بلکہ اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھ پھر فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے اہل و عیال، مال، جان اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جانے، عمرؓ بولے یا رسول اللہ اب جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

- آپ کی اس خصوصیت کا ذکر کہ اللہ تعالیٰ نے امت پر ہر فرض اور سنت نماز میں آپ پر درود پڑھنا لازم قرار دیدیا ہے ارشادِ خداوندی ہے "بلاشبہ اللہ اس کے فرشتے اپنے نبی پر درود بھیجتے ہیں سوائے اہل ایمان تم بھی درود و سلام بھیجو۔

ام الحسن اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ آپ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان دیکھا ہے؟ "یا ایھا الذین آمنو صلوا علیہ و سلمو تسلیما"، آپ نے فرمایا یہ پوشیدہ علم ہے اگر تم پوچھنا چاہو تو میں تمہیں آگاہ کر سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے مقرر کر رکھے ہیں کہ جب کہیں میرا ذکر ہوتا ہے اور مجھ پر جو شخص درود پڑھتا ہے تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں، "اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے" اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتے اس پر "آمین" کہتے ہیں، اور جب کہیں میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ پڑھا جائے تو وہی دونوں فرشتے کہتے ہیں "خدا تمہیں نہ بخشے" اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتے اس پر "آمین" کہتے ہیں۔

ابو حمید ساعدیؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آپ پر درود کس طرح پڑھا جائے آپ نے فرمایا یوں پڑھا جائے "اللھم صلی علیٰ محمد و علیٰ ازواجہ و ذریتہ کما صلیت علیٰ ابراھیم و بارک علیٰ محمد کما بارکت علیٰ آلِ ابراھیم"

ایک اور روایت میں ہے آپ نے فرمایا یوں پڑھا کرو "اللھم صلی علیٰ محمد و علیٰ اھل بیتہٖ و ازواجہ و ذریتہ کما صلیت علیٰ ابراھیم انک حمید مجید و بارک علیٰ محمد و علیٰ اھل بیتہٖ و ازواجہ و ذریتہ کما بارکت علیٰ آلِ ابراھیم انک حمید مجید۔

- آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ دور اور نزدیک سے برابر سُن لیتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل کی آواز سن لیتے تھے جب وہ سدرۃ المنتہیٰ سے روانہ ہوتے اور آپ وہ خوشبو سونگھ لیتے جب جبریل وحی لے کر آپ کی طرف آنا چاہتے تھے، آپ پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھ لیتے تھے جس طرح سامنے سے اور دائیں اور بائیں سے، اور آپ وہ کچھ دیکھ لیتے تھے جو تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ سن لیتے تھے جو تم نہیں سن سکتے۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے جب نماز کے لئے اقامت کہی جا چکی تھی آپ نے فرمایا اپنی صفیں درست کر لو اور قریب قریب ہو کر کھڑے ہوا کرو، کیونکہ میں تمہیں پیٹھ پیچھے بھی دیکھتا ہوں، ایک اور روایت میں ہے میں پیٹھ پیچھے ویسے دیکھتا ہوں جیسا کہ سامنے سے دیکھتا ہوں،

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چرچراتا ہے اور اُسے چرچرانا چاہیئے کہ اس میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں کہ جہاں فرشتہ تسبیح میں مشغول نہ ہو ایک اور روایت میں ہے کہ فرشتے نے اپنی پیشانی نہ جھکا رکھی ہو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کو دیکھتے تھے اُن کی باتیں سنتے تھے لیکن دوسرے لوگ نہیں دیکھ پاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خصوصیت سے نوازا کہ آپ کی اطاعت امت پر ہر حال میں فرض ہے۔ ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے اور آپ کا ہر حکم ماننا خواہ لوگ اُسے مفید سمجھیں یا مضر، یہاں تک کہ آپ کی اطاعت اس درجہ لوگوں کے لئے لازم ہے کہ اگر آپ اُن سے کہیں" اپنی جانوں کو قتل کر دو، اپنی اولاد کو آگ میں جلا ڈالو اور انہیں مار ڈالو" تو اس کی اطاعت واجب ہے۔

اللہ سبحان و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو" (آل عمران : ۱۳۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "تم اُن کی اطاعت کرو راہ یاب ہو جاؤ گے"۔ (النور : ۵۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ (الحشر : ۷)

اللہ تعالیٰ نے آپ کے احکام کی خلاف ورزی پر سخت تنبیہ اور وعید فرمائی ہے، ارشاد باری ہے۔

"جو لوگ آپ کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیئے کہ کہیں وہ فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں اور ان پر عذاب نہ نازل ہو جائے"۔ (النور : ۶۳)

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا، آپ اپنے بعد کسی کو مقرر فرما جائیں جو ہمیں امر و نہی کی تعلیم دے ہمیں نہیں معلوم کہ آپ کے بعد کون ہوگا؟

آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو مقرر کر جاؤں اور وہ تمہیں اللہ کی اطاعت کا حکم دے اور تم اس کی بات نہ مانو، تو اس کی نافرمانی میری نافرمانی شمار ہوگی اور نافرمانی اللہ کی نافرمانی بن جائے گی اور اگر وہ تمہیں اللہ کی نافرمانی کرنے کو کہے اور تم ایسا کرو تو یہ بات قیامت کے دن تمہارے لئے ایک حجت بن جائے گی لہٰذا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے حکم کی تعمیل امت پر ہر حال میں واجب قرار دے دی ہے، خواہ وہ انہیں پسند ہو یا ناگوار گزرے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ زبیر بن عوامؓ اور ایک انصاری کے درمیان حرہ کے ندی کے متعلق جھگڑا پیدا ہو گیا وہ دونوں اس سے زمین سیراب کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے فرمایا تم اپنی زمین سینچ لیا کرو اور پھر اپنے ہمسائے کے لئے اُسے چھوڑ دو، انصاری بولا اے اللہ کے رسول آپ یہ فیصلہ اس لئے کر رہے ہیں کہ وہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں، آپ اس پر ناراض ہوئے حتیٰ کہ آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا پھر فرمایا اے زبیر، تم پانی پلالو، پھر اُسے روک لیا کرو تا آنکہ پانی کھیت کی دیوار تک پہنچ جائے اور پھر اپنے ہمسائے کے لئے چھوڑ دیا کرو۔

پہلے فیصلے میں آپ نے حق کو ملحوظ رکھتے ہوئے زبیرؓ کے حق میں فیصلہ فرمایا اور اس میں انصاری کی دلجوئی کو ملحوظ رکھا، لیکن اس پر انصاری خوش نہ ہوا تو آپ نے کھرا اور بے لاگ فیصلہ فرمایا، جب اس پر انصاری نے دل میں تنگی محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"قسم ہے تیرے ربّ کی یہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کے فیصلوں کو دل میں تنگی محسوس کئے بغیر تسلیم نہ کریں اور جیسا کہ تسلیم کرنا چاہیے (النساء ، ۶۵)

اطاعت کے اس وجوب اور احکام کو بخوشی قبول کرنے کو ہر حال میں لازم قرار دے دیا گیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے "کسی مومن اور مومنہ کے لئے اختیار باقی نہیں رہتا کہ جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول فیصلہ فرما دیں" (الاحزاب ۳۶)

آپ کی یہ خصوصیت کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوشی اور غصے دونوں حالتوں میں خطاء سے محفوظ فرمایا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا ہم مسرت اور غم دونوں حالتوں میں آپ کی باتیں لکھ لیا کریں، آپ نے فرمایا ہاں جو میں کہوں وہ لکھ لیا کرو میں خوشی اور غم میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرو تو یقین جانو کہ آپ بالکل صاف ستھری اور صحیح بات کہنے والے ہیں اگر کوئی یہ گمان کرے کہ آپ خوشی اور غصے کی حالت میں ہٹ جاتے تھے تو وہ کفر کا مرتکب ہو گا۔

حتیٰ کہ آپ خوش طبعی بھی فرماتے تو اس میں بھی حق کو ملحوظ رکھتے تھے، کیونکہ یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ نہ تو خواہشات کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ ہی آپ اپنی خواہش سے کلام کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کے اقوال بجائے خود حجت اور آپ کے اعمال لائقِ حجت ہیں، ارشاد خداوندی ہے "یہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، بلکہ جو کچھ ہوتا ہے وحی ہے" (النجم : ۳-۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تم اُن کی پیروی کرو ہدایت پاؤ گے" (النور : ۵۴) مزید ارشاد ہوا "تم اس کی پیروی کرو امید ہے کہ راہ یاب ہو جاؤ گے" (الاعراف : ۱۵۸)

آپ کے کلام کا حکم اللہ کے کلام جیسا ہے۔

آپ کا کلام اللہ تعالیٰ کے کلام کی عمومیت کی تخصیص کرتا ہے، کلام الہٰی کے اجمال کی تفصیل بیان کرتا ہے اور اس کے مشکل مضامین کی تشریح کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تم عورتوں کو گھروں میں بند کر دو حتیٰ کہ انہیں موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راستہ نکال دے" (النساء : ۱۵)

آپ نے فرمایا مجھ سے سمجھو، مجھ سے حاصل کرو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے راستہ نکال دیا کہ اگر غیر شادی شدہ عورت و مرد زنا کریں تو

سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ جوڑا اس فعل کا ارتکاب کرے تو سنگساری کی سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو"۔

آپ نے اپنے قول اور فعل سے اس کی تفصیل بیان فرمائی اس طرح زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خصوصیت سے نوازا کہ آپ اپنی امت پر رحم و لطف فرمائیں، ان کے حق میں دعا کریں اور ان سے مشورے طلب فرمائیں۔ ارشاد ہوا "آپ ان سے درگزر فرمایئے ان کے لئے بخشش کی دعا کیجیے، اور انہیں اپنے مشوروں میں شامل فرمایئے" (آل عمران: ۱۵۹) اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر لازم فرمایا ہے کہ آپ برائی کے مقابلہ میں حسن کارانہ انداز اختیار فرمائیں، ارشاد خداوندی ہے "آپ اس کی برائی کو اچھے طریقے سے ٹال دیں" (المومنون: ۹۶)

آپؐ کے مختلف اعضاء شریفہ کی خصوصیت :

بیان کیا جاتا ہے آپؐ کے بال مبارک آگ میں ڈالے جائیں تو وہ نہیں جلتے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ خیبر کی جنگ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلوایا اور اس وقت حضرت علی کو آشوب چشم کی تکلیف تھی، آپ نے اپنا لعاب دہن آنکھوں پر ملا اور وہ اسی وقت ٹھیک ہوگئیں

آپ کے لعاب دہن کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ آپ اگر اسے کھاری پانی میں ڈالتے تو وہ فوراً میٹھا ہو جاتا۔ آپؐ کی انگلیوں کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ نے مشک میں اپنا ہاتھ ڈالا تو انگلیوں سے پانی کے فوارے ابل پڑے حتیٰ کہ چودہ سو افراد نے پانی پیا جانوروں نے بھی پانی پیا اور جو بچ رہا اُسے پورے لشکر میں تقسیم کر دیا گیا، آپ کی ہتھیلی کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ اُسے کسی مریض پر پھیرتے تو فی الفور شفایاب ہو جاتا، ایک گنجے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا تو فوراً بال اُگ آئے اسی طرح ٹُنڈ مُنڈ درختوں پر ہاتھ پھیرا تو انہیں پھل لگ گئے،

آپ کی شہادت کی انگلی دوسری انگلیوں سے نسبتاً بڑی تھی آپ اُس سے جس طرف اشارہ فرماتے وہ چیز آپ کی اطاعت کرتی، آپ نے چاند کی طرف اشارہ کیا وہ پھٹ پڑا، درخت کی طرف اشارہ کیا وہ چلا آیا اور بتوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ گر پڑے۔

آپ کے پاؤں کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ پتھر پر رکھتے تو وہاں نشان پڑ جاتا، کسی گھر میں قدم رنجہ فرماتے تو برکتوں کا نزول ہوتا اور وہاں کے لوگ ہلاکت سے بچ جاتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اللہ انہیں ہرگز عذاب میں مبتلا نہ کرے گا جب تک کہ آپ ان میں تشریف فرما ہیں" (الانفال: ۳۳)

آپ کا پسینہ اچھی سے اچھی خوشبو سے زیادہ خوشبودار تھا،

انسؓ کہتے ہیں جب میں ایک اندھیری رات میں آپ سے ملا تو آپ کے چلے جانے کے بعد اس راستے میں آپ کی خوشبو سے آپ کا پتہ چلا،

آپ کے جسم اقدس کی خصوصیت ہے کہ جس مسلمان سے آپ کا جسم اطہر لگ جائے تو اسے دوزخ کی آگ کبھی نہیں چھوئے گی، اور یہ بھی آپ کے جسم اطہر کی خصوصیت ہے کہ آپ کے جسم پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی اور نہ ہی آپ کا سایہ کبھی زمین پر پڑا۔

آپ کی ذات اقدس کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو چالیس انبیاء کے برابر قوت حاصل تھی اور ہر نبی کو چالیس اولیاء کے برابر

قوت حاصل ہوتی ہے اور ہر ولی کی قوت چالیس مسلمانوں کے برابر ہوتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ہاتھ میں ایک رومال تھا، آپ نے اس سے اپنے ہاتھ اور چہرہ پونچھا اور پھر اُسے آگ میں ڈال دیا گیا تو وہ نہیں جلا، پھر اُسے آپ نے ابوہریرہؓ کو عطا فرما دیا جب وہ میلا جاتا تو ابوہریرہؓ اُسے آگ میں ڈال دیتے، وہ صاف ہو جاتا اور میل کچیل نکل جاتی۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت تھی کہ آپ کسی بھی سواری پر تشریف فرما ہوتے خواہ وہ کتنی ہی سست کیوں نہ ہوتی تیز دوڑنے لگتی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ابوطلحہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور وہ بہت سست رَو تھا، آپ سے کہا گیا کہ یہ بہت سست رفتار ہے۔ آپ نے اسے ایڑ لگا کر دوڑایا اور وہ دوڑا، جب آپ واپس آئے تو فرمایا ہم نے تو اسے بہت تیز رفتار پایا۔

اور یہ بھی آپ کی خصوصیت تھی کہ جب آپ کسی سواری پر سوار ہوتے اور وادی کا سفر درپیش ہوتا تو سواری کے اگلے پاؤں بڑے ہو جاتے اور پچھلے چھوٹے ہو جاتے اور جب پہاڑ نظر آتا تو اس کے اگلے پاؤں چھوٹے ہو جاتے اور پچھلے پاؤں بڑے ہو جاتے۔

آپ کی نیند کی خصوصیت کا ذکر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی تھیں مگر دل جاگتا رہتا تھا۔ آپ کا ارشاد ہے۔ میری آنکھیں سوتی اور دل جاگتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ دو فرشتے آپ کے پاس آئے اور آپ اس وقت آرام فرما تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کیا آپ سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں، تو دوسرے نے کہا آپ کی آنکھ سو رہی ہے مگر دل جاگ رہا ہے۔

آپ کی نیند کی ایک خصوصیت یہ بھی کہ آپ کو اس دوران کبھی احتلام نہیں ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوتا، مطلب یہ ہے کہ نبی پر احتلام سے کبھی حالتِ جنب طاری نہیں ہوتی۔

آپ کا ارشاد ہے جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے صحیح دیکھا ہے کیونکہ شیطان کبھی میری شکل اختیار نہیں کر سکتا۔

رسول اللہؐ کی تمام انبیاء پر فضیلت

ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن بنی آدم کا سردار ہوں گا لیکن اس پر فخر نہیں کرتا، میرے ہاتھ میں "لواء الحمد" ہو گا۔ بایں ہمہ مجھے فخر نہیں، تمام انبیاء قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میری ہی قبر سب سے پہلے کھلے گی مگر فخر نہیں کرتا۔

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کچھ اصحابِ رسول بیٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے، پس آپ تشریف لائے جب آپ اُن کے نزدیک پہنچے تو وہ بحث کر رہے تھے آپ نے اُن کی بات سنی کچھ کہہ رہے تھے، کیا کہنے حضرت ابراہیمؑ کے کہ انہیں مخلوق میں سے خلیل بنایا گیا۔ دوسرا بولا اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو خصوصی کلام سے نوازا گیا، ایک اور بولا حضرت عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، آپ اُن کے پاس آئے اور فرمایا میں نے تمہاری باتیں بھی سنیں اور تمہارا اظہارِ تعجب بھی دیکھا، بلاشبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور واقع میں ایسے ہیں، حضرت موسیٰ نجی اللہ ہیں اور یقیناً ایسے ہیں، آگاہ ہو کہ میں "حبیب اللہ" ہوں تاہم کسی فخر میں مبتلا نہیں ہوں

قیامت کے دن میں لواء الحمد اٹھانے والا ہوں گا لیکن کسی فخر کی ضرورت نہیں میں قیامت کے دن سب سے پہلا شفاعت کرنیوالا اور شفاعت قبول کیا جانیوالا ہوں مگر اظہارِ فخر نہیں کرتا۔ میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں۔ البتہ فخر نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیم سے حضرت اسماعیل کو اور اولادِ اسماعیل سے بنو کنانہ کو منتخب کیا، فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے پیروکار ہوں گے، میں ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا، فرمایا میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازہ کھولوں گا۔ دربان پوچھے گا تم کون ہو؟ میں کہوں گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہے گا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ سے پہلے کسی کے لئے دروازہ نہ کھولوں، آپ نے فرمایا میری اور دوسرے انبیاء کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی نے اچھا محل بنایا ہو، اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رکھ دی ہو، دیکھنے والے محل کی عمارت سے تو متاثر ہوتے تھے لیکن ایک اینٹ کی خالی جگہ پر متعجب! پس میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم الانبیاء ہوں اور فرمایا پانچ چیزیں مجھے ایسی عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں، ایک ماہ کے فاصلے تک مجھے رعب سے مدد دی گئی، میرے لئے پوری زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے، میرے لئے مالِ غنیمت کو حلال قرار دیا گیا، اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے جائز نہیں تھا۔ مجھے شفاعت کی خصوصیت بخشی گئی اور ہر نبی اپنی قوم کے لئے بطور خاص مبعوث ہوا اور مجھے تمام انسانوں کے لئے مبعوث کیا گیا۔

ابی بن کعبؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو میں انبیاء کا امام اور اُن کا خطیب ہوں گا۔ شفاعت کا حامل بھی ہوں گا لیکن فخر نہیں کرتا۔

ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا انبیاء میں سے ایک دوست ہوگا میرے دوست میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور میرا خلیل میرا رب ہے۔ پھر آپ نے پڑھا "لوگوں میں سے حضرت ابراہیمؑ کے نزدیک تر وہ ہیں جو اُن کی پیروی کرتے ہیں اور اس رسول کی" (آل عمران: ۶۸)

جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے بہترین اخلاق اور اچھے کردار کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔

امتہ محمدیہ کی تمام امتوں پر فضیلت

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے ایک قیراط معاوضے پر آدھے دن تک مزدوری پر لگایا گیا تو یہود نے کام کیا، پھر فرمایا ایک اور شخص کو ایک قیراط پر عصر تک کام پر لگایا گیا تو نصرانیوں نے کام کیا، پھر فرمایا کسی کو رات تک دو قیراط پر کام دیا گیا سو تم نے وہ کام کیا اور تمہیں دوہرا معاوضہ ملا، یہود بولے یہ کیا کہ ہم کام زیادہ کریں اور اُجرت تھوڑی پائیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا معاوضہ کی ادائیگی میں تم سے کوئی زیادتی ہوئی، وہ کہیں گے نہیں تو فرمایا یہ تو میرا فضل ہے جسے چاہوں عطا کروں۔

سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب و کتاب کے

جنت میں جائیں گے، یا فرمایا سات سو ہزار افراد،

بیان کیا جاتا ہے کہ عمر بن خطابؓ کا کسی یہودی پر قرض تھا آپ اس سے ملے اور فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے ابوالقاسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں پر فضیلت بخشی، آج میں تمہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا اور مطلوبہ چیز لے کر رہوں گا۔ یہودی بولا اللہ تعالیٰ نے ابوالقاسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بنی نوع انسان پر فوقیت نہیں دی۔ حضرت عمرؓ نے ہاتھ اٹھا کر یہودی کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ یہودی نے کہا اب میرا اور تمہارا فیصلہ ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کریں گے، یہودی نے کہا اے ابوالقاسم عمرؓ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انسانوں پر فضیلت بخشی ہے اور میں کہتا ہوں کہ آپ کو تمام انسانوں پر فضیلت نہیں دی گئی تو انہوں نے مجھے طمانچہ رسید کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرؓ کیا واقعی ایسا ہے؟ تم اسے اپنے تھپڑ مارنے کے متعلق راضی کرو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے یہودی آدم صفی اللہ ہیں، ابراہیم خلیل اللہ ہیں، موسیٰ کلیم اللہ ہیں، عیسیٰ روح اللہ ہیں، اور میں حبیب اللہ ہوں، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں جن سے میری امت کو نوازا گیا،

اللہ تعالیٰ کا اپنا نام "سلام" ہے اور میری اُمت کو "مسلمین" سے موسوم فرمایا اس کا نام "مومن" ہے اور میری اُمت کا نام "مومنین" ہے اور ہاں اے یہودی! تم نے ایک دن مانگا اور ہمیں "جمعہ" کا دن دیا گیا پس آج کا دن ہمارا، کل کا تمہارا اور اس سے بعد کا نصرانیوں کا ہے۔ (اسی طرح) تم قیامت کے دن پیچھے اور ہم پہلے ہوں گے،

اور ہاں اے یہودی! بلاشبہ جنت تمام پر حرام ہو گی جب تک کہ میں اس میں داخل نہیں ہوں گا۔ اسی طرح تمام اُمتوں پر جنت حرام ہو گی جب تک کہ میری امت اس میں داخل نہ ہو گی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے کہا، بے شک اللہ تعالیٰ نے امۃ محمدیہ (علیہ الثنا والتحیہ) کو چار خوبیاں عطا کی ہیں جو مجھے نہیں ملیں، پہلی یہ کہ میری توبہ مکہ میں جا کر قبول ہوئی اور اُمت محمدیہ کسی بھی جگہ توبہ کرے تو قبول کر لی جاتی ہے، دوسری یہ کہ میں بباس میں تھا جب مجھ سے لغزش ہوئی اور شجر ممنوعہ کھا بیٹھا تو مجھے لباس سے محروم کر دیا گیا اور اُمت محمدیہ گناہ بھی کرے گی لیکن اسے لباس بھی میسر رہے گا (تیسری یہ کہ) مجھ سے لغزش ہوئی تو مجھ سے میری عورت حوا الگ کر دی گئی۔

امت محمدیہ گناہ کرے گی لیکن اُن کی عورتیں ان سے جدا نہیں کی جائیں گی (چوتھی یہ کہ) مجھ سے جنت میں لغزش ہوئی اور مجھے جنت سے نکال دیا گیا اور اُمت محمدیہ جنت سے باہر غلطیاں کرے گی لیکن اسے پھر بھی جنت میں داخل کیا جائے گا۔

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے نوح علیہ السلام اور اُن کی اُمت کو بلایا جائے گا پھر اُن سے کہا جائے گا کہ آپ نے وہ کچھ پہنچا دیا جو آپ کو دیا گیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر اُمت سے کہا جائیگا کیا نوحؑ نے حقِ تبلیغ ادا کیا، وہ کہیں گے نہیں، ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا اور نہ ہی آپ کا پیغام ہم تک پہنچایا گیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوحؑ سے فرمائے گا، یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے ان تک میرا پیغام نہیں پہنچایا۔ کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے؟ نوحؑ کہیں گے ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کون؟

نوح علیہ السلام کہیں گے اُمت محمدیہ (علیہ الثنا والتحیہ) پھر اُس سے پوچھا جائے گا۔ اُمت محمدیہ کہے گی کہ ہاں نوح علیہ

السلام اپنی قوم کے پاس آئے، قوم نوح کہے گی تم ہم پر کیسے گواہ بن سکتے ہو جبکہ ہم پہلے تھے اور تم بعد میں آئے؟ اُمت محمدیہ کہے گی اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اپنا رسول بھیجا اور ہم پر کتاب نازل کی اور اس میں تمہارے واقعات بھی تھے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے "اور ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو" (البقرہ ۱۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت "اُمۃ مرحومہ" ہے اس پر قیامت کے دن عذاب نہ ہوگا۔ ان پر دنیا میں عذاب از قسم قتل وغیرہ ہی کافی ہے۔

حضورؐ کی حاضر جوابی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب آیت اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ اَنْتُمْ لَھَا وَارِدُوْنَ o
(تم بھی اور اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے رہے ہو جہنم کا ایندھن بننے والے ہو۔ تم سب اُس میں جانے والے ہو۔ سورۃ الانبیاء ۹۸)
نازل ہوئی تو عبداللہ[1] ابن الزبعری قریش کے پاس آیا اور ان سے کہا :

"اے قریش! آج میں محمد سے بحث کروں گا کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر یہ کیوں نازل ہوا ہے؟"

یہ کہہ کر وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا :

"اے محمدؐ! کیا تمہیں یہ یقین نہیں ہے کہ تم پر اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ اَنْتُمْ لَھَا وَارِدُوْنَ ؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلا شک مجھ پر نازل ہوئی ہے۔"

زبعری نے کہا "مشرکین نے فرشتوں کی عبادت کی انصاریٰ نے حضرت عیسٰی (علیہ السلام) کی عبادت کی اور یہود نے حضرت عزیر (علیہ السلام) کی عبادت کی۔ تمہارے خیال کے مطابق یہ دونوں تمہاری طرح نبی ہیں۔ یہ دونوں بھی ہمارے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے؟"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً جواب دیا "ارے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ "ما" غیر ذی عقل اشیا کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور "من" ذی عقل کے لئے۔ اللہ تعالیٰ تو کہہ رہا ہے "اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ" (یعنی تم اور اللہ کے سوا جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو) اگر الفاظ "اِنَّکُمْ وَمَنْ" ہوتے تو پھر وہ صورت ہوتی جو تم سمجھ رہے ہو" یہ سن کر وہ خاموش اور لاجواب ہو گیا۔

ایک مرتبہ اُبی ابن خلف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس کے پاس دو ہڈیاں تھیں جو بوسیدہ ہو کر بھربھری ہو چکی تھیں۔ اُس نے انہیں مروڑ کر راکھ بنا دیا اور ہوا میں پھینک دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا: "اے محمدؐ! تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد گل سڑ کر راکھ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ تم تو وہ بات کہہ رہے ہو جو آج تک کسی نے نہیں کہی۔ تم نے بہت عجیب بات کہہ دی ہے۔ آخر اس ہڈی کو کون زندہ کرے گا جبکہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانِ وحی سے فوراً جواب دیا :

---

[1] قریش کے انتہائی زیرک لوگوں میں سے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لے آئے (مترجم)

"یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۙ (اُسے وہ زندہ کرے گا جس نے اُسے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر چیز کی پیدائش سے اچھی طرح باخبر ہے"

نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور تعبیرِ خواب :

حضرت سمرۃ بن جندب روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر ادا فرما لیتے تو اپنے اصحاب سے فرماتے:۔ "تم میں سے جس نے کوئی خواب دیکھا ہو وہ بیان کرے" لوگ ماشاء اللہ بیان کرتے اور رسول اللہؐ فرماتے: "نبوت میں سے اب صرف مبشرات ہی باقی رہ گئی ہیں" لوگوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! یہ مبشرات کیا ہیں ؟"

آپ نے فرمایا: "نیک خواب جو مومن دیکھتا ہے یا اُسے دکھایا جاتا ہے"۔

یہی واقعہ حضرت انسؓ بن مالک نے یوں روایت فرمایا ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اب رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔ میرے بعد اب نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہ بات لوگوں پر کچھ شاق گذری۔ اس پر آں حضورؐ نے فرمایا: " لیکن مبشرات ہوں گے" لوگوں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسولؐ! یہ مبشرات کیا ہیں؟" آپ نے فرمایا: "مسلمان کا خواب اور یہ نبوت کے اجزاء میں سے ہی ایک جزء ہے"۔

خواب کی تعبیر

حضرت انسؓ ابن مالک روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خواب میں کنیتیں بھی ہوتی ہیں اور نام بھی۔ سو تم کنیتوں سے اشارے سمجھ لو اور ناموں سے تعبیریں لو" جو شخص آپ کے سامنے کوئی خواب بیان کرتا آپؐ اسے کہتے "جو کچھ تم نے دیکھا ہے خیر ہے۔ تجھے خیر ہی دکھایا گیا ہے اور جو ہو گا۔ وہ خیر ہی گا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں: "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک درخت کے نیچے سایے میں بیٹھا ہوں میرے پاس کاغذ اور دوات ہے اور میں سورت کے آغاز سے لکھ رہا ہوں جب میں آیت السجدہ پر پہنچا تو کاغذ دوات اور درخت نے سجدہ کیا۔ میں نے انھیں سجدہ میں یہ کہتے سنا۔ اَللّٰهُمَّ احْطُطْ بِهَا وِزْرًا وَاحْدِثْ بِهَا شُكْرًا وَاعْظِمْ بِهَا اَجْرًا۔ اے اللہ تو اس کے ذریعے بوجھ اُتار دے شکر ادا کرنے کے لیے محفوظ رکھ اور اس کی وجہ سے بہت بڑا اجر عطا فرما۔ ابو موسیٰؓ کہتے ہیں میں بھی انہی کی طرح سجدہ میں گر گیا۔ جب میں جاگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا آپ کو سنایا۔ آپ نے فرمایا: "تم نے بھلائی دیکھی۔ بھلائی ہی ہو گی۔ تم سو گئے اور تمہاری آنکھ بھی نہیں کی نیند سو گئی"۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خواب دراصل دل کی بات ہے یا شیطان کا ڈراوا یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت۔ لہٰذا جو شخص ایسی چیز دیکھے جو اُسے ناپسند ہو تو اُسے دوسروں سے اس کا ذکر نہیں

کرنا چاہیے۔ بلکہ اٹھ کر نوافل پڑھنے چاہئیں"۔

و ——— حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا "میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر کاٹ دیا گیا ہے"۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا کہ "جب خواب میں شیطان تم میں سے کسی کے ساتھ تلعب کرے تو اُسے دوسروں کے پاس اس کا ذکر نہیں کرنا چاہیے"۔

و ——— حضرت ابن زمل جہنیؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف رُخ کر کے فرمایا: "تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟" میں نے عرض کیا: "ہاں! یارسول اللہ! میں نے دیکھا ہے"۔ فرمایا "خدا کرے تم اچھی بات دیکھو اور بُری سے بچو۔ بھلائی ہمارے لیے ہو اور بُرائی ہمارے دشمنوں کے لئے۔ سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ کہو! بیان کرو"۔

و ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے حقیقتاً مجھے دیکھا کیونکہ شیطان کے لئے میری شکل اختیار کرنا ممکن نہیں ہے"۔

و ——— حضرت انسؓ ابن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ہم عقبہؓ بن رافع کے گھر میں ہیں ہمارے پاس ابن طاب کی تازہ کھجوریں لائی گئی ہیں۔ میں نے اس کی یہ تاویل کی کہ دنیا میں ہمارے لئے رفعت و بلندی ہے اور آخرت میں ہمارے لئے عافیت ہے اور یہ کہ ہمارا دین پاک ہے۔

و ——— حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ مدینہ میں بکھرے ہوئے بالوں والی ایک عورت سوداء مدینہ سے نکل کر مہیعہ مقام میں چلی گئی ہے۔ (مہیعہ کو جحفہ بھی کہتے ہیں یہ مقام شام والوں کے لیے میقات احرام ہے) آنحضورؐ نے اس کی تاویل یہ کی کہ وبا مدینہ سے نکل کر مہیعہ مقام میں چلی جائے گی۔

و ——— حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار کو گھمایا اس نے آپ کے سینہ مبارک کو زخمی کر دیا۔ نتیجتہً مسلمانوں کو غزوہ احد میں ہزیمت اُٹھانا پڑی۔ آنحضورؐ نے تلوار کو دوبارہ گھمایا اور مسلمانوں کو وہ صورت حال پیش آئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی اور مسلمان دوبارہ متحد ہو کر ایک مٹھی بن گئے۔

و ——— حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خواب میں میرے پاس روئے زمین کے خزانے لائے گئے۔ میری دونوں ہتھیلیوں میں سونے کے دو زیور رکھے گئے۔ میرے لیے یہ دونوں گراں ہوگئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ہدایت کی کہ میں ان میں پھونک ماروں۔ جب میں نے ان میں پھونک ماری تو وہ دونوں چلے گئے۔ میں نے ان دونوں کی تاویل یہ کی کہ یہ دونوں وہ جھوٹے مدعیانِ نبوت ہیں جو میرے ارد گرد ہیں یعنی صنعا اور یمامہ کے مدعیانِ نبوت"۔

و ——— حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس دودھ کا

ایک پیالہ لایا گیا۔ میں نے اس سے خوب سیر ہوکر دودھ پیا یہاں تک دودھ میرے ناخنوں سے پھوٹ پڑا پھر میں نے زائد دودھ عمر کو دے دیا۔" لوگوں نے عرض کیا" آپ نے اس کی کیا تاویل فرمائی؟ فرمایا:" یہ علم تھا۔"

و ـــــ حضرت ابوسعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: "میں سو رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ سب قمیص پہنے ہوتے ہیں البتہ کسی کا قمیص پستانوں تک ہے اور کسی کا اس سے نیچے تک پھر میرے سامنے عمر ابن الخطابؓ کو پیش کیا گیا، ان کے قمیص کا دامن سب سے زیادہ لمبا ہے۔ وہ اسے گھسیٹے لیے چلے جا رہے ہیں۔" لوگوں نے عرض کیا:" اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے اس کی کیا تاویل کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا:" یہ دین ہے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ" مجھے کچھ قمیص دیئے گئے ہیں۔ جنھیں میں نے اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔"

و ـــــ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" میں سو رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میں پرانے کوئیں پر بیٹھا ہوں۔ کوئیں پر ڈول رکھا ہے۔ پھر میں نے اس میں سے جتنا اللہ نے چاہا پانی نکالا۔ پھر ابن ابی قحافہؓ نے ڈول پکڑ لیا۔ اور ایک یا دو ڈول پانی نکالا۔ اس کے ڈول نکالنے میں زور شور نہیں تھا اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت کرے! پھر یہ ڈول عمر بن الخطابؓ نے لے لیا اسکے ہاتھ میں ڈول چرسے کی شکل اختیار کر گیا۔ میں نے کسی بہادر کو عمر بن الخطاب کی طرح پانی نکالتے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اپنے اونٹوں کو پانی پلا کر پانی کے گرد بٹھا دیا۔" (یعنی میرے بعد نظام حکومت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں ہوگا ان کی حکومت سال دو سال ہوگی پھر یہ حضرت عمر بن الخطابؓ کو منتقل ہو جائیگی اور وہ خوب حکومت کریں گے یہاں تک کہ لوگ مال و دولت سے خوب بہرہ مند ہوں گے اور آرام سے زندگی گذاریں گے)

و ـــــ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں:" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ورقہ بن نوفل کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت خدیجہؓ نے فرمایا:" یارسول اللہ! انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی اور آپ کے غلبہ سے پہلے وہ انتقال کر گئے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" میں نے اُسے خواب میں دیکھا سفید براق لباس زیب تن کئے ہوئے تھا۔ یہ لباس اہل جنت کا لباس ہے۔ اگر وہ دوزخیوں میں سے ہوتا تو اُس کا لباس کوئی دوسرا ہوتا۔"

و ـــــ حضرت ام العلاء انصاریہؓ فرماتی ہیں کہ" جب حضرت عثمانؓ بن مظعون فوت ہو گئے تو میں نے انھیں خواب میں دیکھا ان کے پاس پانی کا ایک چشمہ جاری تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا۔" یہ ان کا عمل ہے جو جاری ہے۔"

و ـــــ حضرت خزیمہؓ بن ثابت راوی ہیں وہ کہتے ہیں۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر سجدہ کر رہا ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آنحضورؐ لیٹ گئے اور انھیں فرمایا کہ اپنی خواب بھی کر لو۔ اس پر حضرت خزیمہؓ نے آپ کی پیشانی پر سجدہ کیا (یعنی انہوں نے جھک کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دے لیا۔)

و ـــــ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔" میں غیر شادی شدہ نوجوان تھا۔ مسجد ہی میں رہا کرتا تھا۔ میں دیکھتا کہ

لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی خوابیں بیان کرتے اور آپ اُن کی تعبیر بیان کرتے۔ مَیں نے دعا کی: اے اللہ! اگر تیرے حضور میں میرے مقدر میں کوئی بھلائی لکھی ہے تو مجھے خواب دکھا دے تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کی تعبیر دریافت کروں۔" راوی کہتے ہیں کہ "میں سوگیا میں نے دیکھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے اور مجھے لے کر چل دیئے راستہ میں ایک اور فرشتہ ملا۔ اُس نے مجھ سے کہا: "تم کیوں ڈرتے ہو۔ تم ایک نیک آدمی ہو۔" وہ دونوں فرشتے مجھے دوزخ کی طرف لے گئے۔ بس کنوئیں کی طرح یہ چاروں طرف سے بند کی ہوئی تھی۔ مَیں نے اس میں اپنی جان پہچان کے بعض لوگوں کو دیکھا۔ وہ دونوں مجھے دائیں طرف لے گئے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے سارا ماجرا حضرت حفصہؓ سے بیان کیا۔ انہوں نے سارا قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیا۔ آنحضورؐ نے سارا قصہ سن کر فرمایا: "عبداللہ مردِ نیک ہے کاش کہ رات کو کثرت سے نوافل پڑھا کرے!" حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مَیں نے ہمیشہ رات کو نفل نماز پڑھنے کا التزام کیا۔

و——— حضرت عبداللہؓ بن سلام فرماتے ہیں: "مَیں نے خواب میں ایک سرسبز و شاداب باغ دیکھا جس کے وسط میں ایک ستون تھا۔ ستون کے اوپر ایک کھونٹا لگا ہُوا تھا۔ مجھے اس کھونٹے پر چڑھنے کے لیے کہا گیا۔ میں نے کہا: "میں نہیں چڑھ سکتا۔" پھر میرے پاس ایک غلام آیا اور اُس نے کپڑوں سے پکڑ کر مجھے اُوپر اُٹھایا ———

اس طرح میں اوپر چڑھا اور میں نے اُس کھونٹے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اسی حال میں کہ مَیں نے اُسے پکڑ رکھا تھا میں بیدار ہوگیا۔ اور سارا قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا: وہ باغ اسلام ہے۔ اور وہ ستون دراصل اسلام کا ستون ہے یعنی اسلام کی بلندی ہے اور وہ کھونٹا دین اسلام کا مرکز ہے۔ اے عبداللہ! تم موت کی آمد تک اسلام ہی کی مضبوط رسّی کو پکڑے رکھو گے۔

و——— حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہُوا اور عرض کی: مَیں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک سائبان ہے جس سے گھی اور شہد کے قطرے ٹپک رہے ہیں اور لوگ اُنھیں ہاتھوں میں لے رہے ہیں۔ کسی کے پاس زیادہ ہے اور کسی کے پاس کم۔ اچانک میں دیکھتا ہوں کہ ایک رسّی آسمان سے زمین تک لٹک رہی ہے۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ آپ، اے اللہ کے رسولؐ، اُسے پکڑ کر اُوپر چڑھتے ہیں۔ پھر ایک اور شخص اُسے پکڑ کر اُوپر چڑھتا ہے۔ پھر ایک اور (تیسرا) شخص اس کے ذریعے اُوپر چڑھتا ہے۔ پھر ایک اور شخص اُسے پکڑ لیتا ہے۔ رسّی ٹوٹ جاتی ہے وہ اُسے جوڑ دیتا ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ بخدا آپ مجھے اس کی تعبیر بیان کرنے دیں۔" آنحضور علیہ السلام نے فرمایا: "ضرور تعبیر بیان کرو۔"

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: "یہ سائبان تو اسلام ہے۔ اور جو شہد اور گھی اُس میں سے قطرہ قطرہ ٹپک رہا ہے یہ قرآن اور اس کی حلاوت ہے اور جو کچھ لوگ ہتھیلیوں میں لے رہے ہیں یہ قرآن مجید ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اور آسمان سے زمین تک پہنچنے والی رسی وہ حق ہے جس پر آپ قائم ہیں، آپ اُسے پکڑے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے ذریعہ بلند مرتبہ کر رہا ہے۔ پھر آپ کے بعد ایک شخص اُسے پکڑتا ہے اور اس کے ذریعے بلندی پر پہنچ جاتا ہے۔

پھر ایک دوسرا آدمی اُسے پکڑ کر مقامِ بلند پر پہنچتا ہے۔ پھر ایک اور شخص اُسے پکڑتا ہے وہ رسّی ٹوٹ جاتی ہے وہ اُسے پیوند لگا کر اُس کے ذریعہ اوپر چڑھتا ہے۔ اے اللہ کے رسولؐ! (آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں) آپ مجھے بتائیں میں نے درست تعبیر کی ہے یا غلط؟ آنحضور علیہ السلام نے فرمایا: "تمہاری بعض باتیں درست ہیں اور بعض غلط"۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ بخدا آپ ہی فرمائیں میں نے کیا غلطی کی؟" آنحضورؐ نے فرمایا: "تم قسم مت کھاؤ"۔

و حضرت ابن زملؓ سے روایت ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز سے فارغ ہو جاتے تو اپنا رُخ لوگوں کی طرف کر لیتے اور پوچھتے: "کیا تم میں سے کسی نے کچھ دیکھا ہے؟ (یعنی خواب میں)" ابن زمل کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں نے دیکھا ہے"۔ آنحضور علیہ السلام نے فرمایا: "خدا کرے تم نے بھلائی دیکھی ہو اور برائی سے بچے ہو۔ بھلا ہمارا ہو اور بُرا ہمارے دشمنوں کا۔ سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ ہاں بھئی کہو کیا دیکھا؟" ابن زمل کہتے ہیں میں نے عرض کیا! میں نے خواب میں دیکھا کہ سب لوگ ایک نہایت کھلے کشادہ صاف راستے پر چلے جا رہے ہیں۔ یہ راستہ سیدھا سب کو ایک نہایت شاداب سبزہ زار کے کنارے لے گیا۔ میری آنکھوں نے ایسا پُر رونق سبزہ زار کبھی نہیں دیکھا ہر طرف سبزہ لہلہا رہا ہے اور شبنم کے قطرے طرح طرح کے سبزے پر پڑے ہوئے ہیں۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کا پہلا گروہ جب اس سبزہ زار کے کنارے پہنچا تو انہوں نے اللہ اکبر کہہ کر اپنی سواریوں کو راستہ پر ڈال لیا کسی نے سواری کو چرنے دیا اور کسی نے مٹھی بھر سبزہ لے لیا یہ لوگ راستہ سے دائیں بائیں ہٹے بغیر آگے چل دئے۔ پھر اُن کے بعد ایک دوسرا گروہ آ پہنچا۔ یہ پہلے گروہ سے تعداد میں کئی گنا زیادہ تھا۔ یہ لوگ بھی جب اس سبزہ زار کے کنارے پہنچے تو اُنہوں نے بھی اللہ اکبر کہا اور سواریوں کو راستے پر ڈال دیا۔ کچھ لوگوں نے جانوروں کو گھاس کو منہ مارنے کا موقع دیا اور کچھ نے مٹھی بھر سبزہ لیا اور سب آگے بڑھ گئے پھر ان کے بعد ایک تیسرا گروہ آیا اور یہ لوگ تعداد میں ان سے بھی کئی گنا زیادہ تھے یہ جب اُس سبزہ زار کے کنارے پہنچے تو انہوں نے بھی اللہ اکبر کہا اور سواریوں کو راستہ پر ڈال دیا۔ لیکن خوب صورت سبزہ کو دیکھ کر کہنے لگے: "یہ تو ایک اچھی جگہ ہے"۔ وہ اس سبزہ زار پر پھیل گئے اور دائیں بائیں کو مڑ گئے۔ جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو میں نے اپنی راہ لی یہاں تک کہ میں سبزہ زار کے آخری سرے پر پہنچا۔ اچانک میں آپ کے پاس تھا۔ اور اے اللہ کے رسول! آپ ایک منبر پر تشریف فرما تھے جس کی سات سیڑھیاں تھیں۔ آپ اُس کی سب سے اوپر کی سیڑھی پر تشریف فرما تھے۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ آپ کے دائیں طرف اونچی ناک لمبے قد اور گندمی رنگ کا ایک آدمی بیٹھا ہے۔ جب وہ بات کرتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ سب لوگوں سے اونچے قد کا ہے۔ پھر اچانک میں نے دیکھا کہ آپ کے بائیں طرف ایک میانہ قد کا آدمی بیٹھا ہے جس کے سرخ دمکتے چہرے پر بہت سے تِل ہیں جب اُس نے بات کی تو آپ سب احتراماً اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پھر اچانک میں نے دیکھا کہ آپ سب کے آگے ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہے اور آپ سب اُس کی اقتدا کر رہے ہیں۔ اور معاً میں نے دیکھا کہ اس سارے منظر کے آگے ایک دبلی پتلی ادھیڑ عمر کی اونٹنی ہے۔ مجھے یوں لگا جیسے اُسے یا رسول اللہؐ! آپؐ نے اُٹھایا ہے۔ ابن زملؓ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ پل بھر کے لیے متغیر ہو گیا۔ پھر بڑی فراخدلی کے ساتھ آپ نے ارشاد فرمایا:
"جو تم نے کشادہ کھلا اور صاف راستہ دیکھا وہ راہ ہدایت ہے جس پر میں تم کو لے جا رہا ہوں۔ وہ خوشنما سبزہ زار جو تم نے دیکھا وہ دنیا اور اس کی پُرعیش زندگی ہے۔ میں اور میرے اصحاب ہم اس سے آگے بڑھ گئے۔ ہم نے دنیا سے کوئی تعلق نہیں رکھا نہ دنیا ہی کو ہم سے کوئی سروکار رہا۔ نہ اس نے ہماری خواہش کی اور نہ ہم نے اسے چاہا۔ البتہ دوسرا اور تیسرا گروہ جو آیا — (یہاں آنحضورؐ نے بات مختصر کر دی) — تو بس انا للہ وانا الیہ راجعون البتہ تم نیک راستے پر چل رہے ہو تم اسی راستے پر چلتے رہو گے یہاں تک کہ (قیامت کے روز) تم مجھ سے ملاقات کرو۔ البتہ وہ منبر یہ دنیا کے سات ہزار سال ہیں میں آخری ہزارویں میں ہوں۔ ہاں! لمبے قد اور گندمی رنگ کے صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ہم ان کا اس لئے احترام کرتے ہیں کہ انھیں کلیم اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ دوسرے سرخ دمکتے چہرے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ہم ان کا احترام اس لئے کرتے ہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام حاصل ہے۔ تیسرے بوڑھے شیخ جن کی اقتدا کرتے تم نے ہمیں دیکھا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور وہ بوڑھی دبلی پتلی اونٹنی جو تم نے دیکھی کہ گویا میں نے اٹھائی ہے وہ قیامت کی گھڑی ہے جو ہم پر آنے والی ہے۔ پس نہ میرے بعد کوئی اور نبی آنے والا ہے اور نہ میری امت کے بعد کوئی اور امت آنے والی ہے۔"

و ——— روایت ہے کہ ابو عمر دنخعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نخع کے ایک وفد کے ساتھ حاضر ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ! میں نے راستے میں ایک خواب دیکھا ہے۔ وہ یہ ہے۔ "میں جو گدھی اپنے قبیلے میں چھوڑ کر آیا ہوں اس نے بکری کا ایک بچہ جنا ہے جو سرخی مائل سیاہ بھورے رنگ کا ہے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تمہاری کوئی لونڈی ہے جسے تم اس خوشی کے ساتھ چھوڑ کر آئے ہو کہ یہ حاملہ ہے؟" میں نے کہا "ہاں! میں ایک لونڈی چھوڑ کر آیا ہوں میرا خیال ہے کہ وہ حاملہ ہے۔"
آنحضورؐ نے فرمایا "اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جو تمہارا بیٹا ہے۔" عرض کیا "سرخی مائل سیاہ بھورے رنگ کا کیا مطلب ہے؟" آپ نے مجھے نزدیک ہونے کا حکم دیا اور میں آپ کے نزدیک ہوا۔ آپ نے فرمایا: "کیا تجھے برص کی بیماری ہے جو تم نے چھپا رکھی ہے؟" میں نے عرض کیا "ہاں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کسی مخلوق نے میرے برص کے نشان کو نہیں دیکھا نہ مجھے کسی ایسے آدمی کا علم ہی ہے۔" آنحضورؐ نے فرمایا: "بس یہ ایسے ہی ہے۔" راوی کہتے ہیں کہ میں نے نعمان بن المنذر کو دیکھا اس نے دو بالیاں اور بازوبند پہن رکھے تھے جن میں دو موتی جڑے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "وہ عربوں کا بادشاہ ہے وہ اعلیٰ ترین لباس پہن کر اپنی شان و شوکت کو لوٹے گا۔"
راوی کہتا ہے "میں نے زمین میں سے نکلتی ہوئی ایک ادھیڑ عمر کی بڑھیا دیکھی ہے۔"
آنحضورؐ نے فرمایا "یہ دنیا کی باقی زندگی ہے۔"

و ——— حضرت سمرہ بن جندبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے ایک خواب میں دیکھا کہ دو آدمی آئے اور مجھے ہاتھ سے پکڑ کر باہر ایک زمین میں لے گئے۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہے اور دوسرا ہاتھ میں لوہے کی ٹیڑھے سرے والی سلاخیں لئے اس کے سر پہ کھڑا ہے۔ وہ ایک سلاخ اس کی ایک باچھ میں ٹھونستا ہے جو اس کے

جبڑے کو پھاڑ کر اس کی گدی تک چلی جاتی ہے۔ پھر وہ اسے نکال کر دوسری باچھ میں ٹھونس دیتا ہے جو اُس کے دوسرے جبڑے کو پھاڑ دیتی ہے۔ چنانچہ وہ اسی طرح کرتا چلا جاتا ہے۔

میں نے اُن سے کہا۔" یہ کیا ہے؟"

ان دونوں نے جواب دیا: "آگے چلو!"

چنانچہ میں ان کے ساتھ ہو لیا اچانک میں نے دیکھا کہ ایک آدمی چت لیٹا ہُوا ہے اور ایک دوسرا آدمی ہاتھ میں پتھر لئے کھڑا ہے اور اُس کے سر پر دے مارتا ہے جب پتھر لڑھک جاتا ہے وہ اُسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ جب وہ واپس آتا ہے تو اُس کا سر پہلی حالت میں آجاتا ہے۔ وہ بار بار اسی طرح کرتا ہے۔ میں نے پوچھا" یہ کیا ہے؟"

ان دونوں نے کہا۔" تم چلو!"

میں ان دونوں کے ساتھ وہاں سے چل دیا۔ پھر میں نے اچانک ایک ایسا مکان دیکھا جس کی بنیاد تنور پر رکھی گئی تھی۔ اُس کا اوپر کا حصہ تنگ اور نچلا حصہ بہت وسیع تھا۔ اس کے نیچے آگ جلائی جا رہی تھی اور کچھ مرد اور عورتیں اس میں ننگے پڑے ہوئے تھے۔ جب آگ بھڑکتی وہ اُوپر کو اُٹھتے اور یوں لگتا جیسے وہ باہر نکل جائیں گے۔ جب وہ بجھ جاتی وہ پھر لوٹ کر اُسی میں آجاتے۔ میں نے پھر پوچھا" یہ کیا ہے؟"

ان دونوں نے مجھے کہا کہ میں آگے چلوں — چنانچہ میں ان دونوں کے ساتھ آگے بڑھا تو دیکھا کہ خون کی ایک نہر بہہ رہی ہے۔ اس میں ایک آدمی کھڑا ہے۔ نہر کے کنارے پر بھی ایک آدمی کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں پتھر ہے، جو آدمی نہر میں ہے جب وہ باہر نکلنے کے لئے آگے بڑھتا ہے تو باہر والا آدمی اُس کے مُنہ پر پتھر مارتا ہے اور وہ پھر اپنی جگہ پر چلا جاتا ہے پس جونہی وہ باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے باہر والا اُس کے مُنہ پر پتھر مارتا ہے اور وہ پھر اپنی جگہ پر واپس لوٹ جاتا ہے۔ میں نے پھر پوچھا" یہ کیا ہے؟"

انہوں نے پھر آگے چلنے کے لئے کہا اور ہم آگے بڑھے یہاں تک کہ ہم ایک سرسبز باغ میں پہنچ گئے۔ اس میں ایک بہت بڑا درخت تھا جس کے نیچے ایک بوڑھا آدمی بیٹھا تھا اور اُس کے اردگرد چھوٹے چھوٹے بچے بیٹھے تھے۔ پھر میں اچانک دیکھتا ہوں کہ اس درخت کے نزدیک ہی ایک شخص کھڑا ہے۔ اور اپنے سامنے آگ جلا رہا ہے۔ میرے دو نو ساتھی مجھے درخت کے اُوپر لے گئے۔ اس درخت کے عین وسط میں مجھے ایک گھر میں لے گئے۔ اس سے بڑھکر خوب صورت گھر میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ اس میں مرد بوڑھے جوان عورتیں اور بچے سب موجود تھے۔ پھر انہوں نے مجھے اس درخت سے نکال کر ایک اور گھر میں داخل کیا یہ گھر بھی بڑا خوب صورت اور شاندار تھا۔ اس میں بوڑھے اور جوان تھے۔ بعد ازاں میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔" تم نے آج رات مجھے سیر کرائی۔ اس اثناء میں جو کچھ میں نے دیکھا ذرا اس کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ۔

انہوں نے کہا۔" اچھا تو سنو! وہ آدمی جس کو تم نے دیکھا ہے کہ اس کے جبڑے پھاڑے جا رہے ہیں وہ ایک جھوٹا آدمی ہے۔ وہ جھوٹ گھڑتا ہے وہ اس جھوٹ کو لے کر روئے زمین پر پہنچا دیتا ہے۔ اب اس کے ساتھ وہ سلوک تاقیامت ہوتا رہے گا جو

تم نے یہاں دیکھا۔ (یعنی سلاخوں سے اس کے جبڑے چیر ڈالے جائیں گے) وہ شخص جس کے سر میں پتھر مارا جا رہا تھا وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن سکھایا اس نے رات اس سے بے اعتنائی میں گزاری اور دن میں اس پر کوئی عمل نہ کیا۔ قیامت کے دن تک اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہے گا۔ اور وہ لوگ جنھیں تم نے آگ کے الاؤ میں دیکھا ہے وہ زانی مرد اور عورتیں ہیں جس شخص کو تم نے نہر میں کھڑے دیکھا ہے وہ سود خور ہے۔ اور جس بزرگ کو تم نے درخت کے نیچے بیٹھے دیکھا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ان کے چاروں طرف بیٹھنے والے لوگ ان کی اولاد ہے۔ وہ شخص جو آگ جلا رہا ہے وہ آگ کے خزانے کا ذمہ دار ہے۔ پہلا گھر جس میں تم داخل ہوئے وہ عام اہل ایمان کا گھر ہے اور دوسرا گھر شہداء کا گھر ہے۔ میں جبرائیل ہوں اور یہ میرے ساتھی میکائیل ہیں۔ اب تم اپنا سر اٹھاؤ۔ میں نے سر اٹھایا تو میرے سر پر بادل سا تھا۔ دونوں نے کہا۔" وہ تمہارا گھر ہے۔" میں نے ان سے کہا۔" تو پھر مجھے اپنے گھر میں داخل ہونے دو۔" انہوں نے جواب دیا۔" تمہاری عمر ابھی باقی ہے جو ابھی تم نے پوری نہیں کی۔ جب تم اپنی عمر پوری کر لو گے تو اپنے گھر میں آجاؤ گے۔"

و ——— حضرت امّ الفضلؓ بنت الحارث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی (حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی زوجہ اور حضرت خدیجہؓ کے بعد دوسری ایمان لانے والی سعادت مند بی بی) روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ "یا رسول اللہ! میں نے ایک ناپسندیدہ خواب دیکھا ہے۔" آنحضورؐ نے فرمایا:" اللہ آپ کا بھلا کرے! آپ نے کیا دیکھا؟" میں نے کہا:" میں نے آپ کے جسم اطہر کے بعض حصے اپنے گھر میں دیکھے ہیں۔"

آپ نے فرمایا:" ہاں! آپ نے کیا دیکھا! فاطمہ کے ہاں ایک لڑکا ہو گا اور تم اُسے اپنے بیٹے قُثَم کے ساتھ دودھ پلاؤ گی۔

و ——— حضرت عمروؓ بن العاص فرماتے ہیں:" میں نے خواب میں دیکھا کہ میری ایک انگلی میں مکھن ہے اور دوسری میں شہد، اور گویا میں اپنی دونوں انگلیاں چاٹ رہا ہوں۔" میں نے اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا:" تم دو کتابیں۔ تورات اور انجیل پڑھو گے۔"

و ——— حضرت ابورزینؓ عقیلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے اور یہ آدمی کے اوپر بے پرواز رہتا ہے جب تک کہ وہ اُسے کسی سے بیان نہ کرے۔ جب وہ کسی سے بیان کر دیتا ہے تو وہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے اور میرا خیال ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ" تم اُسے صرف کسی دوست یا صاحب دانش آدمی سے ذکر کرو۔" اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے:" تم صرف کسی دوست یا صاحب رائے آدمی سے ذکر کرو۔"

و ——— حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" نبوت (کی خصوصیات) میں سے

صرف نیک خواب باقی رہ جائے گا۔ جب قیامت کا وقت قریب ہوگا تو مسلمان کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا۔ جتنا سچا کسی کا خواب ہوگا اتنی ہی سچی اس کی بات ہوگی۔"

و ـــــ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے: "اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اُسے پسند ہو تو اُسے اپنے کسی دوست کے سوا کسی سے بیان نہیں کرنا چاہیئے اور اگر کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے اور تین بار اپنی بائیں طرف تھوک دینا چاہیے۔ اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے۔ یوں اُسے اس کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔"

و ـــــ ابن ہشام کہتے ہیں کہ ان کے پاس کسی اہلِ علم نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا۔ آنحضورؐ نے فرمایا: "میں نے دیکھا کہ گویا میں نے حَیس (گھی، کھجور اور پنیر کا حلوہ) کا ایک لقمہ مُنہ میں ڈالا ہے۔ وہ مجھے بہت لذیذ لگا۔ لیکن جب اُسے نگلنے لگا تو اُس کا کچھ حصہ میرے حلق میں اٹک گیا۔ اور حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے اُسے نکالا۔" حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ کے بھیجے ہوئے سریوں میں سے یہ ایک سریہ ہے۔ اس کے بارے میں کچھ خبر آپ کو ایسی ملے گی جو آپ کو پسند آئے گی اور کچھ اس میں اُلجھن سی ہوگی آپ حضرت علیؓ کو بھیجیں گے اور ان کی کوشش سے معاملہ درست ہو جائے گا۔" یہ اسی طرح واقعہ پیش آیا جس طرح حضرت ابوبکرؓ نے توجیہ کی تھی۔

و ـــــ امام بخاریؒ امام مسلمؒ اور امام مالکؒ نے بیان کیا ہے کہ کسی خوفناک خواب سے تعوذ کے لیے یہ الفاظ کہے:

اَعُوْذُ بِرَبِّ مُوسٰی وعیسٰی و ابراھیمَ الذی وَفّٰی و محمد المصطفٰی مِنْ شَرِّ مَا رَأَیْتُ فِیْ رُؤْیَایَ اَنْ تَضُرَّنِیْ فِیْ دِیْنِیْ و دُنْیَایَ، عزّ جارُ اللہِ وجلَّ ثناءُ اللہِ وَتَقَدَّسَتْ اَسْمَاءُ اللہِ۔

(میں موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور ابراہیمؑ (جس نے اپنا خواب پورا کر دیا) علیہم السلام اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی پناہ مانگتا ہوں اس خواب کے شر سے جو میں نے دیکھا ہے۔ یعنی یہ کہ اُس سے مجھے میرے دین اور میری دنیا میں کوئی تکلیف پہنچے۔ اللہ کا پڑوسی غالب ہے اللہ کی ثنا بہت بلند ہے اور اس کے اسمائ بڑے پاک و مقدس ہیں)

و ـــــ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کوئی جھوٹا خواب بیان کیا حالانکہ اُس نے فی الواقع وہ دیکھا نہیں اُسے قیامت کے روز دو بالوں میں گانٹھ دینے پر مجبور کیا جائے گا اور وہ ہرگز گانٹھ نہ دے سکے گا۔ یعنی ایک ناقابلِ عمل کام پر مجبور کیا جائے گا اور وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکے گا۔ جس پر اُسے عذاب دیا جائے گا۔ اگرچہ بیداری میں بھی جھوٹ بولنا سخت گناہ ہے لیکن اگر کوئی خواب میں بھی جھوٹ گھڑے تو یہ اور بھی بڑا گناہ ہے جس کی اُسے سزا ملے گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضورؐ کی دعائیں

سلیس سلطانہ

۱۔ دعا اور اس کے آداب[1]

عربی زبان میں دعا کا لفظ ندا اور پکار کے معنی میں آتا ہے۔ دعا یدعوا کا مصدر ہے۔ یوں تو دعا اور ندا ہم معنی ہیں۔ مگر ندا کبھی بغیر نام لئے بھی یا اور ایا کے ساتھ ہوتی ہے اور دعا میں نام لیا جاتا ہے۔ جیسے فلاں اور کبھی دعا کا استعمال ندا کی جگہ اور ندا کا استعمال دعا کی جگہ بھی ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعآءً ونداءً — جیسے مثال ایک شخص کی کہ چلّاتا ہے ایک چیز کو جو نہیں سنتی ہے مگر پکارنا اور چلّانا۔ (سورۃ بقرۃ آیت ۱۵)

اور کبھی دعا کا استعمال تسمیہ یعنی نام رکھنے اور نام لینے کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ جیسے ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے: لاتجعلوا دعآء الرسول (نور ۶۳) اگر دعا یا اس کے مشتقات کے بعد الیٰ استعمال ہو تو اس صورت میں اس کے معنی اُبھارنے اور کسی چیز پر آمادہ کرنے کے آتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔

رب السجن احب الیّ مما یدعوننی الیہ (سورۃ یوسف ۔۳۳)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دعا کا لفظ عبادت کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ وہ تمام آیات جن میں مشرکین کی زبان سے اصنام و معبودانِ باطل کے لئے دعا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس عبادت کا مفہوم مراد ہے جو ضمنی طور پر سوال اور فریاد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

انسان دنیاوی خوش حالی اور مادی ترقی کی بنا پر خواہ اپنے رب سے کتنا ہی دور ہو جائے اور غفلت و نسیان کے کتنے ہی دبیز پردے اس پر پڑ جائیں مگر مصائب کے ہجوم میں بے ساختہ فریاد اور دعا کے لئے اس کے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے اُٹھتے ہیں۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ انسان کے سامنے اپنی ضرورت کے لئے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ اس سے مانگو جس کے فضل و کرم کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ اگر بندہ اپنے رب سے مانگنا چھوڑ دے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے لیکن انسان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جب کوئی اس سے مانگتا ہے تو وہ غضبناک ہو جاتا ہے۔

---

[1] اس حصّہ کی ترتیب میں مولانا عبدالغفار حسن کے ایک مضمون سے مدد لی گئی ہے جو ماہنامہ میثاق لاہور میں دو اقساط میں شائع ہوا تھا۔ (مرتب)

انسان کو جس چیز کی ضرورت ہو خواہ وہ دنیا کا کام ہو یا دین کا اور خواہ اس میں اپنی کوشش کرنا پڑے یا کوشش اور قابو سے باہر ہو۔ سب خدا تعالیٰ سے مانگنا چاہیئے۔ لیکن اتنا ضرور خیال رہے کہ وہ گناہ کی بات نہ ہو۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ہر شخص کو اپنے رب سے حاجتیں مانگنا چاہیئں اور حضرت ثابتؓ کی روایت میں یہاں تک ہے کہ اس سے نمک بھی مانگے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی اس سے مانگے۔ (ترمذی) تدبیر و دعا کا ساتھ ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اس طرح ہر کام اور ہر مصیبت میں اسی طرح جو اپنے کرنے کی تدبیر ہے وہ بھی کرے اور سب تدبیروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عاجزی اور توجہ کے ساتھ ساتھ عرض بھی کرتا رہے۔

دعا فقط اس کا نام نہیں کہ دو چار باتیں یاد کرلیں اور نمازوں کے بعد اس کو صرف زبان سے آموختہ کی طرح پڑھ دیا یہ دعا نہیں ہے۔ محض دعا کی نقل ہے۔ دعا کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں درخواست پیش کرنا ہے۔ جس طرح حاکم کے یہاں درخواست دیتے ہیں کم سے کم دعا اس طرح تو کرنا چاہیئے کہ درخواست دینے کے وقت آنکھیں بھی اسی طرف لگی ہوتی ہیں۔ دل بھی ہمہ تن ادھر ہی ہوتا ہے۔ صورت بھی عاجزوں کی سی بناتے ہیں اگر زبانی کچھ عرض کرنا ہوتا ہے تو کیسے ادب سے گفتگو کرتے ہیں اور اپنی عرض کے منظور ہونے کے لئے پورا زور لگاتے ہیں اور اس کا یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم کو آپ سے پوری اُمید ہے کہ ہماری درخواست پر پوری توجہ فرمائی جائے گی۔

دعا مانگنے کیلئے آداب و شرائطِ دعا کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اس کی مثال ظاہری جسمانی علاج کی طرح ہے۔ بیمار دوا کے ذریعہ شفایاب اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب کہ ان شرائط و ہدایات کو ملحوظ رکھے جو معالج نے بتائی ہیں اور ان چیزوں سے پرہیز کرے جن سے بچنے کا اس نے حکم دیا ہے محض دوا کا استعمال ہی کافی نہیں یہی حال اس روحانی علاج کا ہے قرآن و حدیث کی دعائیں باطنی اور ظاہری امراض کے لئے اس وقت مفید ہوں گی جب کہ ان کے اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد بھی مریض میں موجود ہو اور پرہیز و احتیاط کے ان تمام تقاضوں کو بھی پورا کرے۔ جو اس راہ میں ناگزیر ہیں

قبولیت دعا کے شرائط

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان کامل

(۲) داعی کا دل اخلاص، انابت، حضور قلب اور سوز یقین سے معمور ہو۔ (مستدرک حاکم)

(۳) کبائر سے پرہیز کرے مثلاً مکر و فریب، غیبت، چغلی، حسد، تکبر وغیرہ[1]

دعا کے باطنی اور ظاہری آداب

تضرع، خشوع، خضوع عاجزی و انکساری ہر ہر حرکت سے نمایاں ہو، دل اپنے رب کی عظمت و جلال سے بھرا ہو (صحاح ستہ مستدرک حاکم، نسائی)

(۲) اللہ کے فضل و کرم کی توقع اور عذاب کے اندیشہ سے ملے جلے جذبات (بیم و رجا) موجود ہوں۔ قرآن میں مومنین صالحین کی صفات میں خوف اور امید دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ان دونوں کی یکجائی سے انسان میں توازن اور اعتدال پیدا ہو سکتا ہے۔ ابن قیم نے اس حقیقت کو ایک لطیف مثال کے ذریعہ واضح کیا ہے یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس دنیا کے سفر میں خوف بمنزلہ کوڑے اور تازیانے کے ہے اور امید حدی خوانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے سفر کی مشقتیں بآسانی برداشت

---

[1] روایت مسلم والترمذی عن ابی ہریرہؓ

ہوسکتی ہیں۔ محبت سواری کی تکمیل ہے اگر سوار کے پاس سواری کو قابو میں رکھنے کے لئے کوڑا نہ ہو تو سیدھی راہ سے ہٹنے کا اندیشہ قوی ہے۔ اس کے خوف کے تازیانے کے بغیر حدود الٰہیہ کی حفاظت ناممکن اور گمراہی یقینی ہے۔ خوف رجا اور محبت سے جو دل بھی خالی ہوگا۔ اس کی اصلاح کی توقع ناممکن ہے اور جس قدر یہ صفات کمزور ہوں گی اسی قدر ایمان کمزور ہوگا۔

(۳) دعا میں جہاں تک ہوسکے اخفا سے کام لیا جائے[1]۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ سرّی اور جہری دعا کے درمیان ستر گنا فرق ہے اس لئے کہ سرّی دعا ایمان و یقین کو پختہ کرتی ہے۔ ادب و تعظیم اور خشوع و خضوع کے لئے بھی یہ طریقہ زیادہ موزوں ہے اس کے علاوہ اس شکل میں ریاکاری اور نمائش پسندی کے بجائے اخلاص کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ نیز پست آواز کی شکل میں شیطانی وساوس و موانع اور رکاوٹوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ خدا کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ بندہ اپنے ربّ کی طرف کامل یکسوئی اور پوری توجہ کے مواقع حاصل کر سکے۔ یہ بھی واضح رہے کہ کوئی نعمت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی حاسدوں کی نگاہ سے نہیں بچ سکتی۔ پھر اس اعلیٰ نعمت پر حاسدین کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ ایسی صورت میں حاسد کی شر یا زنگاہوں سے بچنے کی شکل یہی ہوسکتی ہے کہ اس نعمت کو پوشیدہ رکھا جائے اور اس کا چرچا نہ کیا جائے۔

(۴) دعا مانگنے میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہ ادب قرآن کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ انہ لایحب المعتدین (بقرہ ۱۹۰) اس اعتدا کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

ا۔ دعا میں ایسی چیزیں طلب کرنا جن کا داعی اہل نہیں ہے مثلاً انبیاء کرام کے درجات و مراتب مانگنا۔

ب۔ حرام کاموں پر نصرت طلب کرنا۔

ج۔ اللہ تعالیٰ سے ایسی آرزو کرنا جو پوری نہیں ہوسکتی۔ مثلاً قیامت تک کی زندگی، یا بشری ضرورت سے بے نیازی حاصل کرنا۔

د۔ ابن جریحؒ کا قول ہے کہ چلا چلا کر دعا مانگنا بھی اعتداء میں شامل ہے۔

ہ۔ سب سے بڑا اور خطرناک اعتداء یہ ہے کہ بندہ دعا و عبادت میں غیر خدا کو بھی شریک کرے اور ان سے اسی طرح مدد طلب کرے جس طرح خدا سے ہوتی ہے۔

و۔ دعا میں تضرع و عاجزی کے بجائے بے پروائی یا تغافل کا اظہار کیا جائے۔

۵۔ ان احوال و اوقات میں دعا مانگنے کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے۔ جن میں دعا کے مقبول ہونے کی تصریح احادیث میں مذکور ہے۔

۶۔ فراخی ہو یا تنگ دستی ہر حال میں اپنے رب سے دعا و طلب ہو۔ یہ انتہائی خود غرضی ہے کہ مصیبت اور پریشانی میں تو خدا کو پکارا جائے لیکن جب راحت و آرام ہو تو بھول جائے۔

---

[1] صحاح ستہ عن ابی موسیٰؓ

۷۔ دعا کے وقت اپنی حاجت اور ضرورت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے سے پہلے حمد و ثنا اور رسول اللہؐ پر درود بھیجنا ضروری ہے۔ دعا سے قبل دو رکعت کی ادائیگی بھی مسنون ہے۔[۴]

۸۔ خدا کی رحمت و نعمت خاص اپنے ہی لئے نہ کی جائے۔ اگر کوئی شخص امام ہے اور وہ دعا کرتے وقت مقتدیوں کو نظر انداز کر کے محض اپنا ہی خیال رکھتا ہے تو یہ طرزِ عمل خیانت کے ہم معنی ہے۔

۹۔ دعا میں اپنی ضرورت پیش کرنے سے پہلے اپنے گناہوں کا اعتراف ضروری ہے۔

۱۰۔ دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھانا بھی مسنون ہے اور دعا کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرہ پر پھیر لینا بھی مسنون ہے

۱۱۔ دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے منع کیا ہے۔

۱۲۔ دعائیہ کلمات کو بار بار دہرانا چاہیئے۔

۱۳۔ دعا کے خاتمہ پر آمین کہنا بھی مسنون ہے۔

اوقاتِ دعا

یوں تو اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر آن اپنے بندوں کی فریاد سنتا ہے اور ان کی دعا قبول کرتا ہے لیکن کچھ خاص اوقات ایسے ہیں جن میں دعائیں بہت جلد مقبول ہوتی ہیں اور اپنا اثر دکھاتی ہیں۔

۱۔ سب سے زیادہ اعلیٰ اور مقبول ترین وقت رات کا پچھلا حصّہ ہے۔ (مسند احمد)

۲۔ جمعہ کے دن میں ایک ساعت (ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

۳۔ شبِ قدر[۱] ۴۔ اذان[۲] ۵۔ اقامت کے وقت، ۶۔ اذان و اقامت کے درمیان[۳]

۷۔ جہاد کی صف بندی کے وقت (طبرانی، ابن حبان، موطا)

۸۔ فرض نمازوں کے بعد (ترمذی، نسائی)

۹۔ سجدے کی حالت میں[۴] ۱۰۔ تلاوتِ قرآن یا ختمِ قرآن مجید کے موقع پر[۵]

۱۱۔ عرفہ کے دن[۶] ۱۲۔ ماہ رمضان میں خصوصاً افطار کے وقت

۱۳۔ بارش کے وقت بارش میں کھڑے ہو کر۔

۱۴۔ ذکرِ الٰہی کے لئے مسلمان جمع ہوں تو یہ وقت قبولیت کے لئے سازگار ہے۔

دعا کے مقامات

(۱) بیت اللہ شریف (۲) مسجد نبوی (۳) بیت المقدس (۴) رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ملتزم پر (۵) صفا، مروہ پر (۶) مقام سعی (۷) میدان عرفات (۸) مزدلفہ (۹) تینوں جمرات کے پاس (۱۰) منیٰ (۱۱) میزاب کے نیچے (۱۲) مقام ابراہیم کے پیچھے

(۱) مظلوم و مضطر[۱] (۲) باپ کی دعا بیٹے کے بارے میں (۳) مسافر[۲] (۴) نیک اولاد کی

---

[۱] ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مستدرک [۲] ابوداؤد۔ مستدرک [۳] ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ [۴] مسلم ابوداؤد۔ نسائی [۵] ترمذی، طبرانی [۶] ترمذی

مستجاب الدعوات دعا ماں باپ کے حق میں[۴] (۵)، روزہ دار[۵] (۶)، انصاف پسند حاکم کی دعا[۶] (۷)، مسلمان کی دعا اپنے غیر حاضر مسلمان کے لیے[۷] (۸)، گناہ سے توبہ کرنے والے کی دعا (۹)، آیت کریمہ پڑھنے کے بعد کی دعا (۱۰)، حاجی جب تک سفر میں ہوتا ہے (۱۱)، رات کو جاگنے والا اگر لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر پڑھ کر دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ (ترمذی - بخاری)

۲

فلسفۂ دعا[۹] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں جو کمالات جمع تھے ان کو دو شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (۱) عبدیت کاملہ اور (۲) نبوتِ جامعہ۔

عبدیت کا ظہور اور نتیجہ دعا ہے اور نبوت کا مظہر دعوت ہے۔ دعا کے لئے اس ہستی کے یقین کی ضرورت ہے جس سے دعا کی جائے۔ پھر اس یقین کی کہ اس کو ہر طرح کی قدرت ہے اور دینے کے لئے اس کے پاس سب کچھ ہے۔ پھر اس یقین کی کہ اس کے سوا کوئی اور در نہیں۔ پھر اس یقین کی کہ وہ خود بھی دینا چاہتا ہے اور کوئی لے کر اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا وہ دے کر خوش ہوتا ہے۔ پھر اس یقین کی کہ مخلوق محتاج محض اور سراپا کشکول گدائی ہے۔ پھر اس یقین کی کہ وہ معبود اپنی ہر مخلوق سے دنیا کی ہر چیز سے یہاں تک کہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ ہر ایک کی سنتا ہے اور ہر ایک کی ہر حال میں مدد کر سکتا ہے۔

جاہلیت کی تاریخ میں ہر یقین نایاب اور مضمحل ہو چکا تھا۔ یونانی فلسفہ کو "واجب الوجود" یا "مبداء اول" کی صفات سے جتنا گریز و انکار اور صفات کی نفی اور مجرد و بلا صفت ذات کے اثبات پر جتنا اصرار تھا۔ اس کے بعد اس کے حلقۂ اثر میں دعا و التجا کا کیا امکان باقی رہ جاتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں مشرکانہ جاہلیت نے صفات الٰہیہ میں سے تقریباً ہر صفت کو کسی نہ کسی مخلوق کی طرف منسوب کر رکھا تھا۔ کوئی احیاء پر قادر تھا۔ کسی کے ہاتھ میں رزق تھا، کسی کا علم محیط و ہمہ گیر تھا اور "ہر غیب" اس کے لئے شہود تھا۔ ایسی حالت میں "الٰہ واحد" کی طرف رجوع کرنے اور اس کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کا کوئی امکان نہیں۔

بہر حال یونانی فلسفہ نے (اس مسلک کی بنا پر جو اس نے صفات کے بارے میں اختیار کیا تھا) دعا و التجا کا دروازہ ہی بند کر دیا تھا۔ اور مشرکانہ جاہلیت نے (صفاتِ الٰہیہ کو مخلوقات کی طرف منسوب کر کے) دعا و التجا کا رُخ خدا سے موڑ کر بندوں کی طرف تبدیل کر دیا تھا۔ دونوں کا مجموعی نتیجہ یہ تھا کہ براہ راست خدا سے طلب و سوال اور دعا و التجا کا رواج تقریباً ختم ہو چکا تھا زمانۂ بعثت میں پورے پورے ملک اور وسیع علاقوں میں ایسے چند آدمی بھی ملنے مشکل تھے جن کو خدا سے دعا کرنے کی عادت اور اس کا سلیقہ ہو اور جو اس سے تسکین حاصل کرتے ہوں اور اسی کی دعوت دیتے ہوں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محروم و محجوب انسانیت کو دوبارہ دعا کی دولت عطا فرمائی اور بندوں کو خدا سے

---

[۱] بخاری، مسلم، ابوداؤد، مسند احمد [۲] ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ [۳] ابوداؤد، ابن ماجہ [۴] مسلم [۵] ترمذی ابن ماجہ [۶] ایضاً [۷] ابوداؤد ابن ماجہ [۸] یہ حصہ مولانا ابو الحسن علی ندوی کے ایک مضمون کی تلخیص ہے جو ماہنامہ فاران کے سیرت نمبر (طبع دوم جنوری ۱۹۵۷ء) میں شائع ہوا تھا۔

ہم کلام کر دیا۔ دعا سے محرومی کا ایک بڑا سبب جاہلیت کا یہ غلط تصور تھا کہ خدا ہم سے بہت دور ہے۔ ہماری آواز وہاں کہاں پہنچ سکتی ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان فرمایا اور یہ مژدہ سنایا کہ

واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان (بقرہ ۱۸۶)

(اور جب آپؐ سے میرے متعلق سوال کریں تو میں نزدیک ہوں دعا کرنے والوں کی دعا سنتا ہوں)

آپؐ نے صرف اسی کو واضح نہیں کیا کہ بندہ اپنے مالک سے دعا کر سکتا ہے اور وہ اس کی مدد کر سکتا ہے۔ بلکہ آپؐ نے ثابت کیا کہ خدا کو دعا مطلوب ہے اور وہ اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے بلکہ دعا نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہے۔ دعا بندگی سے گریز اور استکبار و سرکشی کی علامت ہے آپؐ کے اس اعلان نے دعا کا پایہ کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور اس کو بندگی کے فعل اضطراری کے درجہ سے اعلیٰ عبادت اور قرب کے مقام تک پہنچا دیا۔

وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین (المومنون ۶۰)

(اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بیشک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں۔ عنقریب ہی وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے)

پھر آپؐ نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ دعا کو مغفرت قرار دیا۔ دعا کو رحمت و برکت کے دروازے کی کلید قرار دیا۔ اس طرح دعا کا شعبہ جس کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔ عبادات اور معابد بھی اس کے نور سے خالی ہو چکے تھے۔ دوبارہ تازہ ہوئے۔ نبوت محمدیؐ کی تجدید اور اس کا عمل تکمیل اسی پر ختم نہیں ہوتا۔ آپؐ نے ہمیں دعا کرنا بھی سکھایا۔ آپؐ نے انسانیت کے خزانے کو اور دنیا کے ادب کو دعاؤں کے جواہرات سے مالا مال کر دیا۔ آپؐ نے اپنے مالک سے ان الفاظ میں دعا مانگی جن سے زیادہ موثر اور بلیغ الفاظ انسان لا ہی نہیں سکتا۔ یہ دعائیں مستقل معجزات اور دلائل نبوت ہیں۔ ان کے الفاظ شہادت دیتے ہیں کہ یہ ایک پیغمبر کی زبان سے نکلے ہیں۔ ان میں نبوت کا نور ہے، پیغمبر کا یقین اور عبد کامل کا نیاز ہے۔

حدیث و سیرت کے دفتر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دعائیں منقول ہیں ان پر نظر ڈالیے کیا کوئی بڑے سے بڑا ادیب اپنی بے بسی اور کمزوری کا نقشہ کھینچنے کے لئے اور دریائے رحمت کو جوش میں لانے کے لئے اس سے زیادہ جامع الفاظ لا سکتا ہے۔

میدان عرفات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کفن بردوش انسانوں کا مجمع ہے۔ لبیک کی دعاؤں اور صداؤں سے فضا گونج رہی ہے۔ خدا کی شان بے نیازی اور عظمت و جبروت کا نقشہ سامنے ہے، انسانوں کے اس جنگل میں ایک برہنہ سر احرام پوش ایسا بھی ہے جس کے کاندھوں پہ ساری انسانیت کا بار ہے۔ جو ہر دیکھنے والے سے زیادہ خدا کی عظمت و جلال کا مشاہدہ کر رہا ہے اور ہر جاننے والے سے زیادہ انسان کی درماندگی بے وقعتی اور بے بسی سے واقف ہے۔ اس پُر تاثیر اور پُر ہیبت فضا میں اس کی آواز بلند ہوتی اور سننے والے سنتے ہیں۔

اللھم انک تسمع کلامی وتریٰ مکانی وتعلم سری وعلانیتی لا یخفی علیک شیٔ من امری وانا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق المقر المعترف بذنبک اسألک مسئلۃ المسکین وابتھال المذنب الذلیل وادعوک دعاء الخائف الضریر دعاء من خضعت لک رقبتہ وفاضت عبرتہ وذل لک جسمہ ورغم لک انفہ اللھم لاتجعلنی بدعائک شقیا وکن بی رؤفا رحیما یا خیر المعطین (کنز العمال عن ابن عباس)

اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔ تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ میں مصیبت زدہ ہوں محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشاں ہوں، ہراساں ہوں اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں۔ اعتراف کرنے والا ہوں۔ تیرے آگے سوال کرتا ہوں۔ جیسے بےکس سوال کرتے ہیں۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں۔ جیسے گناہ گار ذلیل وخوار گڑگڑاتا ہے۔ اور تجھ سے طلب کرتا ہوں، جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے۔ جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہوجا۔ اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر۔ اے سب دینے والوں سے اچھے)

سب جانتے ہیں کہ ایک قوی اور غنی ذات، قادر مطلق، سلطانِ برحق، مالک الملک کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور اس کی رحمت کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے اپنی عجز و درماندگی اور اپنی بندگی و بیچارگی کے زیادہ سے زیادہ اور موثر سے موثر طریقے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس اعتراف کی کہ ہم خاندانی ونسلی غلام، مملوک ابن مملوک اور اس درِ دولت اور آستانۂ شاہی کے قدیمی نمک خوار و پروردہ، نعمت ہیں۔ جان ومال ہر چیز کے آپ مالک ہیں۔ کوئی چیز آپ کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں۔ ایسی حالت میں آپ ہی رحم نہ فرمائیں گے اور آپ ہی خبر نہ لیں گے تو کون لے گا۔ دیکھیے کسی دعا کے لئے اس سے بہتر تمہید اور مقصد کی کشائش کے لئے اس سے بہتر کلید کیا ہوسکتی ہے؟

اللھم انی عبدک وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضاءک اسالک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی ونور بصری وجلاء حزنی وذھاب ھمی۔
(طبری عن ابن مسعودؓ)

اے اللہ میں بندہ ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے بندے کا اور بیٹا ہوں تیری بندی کا ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں، نافذ ہے میرے بارے میں تیرا حکم اور عین عدل ہے میرے باب میں تیرا فیصلہ میں تجھے ہر اسم کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی ذات کو موصوف کیا ہے اس کو اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اسے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتایا ہے یا اپنے پاس اسے غیب ہی میں رہنے دیا ہے۔ درخواست کرتا ہوں کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار بنا دے اور میری آنکھ کا نور اور غم کی کشائش اور میری تشویش کا دفعیہ)

۳

دعائیں

(۱) اللھم ما اصبح لی من نعمة او باحد من خلقك فمنك وحدك لا شریك لك فلك الحمد ولك الشكر (ابوداؤد عن عبداللہ بن غنامؓ)

(اے اللہ جو چیز مجھ کو صبح کے وقت حاصل ہوئی ہے تیری نعمتوں میں سے یا کسی (دوسرے) کو تیری مخلوقات میں سے پس وہ صرف تیری طرف سے ہے تو ایک ہے کوئی تیرا شریک نہیں۔ ہر قسم کی تعریف تیرے ہی لئے ہے اور تیرے ہی لئے شکر ہے۔)

(۲) لا الٰہ الا اللہ العظیم الحکیم لا الٰہ الا اللہ رب العرش العظیم لا الٰہ الا اللہ رب السمٰوٰت ورب الارض ورب العرش الکریم۔ (بخاری و مسلم عن ابن عباسؓ)

کوئی معبود نہیں مگر اللہ جو بزرگ اور بردبار ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں پروردگار ہے۔ عرش عظیم کا کوئی معبود اس کے سوا نہیں پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا اور پروردگار ہے عرش کریم کا)

(۳) اللھم انی اعوذبك من الھم والحزن واعوذبك من العجز والكسل واعوذبك من البخل والجبن واعوذبك من غلبة الدین وقھر الرجال۔

(ابوداؤد عن ابو سعید خدریؓ)

اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں فکر اور غم سے اور پناہ مانگتا ہوں۔ عاجزی اور سستی سے اور پناہ مانگتا ہوں۔ بخل اور نامرادی سے اور پناہ مانگتا ہوں قرض کے غلبہ سے اور آدمیوں کے غلبہ سے)

(۴) اللھم انی اعوذبك من الاربع من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعاء لا یسمع۔ (ابوداؤد، احمد۔ ابن ماجہ، ترمذی عن ابوہریرہؓ)

(اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں، چار چیزوں سے اس علم سے جو نفع نہ دے اس دل سے جو عاجزی نہ کرے اس نفس سے جو سیر نہ ہو اس دعا سے جو سنی نہ جائے۔)

(۵) اللھم انی اعوذبك من الفقر والقلة واعوذبك من ان اظلم او اظلم
(ابوداؤد۔ نسائی عن ابوہریرہؓ)

(اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں۔ افلاس سے، نیکیوں کی کمی سے یا مال کی کمی سے اور ذلت سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے)

۶۔ اللھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمة امری واصلح لی دنیای التی فیھا معاشی واصلح آخرتی التی فیھا معادی واجعل الحیاة زیادة لی فی كل خیر واجعل الموت راحة لی من كل شر (مسلم عن ابوھریرہؓ)

(اے اللہ درست کر دے میرا دین وہ دین جو میرے کاموں کا محافظ ہے اور درست کر دے میری دنیا وہ دنیا جس میں میری زندگانی ہے اور درست کر دے میری آخرت جس کی طرف مجھے جانا ہے اور میری زندگی کو زیادہ

کردے جو سبب ہے نیکی کا اور بنا میرے لئے موت کو ہر برائی سے راحت و آرام کا سبب)

۷۔ اللھم اتنافی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقناعذاب النار (بخاری مسلم عن انس)

(اے اللہ عطا فرما ہم کو دنیا میں نیکی اور آخرۃ میں نیکی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے)

۸۔ اللھم اجعلنی اعظم شکرک واکثر ذکرک واتبع نصحک واحفظ وصیتک

(ترمذی عن ابوہریرہؓ)

اے اللہ مجھ کو ایسا بنا دے کہ میں کروں بڑا شکر تیرا اور بہت کروں ذکر تیرا اور پیروی کروں تیری نصیحت کی اور یاد رکھوں میں وصیت تیری)

۹۔ اللھم طھر قلبی من النفاق وعملی من ریاء ولسانی من الکذب وعینی من الخیانۃ فانک تعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور (بیہقی عن ام معبدؓ)

(اے اللہ پاک کر میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے میری آنکھوں کو خیانت سے بے شک تو آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اس چیز کو بھی جس کو چھپاتے ہیں دل)

۱۰۔ اللھم انی اعوذبک من الجوع فانہ بئس الضجیع واعوذبک من الخیانۃ فانھا بئست البطانیۃ (ابوداؤد، نسائی۔ ابن ماجہ عن ابوہریرہؓ)

(اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں بھوک اور فاقہ سے کہ وہ بد ترین خواب ہے اور پناہ مانگتا ہوں خیانت سے کہ وہ بدترین اندرونی عادت ہے)

۱۱۔ اللھم انی اعوذبک من زوال نعمتک وتحول عافیتک وفجاءۃ نقمتک وجمیع سخطک

(مسلم عن عبد اللہ بن عمر)

اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں تیری نعمت کے زوال سے تیری عافیت کی تبدیلی سے اور تیرے ناگہانی عذاب سے اور تیرے تمام غضب سے)

۱۲۔ اللھم لک اسلمت وبک آمنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت اللھم انی اعوذ بعزتک لا الٰہ الا انت ان تضلنی انت الحی الذی لا یموت والجن والانس یموتون (بخاری مسلم عن ابن عباسؓ)

اے اللہ تیری اطاعت کی میں نے تجھ پر ایمان لایا میں۔ تجھ پر بھروسہ کیا میں نے اور تیری طرف رجوع کیا میں نے اور تیری مدد سے لڑتا ہوں میں۔ اے اللہ تیری عزت کے ذریعہ پناہ چاہتا ہوں (نہیں ہے کوئی معبود مگر تو) اس سے کہ گمراہ کرے تو مجھ کو تو زندہ ہے۔ ایسا زندہ کہ نہ مرے گا اور جن و انسان مریں گے۔

۱۳۔ اللھم اھدنی لاحسن الاعمال واحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت وقنی سیئ الاعمال وسیئ الاخلاق لا یقی سیئھا الا انت (نسائی عن جابرؓ)

اے اللہ مجھے بہترین اعمال اور بہترین اخلاق کی توفیق و رہنمائی فرما بہترین اعمال و اخلاق کی توفیق و رہنمائی فرما سکتا ہے

اور مجھے بُرے اعمال و اخلاق سے بچا۔ بُرے اعمال و اخلاق سے تو ہی بچا سکتا ہے)

۱۴۔ اللھم انی اسئالک نعیما لا ینفد و قرۃ عین لا تنقطع و اسئلک الرضاء بالقضاء و برد العیش بعد الموت و لذۃ النظر فی وجھک والشوق الی لقاءک (مستدرک عن عامر بن یاسر)

اے اللہ تجھ سے ایسی نعمت مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو اور ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک جو جاتی نہ رہے اور میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرے حکم (تکوینی) پر رضامند رہنا اور موت کے بعد خوش عیشی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری دید کا شوق)

۱۵۔ اللھم انی اسئالک فعل الخیرات و ترک المنکرات و حب المساکین (مستدرک حاکم عن ثوبان)

(اے اللہ میں تجھ سے توفیق چاہتا ہوں نیکیوں کے کرنے کی اور برائیوں کے چھوڑنے کی اور غریبوں کے ساتھ محبت کی)

۱۶۔ اللھم اجعلنی صبورا و اجعلنی شکوراً و اجعلنی فی عینی صغیرا و فی اعین الناس کبیراً (کنز العمال عن بریدۃؓ)

(اے اللہ مجھے بڑا صبر کرنے والا بنا دے اور مجھے میری نظر میں چھوٹا بنا دے اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دے)

۱۷۔ اللھم اجعل اوسع رزقک علی عند کبر سنی و انقطاع عمری۔ (مستدرک عن عائشہؓ)

(اے اللہ میری سب زیادہ کشادہ روزی میرے بڑھاپے اور میرے خاتمہ کے وقت کر)

۱۸۔ اللھم اغفرلی ذنبی و وسع فی داری و بارک لی فی رزقی (نسائی عن ابو موسیٰ اشعریؓ)

اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے گھر میں وسعت دے اور میرے رزق میں برکت دے)

۱۹۔ اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ انت رب کل شئی والملائکۃ یشھدون انک لا الٰہ الا انت فانا نعوذ بک من شر انفسنا و من شر الشیطان الرجیم و شرکہ و ان نقترف سوء او نجرہ الی مسلم (جمع الفوائد عن ابی مالکؓ)

(اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے خالق غیب و شہود کے جاننے والے تو ہر چیز کا مالک ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہم تجھ سے اپنے نفس کی بُرائی سے اور شیطان کی برائی سے اور شیطان رجیم کے شر اور شرکت سے پناہ چاہتے ہیں اور اس سے کہ ہم اپنے حق میں کسی شرک کا ارتکاب کریں یا کسی مسلمان تک پہنچائیں)

۲۰۔ اللھم قنی شر نفسی واعزم لی علی رشد امری (ابو داؤد عن ابن عمر)

(اے اللہ مجھے میرے نفس کی برائی سے محفوظ رکھ اور مجھے میرے امور کی اصلاح کی ہمت دے)

۲۱۔ اللھم اقسم لنا من خشیتک ما تحول بہ بیننا و بین معاصیک و من طاعتک ما تبلغنا بہ جنتک و من الیقین ما تھون بہ علینا مصائب الدنیا (ترمذی عن ابن عمرؓ)

(اے اللہ ہمیں اپنی خشیت سے اتنا حصہ دے کہ ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور اپنی اطاعت سے اتنا حصہ کہ تو ہمیں اس کے ذریعہ سے جنت میں پہنچا دے اور یقین سے اتنا حصہ کہ اس سے تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے)

۲۲ - لا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا

(ترمذی ونسائی عن ابن عمرؓ)

دنیا کو ہمارا مقصود اعظم نہ بنا اور نہ ہمارے معلومات کی انتہا اور نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود اور ہم پر اس کو حاکم نہ کر جو ہم پر نامہربان ہو۔

۲۳ - اللھم اجعل حبک احب الاشیاء الی واجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی واقطع عنی حاجات الدنیا بالشوق الی لقائک واذا اقررت اھل الدنیا من دنیاھم فاقرر عینی من عبادتک (کنز العمال عن ابی بن مالکؓ)

(اے اللہ اپنی محبت کو میرے لئے تمام چیزوں سے محبوب تر اور اپنے ڈر کو میرے لئے تمام چیزوں سے خوفناک تر بنا دے اور مجھے اپنی ملاقات کا شوق دے کر دنیا کی حاجتیں مجھ سے قطع کر دے اور جہاں تو نے دنیا والوں کی آنکھیں ان کی دنیا سے ٹھنڈی کر رکھی ہیں۔ میری آنکھ اپنی عبادت سے ٹھنڈی رکھ۔

۲۴ - اللھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی حبہ عندک اللھم ارزقتنی فیما احب فاجعلہ قوۃ لی فیما تحب اللھم وما زویت عنی مما احب فاجعلہ فراغاً لی فیما تحب۔ (ترمذی عن عبداللہ بن یزیدؓ)

اے اللہ مجھے اپنی محبت نصیب کر اور اس شخص کی بھی محبت جس کی محبت تیرے نزدیک میرے حق میں نافع ہو یا اللہ جس طرح تو نے مجھے وہ دیا جو مجھے پسند ہے۔ اسے میرا معین بھی اس کام میں بنا دے جو تجھے پسند ہے۔ اے اللہ تو نے جو دور رکھا ہے مجھ سے جو مجھ کو پسند ہیں تو اسے میرے حق میں ان چیزوں کے لئے موجب فراغ بنا دے جو تجھے پسند ہیں۔

۲۵ - اللھم انی اسالک صحۃ فی ایمانٍ وَّ ایماناً فی حُسنِ خُلقٍ ونجاحاً تُتْبِعُہٗ فلاحاً وَّ رحمۃ منک وعافیۃً ومغفرۃ منک ورضواناً۔ (نسائی وحاکم عن انس)

(اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے تندرستی ایمان کے ساتھ اور ایمان حسن خلق کے ساتھ اور کامیابی جس کے پیچھے فلاح بھی دے تو مجھے اور رحمت تیری طرف سے اور امن اور بخشش تیری طرف سے اور خوشنودی)

۲۶ - اللھم اجعل خیر عمری آخرہ وخیر عملی خواتیمہ وخیر ایامی یوم القاک فیہ (طبرانی عن انس)

اے اللہ میری عمر کا بہترین اس کا آخری حصہ کرنا اور میرا بہترین عمل میرا آخر ترین عمل کرنا اور میرا بہترین دن وہ کرنا جس میں تجھ سے ملوں)

۲۷ - اللھم اغفرلی خطیئتی وجھلی واسرافی فی امری وما انت اعلم بہ منی اللھم اغفرلی جدی وھزلی وخطائی وعمدی وکل ذالک عندی اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت واسررت وما اعلنت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت المؤخر وانت علی کل شئ قدیر (بخاری ومسلم عن ابو موسیٰ اشعریؓ)

(اے اللہ بخش دے میری خطا کو، میری نادانی کو، کاموں میں میری زیادتی کو اور اس گناہ کو جس کا علم مجھ سے زیادہ تجھ کو ہے یا اللہ بخش دے میری اس بات کو جس کو میں نے ارادہ اور سنجیدگی کے ساتھ کیا ہو اور اس بات کو جو ہنسی دل لگی میں کی ہو اور ان باتوں کو جو دانستہ یا نادانستہ کی ہوں اور یہ تمام باتیں مجھ سے ہیں۔ اے اللہ تو بخش دے میرے پہلے گناہ کو پچھلے گناہوں کو مخفی گناہوں کو، ظاہر گناہوں کو ان گناہوں کو جن کا علم مجھ سے زیادہ تجھ کو ہے۔ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے اور تو ہی ہر چیز پر قادر ہے)

۲۸ - اللھم زدنا ولا تنقصنا وکرمنا ولا تھنا واعطنا ولا تحرمنا واثرنا ولا تؤثر علینا وارضنا وارض عنا
(احمد، ترمذی عن عمر بن خطابؓ)

اے اللہ زیادہ کر (دنیا اور آخرت کی نعمتیں) اور (ان میں) کمی نہ کر اور عزت سے رکھ ہم کو (دنیا و آخرت میں) اور ذلیل نہ کر ہم کو اور عطا کر ہم کو (دنیا اور آخرت کی بھلائی) اور نہ محروم رکھ (اس سے) اور مخصوص کر ہم کو (اپنی رحمت و عنایت کے ساتھ) اور نہ مخصوص کر ہمارے مقابلہ میں غیر کو اور راضی کر ہم کو اور راضی ہو ہم سے)

۲۹ - اللھم بعلمک الغیب وقدرتک علی الخلق احینی ما علمت الحیوۃ خیراً لی وتوفنی اذا علمت الوفاۃ خیراً لی اللھم واسئلک فی الغیب والشھادۃ واسئلک کلمۃ الحق فی الرضی والغضب واسئلک القصد فی الفقر والغنی واسئلک نعیما لا ینفد واسئلک قرۃ عین لا ینقطع واسئلک الرضا بعد القضا واسئلک برد العیش بعد الموت واسئلک لذۃ النظر الی وجھک والشوق الی لقائک فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنۃ مضلۃ اللھم زینا بزینۃ الایمان (نسائی عن عطاء بن سائبؓ)

(اے اللہ بحق اپنے علم غیب کے اور بحق اپنی قدرت کے مخلوق پر مجھ کو زندہ رکھ اس وقت تک جب تک کہ میری زندگی میرے لئے بہتر ہو اور موت دے تو مجھ کو اس وقت جب کہ تو میرے لئے موت کو بہتر جانتا ہو اے اللہ اور مانگتا ہوں میں تجھ سے تیرا خوف ظاہر و باطن میں اور مانگتا ہوں میں تجھ سے کہنا کلمہ حق کا خوشی اور ناراضگی میں اور مانگتا ہوں تجھ سے میانہ روی افلاس اور خوشحالی کی حالت میں اور مانگتا ہوں تجھ سے ایسی نعمت جو کبھی ختم نہ ہو اور مانگتا ہوں تجھ سے ٹھنڈک آنکھ کی جو کبھی ختم نہ ہو اور مانگتا ہوں تجھ سے شوق تیری ملاقات کا ایسا شوق کہ حرز نہ بن جائے اور نہ گمراہی کے فتنہ میں ڈالے اے اللہ ہم کو ایمان کی زینت کے ساتھ زینت دے۔

۳۰ - اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وعافنی وارزقنی (مسلم عن ابو مالک اشجعیؓ)

(اے اللہ مجھ کو بخش دے۔ مجھ پر رحم فرما۔ مجھ کو ہدایت دے مجھ کو عافیت سے رکھ اور مجھ کو رزق عطا فرما۔

۳۱ - اللھم قنی عذابک یوم تجمع عبادک او تبعث عبادک (ترمذی - احمد عن حذیفہؓ)

(اے اللہ بچا تو مجھ کو عذاب سے اس روز جب کہ تو اپنے بندوں کو جمع کرے۔ یعنی قیامت کے دن یا اس دن کہ تو بندوں کو قبر سے اٹھالے)

۴۲ - سبحان اللّٰہ وبحمدہ لا قوۃ الا باللّٰہ ما شاء اللّٰہ کان وما لم یشاء لم یکن اعلم ان اللّٰہ علی کل شیئ قدیر وان اللّٰہ قد احاط بکل شیئ علماً (ابوداؤد)

پاک ہے خدا اسی کے لئے اور ہر قسم کی تعریف اسی کو زیبا ہے اور حمد و تسبیح کی قوت نہیں ہے۔ (ہم میں) مگر اللہ کی مدد سے جو کچھ اللہ نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔)

۴۳ - اللھم انی اسئلک الھدی والتقی والعفاف والغنی (مسلم عن عبداللہ بن مسعودؓ)

(اے اللہ میں طلب کرتا ہوں تجھ سے ہدایت پرہیزگاری، پاک دامنی اور بے پروائی)

۴۴ - اللھم اٰتِ نفسی تقوٰھا وزکّھا وانت خیر من زکّٰھا انت ولیّھا و مولاھا۔

(بخاری ومسلم، ترمذی و نسائی و ابن ابی شیبہ عن زید بن ارقمؓ)

یا اللہ میرے نفس کو پرہیزگاری عطا فرما اور اسے تو پاک کر دے۔ تو ہی سب سے بہتر اس کو پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا مالک اور اس کا آقا ہے)

۴۵ - اسئلک علماً نافعاً (ابن حبان عن جابرؓ)

(میں تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جو کار آمد ہو۔)

۴۶ - اللھم اغفرلی ذنوبی وخطئی وعمدی (طبرانی عن ابن عباسؓ)

اے اللہ بخش دے میرے گناہ نادانستہ یا دانستہ

۴۷ - اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک (مسلم ونسائی عن عبداللہ بن عمروؓ)

اے اللہ پھیرنے والے دلوں کے پھیر دے ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف۔

۴۸ - اللھم انی اسالک رزقاً طیباً وعلماً نافعاً وعملاً متقبلاً (طبرانی وابن السنی عن ام سلمہؓ)

(اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے پاکیزہ رزق کار آمد علم اور عمل مقبول)

۴۹ - اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی بصری نوراً وفی سمعی نوراً وعن یمینی نوراً وعن شمالی نوراً وخلفی نوراً ومن امامی نوراً واجعل لی نوراً وفی عصبی نوراً وفی لحمی نوراً وفی دمی نوراً وفی شعری نوراً وفی بشری نوراً وفی لسانی نوراً واجعل فی نفسی نوراً واعظم لی نوراً واجعلنی نوراً واجعل من فوقی نوراً ومن تحتی نوراً اللھم اعطنی نوراً

(بخاری ومسلم وابوداؤد ونسائی و ابن ماجہ وحاکم عن ابن عباسؓ)

(یا اللہ کر دے میرے دل میں نور اور میری بینائی میں نور اور میری شنوائی میں نور اور میرے داہنی طرف نور اور بائیں طرف نور اور میرے پیچھے نور اور میرے سامنے نور اور کر دے میرے لئے خاص نور اور میرے پٹھوں میں نور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میرے پوست میں نور اور میری زبان میں نور اور کر دے میری جان میں نور اور دے مجھے نور عظیم اور کر دے مجھے سراپا نور اور کر دے میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور، یا اللہ دے مجھے نور۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

اللہ اُن سے خوش رہا اور وہ اللہ سے خوش رہے ۔ یہی بڑی کامیابی ہے ۔

(المائدۃ : ۱۱۹)



جان نِثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

خلفاء رضی اللہ عنہم

مواخاتِ صحابہؓ

ڈاکٹر نثار احمد

مواخاۃ کے لغوی معنی ہیں آپس میں بھائی چارہ کرنا۔ لیکن ہم یہاں جس "مواخاۃ" کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اس سے مراد وہ "مواخاۃ" ہے جس کا انعقاد مہاجرین و انصار (رضی اللہ عنہم) کے درمیان بر بنائے حق، مواساۃ اور توارث[1] اس وقت ہوا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے۔

مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن گوناگوں مسائل کا سامنا کرنا پڑا، اور جن مشکلات پر قابو پانے کے لئے آپ نے فوری تدابیر اختیار فرمائیں ان میں مندرجہ ذیل خاص ہیں۔

(۱) مہاجرین مکہ کی معاشی آسودگی اور آبادکاری کا انتظام۔

(۲) مدینہ میں بسنے والے مختلف عناصر سے تعلقات۔

(۳) اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا اہتمام اور۔

(۴) اسلامی جماعت کی سالمیت اور اتحاد کو برقرار رکھنے کا مسئلہ۔

ان کو حل کرنے کے لئے آپؐ نے جو ابتدائی اقدامات فرمائے ان میں سے ایک مسجد نبوی کی تعمیر، دوسرے مواخاۃ کا قیام، اور تیسرے میثاق مدینہ، انتہائی اہم ہیں۔ ان تینوں اقدامات میں کوئی زمانی ترتیب حتمی طور پر قائم کرنا اگرچہ مشکل ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ یہ اقدامات سلھ میں ہی کئے گئے۔ البتہ اصحاب سیر نے جس انداز سے ان کا ذکر کیا ہے اس میں اختلافات پائے جاتے ہیں مثلاً متقدمین میں سے ابن ہشام[2] نے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر پھر میثاق مدینہ، اور پھر مواخاۃ سے بحث کی ہے متاخرین میں سے ابن خلدون[3] نے ٹھیک اسی ترتیب کا اتباع کیا ہے جبکہ بعض مورخین ایسے ہیں جنہوں نے پہلے مسجد نبوی، پھر مواخاۃ، اور اس کے بعد میثاق مدینہ کو رکھا ہے۔ مثلاً ہمارے ہاں علامہ شبلی نے یہی ترتیب برقرار رکھی ہے[4] جبکہ ابن سعد نے نئی ترتیب یہ قائم کی ہے کہ پہلے مواخاۃ پھر بناء مسجد سے بحث

۱۔ کتاب المحبر صفحہ ۱۷، از علامہ محمد بن حبیب بغدادی م ۲۴۵ھ مطبعۃ دائرۃ المعارف دکن ۱۹۴۲ء

۲۔ دیکھئے ابن ہشام صفحہ ۴۹۸ تا صفحہ ۵۰۳ ج ۱ مطبوعہ مطبع محمد علی صبیح۔ ازہر (مصر)

۳۔ دیکھئے ابن خلدون صفحہ ۱۶، ۱۷، ج ۲ تاریخ۔ طبع مصر۔ بتصحیح نصر ابوالوفا الہورینی۔ ذی الحجہ ۱۲۸۴ھ (بولاق)

۴۔ دیکھئے سیرۃ النبی حصہ اول۔ مطبع معارف اعظم گڑھ، طبع ششم صفحہ ۲۷۶ تا صفحہ ۲۹۴

کی ہے ہمیں مدینہ کی مخصوص صورت حال اور مسائل کی نوعیت کے اعتبار سے دوسری ترتیب ہی زیادہ صحیح اور مرجح معلوم ہوتی ہے۔ یعنی پہلے مسجد نبوی کی تعمیر اور اس کے بعد مواخاۃ مدینہ۔ لیکن یہاں یہ تصریح غیر مناسب نہ ہوگی کہ اگرچہ مسجد کی تعمیر پہلا قدم ہے تاہم تعمیر کا کام کئی ماہ کی مدت پر پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ ابن ہشامؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان میں ٹھہرنے کے فوراً بعد آپ نے مسجد بنانے کا منصوبہ بنایا اور پھر زمین خرید کر تعمیر کا آغاز بھی کر دیا پھر ابن اسحاق کے حوالے سے وہ آگے لکھتا ہے کہ "ماہ ربیع الاول میں حضورؐ مدینہ کے اندر رونق افروز ہوئے اور اس کے نویں مہینے صفر میں آپ کی مسجد اور مکان بن کر تیار ہوا[۳]" اور ظاہر ہے کہ ان تعمیرات کے مکمل ہونے کے بعد آپ دار ابوب سے مسجد (نبوی) میں منتقل ہوئے۔ ابن ہشام نے تعمیر کے سلسلہ میں نو ماہ کی جس مدت کا ذکر کیا ہے۔ بعض متاخرینؒ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے یہ مدت سات ماہ بھی لکھی ہے[۴]۔ بہرحال مسجد نبوی اور حجرات کی تعمیر میں اتنا عرصہ لگنا بالکل قرین قیاس ہے۔ کیونکہ مسجد نبوی اپنی انتہائی سادہ شکل اور غیر مزین ہونے کے باوجود تقریباً ڈھائی ہزار مربع گز پر محیط تھی۔

اب جہاں تک مواخاۃ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بعض مورخین نے یہ تصریح کی ہے کہ مواخاۃ کا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے پانچویں مہینے یعنی رجب ۱ھ میں پیش آیا[۵]۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے مواخاۃ کا انعقاد ہوا۔ اس اعتبار سے ابن سعد کی ترتیب صحیح ہو جاتی ہے اور اس کا ایک قرینہ یہ بھی موجود ہے کہ یہ مواخاۃ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ یعنی حضرت انس بن مالکؓ کے گھر پر کرائی گئی جس کی وجہ غالباً ایک تو حضورؐ کی قیام گاہ سے قربت ہو سکتی ہے اور دوسری یہ کہ اس وقت تک مسجد نبوی کی تکمیل نہ ہوئی تھی۔ ورنہ یہ مواخاۃ بھی یقیناً مسجد نبوی میں کرائی جاتی۔ اس اعتبار سے ہم مسجد نبوی کی تعمیر اور مواخاۃ دونوں کو ایک ہی زمانے میں پاتے ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ دونوں واقعات آمد مدینہ کے فوراً بعد ہوئے اور میثاق مدینہ سے یقیناً تقدم زمانی رکھتے ہیں۔

تعین زمانی کے بعد مواخاۃ کے سلسلے میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ متذکرہ بالا "عقد مواخاۃ" کن مصالح کے پیش نظر قرار پایا اور کون کون سے فائدے اس سے حاصل ہوئے۔ علامہ محمد ابن حبیب نے اپنی کتاب المحبر[۵] میں لکھا ہے کہ: "آخی بین المھاجرین والانصار علی الحق والمواساۃ وان یتوارثوا بعد الممات صاحب روض الانف امام سہیلی م ۵۸۱ھ لکھتے ہیں: لیذھب عنھم وحشۃ الغربۃ ویؤنسھم من مفارقۃ الاھل والعشیرۃ ویشد ازر بعضھم ببعض[۶] اور علامہ ابن کثیر، م ۷۷۴ھ نے لکھا ہے: لاجل ارتفاق بعضھم من بعض ولیتالف قلوب بعضھم

۱۔ الطبقات الکبریٰ۔ ج ا صفحہ ۲۳۸، ۲۳۹ دار بیروت للطباعۃ والنشر بیروت ۱۹۶۰ء

۲۔ ابن ہشام صفحہ ۲۹۸ ۳۔ ایضاً صفحہ ۳۰۰

۴۔ مثلاً ابن قیم دیکھئے زاد المعاد ج ا صفحہ ۲۵ الطبعۃ الثانیہ ۱۹۵۰ء مصطفیٰ البابی مصر

۵۔ صفحہ ۷۱

۶۔ الروض الانف د شرح السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ج ۲ از ابی القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی۔ الجزء الثانی صفحہ ۱۸ مطبعہ جمالیہ، مصر ۱۹۱۴ء

علی بعض لہ

مطلب واضح ہے۔ چونکہ مہاجرین اپنا گھر بار، عزیز و اقارب، اموال و اولاد اور مولد و وطن سب کچھ چھوڑ کر اور راہ حق میں لٹا کر مدینہ پہنچے تھے اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کی دلدہی کی جائے، ان کی تالیف قلب کی جائے۔ ان کی غریب الوطنی اور غریب الدیاری کے فطری احساس کو دور کیا جائے[2] اسی لئے ان کا انصار سے رشتۂ اخوت استوار کیا گیا۔ اس میں یہ مصلحت بھی تھی کہ اس طرح ایک دوسرے کا بھائی بن جانے سے فریقین کو ایک دوسرے سے تقویت اور امداد بہم پہنچے گی۔

اگرچہ بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ کا یہ عمل ایک عارضی اور وقتی عمل تھا جو مہاجرین کو مدینہ کے ماحول سے مانوس کرنے اور ان کی دلدہی و پاسِ خاطر کے تحت کیا گیا تھا۔ لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے بلکہ مواخاۃ کا یہ عمل اپنے دامن میں چند مستقل اور پائیدار فوائد و مصالح رکھتا ہے۔ مزید برآں اس "مواخاۃ" سے محض مہاجرین کو ہی فائدے نہیں پہنچے، انصار بھی اس سے مساوی طور پر متمتع ہوتے۔ بلکہ خود "مواخاۃ" کا لفظ باب مفاعلہ سے ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عمل یکطرفہ نہیں بلکہ دوطرفہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ مواخاۃ قائم کرکے صرف مہاجرین کو ہی فائدہ پہنچانا مقصود نہ تھا اور نہ یہ محض ان ہی کی خواہش کے پیش نظر کیا گیا تھا بلکہ یہ معاملہ دوطرفہ حیثیت رکھتا ہے۔ اب فوائد و مصالح کا مطالعہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ اس واقعہ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ کی وجہ سے ایک طرف تو بے سروسامان، غریب الدیار، مہاجرین مکہ کی آبادکاری کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اور دوسری طرف ان کی معاشی کفالت کی ایک سبیل پیدا ہو گئی۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ مہاجرین نے ضرورت سے زیادہ کوئی عطیہ قبول نہ کیا اور اپنے انصاری بھائی پر بار بننے کے بجائے اپنی قوت بازو سے معاش کا بندوبست کیا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ جب ان کے انصاری بھائی حضرت سعد بن ربیعؓ نے یہ پیش کش کی کہ "میں اپنا نصف مال و منال تمہیں بانٹ دیتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں ان کو دیکھ لو جو پسند آئے اس کا نام بتاؤ میں طلاق دے دوں گا عدت گزرنے کے بعد تم نکاح کر لینا"۔۔۔۔ لیکن حضرت عبدالرحمان بن عوف کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور جواب دیا "خدا تمہارے مال و منال اور اہل و عیال میں برکت دے مجھے صرف بازار دکھا دو"[3]

اسی طرح جب مہاجرین کو زمینیں مل گئیں یا مکانات بن گئے تو وہ انصار پر مزید بوجھ بننے کے بجائے وہاں منتقل ہو گئے۔ مہاجرین

۱۔ السیرۃ النبویۃ۔ لامام ابی الفداء اسماعیل بن کثیر۔ الجزء الثانی صفحہ ۳۲۶ مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی۔ قاہرہ ۱۹۲۴ء

۲۔ مدینہ پہنچ کر اکثر صحابہ بیمار ہو گئے تھے اور مکہ کی آب و ہوا کو یاد کیا کرتے تھے۔

۳۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے کاروبار شروع کیا اور اس میں اللہ نے اتنی برکت دی کہ مٹی سے سونا پیدا کرنے لگے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے مال کا آٹھواں حصہ چار بیویوں پر تقسیم کیا گیا تو ہر ایک کو اسی (۸۰) اسی (۸۰) ہزار درہم ملے۔ (مہاجرین حصہ اول صفحہ ۱۲۷ از حاجی معین الدین ندوی۔ مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء)

کی آبادکاری کا یہ مسئلہ جو فی الحقیقت ایک پریشان کن مسئلہ تھا وہ اتنی آسانی سے حل ہو گیا کہ جس پر شاید ان لوگوں کو حیرت ہو جو قوموں کی تعمیر و تشکیل کے مطالعہ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ بستی اجاڑنے یا اجڑنے میں دیر نہیں لگتی البتہ بستی بسانا ایک مشکل کام ہے مگر یہ مشکل کام اور پیچیدہ مسئلہ بھی حضورؐ نے اپنے ناخن تدبیر سے چشم زدن میں حل کر دیا۔

۲۔ مہاجرین کو یہ فائدہ بھی پہنچا کہ ان کا احساس غربت دور ہو گیا۔ وطن کی یاد، گھر بار، عزیز و اقارب سے چھٹنے کا فطری احساس و ملال اور مدینہ کی اجنبیت وغیرہ کا جو کچھ تھوڑا بہت خیال ہو سکتا تھا اپنائیت میں تبدیل ہو گیا۔ انصار نے عقبہ کی بیعت اور عہد کے مطابق صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہاتھوں ہاتھ نہیں لیا بلکہ آپ کے تمام جاں نثاروں کی خیر خواہی اور دلدہی بھی انتہائی ہمدردی، فراخدلانہ محبت، خلوص، ایثار اور جذبۂ رفاقت سے کی اور اپنے پرائے کی تمیز کا شائبہ بھی پیدا نہ ہونے دیا اور اس کی انتہا یہ ہے کہ مہاجرین کو اس طرح وصیت اور وراثت تک میں شامل کر لیا جس طرح ذوی الارحام حق دار ہوتے ہیں اور یہ صورت حال اس وقت تک جاری رہی جب تک کہ غزوہ بدر کے بعد ۲ھ میں سورۂ انفال کی یہ آخری آیت نازل نہ ہو گئی کہ:

واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ ان اللہ بکل شیٔ علیم (آیت ۷۵)

(یعنی اور رشتہ دار خدا کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

۳۔ مواخاۃ کے ذریعہ ایک مناسب ٹھکانہ میسر آجانے بنیادی مادی ضروریات کی تکمیل اور ایک گونہ معاشی آسودگی حاصل ہو جانے کے بعد مہاجرین نے مدینہ کی معاشی و تجارتی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ جیسا کہ معلوم ہے، مدینہ میں معاشی طور پر تفوق اور برتری یہود کو حاصل تھی۔ یہودی مدینہ کی زراعت، تجارت اور صنعت پر چھائے ہوئے تھے[۱] یہ خوشحال اور فارغ البال تھے۔ زرخیز زمینیں گھنے نخلستان اور باغات ان کے قبضہ میں تھے، ان کی آبادی بہت قدیم تھی اور اس وقت مدینہ کی کل آبادی[۲] کا تقریباً نصف حصہ[۳] یہی لوگ تھے۔ ان کے مختلف قبائل اور بطون کی تعداد یوں تو دس تھی مگر ان میں سے تین قبیلے بڑے اہم اور مضبوط تھے۔ یعنی بنو قینقاع، بنو نضیر، اور بنو قریظہ، جو مدینہ کے جنوب مشرق میں آباد تھے اور تجارت پر تو ان کی اجارہ داری قائم اور مارکیٹ پر ان کا قبضہ و تسلط تھا۔ جس کی وجہ سے وہ سرمایہ دار و ساہوکار بن گئے تھے اور اپنی اس پوزیشن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے معاشی استحصال کے ذریعہ انہوں نے انصار کو اپنا دست نگر بنا لیا تھا۔ انصار کا حال یہ تھا کہ ان کی آبادی اوس و خزرج کے متعدد قبائل میں بٹی ہوئی تھی[۴] اوس و خزرج

۱۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی صفحہ ۲۲۲ از ڈاکٹر حمید اللہ۔ بحوالہ صحیح بخاری۔ ۲۔ تقریباً پانچ تا دس ہزار نفوس

۳۔ The first written constitution of the world. By Dr. Mohd Hamidullal. Sh. Mohd Ashraf Lahore. 1968 p. 13.

نیز دیکھئے: عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ج ا صفحہ ۷۶ تا ۱۱۲ مکتبہ ابراہیمیہ دکن، بار دوم

۴۔ ان کے قبائل کی تفصیل اور نسب کے لئے ملاحظہ ہو: جمہرۃ انساب العرب۔ لابی محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم الاندلسی، م ۴۵۶ھ مع تحقیق تعلیق عبدالسلام محمد ہارون، دار المعارف، قاہرہ مصر ۱۹۶۲ء صفحہ ۳۳۲ تا ۳۶۷

اپنی باہمی لڑائیوں[1] میں نہ صرف اپنی قوتیں ضائع کر چکے تھے بلکہ معاشی اعتبار سے اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ وہ یہودیوں کے مقروض[2] سود در سود کے چکروں میں گرفتار، نیز معاشی دباؤ کی وجہ سے بڑی حد تک اُن کے زیر اثر اور مطیع و فرمانبردار بھی تھے۔ دوسری طرف انصار تھوڑا بہت تجارت کا شغل بھی رکھتے تھے۔ ان کے بازار اور مراکز خرید و فروخت بھی تھے[3] مگر فن تجارت سے فی الواقع وہ بالکل نابلد تھے اور کم از کم یہ بات طے ہے کہ مدینہ کی تجارت پر ان کا کوئی کنٹرول نہ تھا۔ اگرچہ زراعت ان کا آبائی پیشہ اور اصل فن تھا مگر مالی اعتبار سے کمزور ہونے اور زرخیز زمینوں کی قلت کے سبب، اس میں بھی وہ خاطر خواہ ترقی نہ کر سکتے تھے اور یہودیوں کو خراج تک ادا کیا کرتے تھے[4]۔ بحیثیت مجموعی سیاسی اعتبار سے اس وقت مدینہ میں نراجی کیفیت طاری تھی۔ کوئی منظم حکومت، باقاعدہ حکمران یا سیاسی قانون و ضابطہ نہ تھا۔ وہی قبائلی نظام جو عرب کی خصوصیت تھی وہاں بھی قائم تھا اور ہر قبیلہ پوری طرح انتظام خود اختیاری کا مالک اور اپنے داخلی معاملات میں آزاد تھا۔

اب جہاں تک مہاجرین کا تعلق ہے تو یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ وہ سینکڑوں برس سے فن تجارت میں مشغول، اس کی نزاکتوں سے واقف، اور اس پیشہ کے امام تھے۔ انہوں نے مدینہ آنے کے فوراً بعد ہی بازاروں کا رخ کیا اور کچھ ہی عرصہ میں تجارت و کاروبار پر اس حد تک چھا گئے کہ مارکیٹ سے یہودیوں کی اجارہ داری ختم ہوئی اور ان کا سارا زور ٹوٹ گیا۔ یہودیوں کی معاشی طور پر یہ شکست اور مہاجرین کی فتح اس وقت اور بھی قابلِ لحاظ اور قابلِ ستائش بن جاتی ہے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مدینہ میں اس وقت حالات کتنے سخت تھے۔ مہاجرین کو معاشی میدان میں کتنی سخت مسابقت درپیش تھی اور یہ سب کچھ اس انداز سے کیا گیا کہ نہ تو ان کے پاس سرمایہ تھا اور نہ اپنے گھربار کی آسائشیں۔ یہ مزید دلالت ہے اس بات کی کہ وہ فنِ تجارت میں کس حد تک درک بلکہ مہارت تامہ رکھتے تھے۔

معاشی طور پر یہود کو جو ضرب کاری لگی تھی، اس نے ان کی حیثیت کو بُری طرح متاثر کیا اور اس کی رہی سہی کسر اس طرح پوری ہو گئی کہ مواخاة کے چند ماہ بعد ۱ھ میں ہی میثاق مدینہ میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حکمران، اور آخری عدالت مرافعہ تسلیم کر لیا۔ اگلے سال ۲ھ میں ان کے قبیلہ بنو قینقاع کا ۴ھ میں بنو نضیر کا اخراج اور ۵ھ میں ان کے قبیلہ بنو قریظہ کا استیصال ہوا اور اس طرح

۱۔ آخری جنگ "جنگ بعاث" تھی۔

۲۔ چنانچہ بنو نضیر نے جلاوطنی کے حکم پر توجہ دلائی کہ ان کے قرضے مقامی باشندوں سے وصول طلب ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ضعوا وتعجلوا (رقم گھٹا کر میعاد سے قبل حساب بے باک کر لو (رسول اکرم کی سیاسی زندگی از حمید اللہ۔ بحوالہ سرخسی)

۳۔ انصار نے اپنے لیے (یہودیوں کے بازاروں سے الگ، چند بازار قائم کیے تھے چنانچہ مدینہ کا سب سے بڑا بازار وہ تھا جو مہروز میں لگتا تھا اور جس کے قریب بنو ساعدہ کی آبادی تھی۔ ایک بازار قبا میں، ایک بازار ام العیال نامی ایک چشمہ کے کنارہ، اور ایک بازار مسجد الرایہ کے قریب تھا۔ ایک بازار مزاحم تھا اور یہ اوائل اسلام تک لگتا تھا (سیر انصار، اوّل صفحہ ۱۶۶ از مولوی سعید احمد انصاری، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۴۳ھ)

۴۔ سیر انصار حصہ اوّل صفحہ ۶۵ (بحوالہ معجم البلدان از یاقوت الحموی)

پانچ سال سے بھی کم مدت میں مدینہ کی بستی یہودیوں کے وجودِ نامسعود سے پاک اور مدینہ کے کوچہ و بازار ان کے معاشی تسلط سے کلیتاً آزاد ہو گئے۔

اس کا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ انصار کا معاشی اور معاشرتی دونوں اعتبار سے مرتبہ بلند ہو گیا۔ یہودیوں کے دائرہ اثر سے نجات ملی اور اب اپنی تمام تر توجہ انہوں نے تجارت (جسے وہ گویا مجبوراً یا تکلفاً کرتے تھے) کے بجائے زراعت پر مرکوز کر دی۔ نیز یہودیوں کے اخراج مدینہ کے بعد وہ نہ صرف اُن کے پنجۂ ظلم سے آزاد ہوئے بلکہ زراعت کے میدان میں آگے بڑھنے لگے اور اس طرح مواخاۃ کے نتیجہ میں مہاجرین و انصار کے مبارک اتحاد نے کچھ ہی عرصہ میں مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ کر دیا۔

مواخاۃ کے ان نتائج و اثرات کو آپ ممکن ہے بڑی حد تک وقتی اور عارضی قرار دیں۔ اس کی ایک دلیل تو شاید یہ دی جائے کہ غزوہ بدر کے بعد وراثت کو مواخاۃ کے بجائے ذوی الارحام کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ اسی طرح جن دوسرے نتائج کا اوپر ذکر آیا ہے وہ بھی چند سالوں کے اندر تکمیل پذیر ہو گئے اس لحاظ سے بھی اس کی افادیت عارضی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ سب محض احتمالات ہیں۔ کیونکہ بغور مطالعہ سے یہ واضح ہوگا کہ واقعات کو تو ضرور وقتی کہا جا سکتا ہے لیکن نتائج وقتی اور عارضی نہیں بلکہ دور رس ہیں، مستقل ہیں کیونکہ اس سے جو معاشرتی بنیادیں استوار ہوئیں جو تحریک پیدا ہوئی اور جو اجتماعی فضا طاری ہوئی اس نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی تشکیل، عام برادرانہ تعلقات کے قیام اور اسلامی تہذیب کی آبیاری میں انتہائی مؤثر حصہ لیا اور اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیا جائے کہ یہ سارے نتائج واقعات کی طرح عارضی اور وقتی تھے تب بھی یہ بات کیا کم ہے کہ وقتی طور پر پیدا ہونے والے مسائل کو وقتی طور پر حل بھی کر دیا گیا۔

۴۔ واقعہ یہ ہے کہ عقد مواخاۃ کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جس کے تین پہلو ہیں

(۱) ایک تو یہ کہ مواخاۃ کے ذریعے ایک ایسی بنیاد اور اعلیٰ قدر سے دنیا کو پہلی بار متعارف کرایا جس سے وہ پہلے واقف نہ تھی۔ اب سے پہلے تک نظری اور عملی دونوں اعتبار سے ایک انسان اور دوسرے انسان سے تعلق، وابستگی اور اتحاد کی حقیقی بنیادیں متعین طور پر وطن، رنگ، نسل، زبان، قومیت، محدود و ناقص مذہبی تصور اور دوسری عصبیتیں سمجھی جاتی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام بنیادوں کو مسترد فرما کر انسانوں کے باہمی تعلق و ہم آہنگی، وابستگی اور اتحاد کی حقیقی بنیاد صرف ایک قرار دی یعنی دین اور حق۔ اسی بنیاد کی طرف توحید کی پہلی تعلیم آغاز دعوت میں ہی دے دی گئی تھی اور یہ محض فلسفیانہ پیش کش یا محض نظریہ نہ تھا بلکہ اس کا عملی مظاہرہ اس طرح کیا کہ دین و ایمان کی اس بنیاد پر لوگوں کو جوڑتے چلے گئے اور جو لوگ یوں ایک دوسرے سے وابستہ ہوئے تو ان کے رشتہ محکم کو نہ قبیلہ اور معاشرہ کی روایات توڑ سکیں اور نہ ظلم و تعدی، جور و جفا کی کوئی شکل اس کو منقطع کر سکی۔ بلکہ معاملہ بالکل برعکس ہوا۔ یعنی اس رشتہ محکم نے جاہلی معاشرہ کو، اس کی معاشرتی روایات کو، قریش مکہ بلکہ پورے عرب کی مسلمہ روایات کو توڑ دیا اور ان کے پورے معاشرتی نظم کو منتشر اور ان کے سارے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا۔ اگر ان اسباب کا جائزہ لیا جائے جن کی بنیاد پر قریش مکہ خصوصاً اور اہل عرب عموماً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت حق کے خلاف صف آرا ہوئے اور مخالفت کی انتہائی حد تک جا پہنچے تو ان میں دوسرے اسباب کے علاوہ ایک سبب یہ بھی نظر آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تحریک نے دراصل جاہلیت کے پورے معاشرتی نظم کو درہم برہم کر دیا تھا۔ اس وقت تک حال یہ تھا کہ ان کی اصل معاشرتی تنظیم قبائلی تھی۔ معاشرہ میں کوئی آدمی کسی نہ کسی قبیلہ سے کوئی نہ کوئی نوع کا تعلق پیدا کیے

بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس کے لئے ضروری تھا کہ کسی نہ کسی قبیلہ سے باقاعدہ وابستگی پیدا کرے اور ہر شخص کے لئے یہ بھی لازمی تھا کہ قبیلہ کے نظم کی سختی سے پابندی کرے، بڑوں کا کہنا مانے، شیخ قبیلہ کی اطاعت اور قبیلہ کی روایات کا احترام کرے۔ بصورت دیگر وہ معتوب، مستحق عذاب اور طرد کے قابل تھا۔ ادھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو اس کا جواب دینے، اسے قبول کرنے اور لبیک کہنے والے پاک نفس، پاک وطن، قدوسیوں نے اپنے سارے جاہلی مراسم اور معاشرتی آداب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اور شیخ قبیلہ، اعزہ و اقارب، بزرگ و احباب سب کی نصیحتوں اور مرضی و خوشنودی کے علی الرغم، اور نتائج و عواقب کی پروا کئے بغیر آپس میں جڑنا اور شمع رسالت کے گرد جمع ہونا شروع کر دیا اور اس اولوالعزمی اور ثابت قدمی کے ساتھ کہ پھر اس رشتہ کو کوئی چیز منقطع نہ کر سکی العروۃ الوثقیٰ لاانفصام لہا۔ اب باپ بیٹے کے لئے غیر اور بیٹا باپ کے لئے اجنبی بن گیا۔ حسب و نسب کے تمام بت سجدہ ریز ہو گئے، امتیاز و افتخار کے جھوٹے معیار باطل قرار پائے۔ اب نہ شیخ قبیلہ کی دھمکیاں، اور عذابات اسے جنون حق سے باز رکھ سکے اور نہ خاندان اور قبیلے والوں کی ترغیب و ترہیب کی کوئی انتہائی شکل ان کے جذبۂ ایمان کی حرارت کو چھین سکی۔ گویا اجتماعیت کی ایک نئی بنیاد اور اتحاد و تعلق کی نئی اساس پر جو گروہ بن رہا تھا وہ اہل عرب کے لئے کھلا چیلنج بھی تھا اور اس نے ان کے صدیوں کے معاشرتی نظم کو بھی الٹ پلٹ کے دیا تھا۔ یہی وہ سبب ہے جس کی بنا پر اہل قریش، اہل عرب سب آپؐ کے خون کے پیاسے اور تحریک اسلامی کے دشمن بن گئے۔

دعوت کے اس مکی دور میں متذکرہ بالا اساسی قدر کو مزید موکد اور واضح کرنے کے لئے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات صحابہ کے درمیان ایک "عقد مواخاۃ" باندھا جنہوں نے بالکل ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ ممکن ہے بعض لوگوں کے لئے یہ امر باعث حیرت ہو کہ مکہ میں بھی کوئی مواخاۃ ہوئی ہے۔ لیکن تاریخ کی شہادت اس پر ثبت ہے کہ اس پہلی "مواخاۃ" کا انعقاد مکہ میں ہی ہوا تھا اور جن لوگوں کے درمیان ہوا تھا۔ ان میں سے چند کے نام محمد ابن حبیب صاحب کتاب المحبر کے حوالے[1] سے درج ذیل ہیں:

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے درمیان

۲۔ حضرت حمزہؓ 〃 زید بن حارثہ مولیٰ رسول اللہ 〃 〃

۳۔ 〃 ابوبکرؓ 〃 عمرؓ بن الخطاب 〃 〃

۴۔ 〃 عثمان ابن عفانؓ 〃 عبدالرحمٰن بن عوفؓ 〃 〃

۵۔ 〃 زبیر بن العوامؓ 〃 عبداللہ بن مسعودؓ 〃 〃

۶۔ 〃 عبیدہ بن الحارثؓ 〃 بلالؓ مولی ابی بکر 〃 〃

۷۔ 〃 مصعب بن عمیرؓ 〃 سعدؓ بن ابی وقاص 〃 〃

۸۔ 〃 ابوعبیدہ بنؓ الجراح 〃 سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ 〃 〃

۹۔ 〃 سعیدؓ بن زید بن عمرو 〃 طلحہؓ بن عبیداللہ 〃 〃

۱۔ کتاب المحبر صفحہ ۷۰، ۷۱

ٹھیک یہی فہرست ابن سید الناس م ۷۳۴ھ نے اپنی کتاب عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر میں بھی نقل کی ہے البتہ زرقانی نے شرح مواہب میں ابن عبدالبر کے حوالے سے یہ کہا ہے کہ حضرت زبیرؓ بن العوام کی مواخاۃ حضرت طلحہؓ سے کرائی گئی تھی

بہرحال یہ تو چند نام تھے ورنہ بقول زرقانی مواخاۃ ان کے علاوہ اور دوسرے صحابہ کے درمیان بھی ہوئی تھی۔ مکہ کی یہ مواخاۃ کہاں ہوئی تھی اس کا ذکر مورخین نے تو نہیں کیا ہے لیکن یہ بالکل واضح ہے کہ اس کا انعقاد یقیناً دار ارقم میں ہوا ہوگا۔ اس لئے کہ مذکورہ صحابہؓ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بارے میں مشہور اور صحیح بات ہے کہ یہ حضرات اس وقت ایمان لائے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں مقیم تھے۔

اس مواخاۃ مکہ کے بعد مدینہ میں مواخاۃ صحابہ کا رجب ۱ھ میں، دوسرا واقعہ، گویا ایک اعادہ، صورت حال کے تقاضوں کی تکمیل، اور اسی حقیقت متذکرہ بالا کو مزید موکد و مؤثر کرنے کا انتظام تھا۔

بہرکیف مدعا یہ ہے کہ مواخاۃ تو محض ایک علامت ہے جس کے ذریعے آپ نے بنیادی طور پر ایک شخص کو محض ایک کلمہ توحید پر، صرف اللہ کی خاطر، اور کلیتاً حق کے لئے، دوسرے شخص کا بھائی بنا دیا۔ اور یہ بنیاد ایسی ہے جو صرف عرب کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے، ایک عالمگیر ہمہ گیر، آفاقی اور زمان و مکان کی تمام قیود سے بالاتر تمام انسانوں کے لئے نقطۂ اتصال اور مرکز اتحاد بن سکتی ہے۔

(ب) اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس مواخاۃ کے ذریعہ تمام امتیازات کو محو کر دیا گیا۔ ہمہ اقسام کے فرق اور اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم کی بنیاد پر تمام لوگوں کو احترام و مساوات انسانی کا بے نظیر درس دیا گیا کہ ایک آدمی اپنے قبائلی حسب و نسب اور معاشرتی رتبہ میں اور جاہلی عز و افتخار میں خواہ کتنا ہی بلند مقام کیوں نہ رکھتا ہو مگر جب رشتہ اخوت میں پرو دیا گیا تو پھر نظارہ یہ ہے کہ حضرت حمزہؓ کا بھائی ایک آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ کو بنایا جاتا ہے حضرت عبیدہؓ بن حارث کو بلال حبشیؓ مولیٰ ابوبکر سے وابستہ کیا جاتا ہے اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو سالم مولیٰ ابوحذیفہ سے منسلک کیا جاتا ہے۔ مدینہ کی مواخاۃ صحابہ میں بھی یہ درس، یہ حسین منظر صاف اور واضح ہے۔ بلکہ زیادہ بڑے پیمانے پر ہے۔ اس لئے کہ مکہ میں تو معاملہ صرف مہاجرین کا، ایک ہی جگہ ایک ہی ماحول میں رہنے والوں کا تھا، فرق صرف معاشرتی پیمانوں کا تھا۔ جب کہ مدینہ میں معاشرتی فرق مراتب کے ساتھ ساتھ ماحول بھی اجنبی ہے، لوگ بھی بالکل اجنبی ہیں، جگہ بھی دوسری ہے اور لوگوں کے مزاج و طبائع میں بھی اختلافات ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود عقد مواخاۃ ان سب کو ہم رتبہ و ہم مرتبہ بنا کر ایک ہی سلک مروارید میں، ایک ہی نظم میں پرو دیتا ہے۔

(ج) اس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعہ جاہلی نظم معاشرت کو اکھاڑ کر ایک نئی معاشرتی تنظیم، ایک امت مسلمہ، اور ایک اسلامی معاشرہ کی داغ بیل ڈالی گئی جس کی حقیقی بنیاد اخوت، بھائی چارہ اور برادرانہ تعلق پر استوار کی گئی۔ حضورؐ کا یہ ارشاد کہ المسلم اخو المسلم اور

۱۔ الجزء الاوّل صفحہ ۱۹۹ مکتبۃ القدسی قاہرہ ۱۳۵۶ھ
۲۔ الجزء الاوّل صفحہ ۲۷۳ طبع اوّل مطبعہ ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ
۳۔ ایضاً

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ انما المومنون اخوۃ (حجرات) اسی حقیقت واضح کی تصدیق کرتے ہیں بلکہ سورۃ حجرات کا مقام جہاں یہ آیت (انما المومنون اخوۃ) آئی ہے اس سے متصل جو ہدایات ہیں۔ ان میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے استہزاء، تمسخر، برے نام رکھنے، القاب و آداب بگاڑنے، سوء ظن، غیبت، عیب جوئی اور تجسس سے روکا گیا ہے اور اسے فسق و فجور کا کام بتایا گیا ہے۔ اس کی جوہری حقیقت یہی ہے کہ دراصل یہ سب باتیں ایک مسلمان اور دوسرے مسلمان کے رشتہ اخوت کو کمزور کرنے، مسلمان معاشرے میں فتنوں کا دروازہ کھولنے، اور قلب مومن کے شیشہ صفا پر بال ڈالنے والی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو ان حرکات کا مرتکب پائے گا تو اس کے لئے مودت و محبت کے جذبات کے بجائے بغض و عداوت کے داعیات پیدا ہوں گے اور یہی وہ پہلا دریچہ ہے جو تمام معاشرتی پیچیدگیوں اور آپس کی نا اتفاقیوں کا فتح باب کرتا ہے۔

۵۔ اس مواخاۃ نے مہاجرین و انصار دونوں کو باہمی تربیت، تعلیم دین و دنیا اور اخلاق فاضلہ کے اظہار کا بہترین موقع عطا فرمایا۔ مہاجرین چونکہ سبقت ایمانی رکھتے اور علم و اکتساب کی جملہ صلاحیتیں بہم پہنچا چکے تھے اس لئے ان کو انصار کا بھائی بنایا گیا تاکہ ہر گھر میں ایک تربیت یافتہ، فاضل و متقی، دینی معلم موجود ہو اور وہ معلم اس گھر میں رہتے ہوئے تعلیم و اصلاح کے فرائض بھی انجام دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہاجرین و انصار دونوں نے مل کر اپنی باہمی کوششوں اور تائید الٰہی سے کچھ ہی عرصہ میں تعلیمات اسلامی کو گھر اور بازار، مدرسہ اور مسجد، منبر اور دفتر، جلوت اور خلوت، غرض ہر جگہ اور ہر وقت پہنچاتے رہے، یہاں تک کہ ہر سمت سے صدائے حق آنے لگی۔ گویا اشاعت اسلام انتہائی آسان اور مؤثر طریقے اور سرعت رفتار سے ہونے لگی اور تعلیمات اسلامی کے زندہ نسخے اسلامی معاشرے میں ہر طرف چلتے پھرتے نظر آنے لگے۔

۶۔ مواخاۃ سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ مہاجرین و انصار "بنیان مرصوص" (ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار) بن گئے اور ایک محسوس قوت بن کر ہر خطرہ کے آگے سینہ سپر ہو گئے اور جس کا ادنیٰ سا منظاہرہ کچھ ہی ماہ بعد جنگ بدر میں نظر آجاتا ہے۔ اسلامی جماعت میں اتحاد، تعاون و ہم آہنگی کی فضا اور مرکزیت پیدا ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے کے اس طرح غمخوار بن گئے کہ اگر ایک کو کسی قسم کی تکلیف پہنچتی تھی تو دوسرا بے چین ہو جاتا تھا۔

بہرحال اس گفتگو سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ عقد مواخاۃ کوئی وقتی عمل اور ایک عارضی واقعہ نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس سے آپ نے گوناگوں فوائد حاصل کئے اور مہاجرین و انصار دونوں میں بیک وقت، اتحاد فکر و عمل اس طرح پیدا کر دیا کہ جذبہ ایثار و قربانی کی تابناک مثالیں قائم کر کے کچھ ہی عرصہ میں محیر العقول کارنامے انجام دیئے گئے۔

اب جہاں تک ان مہاجر و انصار صحابہ کی تعداد کا تعلق ہے جن کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد مواخاۃ قائم فرمایا تھا تو اصحاب تاریخ و سیر عموماً کل تعداد نوے (۹۰) بتاتے ہیں۔ یعنی پینتالیس مہاجرین اور پینتالیس انصار۔ ابن سعد نے اس تعداد کو بتا کر یہ بھی کہہ دیا ہے کہ "یقال: کانوا مائۃ، خمسون من المہاجرین و خمسون من الانصار"[1] (یعنی کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد سو ہے پچاس مہاجرین اور

۱۔ الطبقات الکبریٰ ج ۱ صفحہ ۲۳۸

پچاس انصار میں سے) لیکن مقام افسوس یہ ہے کہ بالعموم تعداد ظاہر کر دینے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ اور ان کے مکمل اسماء نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس لئے سیرت نبوی کے تمام قدیم و جدید ماخذوں میں بمشکل سترہ یا اٹھارہ نام ملتے ہیں۔ بلکہ بعض مؤرخین کے یہاں تو یہ نام بھی نہیں ملتے۔ البتہ صرف دو مؤرخین کو استثنا حاصل ہے ایک تو ابن سعد کو جنہوں نے ذکر مواخاۃ میں تو نہیں البتہ تراجم رجال کے ضمن میں ان کی مواخاۃ کی تصریح بھی کر دی ہے اور یوں ایک اچھی خاصی تعداد میں نام وہاں مل جاتے ہیں۔ دوسرے محمد ابن حبیب صاحب کتاب المحبر ہیں جنہوں نے سب سے زیادہ تعداد لکھی ہے۔ یعنی نہ صرف پینتالیس بلکہ دس زائد یعنی پچپن آدمیوں کے نام بڑی وضاحت سے لکھے ہیں [1]

آگے بڑھنے سے پہلے چند وضاحتیں کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک وضاحت تو یہ ضروری ہے کہ اگرچہ مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے صحابہ (مہاجرین) کی کل تعداد تقریباً ڈیڑھ سو ہے [2]۔ لیکن مواخاۃ کے سلسلے میں نام صرف ۴۵ یا ۵۰ وغیرہ کے ملتے ہیں۔ اس سے تین باتیں سمجھ میں آتی ہیں یعنی:

(ا) مواخاۃ اُن تمام لوگوں کی کرائی گئی جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ سوء اتفاق کہ ان کے نام وغیرہ کو مؤرخین نے نقل و محفوظ نہ کیا۔

(ب) مواخاۃ صرف اُن ہی مہاجرین و انصار کے درمیان ہوئی جو حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں موجود تھے۔ جو وہاں موجود نہیں تھے۔ ان کی مواخاۃ نہیں کرائی گئی۔

(ج) یہ مواخاۃ کا پہلا مرحلہ تھا۔ ممکن ہے بعد میں باقی بچے کھچے مہاجرین و انصار کے درمیان بھی مواخاۃ کرا دی جاتی۔ مگر شاید پھر مسجد نبویؐ کی تکمیل اور میثاق مدینہ کی تسوید کے بعد ضرورت نہ سمجھی گئی ہو۔ اس لئے کہ مسجد نبویؐ نے اسلامی جماعت کی سالمیت و اتحاد اور ان میں مرکزیت پیدا کرنے کے سلسلے میں انتہائی اہم اور موثر کردار ادا کیا۔ اسی طرح میثاق مدینہ کے بعد مدینہ میں رہنے والے تمام عناصر کے درمیان حقوق و فرائض کا تعین بھی ہو گیا اور مسلمانوں کی ممتاز حیثیت بھی واضح ہو گئی یا پھر یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی غزوات و سرایا میں مصروفیات نے اس کا موقع نہ دیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انما المؤمنون اخوۃ، (قرآن) اور المسلم اخو المسلم (حدیث) کی اصولی ہدایات دے دینے کے بعد نام بنام رشتہ اخوت استوار کرنے کی حاجت باقی نہ رہ گئی ہو۔

دوسری وضاحت یہ کرنا ہے کہ حضورؐ کے ہاتھوں رشتہ اخوت میں منسلک ہونے والے مہاجرین و انصار کے ناموں میں اختلافات اور رشتوں میں فرق بھی پایا جاتا ہے مگر تاریخ اسلامی کے بیشتر ماخذوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم نہ صرف یہ کہ بعض ناموں کا اضافہ کر سکتے ہیں بلکہ مہاجرین و انصار کی فہرست کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں یعنی:

۱۔ دیکھئے المحبر صفحہ ۷۱ تا ۷۵

۲۔ مہاجرین کی اس تعداد کا تعین اور فہرست اسماء راقم الحروف نے ابن ہشام، ابن سعد، ابن قیم اور دوسرے مورخین کے بیانات کی مدد سے مرتب کرنے کی کوشش کی تو کم از کم ۱۰۲ نام مل گئے۔ جو تعداد باقی رہ جاتی ہے اس کے پیش نظر یہ اندازہ ہے کہ کل تعداد اندازاً (۱۵۰) ڈیڑھ سو ہو گی۔ اس مقدار کو ہمارے یہاں بعض مصنفین نے لکھا ہے مگر بغیر حوالے کے۔ مثلاً دیکھئے غلام سرور کی انگریزی کتاب صفحہ ۱۵۲ hammad - the Holy Prophet شائع کردہ شیخ اشرف لاہور ۱۹۶۴ء

(الف) پہلے حصہ میں ان صحابہ کے نام آتے ہیں جن کی مواخاۃ کے بارے میں مؤرخین کا اتفاق کامل ہے۔ اس فہرست میں انچاس مہاجرین اور انچاس انصار کے نام ہیں۔

(ب) دوسرے حصہ میں ایسے صحابہ شامل ہیں جن کے بارے میں اختلافات پائے جاتے ہیں یہ کل چودہ صحابہ ہیں۔

اب سب سے پہلے ہمیں پہلے حصہ کو دیکھنا چاہیئے۔ اس حصہ میں انچاس مہاجرین اور انچاس انصار شامل ہیں اور ان کے مکمل اسماء[1] درج ذیل ہیں۔

نمبر شمار	مہاجرین	مواخاۃ ہمراہ	انصار
۱	حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد رض (سب سے پہلے مہاجر)	"	حضرت سعد بن خیثمہ رض
۲	" عامر بن ربیعہ رض	"	" یزید بن المنذر بن سرح رض
۳	" عبداللہ بن جحش الاسدی رض	"	" عاصم بن ثابت بن ابی الافلح رض
۴	" محرز بن نضلہ رض	"	" عمارہ بن حزم رض
۵	" زید بن خطاب رض	"	" معن بن عدی رض
۶	" خنیس بن حذافہ رض	"	" ابوعبس بن جبیر رض
۷	" واقد بن عبداللہ التمیمی رض	"	" بشر بن براء بن معرور رض
۸	" ایاس بن ابی البکیر رض	"	" حارث بن خزیمہ رض
۹	" عاقل بن ابی البکیر رض	"	" مجذر بن زیاد رض
۱۰	" خالد بن ابی البکیر رض	"	" یزید بن دثنہ رض
۱۱	" عامر بن ابی البکیر رض	"	" ثابت بن قیس بن شماس رض
۱۲	" ابومرثد الغنوی رض	"	" عبادہ بن صامت رض
۱۳	" مرثد بن ابی مرثد الغنوی رض	"	" اوس بن الصامت رض
۱۴	" عبیدہ بن حارث رض	"	" عمیر بن الحمام السلمی رض

۱۔ یہ فہرست ابن ہشام، ابن سعد، محمد ابن حبیب، ابن عبد البر (الدرر فی اختصار المغازی والسیر قاہرہ ۱۳۸۶ھ)، سہیلی، ابن سید الناس، ابن کثیر (السیرۃ النبویہ۔ الجزء الثانی مطبعۃ عیسٰی البابی الحلبی وشرکاء مصر ۱۹۶۴ء) الذہبی (سیر الاعلام والنبلاء۔ الجزء الاوّل۔ دار المعارف۔ مصر) وغیرہ کے تقابلی مطالعہ کی مدد سے مرتب کی گئی ہے۔

نمبر شمار	مہاجرین	مواخاۃ ہمراہ	انصار
۱۵-	حضرت حصین بن حارث بن المطلبؓ	//	حضرت رافع بن عنجدہؓ
۱۶-	// طلیب بن عمیر بن وہبؓ	//	// منذر بن عمرو خزرجیؓ
۱۷-	// ابو سبرۃ بن ابی رہمؓ	//	// سلمہ بن سلامہ بن وقشؓ
۱۸-	// مصعب بن عمیرؓ	//	// ابوایوب انصاری
۱۹-	// ابوحذیفہ بن عتبہؓ	//	// عباد بن بشرؓ
۲۰-	// سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ	//	// معاذ بن ماعص انصاریؓ
۲۱-	// عتبہ بن غزوان بن جابرؓ	//	// ابودجانہ سماک بن خرشہؓ
۲۲-	// عثمان بن عفانؓ	//	// اوس بن ثابتؓ
۲۳-	// حضرت ابوبکر صدیقؓ	//	// خارجہ بن زید بن ابی زہیرؓ
۲۴-	// زید بن حارثہؓ	//	// اُسید بن حضیرؓ
۲۵-	// عبدالرحمان بن عوفؓ	//	// سعد بن ربیعؓ
۲۶-	// عمار بن یاسرؓ	//	// حذیفہ بن الیمانؓ
۲۷-	// بلال حبشی مکی	//	// ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمان خثعمیؓ
۲۸-	// شجاع بن وہب اسدیؓ	//	// اوس بن خولیؓ
۲۹-	// سعد مولیٰ عتبہؓ	//	// تمیم مولیٰ خراشؓ
۳۰-	// عبداللہ بن مسعودؓ	//	// معاذ بن جبلؓ
۳۱-	// عمیر ابن عمرو بن نضلہؓ	//	// یزید بن حارثؓ
۳۲-	// مقداد بن عمرو کندیؓ	//	// جبیر بن عتیکؓ
۳۳-	// عمیر بن ابی وقاصؓ	//	// عمرو بن معاذؓ
۳۴-	// مسعود بن ربیع القاریؓ	//	// عبید بن التیہانؓ
۳۵-	// عامر بن فہیرہؓ	//	// حارث بن اوس بن معاذؓ
۳۶-	// شماس بن عثمانؓ	//	// حنظلہ بن ابی عامرؓ
۳۷-	// ارقم بن ابی الارقم مخزومیؓ	//	// ابوطلحہ زید بن سہل انصاریؓ
۳۸-	// معتب بن حمراء الخزاعیؓ	//	// ثعلبہ بن حاطبؓ

نمبر شمار	مہاجرین		مواخاۃ ہمراہ		انصار
۳۹	حضرت عبداللہ بن مظعونؓ		//		حضرت سہل بن عبیدؓ بن المعلی
۴۰	سائب بن عثمان جمحیؓ	//	//	//	حارثہ بن سراقہؓ
۴۱	معمر بن الحارثؓ	//	//	//	معاذ بن عفراءؓ
۴۲	عبداللہ بن مخرمہ بن عبدالعزیٰؓ	//	//	//	فروۃ بن عمرو بیاضیؓ
۴۳	وہب بن سعد بن ابی سرحؓ	//	//	//	سوید بن عمروؓ
۴۴	صفوان بن بیضاءؓ	//	//	//	رافع بن المعلیؓ
۴۵	حذیفہؓ	//	//	//	ابوسعید خدریؓ
۴۶	مقداد بن اسود کندیؓ	//	//	//	عبداللہ بن رواحہؓ
۴۷	مسطح بن اثاثہؓ	//	//	//	زید بن المزینؓ
۴۸	مہجع مولیٰ عمرؓ	//	//	//	سراقہ بن عمرو بن عطیہؓ
۴۹	صہیب بن سنان رومیؓ	//	//	//	حارث بن القمرؓ

اس فہرست میں ایک نام شامل نہ ہونے سے آپ کو بڑی تشویش ہوگی جسے عام طور پر شامل کیا جاتا ہے یعنی خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ، جن کا عقد مواخاۃ مشہور روایت کے مطابق آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قائم فرمایا تھا۔ ابن ہشام نے یہی لکھا ہے[1] لیکن ابن سعد اور دوسرے مورخین اس رشتہ کو تسلیم نہیں کرتے اور وہ حضرت علیؓ کی مواخاۃ بجائے حضورؐ کے حضرت سہل بن حنیفؓ سے قرار دیتے ہیں[2]۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ :

اما مواخاۃ النبی و علی فان من العلماء من ینکر ذلک و یمنع صحتہ و مستندہ فی ذلک ان ہذا المواخاۃ انما شرعت لاجل ارتفاق بعضہم من بعض و یتالف قلوب بعضہم علی بعض فلا معنی لمواخاۃ النبی لاحد منہم ولا مہاجری لمہاجری[3]۔ اور بقول امام زرقانی، علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس مواخاۃ کا انکار کیا ہے اور یہاں تک دعویٰ کر دیا ہے کہ :

ان ذلک من الاکاذیب و انہ لم یواخ بین مہاجری و مہاجری[4]۔ اسی طرح سے بعض دوسروں نے مواخاۃ کی اغراض و مقاصد، مصلحتوں اور خواص کے پیش نظر اسے رد کر دیا ہے[5] اور علامہ ابن قیم نے بطرز مناظرہ یہ بحث اصولی طور پر کی ہے کہ اول تو ایک مہاجر سے دوسرے

۱۔ ابن ہشام صفحہ ۵۰۴ ج ۱

۲۔ ابن عبدالبر (الدرر) صفحہ ۹۰

۳۔ السیرۃ النبویہ۔ ابن کثیر ج ۲ صفحہ ۳۲۶

۴۔ شرح زرقانی علی المواہب۔ صفحہ ۲۷۳ ج ۱ مطبعہ ازہریہ مصریہ ۱۳۲۵ھ ۵۔ ایضاً

مہاجر کی مواخاۃ ہی ناقابلِ قبول ہے اور دوسرے یہ کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے ہی کسی کو اپنا بھائی بناتے تو تمام لوگوں سے زیادہ تو اس کے مستحق حضرت ابوبکرؓ تھے۔ جو حضورؐ کے محبوب ترین ساتھی اور رفیق ہجرت، انیس غار دیگر تمام صحابہ سے افضل و اکرم ہیں اور جن کے بارے میں آپؐ یہ فرما چکے تھے کہ "دنیا والوں میں سے اگر میں کسی کو اپنا دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا مگر یہ کہ اسلامی اخوت سب سے بہتر ہے"۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں:

وقد قیل انہ آخی بین المہاجرین بعضھم مع بعض مواخاۃ ثانیۃ واتخذ فیہا علیا اخا لنفسہ والانصار والمہاجرون کانوا مستغنین باخوۃ الاسلام واخوۃ الدار و قرابۃ البیت عن عقد مواخاۃ بخلاف المہاجرین مع الانصار ولو آخی بین المہاجرین کان احق الناس باخوۃ احب الخلق الیہ و رفیقہ فی الہجرۃ وانیسہ فی الغار و افضل الصحابۃ و اکرمھم علیہ ابوبکر الصدیق وقد قال لو کنت متخذاً من اہل الارض خلیلاً لاتخذت ابابکر خلیلاً ولکن اخوۃ الاسلام افضل"[1]

غرض ان دلائل کے پیشِ نظر جو خاصے وزنی اور وقیع ہیں۔ مدینہ میں حضورؐ اور حضرت علیؓ کی مواخاۃ ہمیں بھی ناقابلِ فہم معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک مورخین کو اس رشتہ مواخاۃ میں التباس ہو گیا ہے۔ اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ اور حضرت علیؓ کے درمیان مواخاۃ یقیناً ہوئی ہے مگر مکہ میں۔ مدینہ میں نہیں۔ صحیح قرینِ قیاس اور مناسب حال بات یہی ہے کہ حضرت علیؓ کی مواخاۃ حضورؐ سے نہیں بلکہ حضرت سہل بن حنیف سے قائم کی گئی تھی اور حضرت علیؓ کی یہ مواخاۃ اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی رشتہ مواخاۃ متعین طور پر کسی نہ کسی انصاری سے ضرور جوڑا جائے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ دوسرے بہت سے مہاجرین کی طرح اگر مواخاۃ میں شرکا کی تعداد اور کیفیت روایتی طور پر ۴۵ یا ۵۰ تسلیم کر لی جائے، حضورؐ کی بھی کسی سے مواخاۃ نہیں ہوئی۔ دوسرے یہ کہ حضورؐ چونکہ تمام انصار سے بحیثیت مجموعی بیعت عقبۂ کبیرہ میں یہ کہہ چکے تھے کہ تمہارا خون میرا خون، تمہاری جان میری جان ہے تم اطمینان رکھو جس سے تم لڑو گے اس سے میں لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے اس سے میں بھی صلح کروں گا۔ تمہارا ذمہ میرا ذمہ ہے اور تمہاری حرمت میری حرمت، میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہو گا۔[2] تو پھر ظاہر ہے کہ دوبارہ انفرادی طور پر کسی انصاری سے رشتہ اخوت استوار کرنا محض ایک تکلف اور غیر ضروری امر ہوتا۔ نیز اگر حضورؐ کسی ایک انصاری سے بھی مواخاۃ کر لیتے تو شاید یہ عقد دوسرے انصار کی دل شکنی کا باعث بنتا۔ علاوہ ازیں آپ کی نبوت کی انفرادیت کا تقاضہ یہی تھا کہ آپ کسی ایک سے وابستہ ہونے کے بجائے سب سے وابستہ رہیں۔

اسی طرح حضرت حمزہؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کی مواخاۃ کا معاملہ ہے۔ ابن ہشام اور اس کے اتباع میں بعض دوسروں نے بھی اسے مواخاۃ مدینہ سے منسوب کیا ہے حالانکہ ایک طرف تو یہ بات ہے کہ ایک مہاجر کا دوسرے مہاجر سے رشتہ ہی مواخاۃ کی مجموعی اسکیم سے مطابقت نہیں رکھتا اور دوسری طرف یہ کہ یہاں بھی التباس نظر آتا ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت حمزہ اور حضرت زید کی یہ

۱۔ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد۔ ابن قیم جوزی۔ طبع ثانی ۱۹۵۰ء مصطفیٰ البابی الحلبی مصر صفحہ ۵۶ ج ۲

۲۔ یہ عبارت کا مفہوم ہے۔ دیکھئے ابن ہشام صفحہ ۲۶۶، ۲۶۷ ج ۱

مواخاۃ مکہ میں ہوئی تھی۔ مدینہ میں حضرت حمزہؓ کی کوئی مواخاۃ نہیں جبکہ حضرت زید کو حضرت اسید بن حضیرؓ کا بھائی بنایا گیا اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اب ہم فہرست مواخاۃ کے دوسرے حصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس میں کل چودہ مہاجرین صحابہ شامل ہیں اسکے بھی دو حصے کئے جا سکتے ہیں۔ ایک حصہ میں تو ان صحابہ کو شمار کیا جا سکتا ہے جن کے رشتہ مواخاۃ کے بارے میں کچھ نہ کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں اور دوسرے حصہ میں ان صحابہ کو رکھا جا سکتا ہے جن کی مواخاۃ ہمارے نزدیک ناقابل فہم ہے۔ یہ دونوں فہرستیں درج ذیل ہیں۔

فہرست دوم؛ حصہ اوّل

نمبر شمار	مہاجرین	مواخاۃ ہمراہ	انصار
۱۔	حضرت عمر بن خطابؓ	〃	حضرت معاذ بن عفراءؓ یا عویم بن ساعدہؓ یا عتبان بن مالکؓ
۲۔	〃 سعید بن زید بن عمروؓ	〃	〃 ابی ابن کعبؓ یا رافع بن مالکؓ بن عجلان
۳۔	〃 طلحہ بن عبید اللہؓ	〃	〃 ابی بن کعبؓ یا کعب ابن مالکؓ
۴۔	〃 خباب بن الارت تمیمیؓ	〃	〃 جبار بن صخرؓ یا خراش بن صمہؓ یا مقداد اسود کندیؓ
۵۔	〃 زبیر بن العوامؓ	〃	〃 سلمہ بن سلامہؓ بن وقش یا کعب بن مالکؓ
۶۔	〃 ابو عبیدہؓ بن الجراح	〃	〃 محمد بن مسلمہؓ یا سعد بن معاذؓ یا ابو طلحہ انصاریؓ
۷۔	〃 حاطب بن ابی بلتعہؓ	〃	〃 عویم بن ساعدہؓ یا رخیلہؓ بن یخلد یا خالدؓ بن رخیلہ
۸۔	〃 طفیلؓ بن حارث بن المطلب	〃	〃 منذر بن محمدؓ یا سفیان بن نسرؓ
۹۔	〃 سعدؓ بن ابی وقاص	〃	〃 سعد بن معاذؓ
۱۰۔	〃 عامر بن ابی البکرؓ	〃	〃 زید بن دثنہؓ یا ثابت بن قیسؓ
۱۱۔	〃 عثمان بن مظعونؓ	〃	〃 ابی الہیثم بن التیہان یا عباس بن نضلہ خزرجی

فہرست دوم، حصہ دوم؛

نمبر شمار	مہاجرین	مواخاۃ ہمراہ	انصار
۱۔	حضرت ابوذرؓ غفاری	〃	〃 حضرت منذر بن عمروؓ یا طلیب بن عمروؓ
۲۔	〃 سلمان فارسیؓ	〃	〃 ابو درداؓ
۳۔	〃 جعفر طیارؓ	〃	〃 معاذ بن جبلؓ

اب ہم اسی ترتیب سے مختصراً اپنے معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ جہاں تک حضرت عمرؓ کا تعلق ہے تو آپ کی مواخاۃ حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری سے کرائی گئی۔ حضرت عتبانؓ نے ہجرت سے

قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور خصوصیت یہ ہے کہ خود عہد رسالت میں مسجد بنی سالم کے امام تھے اور اس منصب پر آخیر عمر تک رہے۔ غزوہ بدر میں شریک تھے۔ بعد میں نابینا ہو جانے کی وجہ سے دوسرے غزوات میں شرکت سے معذور رہے۔ آپ راوی حدیث بھی ہیں۔ تقدس، حب رسولؐ، حسن خلق کے اوصاف سے متصف تھے۔ انہوں نے ۵۲ھ میں وفات پائی۔ حضرت عمرؓ سے مواخاۃ کے ضمن میں اگرچہ دو قول اور بھی ملتے ہیں یعنی ایک حضرت معاذ بن عفراء انصاری اور دوسرے حضرت عویمؓ بن ساعدہ انصاری کا لیکن صحیح بات یہی ہے کہ حضرت عمرؓ کی مواخاۃ حضرت عتبانؓ سے ہوئی تھی اور مؤرخین کا زیادہ رجحان اسی قول کی طرف ہے۔ ظاہر ہے ایک صحابی کی مواخاۃ بیک وقت بہت سے صحابہ سے نہیں بلکہ کسی ایک ہی صحابی سے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن عفراءؓ کی حضرت معمر بن الحارثؓ سے اور حضرت عویم بن ساعدہؓ کی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے ہوئی تھی۔

۲۔ حضرت سعید بن زیدؓ بن عمرو بن نفیل زمرہ سابقین الاولین اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ کے حقیقی بہنوئی تھے۔ مہاجرین مدینہ کی اولین جماعت میں شامل تھے۔ آپ کی مواخاۃ حضرت رافع بن مالکؓ بن عجلان سے کرائی گئی۔ انصار کے ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے حضورؐ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی تھی۔ تمام بیعت ہائے عقبہ میں حاضر تھے اور آخری بیعت میں بنو زریق[1] کے نقیب بنائے گئے تھے۔ ابن ہشام اور ابن عبدالبر نے بتایا ہے کہ حضرت سعیدؓ کی مواخاۃ حضرت ابیؓ ابن کعب انصاری سے ہوئی اور ہمارے یہاں علامہ شبلی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے لیکن بقول علامہ محمد ابن حبیب کے صحیح یہی ہے کہ حضرت سعید کی مواخاۃ حضرت رافع بن مالک سے ہوئی تھی جبکہ حضرت ابیؓ ابن کعب کی مواخاۃ حضرت طلحہ سے ہوئی تھی۔

۳۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ کا شمار بروایت اسد الغابہ ان آٹھ آدمیوں میں تھا جو ابتداً حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اسلام کی خاطر نشانہ ظلم و ستم بنتے رہے مکہ میں ان کی مواخاۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ بن العوام سے کرائی تھی۔ حضرت طلحہؓ حضرت ابوبکرؓ کے داماد تھے اور اس رشتہ سے حضورؐ اور حضرت زبیرؓ دونوں کے ہم زلف بھی تھے۔ خشیت الٰہی، حب رسولؐ، جوش، بجذبہ فداکاری اور مہمان نوازی آپ کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ اقلیم سخاوت کے بادشاہ تھے کہ دربار رسالت سے "فیاض" کا خطاب ملا تھا۔ تجارت و زراعت دونوں کا مشغلہ رکھتے تھے۔ غیر معمولی دولت و ثروت کا عالم یہ تھا کہ روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار کیا گیا ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد بقول ابن سعد و علامہ محمد ابن حبیب بغدادی ان کی مواخاۃ حضرت ابیؓ ابن کعبؓ سے ہوئی۔ حضرت ابیؓ عقبہ ثانیہ میں بھی شریک تھے۔ مرتبہ کا عالم یہ تھا کہ حضرت عمرؓ ان کو سید المسلمین کہتے تھے۔ بارگاہ نبوت میں سب سے پہلے منصب انشاء پر سرفراز ہوئے فن قرأت کے امام، حافظ قرآن تھے۔ مزاج میں خودداری، غیرت اور تکلف نمایاں تھا۔ حب رسولؐ اور مہمان نوازی میں مشہور تھے۔ ایک قول[2] یہ بھی ہے کہ حضرت طلحہؓ کی مواخاۃ حضرت کعبؓ ابن مالک سے ہوئی لیکن جیسا کہ آگے تفصیل آتی ہے۔ حضرت کعبؓ حضرت زبیرؓ بن العوام کے انصاری بھائی تھے۔

۱۔ مدینہ میں مسجد بنی زریق وہ پہلی مسجد ہے جہاں قرآن سب سے پہلے پڑھا گیا (زاد المعاد۔ الجزء الاول صفحہ ۲۵)

۲۔ سیر انصار ج دوم صفحہ ۱۴۶

۴۔ حضرت خبابؓ دورِ جاہلیت میں غلام تھے۔ دارارقم میں قیام سے پہلے حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت اطاعت کی۔ اسلام لانے والوں میں چھٹا نمبر تھا اس لئے سادس اسلام بھی کہلاتے ہیں[۱]۔ ہجرت کے بعد بقول ابن حبیب، حضرت جابرؓ بن صخرؓ سے مواخاۃ ہوئی۔ حضرت جابرؓ بیعت عقبۂ ثانیہ میں حاضر اور تمام غزوات میں شریک تھے۔ جب رسول ان کی نمایاں خصوصیت تھی بعض مصنفین[۲] نے حضرت خبابؓ کی مواخاۃ حضرت مقداد اسود کندی اور خراش بن صمہ غلام تمیم سے تسلیم کی ہے مگر ہمارے نزدیک پہلا قول ہی راجح ہے۔

۵۔ حضرت زبیر بن العوام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور ہم زلف، حضرت خدیجہ کے حقیقی بھتیجے اور حضرت ابوبکر کے داماد تھے۔ ان کا لقب حواریٔ رسول تھا۔ تحریک اسلامی کے بالکل ابتدائی دور میں اسلام لائے۔ ایک روایت کے مطابق اس وقت تک صرف پانچ یا چھ اشخاص نے اسلام قبول کیا تھا۔ پہلی ہجرت حبشہ میں شامل تھے۔ پھر کچھ دنوں بعد واپس مکہ آگئے تھے۔ ذریعہ معاش تجارت تھا جس میں کبھی نقصان نہیں ہوا۔ متمول ترین اشخاص میں سے تھے۔ مکہ میں ان کی مواخاۃ حضرت طلحہ سے ہوئی تھی۔ ہجرت مدینہ کے بعد مواخاۃ حضرت کعب بن مالکؓ سے ہوئی نہ کہ سلمہ بن سلامہ بن وقش[۳] سے جو حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم کے دینی بھائی تھے[۴]۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود[۵] سے تو ان کی مواخاۃ کا سوال اصولی طور پر ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں مقیم ہونے سے پہلے ایک اور ایمان لانے والے امین الامۃ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح ہیں اگرچہ ابن ہشام اور ابن حجر نے ان کی مواخاۃ حضرت سعد بن معاذؓ سے قرار دی ہے لیکن ابن حبیب بغدادی کا یہ قول ہی صحیح ہے کہ ان کی مواخاۃ حضرت محمد بن مسلمہؓ سے ہوئی تھی جنہوں نے حضرت سعد بن معاذؓ سے قبل ہی حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا جبکہ حضرت سعد بن معاذ کے مہاجر بھائی اکثر مورخین (مثلاً محمد ابن حبیب اور ابن عبدالبر صاحب الدرر وغیرہ) کے بقول حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ہیں۔

ہمارے خیال میں اب یہ مختصر سے اشارات بھی خاصے طویل ہو گئے ہیں اور اس بات کا اندیشہ ہو رہا ہے کہ اس فہرست کا حصۂ دوم بالکل ہی نہ چھوٹ جائے اس لئے یہاں بر بنائے ترجیح اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کی مواخاۃ حضرت عویم بن ساعدہؓ سے، حضرت طفیل بن حارثؓ کی حضرت منذر بن عمروؓ سے، حضرت عامر بن ابی البکیر کی حضرت زید بن دثنہ سے اور حضرت عثمان کی حضرت ابی الہیثم بن تیہان سے ہوئی تھی۔

اب جہاں تک فہرست کے آخری حصہ کا تعلق ہے جس میں تین مہاجر صحابہ (حضرت جعفرؓ، حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوذرؓ) شامل

۱۔ مہاجرین حصہ دوم صفحہ ۲۰۸

۲۔ 〃 〃 صفحہ ۲۱۰

۳۔ ابن ہشام صفحہ ۳۰۴ ج ا

۴۔ کتاب المحبر صفحہ ۷۲

۵۔ ابن ہشام صفحہ ۳۰۴ ج ا

ہیں اور جس کا ذکر نہ صرف ابن ہشام بلکہ دوسرے مؤرخین نے بھی کیا ہے تو اس سلسلے میں ہمیں اتنا عرض کرنا ہے کہ ان حضرات کی مواخاۃ بعض وجوہ کی بنا پر ہمارے لیے سخت ناقابل فہم بن گئی ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

ا۔ پہلے حضرت جعفرؓ طیار کی مواخاۃ پر غور کیجیے۔ ابن ہشام کی روایت، جس کا تتبع دوسروں نے بھی کیا ہے۔ یہ ہے کہ ان کی مواخاۃ حضرت معاذ ابن جبلؓ سے ہوئی پھر آگے یہ بھی صاف صاف لکھ دیا ہے کہ: وکان جعفر بن ابی طالب یومئذ غائبا بارض الحبشۃ[1] اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت جعفرؓ ۷ھ تک حبشہ میں مقیم رہے اور پھر اسی سن میں ایک جماعت مہاجرین کے ساتھ مدینہ اس وقت تشریف لائے جبکہ مسلمان فتح خیبر کی خوشیاں منا رہے تھے۔ حضرت جعفرؓ کہیں اور رکنے کے بجائے سیدھے خیبر پہنچے اور حضورؐ سے ملاقات کی۔ ظاہر ہے کہ نہ تو غائبانہ طور پر مواخاۃ کرانے کا کوئی مفہوم ہو سکتا ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ حضرت معاذؓ بن جبل کی مواخاۃ کو حضرت جعفرؓ طیار کی تشریف آوری تک ملتوی رکھا گیا ہو اور پھر جب وہ آگئے تو رشتۂ اخوت استوار کر دیا گیا۔ اسے علامہ ابن کثیر نے بھی اپنی کتاب السیرۃ النبویہ میں محل نظر قرار دیا ہے[2]

ب۔ اس کے بعد حضرت سلمانؓ فارسی کے معاملہ کو لیجیے۔ اول تو یہی مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ حضرت سلمان نے اسلام کب قبول فرمایا؟ پھر دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آپ حلقہ غلامی سے آزاد ہو کر مسلمانوں کے ساتھ آزادانہ رہنے کے قابل یا جماعت صحابہ کے دوش بدوش سرگرم عمل کب سے رہے ہیں؟ بہرحال اگر یہ مان لیا جائے کہ انہوں نے حضورؐ کی آمد مدینہ کے فوراً بعد اسلام قبول کر لیا تھا تو دوسرا مسئلہ ان کے انصاری بھائی حضرت ابوالدرداء کا ہے جن کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ انہوں نے ۲ھ میں اسلام قبول کیا تھا جبکہ مواخاۃ کا انعقاد ہجرت مدینہ کے پانچویں مہینے ۱ھ میں ہوا[3] غرض واقعات کی یہ تقدیم و تاخیر معاملہ کو ناقابلِ فہم بنا دیتی ہے۔ مزید برآں ایک قابلِ غور پہلو یہ بھی ہے کہ ان کو کس زمرہ میں شمار کیا جائے گا۔ مہاجرین کے یا انصار کے۔ اب ظاہر ہے کہ مہاجرین میں تو شمار ممکن ہی نہیں کہ نہ ہجرت سے قبل اسلام قبول کیا نہ یہ کہ قبول اسلام کے بعد ہجرت فرما کر مدینہ آئے ہوں۔ اگر انصار میں شمار کریں گے تو ایک مسئلہ اور اٹھ کھڑا ہو گا یعنی یہ کہ اگر ہم بالفرض حضرت ابوالدرداءؓ کی سبقت اسلامی بھی قبول کر لیں تو سوال یہ ہے کہ ایک انصاری کی مواخاۃ دوسرے انصاری سے کیسے ممکن ہے جبکہ نہ اس کی کوئی مثال ہے اور نہ مواخاۃ کے اغراض و مقاصد اور مصالح کے اعتبار سے یہ مناسب ٹھہر سکتی ہے اور پھر یہ کہ جس طرح ایک مہاجر اور دوسرے مہاجر کی مواخاۃ ناقابلِ قبول ٹھہرتی ہے تو اسی قاعدہ کی رو سے ایک انصاری اور دوسرے انصاری کے درمیان مواخاۃ بھی عندالناس ناقابل قبول ہو گی۔

ج۔ اخیر میں اسی قسم کا نمونہ حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت منذرؓ بن عمرو یا طلیب بن عمیرؓ کی مواخاۃ میں نظر آتا ہے حالانکہ واقعہ یہ

۱۔ ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۳۰۴

۲۔ ج ۲ صفحہ ۳۲۶

۳۔ دیکھیے: المعارف، ابن قتیبہ صفحہ ۱۵۲ دار الکتب مصر ۱۹۶۰ء، ابن عبدالبر، الدرر صفحہ ۹۶ (حاشیہ) نیز زرقانی ج ۱ صفحہ ۳۷۳

ہے کہ حضرت طلیب تو خود مہاجر ہیں اور ان کی مواخاۃ دراصل حضرت منذر بن عمرو سے ہوئی تھی۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی مواخاۃ ان حضرات میں سے کسی ایک سے یا دونوں سے ہوئی تھی تو دوسرا مسئلہ خود حضرت ابوذر غفاریؓ کا سامنے آجاتا ہے اور وہ یہ کہ اسلام لانے والوں میں تقریباً پانچویں نمبر پر ہونے کے باوجود بنی غفار کے ساتھ ہی مقیم رہے اور ہجرت کر کے مدینہ غزوہ خندق ۵ھ کے بعد تشریف لائے۔ اگر واقدی کا یہ قول تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابوذرؓ آیت میراث کے بعد مدینہ تشریف لائے تھے تو ظاہر ہے کہ اس آیت کے بعد عقد مواخاۃ کا واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔ اس طرح وہی غائبانہ مواخاۃ کی شکل یہاں بھی بن جاتی ہے جو محال ہے۔

بہر صورت یہ ہے مواخاۃ اور اس کے چند پہلوؤں کا ایک مختصر سا جائزہ جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ کاش کہ وقت اور فرصت بہم مل جاتے تو ہم مباحث کا قدرے تفصیلی مطالعہ کر سکتے تھے اور پھر یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ جن حضرات صحابہؓ کے درمیان عقد مواخاۃ قائم کیا گیا تھا۔ ان میں کیا کیا باہمی مناسبتیں موجود تھیں بلکہ سیرت رسول اور اسوہ صحابہ کے بارے میں بہت سے ایسے نکات بھی سامنے آجاتے جو عموماً دوران مطالعہ نظروں سے اوجھل رہ جاتے ہیں مثلاً دیکھئے حضرت ارقم بن ابی الارقم مخزومی کی مواخاۃ حضرت ابو طلحہ زید بن سہل انصاریؓ یعنی حضرت انس بن مالک کے سوتیلے باپ سے کرائی گئی۔

ذرا دیکھئے اور غور کیجئے کہ یہ کیسا حسین اتحاد اور دلآویز امتزاج و اتفاق ہے کہ ایک طرف تو حضرت ارقم ہیں جو مکہ میں گیارہ یا بارہ اصحاب کے بعد ایمان لائے، انہی کا گھر فرودگاہ نبوی بنا، دار ارقم میں ہی وحی و نبوت کے چشمے سے تشنگان حق سیراب ہوئے اور ان ہی کے مکان میں "پہلا عقد مواخاۃ" بھی قائم ہوا۔ دوسری طرف حضرت ابو طلحہ ہیں جو بیس سال کی عمر میں بیعت عقبہ ثانیہ میں ایمان لائے انہی کو حضورؐ نے انصار کا نقیب بھی تجویز فرمایا تھا، غزوہ احد میں یہی آنحضرتؐ کے آگے سپر بن گئے تھے۔ آپ ہی نے خیبر میں گدھے کے گوشت کے بارے میں منادی کی تھی، آپ ہی نے حضورؐ کی لحد مبارک تیار کی تھی، آپ ہی کا گھوڑا (مندوب) حضورؐ نے مستعار لیا تھا اور اس پر سوار ہو کر دشمن کی خبر لینے گئے تھے اور پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ ہی کے گھر میں دوسری مرتبہ "عقد مواخاۃ" کا انعقاد ہوا۔ گویا مہاجر کا گھر بھی "مواخاۃ" کا مرکز اور اس کے انصاری بھائی کا دولت کدہ بھی "مواخاۃ" کا مرکز۔

اسی طرح سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کی مواخاۃ کا معاملہ ہے۔ دونوں پر عنایات نبوی خاص ہیں اور دونوں فقہی ذہن و بصیرت کے مالک ہیں اور دونوں امارت و قضا کے مناصب پر فائز ہوئے اور ہجرت مدینہ کے بعد دونوں ایک ہی گھر میں رہے کیونکہ ہجرت کے بعد حضرت ابن مسعودؓ ان ہی کے مہمان ہوئے اور آپ ہی کے یہاں قیام رہا اور ان ہی سے مواخاۃ کا رشتہ قائم ہوا۔

حضرت وہب بن سعدؓ بن ابی سرح اور ان کے انصاری بھائی حضرت سوید بن عمروؓ کو دیکھئے کہ دونوں نے زندگی میں تو دامن رفاقت پکڑا ہی تھا جنگ موتہ کے موقع پر آغوش شہادت میں بھی دونوں ساتھ گئے یا پھر اس طرح حضرت زید بن خطابؓ اور ان کے انصاری بھائی حضرت معنؓ بن عدی ہیں۔ ان دونوں نے بھی جنگ یمامہ میں جام شہادت ایک ساتھ نوش کیا اور حضرت عمیرؓ بن ابی وقاص اور حضرت عمرو بن معاذؓ کی مواخاۃ کو دیکھئے کہ دونوں نوجوان، دونوں ہم عمر ہیں۔

آخر میں مواخاۃ کا یہ انداز بھی دیکھتے چلئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخاۃ کے سلسلہ میں انصار کو بھائی بناتے وقت اس کی بھی رعایت رکھی کہ جو مہاجر ہجرت کے بعد جس انصاری کے یہاں آکر فروکش ہوا ، اس کا رشتہ اخوت اُسی انصاری سے باندھ دیا گیا۔ مثلاً حضرت ابو بکرؓ حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبداللہ بن جحشؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت ابو حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ بالترتیب حضرت خارجہؓ بن زید بن ابی زہیرؓ، حضرت عمارہؓ بن حزم، حضرت عبادہؓ بن بشر بن وقش اور حضرت معاذؓ ابن جبل کے مہمان تھے اور رشتہ اخوت بھی ان حضرات سے ہی استوار کر دیا گیا۔

بہرحال یہ تو چند مثالیں تھیں ورنہ سلسلہ گفتگو اور دراز ہو سکتا ہے جس کا اب نہ وقت ہے نہ موقع اور نہ آپ میں مزید سماعت کا حوصلہ۔ اس لیے اس باب کو اسی حد پر تمام کرتے ہیں۔ البتہ یہ عرض کرنے کی اور اجازت چاہتے ہیں کہ مواخاۃ کا یہ عظیم الشان واقعہ صرف اس لئے نہیں ہے کہ ہم اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی تاریخی حقیقت کا اعتراف کر کے رہ جائیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کارنامہ پر خراجِ عقیدت پیش کر دیں بلکہ اس لئے ہے کہ ہم اس واقعہ کو اپنے عمل کی بنیاد بنائیں اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں اس سے وہی تعمیری مقاصد حاصل کریں جن کو دورِ رسالت میں حاصل کیا گیا اور اپنے معاشرہ کی تشکیل اس طرح کریں کہ جس میں رنگ، نسل، وطن، زبان، قوم، ملک اور دوسری تمام عصبیتوں کو کلیتاً نظر انداز کر کے محض حق و مواسات کی خاطر تمام کلمہ گو ایک ہی رشتہ اخوت و مودت میں منسلک ہو جائیں اور پوری فضا "انما المومنون اخوۃ" کی عطر بیز ہواؤں سے مہک اٹھے۔

شانِ حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی نظر میں

ماخوذ از شرح دیوان حضرت حسان بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ از عبدالرحمٰن البرقوقی مطبوعہ مصر ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۹۹

إِذَا تَذَكَّرْتَ شَجْوًا مِنْ أَخِي ثِقَةٍ — فَاذْكُرْ أَخَاكَ أَبَا بَكْرٍ بِمَا فَعَلَا
اَلتَّالِيَ الثَّانِيَ الْمَحْمُودَ شِيمَتُهُ — وَأَوَّلَ النَّاسِ طُرًّا صَدَّقَ الرُّسُلَا
وَالثَّانِيَ اثْنَيْنِ فِي الْغَارِ الْمُنِيفِ وَقَدْ — طَافَ الْعَدُوُّ بِهِ إِذْ صَعَّدَ الْجَبَلَا
وَكَانَ حِبَّ رَسُولِ اللّٰهِ قَدْ عَلِمُوا — مِنَ الْبَرِيَّةِ لَمْ يَعْدِلْ بِهِ رَجُلَا
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ أَتْقَاهَا وَأَرْأَفُهَا — بَعْدَ النَّبِيِّ وَأَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا

ترجمہ: "اگر تو اپنے معتمد بھائی کا غم یاد کرے، تو اپنے بھائی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے کارنامے یاد کر۔ ترتیب درجات میں آپ دوسرے ہیں۔ آپ کی خصلت ستودہ اور قابلِ ستائش ہے۔ آپ رسولوں کی تصدیق کرنے والوں میں تمام انسانوں پر شرفِ سبقت رکھتے ہیں۔ اس عظیم بلند غار میں جب ثانی اثنین تشریف فرما تھے اور دشمن پہاڑ پر غار کے اردگرد سرگرداں تھے آپ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں اور سب جانتے ہیں کہ پوری مخلوق میں محبوبیت کے اس درجے پر کوئی شخص فائز نہیں ہوا۔ جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد مخلوق میں سب سے بہتر سب سے زیادہ متقی ہیں اور سب سے زیادہ رافت کے پیکر ہیں اور سب سے بڑھ کر اپنے فرائض کو انجام دینے والے ہیں۔"

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تعریف محض شاعرانہ نہ تھی، حقیقت پر مبنی تھی۔ واقعی پوری نوعِ انسانی میں، عشقِ رسول اور تصدیقِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم پایہ کوئی نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اشعار سماعت فرمائے تو فرطِ محبت سے خندہ فرمایا اور ارشاد مبارک ہوا:

"صَدَقْتَ يَا حَسَّانُ! هُوَ كَمَا قُلْتَ۔"

(اے حسان! تو نے سچ کہا، صدیق واقعی ویسا ہی ہے جیسا تم نے کہا)

آپ کے اس فرمان نے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عدیم النظیر جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مُہرِ توثیق ثبت کر دی ہے، تاکہ قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی سوزِ صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنے قلب و روح کو گرماتی رہے۔

سیرۃ الصدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی

باب اوّل

نام، نسب، لقب، والدین ایامِ جاہلیت میں عبدالکعبہ نام تھا بعد اسلام حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ تجویز فرمایا۔ صدّیق و عتیق دونوں لقب ہیں، ابوبکر[1] کنیت۔ سب سے زیادہ شہرت کنیت نے حاصل کی۔ نسباً قریشی تیمی ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرہ بن کعب بن لُوئی بن غالب۔

چھٹی پشت میں مرہ بن کعب پر پہنچ کر اُن کا نسب حضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر کے والد کا نام عثمان، کنیت ابوقحافہ تھی۔ ۸ھ میں فتح مکّہ کے وقت نوّے برس کی عمر میں اسلام لائے۔ ۱۴ھ میں بعہدِ خلافتِ فاروقی وفات پائی۔ والدہ کا نام سلمیٰ، کنیت ام الخیر تھی، قریشی تیمی ہیں، اسلام سے مشرف ہوئیں۔

ولادت حضرت ابوبکرؓ عام فیل[2] کے ڈھائی برس بعد پیدا ہوئے یعنی آغاز سنہ ہجری سے پچاس برس چھ مہینے پہلے۔

ایامِ جاہلیت ایامِ[3] جاہلیت میں بھی قریش کے رؤسا میں سے تھے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ[4] میں دس آدمی ایسے تھے جو ایامِ جاہلیت اور عہدِ اسلام دونوں میں رئیس و سربرآوردہ مانے گئے۔ منجملہ ان کے ایک حضرت صدیق بھی ہیں۔ قیام مکّہ میں رہتا تھا۔ تجارت ذریعۂ معاش و دولتمندی تھی۔ سلسلۂ تجارت میں شام اور یمن کے متعدد سفر کیے تھے۔ پہلا سفر اٹھارہ برس کی عمر میں کیا۔ حسنِ اخلاق، ہمدردی، وسعتِ معلومات، دانشمندی اور معاملہ فہمی وہ اوصاف ہیں جن میں حضرتِ صدیق قبل اسلام بھی ممتاز تھے۔ انہی صفات کی وجہ سے لوگ ان کے گرویدہ تھے۔ اہم معاملات میں مشورہ

---

[1] بکر آپ کی اولاد میں کسی کا نام نہ تھا۔

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چالیس برس پہلے حبش کے بادشاہ نے مکّہ پر حملہ کیا تھا۔ چونکہ ہاتھی اُس کے ساتھ تھے اس لیے اس سال کا نام عام فیل اور حملہ کرنے والوں کا نام اصحابِ فیل مشہور ہوا۔

[3] ایامِ جاہلیت عرب کا وہ زمانہ جو ظہورِ اسلام کے قبل تھا۔

[4] جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے وہ صحابی کہلاتے ہیں۔ صحابہ جمع کا صیغہ ہے۔

لیتے اور ان کی رائے پر اعتماد کرتے۔ قبیلۂ قریش کی تاریخ اُس کی مختلف شاخوں اور خاندانوں کی قرابت و نسب کا جاننے والا اُن کے عہد میں اُن سے زیادہ کوئی نہ تھا۔ قبائل عرب صدیوں سے آزاد تھے اور ان پر کوئی بادشاہ حکمران نہ تھا۔ قبیلوں کے سردار ہی معاملات کو طے کرتے تھے اور حکومت کے فرائض اور مختلف خدمتیں مختلف سرداروں کے سپرد ہوتی تھیں۔ قبیلۂ قریش کی خدمتِ اشناق[1] حضرت صدیق اکبرؓ کے متعلق تھی۔ جب کسی قبیلہ میں کوئی خون ہو جاتا تو اگر صدیق اکبرؓ خونبہا کی ضمانت کر دیتے تو مقبول ہوتی دوسرے کی ضمانت قبول نہ کی جاتی۔ شعر کہنے پر پوری قدرت حاصل تھی۔ اسلام لائے تو شعر کہنا چھوڑ دیا۔ اور پھر کبھی نہیں کہا۔ شراب زمانۂ جاہلیت میں بھی نہیں پی۔

اسلام

نزولِ وحی سے ایک سال پہلے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔ آغازِ وحی کے زمانہ میں بسلسلہ تجارت یمن گئے ہوئے تھے جب واپس آئے تو قریش کے سردار ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ ملنے گئے۔ اثناءِ گفتگو میں حضرت ابوبکر نے تازہ خبر دریافت کی تو کہا سب سے بڑی خبر اور بڑی بات یہ ہے کہ ابوطالب کا یتیم بچہ مدعیِ نبوت بنا ہے۔ اس کے انسداد کے متعلق ہم تمہارے آنے کے منتظر تھے۔ یہ سُن کر حضرت صدیق کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا اور اعیانِ قریش کو خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر کے خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے بعثت کے متعلق سوال کیا اور اُسی جلسہ میں قبولِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے جس شخص کے سامنے اسلام پیش کیا اُس میں ایک قسم کی جھجک اور تردّد و فکر ضرور پائی۔ مگر ابوبکر کہ جس وقت میں نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اُنھوں نے بے جھجک قبول کر لیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ اوّل اسلام کون لایا۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ۔ بعض کا قول ہے حضرت ابوبکرؓ۔ قولِ فیصل یہ ہے کہ بالغ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ، لڑکوں میں حضرت علیؓ، بیبیوں میں حضرت خدیجہؓ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ سب سے اوّل اسلام لائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص وحی نازل ہونے کے ساتویں روز دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اُن سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ دولتِ ایمان سے مالا مال ہو چکے تھے۔ ایمان لانے کے بعد صدیقِ اکبرؓ نے اپنی تمام قوت و قابلیت سارا اثر کُل مال و متاع، جان اور اولاد غرض جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا جوئی و اطاعت میں وقف کر دیا اور قبولِ اسلام کے بعد ان کی تمام زندگی اطاعت و استقامت کی داستان ہے۔ قریش میں اُن کا جو اثر تھا اس کو تم سُن چکے ہو۔ اُس اثر کا جلوہ تھا کہ گروہِ سابقون اوّلون[2] کے ممتاز فرد مثلاً حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اُن کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے فیضیاب ہوئے۔ مال اُن غریبوں کی مدد میں صرف کیا جو اسلام لا کر سنگدل

---

[1] اس خدمت کا تعلق دیت اور خونبہا سے تھا۔ جب کوئی کسی کو قتل کر دیتا تھا تو قاتل سے جو مال بدلا لیا جاتا تھا اس کو دیت کہتے تھے، اُس بدامنی و خونریزی کے زمانے میں ظاہر ہے کہ یہ صیغہ کس قدر اہم اور ذمہ داری کا تھا۔

[2] سابقون اوّلون وہ صحابۂ کرام جو واقعۂ بدر ۲ھ تک ایمان لائے۔

آقاؤں کی سختی کا نشانہ بن رہے تھے۔ ان میں بہت سوں کو حضرت ابوبکرؓ نے خرید خرید کر آزاد کر دیا۔ منجملہ ان کے حضرت بلالؓ بھی تھے۔ اُن کی داستان کیسی دردانگیز ہے۔ حضرت بلالؓ کا آقا اُن کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے بہت ناراض تھا۔ جوشِ غضب میں وُہ عین دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹاتا، سینے پر بھاری سا پتھر رکھ دیتا اور کہتا، جب تک لات اور عُزّٰیؔ[1] پر ایمان نہیں لائے گا اسی عذاب میں مبتلا رکھوں گا۔ مگر پتھر کے نیچے سے آواز آتی:

"اَحَدٌ اَحَدٌ"۔ (میرا معبود وحدہٗ لاشریک ہے، وحدہٗ لاشریک۔)

ایک روز حضرت ابوبکرؓ نے یہ حالت دیکھی تو رحم آیا اور خرید کر آزاد کر دیا۔

ابتداءِ اسلام میں تین برس تک حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ اسلام خفیہ فرمائی تھی اُس زمانہ میں حضرت ابوبکرؓ بھی پوشیدہ خدمتِ اسلام کرتے تھے، جب رسالت کے چوتھے سال یہ آیت نازل ہوئی:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو علانیہ بیان کرو اور مشرکوں کی طرف سے منہ پھیر لو۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ حق کا اعلان شروع کیا اور شرک وجہل کی مذمت علانیہ فرمانے لگے۔ اس سے مشرکینِ عرب بھڑکے۔ اُن کی بھڑک وحشی اور جنگجو عربوں کی بھڑک تھی کیا کچھ نہ کر گزرے۔ کوئی ایذا اور کوئی تکلیف نہ تھی جو خدا کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہ پہنچائی گئی۔ ان مصیبتوں میں صدیقِ اکبرؓ کا بھی حصہ تھا۔ ایک روز حرمِ کعبہ میں مشرکوں کا مجمع ہے اور یہ تذکرہ کر رہے ہیں کہ ہمارے معبودوں کی مذمت نئے نبی نے کیسی کی ہے۔ ناگاہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم طوافِ کعبہ کے واسطے داخلِ حرم ہوئے، آپ کو دیکھ کر مشرکوں کی آتشِ غضب بھڑکی اور ایک شخص نے بڑھ کر کہا:

"اے شخص! تُو ہی ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔"

ارشاد فرمایا: "بیشک!"

یہ سن کر تمام مجمع آپ سے لپٹ گیا۔ ناہنجار مارتے تھے اور کہتے تھے:

اَتَجْعَلُ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا۔ کیا تُو سب خداؤں کو ایک خدا کر دے گا!

آخر آپ بیہوش ہو کر گر گئے۔ کسی نے حضرت ابوبکرؓ سے جا کر کہا:

"اَدْرِكْ صَاحِبَكَ" (اپنے رفیق کی خبر لو)

دوڑے ہوئے آئے اور مجمعِ کفار میں گھس گئے۔ کسی کو مارتے، کسی کو ہٹاتے اور کہتے جاتے:

وَيْلَكُمْ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ تم پر افسوس ہے کیا تم ایک شخص کو اس کہنے پر مارے ڈالتے ہو کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وُہ خدا

---

[1] لات اور عزّٰی عرب کے دو مشہور بُت تھے۔

مِنْ رَّبِّكُمْ۔ کی جانب سے روشن دلیلیں تمہارے پاس لایا ہے۔

یہ مداخلت مشرکوں کو سخت ناگوار ہوئی اور سب کے سب اُن پر جھپٹ پڑے۔ اتنا مارا کہ سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا عزیزوں نے آکر بچایا۔ یہ سن لو کہ حضرت صدیقؓ پٹتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ اے عزت و جلال والے! تیری ذات بہت بابرکت ہے۔

حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ اس واردات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ گھر پہنچے ہیں تو یہ حال تھا کہ سر پر جس جگہ ہاتھ لگتا وہیں سے بال الگ ہو جاتے۔ واقعہ ہذا کے ساتھ ایک اور واقعہ سنو جس سے عزمِ رسالت کی شان کا اندازہ کر سکو اور عیاں ہو جائے کہ عین تلاطمِ شدائد کے وقت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مبارک کس قدر مطمئن تھی اور آپ کو اپنے رب کے فضل پر کس قدر بھروسہ تھا۔

صحیح بخاری میں حضرت خبابؓ سے روایت ہے کہ میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اُس وقت کعبہ کے سائے میں روائے مبارک سر کے نیچے رکھے لیٹے ہوئے تھے میں نے عرض کی "یا رسولؐ اللہ! آپ ہماری مدد کے واسطے اللہ سے دعا نہیں کرتے۔" یہ سُن کر آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ چہرۂ مبارک غصے سے سُرخ ہو گیا۔ فرمایا: "اگلے لوگوں کا گوشت لوہے کے کنگھوں سے نوچ نوچ کر ہڈیوں سے الگ کیا گیا۔ اس پر بھی وُہ دین سے نہیں ہٹے۔ اُن کے سر پر آرے چلائے گئے۔ چیر کر بیچ میں سے دُو کر دیئے گئے۔ تاہم دین پر قایم رہے۔[1] اللہ اس دین کو ضرور کامیاب فرمائے گا اور نوبت یہ پہنچے گی کہ ایک سوار صنعاء[2] سے حضرموت تک جائے گا اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرے گا۔"

جب کفار کی سختیوں کا تحمل مسلمانوں سے نہ ہو سکا تو آپ نے فرمایا کہ حبشہ کو ہجرت کر جاؤ وہاں کا عیسائی بادشاہ عادل و رحم دل ہے۔ اُس کے زیرِ سایہ آدمیوں کو امن و آسائش کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ دو مرتبہ مسلمان ہجرت کر کے ملکِ حبش کو گئے۔ ایک دفعہ گیارہ مرد اور چار بیبیاں، دوبارہ اسّی سے زیادہ مرد اور بیبیاں۔ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں قیام فرما رہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرصۂ دراز تک سختیوں کی برداشت کی اور دامنِ حضوریؐ نہ چھوڑا۔ مگر آخر وہ بھی مجبور ہو گئے اور گھر بار کو چھوڑ کر براہِ یمن ملکِ حبش کی راہ لی۔ پانچ منزلیں طے کر کے برک الغماد[3] نامی مقام پر پہنچے تھے کہ قبیلۂ قارہ[4] کے رئیس ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے دیکھ کر حیرت سے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ صدیقِ اکبرؓ نے جواب دیا کہ مجھ کو میری قوم نے نکال دیا۔ اب پردیس میں پھر کر اپنے رب کی عبادت کروں گا۔

---

[1] مدعا یہ ہے کہ تم اتنی ہی تکلیفوں سے گھبرائے جاتے ہو۔

[2] صنعاء و حضرموت یمن میں واقع ہیں اُن کے درمیان فاصلہ ۲۱۶ میل ہے:

[3] یہ مقام یمن کی طرف مکہ سے پانچ منزل ہے۔ [4] قبیلۂ قارہ قریش کے قبیلہ بنی زہرہ کا حلیف تھا اس کی تیراندازی ضرب المثل تھی۔

ابن الدغنہ! تم سا آدمی جو بیکسوں کا مددگار، مصیبت زدوں کا ہمدرد، مہمان نواز، راہِ حق کی مصیبتوں میں غمخوار ہو وہ نہ اپنے گھر سے نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ میں تم کو پناہ دُوں گا، مکہ کو لوٹ چلو اور وطن میں اپنے رب کی عبادت کرو۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ ابن الدغنہ کے ساتھ واپس آئے۔ شام کو ابن الدغنہ نے اشرافِ قریش کے مجمع میں جاکر کہا کہ تم ایسے شخص کو یہاں سے نکالتے ہو جو محتاجوں کا حامی، مصیبت زدوں کا غمخوار اور راہِ حق کی مصیبتوں میں ہمدرد ہے۔ ابوبکر سے شخص کو نہ نکلنا چاہیے اور نہ نکالنا۔ قریش نے ابن الدغنہ کی امان کو تسلیم کیا اور کہا کہ ابوبکر سے کہہ دو کہ اپنے رب کی عبادت گھر کے اندر کریں۔ گھر میں بیٹھ کر جو چاہیں پڑھیں علانیہ عبادت کریں نہ تلاوت۔ ورنہ ہم کو خوف ہے کہ ہماری مستورات اور ہمارے نوجوان مبتلائے فساد ہو جائیں گے۔

عرصہ تک حضرت ابوبکرؓ نے اس کی پابندی کی آخر کار شوقِ دل نے مجبور کیا اور گھر کے باہر میدان میں ایک مسجد[1] بنا کر نماز و تلاوت میں معروف رہنے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ بے حد رقیق القلب تھے۔ تلاوتِ کلامِ مجید کے وقت زار زار روتے۔ یہ عالم دیکھ کر قریش کی عورتوں اور نوجوانوں کا ہجوم ہو جاتا اور محوِ حیرت ہو کر پروانہ وار ایک دُوسرے پر گرتے۔ اشرافِ قریش یہ حالت دیکھ کر گھبرا اُٹھے اور ابن الدغنہ کو بلا کر کہا کہ ابوبکرؓ شرائطِ امن پر قائم نہیں رہے۔ باہر مسجد میں بالاعلان نماز و قرآن پڑھتے ہیں۔ ہم کو اپنی عورتوں اور نوجوانوں کے گمراہ ہو جانے کا سخت اندیشہ ہے۔ ان کو روکو ورنہ اپنی پناہ واپس لو۔ ہم تم سے بدعہدی نہیں کرنی چاہتے۔ اِسی کے ساتھ ابوبکر کو علانیہ نماز و قرآن پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے۔ ابن الدغنہ نے آکر حضرت ابوبکرؓ سے یہ ماجرا کہا تو انہوں نے جواب دیا:

اَرُدُّ اِلَيْكَ جِوَارَكَ وَ اَرْضٰى بِجِوَارِ اللّٰهِ۔	تمہاری پناہ تم کو مبارک میں اپنے اللہ کی پناہ سے خوش ہوں۔

یہ واقعہ تیرھویں سال نبوت کا ہے۔

ہجرت

نزولِ وحی کے بعد تیرہ برس تک حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قیام فرمایا۔ صبر و تحمل اور عزم و استقلال کی جو شان ان تیرہ برس میں ذاتِ اقدس سے عیاں ہُوئی وُہ قیامت تک نوعِ انسانی کے واسطے شمعِ ہدایت کا کام دے گی۔ خیال کرو ایک ذات ظاہری اسبابِ حفاظت و مدافعت قطعاً معدوم۔ خالق کا پیام مخلوق کو پہنچانے کی گرانبار ذمہ داری دوشِ مبارک پر، عرب سی سرکش، جنگجو اور کینہ پرور قوم سے شرک و بُت پرستی پُشتوں کے اخلاقی جرائم اور بدکاریاں (جن کا سرچشمہ جہالت سفاکی و خودسری تھی) چھٹانے اور تصفیہ و تزکیہ کے بعد اُن کے دلوں کو نورِ عرفان اور پاکیزگیِ اخلاق سے معمور کر دینے کی خدمت سپرد۔ اُس پر کفارِ عرب کی اُن اذیتوں اور تکلیفوں کا تحمل جن کا ایک شمہ اوپر بیان ہُوا۔ پھر خدارا انصاف کرو کہ کیا یہ سب کچھ بدون صداقت اور حق کی قوت کے ہوا؟ اگر ہُوا تو پھر دنیا میں حق یا صداقت کوئی قوت نہیں۔ جھوٹ اور

---

[1] یہ اسلام میں پہلی مسجد تھی۔

دغا سے بھی سب کچھ ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مبعوث ہونے کے بعد تین برس تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت خفیہ فرمائی۔ اسی زمانہ میں اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایمان لائے۔ اس کے بعد اعلان تبلیغ کا حکم ہوا تو آپ نے اعلانِ حق اس قوت و عزیمت کے ساتھ فرمایا کہ عرب کی پہاڑیاں اُس کی صدا سے گونج اُٹھیں۔ اور آج تیرہ سوؔ برس گزر جانے پر بھی باوجود ہزاروں انقلابوں کے دنیا کے تمام بّر اعظموں میں وہ صدا گونج رہی ہے اور کروڑوں نفوس انسانی کے دل اس کی طرف لگے ہوئے ہیں۔ جب اہلِ مکہ کی طرف سے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مایوس ہوگئے تو آپ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جو میلے نواحِ مکہ میں ہوتے ان میں تشریف لے جاکر احکامِ الٰہی سُناتے۔ مدت تک یہ مجمعے بھی فیضیاب نہ ہوئے۔ آخر ایک مرتبہ آپ مدینہ والوں کی جماعت میں تشریف لے گئے۔ اس گروہ نے پہلی ہی مرتبہ کلامِ الٰہی شوق اور توجہ سے سنا۔ دو تین سال کے عرصہ میں اہلِ مدینہ کے دل پُوری طرح مسخر ہو گئے اور وہ بقعۂ پاک اسلام کا دار الامن بن گیا۔ ہجرت سے چار مہینے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو عام اجازت فرمائی کہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ جوق جوق صحابی دار الہجرۃ کو جانے لگے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اسی زمانہ میں ہجرتؔ کی۔ صدیقِ اکبرؓ نے چند مرتبہ قصد کیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ یہ کہہ کر منع فرمایا کہ خود مجھ کو حکم ہجرت کا انتظار ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فراستِ ایمانی سے اپنی رفاقت کا احساس کر کے اہتمام کے ساتھ دو طاقتور اونٹوں کی پرورش شروع کر دی۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ صبح و شام حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ایک روز خلافِ عادت دوپہر کے وقت دُھوپ کی تیزی میں تشریف لے گئے۔ سر پر چادر لپٹی ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ اپنے بال بچوں میں بیٹھے ہُوئے تھے۔ کسی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے سُن کر کہا، میرے ماں اور باپ اُن پر قربان، یہ ناوقت کا آنا بے وجہ نہیں ہو سکتا۔ اسی عرصہ میں آپؐ دروازہ پر پہنچ گئے۔ اوّل اجازت طلب فرمائی، بعد اجازت اندر تشریف لے گئے اور تخلیہ کی فرمائش کی۔ حضرت صدیقؓ نے کہا کہ کوئی غیر نہیں صرف میری ہی دو نوں لڑکیاں ہیں۔ یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا کہ،

ابوبکر کی ہجرت کی اجازت آگئی۔

اُنھوں نے بے ساختہ کہا،

والصّحابة یا رسول الله۔ اور میری رفاقت یا رسول اللہ؟

ارشاد فرمایا،

رفاقت کی بھی اجازت ہے۔

۱؎ اب چودہ سو برس

۲؎ ہجرت، رضائے الٰہی کے واسطے ترکِ وطن۔ اُس زمانہ میں ہجرت فرض تھی۔

یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ فرطِ مسرت سے رونے لگے۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ اس روز میں نے جانا کہ آدمی جوشِ خوشی میں بھی روتا ہے۔

اُسی وقت حضرت ابوبکرؓ نے دونوں اونٹ پیش کرکے عرض کی کہ یہ اونٹ آج ہی کے واسطے تیار کیے ہیں۔ ایک سواری خاصہ کے واسطے پسند فرمالیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ قیمتاً لے لیا۔ باقی جملہ انتظام بھی اُسی وقت کیے گئے اور شب کا وقت روانگی کے واسطے مقرر ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام جلیل القدر اصحاب ہجرت کرکے مدینے چلے گئے تھے، صرف حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت ابوبکرؓ باقی تھے۔ حضرت علیؓ کو آپؐ نے اس غرض سے مکہ میں چھوڑا کہ جو امانتیں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں وہ واپس دے کر مدینے چلے آئیں۔ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ باوجود تمام خصومت اور عداوت کے کفارِ مکہ اپنی عزیز اور قیمتی چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس اماناً رکھتے تھے اور اس کا باعث وہ اطمینان تھا جو آپؐ کی صداقت و امانت پر تھا، الغرض وقتِ معین پر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔ حضرت ابوبکرؓ ہمراہ تھے۔ مکہ سے روانہ ہوکر تین دن تک غارِ ثور میں قیام رہا جو مکہ کے نواح میں ہے۔ اُسی رفاقت کا ذکر اس آیتِ پاک میں ہے:

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ۔ دو میں کا دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔

اور اسی غار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی تسلی کے واسطے وہ کلام ارشاد فرمایا تھا جس کی عظمت و شان کے سامنے آج تک شدید سے شدید دشمن کا بھی سر خم ہے۔ یعنی:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ غمگین نہ ہو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ وہ موقع ہے کہ صرف آپؐ اور آپؐ کے رفیقِ غار کے اندر ہیں کفارِ مکہ حالتِ غیظ و غضب میں سرگرم تلاش ہیں۔ تلاش کرتے کرتے دفعتاً غار کے منہ پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو اُن کے قدم اپنے سر کے اوپر دیکھے تو گھبرا گئے اور کہا:

اُدْرِکْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اے اللہ کے رسولؐ! کافروں نے ہم کو آ لیا۔

آپؐ نے غایت اطمینان کے ساتھ فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ غمگین نہ ہو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

رُوحی فداک یا رسول اللہ! تین دن کے بعد اونٹوں پر سوار ہوکر سمندر کی قریب کی راہ سے مدینہ کو روانہ ہوئے۔ ایک اونٹ پر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ تھے، دوسرے پر عبداللہ بن ارقط راہبر اور حضرت ابوبکرؓ کے غلام آزاد حضرت عامرؓ بن فہیرہ۔ حضرت ابوبکرؓ کا سن اُس وقت انچاسؔ برس چھ مہینے کا تھا۔ ڈاڑھی اور سر کے بال بالکل سپید تھے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سنِ مبارک ترپنؔ برس کا تھا مگر بال بالکل سیاہ تھے۔ قبولِ اسلام کے زمانہ میں جو چالیس ہزار کا سرمایہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس تھا وہ خدمتِ اسلام میں صرف ہوتے ہوتے اب صرف پانچہزار رہ گیا تھا۔ ہجرت کے وقت وہ سب روپیہ انھوں نے ساتھ لے لیا۔ اہل و عیال کفار کے نرغے اور خدائے ذوالجلال کی پناہ پر چھوڑ دیے۔ ابوقحافہ نے جب اپنے بیٹے کی ہجرت کا حال سُنا تو گھبرائے ہوئے آئے اور اپنی پوتی حضرت اسماؓ سے پوچھا کہ تیرا باپ ہجرت کر گیا اور سنا ہے

روپیہ بھی ساتھ لے گیا۔ اُنھوں نے یہ خیال کر کے کہ بُوڑھے دادا کو زیادہ صدمہ نہ ہو۔ کہا: ابّا! یہ بات نہیں ہے، وہ بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ ابو قحافہ کا سن اُس وقت تراسی برس کا تھا۔ بینائی سے معذور تھے۔ حضرت اسمأ نے اُس الماری میں جس میں روپیہ رہتا تھا پتھر بھر کر کپڑا ڈال دیا اور دادا کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اس الماری میں دیکھو۔ انھوں نے ہاتھ سے کپڑا ٹٹولا اور کہا خیر اتنا چھوڑ گیا ہے تو مضائقہ نہیں۔ صدیق اکبرؓ نے اپنے اہل و عیال کو کس بیکسی اور خطرہ کی حالت میں چھوڑا تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے ہجرت کے بعد جب کفار اپنی ناکامی پر برافروختہ ہوئے تو ابو جہل مع چند آدمیوں کے اُن کے گھر آیا اور حضرت اسمأ سے پوچھا، تیرا باپ کہاں ہے؟ اُنھوں نے کہا مجکو معلوم نہیں۔ اِس پر طیش میں آ کر اُس شقی نے ایک تھپڑ اُن کے منہ پر اس زور سے مارا کہ کان سے آویزہ نکل کر دُور جا پڑا۔

۱۲ ربیع الاوّل کو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے رفیق کے مدینہ پہنچے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اہلِ مدینہ نے چونکہ عام طور پر جمالِ مبارک نہیں دیکھا تھا اس لیے امتیاز نہ کر سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں۔ ادب مانع سوال تھا۔ جب چہرۂ اقدس پر دُھوپ آئی اور حضرت ابوبکرؓ نے اُٹھ کر چادر کا سایہ کیا اس وقت پہچانا۔

مہاجرین کا گروہ مدینہ طیبہ میں محض بے خانماں تھا ٹھہرنے کا ٹھکانہ تو کسی کا بھی نہ تھا۔ بہت سے بے سروسامان بھی تھے جن کے پاس سرمایہ تھا وہ بھی دم لینے اور جائے قیام کے محتاج تھے۔ اہلِ مدینہ نے جس حوصلہ اور محبت کے ساتھ اپنے مہمانوں کا خیر مقدم کیا وہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ انھی خدمات کے صلے میں انصار کا برگزیدہ لقب پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد اپنے اصحاب میں مواخات کا سلسلہ قائم کیا۔ یعنی ایک کو دُوسرے کا بھائی بنایا۔ یہ بھائی حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر ایک دوسرے کے ہمدرد اور رفیق بن گئے۔ ایک انصاری[1] جب اپنے بھائی مہاجر کو عقدِ مواخاۃ کے بعد گھر لے گئے تو اُن کو اپنے تمام مال و جائداد کا جائزہ دیا اور کہا اس میں سے نصف تمہارا ہے۔ میری دو بیبیاں ہیں ایک کو طلاق دیتا ہوں بعد عدت تم اُس سے نکاح کر لینا۔ اُن کے بھائی مہاجر نے کہا کہ تمہارا مال و جائداد اور بیبیاں تم کو مبارک مجھ کو ضرورت نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی مواخات حضرت خارجہ بن زید انصاری سے قایم فرمائی گئی تھی۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے سُنح[2] میں قیام کیا۔

ہجرت سے وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک

مدینہ پہنچ کر سات مہینے تک آنحضرتؐ نے حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان پر قیام فرمایا۔ پھر ایک موقع دس اشرفیوں سے خرید کر مسجد نبویؐ تعمیر کرائی۔ یہ اشرفیاں حضرت ابوبکرؓ کے مال سے دی گئیں۔ جو صحابہ کرامؓ مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اُن کے واسطے مسجد کے گرد مکانات تجویز کیے گئے۔ اسی سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ کا مکان مسجد کے متصل بنا جس کی ایک کھڑکی لحاظِ مسجد کے اندر رہتی۔ بنا مسجد نبوی کے زمانہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ آدمی بھیج کر اہل و عیال کو طلب فرمایا۔ اسی قافلہ

---

[1] انصار، مدینہ کے باشندے۔ مہاجر، جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے۔

[2] سُنح، مدینہ کا ایک محلہ تھا۔

میں حضرت ابوبکرؓ کے اہل و عیال بھی مدینہ پہنچے۔ حضرت صدیقؓ کے بال بچے چندے بمقام سُنح رہے۔ جب مسجد کے پاس مکان تیار ہوگیا تو اس میں آگئے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے۔ اینٹوں کو مٹی سے لھیس کر علٰحدہ علٰحدہ حجرے بنا دیے جاتے تھے۔ چھت کھجور کی لکڑی اور پتوں سے پاٹی جاتی تھی۔ اس قدر بلند ہوتی تھی کہ آدمی ہاتھ اٹھاتا تو چھت سے جا لگتا۔

ہجرت سے آغازِ خلافتِ صدیقی تک دس برس کا زمانہ سیرتِ نبوی کا زمانہ ہے۔ اگر اس عہد کے کل واقعات متصل لکھے جائیں تو ایک جزوِ اعظم سیرۃِ رسالت کا بیان کرنا ہوگا جو اس رسالے کا موضوع نہیں۔ اگر بالکل چھوڑ دیے جائیں تو سیرۃِ صدیقی کا ایک عظیم الشان حصہ ترک ہوتا ہے اس لیے میں بھی وہی مسلک اختیار کرتا ہوں جو علامہ شبلی نے الفاروق میں اختیار کیا ہے یعنی واقعات کا مجمل بیان اور اُن کے ضمن میں حالاتِ صدیقی کا خصوصیت سے اظہار۔

غزوۂ بدر اوپر کے بیانات سے فی الجملہ اندازہ ان مصائب اور تکالیف کا ہوتا ہے جو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مشرکینِ مکہ کے ہاتھ سے پہنچی تھیں۔ نیز اُس شانِ رضا و تسلیم کا جو ذاتِ اقدس اور مسلمانوں کی جانب سے عیاں ہوئی۔ اُس زمانے میں کفار نے اپنی تمام کوشش اذیت اور تکلیف پہنچانے میں صرف کی تھی۔ مدینہ پہنچنے کے بعد اُنھوں نے نورِ اسلام کو آبِ شمشیر سے بجھانا چاہا، اس لیے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوتِ ایمان و اسلام کا اظہار فرمایا اور قیامِ مدینہ میں غزوات کا ایک سلسلہ جاری رہا۔ تمام غزوں میں بدر کا غزوہ افضل و اشرف ہے اور جو حضرات اس غزوہ میں شریک تھے وہ تمام مسلمانوں سے درجہ میں بڑھ کر ہیں۔ بدر ساحلِ سمندر کی جانب مدینہ سے سات منزل دور ایک کنواں تھا، ہر سال تین دن وہاں میلہ لگتا تھا۔ یہ غزوہ چونکہ اس موقعے پر ہوا لہٰذا بدر کے نام سے مشہور ہے۔ ۲ھ میں مشرکینِ مکہ نے ایک بڑی جمعیت فراہم کی جس میں قریش کے تمام سردار اور چیدہ آدمی شریک تھے اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے واسطے مدینہ کا قصد کیا۔ آپ کو جب کفار کے ارادہ کا حال معلوم ہوا تو آپ بھی مسلمانوں کی فوج لے کر روانہ ہوئے اور بدر پہنچ کر مقام فرمایا۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ ان میں ستتر مہاجرین تھے اور دو سو چھتیس انصار۔ تمام لشکر میں صرف ستر اونٹ اور تین گھوڑے تھے، جن پر باری باری سے مجاہدین سوار ہوتے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت مرثد غنوی کی سواری میں ایک اونٹ تھا۔

کفار کی جمعیت ایک ہزار تھی جن میں سو سوار تھے۔ میدانِ بدر میں جب آپ نے لشکرِ اسلام کی صفیں ترتیب دیں۔ اور مسلمانوں کی قلت و بے سروسامانی اور کفار کی کثرت و شوکت دیکھی تو بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہوئے اور غایت خضوع و خشوع سے دُعا فرمائی :

اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ اَللّٰهُمَّ اَنْ	اے اللہ! تیرا جو وعدہ مجھ سے تھا وہ پورا فرما دے
تُهْلِكَ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَهْلِ	اے اللہ! اگر تو اس گروہِ اسلام کو ہلاک کر دے گا
الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ۔	تو پھر سطحِ زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی۔

عالم یہ تھا کہ آپ دعا میں مصروف تھے اور صدیقِ اکبرؓ ردائے مبارک کو آپ کے شانوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ آخر دعا

درجۂ اجابت کو پہنچی اور حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی:

كَفَاكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بِأَبِيْ أَنْتَ وَ أُمِّيْ فَاشَدَّتُكَ وَرَبُّكَ فَاِنَّهٗ سَيُنْجِزُلَكَ وَعْدَكَ

اے اللہ کے نبی! تم پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں بارگاہِ الٰہی میں آپ کی مناجات کامیاب ہوئی جو آپ سے وعدہ تھا وہ عنقریب پورا فرمائے گا۔

اس پر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا ختم فرما دی اور یہ کہتے ہوئے میدان میں تشریف لاتے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔

جماعتِ کفار کو عنقریب شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے آیۂ پاک میں:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔

یاد کرو اُس دن کو جبکہ تم فریاد کرنے لگے تھے اپنے رب سے پس اس نے قبول فرمائی تمہاری دعا کہ میں تم کو مدد دوں گا ہزار فرشتوں سے جو لگاتار آنے والے ہوں گے۔

صحابہ کرام نے ایک چھوٹا سا سائبان حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست کے واسطے میدانِ جنگ کے کنارے پر بنا دیا تھا اُس میں آپ تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکرؓ شمشیرِ برہنہ لیے حفاظت پر کمربستہ۔ جب معرکہ کارزار گرم ہوا اور آپ نے بذاتِ خاص کفار پر حملہ فرمایا تو سردارِ میمنہ حضرت ابوبکرؓ تھے اور سردارِ میسرہ حضرت علی مرتضیٰؓ۔ صدیقِ اکبرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن اس وقت تک کافر تھے اور لشکرِ مشرکین میں شامل۔ حضرت صدیقؓ نے اُن کو دیکھا تو طیش میں آکر للکارا اور کہا:

اَيْنَ مَالِيْ يَا خَبِيْثُ۔

او پلید! میرے حقوق کیا ہوئے۔

انہوں نے جواب دیا:

لَمْ يَبْقَ غَيْرُ شِكَّةٍ وَيَعْبُوْبٍ وَصَارِمٍ يَقْتُلُ ضُلَّالَ الشَّيْبِ۔

صرف دستہ و تیر و سمندِ تیز گام باقی ہے اور گمراہی پیری کی قاتل تلوار۔

اسلام لانے کے بعد ایک بار حضرت عبدالرحمٰن نے اپنے والد سے کہا کہ غزوۂ بدر میں ایک موقع پر آپ میری زد پر آ گئے تھے لیکن میں نے بچا دیا۔ یہ سُن کر کہا کہ تُو میری زد پر آجاتا تو میں کبھی نہ چھوڑتا۔ آخرکار مسلمانوں کو فتح اور مشرکوں کو شکست نصیب ہوئی۔ صنادیدِ کفار اس معرکہ میں قتل ہوئے۔ مثلاً ابوجہل، عتبہ، شیبہ۔

غزوۂ اُحد بماہِ رمضان ۳ھ بروز شنبہ

غزوۂ بدر کے ایک سال بعد مشرکینِ مکہ ابوسفیان کے پاس جمع ہو کر گئے اور اپنے مقتول اعزہ کے انتقام میں مدد چاہی۔ ابوسفیان نے مقتولینِ بدر کے انتقام کا اہتمام کیا مالی مدد دی، قبائل میں نقیب بھیجے کہ جوش دلا کر

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر آمادہ کریں ۔ الغرض تین ہزار پُر جوش مشرکوں کا لشکر لے کر ابُوسفیان روانہ ہوا ۔ عورتیں بھی ساتھ تھیں تاکہ مردوں کو غیرت دلا کر بھاگنے سے روکے رہیں ۔ مدینہ کے قریب اُحد نامی ایک پہاڑ ہے ۔ یہ غزوہ اسی پہاڑ پر ہوا تھا۔ اس لیے غزوۂ اُحد کے نام سے مشہور ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حملۂ کفار کی خبر سُن کر مع ایک ہزار مسلمانوں کے مدینہ سے روانہ ہوئے ۔ راستہ میں عبداللہ بن اُبَیّ سرگروہ منافقین کی دراندازی سے لشکرِ اسلام میں تفرقہ پڑ گیا ۔ ایک ثلث آدمی منافقِ مذکور کے ساتھ واپس چلے گئے اور مسلمانوں کی جمعیت کم ہو کر سات سو رہ گئی ۔ میدانِ اُحد میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہُوا ۔ مسلمانوں کی پشت پر جو راستہ تھا اُس پر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرما کر ہدایت کی کہ بدون حکم اپنی جگہ سے کسی حالت میں جنبش نہ کریں ۔ مقابلہ شروع ہُوا ۔ مشرکین کی عورتیں صفوں کی پشت پر ڈھول بجا بجا کر جوش انگیز اشعار گاتی جاتی تھیں ۔ بڑے زور کا رَن پڑا ۔ مسلمانوں کے حملہائے مردانہ نے لشکرِ کفار کی صفیں اُلٹ دیں ۔ جمعیتِ کفر میں تفرقہ ڈال دیا ۔ تیر اندازوں کے دستے نے دشمنوں کی ہزیمت دیکھی تو اپنی جگہ چھوڑ کر مشرکوں کے پیچھے لوٹنے لگے ۔ اِس سے مسلمانوں کی فوج کا پیچھا کھل گیا ۔ اسی عرصہ میں کسی نے مشہور کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقتول ہو گئے ۔ کفار نے اِس موقع کو غنیمت خیال کر کے اپنی جمعیت پھر قائم کی اور دوبارہ بڑے زور کا حملہ کر کے مسلمانوں کے لشکر کے اندر گھس آئے ۔ لشکرِ اسلام میں تفرقہ شدید پڑ گیا ۔ کافروں کی ایک جماعت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچی ایک نے لبِ مبارک پر پتھر مارا جس کے صدمے سے ہونٹ شق ہو کر ایک دانت شہید ہو گیا ۔ دوسرے نے پیشانیِ اقدس پر تیسرے نے چہرۂ منوّر پر ۔ اِن متواتر زخموں کی وجہ سے چہرۂ مبارک پر خون بکثرت بہنے لگا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خون پونچھتے اور فرماتے :

کیف یفلح قوم خضبوا وجہ نبیھم وھو یدعوھم الیٰ ربھم۔	وہ قوم کس طرح فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا حالانکہ وُہ ان کو اُن کے رب کی طرف بلاتا ہے۔

اسی حالت میں کفار نے ریلا دیا اور آپ زخموں کے صدمے سے بیہوش ہو کر ایک غار میں گر گئے جس میں مسلمان شہدا کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں ۔ جب جمالِ مبارک نگاہ سے دُور ہو گیا تو مسلمانوں کی پریشانی و آشفتگی کی انتہا نہ رہی اور رفرفِ اضطراب میں ہر طرف پھرنے لگے ۔ بالآخر سنبھلے اور اس مقام پر آئے جہاں آپؐ تھے ۔ محدّث مشہور حاکم کا قول ہے کہ سب سے اول اس موقع پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا ۔ حضرت علیؓ نے دستِ مبارک پکڑا ، اور حضرت طلحہؓ نے سہارا دیا اور آپؐ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے ۔ خَود کی کڑیاں پتھروں کے صدمے سے چہرۂ اقدس میں گھس گئی تھیں ان کو حضرت ابوعبیدہؓ نے دانتوں سے پکڑ پکڑ کر نکالا جس کے صدمے سے خود اُن کے دو دانت ٹوٹ گئے ۔ مالکؓ بن سنان نے چہرۂ مبارک کا خون صاف کیا ۔ اُس وقت صحابہ کرامؓ نے بے تاب ہو کر عرض کی کہ :

یا رسولؐ اللہ ! کفار کے حق میں بددُعا کیجئے ۔

فرمایا کہ:

میں بددعا کے واسطے نہیں بھیجا گیا۔

اور دعا فرمائی:

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، وہ سمجھتے نہیں۔"

اسی عرصے میں کفار کی ایک جماعت پھر آپؐ کی طرف بڑھی۔ حضرت زیادؓ نے پانچ انصار کو ساتھ لے کر جوانمردی سے روکا اور مع رفقاء اسی موقع پر شہید ہو گئے۔ جب زیادؓ زخموں سے چُور ہو کر گرے تو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کو اُٹھا کر میرے پاس لاؤ۔ آئے تو پائے مبارک پر اُن کا سر رکھ لیا اور اس جاں نثار نے اس حالت میں جان دی کہ رخسارہ قدم مبارک پر رکھا ہوا تھا۔ رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابُودجانہؓ سپر بن کر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک گئے تھے اور حضرت سعد ابن ابی وقاص آپ کے پاس کھڑے ہوئے کفار پر تیر برسا رہے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اس کوشش اور جانفشانی سے کفار کو مسلمانوں نے ذاتِ گرامی کے حملوں سے روکا۔ اسی وقفہ میں باقی مسلمانوں نے سنبھل کر جمعیت پھر قائم کی اور کفار پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم درۂ کوہ کے اوپر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ ہمراہ تھے۔ یہاں خالد بن ولید نے اپنے سواروں کی جمعیت سے آپؐ پر حملہ کرنا چاہا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا اور انھوں نے کفار کو مار ہٹایا۔ جب مشرکین نے دیکھا کہ آپؐ حیات ہیں اور مسلمان خدمت میں کمر بستہ و مستعد، تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگے۔ حضرت حمزہؓ عمِ رسولؐ اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔ آغاز معرکے میں حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن نے میدان میں آ کر اپنے مقابلے کے واسطے حریف طلب کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ خود ان کے مقابلے پر آمادہ ہوئے۔ تلوار میان سے نکالی اور آپؐ سے میدان میں جانے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا:

شم سیفك و امتعنابك۔ — تلوار میان میں کرو اور ہم کو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو۔

بعد ہزیمت کفار ستر سپاہی لشکرِ اسلام کے اُن کے تعاقب میں مامور ہوئے۔ منجملہ ان کے حضرت ابوبکرؓ بھی تھے۔

غزوۂ خندق۔ شوال ۵ھ

بدر اور اُحد کی ناکامی و ہزیمت کے بعد کفارِ مکہ میں تو حملہ آوری کی ہمت نہ رہی تھی مگر اسی زمانہ میں ایک اور دشمنِ اسلام پیدا ہو گیا تھا۔ یعنی یہود۔ مدینہ اور نواحِ مدینہ میں یہودی کثرت سے آباد اور آسودہ تھے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ اسلام کو انھوں نے اپنا بیخ کن خیال کر کے مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ یہ لوگ خود تو مردِ میدان نہ تھے لیکن سازش و فساد کا پورا ملکہ رکھتے تھے۔ اہلِ مکہ کے پاس وفد بھیج کر پھر مخالفت پر آمادہ کیا، اہلِ مکہ سے مطمئن ہونے کے بعد وفد نے قبائل میں دورہ کر کے ہر جگہ جوشِ جنگ تازہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دس ہزار نبرد آزما دشمنانِ اسلام پھر آمادہ ہو گئے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس مہم کی اطلاع ملی تو آپ نے حفاظت کے لیے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا اہتمام فرمایا۔ خود بہ نفسِ نفیس خندق کھودنے میں شرکت فرماتے تھے۔

مسلمانوں نے اس محنت وجانفشانی سے کام کیا کہ لشکرِ کفار کے مدینہ پہنچنے سے پہلے پہلے خندق کُھد کر تیار ہوگئی۔ مشرکین کی فوج دس ہزار تھی، مسلمانوں کی تین ہزار۔ موسم نہایت سرد تھا۔ سامانِ رسد قلیل باوجود ان تمام مشکلات کے اہلِ ایمان نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور برابر ثابت قدم رہے۔ دشمنوں نے ایک مہینے تک محاصرہ رکھا اور متواتر حملے کیے۔ لیکن ہر مرتبہ زک اٹھائی۔ لشکرِ اسلام کا ایک دستہ حضرت صدیقؓ کے ماتحت خندق کے ایک حصّہ کی حفاظت پر مامور تھا۔ اُس موقع پر بعد کو مسجد بنا دی گئی جو مسجدِ صدیق کے نام سے مشہور اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے زمانہ تک موجود تھی۔

حدیبیہ[1] ذیقعدہ ۶ھ ذیقعدہ ۶ھ میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ادائے عمرہ کے واسطے مکّہ کو روانہ ہوئے اِحرام باندھے ہوئے تھے۔ قربانی کے جانور ہمراہ تھے۔ آپ نے اس امر کا اعلان اچھی طرح فرما دیا تھا کہ مقصود صرف زیارتِ بیت اللہ ہے نہ مخالفت یا مخاصمت۔ مہاجرین انصار اور قبائل کے چودہ سو آدمی ہمرکاب تھے اثنائے سفر میں یہ اطلاع ملی کہ قریش راستہ روکے ہوئے ہیں اور باہم یہ عہد کر چکے ہیں کہ آپ کو مکّہ میں نہ داخل ہونے دیں گے۔ آپ نے یہ حال سُن کر وہ راستہ چھوڑ دیا اور دوسرے راستہ سے ایک منزل طے فرما کر بمقام حدیبیہ قیام فرمایا۔ بعد قیام حسبِ عادت آپ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا، بعد مشورت حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند فرمائی گئی۔ اس مقام پر قریشیوں کے متعدد ایلچی حاضر ہوئے اور آپ نے سب کو اطمینان دلایا کہ محض زیارتِ کعبہ کا ارادہ ہے۔ کوئی نزاع یا مخالفت پیشِ نظر نہیں۔ ایلچی اہلِ مکّہ کو آپ کی جانب سے مطمئن کرتے تھے مگر قریشیوں کا شک کسی طرح رفع نہ ہُوا۔ آخر عروہ بن مسعود قریش کی طرف سے ایلچی ہو کر آیا، اور اُس نے اہلِ مکّہ کا عزم و اہتمامِ جنگ نہایت شدّومد کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت حاضر تھے عروہ کی لن ترانی سُن کر ضبط نہ کر سکے اور کہا لات و عزّیٰ کے پُوجنے والے مشرکوں کا یہ اہتمام ہے تو کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے مُنہ موڑ لیں گے۔ عروہ نے پُوچھا :

یہ کون ہے ؟

آپ نے فرمایا :

ابنِ ابی قحافہ۔

عروہ نے کہا :

اگر ابوبکر کے احسان مجھ پر نہ ہوتے تو میں اس کا جواب دیتا۔ لیکن میں اُن کے احسانوں کا خیال کر کے درگزر کرتا ہوں۔

جب اُدھر کے ایلچیوں کو کامیابی نہ ہُوئی تو آپ نے خود اپنا ایلچی خاص سواری کے اُونٹ پر بھیجا۔ اُس کے ساتھ یہ سلوک ہوا کہ اس کے پاؤں قلم کر دیے گئے۔ آپ نے اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بھیجا۔ جب اُنھوں نے پیامِ رسالت ابوسفیان وغیرہ اعیانِ قریش سے بیان کیا تو جواب دیا کہ تم کو طوافِ بیت اللہ کی اجازت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ جب تک

---

[1] حدیبیہ، مکّہ سے ایک منزل فاصلہ پر چھوٹا سا گاؤں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ فرمائیں میں طواف نہیں کر سکتا۔ طیش میں آکر قریش نے ان کو نظر بند کر دیا۔ لشکرِ اسلام میں خبر پہنچی کہ عثمان قتل کر دیے گئے۔ یہ سُن کر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اب جب تک عثمان کے خون کا بدلہ نہ لے لیا جائے۔ معاودت ممکن نہیں۔ چنانچہ تمام مسلمانوں کو جمع فرمایا اور اُن سے مقابلۂ دشمن کی بیعت لی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے زیرِ سایہ کھڑے تھے۔ ایک ایک مسلمان آتا تھا اور دستِ مبارک پکڑ کر اقرار کرتا تھا کہ جب تک تن میں جان ہے دشمن کے مقابلہ سے منہ نہ موڑوں گا۔ یہ بیعت تاریخِ اسلام میں بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی کی نسبت کلامِ مجید میں ارشاد ہے :

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ	یہ بات تحقیق ہے کہ اللہ مومنوں سے خوش ہوا
اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔	جس وقت کہ تجھ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

چونکہ حضرت عثمان غیر حاضر تھے اس لیے آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لے کر اُن کی جانب سے بیعت کی۔ بعد بیعت معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے قتل کی خبر غلط تھی۔ اُدھر مسلمانوں کے یہ عزم دیکھ کر قریشیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور سُہیل نامی قاصد کی زبانی یہ پیام بھیجا کہ اس سال مسلمان واپس جائیں آئندہ سال داخلۂ مکہ اور زیارتِ بیت اللہ کی اجازت دی جائے گی۔ اب اگر مسلمان داخلِ مکہ ہوئے تو ہم کو اندیشہ ہے کہ عرب خیال کریں گے کہ قریش مسلمانوں سے دب گئے۔ طویل مباحثے کے بعد شرائطِ صلح طے ہوئیں اور معاہدہ قلم بند ہونے لگا۔ شرائطِ صلح سے بظاہر کفار کی کامیابی ثابت ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ کو اس سے اضطراب ہوا اور وہ جھپٹ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور فاروقی لہجے میں اپنا خیال ظاہر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے سُن کر جواب دیا :

اَلْزِمْ غَرْزَهٗ۔	آپ کی رکاب تھامے رہو۔

اس سے بھی اطمینان نہ ہُوا تو فاروقِ اعظمؓ نے اپنا خیال خود حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں وحیِ ربانی کے مطابق عمل کر رہا ہوں۔ یہ سن کر عمرؓ خاموش ہو گئے۔ الغرض حضرت علیؓ نے معاہدہ تحریر فرمایا۔ بعد تکمیل مسلمانوں کی جانب سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سعدؓ بن ابی وقاص وغیرہ صحابۂ کرام کے دستخط ہُوئے۔ بعد معاہدہ آپ نے اسی مقام پر ارکانِ عمرہ ادا فرما کر مدینہ کو مراجعت کی۔ راستہ میں سورۃ الفتح نازل ہوئی، جس میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا ہے۔

امام زہری کا قول ہے کہ اسلام میں اس سے پہلے کوئی فتح واقعہ حدیبیہ سے بڑھ کر نہیں ہوئی تھی۔ اب تک مسلمان اور کافر جہاں ملتے تھے لڑنے کے واسطے اب صلح کی وجہ سے آشتی کے ساتھ ملنے لگے۔ اور کافروں کو احکامِ اسلام

ـه الفاظِ بیعت میں اختلافِ روایت ہے۔ بعض نے موت لکھا ہے، بعض نے عدمِ فرار۔

باطمینان سننے کا موقع ملا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو ذرا بھی دانشمند تھے مسلمان ہو گئے۔ اور صلح حدیبیہ کے بعد دو سال کے عرصہ میں اس قدر مسلمان ہوئے جس قدر اس سے پہلے ۱۹ برس کے زمانے میں ہوئے تھے، بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔ ابن ہشام کا مقولہ ہے کہ امام زہری کے قول کی دلیل یہ ہے کہ حدیبیہ میں چودہ سو آدمی حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اس کے دو سال کے بعد فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار تھے۔

خیبر[1] - محرم ۷ھ حدیبیہ سے مراجعت فرمانے کے بعد حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے سے زائد مدینہ میں قیام فرمایا اور آخر محرم میں یہودیوں کا فتنہ فرو کرنے کے ارادہ سے خیبر کو تشریف لے گئے۔

خیبر بہت سے قلعوں کا مجموعہ اور یہودیوں کا ملجا و ماویٰ تھا۔ یہودی قلعہ بند ہو کر لڑے اور مختلف قلعوں پر معرکے رہے۔ لشکرِ اسلام کا بڑا سفید نشان حضرت شیرِ خدا کے سپرد تھا۔ ایک قلعہ پر حضرت ابو بکرؓ امیرِ لشکر مقرر ہو کر گئے، مگر فتح نہ ہوا۔ دوسرے روز حضرت عمرؓ نے حملہ کیا وہ بھی کامیاب نہ ہوئے۔ تیسرے روز حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"آج میں ایسے شخص کو امیرِ لشکر بنا کر نشان دوں گا جو خدا اور اس کے رسولؐ کو بہت دوست رکھتا ہے اور جو بھاگنے والا نہیں، اس کے ہاتھ سے قلعہ فتح ہوگا۔"

چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نشان ملا اور حملہ حیدری سے قلعہ سر ہو گیا۔ خیبر صفر ۷ھ میں فتح ہوا۔

فتح مکہ - رمضان ۸ھ جو معاہدہ صلح حدیبیہ میں ہوا تھا کفارِ قریش نے جلد توڑ ڈالا۔ قبیلہ خزاعہ پر (جو مسلمانوں کا حلیف (ہم پیمان) تھا) قبیلہ بنو بکر نے حملہ کیا۔ یہ قبیلہ قریش کا حلیف تھا۔ خلاف شرائط معاہدہ قریش نے اپنے میل والوں کو مدد دی، انتہا یہ کہ قبیلہ خزاعہ کو جوارِ کعبہ میں بھی پناہ نہ ملی اور حرم کے اندر قتل کیے گئے۔ آخر انھوں نے اپنا قاصد فریاد لے کر بارگاہِ رسالت میں بھیجا۔ جس وقت ابنِ سالم ان کا ایلچی حاضرِ خدمت ہوا۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام مسجد نبویؐ میں رونق افروز تھے۔ ابنِ سالم نے ایک دردناک نظم پڑھی جس میں مدد کی التجا تھی اور قبیلہ خزاعہ کی مصیبت کی تشریح آپ نے سن کر فرمایا کہ تم کو مدد ملے گی۔ اسی عرصہ میں دوسرا وفد طلب مدد کے واسطے حاضر ہوا۔ دسویں رمضان المبارک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مع دس ہزار لشکر کے مکہ کی طرف کوچ فرمایا۔ آپؐ کے عم بزرگوار حضرت عباسؓ نے اس کا اندازہ کر لیا تھا کہ اگر کفار نے لشکرِ اسلام کا مقابلہ کیا تو کیا مصیبت نازل ہوگی۔ اس لیے آگے بڑھ کر قریش کی اطاعت کا پیام آپ کی خدمت میں پیش کیا جو منظور ہوا، اور سب کی جاں بخشی کا اعلان فرما دیا گیا۔ چند مشرک جو اسلام کے شدید دشمن تھے امان سے محروم رہے۔ ان کا نام لے کر فرما دیا گیا کہ اگر کعبہ کے پردوں میں بھی لپٹے ہوئے ملیں تو قتل کر دیے جائیں۔ اس موقعہ پر خیال کرنا چاہیے کہ یہ وہ اہلِ مکہ تھے جنھوں نے تیرہ برس تک انتہائی سفاکی اور ظلم کے ساتھ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اذیتیں پہنچائی تھیں۔ وطن سے بے وطن کیا۔ مدینہ میں

---

[1] خیبر، مدینہ سے آٹھ منزل شام کی جانب ہے۔

بھی برسوں چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ آج جب دس ہزار جاں نثار ہمرکاب ہیں۔ مکہ کے فتح ہونے اور کفار کو سزائے کردار ملنے کا وقت آتا ہے تو رحمت کا ظہور ہوتا ہے اور بے دریغ دولتِ امن و امان لٹائی جاتی ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ جو اپنے دروازے بند کر کے گھروں میں بیٹھ جائیں محفوظ۔ جو ابُوسفیان کے گھر میں پناہ لیں ان کا خون معاف۔ ذرا سوچو ابوسفیان کس کا نام تھا۔ جن لوگوں کی نسبت یہ عتاب تھا کہ خانہ کعبہ کے پردے بھی اُن کو امان و پناہ نہ دیں اُن کی بھی سفارشیں ہوتی ہیں اور خطا معاف ہو جاتی ہے۔ اس واقعۂ عظیم کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھو کہ یورپ کے منصف مزاج مصنف نبی کریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تصویر ایک ایسے خونخوار شخص کی شکل میں پیش کرتے ہیں جو جوشِ انتقام میں بےخود ہو۔ فتح مکہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اپنے والد ابو قحافہ کو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تاکہ ان کو تلقینِ اسلام فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ:

"ابو بکرؓ تم نے شیخ (بڑے میاں) کو مکان پر رہنے دیا ہوتا، مَیں خود ان کے پاس چلتا۔"

عرض کی،

"یا رسولؐ اللہ! اِنھی کو آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے تھا۔"

آپ نے ابو قحافہ کو سامنے بٹھایا اور سینہ پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا:

اَسْلِمْ۔ (اسلام لے آؤ)

ابو قحافہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

حُنین [1] فتح مکہ نے قریش کی مخالفت کا تو خاتمہ کر دیا اور وہ ہمیشہ کے واسطے اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ لیکن نواحِ مکہ میں ہنوز جوشِ مخاصمت برپا تھا۔ قبیلۂ ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے اپنے قبیلہ کو جمع کیا۔ ہوازن کے حلیف ثقیف وغیرہ قبائل بھی فراہم ہوئے اور سب نے مل کر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کا عہد کیا۔ دُرید نے (جو ایک اہل الرائے سن رسیدہ شخص تھا) مالک کو بہت سمجھایا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے مگر مطلق اثر نہ ہُوا۔ جب آپ کو ان قبائل کے ارادہ کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت عبداللہ اسلمی کو دریافتِ حال کے واسطے بھیجا۔ انھوں نے واپس آ کر بیان کیا کہ قبائل ہوازن وغیرہ پوری طرح آمادۂ پیکار ہیں۔ یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے کوچ کا حکم دیا۔ علاوہ اُن دس ہزار آدمیوں کے جو مدینہ سے آئے تھے دو ہزار اہلِ مکہ بھی ساتھ ہوئے۔ اس طرح بارہ ہزار آدمیوں کی جمعیت رکابِ سعادت میں تھی وادیِ حنین میں مقابلہ ہوا۔ قبائل کے لشکرِ مخالف کے عزم و ثبات کا یہ عالم تھا کہ ایک دیوار آہنی معلوم ہوتا تھا۔ معرکۂ کارزار گرم ہوا، مسلمانوں کے قدم اوّل ہی حملہ میں اکھڑ گئے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ اسلام کی جمعیت قائم کرنے کی کوشش فرمائی۔ لیکن تفرقہ نہ مٹ سکا۔ اُس وقت آپ کی خدمت میں صرف چند مہاجرین و انصار حاضر تھے۔

---

[1] حنین، ایک وادی مکہ سے تین میل ہے۔

باقی تمام لشکر متفرق ہوگیا تھا۔ منجملہ حاضرین حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ تھے۔ اہلبیت میں سے حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت اُسامہ بن زیدؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلائی ام ایمن کے بیٹے حضرت ایمنؓ (جو اسی روز شہید ہوئے) حاضر تھے۔ حضرت عباسؓ آپ کے سفید خچر کی باگ تھامے ہوئے تھے، وُہ نہایت جسیم اور بلند آواز تھے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم دیا کہ باآواز بلند پکارو:

"یا معشر الانصار یا معشر اصحاب سمرہ۔"

اس ندا کے سامنے سارے تفرقہ اور ابتری نے سپر ڈال دی۔ اُدھر عم رسولؐ نے باآوازِ بلند پکارا:

"یا معشر الانصار یا معشر اصحاب سمرہ۔"

اُدھر "لبیک لبیک" کی صدا سے جنگل گونج اُٹھا۔ گلہ نے اپنے راعی کی آواز پہچان لی۔ اب بیتابی کا یہ عالم ہے کہ اونٹ قابو میں نہ آتے تو سب نے آہنی زرہیں اُتار اُتار کر اُن کی گردنوں میں ڈال دیں۔ ہلکے ہو ہو کر کُودے اور شمشیر بکف پروانہ وار شمع رسالت (روحی فداہ) کے گرد جمع ہوگئے۔ جس وقت سَو آدمی فراہم ہوگئے ہلہ کا حکم دیا گیا۔ اُن کی جانبازی دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اب معرکہ کارزار میں گرمی آئی۔ حضرت شیرِ خدا اور ایک انصاری نے مل کر دشمن کے نشان بردار پر حملہ کیا۔ حضرت علیؓ نے اونٹ کے پاؤں کاٹ دیے، وہ گرا تو انصاری نے ایک ہاتھ میں سوار کا کام تمام کر دیا۔ اسی عرصہ میں مسلمانوں کی جمعیت زیادہ ہوگئی اور میدان اعدا سے جیت لیا۔ جب لشکر کا آخری حصہ لوٹ کر میدان میں آیا تو اُس نے دیکھا کہ قیدی مشکیں کسے میدان میں پڑے تھے۔

تبوک[1] ۔ رجب ۹ھ اسلام کی آب و تاب اب دُور دُور تک نگاہوں کو خیرہ کرنے لگی اور کفر کے حلقوں میں تہلکہ بڑھتا گیا۔ پرخاش اور مخالفت کا دائرہ عرب اور یہود سے گزر کر رومؔ تک جا پہنچا۔ اسی سلسلہ میں فتح مکہ سے پہلے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم رومیوں کے مقابلہ پر روانہ فرمائی جو سیرت میں غزوۂ مُوتہ کے نام سے مشہور ہے۔ اِسی معرکہ میں حضرت جعفر طیار اور حضرت زید بن حارثہ شہید ہوئے۔ (رضی اللہ عنہما)

اب مدینہ خبر پہنچی کہ خود ہرقل روم باتفاق نصارائے عرب حملہ پر آمادہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس شر کے دفع کرنے کی تیاریاں شروع فرمائیں۔ یہ مہم ایک بڑی سلطنت کے مقابلے پر تھی اور منزل دُور دراز عرب میں قحط پڑا ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے اِس غزوہ کا نام جیش العسرۃ (مصیبت کا لشکر) ہے سب پر طرہ یہ کہ موسم کھجوروں کے پختہ ہونے کا تھا۔ اِس موسم میں اہلِ مدینہ باہر نہیں جاتے تھے۔ باغوں میں درختوں کے نیچے کھجوریں جمع کرتے احباب کے ساتھ مل کر کھاتے کھلاتے۔ ان اسباب سے منافقین نے خوب نفع اٹھایا، اور دل کھول کر مسلمانوں میں تفرقہ اور مہم میں خلل ڈالا۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان دولتمندوں کو تیاریِ لشکر میں مدد دینے کی ترغیب فرمائی۔

---

[1] تبوک، شام کا سرحدی شہر، مدینہ سے تقریباً ڈیڑھ سو میل ہے۔

حضرت عمرؓ نے خود بیان کیا ہے کہ جس وقت لشکر تبوک کے انفاق (چندہ) کا ارشاد ہوا اس وقت میں خوب مالدار تھا میں نے دل میں کہا کہ اگر ابوبکرؓ سے آگے بڑھ سکتا ہوں تو وہ یہی موقع ہے۔ گھر گیا اور بہت سا مال لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ فرمایا:

عمر! بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا؟

جواب دیا: اسی قدر۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنا انفاق (چندہ) پیش کیا۔ استفسار ہوا

ابوبکر! بچوں کے لیے کیا رکھا؟

عرض کیا:

اَبْقَیْتُ لَهُمَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اُن کے واسطے اللہ اور اس کا رسول رکھ لیا ہے۔

(یعنی مالِ ظاہری کچھ نہیں چھوڑا)

یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ:

میں ابوبکرؓ سے کبھی بازی نہیں لے جا سکتا۔

لشکر تبوک کے جائزہ اور امامت کا منصب اور بڑا نشان حضرت ابوبکرؓ کے سپرد تھا۔ فوج کی تعداد تیس ہزار تھی۔ تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن نے اپنے مقام سے جنبش نہیں کی۔ یوحنا حاکم ایلیا[1] نے حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمانِ صلح عطا فرمایا اور مع الخیر مدینہ کو معاودت فرمائی۔

حج ۹ھ ذی حجہ ۹ھ میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ حج مکہ کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ امیر حج مقرر ہوئے۔ اسلام میں یہ پہلے امیرِ حج ہیں۔ بیس جانور قربانی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اور پانچ خود ان کے ہمراہ تھے۔ تین سو آدمیوں کا قافلہ تھا۔ اس سال مومن و مشرک، دونوں نے حج ادا کیا۔ اس کے بعد مشرکوں کے واسطے داخلۂ حرم ممنوع ہو گیا۔ اسی حج کے زمانہ میں سورۃ برأت کی تبلیغ حضرت علی مرتضیٰؓ نے باآوازِ بلند متواتر منجانب حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائی۔

وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ۱۰ھ میں حضرت سرورِ عالم نے حج ادا فرمایا۔ چونکہ یہ حج آپ کا آخر حج تھا اور خطبے میں آپ نے اس کا اعلان فرما دیا تھا۔ اس لیے اس کا لقب حجۃ الوداع ہے۔ معاودت فرمانے کے بعد مزاجِ اقدس ناساز ہوا۔ آخر صفر یا شروع ربیع الاول میں علالت وفات کی ابتدا ہوئی۔ ایک روز نصف شب کے وقت آپ گورستان بقیع

---

[1] ایلیا شہر بیت المقدس

کو (جہاں آپ کے رفقا، دفن ہیں) تشریف لے گئے۔ ابومُویہبہ آپ کے غلام سے روایت ہے کہ اُس شب کو مجھ کو یاد فرماکر ارشاد کیا کہ اہلِ بقیع کے واسطے دعائے مغفرت کرنے کا حکم مجھ کو ہوا ہے تم ہمراہ چلو۔ میں ساتھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور کے وسط میں قیام فرماکر کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْمَقَابِرِ لِیَھْنِئْ لَکُمْ مَا اَصْبَحْتُمْ فِیْہِ مِمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ فِیْہِ اَقْبَلَتِ الْفِتَنُ کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ تَتْبَعُ اٰخِرُھَا اَوَّلَھَا اَلْاٰخِرَۃُ شَرٌّ مِّنَ الْاُوْلٰی۔	اے بقیع کی قبروں میں سونے والو! تم جس حال میں ہو وہ بہت اچھا ہے اُس حال سے جس میں زندہ انسان ہیں، تاریک رات کے حصّوں کی طرح فتنے چلے آرہے ہیں پچھلا فتنہ اگلے کو نگل لیتا ہے اور اگلے سے پچھلا بدتر ہے۔

اس کے بعد میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا:

اے ابومویہبہ! میرے سامنے دنیا کا ابدی قیام، اس کے خزانوں کی کنجیاں اور جنت پیش کی گئی۔ میں نے اپنے رب کے دیدار اور جنت کو انتخاب کرلیا۔

میں نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان، دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور یہاں کا ابدی قیام پسند فرمائیے۔

آپ نے فرمایا، نہیں، میں لقاءِ ربانی اور جنت پسند کرچکا۔

یہ فرماکر اہلِ بقیع کی مغفرت کی دُعا کی اور دولت خانہ کو واپس تشریف لے آئے، حُجرے میں پہنچے تو حضرت عائشہؓ کے سر میں درد تھا۔ آپ نے فرمایا:

میرے سر میں بھی درد ہے۔

یہ ہی آغازِ مرض تھا جو رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ دورانِ مرض میں بھی حسبِ معمول آپ باری باری ازواجِ مطہرات کے یہاں قیام فرماتے رہے۔ جب مرض کی زیادہ شدّت ہُوئی تو سب بیبیوں کو جمع فرماکر ایّامِ مرض میں حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام کی اجازت حاصل کی۔ بعد اجازت حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے شانوں پر دستِ مبارک رکھ کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے آئے۔ سر بندھا ہوا تھا اور پاؤں فرطِ ضعف سے زمین پر کھینچتے جاتے تھے۔ زمانۂ علالت میں ایک روز مسجد میں تشریف لائے۔ منبر پر بیٹھ کر اوّل شہدائے اُحد کے واسطے دعائے مغفرت کی۔ اُس کے بعد فرمایا:

اِنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِ اللّٰہِ خَیَّرَہُ اللّٰہُ بَیْنَ الدُّنْیَا وَبَیْنَ مَا عِنْدَہٗ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰہِ۔	یعنی اللہ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور قربِ الٰہی میں سے جسے چاہے پسند کرلے۔ اُس نے اللہ کے قرب کو پسند کرلیا۔

حضرت ابوبکرؓ فراستِ ایمانی سے اس قول کی تہہ کو پہنچ گئے، رونے لگے اور کہا:

بَلْ نَفْدِيْكَ بِاَنْفُسِنَا وَاٰبَائِنَا۔
نہیں بلکہ ہم اپنی جانیں اور اپنے باپ آپ پر سے قربان کر دیں گے۔

آپ نے سن کر ارشاد فرمایا،

عَلٰی رِسْلِكَ يَا اَبَا بَكْرٍ۔
ابوبکر! سنبھلو۔

پھر ارشاد فرمایا کہ،

جس قدر مکانوں کے دروازے صحنِ مسجد میں ہیں وہ سب بند کر دیے جائیں مگر ابوبکرؓ کے گھر کا دروازہ بدستور رہے۔

یہ کہہ کر فرمایا،

فَاِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اَحَدًا كَانَ اَفْضَلَ فِی الصُّحْبَةِ عِنْدِیْ يَدًا اِمِنْهُ فَاِنِّیْ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَّلٰكِنْ صُحْبَةٌ وَّاِخَاءُ اِيْمَانٍ حَتّٰی يَجْمَعَ اللّٰهُ بَيْنَنَا عِنْدَهٗ۔
میں کسی کو نہیں جانتا جو میرے نزدیک رفاقت میں باعتبار احسانات کے ابوبکرؓ سے افضل ہو۔ پس اگر میں کسی کو قلبی دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا، مگر یہ صرف رفاقت اور اخوتِ ایمانی ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ہم کو اپنے پاس جمع کر لے۔

اس کے بعد مہاجرین کو تاکید فرمائی کہ انصار کے حقوق کا لحاظ رکھیں۔ جب مرض کو اور زیادہ شدت ہوئی تو آپؐ نے فرمایا،

ابوبکرؓ سے کہو کہ نماز کی امامت کریں۔

یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ،

رَجُلٌ رَقِيْقٌ ضَعِيْفُ الصَّوْتِ كَثِيْرُ الْبُكَاءِ اِذَا قَرَاَ الْقُرْاٰنَ۔
وہ ایک نرم دل، کمزور آواز کے آدمی ہیں۔ جب قرآن پڑھتے ہیں تو بہت روتے ہیں۔

مطلب یہ تھا کہ امامت کا بار نہ اٹھا سکیں گے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھڑک کر دوبارہ حکم فرمایا۔ چنانچہ پنجشنبہ کی عشا کے وقت سے حضرت صدیقؓ نے امامت شروع کی اور اس طرح سترہ نمازیں حیاتِ مبارکہ میں پڑھائیں۔ دوشنبہ کو نمازِ صبح کے وقت حضرت سرورِ عالمؐ پردہ اٹھا کر باہر تشریف لائے۔ دردِ سر کی شدت کی وجہ سے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ صحابۂ کرامؓ کی جماعت اور نماز دیکھ کر چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے دمکنے لگا۔ آپؐ آگے بڑھے تو لوگوں نے راستہ دے دیا۔ حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ آنحضرتؐ تشریف لاتے ہیں پیچھے ہٹنے لگے، آپؐ نے پیٹھ پر ہاتھ مار کر کہا،

صَلِّ بِالنَّاسِ (نماز پڑھاؤ)

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی داہنی جانب بیٹھ گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ بعد نماز بآوازِ بلند (جو مسجد کے باہر تک جاتی تھی) وعظ ارشاد فرمایا۔ اس میں یہ جملے بھی تھے،

اَيُّهَا النَّاسُ سُعِّرَتِ النَّارُ وَاَقْبَلَتِ الْفِتَنُ
اے لوگو! آگ روشن کی گئی اور فتنے اندھیری رات کے

كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ وَ إِنِّيْ وَ اللهِ مَا تُمْسِكُوْنَ عَلَيَّ بِشَيْءٍ لَمْ أُحِلَّ إِلَّا مَا أَحَلَّ الْقُرْآنُ وَ لَمْ أُحَرِّمْ إِلَّا مَا حَرَّمَ الْقُرْآنُ ۔

ٹکڑوں کی طرح چلے آتے ہیں۔ اور قسم ہے رب کی میرے ذمہ تمہارا کچھ مطالبہ نہیں ہے۔ میں نے وہی حلال بتایا جس کو قرآن نے حلال کیا اور وہی حرام بتایا جس کو قرآن نے حرام کیا۔

جب کلام مبارک ختم ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی،

اے اللہ کے نبی! آج تو خدا کے فضل و کرم سے آپ ایسے اچھے ہیں جیسا ہم سب کا دل چاہتا تھا۔ آج بنت خارجہؓ کی یہاں جانے کی باری ہے اجازت ہو تو وہاں جاؤں۔ آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر دولت خانہ میں تشریف لے آئے۔ صدیق اکبر سُنح کو چلے گئے اُس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک مزاج درست رہا۔ چنانچہ جب حضرت علی مرتضیٰ آپ کے پاس سے باہر آئے اور لوگوں نے خیریت دریافت کی تو جواب دیا،

أَصْبَحَ بِحَمْدِ اللهِ بَارِئًا۔ آج صبح سے خدا کا شکر ہے صحت ہے۔

مسجد سے واپس تشریف لانے پر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کی آغوش میں تکیہ لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ اسی اثنا میں آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ہاتھ میں مسواک دیکھی اور اس کو بہ نظرِ رغبت ملاحظہ فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے منشاء مبارک سمجھ کر مسواک ہاتھ سے لے لی، پہلے خود چبا کر نرم کی پھر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو پیش کیا۔ آپ نے مسواک لے کر پوری قوت کے ساتھ دندانِ مبارک پر پھیری اور پھیرنے کے بعد رکھ دی۔ بعد مسواک جب آپ کے بدن کا بوجھ زیادہ محسوس ہونے لگا تو حضرت عائشہؓ نے چہرۂ اقدس کی طرف دیکھا، پتلیاں چڑھ گئی تھیں اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے،

اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى۔ اے اللہ! مقام رفیق اعلیٰ میں پہنچا۔

تین بار یہ کلمات ادا فرما کر بتاریخ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ روز دوشنبہ وقتِ چاشت رحلت فرمائی إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ وصلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

صدیق اکبرؓ نے اس سانحۂ ہوش ربا کی خبر سُنی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور مسجد کے دروازے پر پہنچ کر گھوڑے سے اُترے۔ حضرت عمرؓ مسجد میں مجمع کے سامنے گفتگو کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کسی جانب التفات نہیں کیا اور سیدھے حجرہ مبارک میں پہنچے۔ چہرۂ انور سے بُردِ یمانی ہٹا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا،

بِأَبِيْ أَنْتَ وَ أُمِّيْ طِبْتَ حَيًّا وَّ مَيِّتًا أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِيْ كَتَبَ اللهُ عَلَيْكَ فَقَدْ ذُقْتَهَا ثُمَّ لَنْ تُصِيْبُكَ بَعْدَهَا

آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ کی حیات اور وفات دونوں پاک ہیں۔ جو موت آپ کے حق میں اللہ نے لکھ دی تھی اس کا ذائقہ

---

[1] حضرت ابوبکرؓ کی بی بی تھیں جو سُنح میں رہتی تھیں۔

مَوْتَةً اَبَدًا۔ — آپ نے چکھ لیا۔ اب اس کے بعد آپ کبھی وفات نہ پائیں گے۔

یہ کہہ کر چادر اطہر ڈھک دی اور باہر آئے، اس وقت حضرت فاروق مجمع سے مخاطب ہوکر کہہ رہے تھے :

" منافق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، واللہ وفات نہیں پائی ہے بلکہ اپنے رب کے پاس موسیٰ کی طرح گئے ہیں۔ جو چالیس روز غائب ہوکر واپس آ گئے تھے، حالانکہ ان کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پا گئے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراجعت کریں گے اور اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں کہ آپ نے رحلت فرمائی۔"

حضرت ابوبکرؓ نے یہ کلام سُنا تو کہا :

" اے عمرؓ ! سنبھلو اور خاموش ہو جاؤ۔"

وہ چُپ نہ ہوئے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے خود سلسلۂ گفتگو شروع کر دیا۔ حاضرین حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر اُدھر متوجہ ہو گئے۔ صدیق اکبرؓ نے پہلے حمد و ثنا بیان کی۔ اس کے بعد کہا :

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئْنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔

اے لوگو ! جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا (وہ سمجھ لے کہ) محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو معبود مانتا تھا (وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا (خدا کا ارشاد ہے) اور نہیں ہیں محمدؐ مگر ایک رسول ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں تو کیا وہ اگر مر جائیں گے یا قتل کر دیے جائیں گے تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے، اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب جزا دے گا۔

اس آیت پاک کو سن کر لوگ چونک پڑے اور گویا اُن کو یاد آ گیا کہ یہ آیت بھی نازل ہوئی ہے بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اس آیت کو سُن کر میرے پاؤں ٹوٹ گئے، کھڑے رہنے کی قوت نہ رہی، زمین پر گر گیا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔

ؔلہ ایام خلافت میں ایک مرتبہ فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن جو میرا کلام تھا اس کا منشا یہ آیت تھی، وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ میں اس کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت میں آخر وقت تک قیام فرما کر اس کے اعمال کی شہادت ادا فرمائیں گے۔

باب دوم

خلافت

سقیفۂ بنی ساعدہ اسی حالت میں کہ مہاجرین مسجدِ نبویؐ میں جمع تھے ایک شخص نے آکر کہا کہ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں فراہم ہو کر خلافت کے بارہ میں مشورہ کر رہے ہیں، اگر تم کو اُمت کے بچانے کی ضرورت ہے تو بچا لو۔ قبل اس کے کہ کام ہاتھ سے نکل جائے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ ہم کو اپنے بھائیوں انصار کے پاس چلنا چاہیے چنانچہ دونوں صاحب روانہ ہُوئے۔ راستہ میں حضرت ابوعبیدہ بھی شامل ہو گئے۔ آگے بڑھے تو دو انصاری ملے اور پوچھا کہاں جاتے ہو؟

فاروقِ اعظمؓ نے جواب دیا: انصار کے جلسہ میں۔

انصاریوں نے کہا:

وہاں نہ جائیے، مہاجرین کو اپنا معاملہ خود طے کر لینا چاہیے۔

حضرت عمرؓ نے قسم کھا کر کہا کہ ہم ضرور جائیں گے۔ اس موقع پر یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں کیا ہو رہا تھا۔ جب انصار سقیفے میں جمع ہو لئے تو سب سے اوّل حضرت سعد بن عبادہ نے خطبہ دیا۔ پہلے حمد و ثنا الٰہی بیان کی، پھر کہا:

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ لَکُمْ سَابِقَةٌ فِی الدِّیْنِ وَ فَضِیْلَةٌ فِی الْاِسْلَامِ لَیْسَتْ بِقَبِیْلَةٍ مِّنَ الْعَرَبِ اَنَّ مُحَمَّدًا عَلَیْهِ السَّلَامُ لَبِثَ بِضْعَ عَشْرَةَ سَنَةٍ فِیْ قَوْمِهٖ یَدْعُوْهُمْ اِلٰی عِبَادَةِ الرَّحْمٰنِ وَخَلْعِ الْاَنْدَادِ وَ الْاَوْثَانِ فَمَا اٰمَنَ بِهٖ مِنْ قَوْمِهٖ اِلَّا رِجَالٌ قَلِیْلٌ وَکَانَ مَا کَانُوْا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی اَنْ یَّمْنَعُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَا اَنْ یُّعِزُّوْا دِیْنَهٗ وَلَا اَنْ یَّدْفَعُوْا عَنْ اَنْفُسِهِمْ ضَیْمًا عُمُّوْا بِهٖ، حَتّٰی اِذَا اَرَادَ بِکُمُ الْفَضِیْلَةَ سَاقَ اِلَیْکُمُ الْکَرَامَةَ وَخَصَّکُمْ بِالنِّعْمَةِ فَرَزَقَکُمُ اللّٰهُ الْاِیْمَانَ بِهٖ وَبِرَسُوْلِهٖ وَ الْمَنْعَ لَهٗ وَلِاَصْحَابِهٖ وَالْاِعْزَازَ لَهٗ

اے گروہِ انصار! تم کو دین میں وہ سبقت اور اسلام میں وہ فضیلت حاصل ہے جو عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ محمد علیہ السلام اپنی قوم میں کچھ اوپر دس برس رہ کر اُس کو خدا کی عبادت کرنے اور بت پرستی کے ترک کی جانب بلاتے رہے۔ مگر باستثناد قلیل اُن کی قوم میں سے کوئی ایمان نہ لایا۔ جو ایمان لائے انھیں اتنی قوت نہ تھی کہ رسولؐ اللہ کی حفاظت کرتے، دین کا اعزاز بڑھاتے اور اپنے آپ سے ظلم اعدا کو دفع کرتے جس میں سب مبتلا تھے۔ یہاں تک کہ جب اللہ کو منظور ہوا کہ تم کو عزت دے تو اس نے تم کو شرف بخشا، فضیلت کے ساتھ مخصوص فرمایا اور اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ نیز اس امر کی کہ تم رسولؐ اللہ اور ان کے

وَلِدِيْنِهٖ وَالْجِهَادَ لِاَعْدَائِهٖ وَكُنْتُمْ اَشَدَّ النَّاسِ عَلٰى عَدُوِّهٖ مِنْكُمْ وَاَثْقَلَهٗ عَلٰى عَدُوِّهٖ مِنْ غَيْرِكُمْ حَتّٰى اِسْتَقَامَتِ الْعَرَبُ لِاَمْرِ اللّٰهِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَاَعْطَى الْبَعِيْدُ الْمَقَادَةَ صَاغِرًا دَاخِرًا حَتّٰى اَثْخَنَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِرَسُوْلِهٖ بِكُمُ الْاَرْضَ وَدَانَتْ بِاَسْيَافِكُمْ لَهُ الْعَرَبُ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ وَهُوَ عَنْكُمْ رَاضٍ وَبِكُمْ قَرِيْرُ عَيْنٍ اِسْتَبِدُّوْا بِهٰذَا الْاَمْرِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَاِنَّهٗ لَكُمْ دُوْنَ النَّاسِ۔

اصحاب کی حفاظت کرو۔ اُن کا اور اُن کے دین کا اعزاز بڑھاؤ اور ان کے دشمنوں سے جہاد کرو۔ اس کے بعد تم اُن کے دشمنوں پر (خواہ وہ تم میں سے تھے یا تمہارے غیر) سب سے زیادہ سخت اور بھاری ہو گئے۔ یہاں تک کہ تمام عرب کے سر حکم الٰہی کے سامنے طوعاً و کرہاً جھک گئے اور تمہاری تلواروں نے عرب کو فرمانبردار بنا دیا اور تمہارے ذریعے سے خدا تعالیٰ نے سرزمینِ عرب کو مطیع۔ خدا تعالیٰ نے ان کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) وفات دی اور وہ تم سے راضی و خوش تھے (خلافت کی نسبت) پورا اصرار کرو وہ تمہارا حق ہے نہ کہ اوروں کا۔

اس خطبے کے ختم ہونے پر تمام مجمع نے تحسین و آفرین کی اور کہا ہم تمہاری رائے پر عمل کریں گے۔ تم ہم میں سے سربرآوردہ ہو۔ اور صلحائے مومنین کے محبوب۔ اس کے بعد باہم بحث و گفتگو ہوتی رہی، دورانِ بحث میں کسی نے کہا کہ اگر مہاجرین نے اپنا یہ دعویٰ پیش کیا کہ ہم مہاجرین اور اوّلین صحابہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و رفیق، پھر تم کس طرح ہمارے مقابلہ پر دعوٰے کرتے ہو تو ہمارا جواب کیا ہوگا ؟ اس پر کسی نے کہا کہ ہم یہ جواب دیں گے :

اِذًا مِنَّا اَمِيْرٌ وَمِنْكُمْ اَمِيْرٌ۔ اس صورت میں ایک امیر ہم میں سے ہو ایک تم میں سے

اِس کے بغیر ہم کبھی راضی نہ ہوں گے۔

یہ سن کر حضرت سعد نے کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے۔

یہ مکالمہ ہو رہا تھا کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور ابو عبیدہ وہاں پہنچے، دیکھا کہ ایک آدمی چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا، یہ کون ہے ؟

کسی نے کہا :

سعد بن عبادہ۔

اس طرح کیوں لیٹے ہیں ؟

بیمار ہیں۔

اس سوال و جواب کے بعد تینوں صاحب بیٹھ گئے۔ اُن کے بیٹھ جانے پر انصار کا ایک خطیب کھڑا ہوا، اور اس نے انصار کے حقوق و فضائل پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ اسی طرح متعدد انصاریوں نے خطبے دیے، جب ان کے سب خطیب سلسلۂ کلام ختم کر چکے

توحضرت عمرؓ نے خطبہ دینا چاہا (جس کو پہلے سے سوچ چکے تھے)۔
حضرت ابوبکرؓ نے کہا، ٹھہرو!
وُہ رک گئے۔صدیق اکبرؓ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اوّل حمد و ثنائے الٰہی بیان کی، پھر کہا،

اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَ مُحَمَّدًا رَّسُوْلًا اِلٰی خَلْقِہٖ شَہِیْدًا عَلٰی اُمَّتِہٖ لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ وَیُوَحِّدُوْہُ وَھُمْ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اٰلِہَۃً شَتّٰی وَیَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ شَافِعَۃٌ وَّلَھُمْ نَافِعَۃٌ اِنَّمَا ھِیَ مِنْ حَجَرٍ مَنْحُوْتٍ وَخَشَبٍ مَنْجُوْرٍ۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے محمدؐ کو اپنی مخلوق کے پاس رسول اور ان کی امت کے واسطے رہنما بنا کر بھیجا، اس غرض سے کہ بندے اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کا اقرار کریں، حالت یہ تھی کہ لوگ متفرق معبودوں کو اس خیال خام سے پوجتے تھے کہ وہ اللہ کے سامنے اُن کے شفیع بن کر نفع پہنچائیں گے۔ان معبودوں کی حقیقت یہ تھی کہ چوب و سنگ سے تراش لیے گئے تھے۔

ثم قرأ "وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَلَا یَنْفَعُھُمْ وَیَقُوْلُوْنَ ھٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ وَقَالُوْا مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لیقربونا الی اللہ زلفی" فعظم علی العرب ان یترکوا دین اباءھم فخص اللہ المھاجرین الاولین من قومہ بتصدیقہ والایمان بہ والمواسات لہ والصبر معہ علی شدۃ اذی قومھم لھم و تکذیبھم ایاھم وکل الناس لھم مخالف زار علیھم فلو یستوحشوا القلۃ عددھم و شنف الناس لھم واجماع قومھم علیھم فھم اوّل من عبد اللہ فی الارض و آمن باللہ و بالرسول وھم اولیائہ وعشیرتہ واحق الناس ھذا الامر من بعدہ و لا ینازعھم فی ذالک الا ظالم و انتم یا معشر الانصار من لا ینکر فضلھم ف

پھر یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) اور وُہ لوگ اللہ کے سوا ایسے معبود پُوجتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمارا قرب بارگاہِ الٰہی میں بڑھائیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو اپنے دین آبائی کا چھوڑنا گراں گزرا، اس وقت اللہ نے رسول کی قوم میں سے مہاجرین اوّلین کو یہ خصوصیت بخشی کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی اور ایمان لائے، خدمت کے لیے کمربستہ ہوئے رسول اللہؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ سخت مصیبتیں جھیلیں اس حالت میں کہ تمام آدمی اُن کو جھٹلاتے تھے اور دشمن جانی ہو رہے تھے۔وہ اس سے باوجود اپنی قلت اور دشمنوں کی سختی کے گھبرائے نہیں۔لہذا یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے سب سے اوّل روئے زمین پر اللہ کی عبادت کی اور رسول پر ایمان لائے، اسی کے ساتھ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا اور کنبے والے ہیں اور خلافت کے سب سے زیادہ حقدار۔

الدین ولا سابقتهم العظیمة فی الاسلام رضیکم الله انصاراً لدینه ورسوله وجعل الیکم هجرته وفیکم جلة ازواجه واصحابه فلیس بعد المهاجرین الاولین عندنا بمنزلتکم فنحن الامراء وانتم الوزراء لا تفتاتون بمشورة ولا نقضی دونکم الامور۔

سوائے ظالم کے اِس معاملہ میں اُن سے کوئی شخص نزاع نہیں کرسکتا۔ اور اے معشر انصار تمہاری دینی فضیلت اور اسلامی شرف سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا تم کو اللہ نے اپنے دین اور رسول کی مدد کے واسطے انتخاب کیا۔ اپنے رسول کو تمہاری پناہ میں ہجرت کے بعد بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر ازواج و اصحاب تم میں سے ہیں۔ لہٰذا مہاجرین اولین کے بعد تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔ پس ہم امرا ہوں تم وزراء۔ تم اپنے مشورہ پر ہٹ مت کرنا۔ ہم بغیر تمہارے مشورہ کے معاملات طے نہیں کریں گے

ایک روایت کے بموجب آخر میں یہ کہا :

وَقَدْ رَضِیْتُ لَکُمْ اَحَدَ هٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ اَیَّهُمَا شِئْتُمْ۔

میں ان دونوں میں سے جس ایک کو تم چاہو انتخاب کرتا ہوں۔

یہ کہہ کر حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کیا اور دونوں کے مختصر فضائل بیان کیے، انصار اس کے بعد بھی جوش کے ساتھ اپنے حقوق بیان کرتے رہے۔ آخرکار حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا :

یا معشر الانصار انکم اوّل من نصر و آزر فلا تکونوا اوّل من بدّل و تغیّر۔

اے گروہِ انصار! تم نے مدد اور قوت پہنچانے میں سبقت کی تھی لہٰذا تغیر و تبدل کرنے میں سبقت نہیں کرنی چاہیے۔

یہ سن کر دو جلیل القدر انصاری یعنی حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت بشیرؓ بن سعد نے اپنے فریق کو سمجھایا۔ حضرت زید بن ثابت نے کہا :

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان من المهاجرین فان الامام یکون من المهاجرین و نحن انصاره کما کنّا انصار رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

یہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمرۂ مہاجرین میں تھے۔ پس ضرور ہے کہ امام بھی مہاجرین میں سے ہو، اور ہم اُس کے اسی طرح مددگار ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔

حضرت بشیر بن سعد نے کہا :

یا معشر الانصار انا واللہ لئن کنا اولی

اے گروہِ انصار! اگر ہم نے مشرکوں کے جہاد میں

فضيلة في جهاد المشركين وسابقة في هذا الدين ما اردنا به الا رضاء ربنا وطاعة نبينا والكدح لانفسنا فيما ينبغي لنا ان نستطيل على الناس بذالك ولا ينبغي به من الدنيا عرضاً فان الله ولي المنة علينا بذالك الا ان محمداً صلى الله عليه وسلم من قريش وقومه احق به و اولى وايم الله لا يراني الله انازعهم هذا الامر ابداً فاتقوا الله و لا تنازعوهم۔

سب سے زیادہ فضیلت حاصل کی اور دین میں عزت تو اُس سے مقصود صرف اللہ کی رضا اور اپنے نبی کی اطاعت اور خود اپنے لیے کسبِ عمل تھا۔ ہم کو روا نہیں کہ ہم اس کو دوسرے آدمیوں کے حقوق میں دست اندازی کا ذریعہ بنا دیں نہ اُس کے عوض ہم کو جاہ دنیا طلب کرنا چاہیے۔ خدا ہم کو اس کی جزا دے گا خوب سمجھ لو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریشی تھے، ان کی قوم ان کی جانشینی کی سب سے زیادہ مستحق و اہل ہے میں بالقسم کہتا ہوں کہ خدا مجھ کو کبھی نہ دیکھے گا کہ میں اُن سے اس بارہ میں نزاع کروں۔ پس تم خدا سے ڈرو اور ان سے جھگڑا نہ کرو۔

حضرت بشیر کی گفتگو ختم ہونے پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ عمرؓ اور ابوعبیدہؓ موجود ہیں۔ ان میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو۔ دونوں نے کہا:

لا والله نتولى هذا الامر عليك فانك افضل المهاجرين وثاني اثنين اذهما في الغار وخليفة رسول الله على الصلوٰة والصلوٰة افضل دين المسلمين فمن ذا ينبغي له ان يتقدمك او يتولى هذا الامر عليك ابسط يدك نبايعك۔

نہیں، قسم رب کی اس معاملہ میں ہم تم پر سبقت نہیں کر سکتے، تم افضل مہاجرین ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ غار اور خلیفۂ نماز ہو۔ اور نماز مسلمانوں کے دین میں سب سے بڑھ کر ہے۔ پس یہ کس کو زیبا ہے کہ وہ تم پر مقدم ہو، یا تمہارے ہوتے ہوئے خلافت کا متولی بنے۔ ہاتھ بڑھاؤ۔ ہم تم سے بیعت کرتے ہیں۔

جس وقت ان دونوں صاحبوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کا ارادہ کیا حضرت بشیر بن سعد انصاری نے سبقت کر کے سب سے اول بیعت کی۔ ان کے بعد حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ نے۔ پھر تو یہ عالم ہوا کہ تمام مجمع بیعت پر ٹوٹ پڑا اور خوف ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ (جو بوجہ مرض مجمع کے اندر لیٹے ہوئے تھے) کچل نہ جائیں۔ جب بیعت کی خبر جلسہ کے باہر پہنچی تو ہر طرف سے آدمی جوق در جوق آنے لگے۔ یہاں تک کہ گلیاں ان کے ہجوم سے بھر گئیں۔ یہ بیعتِ خاصہ تھی۔

بیعتِ عامّہ اگلے روز سہ شنبہ کو بیعتِ عامّہ ہوئی۔ مسجد نبویؐ میں مسلمان جمع ہوئے۔ اول حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا:

كنت ارجوان يعيش رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يدبرنا فان يك محمداً صلى الله عليه وسلم قدمات فان الله قدجعل بين اظهركم نوراً تهتدون به هدى الله محمداً صلى الله عليه وسلم وان ابابكر صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم وثانی اثنين وانه اولے المسلمین باموركم فقوموا وبايعوه ۔

میری یہ توقع تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے بعد تک زندہ رہیں گے۔ لیکن اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو تمہارے پاس وہ نور موجود ہے (قرآن) جو تم کو راستہ دکھائے گا جس پر اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چلایا تھا اور ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی رفیقِ غار ہیں اور وہ سب مسلمانوں سے زیادہ تمہارے معاملات کے انصرام کے اہل ہیں اب بڑھو اور ان سے بیعت کرو۔

حضرت عمر نے کلام بالاختم کر کے حضرت ابوبکر سے اصرار کیا کہ منبر پر بیٹھئے، مگر وہ انکار کرتے رہے۔ آخر حضرت فاروق کا اصرار غالب آیا اور حضرت ابوبکر منبر پر بیٹھے۔ لیکن اس مقام سے ایک درجہ نیچے جہاں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے تھے، جلوسِ منبر کے بعد عام طور پر مسلمانوں نے بیعت کی (فبایعہ الناس عامۃ) بعد بیعت حضرت ابوبکر نے کھڑے ہو کر خطبۂ خلافت دیا۔ اول حمد و ثنائے الٰہی بیان کی، پھر کہا ؛

امّا بعد ايها الناس فوالله ما كنت حريصاً على الامارة يوماً ولا ليلة قط ولا كنت راغبا فيها ولا سالتها الله عزوجل فے سر وعلانيه ولكنى اشفقت من الفتنة ومالى فى الامارة من راحة ولكن كلفت اجراً عظيماً مالى به طاقة ولا يدان الا بتقوية الله عزوجل ولوددت ان اقوى الناس عليها مكانى اليوم انى قد وليت عليكم ولست بخيركم فان احسنت فاعينونى وان اساءت فقوموني الصدق امانة والكذب خيانة والضعيف فيكم قوى عندى حتى ازيح عليه حقه ان شاء الله و القوى منكم ضعيف حتى اخذ الحق

بعد حمد الٰہی اے آدمیو! واللہ مجھ کو ہرگز امیر بننے کی حرص نہ کبھی دن میں تھی نہ رات میں اور نہ میرا میلان اس کی جانب تھا اور نہ میں نے اللہ سے ظاہر یا پوشیدہ اس کے لیے دعا کی البتہ مجھ کو یہ خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ مجھ کو حکومت میں کچھ راحت نہیں ہے بلکہ مجھ کو ایک ایسے امرِ عظیم کی تکلیف دی گئی ہے جس کی برداشت کی مجھ میں طاقت نہیں اور نہ وہ بدون اللہ عزوجل کی مدد کے قابو میں آسکتا ہے۔ میری ضرور یہ آرزو تھی کہ آج میری جگہ سب سے زیادہ قوی آدمی ہوتا یہ تحقیق ہے کہ میں تمہارا امیر بنایا گیا اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں راہِ راست پر چلوں تو مجھ کو مدد دو، اگر بے راہ چلوں تو مجھ کو سیدھا کر دو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ جو تم میں کمزور ہے وہ میرے لیے قوی ہے ان شاء اللہ اُس کا حق دلوا دوں گا۔

منه ان شاء الله لا يدع قوم الجهاد فی سبیل اللہ الا ضربھم اللہ بالذل و لا یشیع الفاحشة فی قوم قط الا عمھم اللہ بالبلاء اطیعونی ما اطعت اللہ و رسولہ فلا طاعة لی علیکم قوموا الی صلوتکم یرحمکم اللہ تعالیٰ۔

اور تم میں جو قوی ہے وہ میری نظر میں کمزور ہے ، اُس سے ان شاء اللہ حق لے کر چھوڑوں گا ۔ جو قوم راہِ حق میں جہاد چھوڑ دیتی ہے وہ ذلیل کر دی جاتی ہے اور جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہو جاتا ہے اس پر عام طور پر عذابِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور جب میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تم کو میری اطاعت نہیں کرنی چاہیے اب نماز کے واسطے کھڑے ہو جاؤ خدا تم پر رحم کرے ۔

بعد بیعت خلیفۂ رسول اللہ لقب ہوا ۔ ایک موقع پر کسی نے خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا تو کہا میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور اسی سے میں خوش ہوں ۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفاء میں معنیٔ خلافت پر ایک لطیف بحث لکھی ہے اگرچہ اُس کی اصلی شان تو خود شاہ صاحبؒ کے الفاظ میں ہے ۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا خلاصہ عام فہم پیرایہ میں یہاں بھی لکھ دیا جائے ۔

یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام تھی اور آپ تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے واسطے مبعوث ہوئے تھے ، بعد بعثت آپ نے جن امور کا اہتمام کوشش بلیغ کے ساتھ فرمایا اگر ان سب کا استقراء کر کے جزئیات سے کلیات بنائیں اور کلیات سے کلی واحد جو جنسِ اعلیٰ ہو تو ثابت ہو گا کہ تمام کوششوں کا مرجع اقامتِ دین تھی ۔ یہ جنسِ اعلیٰ ہے اس کے تحت میں حسبِ ذیل کلیات آتی ہیں :

۱۔ علومِ دین کا احیاء (قایم رکھنا اور رائج رکھنا) ۔ علومِ دین سے مراد ہے قرآن وسنت کی تعلیم اور وعظ و نصیحت ۔

۲۔ ارکانِ اسلام نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، حج وغیرہ کا قیام و استحکام ۔

۳۔ لشکرِ اسلام کی آراستگی و درستی ، امراءِ لشکر کا تقرر ، غزوات کا اہتمام ۔

۴۔ مقدمات کا انفصال ، قاضیوں کا تقرر ۔

۵۔ امر بالمعروف (عمدہ افعال و اوصاف کا حکم دینا اور اُن کو رائج کرنا) و نہی عن المنکر (بُری باتوں کو روکنا اور ان کا انسداد کرنا)

۶۔ جو حکام نائب مقرر ہوں اُن کی نگرانی کہ پابندِ حکم رہیں اور خلاف ورزی احکام نہ کریں ۔

ان جملہ امور کا اہتمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس فرمایا اور ان کے انصرام کے واسطے نائب بھی مقرر کیے ، وعظ و نصیحت فرمائی ۔ صحابہ کو ممالک میں وعظ و نصیحت کے واسطے بھیجا ۔ جمعہ و عیدین و پنجوقتہ نماز کی امامت خود فرمائی ۔ دوسرے

مقامات کے واسطے امام مقرر کیے۔ وصولِ زکوٰۃ کے واسطے عامل مامور کیے۔ وصول شدہ اموال کو مصارف مقررہ میں صرف کیا۔ رؤیت ہلال کی شہادت آپ کے حضور میں پیش ہوتی اور بعد ثبوت روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم صادر ہوتا۔ حج کا اہتمام بعض اوقات خود فرمایا۔ بعض اوقات نائب مقرر کیے۔ جس طرح ۹ھ میں حضرت ابوبکر کو امیرِ حج مقرر کرکے بھیجا۔ غزوات کی سپہ سالاری خود کی، نیز امرأ نائب سے یہ کام لیا گیا۔ مقدمات و معاملات فیصل کیے۔ قاضیوں کا تقرر عمل میں آیا۔ علیٰ ہٰذ القیاس باقی امور۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دین کے قیام و حفاظت کے واسطے ضروری تھا، نائب مطلق یا خلیفہ کا تقرر تاکہ وہ اقامتِ دین کی مذکورۂ بالا خدمات کو انجام دے۔

جیشِ اسامہؓ

مرضِ وفات میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا جس کے سردار اسامہؓ بن زید مقرر فرمائے گئے تھے۔ مدینہ اور نواحِ مدینہ کے سات سو جوان اس مہم کے لیے نامزد ہوئے تھے۔ یہ مہم رومیوں کے مقابلہ پر اس لشکرِ اسلام کے انتقام لینے کے واسطے مامور ہوئی تھی جس کو رومیوں نے ۸ھ میں بمقام موتہ تباہ کیا تھا۔ مگر آپ کی علالت کی شدت اور وفات کے سبب روانگی نہ ہوسکی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بیعت کے دوسرے روز حکم دیا کہ جیشِ اسامہ تیار ہوکر روانہ ہو۔ منادی نے ندا دی:

لیتم بعث اسامۃ الا لا یبقین بالمدینۃ احد الا خرج الی عسکرہ بالجرف۔	اسامہ کے لشکر کو تیار ہوجانا چاہیے۔ تاکید کی جاتی ہے کہ جو لوگ اس مہم میں نامزد ہیں ان میں سے ایک آدمی بھی مدینہ میں نہ رہے اور سب کے سب بمقام جُرف[1] جمع ہو جائیں۔

یہ پہلا حکم تھا جو حضرت ابوبکرؓ نے بحیثیت خلافت جاری کیا۔ اسی عرصہ میں کہ لشکر چھاؤنی میں جمع ہو اور اس کی روانگی عمل میں آئے عرب کے ارتداد اور یہود و نصاریٰ کی سرکشی کی خبریں متواتر مدینہ آنے لگیں۔ ان خبروں سے مسلمانوں کا تردد بڑھا۔ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ وقت مسلمانوں کے لیے نہایت سخت تھا۔ مصیبتِ عظمیٰ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کا سر سے اُٹھ جانا تھا۔ اسی کے ساتھ عرب میں ارتداد پھیل رہا تھا۔ یہود و نصاریٰ نے ان حالات کو دیکھ کر سرکشی شروع کر دی تھی اس پر طرہ مسلمانوں کی قلت، دشمنوں کی کثرت۔ صحابی جلیل القدر حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ اس وقت مسلمان بکریوں کے اس گلہ سے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سرد رات میں بحالتِ بارش میدان میں بے گلہ بان کے رہ جائے۔ ان حالات پر نظر کر کے صحابہ کرام نے امیر المومنین سے کہا کہ جو آدمی لشکر اسامہ میں جا رہے ہیں وہ مسلمانوں کے چیدہ و منتخب افراد ہیں۔ عرب کی حالت آپ کی نگاہ کے سامنے ہے۔ اس صورت میں مسلمانوں کی جمعیت کو متفرق کرنا مناسب نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا:

---

[1] جُرف مدینہ کے باہر ایک میدان تھا۔

والذی نفسی بیدہ لو ظننت السباع تخطفنی لا نفذت جیش اسامۃ کما امربہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولو لم یبق فی القری غیری لا نفذتہ۔	قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مجھ کو یہ بھی گمان ہوتا کہ درندے مجھ کو اٹھا لے جائیں گے تو بھی بہ تعمیل حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کا لشکر ضرور بھیجتا۔ اگر بستیوں میں سوائے میرے ایک متنفس بھی باقی نہ رہتا تو بھی روانگی کا حکم یقیناً دیتا۔

اس کے بعد بہ خیال مزید اہتمام مسلمانوں کے سامنے مجمع عام میں خطبہ دیا اور تیاری لشکر کی تاکید کی جب تمام لشکر جُرف کے پڑاؤ پر جمع ہوگیا تو حضرت اسامہؓ امیر عسکر نے حضرت عمرؓ کی زبانی حضرت ابوبکر سے کہلا بھیجا کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ میری روانگی کے بعد کفار خلیفۂ رسولؐ اللہ، حرم نبویؐ اور باقی مسلمانوں پر دوڑ پڑیں گے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں مع لشکر مدینہ چلا آؤں۔ اسی کے ساتھ انصار نے پیغام بھیجا کہ آپ لشکر روانہ ہی کریں تو بجائے اسامہؓ کے کسی سن رسیدہ آدمی کو سردار مقرر کیجئے۔ پہلا پیغام سن کر حضرت ابوبکرؓ نے تقریباً وہی جواب دیا جو اُوپر مذکور ہوا۔ جب حضرت عمرؓ نے انصار کا پیغام سنایا تو حضرت صدیقؓ غصہ سے بیتاب ہوکر کھڑے ہوگئے اور کہا :

تم کو موت ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ کو امیر لشکر بنایا تم مجھ کو ہدایت کرتے ہو کہ میں اس کو معزول کردوں۔

اس جواب کے بعد جُرف کے پڑاؤ پر خود گئے اور رخصت کر کے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ جب کوچ ہوا تو حضرت اُسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت ابوبکرؓ پیادہ پا ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ خلیفہ کا کوتل گھوڑا حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ہاتھ میں تھا حضرت اسامہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا :

یا آپ سوار ہولیں یا مجھ کو پیادہ چلنے کی اجازت دیں۔

جواب دیا کہ نہ میں سوار ہوں گا نہ تم کو پیادہ چلنے کی اجازت ملے گی۔ اگر میں ایک ساعت راہِ خدا میں اپنے قدم خاک آلود کروں تو میری کیا شان جاتی ہے۔ غازی راہِ خدا میں قدم رکھتا ہے اُس کے بدلے میں سات سَو درجے بلند کیے جاتے ہیں۔ سات سو گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ سات سو نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔

اس کے بعد لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا :

یا ایھا الناس قفوا اوصیکم بعشر فاحفظوھا عنی : لا تخونوا و لا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا و لا تقتلوا طفلا ولا شیخا و لا کبیرا و لا امراۃ	اے آدمیو! کھڑے ہو جاؤ میں تم کو دس حکم دیتا ہوں اُن کو میری جانب سے اچھی طرح یاد رکھنا : خیانت نہ کرنا، دھوکا نہ دینا، سردار کی نافرمانی مت کرنا، کسی شخص کے اعضا مت کاٹنا، کسی بچے، بوڑھے

---

[1] حضرت اسامہؓ کا سن اس وقت انیس برس کا تھا۔

ولا تعقروا نخلا و لا تحرقوه ولا تقطعوا
الشجرة الثمرة و لا تذبحوا شاة و لا
بقرة ولا بعيرا الا لما كلة و سوف
تمرون باقوام قد فرغوا انفسهم بالصوامع
فدعوهم وما فرغوا انفسهم و سوف
تقدمون على قوم ياتوكم بانية فيها
الوان الطعام فاذا اكلتم منها شيئا
بعد شيء فاذكروا اسم الله عليها و
تلقون اقواما قد فحصوا اوساط
رؤسهم و تركوا حولها مثل العصائب
فاخفقوهم بالسيف خفقا اندفعوا
باسم الله اكفاكم الله الطعن و
الطاعون۔

یا عورت کو قتل مت کیجو۔ کھجور یا اور کسی میوہ دار درخت
کو مت کاٹیو، نہ جلائیو۔ بکری، گائے یا اونٹ کو
سوائے غذا کی ضرورت کے نہ مارنا۔ تم کو ایسے لوگ
ملیں گے جو عبادت گاہوں میں گوشہ گیر ہو کر بیٹھے ہوں گے
ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ اور تم کو ایسے آدمی
ملیں گے جو تمہارے پاس قسم قسم کے کھانے برتنوں میں
رکھ کر لائیں گے۔ جب تم ان کھانوں کو یکے بعد دیگرے
کھاؤ تو خدا کا نام لیتے جانا (یعنی نعمتیں پاکر خدا کو
بھول نہ جانا) اور تم کو ایک ایسی قوم ملے گی جن کے
سر کے بال بیچ میں منڈے ہوں گے اور پٹے چھوٹے
ہوں گے۔ اُن کو تازیانہ کی سزا دی جائے، خدا کا نام
لے کر روانہ ہو۔ خدا تم کو (دشمن کے) حربہ اور طاعون
کے حملے سے محفوظ رکھے۔

یہ لشکر غرہ ربیع الآخر کو (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ٹھیک انیس روز بعد) مدینہ سے روانہ ہوا منزلِ مقصود پر پہنچا اور باختلافِ روایت چالیس دن یا اس سے کسی قدر زائد عرصہ میں ارشادِ نبوی کی تعمیل کر کے مع الخیر واپس آگیا۔

مورخین کا قول ہے کہ اس لشکر کی روانگی سے قبائل میں دھاک بندھ گئی اور انھوں نے خیال کیا کہ اگر مسلمانوں میں قوت نہ ہوتی تو اس لشکر کو مدینہ سے باہر نہ بھیج دیتے۔

ارتداد

فتح مکہ[1] کے بعد کثرت سے قبائل عرب نے اپنے وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ سیرت میں ۹ھ کا نام "سنۃ الوفود" ہے۔ اسی سلسلہ میں یمن کے زبردست قبیلے بنو حنیفہ کا وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ وفد مذکور میں مسیلمہ بھی تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ مسیلمہ جمالِ نبوی کے دیدار سے مشرف ہوا یا کہ نہیں۔ بہرحال یہ وفد مسلمان ہو کر یمن واپس گیا اور اس کی واپسی پر قبیلہ بنو حنیفہ اسلام لے آیا۔ سنہ ۱۰ھ کے آخر میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ کو اہلِ یمن کی ہدایت کے واسطے بھیجا۔ اس سے قبل چھ مہینے تک حضرت خالد بن ولید نے تبلیغِ اسلام کی مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ حضرت شیرِ خدا کی آمد کی خبر سُن کر کثرت سے یمنی سرحد پر

---

[1] مکہ ۸ھ کے آخری حصہ میں فتح ہوا۔

استقبال کو آئے۔ صبح کی نماز حضرت علی نے با جماعت ادا فرمائی۔ بعد نماز سب اہلِ یمن صف بستہ سامنے کھڑے ہو گئے۔ حضرت علی مرتضٰی نے اُن کو مخاطب کر کے اوّل حمد و ثناء الٰہی بیان فرمائی اس کے بعد فرمانِ رسالت سُنایا اور تلقینِ اسلام کی۔ اس تلقین کا یہ اثر ہوا کہ اُسی روز تمام قبیلۂ ہمدان مسلمان ہو گیا۔ بعد کامیابی حضرت علیؓ نے مراجعت فرمائی اور حجۃ الوداع کے موقع پر بمقام عرفات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ غرض ۹ھ اور ۱۰ھ میں ملک یمن محض تبلیغ کے اثر سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوا۔ ۹ھ میں زکوٰۃ فرض ہوئی اور آپ نے اس کے وصول کے واسطے عمال مختلف اطراف میں مقرر فرمائے۔ یمن میں باذان کو بدستور سابق تمام یمن کا عامل رکھا۔ حجۃ الوداع میں باذانؓ[1] کی وفات کی خبر پہنچی اور آپ نے اسی موقع پر جدید انتظام فرمایا۔ ملکِ یمن مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر حصہ پر جداگانہ عامل کا تقرر ہوا۔ حضرت معاذ بن جبل اس خدمت پر مامور ہوئے کہ تمام ملکِ یمن میں دورہ کر کے احکامِ اسلام کا اجرا کرتے رہیں۔ اسی عرصہ میں پہلا کاذب مدعی نبوت یمن میں بمقام صنعا پیدا ہوا جس کا نام اسود عنسی تھا اس کو بے حد فوری کامیابی ہوئی اور چند ہی دن میں اس نے ہر طرف آتشِ فساد مشتعل کر دی۔ قبیلہ بنی اسد میں طلیحہ نے دعویٰ نبوت کیا۔ تیسرا مدعی نبوت مُسیلمہ کذاب تھا۔ اسود عنسی کی کامیابی دیکھ کر اس کو بھی جرأت ہوئی اور دعویٰ نبوت کا منصوبہ قائم کر کے اُس نے اعلان کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو شریکِ رسالت کر لیا ہے۔ انتہا نے خیرہ سری یہ تھی کہ ۱۰ھ کے آخر میں اس نے ذیل کا خط آپ کی خدمت میں بھیجا:

من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ فانی قد اشترکت معک فی الامر وان لنا نصف الارض ولقریش نصفہا ولکن قریشاً قومٌ یعتدون۔

مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمدؐ رسول اللہ کے نام میں رسالت میں تمہارا شریک کیا گیا ہوں آدھی زمین ہماری ہے اور آدھی قریش کی مگر قریشی ایسی قوم ہے جو ظلم کرتی ہے۔

اس کے جواب میں یہ فرمانِ رسالت مدینہ سے جاری ہوا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب اما بعد فالسلام علی من اتبع الھدی فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہٖ والعاقبۃ للمتقین۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان بخشنے والا ہے۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام بعد حمد، پس سلام ہو اُن پر جو راہِ راست کے پیرو ہیں پھر یہ تحقیق ہے کہ ساری زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور عاقبت پرہیزگاروں کے حصہ میں ہے۔

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ عادت شریف اوّل ان مدعیانِ نبوت کو بذریعہ پند و نصیحت سمجھایا۔ متعدد مراسلات

---

[1] باذان پہلے کسریٰ کی طرف سے عاملِ یمن تھے۔

بھیجے۔ لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ مرتدوں نے مسلمانوں پر دست درازی و تعدی شروع کی اور جمعیت فراہم کر کے مقابلہ و مقاتلہ کا سلسلہ جاری کر دیا۔ جب نوبت اس حد تک پہنچی تو آپ نے ان کے دفعیہ کے واسطے عمال کے نام احکام جاری فرمائے اور یہ اہتمام مرضِ وفات کی شدت میں بھی برابر جاری رہا۔

اسود عنسی کا خاتمہ آپ کی حیاتِ مبارک میں ہو گیا اور آپ نے یہ خبر مسلمانوں کو سُنا دی۔ اس بیان سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جھوٹے مدعیانِ نبوت اور اُن کے پیروؤں کی کیا کیفیت تھی جس وقت آپ کی رحلت کی خبر شائع ہوئی ان قبائل میں اور ان کے اثر سے دوسرے جدید الاسلام قبیلوں میں اضطرابِ عظیم پیدا ہوا۔ اور تمام ملک یمن میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ مسلمان عامل ہٹا دئے گئے اور مرتدین نے دخل کر لیا۔ اسود عنسی اگرچہ مر چکا تھا لیکن اس کی فوج مختلف حصہ ہائے ملک میں منتشر تھی اب وُہ پھر جمع ہو کر ایک لشکرِ عظیم بن گئی۔ اسی کے ساتھ ساتھ نواحِ مدینہ میں ارتداد و سرکشی پیدا ہوئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدینے کے باہر صرف دو قبیلے ایسے تھے جو تمام و کمال اسلام پر قائم رہے یعنی قریش و ثقیف۔ باقی تمام قبائل میں کم و بیش ارتداد کا فساد پھیلا۔ بعضے کل کے کل مُرتد ہو گئے۔ بعض میں کچھ مسلمان رہے کچھ مرتد ہو گئے۔ ارتداد کا زور زیادہ تر دو طرف تھا، ایک یمن میں، دوسرے نواحِ مدینہ کے قبائل میں۔ اور یہ سب کے سب جدید الاسلام تھے۔ مگر کرطلب طبائع نے اپنے عروج و سرداری کا حیلہ دعوٰی نبوت و ارتداد قرار دے لیا تھا۔ واقعاتِ ذیل سے اس بیان کی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

قبیلۂ بنی عامر میں سردار عامر بن الطفیل تھا وہ علانیہ کہتا تھا کہ میں تمام عرب کی امارت کا متمنی ہوں ایک قریشی کا اتباع کس طرح کر سکتا ہوں۔ قبیلۂ غطفان قبیلۂ بنی اسد کا حلیف تھا۔ غطفانی کہتے تھے کہ ہم اپنے حلیف اسدیوں کے نبی (طلیحہ) کو چھوڑ کر رسول قریشی کی پیروی کیوں کریں، قریش کے نبی نے وفات پائی۔ اسد کا نبی زندہ ہے۔ قبیلہ عبدالقیس میں مرتدوں کا نشان بردار غرور نعمان بن منذر کا پوتا تھا۔ یہ نعمان بن منذر اُس خاندان حِیرَہ کی اخیر یادگار تھا، جس نے صدیوں تک یمن میں حکومت کی تھی۔ دعوائے نبوت کی انتہائی اُرزانی یہ تھی کہ سجاح نامی ایک عورت بھی مدعیِ نبوت بن بیٹھی۔ اس نے یمن میں نبی ہونے کا اعلان کیا۔ قبیلۂ بنی تغلب (جو نصرانی تھا) اپنا مذہب چھوڑ کر اُس کی اُمت میں شامل ہوا۔ مدعیانِ نبوت کے احکام بھی عجیب تھے۔ طلیحہ کی نکتہ سنجی ملاحظہ ہو۔ نماز کے ارکان میں سے سجدہ موقوف کر دیا۔ مسیلمہ کے حکم سے شراب اور زنا مباح و حلال قرار پایا۔ جب اس نے سجاح مدعیہ نبوت سے نکاح کیا تو اس کے مہر میں دو وقت کی نماز معاف کر دی۔ ایک صبح کی، دوسری عشا کی۔ وجہ یہ ظاہر کی کہ ان سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

فتنۂ ارتداد کے سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ باوجود اس قدر فتنہ و فساد اور ہنگامے کے ایک شخص بھی ایسا مرتد نہیں ہوا جو قدیم الاسلام اور مذہب میں راسخ ہو چکا تھا عموماً جدید الاسلام قبیلے مرتد ہوئے۔ ان میں بھی اکثر عوام فتنہ جُو تھے۔ چنانچہ طلیحہ کے نشان کے نیچے زیادہ تر قبیلہ طے اور اسد کے عوام الناس کا ہجوم تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فراستِ ایمانی سے آغاز ہی میں اس ہنگامے کی قوت کا پورا اندازہ فرما لیا تھا۔ چنانچہ یمن سے جب ابتداءً قاصد آئے تو خط دیکھ کر اُن سے فرمایا:

ابھی صبر کرو اس کے بعد جو خط آئیں گے ان میں اس سے بھی زیادہ سخت خبریں ہوں گی ۔ اور ہُوا بھی یہی ۔ اس کے بعد ہی ہر طرف سے امرائے مسلمین کے مراسلے آنے لگے جن میں قبائل کے ارتداد اور اُن مظالم کی اطلاع درج تھی جو مرتدوں کے ہاتھ سے مسلمانوں پر ہوتے تھے ۔ نواحِ مدینہ کے قبائل نے مرتد ہوکر بالاتفاق مدینہ کا رُخ کیا ۔ بنی اسد سمیرا[1] میں ۔ فزارہ اور غطفان کا ایک حصہ جنوب مدینہ میں ثعلبہ و مرّہ و عبس کا ایک حصہ ابرق[2] میں دوسرا ذوالقصّہ[3] میں خیمہ زن ہوا ۔ اُسی زمانہ میں حضرت عمرو بن العاص اس راستہ سے مدینہ پہنچے اور بیان کیا کہ دبّا[4] سے لے کر مدینہ تک برابر مرتد فوجیں پڑی ہوئی ہیں ۔ ان قبائل نے اس طرح مدینہ کو گھیر کر اپنے قاصد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیجے ۔ یہ آگ کس طرح جلد بھڑکی تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ بیعتِ خلافت کے دسویں روز ایلچی مدینہ پہنچ گئے تھے ۔ مدینہ پہنچ کر قاصد مختلف عمائد کے یہاں مقیم ہُوئے ۔ عم رسولؐ حضرت عباسؓ کی یہ خصوصیت تھی کہ انہوں نے کسی قاصد کو اپنے مکان پر نہیں ٹھہرنے دیا ۔ ایلچیوں نے اول ان مسلمانوں سے گفتگو کی جن کے یہاں ٹھہرے تھے ۔ اس کے بعد متفق ہوکر حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور بالاتفاق یہ پیام پہنچایا کہ ہم سے نماز پڑھوالو مگر زکوٰۃ معاف کر دو ۔ اُن کا پیام سُن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا ۔ سب نے یہ صلاح دی کہ نرمی مناسب وقت ہے ۔ حضرت عمرؓ بھی اس رائے میں شریک تھے ۔ اُن کے یہ الفاظ ہیں :

یا خلیفۃ رسول اللہ تالف الناس و ارفق بھم ۔	اے خلیفۂ رسول اللہ! ان لوگوں کے ساتھ تالیفِ قلوب اور نرمی کا برتاؤ کیجئے ۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ مشورہ سُن کر حضرت عمرؓ کو مخاطب کرکے فرمایا :

اجبار فی الجاھلیۃ و خوار فی الاسلام انہ قد انقطع الوحی و تم الدین اینقص و انا حیٌّ ۔ واللہ لاجاھدھم ولو منعونی عقالا ۔	یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو بڑے سرکش تھے ۔ مسلمان ہوکر ذلیل و خوار بن گئے ۔ وحی کا سلسلہ قطع ہوگیا ۔ دین کمال کو پہنچ چکا ۔ کیا میری زندگی میں اُس کی قطع و برید کی جائے گی ۔ واللہ اگر (فرض زکوٰۃ میں سے) ایک رسی کا ٹکڑا دینے سے بھی لوگ انکار کریں گے تو میں جہاد کا حکم دوں گا ۔

فاروقِ اعظمؓ کا مقولہ ہے کہ اس کلام کو سُن کر مجھ پر منکشف ہوگیا کہ اللہ نے ابوبکرؓ کا سینہ جہاد کے واسطے کشادہ کر دیا ہے ۔

صحابہ کرامؓ کے مشورہ کے بعد حضرت صدیقؓ نے جواب مذکور الصدر سُنا کر ایلچیوں کو ناکام واپس کر دیا ۔ اسی عرصہ میں جیشِ اُسامہؓ مدینہ سے روانہ ہو چکا تھا ۔ قاصد واپس گئے تو انہوں نے مسلمانوں کی بے سروسامانی اور قلت بیان کی ۔ ادھر قاصدوں کو

---

[1] سمیرا مکہ کے راستہ میں ایک منزل
[2] ابرق بنی ذبیان کا وطن
[3] ذوالقصہ مدینہ سے ایک منزل بجانب نجد
[4] دبّا ایک قدیم مشہور شہر یمن کے قریب ۔

رخصت کر کے حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کی حفاظت کا اہتمام کیا۔ شہر کے ناکوں پر حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود کو مقرر کیا۔ عام اہلِ مدینہ کو جمع کر کے حکم سنایا کہ عرب میں ارتداد پھیلا ہوا ہے۔ قاصد تمہاری حالت اپنی آنکھوں سے دیکھ گئے ہیں دشمن کے بعض حصے تم سے صرف ایک منزل کے فاصلے پر ہیں۔ معلوم نہیں تم پر کس وقت حملہ کر دیں اُن کو امید تھی کہ ہم اُن کی درخواست منظور کریں گے مگر وہ رد کر دی گئی لہٰذا تم کو بروقت مسلح مسجد نبویؐ میں حاضر رہنا چاہیے۔ اس حکم کے مطابق تمام اہلِ مدینہ مستعد رہتے تھے۔ قاصدوں کی واپسی کے تیسرے دن دشمنوں نے مدینہ پر حملہ کیا۔ ایک حصہ فوج ان کی مدد کے واسطے ذی حسی[1] میں تیار رہا۔ جب دشمن کی جمعیت ناکوں پر پہنچی تو محافظ ہوشیار رہتے۔ انہوں نے حملہ روک کر امیر المومنین کے پاس اطلاع بھیجی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہلا بھیجا کہ تم اپنی اپنی جگہ پر قائم رہو، میں فوراً موقع پر آتا ہوں۔ چنانچہ اہلِ مدینہ کی جمعیت لے کر موقع پر پہنچے اور دشمنوں پر حملہ کیا۔ مسلمانوں کے حملے سے کفار کے قدم اکھڑ گئے اور بھاگنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے ذی حسی تک تعاقب کیا۔ وہاں کی فوج نے پہلے سے بہت سی مشکوں میں ہوا بھر رکھی تھی۔ جیسے ہی مسلمان شتر سوار پہنچے وہ مشکیں سامنے لڑھکا دیں۔ اونٹ قدرتاً اس سے بہت ڈرتا ہے۔ مسلمانوں کے اونٹ ڈر کر پیچھے کو بھاگے اور مدینہ پہنچ کر دم لیا۔ مرتدوں نے خیال کیا کہ مسلمان بھاگ گئے۔ اس سے ان کی جرأت بڑھی۔ ذی حسی کی پشت پر جو فوج بمقام ذوالقصہ تھی اس کو بھی آگے بلا لیا اور دشمن کی کل جمعیت ذی حسی میں مدینہ کے قریب جمع ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُسی روز دُوسرے حملے کا انتظام کیا اور شبا شب کوچ کر کے صبح ہوتے ہوتے مرتدوں کے لشکر پر چھاپہ جا مارا۔ طلوعِ آفتاب کے وقت دشمن کو ہزیمت ہُوئی۔ سردار لشکر حبال (جو طلیحہ مدعی نبوت کا قوتِ بازو تھا) مارا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ذوالقصہ تک تعاقب کیا وہاں حضرت نعمان بن مقرن کو مع ایک حصہ فوج کے متعین کیا اور خود مدینہ کو واپس چلے آئے۔

اِس شکست سے کفار کا جوش زیادہ بڑھا اور تمام قبائل نے اپنے اپنے یہاں کے مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر قتل کرنا شروع کیا۔ اعضا کاٹتے تھے، آگ میں زندہ جلاتے تھے۔ اوّل قبیلہ ذبیان وعبس نے یہ سفاکی شروع کی پھر اُن کے قرب وجوار کے تمام قبیلوں میں پھیل گئی۔ جب ان مظالم کی اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو ہُوئی تو انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ مسلمانوں کے مصائب کا بدلہ لیا جائے گا۔ ذوالقصہ کی فتح کا مسلمانوں پر یہ اثر ہُوا کہ تمام قبائل میں جس قدر مسلمان تھے وہ اسلام پر زیادہ شدّت سے قائم ہو گئے اور اُن میں تازہ جوش وعزم پیدا ہوا۔ بعض قبائل نے زکٰوۃ کا روپیہ بھیج دیا۔ غرض مختلف تدابیر سے حضرت صدیق اکبرؓ مدینہ کی حفاظت فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت اُسامہؓ کا لشکر مدینہ واپس آ گیا۔ اُن کو حفاظتِ مدینہ پر مامور کر کے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اب تم آرام لو ہم دشمن کے مقابلہ پر جاتے ہیں۔ بقیہ فوج فراہم ہوئی اور اس کے امیر خود خلیفۂ رسول اللہ بنے۔ مسلمانوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ آپ خود مہم پر نہ جائیں اگر آپ کو صدمہ پہنچ گیا تو اسلام کا سارا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اور کسی کو سردار مقرر کر کے بھیجئے وہ کام آئے تو دوسرا مقرر ہو۔ مگر یہ صلاح پذیرانہ ہوئی۔ اور حضرت ابوبکرؓ لشکر کو ہمراہ لے کر ذوالقصہ ہوتے ہوئے پرگنہ ربذہ[2] کے ابرق نامی مقام

---

[1] ذی حسی ایک مقام ہے۔

[2] ربذہ ایک گاؤں مدینہ سے ۳ میل۔

پر پہنچے، وہاں دشمن سے مقابلہ ہُوا۔ اہلِ ایمان فتحیاب ہُوئے۔ فرمانِ خلافت کے مطابق ابرق مجاہدین کے گھوڑوں کی چراگاہ بنا دیا گیا۔ لشکرِ اسامہؓ آرام لے چکا تھا۔ زکوٰۃ کا روپیہ زیادہ مقداروں میں وصول ہونے لگا تھا۔ اس لیے حضرت ابو بکرؓ نے تہیہ فرمایا کہ مرتدوں کا استیصال پوری طرح کر دیا جائے۔ بعد فتح نواحِ ابرق میں قیام کرکے تمام مرتد قبائل کے مقابلہ کا انتظام فرمایا۔ گیارہ فوجیں مامور کی گئیں کہ مختلف حصصِ ملک میں جاکر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کریں۔ اُس زمانہ میں ملازمت کا سلسلہ نہ تھا۔ مسلمانوں کے تمام کام محض رضاء الٰہی کے واسطے ہوتے تھے۔ فوج کا انتظام بھی رضاکارنہ تھا۔ اجتماعِ لشکر کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص امیرِ لشکر مقرر ہوکر مہم پر مامور ہوتا تھا اور اُس کی ہمراہی کے واسطے قبائل نامزد ہوکر احکام جاری کیے جاتے تھے۔ زمانۂ رسالت میں آپ اپنے دستِ مبارک سے اور دورِ خلافت میں خلفاءُ اپنے ہاتھ سے نشان بناکر سردار کو دیتے۔ اُس نشان کو لے کر امیر پڑاؤ پر خیمہ زن ہوتا اور میعادِ معیّن کے اندر سپاہ نشان کے نیچے آکر فراہم ہو جاتی۔ یا یہ ہوتا کہ امیر نشان لے کر نامزد شدہ قبائل کے قریب سے روانہ ہوتا اور ہر قبیلہ کے فوجی جوان اُس کے ساتھ ہوتے جاتے۔ ہتھیار، سواری وغیرہ کی مدد خزانہ سے کی جاتی۔ نیز سپاہی اپنے ہتھیار خود ہمراہ لاتے۔ اُس زمانہ میں عرب کا بچہ بچہ ہتھیار سے آراستہ تھا۔ اسی طرح بمقام ذوالقصہ حضرت ابو بکرؓ نے گیارہ نشان تیار کرکے امراءِ لشکر کو دئے۔ اور ان کی مدد کے واسطے قبائل مقرر فرمائے۔ ہر سردار کو اس کی مہم اور طرزِ عمل کی بابت پُوری ہدایتیں دی گئی تھیں، یعنی وہ کس دشمن کا مقابلہ کرے، اُس سے فارغ ہوکر کس طرف بڑھے، کون سا لشکر کس کی مدد کرے۔ علیٰ ہٰذا القیاس حضرت خالد طلیحہ کے مقابلہ پر مامور ہُوئے۔ حضرت عکرمہ مسیلمہ کے مقابل، اسود عنسی کی مہم پر مہاجرین آلِ زبیر وغیرہ وغیرہ۔ خاص ہدایات کے علاوہ بعض عام احکام تھے جو کل امراء کے واسطے دستور العمل تھے۔ ہر فوج کے ساتھ ایک فرمانِ خلافت تھا جس میں مخالفین سے خطاب کیا گیا تھا اور ان کو مخالفت سے باز آنے اور مسائلِ اسلام کی جانب رجوع کرنے کی ہدایت و ترغیب تھی۔ اُس میں یہ بھی درج تھا کہ فلاں سردار مہاجرین و انصار و تابعین کا لشکر لے کر تمہارے مقابلہ پر آتا ہے اُس کو یہ حکم ہے کہ اوّل کسی سے وہ قتال و جنگ نہ کرے بلکہ دعوتِ اسلام دے جو قبول کرے اُس کو امن بخشی جائے جو عناد پر قایم رہیں ان سے لڑے، اور پُوری شدّت کے ساتھ لڑے۔ اس فرمان کی بابت حکم تھا کہ لشکر کے آگے آگے قاصد لے کر جائیں اور لشکر پہنچنے سے پہلے مجمعِ عام میں پڑھ کر سنائیں۔ ذریعۂ اجتماع اذان ہو۔ جو لوگ اذان سُن کر فراہم ہو جائیں ان کو احکامِ خلافت سنائے جائیں۔ جو جمع نہ ہوں ان سے مقابلہ کیا جائے۔ علاوہ فرمانِ بالا کے ایک اور مراسلہ ہر لشکر کے ساتھ تھا جس میں سردارِ لشکر کے واسطے احکام تھے۔ تمام مہمات کا بیان باعثِ طول ہوگا۔ اس لیے صرف دو مہموں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک میں نمونہ آشتی ہے، دوسرے میں نمونۂ رزم۔

مہم قبیلۂ طےؔ[1] (نمونہ آشتی)

حضرت خالد بن ولید کا تقرر طلیحہ مدّعیِ نبوّت کے مقابلہ پر ہوا تھا۔ مدعی مذکور کے ساتھ عوام قبیلہ طے کا بڑا مجمع تھا۔ اس لیے حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عدی

---

[1] مشہور حاتم طائی کا قبیلہ

بن حاتم کو اوّل روانہ کیا کہ اپنے قبیلہ کو فہمائش کر کے تباہی سے بچائیں۔ آگے آگے حضرت عدی اور ان کے پیچھے لشکرِ اسلام روانہ ہوا حضرت عدی نے منزلِ مقصود پر پہنچ کر اپنے قبیلہ کو جمع کیا اور فہمائش کی۔ لیکن بے سُود۔ دوبارہ پھر سمجھایا۔ اس مرتبہ نصیحت کارگر ہوئی۔ وعدۂ اطاعت کے ساتھ انہوں نے یہ درخواست کی کہ ہم کو اتنی مہلت دی جائے کہ اپنے اہل و عیال کو طلیحہ کے لشکر سے نکال لائیں ورنہ ہماری اطاعت کی اُن پر مصیبت پڑے گی۔ ہماری واپسی تک خالد کا لشکر روک دیا جائے۔ حضرت عدی نے یہ پیام حضرت خالد کو پہنچایا۔ تین روز کی مہلت منظور ہوئی۔ اس عرصہ میں قبیلۂ طے کے آدمی اپنے اہل و عیال کو لشکرِ طلیحہ سے ترکیب کے ساتھ لے آئے اور تجدیدِ اسلام کے بعد حضرت خالد کے پاس حاضر ہو گئے۔ اس طرح یہ مہم حُسن و خوبی کے ساتھ بغیر خُونریزی کے طے ہو گئی۔ مہم طے کے ختم ہونے کے بعد حضرت خالد نے قبیلہ جدیلہ کی طرف رُخ کیا۔ حضرت عدی نے کہا کہ قبیلہ طے مثل ایک پرندہ کے ہے جس کا ایک بازو جدیلہ ہے۔ مجھ کو اجازت دو کہ اُن کو جا کر فہمائش کروں۔ اجازت ملی اور حضرت عدی نے کوششِ بلیغ کے ساتھ سمجھایا۔ نتیجہ حسبِ مراد نکلا۔ جب حضرت خالد اس مہم سے فارغ ہو کر آگے بڑھے تو قبیلۂ طے کے ایک ہزار سوار ان کے ہمرکاب نصرتِ اسلام کے لیے کمربستہ تھے۔

مورخین نے عدی کی مساعی کی تحسین ان الفاظ میں کی ہے:

وکان خیر مولود ولد فی ارض طے واعظم برکۃ علیھم۔	وہ قبیلہ طے کے بہترین فرزند تھے جن کی وجہ سے برکتِ عظیم نازل ہوئی۔

طُلَیحہ نے حضرت خالد کے مقابلہ پر شکست کھائی اور شام کو بھاگ گیا۔ وہاں پہنچ کر دوبارہ اسلام لایا۔ ایک مرتبہ خلافتِ صدیقی کے زمانہ میں طلیحہ اداۓ عمرہ کو مکہ جاتا تھا۔ جب مدینہ کے کنارے پر پہنچا تو کسی نے جھپٹ کر حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع کی کہ طلیحہ جا رہا ہے۔ سُن کر فرمایا اب وہ داخلِ اسلام ہو چکا۔ اُس سے کچھ تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ جانے دو۔ خلافتِ فاروقی میں طلیحہ نے مدینہ آکر بیعت کی۔

مُسَیلمہ کذّاب (معرکۂ رزم)

اگرچہ مرتدین کے تمام معرکے نہایت سخت اور حوصلہ فرسا تھے مگر مسیلمہ کذاب کا معرکہ شدت و قوت میں سب سے بڑھ کر تھا۔ مسیلمہ کا قبیلہ بنو حنیفہ تھا اور وطن یمامہ واقع ملکِ نجد۔ اُس کا یہ دعویٰ تھا کہ مجھ کو رسول اللہ نے شریکِ رسالت کر لیا ہے۔ اس دعوے کی تائید کے لیے نہار نامی ایک شخص اُس کے ہاتھ آگیا۔ نہار نے مدینہ میں شرفِ حضوری سے مشرف ہو کر قرآن و مسائلِ دین کی تعلیم حاصل کی تھی۔ جب مسائل ضروری حاصل کر چکا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور فرمایا کہ یمن جا کر تائیدِ اسلام اور مُسَیلمہ کی تردید کی خدمت انجام دے۔ بدبخت یمن پہنچ کر مسیلمہ سے مل گیا اور بالاعلان شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنا ہے کہ مُسَیلمہ شریکِ نبوت ہے۔ اس سے ہزاروں آدمی گمراہ ہو گئے۔ اذان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کیا جاتا تھا۔ جب مسیلمہ تکبیر کے وقت شریکِ نماز ہوتا تو مؤذن سے کہتا "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ خوب زور سے کہو۔" مسجع مہمل عبارتیں لوگوں کو سناتا اور کہتا: یہ وحی ہے۔ شراب و زنا کی حلّت کا اعلان کر دیا تھا۔ ایسے اسباب سے مُسَیلمہ کا

زور روز بروز ترقی کرتا رہا۔ جب مدعیۂ نبوت سجاح سے مسیلمہ نے نکاح کر لیا تو اس کے لشکر سے مسیلمہ کو مزید شوکت حاصل ہوئی۔ بارگاہِ خلافت سے دو لشکر مسیلمہ کے مقابلہ پر نامزد ہوئے تھے، ایک حضرت عکرمہ کی زیر امارت، دوسرا حضرت شرحبیل بن حسنہ کی ماتحتی میں۔ ان دونوں لشکروں نے یکے بعد دیگرے شکستیں کھائیں۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو ان ہزیمتوں کی اطلاع پہنچی تو دونوں شکست خوردہ امیروں کو دوسری مہموں پر مقرر کیا اور مسیلمہ کے مقابلہ کا حضرت خالدؓ کو (جو مہم طلیحہ سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو چکے تھے) حکم دیا۔ اُن کی کمک کے واسطے تازہ دم جمعیت روانہ کی۔ اس جمعیت میں انصار کے سردار حضرت ثابت بن قیس اور مہاجرین کے امیر حضرت زید بن خطاب (فاروق اعظمؓ کے بھائی) بھی تھے۔ جب حضرت خالد یمامہ پہنچے ہیں تو مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تک ترقی کر چکی تھی۔ مسیلمہ نے حضرت خالد کی آمد کی خبر سنی تو آگے بڑھ کر عقربا، نامی مقام پر پڑاؤ کیا۔ اسی میدان میں حق و باطل کا مقابلہ ہوا۔ جب دونوں جانب صفوف جنگ آراستہ ہو لیں تو سب سے اوّل نہار میدان میں آ کر مبارز طلب ہوا۔ حضرت زید بن خطاب اس کے مقابلہ پر گئے۔ بعد مقابلہ نہار مارا گیا۔ اس کے بعد عام لڑائی[1] شروع ہوئی۔ رن اس زور کا پڑا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور جمعیت پریشان ہوگئی۔ مسیلمہ کے لشکر نے تعاقب کیا اور دباتا ہوا خود حضرت خالد کے خیمہ تک پہنچ گیا۔ حضرت خالد کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ اُم تمیم حضرت خالد کی بی بی خیمہ کے اندر تھیں کفار نے ان کو قتل کرنا چاہا۔ مجاعہ[2] نے روکا اور کہا:

نعمت الحرۃ ھٰذہٖ۔ یہ بہت اچھی آزاد بی بی ہیں۔

عورتوں کو کیا مارتے ہو مردوں کا مقابلہ کرو۔ یہ سن کر مسیلمہ کے سپاہی خیمہ کی طنابیں کاٹ کر ہٹ گئے۔ اس نازک اور حوصلہ فرسا موقع پر مسلمان امرائِ لشکر نے اپنی شکست خوردہ فوج کی جمعیت قائم کرنے کی کوشش جس قوتِ ایمانی کے ساتھ کی وہ قیامت تک صفحاتِ تاریخ پر یادگار رہے گی۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے جانیں مردانہ وار اسلام پر قربان کر کے فوج کو غیرت دلائی اور آخر کار کامیاب ہوئے۔ حضرت قیس بن ثابت نے مفرورین کو مخاطب کر کے کہا:

بئسما عودتم انفسکم یا معشر المسلمین	اے گروہ اہلِ اسلام! تم نے اپنے نفوس کو بُری عادت
اللّٰھم انی ابرا الیک مما یعبد ھٰؤلاءِ	سکھائی۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے اُن کے (یعنی
(یعنی اھل الیمامہ) وابراء الیک مما	اہلِ یمامہ کے) معبود سے اور اُن کی (یعنی مسلمانوں
یصنع ھٰؤلاءِ (یعنی المسلمین) ھٰکذا	کی) اُس حرکت سے جو اس وقت کر رہے ہیں اظہارِ
عنی حتّٰی اریکوا الجلاء۔	نفرت کرتا ہوں۔ مسلمانو! دیکھو حملہ یوں کیا کرتے ہیں۔

---

[1] مورخ طبری نے اس لڑائی کی بابت لکھا ہے:

لم یلق المسلمون حرباً مثلھا قط۔ — مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا۔

[2] مجاعہ کفار کا سردار حضرت خالد کی قید میں تھا اس کی آسائش کی نگرانی ام تمیم کے سپرد تھی۔ حُسنِ سلوک کا اثر تھا جو مجاعہ نے کہا۔

یہ کہہ کر حملہ کیا۔ ایک دشمن کی ضرب سے ان کا پاؤں کٹ گیا۔ وہی کٹا ہوا پاؤں لے کر اس زور سے مارا کہ اپنے حریف کا کام تمام کر دیا اور خود بھی شہید ہو گئے۔ مسلمان ہٹتے ہٹتے جب اپنے خیموں سے بھی پیچھے ہٹ گئے تو حضرت زید بن خطاب نے یہ کہہ کر ان کو روکا:

لا تحوز بعد الرحال و اللہ لا اتکلم الیوم حتی انھزمھم او الفی اللہ فاکلمہ الحجتی۔ غضوا ابصارکم وعضوا علی اضراسکم واضربوا فی عدوکم وامضوا قدماً۔ یا معشر المسلمین انتم حزب اللہ وھم احزب الشیطان والعزۃ للہ ولرسولہ ولاحزابہ۔ اروفی کما اریکم فاصنعوا کما اصنع۔	خیموں سے ہٹ کر کہاں جاؤگے واللہ آج میں اس وقت تک کلام نہیں کروں گا یا دشمن کو شکست دوں یا خدا کے سامنے پہنچ کر اپنی معذرت پیش کروں اے لوگو! مصائب برداشت کرو، ڈاڑھیں تھام لو اور دشمن پر جا پڑو اور قدم بڑھاؤ۔ اور اے گروہِ اہل اسلام! تم خدا کی جمیعت ہو۔ تمہارے دشمن شیطانی لشکر۔ غلبہ خدا، اس کے رسول اور اس کے انصار کے واسطے ہے۔ میری مثال کی پیروی کرو جو میں کرتا ہوں وہی تم بھی کرو۔

یہ کہہ کر شمشیر بکف کفار پر حملہ کیا اور شہادت سے سرخرو ہوئے۔ حضرت ابو حذیفہ نے للکار کر کہا:

یا اھل القراٰن ذینوا القراٰن بالفعال۔	اے قرآن والو! قرآن کی زینت عمل سے بڑھاؤ۔

یہ کہہ کر دشمن پر حملہ کیا اور شہید ہوئے۔ حضرت زید بن خطاب کے بعد حضرت براء بن مالک (حضرت انسؓ خادم رسول اللہؐ کے بھائی) آگے بڑھے اُن کی عادت عجیب تھی۔ جب میدانِ جنگ کا عزم کرتے بدن پر لرزہ طاری ہوتا۔ آدمی اُن کو دبا لیتے۔ جب یہ حالت گزر لیتی تو میدانِ جنگ میں آکر شیر کی طرح بپھرتے۔ اُس روز بھی یہی ہوا۔ مسلمانوں کی شکست دیکھ کر اُن کو جوش آیا اور لرزہ سے فارغ ہو کر میدان میں پہنچ کر للکارے:

این یا معشر المسلمین البراء بن مالک ھلموا الی۔	اے گروہ مسلمین! کدھر کا ارادہ کیا! میں براء بن مالک ہوں میری طرف آؤ۔

ان ترغیبوں اور شہادتوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے میدان کی طرف پلٹ کر تازہ جوش کے ساتھ پھر حملہ کیا۔ اِس حملہ سے دشمن کے قدم ڈگمگا گئے۔ اور اُس مقام تک ہٹ گیا جہاں مسیلمہ کا مشہور سردار محکم بن الطفیل اپنی قوم کو لیے کھڑا تھا۔ اس نے للکار کر اپنے لشکر کو غیرت دلائی اور مسلمانوں پر حملہ کیا عین اسی حالت میں حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر کی شست سے تیرِ قضا چھوٹا جس نے محکم کی گردن میں لگ کر کام تمام کر دیا۔ اِس سے مسلمانوں کی ہمت اور زیادہ بڑھی اور زور سے حملہ کیا اور اعدا کو حدیقہ تک ہٹا لے گئے۔ یہ مقام چار دیواری سے محصور تھا اور اس کے وسط میں مسیلمہ قلبِ لشکر میں قدم جمائے کھڑا تھا دشمنوں نے حدیقہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ حضرت براء بن مالک نے کہا کہ مجھ کو اٹھا کر اندر پھینک دو۔ مگر کسی نے اس کی جرأت نہ کی۔ آخر انہوں نے قسم دلائی۔ مجبور ہو کر لوگوں نے اُن کو اٹھا کر دیوار پر پہنچا دیا۔ وہ نیچے کود گئے اور جانبازی کر کے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھل جانے پر مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا مگر مسیلمہ نے جگہ سے جنبش نہیں کی۔ یہ دیکھ کر حضرت خالد نے اپنے لشکر کو

دوسری ترتیب سے قایم کیا اور حکم دیا کہ ہر قبیلہ الگ الگ ہو کر اپنے اپنے نشان کے نیچے لڑے تاکہ ہم دیکھیں کہ ہماری کمزوری کس گروہ کی وجہ سے ہے۔ اس حکم پر ہر قبیلہ سمٹ کر اپنے نشان کے نیچے آگیا اور نہایت بے جگری کے ساتھ دوبارہ حملے شروع ہوئے۔ اب لڑائی اس قدر شدید ہوئی کہ پہلے معرکے گرد ہو گئے۔ سب سے زیادہ نقصان گروہ مہاجرین و انصار کو پہنچا۔ ان حملوں پر بھی مسیلمہ ثابت قدم رہا۔ وہ وسطِ لشکر میں مرکزِ کارزار بنا ہوا تھا۔ حضرت خالد نے اس حالت کو جانچا اور فیصلہ کیا کہ جب تک مسیلمہ کا خاتمہ نہ ہوگا لڑائی ختم نہ ہوگی۔ یہ خیال کر کے خود صف سے نکلے اور حریف مقابل طلب کیا۔ اس شمشیر برہنہ کے سامنے جو آیا اُڑ گیا۔ آخر صفوں کو چیرتے اور مقابلہ کرنے والوں کو کاٹتے ہوئے مسیلمہ تک جا پہنچے اور اس سے گفتگو کر کے حملہ کیا۔ حضرت خالد کے حملہ سے مسیلمہ کے قدم ڈگمگاتے اور اس کے لشکر میں فی الجملہ تزلزل پیدا ہوا۔ یہ دیکھ کر سپاہِ اسلام نے للکار کر کہا: مسلمانو! ثابت قدم رہو، ایک مردانہ حملہ اور دشمن کو مار لیا۔ اس للکار پر جو حملہ حق پرستوں نے کیا وہ اتنا زبردست تھا کہ مسیلمہ کا لشکر تاب نہ لا سکا، قدم اُکھڑ گئے اور میدان سے بھاگنے لگا۔

جب اہلِ ارتداد کو ہزیمت ہوئی تو لوگوں نے مسیلمہ سے کہا کہ آخر آسمانی مدد کے وعدوں کا کیا حشر ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ اپنا ننگ و ناموس[1] بچانا ہے تو بچا لو۔ اسی حالت میں وحشی قاتلِ حضرت حمزہؓ نے اپنا حربہ پھینک کر مسیلمہ کے مارا جس کے صدمہ سے وہ گرا۔ گرا تو ایک انصاری نوجوان نے سر کاٹ لیا۔ دشمن کی فوج میں ایک شور پڑ گیا کہ مسیلمہ کو ایک حبشی[2] نے مار ڈالا۔ یہ سُن کر اہلِ باطل کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے اور بے تحاشا بھاگے۔ لشکرِ اسلام مظفر و منصور ہوا۔ مورخ طبری نے لکھا ہے کہ حدیقہ کے قرب و جوار میں دس ہزار مرتد مارے گئے۔ اس لیے اس کا نام "حدیقۃ الموت" مشہور رہے۔ مسیلمہ کے قتل کی خبر سن کر حضرت خالد اس مقام پر آئے جہاں وہ مارا گیا تھا اور لاش تلاش کی۔ مجاعہ پا بجولاں ساتھ تھا اس نے پہچان کر بتائی۔ کوتہ قد، زرد رُو، لانبی ناک کا آدمی تھا۔ اِس معرکہ میں مدینہ کے مہاجرین و انصار تین سو اور بیرونِ مدینہ کے تین سو شہید ہوئے، باقی مسلمان ان کے علاوہ۔ بعد فتح حضرت خالد نے مدینہ کو مژدۂ فتح بھیجا۔ قاصد کے ساتھ بنی حنیفہ کا وفد بھی تھا۔ جب یہ وفد مدینہ پہنچا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا:

افسوس! تمہارے حال پر، تم کس وبال میں مبتلا ہو گئے۔

شرمندگی سے جواب دیا:

آپ نے جو کچھ سنا سب سچ ہے۔

پوچھا:

آخر اس کی تعلیم کیا تھی؟

---

[1] مسیلمہ کے باطل پرست ہونے کی یہ بیّن دلیل ہے کہ وہ ہمیشہ ننگ و ناموس کی غیرت دلا کر فوج کو لڑاتا تھا اگر حق پرست ہوتا تو حق کا واسطہ دیتا۔

[2] وحشی کا وطن حبش تھا۔

کہا: اس کی وحی کا نمونہ یہ ہے:

یا ضفدع نقی نقی لا الشارب تمنعین ولا الماء تکدرین۔ لنا نصف الارض و لقریش نصفٌ۔ ولکن قریشاً قوم یعتدون۔

اے مینڈک! تو پاک ہے نہ پانی پینے والوں کو روکتا ہے نہ پانی کو گدلا کرتا ہے، آدھا ملک ہمارا اور آدھا قریش کا، لیکن قریش تو ظالم قوم ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ کلام بلاغت نظام سن کر کہا:

سبحان اللہ و یحکم أهذا الکلام ماخرج من إلٍّ ولا برٍّ فاین یذهب بکم

سبحان اللہ! تمہارے حال پر افسوس، کیا یہی کلام الٰہی ہے یہ کلام تو شانِ ربانی نہیں رکھتا، تم کو کہاں کھینچ لیا۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں نے اسی طرح ہر موقع پر جاں بازی کے جوہر دکھائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باستثناء بعض خفیف مہموں کے اہل ردّۃ کے تمام معرکے سنہ ۱۱ھ میں ختم ہو گئے اور ۹ مہینہ کے قلیل عرصہ میں وہ سیلاب فرو ہو گیا جو نواح مدینہ سے لے کر بحرین و عمان تک پھیلا ہوا تھا۔ فجزی اللہ ابابکر وجنودہ عن المسلمین خیر الجزاء۔

مہمِ عراق

طوفانِ ارتداد کے فرو ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فوراً اپنی توجہ ان دو زبردست دشمنوں کی جانب مائل کی جو مسلمانوں کو گھیرے ہوئے اسلام کی تباہی کی فکر میں تھے۔ یعنی روم و فارس۔ خلیفۂ رسول اللہ کو کس قدر اہتمام ان مہموں کا تھا۔ واقعۂ ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ حضرت صدیقؓ مذکورۂ بالا مہموں کے انتظام میں مصروف تھے۔ ایک صحابی نے اپنے قبیلہ کا کوئی معاملہ پیش کرنا چاہا۔ غصہ ہو کر جواب دیا کہ میں تو ان دو شیروں کے زیر کرنے کی فکر میں ہوں جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور تم میری توجہ معمولی کاموں کی جانب مائل کرتے ہو۔ سنہ ۶ھ کے آغاز میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے مراسلے سلاطینِ عالم کے نام جاری فرمائے تو ایک مراسلہ خسرو پرویز پادشاہِ ایران کے پاس بھی روانہ فرمایا۔ قاصد حضرت عبداللہ بن حذافہ تھے۔ نامہ شریف حسب ذیل تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس سلامٌ علیٰ من اتبع الهدیٰ و اٰمن باللہ و رسولہ واشهد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہ وادعوک بدعاء اللہ فانی رسول اللہ الی الناس کافۃ لانذر من کان حیاً و یحق القول علی الکافرین فاسلم تسلم

شروع خدا کے نام سے جو بڑا مہربان بخشنے والا ہے۔

محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ بادشاہ فارس کے نام اس کو سلام جو سیدھی راہ پر چلے اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود سوا خدا کے نہیں ہے، وہ یگانہ ہے، کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد اس کا عبد و رسول ہے اور میں تجھ کو خدا کا فرمان پہنچاتا ہوں اس لیے کہ میں تمام انسانوں کے پاس اس کا ایلچی ہو کر آیا ہوں، میری رسالت کا مقصود یہ ہے کہ جن کے دل زندہ ہیں اُن کو

فان ابیت فان اثم المجوس علیک۔

خدا سے ڈراؤں اور جو انکار پر قائم رہیں اُن پر حُجت الٰہی تمام ہو تو اسلام لے آ، سلامت رہے گا۔ اگر انکار کرے گا مجوس کا گناہ تیری گردن پر رہے گا۔

خسرو نے فرمان مبارک پڑھ کر پارہ پارہ کر دیا اور باذان صوبہ دار یمن کو لکھا کہ دو تیز رو آدمی بھیجو تاکہ حجاز میں جو شخص ہے اس کو پکڑ کر یہاں لے آئیں۔ باذان نے اپنے قہرمان بابویہ کو (جو اُس کا منشی اور فارسی خط کتابت میں ماہر تھا) اور خرخرہ نامی ایرانی کو مدینہ بھیجا اور ایک تحریر آپ کے نام اس مضمون کی بھیجی کہ ان دو آدمیوں کے ساتھ خسرو کے پاس چلے آؤ۔ قاصد براہ طائف مدینہ پہنچے۔ عرب میں اس سفارت کی بڑی شہرت ہُوئی۔ اور قریش اس خیال سے بہت خوش ہُوئے کہ اب شہنشاہِ ایران کی بدولت مسلمانوں کو مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ خدمت مبارک میں حاضر ہو کر بابویہ نے سلسلۂ کلام یُوں شروع کیا۔

شاہنشاہ ملک الملوک کسریٰ کا شاہِ یمن کو یہ حکم ہے کہ تم کو اس کے پاس بھیج دے۔ میں بادشاہِ یمن کا فرستادہ ہُوں۔ اگر تم میرے ساتھ چلو گے تو شاہِ یمن تمہاری سفارش شاہنشاہ کے دربار میں کرے گا، جس سے تم کو نفع پہنچے گا۔ اگر چلنے سے انکار کرو گے تو تم شاہِ یمن کو جانتے ہو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر دے گا۔

ان قاصدوں کی داڑھی مُنڈی ہوئی تھی، مُونچھیں بڑی بڑی تھیں، حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے کی طرف بہ نگاہِ نفرت دیکھا اور فرمایا:

افسوس تم پر، تم نے یہ صورت کس کے حکم سے بنائی ہے؟

جواب دیا کہ اپنے پروردگار کسریٰ کے حکم سے۔

آپ نے فرمایا: مگر میرے پروردگار کا مجھ کو یہ حکم ہے کہ داڑھی بڑھاؤں اور مونچھیں تراشوں۔ اچھا اب ٹھہرو، کل میرے پاس آنا۔

دوسرے روز طلب کر کے فرمایا:

تمہارے کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے فلاں شب قتل کر دیا، جاؤ اور اپنے آقا کو خبر دو اور کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت عنقریب ملک کسریٰ میں پہنچتی ہے اور دنیا کے کناروں پر جا کر ٹھہرے گی۔ یہ بھی کہہ دینا کہ اگر تم اسلام لے آؤ گے تو تمہارا ملک تمہارا تخت چھوڑ دیا جائے گا اور اپنی قوم پر حاکم رہو گے۔

یہ فرما کر خرخرہ کو ایک طلائی پیٹی (جو کسی بادشاہ نے بطور تحفہ آپ کی خدمت میں بھیجی تھی) عطا فرمائی اور رخصت کر دیا۔ باذان نے جب کلامِ مبارک سُنا تو کہا:

خدا کی قسم یہ بادشاہوں کا سا کلام نہیں ہے اس کا قائل نبی معلوم ہوتا ہے۔

چند روز کے بعد خسرو کے قتل اور شیرویہ کی تخت نشینی کی خبر باضابطہ یمن میں آگئی۔ شیرویہ نے یہ بھی لکھا کہ نبی عربی سے کچھ مزاحمت نہ کی جائے۔ آخر عہدِ نبوت میں باذان نے اسلام قبول کر لیا، اور جو ایرانی یمن میں تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ خسرو پرویز

کے قتل کے بعد ایران میں خانہ جنگی و بدنظمی کا دَور دَورہ رہا۔ چند ہی سال کے عرصہ میں بارہ تیرہ بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ جن میں بعض عورتیں بھی تھیں۔ اس تغیر و تبدل سے بدامنی و فساد کا دائرہ وسیع ہوگیا تھا۔ خلافتِ صدیقی میں ایران کی طرف سے حاکمِ عراق ہرمز تھا۔ جس کو عربوں سے سخت عداوت تھی اور ہمیشہ برسرِ پرخاش رہتا۔ اہلِ عرب بھی اُس سے نفرت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی سختی اور شرارت ضرب المثل ہوگئی تھی:

اکفر من هرمز و اخبث من هرمز۔

اہلِ ایران کے مظالم سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی فکر حضرت ابوبکرؓ کو ابتدا سے تھی لیکن کچھ روز ارتداد کے انسداد کی وجہ سے مہلت نہ ملی۔ اسی عرصہ میں حضرت مثنیٰؓ عراق سے مدینہ آئے اور حضرت صدیقؓ سے کہا کہ اگر آپ مجھ کو میرے قبیلے کی امارت پر مقرر کردیں تو میں مسلمانوں کو اُن اہلِ ایران کے شر سے محفوظ رکھ سکتا ہوں جو میری سرحد پر ہیں۔ یہ درخواست منظور ہوئی اور حضرت مثنیٰؓ نے عراق واپس جاکر ایرانیوں سے آویزش شروع کی۔ اس طرح ایک حد تک اُدھر کی بے اعتدالیوں کا سدِباب ہوگیا۔ آخر کار اہلِ ارتداد کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا۔ یمامہ کی مہم سر ہوئی۔ مسیلمہ کام آیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد کو طلب کرکے دس ہزار فوج کے ساتھ اہلِ فارس کے مقابلہ پر مقرر کیا۔ علاوہ اس لشکر کے آٹھ ہزار سپاہ حضرت مثنیٰؓ وغیرہ اُن چار سرداروں کے پاس اور تھی جو پہلے سے مامور تھے۔ اس طرح جملہ اٹھارہ ہزار فوج مہم عراق پر متعین ہوئی۔ حضرت خالد کو یہ ہدایت تھی کہ عراق کے نشیبی حصہ سے بڑھ کر اوّل اُبلّہ پر حملہ کریں۔ یہ مقام اس موقع کے متصل تھا جہاں اب بصرہ آباد ہے اُس زمانے میں ہندوستان کا وہی بندر تھا اور اُس کے ذریعہ سے ہرمز سمندر میں ہندوؤں کے ساتھ لڑتا رہتا تھا۔ دُوسرے لشکر کو حکم تھا کہ عراق کے بالائی حصہ سے حملہ آور ہو۔ اور دونوں لشکر فتح کرتے ہوئے حیرہؓ پر آکر مل جائیں اور شہر مذکور پر متفقہ حملہ کریں۔ جو سردارِ لشکر وہاں اوّل پہنچے وہی تمام فوج کا امیر ہوگا۔ جب حیرہ فتح ہوجائے تو ایک حصۂ لشکر وہاں قیام کرکے عقب کی حفاظت کرے۔ دوسرا حصہ خدا اور مسلمانوں کے دشمن اہلِ فارس کے دارالسلطنت مدائن پر بڑھے۔ حضرت خالد کو یہ بھی ہدایت تھی کہ زراعت پیشہ رعایا کو پریشان نہ ہونے دیں۔ امن کے ساتھ بدستور اراضی پر قابض رکھیں اور کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں مقابلہ صرف ان لوگوں سے کیا جائے جو میدان میں آکر لڑیں۔ اس ہدایت کا تمام مہماتِ عراق میں پورا لحاظ رکھا گیا۔

حضرت خالد کی مہم محرم ۱۲ھ میں روانہ ہوئی۔ حسبِ ہدایت اوّل اُبلّہ کی جانب رُخ کیا۔ یہ بندر ایران کی تمام بندرگاہوں سے زیادہ پُرشوکت اور مستحکم تھا۔ ہرمز سلطنت فارس کے اوّل درجہ کے اُمراء میں تھا۔ جس کی علامت یہ تھی کہ لاکھ روپے کی قیمت کا تاج پہنتا تھا۔ لڑائی سے پہلے حسب ذیل خط ہُرمز کے نام بھیجا گیا۔

اما بعد اسلم تسلم او اعتقد	بعد حمد و ثنا اسلام لے آؤ سلامت رہو، ورنہ اپنی
لنفسك و قومك الذمه و اقرر	طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے جزیہ کا اقرار

۱؎ حیرہ کوفے سے تین منزل تھا۔ خورنق عمارت مشہور اسی شہر میں تھی۔

بالجزیۃ والا فلا تلومنّ الا نفسک فقد جئتک بقوم یحبّون الموت کما تحبّون الحیٰوۃ۔ | کر کے مسلمانوں کی پناہ میں آجاؤ۔ یہ بھی نہیں تو پھر تمہارا ہی قصور ہے۔ میں وُہ آدمی لے کر آیا ہوں جن کو موت ایسی پیاری ہے جیسی تم کو زندگی۔

ہُرمز نے یہ خط پڑھ کر کسریٰ اور ولی عہد کو اطلاع کی اور فراہمیِ لشکر کا اہتمام شروع کیا چند ہی روز میں نہایت سُرعت کے ساتھ "اڑان گھپو" (سرعان اصحابہ) لے کر حضرت خالد کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔ اوّل کو اظم پہنچا۔ معلوم ہوا کہ مسلمان حفیر میں ہیں۔ وہاں پہنچا تو سپہ سالارِ اسلام نے لشکر کاظمہ میں لا ڈالا۔ ہرمز کو کاظمہ آنا پڑا۔ اس تگ و دَو میں ایرانی لشکر خوب خستہ ہوگیا۔ کاظمہ کے پڑاؤ پر آتش پرست فوج پانی کے کنارے مقیم ہُوئی۔ مجوسیوں نے بھاگنے کے خوف سے اپنے آپ کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا۔ حضرت خالد ہرمز کی آمد کی خبر سُن کر مقابلہ پر آئے۔ لشکرِ اسلام کے اُترنے کے واسطے وُہ جگہ باقی تھی جہاں پانی نہ تھا۔ مسلمانوں کو تامّل ہُوا تو حضرت خالد نے منادی کرا دی کہ یہیں اُترو اور لڑ کر پانی پر قبضہ کر لو۔

فلعمری لیصیرن الماء لاصبر الفریقین و اکرم الجلدین۔ | میری جان کی قسم پانی اس کا ہے جو دونوں حریفوں میں زیادہ ثابت قدم اور جوان مرد ثابت ہو۔

یہ سُن کر مسلمانوں نے وہیں پر سامان اتار دیا۔ اُدھر سامان اتارا تھا کہ ادھر حضرت خالد نے ہلّہ کا حکم دیا۔ میدانِ کارزار گرم ہونے پر ہرمز نے دھوکے سے چند آدمی کمیں گاہ میں چھپا کر حضرت خالد کو اپنے مقابلہ پر طلب کیا۔ یہ جیسے پہنچے ویسے ہی آدمیوں نے نکل کر وار کیا۔ حضرت خالد نے ان کا وار خالی جانے دیا اور دلیرانہ ہُرمز پر حملہ کر کے کام تمام کر دیا۔ ہرمز کے قتل کے بعد معرکۂ جنگ میں اور زیادہ شدّت ہوئی۔ بہت سے کُشت و خون کے بعد ایران کے لشکر نے ہزیمت پائی، مسلمان مظفر و منصور ہوئے۔ رات تک مفرورین کا تعاقب ہوتا رہا۔ زنجیریں میدان میں سے فراہم کی گئیں تو ایک شتر بار (تخمیناً ۱/۲ من) نکلیں۔ اسی وجہ سے اس معرکہ کا نام "ذات السلاسل" ہے۔ مدینہ مژدۂ فتح پہنچا تو حضرت ابوبکرؓ نے ہرمز کا تاج حضرت خالد کو عطا فرما دیا۔ اسلام کا مسئلہ ہے کہ خاص خاص معرکہائے جنگ میں جو مسلمان اپنے حریف کو قتل کرے اُس کے بدن کا سامان وہی لے لے۔ مالِ غنیمت کے ساتھ ایک ہاتھی بھی مدینہ آیا اور خلیفہ کے حکم سے شہر میں پھرایا گیا۔ بڑھیاں دیکھتیں اور حیرت سے کہتیں:

امن خلق اللّٰہ ما نرٰی۔ | کیا جو ہمارے آنکھوں کے سامنے ہے خدا کی مخلوق ہے۔

گشت کے بعد عراق کو واپس بھیج دیا گیا۔ حفیر کی جنگ کے بعد مذار کا معرکہ پیش آیا۔ یہ واقعہ پہلے سے زیادہ شدید تھا۔ کسریٰ کے حکم سے تازہ دم فوجیں مدائن سے آکر اس مہم میں شریک ہوئی تھیں فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اسی لڑائی میں خواجہ حسن بصری کے والد حبیب گرفتار ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ یکے بعد دیگرے ولجہ، الیّس، یوم المقر، حیرہ، عین التمر، دومۃ الجندل، انبار، حصید، مضیّح،

ثنی، زمیل، فراض کے معرکے پیش رُو سے زیادہ سخت تھے۔ عراق چونکہ سلطنت فارس کا مستقر تھا اور مدائن دارالسلطنت اسی صوبہ میں (قریب بغداد) واقع۔ اس لیے اہلِ فارس نے نہایت جاں بازی و دلیری سے مقابلے کیے۔ لیکن حضرت خالد سیف اللہ کی شمشیرِ بُرّاں کے سامنے ہر جگہ سر جھکانا پڑا۔ سپاہِ اسلام نے اس سرعت و جلادت سے حملے کیے کہ دشمن کو دم لینے کی مُہلت نہ ملی اور چند ہی روز میں میدان صاف ہو گیا۔

مورخ طبری نے حضرت خالد کی نسبت لکھا ہے :

وکان قلیل الصبر اذا رآہ او سمع به۔ — یعنی جب وہ موقع جنگ دیکھتے یا لڑائی کی خبر سُنتے تو پھر صبر نہ ہوتا۔

حیرت یہ ہے کہ باوجود اس قدر مہمات سر کرنے کے اسی قلیل زمانے میں انہوں نے ملکی انتظامات بھی کیے۔ عمّال مقرر کیے۔ وصولِ خراج کا بندوبست کیا۔ کاشت کاروں اور زمینداروں کو امن دے کر لگان کے معاہدے کیے۔ ایرانیوں نے شروع میں ان فتوحات کو عرب کی معمولی لُوٹ مار خیال کیا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کا عزم اور انصاف اور برتاؤ کی خُوبی دیکھی تو اپنے اپنے گھروں میں باطمینان واپس آ گئے۔ ہر پرگنہ اور علاقہ کے باشندوں نے اپنے اپنے قایم مقام بھیج کر جزیئے کے معاہدے کیے اور معاہدے کے بعد پُورے اطمینان کے ساتھ کاروبار میں مصروف ہو گئے۔

حضرت خالد کے دو فرمان یہاں نقل کیے جاتے ہیں جن سے اس منصفانہ طرزِ عمل کا پتا لگتا ہے جو مسلمانوں نے عراق میں اختیار کیا تھا۔ نقل فرمان بنام صلو بالسوادی :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من خالد بن الولید لابن صلوا بالسوادی و منزله بشاطی الفرات۔ انك آمن بامان الله علیٰ حقن دمك باعطاء الجزیة و قد اعطیت عن نفسك و عن اهل خرجك و عن جزیرتك و من كان فی قریتك بانقیاء و بار و سماء الف درهم فقبلتها منك و رضی من معی من المسلمین بها منك ولك ذمة الله و ذمة محمد صلی الله علیه وسلم و ذمة المسلمین علیٰ ذلك۔ و شهد هشام بن الولید۔	خالد بن ولید کی جانب سے بنام صلو بالسوادی ساکن کنارۂ فرات۔ تو اللہ کی پناہ میں ہے۔ قبول جزیے کے بعد تیری جان بخشی گئی۔ تو نے اپنی ذات، اپنی رعایا، اپنے جزیرے اور بانقیا اور بار و سماء کی جانب سے ایک ہزار درہم جزیہ دیا، میں نے اُس کو قبول کیا اور جو مسلمان میرے ساتھ ہیں۔ انھوں نے اتفاق کیا۔ اس کے عوض میں تو اللہ کی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی پناہ میں آ گیا۔ ہشام بن ولید گواہ ہوا۔

اہلِ حیرہ کے نام معاہدہ ربیع الاول ۱۲ھ میں لکھا گیا :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھذا ما عاھد علیہ خالد بن الولید عدیا وعمرو ابنی عدی وعمرو بن عبد المسیح و ایاس بن قبیصہ وحیریٰ بن اکال وھم نقبآء اھل الحیرہ ورضی بذلک اھل الحیرہ وامرھم بہ عاھدھم علیٰ تسعین ومائۃ الف درھم تقبل فی کل سنۃ جزاءً عن ایدیھم فی الدنیا رھبانھم وقسیسھم الا من کان منھم علیٰ غیر ذی ید حبیسا عن الدنیا تارکا لھا وعلی المنعۃ فان لم یمنعھم فلا شئ علیھم حتی یمنعھم وان غدروبفعل او بقول فالذمۃ منھم بریئۃ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ معاہدہ ہے جو خالد بن ولید نے عدی اور عمرو پسران عدی اور عمرو بن عبد المسیح اور ایاس بن قبیصہ کے ساتھ کیا۔ یہ لوگ اہلِ حیرہ کے مقبولہ و معتبر کردہ قائم مقام ہیں۔ یہ قرار داد ہے کہ ہر سال ایک لاکھ نوّے ہزار درہم بطور جزیہ وہ لوگ ادا کریں گے جو دنیاوی مقدرت رکھتے ہوں اور رہبان اور قسیس مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں۔ بنیاد معاہدہ حفاظت ہے اگر میں خالد بن الولید ان کی حفاظت نہ کروں جزیہ کا کوئی جز واجب نہ ہوگا اور وہ (اہلِ حیرہ) قولاً یا فعلاً بدعہدی کریں تو ہماری پناہ سے نکل جائیں گے۔

حضرت خالد نے فوجی اور ملکی انتظام کو ایک دوسرے سے علٰحدہ رکھا تھا۔ فوجی افسر جُدا تھے اور ملکی جُدا۔ چنانچہ اوّل ہی لڑائی کے بعد جس میں ہُرمز کام آیا فوج کا سردار حضرت سعید بن نعمان اور ملکی حاکم سوید بن مقرن مقرر کیے گئے۔ سوید کو ہدایت کی گئی کہ اپنے ماتحت عمّال وصول خراج کے واسطے مفصلات میں متعین کریں۔ جن پرگنوں کے باشندے مقابلہ پر نہیں آئے اُن سے کچھ مزاحمت نہیں کی گئی اور آشتی کے ساتھ لگان کا بندوبست کر لیا گیا۔ بانقیا، بار وسما وغیرہ اسی سلسلے میں تھے۔ حیرہ اور اُبلہ خراج کے صدر مقام تھے۔ جو اس وقت کی اصطلاح میں سواد کہلاتے تھے۔ سوادِ حیرہ کے ماتحت حسب ذیل پرگنے اور عاملِ خراج تھے:

نام پرگنہ	نام عامل	نام پرگنہ	نام عامل
فلالیج (بلندی عراق) نہریں	عبداللہ ابن رشیمہ بشیر بن خصاصہ	بانقیا و بار وسما رود ذستان	جریر بن عبداللہ اُط بن ابی اُط
سوادِ اُبلہ کے حاکمِ مال سوید بن مقرن کے نائب حسبِ ذیل عُمّال تھے:			
حکہ حبطی	حصین بن ابی الخیر	ربعیہ بن غسل	؟

خوبیِ انتظام کی شہادت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ پچاس دن کے اندر حصۂ مقبوضہ کا مقررہ خراج وصول ہو کر

داخل خزانہ ہوگیا۔ اس روپیہ سے مسلمانوں کو آیندہ مہمات میں بہت مدد ملی۔ حضرت خالد کا اصولِ عمل یہ تھا کہ جہاں پہنچتے تھے اول تبلیغِ اسلام کرتے تھے۔ بصورتِ عدمِ قبول جزیہ طلب کرتے تھے۔ اس سے بھی انکار ہوتا تو اعلانِ جنگ کیا جاتا۔ چنانچہ حیرہ کے معرکے سے پہلے جب اشرافِ اہلِ فارس بہ سرگروہی قبیصہ بن ایاس نائب کسریٰ حضرت خالد کے پاس آئے تو انہوں نے کہا:

ادعوکم الی الاسلام فان اجبتم فانتم من المسلمین لکم مالھم وعلیکم ما علیھم فان ابیتم فالجزیۃ فان ابیتم فقد اتیتکم باقوام ھم احرص علی الموت منکم علی الحیٰوۃ۔	یعنی میں تم کو اسلام کی جانب بلاتا ہوں اگر تم قبول اسلام کروگے تو تم مسلمانوں کا جزو ہو جاؤ گے تمہارے وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو ہم پر ہیں اس سے انکار ہے تو جزیہ دو۔ یہ بھی منظور نہیں تو سمجھ لو کہ تمہارے مقابلہ کے واسطے وہ فوجیں لے کر آیا ہوں جو موت پر ایسی ہی جان دیتی ہیں جیسے تم زندگی پر، بلکہ زیادہ۔

جزیہ کی مقدار معاہدہ حیرہ میں فی کس چار درہم تھی (یعنی ایک روپیہ) راہب تارک الدنیا اور مفلس مستثنیٰ تھے۔ جزیہ کے عوض میں مسلمانوں کی جانب سے حفاظت کا عہد ہوتا تھا ہر معاہدۂ جزیہ میں یہ تصریح ہوتی تھی کہ اگر ہم تمہاری حفاظت نہ کر سکیں گے تو جزیہ بھی نہ لیں گے۔ ان معرکوں میں کس قدر احتیاط کی جاتی تھی اور حضرت ابوبکر چھوٹے چھوٹے واقعات سے بھی کس درجہ خبردار رہتے تھے۔ حسب ذیل واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔ مضیح کی لڑائی میں جب مسلمانوں نے شبخون مارا تو دو مسلمان بھی جو دشمنوں میں رہتے تھے کام آئے، ایک عبدالعزیٰ جن کا اسلامی نام عبداللہ تھا، دوسرے لبید۔ شبخون کے وقت جو اشعار عبداللہ کی زبان پر تھے ان میں یہ مصرع بھی تھا: ع

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبِّ مُحَمَّد

حضرت ابوبکرؓ نے یہ ماجرا سُنا تو دونوں کا خوں بہا ورثا کو ادا کیا اور حکم دیا کہ ان کے پس ماندوں کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کیا جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہا:

امّا ان ذٰلک لیس علیّ اذ نازل اھل الحرب۔	اس کی ذمہ داری میرے سر نہیں ہے جبکہ وہ دارالحرب میں قیام پذیر تھے۔

فتح حیرہ کے بعد حضرت خالد نے حیرہ کو اپنا صدر مقام مقرر کیا۔ وہیں سے ہر طرف انتظام کے واسطے آتے جاتے تھے۔ السّیب سرحدی مقام تھا۔ سرحد کی حفاظت پر کار آزمودہ جوانمرد مامور تھے۔ مثلاً:

حضرت ضرار بن ازور، حضرت ضرار بن الخطاب، مثنیٰ بن حارثہ۔

خلافت کے احکام فتح عراق کی بابت یہ تھے کہ جب حیرہ پر شیبی و بالائی دونوں لشکرِ اسلام جمع ہو جائیں تو ایک امیرِ عسکر حیرہ میں قیام کرے، دوسرا مدائن دارالسلطنت پر بڑھے۔ حضرت خالد اپنے مفوضہ مہمات طے کرکے حیرہ پہنچ گئے۔

لیکن حضرت عیاض اس سرعت سے ختم نہ کر سکے، اور حسبِ ارشاد خلافت حضرت خالد کو اُن کی مدد کے واسطے بمقام دُومۃ الجندل جانا پڑا۔ اسی سلسلے میں حضرت خالد کربلا کی چھاؤنی تک گئے۔ اُس وقت مسلمانوں کی آویزش کا سلسلہ کنارۂ دجلہ تک پہنچ چکا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ خود مدائن کے بعض مورچوں پر سرگرمِ قتال تھے۔ حضرت خالد نے چند روز کربلا میں قیام کیا، وہاں اُس زمانے میں مکھیوں کی بہت کثرت تھی۔ عبداللہ بن وثیمہ نے شکایت کی تو حضرت خالد نے جواب دیا، صبر کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ جن چھاؤنیوں کا خالی کرنا عیاض کے سپرد تھا اُن کو فتح کر کے عربوں کو قابض کر دُوں تاکہ مسلمانوں کا عقب محفوظ ہو جائے اور آمد و رفت کا سلسلہ بے خدشہ جاری رہے۔ یہی حکم خلیفہ کا ہے اور خلیفہ کی رائے ایک جماعت کی رائے کے برابر قوی ہے۔

ورایه یعدل بحده الامّة۔

رمضان المبارک میں دُومۃ الجندل وغیرہ کے معرکے سَر کر کے حضرت خالد فراض جا پہنچے۔ جہاں فارس، شام اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی ہیں۔ اِسی موقع پر عید کی نماز ادا کی۔ مسلمانوں کا اجتماع فراض پر دیکھ کر رومیوں کو جوش اور غصہ آیا اور انہوں نے فارس کی چھاؤنیوں، کفارِ عرب کے قبائل تغلب آباد، نمر سے مدد لے کر مسلمانوں کے مقابلے کا تہیہ کیا۔ تغلب وغیرہ سرحدِ روم پر آباد تھے اور اُن میں مسلمانوں کے خلاف جوش موج زن تھا۔ اس طرح رومی، اہلِ فارس اور عرب متفق ہو کر مسلمانوں پر بڑھے۔ فرات کے کناروں پر دونوں فوجیں جمع ہوئیں۔ رومیوں نے حضرت خالد سے دریافت کیا کہ تم اِدھر آؤ گے یا ہم اُدھر آئیں۔ اُنھوں نے جواب دے دیا کہ تم آؤ۔ رومیوں نے کہا: بہتر۔ لیکن جس موقع پر تم ہو وہاں سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم دریا کو عبور کر سکیں۔ حضرت خالد نے اس سے انکار کیا۔ انکار سُن کر رومیوں نے اور ایرانیوں نے مشورہ کیا کہ خالد اپنی بات سے ہٹنے والا نہیں۔ خود ہم کو دُوسرے گھاٹ سے عبور کر کے مقابلہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ مخالف لشکر نے دریا اتر کر نہایت جواں مردی و عزم کے ساتھ حملہ کیا، مگر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بعد فتح لشکرِ اسلام نے تعاقب کیا اور کثرت سے دشمن کام آئے۔ کامیابی کے بعد حضرت خالد دس روز فراض میں مقیم رہے اور ضروری انتظام کر کے پانچویں ذیقعدہ کو حیرہ کی واپسی کا حکم دیا۔ عاصم کو ہدایت کی کہ لشکر لے کر چلیں۔ شجرہ بن الاغر ساقہ پر تھے خود حضرت خالد نے اپنا قیام ساقہ میں رکھا۔ جب لشکر آگے بڑھا تو حضرت خالد چند آدمیوں کو لے کر علیحدہ ہو گئے اور غیر معروف راستہ سے مکہ پہنچ کر حج کیا۔ یہ سفر اس تیزی سے طے کیا کہ لشکر کے اخیر حصہ کے ساتھ حیرہ میں داخل ہو گئے۔ واپس آئے تو فرمانِ خلافت ملا، جس میں اس جسارت پر کہ لشکر سے علیحدہ ہو کر حج ادا کیا تنبیہ تھی اور آیندہ احتیاط کی ہدایت۔ اس طرح حضرت خالد نے ۱۲ھ کے اختتام سے پہلے تجویز شدہ مہم عراق کی تکمیل کر دی۔

حج ذی حجہ ۱۲ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا۔ اُن کی غیبت کے زمانے میں حضرت عثمانؓ بن عفان مدینہ میں نائب رہے۔

شام ۱۲ھ ملکِ شام اُس عہد میں سلطنت روم میں شامل تھا۔ عراق کی طرح سلطنت روم کی عربی سرحد پر بھی قبائلِ عرب آباد تھے جو اہلِ حجاز کے ساتھ گوناگوں تعلقات رکھتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب

اج مدینہ کے یہود و عرب مسلمانوں کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر اُٹھے اور دائرۂ خصومت وسیع ہوا تو اُس کا اثر سرحدِ روم تک پہنچا اور اُس طرف سے بھی کاوش و آویزش شروع ہوئی۔ ۸ھ کے وسط میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم رومیوں کے مقابلہ پر روانہ فرمائی جو سیرت میں غزوۂ موتہ کے نام سے مشہور ہے۔ اُس مہم کا جس فوجِ گراں سے مقابلہ ہو گیا۔ اُس میں خود ہرقل روم عربوں کی ایک جماعت کثیر کے ساتھ موجود تھا۔ اسی غزوہ میں حضرت جعفر طیار اور زید بن حارثہ شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہما۔

رجب ۹ھ میں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار لشکر کے ساتھ تبوک تشریف لے گئے۔ اِس مہم کا مقصود بھی ہرقل کے حملہ کا روکنا تھا۔ جیشِ اُسامہ کی روانگی بھی رومیوں کے مقابلہ پر ہوئی تھی۔ ابھی ابھی سُن چکے ہو کہ مہمِ عراق کے دوران میں کس طرح رومی از خود میدان میں دَر آئے۔ اِن ہی وجوہ سے آغازِ خلافت سے حضرت صدیق اکبرؓ کی نگاہ جن دو شیروں سے لڑ رہی تھی اُن میں ایک ہرقلِ روم بھی تھا۔ مہمِ عراق کی کامیابی کے بعد سفرِ حج سے واپس آکر حضرت ابوبکرؓ نے مہمِ شام کا اہتمام کیا۔ سب سے اوّل حضرت خالد بن سعید کو ایک حصّہ فوج کے ساتھ بھیجا اور اُن کو حکم دیا کہ بمقام تیماؔ پہنچ کر قیام کریں اور تاحکمِ ثانی آگے نہ بڑھیں۔ خود حملہ نہ کریں، اُدھر سے حملہ ہو تو دفع کریں۔ جو مسلمان قبائل تیما کے نواح میں ہوں اُن کو شرکت کی ترغیب دیں۔ لیکن یہ شرط تھی کہ جو لوگ ارتداد کا داغ کھا چکے ہوں وہ شامل نہ کیے جائیں۔ حضرت خالد بن سعید نے بموجب حکم تیما پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ قبائل کا لشکرِ عظیم اُن کے نشان کے نیچے جمع ہو گیا۔ ہرقل کو جب اس فوجِ گراں کی خبر پہنچی تو اس نے بھی تیاریاں شروع کیں اور عرب کے مقابلہ کے لیے عرب انتخاب کیے۔ قبائل لخم، غسان، جذام وغیرہ جو شام کی سرحد پر آباد تھے حضرت خالد بن سعید کے مقابلہ کے واسطے تیما سے تین منزل کے فاصلے پر فراہم ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع کی گئی۔ حکم آیا:

اقدم ولا تحجم واستنصر اللہ۔ — آگے بڑھو، رکو مت، خدا سے مدد مانگو۔

اس ہدایت کے مطابق مسلمانوں نے حملہ کیا اور مخالفین کی جمعیت پریشان ہو گئی۔ شامیوں کی چھاؤنی پر حجازی لشکر کا قبضہ ہو گیا۔ اِس کشمکش کا ایک مبارک نتیجہ یہ ہوا کہ جو قبائل مقابلہ پر بڑھے تھے وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اِس کی اطلاع بھی مدینہ گئی۔ حکم ہوا: اور آگے بڑھو، لیکن اس احتیاط سے کہ عقب محفوظ رہے۔

حضرت خالد بن سعید نے قدم آگے بڑھایا اور زیزاء و آبل کے درمیان منزل کی یہاں باہان نامی ایک بطریق نے مقابلہ کر کے شکست کھائی۔ اس اطلاع کے ساتھ حضرت خالد بن سعید نے مزید مدد کی درخواست بھیجی اور اب حضرت صدیق نے پُورے اہتمام کے ساتھ مہم کا انصرام فرمایا۔ اسی عرصہ میں وہ لشکر جو یمن، عمان، بحرین، تہامہ وغیرہ مقامات میں اہلِ ارتداد سے لڑ رہے تھے کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آگئے۔ حضرت عکرمہ ذوالکلاع حمیری (یمن کے شاہی خاندانِ حمیری کی یادگار) اسی جمعیت میں تھے۔ چار جدید فوجیں شام کو روانہ کی گئیں۔ ایک کے امیر حضرت ابوعبیدہ تھے، دُوسرے کے حضرت شرحبیل بن حسنہ، تیسری کے حضرت یزید بن ابوسفیان، چوتھی کے حضرت عمرو بن العاص۔ یہ افواج مختلف حصص شام پر مامور ہوئیں۔ حضرت عمرو بن العاص کو براہ معرفہ فلسطین پر بڑھنے کا حکم ملا۔ بقیہ تینوں لشکر مختلف سمتوں سے بلقاء (بلندیٔ شام) کی جانب بڑھے۔ ہر امیر کے متعلق مختلف شہروں کی تسخیر تھی۔ مجموعی اصول یہ تھا کہ:

اعرف ان الروم ستشغلهم فاحب ان یصعد المصوب و یصوب المصعد لئلا یتوکلوا۔	میں جانتا ہوں کہ عنقریب رومی پوری قوت سے مسلمانوں کے مقابل ہوں گے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ بلندی والے نشیب کی جانب اور نشیب والے بلندی کی طرف آ جا سکیں اور ایک دوسرے کے محتاج نہ رہیں۔

مورخ طبری لکھتے ہیں؛

فکان کما ظن۔	وہی ہوا جو حضرت ابوبکر کا خیال تھا۔

مسلمانوں کی ان چاروں فوجوں کی تعداد ستائیس ہزار تھی۔ حضرت خالد بن سعید کی جمعیت اس کے علاوہ ہرقل کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے بڑے زور شور سے تیاریاں کیں۔ خود شام پہنچ کر حمص[1] میں قیام کیا۔ یہ تجویز کی کہ مسلمانوں کے ہر لشکر کا جدا جدا مقابلہ کیا جائے تاکہ ان کو اجتماع کا موقع نہ ملے۔ تذارق ہرقل کا حقیقی بھائی نوّے ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن العاص کے، جرجہ بن توذرا قریباً اسی قدر جمعیت کے ساتھ یزید بن ابی سفیان کے، دراقص حضرت شرجیل بن حسنہ کے اور فیقار بن نسطوس ساٹھ ہزار لشکر کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے مقابلہ پر مامور ہوا۔ تذارق کا مقدمۃ الجیش آگے بڑھ کر ثنیہ نامی مقام پر (جو فلسطین کا بلند حصہ تھا) خیمہ زن ہوا۔ مسلمانوں نے جب رومیوں کا ٹڈی دَل دیکھا تو گھبرائے اور حضرت عمرو بن العاص سے مشورہ طلب کیا۔ فوج کی زیادہ جمعیت انہی کے پاس تھی جواب دیا؛

الرای الاجتماع و ذلک ان مثلنا اذا اجتمع لم یغلب من قلۃ و اذا نحن تفرقنا لم یبق الرجل منا فی عدد یقرن فیہ لاحد ممن استقبلنا واعدلنا لکل طائفۃ منا فاتعدوا الیرموک۔	رائے یہ ہے کہ سب مجتمع ہو جاؤ۔ وجہ یہ ہے کہ ہم سے آدمی جب جمع ہو جائیں تو محض قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اور اگر ہم متفرق ہو گئے تو پھر ہم میں سے کسی کے پاس اس قدر جمعیت نہیں رہے گی کہ اپنے مقابل حریف کا مقابلہ کر سکے ہمارے لشکر کے مقابلہ کے واسطے الگ الگ فوج بھیجی گئی ہے۔ یرموک پر جمع ہو جاؤ۔

حضرت ابوبکرؓ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو انھوں نے بھی مذکورۂ بالا رائے پسند کی اور لکھا؛

اجتمعوا فتکونوا عسکراً واحداً والقوا زحوف المشرکین بزحف المسلمین فانکم	سب جمع ہو کر ایک لشکر بن جاؤ اور مشرکوں کی صفیں مسلمانوں کی فوج سے الٹ دو۔ اس کا یقین رکھو کہ

---

[1] شام کا وہ صوبہ جس کا صدر بیت المقدس تھا۔

اعوان اللہ واللہ ناصر من نصرہ وخاذل من کفرہ ولن یوتی مثلکم من قلۃٍ و انما یوتی العشرۃ الآف والزیادۃ علی العشرۃ الآف اذا اتوا من تلقاء الذنوب فاحترسوا من الذنوب واجتمعوا بالیرموک متساندین ولیصل کل رجل باصحابہ۔	تم اللہ کے مددگار ہو اور اللہ اپنے مددگار کو فتح دیتا ہے اور جو اس کا منکر ہو اس کو رسوا کرتا ہے۔ تم سا گروہ قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتا حقیقت حال یہ ہے کہ ہزاروں کی جمعیت اگر راہِ معصیت اختیار کرے تو بے دست و پا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ گناہوں سے خبردار رہو۔ مقام یرموک میں اپنے اپنے نشان کے نیچے جمع ہو ہر امیر عسکر اپنے آدمیوں کے ساتھ نماز ادا کرے۔

ہرقل کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے بھی نقشۂ مہم بدل دیا کہ تمام لشکر ایک جگہ جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ پڑاؤ ایسے موقع پر کیا جاوے جس کا سامنا کشادہ ہو اور عقب تنگ۔ تذارق امیر الامرا ہو۔ مقدمہ پر جرجہ اور دائیں بائیں بازو پر ذراقص و باہان۔ اس کے ساتھ یہ خوشخبری بھی تھی کہ باہان عنقریب اور تازہ دم فوج لے کر تمہارے پاس پہنچتا ہے۔ فرمانِ شاہی کے مطابق رومیوں کا لشکر واقوصہ نامی مقام پر اُترا۔ یہ مقام دریائے یرموک کے کنارے پر تھا۔ سامنے دریائے یرموک تھا۔ پشت پر ایک سیدھا اونچا پہاڑ۔ یہ محفوظ جگہ اس لیے انتخاب کی گئی کہ رومیوں کے ہوش بجا ہوں مسلمانوں کا جو خوف طاری تھا وہ رفع ہو اور دل ٹھہریں۔ مسلمانوں نے اس موقع کا اندازہ کیا اور اپنا پڑاؤ چھوڑ کر رومیوں کے سامنے مورچہ جمایا۔ اس طرح رومی پُشت اور پیش دونوں جانب سے محصور ہو گئے۔

حضرت عمرو بن العاص نے یہ کیفیت دیکھ کر مسلمانوں سے کہا :

ایھا الناس ابشروا احصرت واللہ الروم وقل ماجاء محصورٌ بخیرٍ۔	مژدہ ہو اے لوگو! قسم رب کی رومی محصور ہو گئے اور محصور فوج بہت کم فلاح پاتی ہے۔

مسلمان تین مہینے تک محاصرہ کیے رہے۔ سامنے دریا حائل تھا، پُشت پر پہاڑ۔ اس لیے مسلمان خود حملے سے مجبور رہے۔ رومی حملے سے دل چراتے تھے۔ معمولی حملے کرتے تھے جو پسپا کر دئے جاتے۔ صفر کے مہینے میں اس اجتماع اور معرکہ کی کیفیت مدینہ پہنچی۔ حضرت خالد کے نام مراسلہ جاری ہوا کہ عراق کے معاملات مثنیٰ کے سپرد کر کے اپنے لشکر کے ساتھ یلغار کر کے شام پہنچو۔ حضرت خالد نے پُوری تعمیل کی اور اس سُرعت سے یرموک پہنچے کہ اُن کے گھوڑے کے پاؤں بیکار ہو گئے ربیع الآخر کے آخر میں یہ لشکر یرموک پہنچا۔ اُسی روز باہان رومیوں کی کمک لے کر پہنچا تھا۔ اس لشکر کے آگے آگے پادریوں کے مختلف طبقے شمامسہ، راہب، قسیس وغیرہ تھے اور مسلمانوں کے مقابلہ کی ترغیب دیتے جاتے تھے۔ مورخین نے رومیوں کی مجموعی فوج کی تعداد دو لاکھ لکھی ہے۔ حضرت خالد کی نو ہزار سپاہ اور بعض اور کمکوں کے شامل ہو جانے سے مسلمانوں کی جمعیت چھیالیس ہزار ہو گئی تھی۔ رومی باوجود اپنی کثرت اور حریف کی قلت کے حضرت خالد کے پہنچنے کے بعد بھی ایک مہینے تک خندق

میں چھپے رہے۔ مذہبی پیشوا ان کو اُبھارتے تھے نصرانیت کی تباہی کا ماتم کرتے تھے لیکن کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ آخرکار بہت سی کوششوں کے بعد آمادۂ پیکار ہوئے۔ یہ واقعہ جمادی الآخر کا ہے۔ اس طرح پانچ مہینے کے محاصرے کے بعد میدان میں نکلے۔ مسلمانوں کی مختلف فوجیں اپنے اپنے امیر کے زیرِ حکم تھیں۔ کل فوج پر کوئی سردار نہ تھا۔ جب رومیوں کے حملے کی اطلاع ہوئی تو اس طرف سے ارادہ ہوا کہ ہر حصۂ لشکر اپنے اپنے سردار کی ماتحتی میں مقابلہ کرے۔ اس طرزِ جنگ کو عرب کی اصطلاح میں تساند کہتے تھے۔ حضرت خالد نے یہ حالت دیکھی تو تمام فوج کے سامنے ایک خطبہ دیا اس میں بیان کیا کہ آج کا دن ایک عظیم الشان دن ہے جو تاریخ میں یادگار رہے گا۔ اپنے ذاتی شرف اور فخر کو علٰحدہ رکھ کر صرف مرضیِ الٰہی کے واسطے کام کرنا چاہیے اور وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جس سے دشمن نفع نہ اٹھائے۔ متفرق امرا کی ماتحتی میں لڑنا قوت کو منتشر کرنا ہے۔ وہ رائے قرار دو جو مناسبِ موقع ہو۔ سب نے کہا تم اپنی رائے ظاہر کرو۔ انہوں نے کہا کہ خلیفہ کا اندازہ تھا کہ معرکے آسان ہوں گے۔ جو واقعات یہاں پیش ہیں اگر ان کی خبر ہوتی تو ضرور وہ تمام لشکر کو ایک امیر کے ماتحت کر دیتے۔ اب یہ ہونا چاہیے کہ کل لشکر ایک سپہ سالار کے حکم سے لڑے، جو باری باری سے مقرر ہو۔ ایک دن ایک امیر ہو، دُوسرے روز دُوسرا۔ اگر پسند ہو آج کی امارت میرے سپرد کر دو۔ سارے امرا نے اس رائے کو تسلیم کیا، اور اس روز کی سپہ سالاری حضرت خالد کو تفویض کی گئی۔ رومیوں نے اپنی فوج نئی ترتیب سے قایم کی تھی، امیرِ اسلام نے بھی معمولی ترتیب چھوڑ کر جدید طرز اختیار کی۔ جو عرب نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی تمام سپاہ کو چالیس دستوں پر تقسیم کر کے ہر دستے پر ایک کارآزمودہ سردار مقرر کیا اور فوج والوں سے کہا کہ دشمن کی کثرت ہو تو اس سے بہتر ترتیب نہیں ہو سکتی۔ اس سے لشکر کی تعداد دونی معلوم ہوتی ہے۔ قلب پر حضرت ابوعبیدہ، میمنہ پر حضرت شرحبیل بن حسنہ اور عمرو بن العاص' اور میسرہ پر حضرت یزید بن ابی سفیان مقرر کیے گئے۔ ایک دستہ حضرت خالد کے بیٹے عبدالرحمٰن کے سپرد تھا' جن کی عمر اس وقت اٹھارہ برس کی تھی۔ قاضیِ عسکر حضرت ابودرداؓ تھے۔ قاصؔ حضرت ابوسفیان' اور قاری حضرت مقداد۔ غزوۂ بدر کے بعد حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ سنّت مقرر فرما دی تھی کہ آغازِ غزوہ سے پیشتر سپاہِ اسلام کے سامنے سورۂ انفال پڑھی جائے۔ یہ خدمت قاری کے سپرد تھی۔ قاصؔ کی یہ خدمت تھی کہ سپاہیوں کے سامنے کھڑے ہو کر جوشِ جنگ تازہ کرتے۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان ہر دستے کے سامنے جاتے اور کہتے:

انتم ذادة العرب وانصار الاسلام	تم جواں مردانِ عرب ہو، اور اسلام کے انصار،
وهم ذادة الروم وانصار الشرك ۔	وہ جواں مردانِ روم ہیں اور شرک کے مددگار۔
اللّٰهم هذا يوم من ايامك، اللّٰهمّ	اے اللہ! آج کا دن معرکہ کا دن ہے۔ اے
انزل نصرك على عبادك ۔	اللہ! اپنی مدد اپنے بندوں پر نازل فرما۔

لشکرِ اسلام میں ایک ہزار صحابی شریک تھے جن میں سے سو بزرگ بدری تھے۔ جب حضرت خالد لشکر کی صفیں قایم کر رہے تھے ایک شخص نے کہا کہ رومیوں کی فوج کس قدر زیادہ ہے اور ہماری کتنی کم۔ حضرت خالد نے کہا کہ نہیں ہماری فوج بہت ہی زیادہ ہے اور رومیوں کی بہت ہی کم۔ سپاہ کی قلت یا کثرت تعداد پر موقوف نہیں۔ نتیجۂ جنگ فتح د

شکست سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ترتیبِ صفوف کے بعد حضرت خالد نے حکم دیا کہ حضرت عکرمہ و حضرت قعقاع قلب کے دونوں بازوؤں سے نکل کر حملہ آور ہوں۔ معرکہ کارزار گرم ہوا۔ عین معرکہ میں مدینہ سے قاصد پہنچا۔ لوگوں نے حال دریافت کیا تو اس نے آمد مدد کی خوشخبری سنائی۔ حضرت خالد کے پاس پہنچا تو آہستہ سے کچھ کہا اور مراسلہ دیا۔ اُنھوں نے مراسلہ کو بجنسہٖ ترکش میں رکھ لیا اور مصروفِ جنگ ہو گئے۔ ہنگامہ دار و گیر میں جذبِ حق کا کرشمہ دیکھو دورانِ کارزار میں رومیوں کا سردار جرجیہ ین تو ذرا میدان میں آیا اور للکار کر کہا:

خالد میرے سامنے آئیں۔

حضرت خالد نے حضرت ابوعبیدہ کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود آگے بڑھ کر دونوں لشکروں کے درمیان جرجہ سے ملے اوّل دونوں نے ایک دوسرے کو پناہ دی۔ بعد ازاں اس قدر مل کر کھڑے ہوتے کہ گھوڑوں کی کنوتیاں مل گئیں۔

جرجہ: "سچ کہنا، جھوٹ مت بولنا، آزاد مرد جھوٹ نہیں بولتے۔ دھوکا نہ دینا، فریب شرفا کا شیوہ نہیں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ خدا نے تمہارے نبی کے پاس آسمان سے تلوار بھیجی تھی وہ تم کو عطا ہوئی اور اس کا اثر ہے کہ تم ہر جگہ فتح یاب ہوتے ہو۔"

حضرت خالد: "نہیں!"

جرجہ: "پھر تمہارا لقب سیف اللہ کیوں ہے؟"

حضرت خالد: "اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے پاس بھیجا، انہوں نے اسلام ہمارے سامنے پیش کیا، اوّل ہم سب کے سب بھاگ کر کنارہ کش ہو گئے، پھر بعض نے تصدیق کر کے پیروی اختیار کی، بعض دُور دُور رہ کر جھٹلاتے رہے، میں اُن میں تھا جو تکذیب پر قایم تھے۔ اس کے بعد اللہ نے ہمارے قلب پھیر دئے، گردنیں جھکا دیں اور ہدایت بخشی۔ میں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کی، اُس وقت ارشاد ہوا:

انت سیفٌ من سیوف اللہ علی المشرکین۔ — اے خالد! تو خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جو مشرکین کے مقابلے کے لیے نیام سے نکلی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اب میں سب مسلمانوں سے زیادہ مشرکوں کا دشمن ہوں۔"

جرجہ: "تم نے سچ کہا، اب یہ بتاؤ کہ دعوتِ اسلام کیا ہے؟"

حضرت خالد: "اس امر کا اقرار کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور اس پیام کی تصدیق جو وہ خدا کی طرف سے لاتے۔"

جرجہ: "اگر اس کو کوئی نہ مانے؟"

حضرت خالد: "جزیہ دے۔"

جرجہ: "یہ بھی قبول نہ کرے؟"

حضرت خالد: "ہم اوّل اعلانِ جنگ کریں گے پھر لڑیں گے۔"

جرجہ: "جو تم میں شامل ہو اس کا مرتبہ؟"

حضرت خالد: "اللہ کا فرمان ہے کہ سب مسلمان درجہ میں برابر ہیں، اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، اوّل ہوں یا آخر۔"

جرجہ: "جو آج ایمان لائے وُہ بھی رتبہ میں مساوی ہوگا؟"

حضرت خالد: "برابر ہوگا بلکہ افضل۔"

جرجہ: "یہ کس طرح؟"

حضرت خالد: "ہم نے جب اسلام قبول کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے۔ نزولِ وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ احکامِ آسمانی کی خبر دیتے تھے ہم معجزات و تصرّفات کا مشاہدہ کرتے تھے اس صورت میں ہمارا مسلمان ہونا لازم تھا۔ آج تم اِن باتوں کو نہیں دیکھتے پھر بھی ایمان لاتے ہو تو تم ہم سے افضل ہو۔"

جرجہ: "تم قسم سے کہتے ہو کہ تم نے مجھ سے پورا سچ کہا، دھوکا نہیں دیا، تالیفِ قلب نہیں کی؟"

حضرت خالد: "واللہ نہ میں نے جھوٹ کہا نہ مجھ کو تم سے یا کسی سے نفرت ہے۔ جو تم نے پُوچھا اُس کا سچّا جواب مَیں نے دے دیا۔ اللہ میرا مددگار ہے۔"

جرجہ: "بے شک تم نے سچ کہا۔"

یہ کہہ کر اپنی ڈھال پسِ پشت ڈال دی اور کہا:

"مجھ کو اسلام کی تلقین کرو۔"

حضرت خالد اُس کو اپنے خیمے میں لے گئے، اوّل غسل دیا پھر تلقینِ اسلام کے بعد جرجہ کو مقتدی بنا کر دو رکعت نماز ادا کی۔ جرجہ کی یہ حالت دیکھ کر رومیوں نے عام ہلّہ کر دیا۔ پہلے حملہ میں مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے۔ حضرت عکرمہ اور حضرت حارث بن ہشام ثابت قدم رہے۔ جس وقت حضرت خالد جرجہ کو لے کر خیمے سے نکلے تو رومی مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے۔ حضرت خالد نے للکارا تو مسلمانوں نے دلیری سے حملہ کر کے دشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔ اب سیف اللہ نے ہلّہ کیا اور شمشیر آزمائی شروع ہوئی۔ چاشت سے دن ڈھلنے تک میدانِ جنگ یکساں گرم رہا۔ انتہا یہ کہ عصر کی نماز اشارہ سے ادا کی گئی۔ یہ عالم قابلِ دید تھا کہ وہ جرجہ جو صبح کو مسلمانوں کے دشمن تھے اب حضرت خالد کے پہلو بہ پہلو نشۂ ایمان میں سرشار رومیوں پر وار کر رہے تھے اور یہ قسمت کہ عین معرکہ میں سعادتِ شہادت سے کامیاب ہُوئے اور صرف وہ نماز ادا کر کے جو آغازِ اسلام کا نیاز تھی سُرخرو اپنے رب کے حضور میں پہنچے۔ رضی اللہ عنہ۔

شام کے قریب رومیوں کو لغزش ہوئی۔ یہ دیکھ کر حضرت خالد نے قلب کے دستے لے کر خود حملہ کیا اور پہلے ہلّہ میں دشمن کے پیادوں اور رسالوں کے درمیان گھس کر حدِّ فاصل بن گئے۔ اوّل رسالوں کو شکست ہُوئی اور میدان چھوڑ کر بھاگے۔ مسلمان اِس شکست سے خوش ہوئے لیکن اپنی جگہ پر قایم رہے۔ تعاقب نہیں کیا۔ سواروں کے بعد حضرت خالد نے پیدلوں پر دھاوا کیا۔ اُن کی جمعیت بھی متفرق ہُوئی اور خندق میں جا گھسی۔ مسلمان متعاقب پہنچے۔ پشت پر پہاڑ تھا۔ اس لیے رُومی گھِر گئے۔

اور ہزاروں تلوار کے گھاٹ اُتر گئے۔ حضرت خالد نے بڑھ کر روم کے سپہ سالار تذارق کے خیمے پر قبضہ کر لیا۔ نمازِ مغرب بعد فتح تنگ وقت پر ادا کی گئی۔ رومی شکست پا چکے تاہم متفرق لڑائی کا سلسلہ صبح تک جاری رہا۔ حضرت خالد کے گرد مسلمانوں کے رسالے تھے اور تذارق کے خیمہ گاہ سے وہ تمام شب فوج کو لڑاتے رہے شب کے وقت حضرت عکرمہ نے کہا کہ :

میں بہت سے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرتا رہا آج کیا میں رومیوں سے بھاگ جاؤں گا! کون ہے جو مجھ سے موت پر بیعت کرے۔

یہ سُن کر حضرت ضرار بن ازور نے مع چار سو مسلمانوں کے ان کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور حضرت خالد کے خیمے کے سامنے جم کر لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ باستثنائے معدودے چند سب کے سب شہید ہو گئے۔ صبح کو لوگ بحالت نزع حضرت عکرمہ اور ان کے بیٹے عمرو بن عکرمہ کو اٹھا کر حضرت خالد کے پاس لائے۔ انہوں نے حضرت عکرمہ کا سر اپنی ساق اور عمرو بن عکرمہ کا سر اپنی ران پر رکھا۔ چہرہ سے خاک صاف کرتے منہ میں پانی ٹپکاتے اور کہتے جاتے اس پر بھی ابن خثیمہ کا خیال ہے کہ ہم کو شہادت کی تمنا نہیں۔ اِسی حالت میں خدا کے دونوں برگزیدہ راہگرائے عالمِ بالا ہوئے۔ رضی اللہ عنہما

یہ واقعہ سننے کے قابل ہے کہ اس لڑائی میں مسلمان بیبیاں بھی شریک تھیں اور اپنے دستے جداگانہ قائم کر کے سرگرمِ قتال ہوئیں۔ جویریہ بنت ابی سفیان کے دستے نے سب سے زیادہ کارِ نمایاں کیا۔ تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ صبح ہوتے ہوتے میدان رومیوں سے صاف ہو گیا۔ آفتاب طلوع ہُوا تو اُس نے اسلامی پرچم دریائے یرموک پر لہراتا دیکھا۔ یہ فتح بہت مہتم بالشان تھی اس کی وجہ سے مسلمانوں کا سکہ رومیوں کے دل پر بیٹھ گیا اور فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ اِس معرکے کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ رومیوں نے آغاز کار میں ایک عرب جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ ایک دن ایک رات وہ حالت جانچتا رہا۔ واپس گیا تو کہا :

باللیل رھبانٌ و بالیوم فرسانٌ لو سرق ابن ملکھم قطعوا یدہ ولو زنی رجم لاقامۃ الحق فیھم۔	وُہ لوگ رات میں درویش ہیں۔ دن میں شہسوار حق پرستی کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ جائے۔ زنا کرے تو سنگسار کر دیا جائے۔

اب ہم کو یہ بتا دینا چاہیے کہ جو قاصد اثنائے جنگ میں مدینہ سے آیا تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کی رحلت کی خبر لے کر پہنچا تھا۔ جو مراسلہ اُس نے دیا تھا وہ حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کا تھا۔ اُس میں حضرت خالد کی معزولی اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی سپہ سالاری کا حکم درج تھا۔

مرض الموت ۔ وفات

ساتویں جمادی الآخر ۱۳ھ کو ہوا سرد تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے غسل کیا۔ سردی کے اثر سے بخار ہو گیا۔ یہی بخار انجام کار مرضِ وفات ثابت ہُوا پندرہ روز علیل رہے۔ علالت روز بروز بڑھتی گئی۔ جب مسجد تک آنے کی قوت نہ رہی تو حضرت عمرؓ کو امامت پر مقرر کیا۔ شدتِ مرض کی حالت میں بعض آدمیوں

نے کہا کہ طبیب طلب کر لیا جاتے۔ جواب دیا کہ طبیب دیکھ چکا۔ پوچھا، کیا کہا؟
فرمایا، اس کا قول ہے:

إِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ — میں جو ارادہ کر لیتا ہوں کر ڈالتا ہوں۔

مدعا سمجھ کر لوگ چپ ہو رہے۔ ایامِ علالت اُس گھر میں بسر کیے جو مسجدِ نبویؐ کے قریب حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ تھا حضرت عثمانؓ پڑوس میں تھے اس لیے اکثر حاضر باش رہے۔ سختیِ مرض زیادہ بڑھی تو حضرت ابوبکرؓ کو اپنے جانشین کی فکر ہوئی۔ اور چاہا کہ مسلمانوں کو اختلاف سے بچانے کے لیے اپنا جانشین نامزد کر دیں، اوّل خود سوچا پھر اکابرِ صحابہ سے مشورہ کیا۔ اور بعد مشورت حضرت عمرؓ کی نسبت رائے قایم کی۔ بعض صحابہ نے جن کو حضرت عمرؓ کی سختی کا اندیشہ تھا اپنا یہ خیال مشورہ کے وقت ظاہر کیا تو جواب دیا کہ عمر کی سختی اُس وجہ سے تھی کہ وہ میری نرمی سے واقف تھے۔ میرا تجربہ ہے کہ جب میں غصہ میں ہوتا تو وہ غصہ فرو کرنے کی کوشش کرتے۔ نرمی دیکھتے تو سختی کا مشورہ دیتے۔ بعد مشورہ جب رائے پختہ ہو گئی تو ایک روز حضرت ابوبکرؓ بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ شدتِ ضُعف کی وجہ سے کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی۔ اُن کی بی بی حضرت اسماؑ بنت عمیس دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے تھیں نیچے آدمی جمع تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو مخاطب کرکے کہا،

اترضون ممن استخلف علیکم فانّی واللہ ما آلوت من جھد الرائ ولا ولیت ذاقرابۃٍ و انّی قد استخلفت عمر بن الخطاب فاسمعوا واطیعوا۔	آیا تم اُس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں ولی عہد مقرر کروں اس کو خوب سمجھ لو اور میں بالقسم کہتا ہوں کہ میں نے غور اور فکر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور میں نے اپنے کسی قرابت دار کو تجویز نہیں کیا۔ میں عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ تم میرا کہنا سُنو اور مانو۔

سب نے کہا،

سمعنا واطعنا۔ — ہم نے سنا اور مانا۔

اس کے بعد نیچے اُتر آئے اور حضرت عثمانؓ کو طلب کر کے کہا: عہد نامہ لکھو۔ چنانچہ حسب ذیل عہد نامہ لکھا گیا،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ھذا ما عھد ابابکر بن ابی قحافۃ فی آخر عھدہ بالدنیا خارجاً منھا و عند اول عھدہٖ بالآخرۃ داخلاً فیھا حیث یومن الکافر و یوقن الفاجر و یصدق الکاذب انی استخلفت علیکم بعدی عمر بن الخطاب	یہ عہد نامہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی آخر زندگی کا ہے جبکہ وہ دنیا سے سفر کر رہا ہے اور عالمِ آخرت کے داخلہ کی پہلی ساعت ہے جہاں کافر مومن، بدعقیدہ، عقیدت مند اور جھوٹا صداقت شعار ہو جاتا ہے۔ میں نے عمر ابن الخطاب کو اپنا ولیعہد کیا لہٰذا ان کا حکم سُنو اور مانو

فاسمعوا له واطیعوا و انی لم ال الله ورسوله ودینه ونفسی وایاکم الاخیرا فان عدل فذالك ظنی به وعلمی فیه و ان بدل فلکل امرء ما اکتسب والخیر اردت ولا اعلم الغیب وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون والسلامُ علیکم ورحمة الله وبرکاتهٗ۔

خوب سمجھ لو کہ اس بارہ میں خدا، اس کے رسول، اس کے دین کی خود اپنی اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کرنے کی میں نے پوری کوشش کی ہے۔ اگر وہ عدل کریں گے تو ان کی نسبت میرا یہی خیال اور علم ہے۔ اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے عمل کا پھل پائے گا۔ نیت میری بخیر ہے غیب کا علم نہیں جو لوگ ظلم کریں گے وہ جلد دیکھ لیں گے کہ وہ کس پہلو پر پلٹا کھائیں گے اور تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں۔

اِس عہد نامہ کی تحریر و تشہیر کے بعد ایک شخص نے آ کر حضرت ابو بکر سے کہا کہ تم نے عمرؓ کو ولیعہد مقرر کیا ہے حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ وہ لوگوں سے تمہارے سامنے کیسا برتاؤ کرتے تھے۔ اُس وقت کیا ہو گا جب وہ تنہا رہ جائیں گے۔ تم اپنے رب کے پاس جا رہے ہو۔ تم سے رعیت کی بابت سوال کرے گا۔ حضرت صدیقؓ اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ یہ کلام سُن کر کہا، مجھ کو بٹھا دو۔ بیٹھ گئے تو کہا،

اما الله تخوفنی اذا لقیت قلت استخلفت علیٰ اهلك خیر اهلك۔

کیا مجھ کو خدا سے ڈراتے ہو۔ میں جس وقت اللہ کے سامنے جاؤں گا تو کہوں گا کہ میں تیری اُمت سے بہتر بندہ کو اپنا جانشین مقرر کر آیا ہوں۔

اِس کے بعد حضرت عمرؓ کو تخلیہ میں طلب کیا اور جو سمجھانا تھا وہ سمجھایا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر دُعا کی:

اللهم انی لم ارد بذالك الا اصلاحهم وخفت علیهم الفتنة فعملت فیهم بما انت اعلم به واجتهدت لهم رأیا ولیت علیهم خیرهم واقویهم واحرصهم علیٰ ما ارشدهم وقد حضرنی من امرك ما حضر فاخلفنی فیهم فهم عبادك ونواصیهم بیدك اصلح الیهم ولا تهم واجعله من خلفائك الراشدین واصلح له رعیتهٗ۔

اے اللہ! میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے ارادے سے کیا ہے اور اس اندیشہ سے کہ ان میں فساد نہ ہو۔ میں نے وہ عمل کیا ہے جس کو تو بہتر جانتا ہے۔ میں نے خوب غور و فکر کے بعد رائے قایم کی ہے بہترین اور قوی ترین شخص کو اپنا ولی عہد کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہشمند ہے۔ میرے لیے تو کُوچ کا حکم آ چکا۔ اب میں ان کو تیرے سپرد کرتا ہوں وہ تیرے بندے ہیں اور ان کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے اے اللہ ان کے حاکموں کو صلاحیت دے اور ولی عہد کو خلفائے راشدین کے زمرے سے کر اور اس کی رعیت کو صلاحیت بخش۔

یہ اوپر بیان ہو چکا کہ روانگیٔ شام کے وقت حضرت خالد عراق کی امارت مثنیٰ بن حارثہ کے سپرد کر گئے تھے۔ اُن کی روانگی کے بعد اُدھر کسریٰ نے تازہ دم فوجیں بھیجیں اِدھر حضرت ابوبکرؓ کی علالت کے سبب مدینہ سے مراسلت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حضرت مثنیٰ نے متردّد ہو کر بشیر کو اپنا نائب کیا اور خود مدینہ آپہنچے۔ جس دن وُہ پہنچے حضرت ابوبکرؓ کی حیات کا آخری دن تھا تاہم حالات مفصل سنے اور خطرہ کا اندازہ کر کے حضرت عمرؓ کو بلایا اور کہا کہ جو میں کہتا ہوں اسے کو سُنو اور اس پر عمل کرو، مجھ کو توقع ہے کہ آج میری زندگی ختم ہو جائے گی۔ دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے اور رات میں نکلے تو صبح ہوتے ہوتے مسلمانوں کو ترغیب دے کر مثنیٰ کی مدد پر آمادہ کرنا۔ کسی مصیبت کی وجہ سے تم کو دین کی خدمت اور حکمِ ربانی کی تعمیل سے نہ رُکنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھ کر کون سی مصیبت ہو سکتی ہے، تم نے دیکھا ہے کہ اس روز میں نے کیا کیا تھا۔ قسم ہے رب کی اگر میں اس روز حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا اور مدینہ میں آگ بھڑک اُٹھتی۔ اگر خدا تعالیٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالد کے لشکر کو عراق بھیج دینا اس لیے کہ وہ کار آزمودہ اور وہاں کے حالات سے واقف ہے۔ ایک روز دورانِ مرض میں دریافت کیا کہ مجھ کو بیت المال سے کُل وظیفہ اب تک کس قدر ملا ہے۔ حساب کیا گیا تو چھ ہزار درہم ہوئے (پندرہ سو روپیہ تخمیناً) ہدایت کی کہ میری فلاں زمین فروخت کر کے بیت المال کا روپیہ واپس دے دیا جائے۔ چنانچہ وہ زمین بیچ کر روپیہ واپس دے دیا گیا۔ یہ بھی تحقیقات کی کہ بیعت کے بعد میرے مال میں کیا اضافہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ ایک حبشی غلام ہے جو بچوں کو کھلاتا ہے اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے۔ ایک اونٹنی ہے جس پر پانی آتا ہے اور ایک سوا روپیہ کی چادر۔ وصیت کی کہ وفات کے بعد یہ سب چیزیں خلیفۂ وقت کے پاس پہنچا دی جائیں۔ رحلت کے بعد جب یہ چیزیں حضرت فاروقؓ کے سامنے آئیں تو روئے اور کہا :

اے ابوبکرؓ! تم اپنے جانشینوں کے واسطے کام بہت دشوار کر گئے۔

قریبِ وفات حضرت عائشہؓ سے پُوچھا :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے پارچہ کا کفن دیا گیا تھا ؟

کہا : تین پارچہ کا۔

وصیت کی کہ میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں، دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھو لی جائیں، ایک کپڑا نیا لے لیا جائے۔

اُمّ المومنینؓ نے کہا کہ ابا جان! ہم تنگدست نہیں کہ نیا کپڑا نہ خرید سکیں۔

جواب میں فرمایا کہ جانِ پدر! نئے کپڑے بمقابلہ مُردوں کے زندوں کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ کفن تو پیپ لہو کے واسطے ہے۔

انتقال کے روز دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس روز رحلت کی تھی ؟

لوگوں نے کہا : دوشنبہ کو۔

سُن کر کہا مجھ کو اُمید ہے میری موت بھی آج ہی ہو۔
وصیت کی کہ میری قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس بنائی جائے۔ عین سکرات کے وقت جبکہ دم سینہ میں تھا حضرت عائشہؓ نے حسرت سے یہ شعر پڑھا ؎

وابیض تستقی الغمام بوجہہ
ربیع الیتٰمیٰ عصمۃٌ للارامل

(وہ نورانی صورت جس کے چہرہ کی تازگی سے بادل سیراب ہو، یتیموں پر شفیق، بیواؤں کی پناہ ہے)

آنکھیں کھول دیں اور کہا:

یہ شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

آخر کلام یہ تھا:

رب توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ اے رب! تُو مجھ کو مسلمان اُٹھا اور صالحوں سے ملا۔

۲۲۔ جمادی الآخر ۱۳ھ دوشنبہ کا دن گزرنے پر عشأ و مغرب کے درمیان وفات پائی۔ نماز جنازہ کی امامت حضرت عمرؓ نے کی اور اسی شب کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب اس طرح دفن کئے گئے کہ ان کا سر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ کے برابر رہا۔ رضی اللہ عنہ۔ عمر ۶۳ سال کی تھی۔ ایامِ خلافت دو برس تین مہینے گیارہ دن۔

ذاتی حالات قبولِ اسلام کے وقت مالی سرمایہ چالیس ہزار درہم تھا۔ تجارت ذریعۂ معاش تھی۔ اس سرمایہ کو خدمتِ اسلام میں صَرف کرتے رہے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ کو چلے تو پانچھزار درہم باقی تھے، سب ساتھ لے آئے اور مدینہ میں تجارت اور مالی خدمتِ اسلام کا شغل جاری رہا۔ وفات کے وقت نقد ایک حبہ نہ تھا۔ خلافت کے بعد بھی شغلِ تجارت قائم رہا۔ روزانہ چادریں اپنے کندھے پر لاد کر بازار کو لے جاتے اور خرید و فروخت کرتے۔ چھ مہینے تک یہی عمل رہا۔ جب مشاغلِ خلافت بڑھے اور فرصت مفقود ہوئی تو صحابہ کو جمع کیا اور کہا کہ خلافت کے کاروبار اب تجارت کی مہلت نہیں دیتے اور میں اہل و عیال کی پرورش کا سامان مہیا نہیں کر سکتا۔ یہ سُن کر صحابہ کرامؓ نے ان کے مصارف خزانہ سے مقرر کر دئے۔ بعد غور معیارِ مصارف مدینہ کے ایک مہاجر کا خرچ رکھا گیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ مقدار وظیفہ کی کیا تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ آدھی بکری کا گوشت روزانہ، معمولی لباس۔ شرط یہ تھی کہ پُرانا لباس بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ بعض نے نقد وظیفہ کا تقرر لکھا ہے۔ نقدی کی مقدار باختلافِ روایت ڈھائی ہزار درہم سالانہ سے چھ ہزار درہم تک بتائی گئی ہے۔ میں کم و بیش ڈھائی ہزار کو ترجیح دیتا ہوں۔ وجہ یہ کہ وفات کے وقت جو حساب وظیفہ کا کیا گیا اُس کے بموجب کچھ اُوپر سوا دو سال کا وظیفہ چھ ہزار درہم ہوا۔

خلافت سے پہلے سُنح میں رہتے تھے۔ وہیں اُن کی بی بی حضرت حبیبہ خارجہ انصاریہ کی سکونت تھی۔ ایک کمل کا حجرہ

(چھوٹا خیمہ یا راؤٹی) مکان کی بساط صرف اسی قدر تھی۔ چھ مہینے تک، زمانۂ خلافت میں بھی اُسی میں قیام رہا۔ جس روز وہاں جانے کی باری ہوتی، جاتے۔ اکثر پیدل کبھی اپنے ذاتی گھوڑے پر، عشا کے بعد جاتے صبح کو واپس آ جاتے۔ خلافت سے پہلے محلّہ کی لڑکیاں اُن کے پاس بکریاں لاتیں اور وہ دُودھ دوہ دیتے۔ جب خلیفہ ہو کر محلّے میں گئے تو لڑکیوں نے دیکھ کر کہا اب یہ دُودھ نہیں دوہیں گے۔ سُن کر کہا، ضرور دوہوں گا۔ مجھ کو خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ اس منصب سے میری کسی عادت میں فرق نہیں آئے گا۔ چنانچہ جب محلہ میں آتے تو دریافت کرتے: دُودھ دوہ دُوں یا بکریاں چرا لاؤں۔ جیسا لڑکیاں کہہ دیتیں اس کے مطابق تعمیل کرتے۔ خود اُن کی بکریاں بھی تھیں۔ کبھی کبھی اُن کو بھی لیجا کر چَراتے۔ شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب محلّے میں نکلتے تو بچے بابا بابا کہہ کر دوڑتے اور آ کر لپٹ جاتے۔ جمعہ کے دن صبح کو سُنح میں ٹھہر کر سر اور داڑھی میں سُرخ خضاب لگاتے، غسل کرتے، کپڑے بدل کر مدینہ آتے اور نمازِ جمعہ پڑھاتے۔ چھ مہینے کے بعد سُنح کی سکونت ترک کر کے مدینہ کے مکان میں متصل مسجدِ نبویؐ سکونت اختیار کی۔ اُن بزرگوں کی روزانہ زندگی کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے:

ایک روز حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کر کے دریافت فرمایا:

"آج تم میں سے روزہ کس نے رکھا؟"

حضرت ابوبکرؓ: "میں نے۔"

"جنازہ کے ساتھ کون گیا؟"

حضرت ابوبکرؓ: "میں۔"

"محتاج کو کھانا کس نے کھلایا؟"

حضرت ابوبکرؓ: "میں نے۔"

"بیمار کی عیادت کس نے کی؟"

حضرت ابوبکرؓ: "میں نے۔"

سُن کر ارشاد فرمایا: "یہ اوصاف جس میں جمع ہوں گے وہ جنّتی ہے۔"

مدینہ کے کنارہ پر ایک بُڑھیا اندھی محتاج رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ اُس کے یہاں اس ارادہ سے جاتے کہ کچھ خدمت کریں۔ مگر جب پہنچتے تو معلوم ہوتا کہ کوئی آدمی اُن سے پہلے آ کر خدمت کر گیا۔ ایک روز دروازے میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ وقت مقررہ پر وہ شخص آیا۔ دیکھا تو حضرت ابوبکرؓ تھے۔ یہ خلافت کا زمانہ تھا۔ مقررہ وظیفہ کے خرچ میں کس قدر احتیاط تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے:

ایک روز ان کی بی بی نے شیرینی کی فرمائش کی۔ جواب دیا: میرے پاس کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں خرچ روزمرہ میں سے کچھ دام بچا کر جمع کر لُوں۔ فرمایا: جمع کر لو۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو دیئے کہ شیرینی لا دو۔ پیسے لے کر کہا، معلوم ہوا کہ یہ خرچ ضروری سے زیادہ ہیں، لہذا بیت المال کا حق ہیں۔ چنانچہ وہ پیسے خزانہ میں

جمع کرا دیے اور اُسی قدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔ مُنہ پر کوئی تعریف کرتا تو کہتے:

اے اللہ! تو میرا حال مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ اور تعریف کرنے والوں سے میں اپنا حال بہتر جانتا ہوں۔ جو ان کا گمان میری نسبت ہے اس سے اچھا مجھ کو کر دے اور میرے وہ گناہ بخش دے جن کو یہ نہیں جانتے۔ اور جو یہ کہتے ہیں اس کا مواخذہ مجھ سے مت کیجیو۔

اپنا سب کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ دُوسروں سے کام لینے سے سخت احتراز تھا۔ انتہا یہ کہ اُونٹ کی نکیل ہاتھ سے گر پڑتی تو خود اُتر کر نکیل اٹھاتے۔ ایک بار لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سے کیوں نہیں کہتے؟ جواب دیا کہ:

ان حبیبی صلی اللہ علیہ وسلم امرنی ان لا اسئل الناس شیئاً۔	میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھ کو حکم ہے کہ انسان سے میں کچھ نہ مانگوں۔

حلیہ شریف

رجل ابیض نحیف خفیف احنی لا یستمسك اذارہ یسترخی عن حقوتیہ معروق الوجہ غائر العینین ناتی الجبھۃ عاری الاشاجع حسن القامۃ۔	گورے پتلے دُبلے پتلے آدمی تھے، کمر جھکی ہوئی تھی، تہہ کمر پر نہیں رک سکتا تھا نیچے کو کھسک جاتا تھا، چہرہ سُتا ہوا، آنکھیں بیٹھی ہوئیں، پیشانی بلند، انگلیوں کے جوڑ گوشت سے خالی، قد موزوں۔

امام زہری کا قول ہے کہ بال گھونگر والے تھے، آواز دردناک تھی۔ بات بہت کم کرتے تھے۔ جو کہتے سنجیدہ کہتے۔ اندازِ کلام ذوق و محویت کی شان لیے ہوئے تھا۔ قلب نہایت رقیق و نرم تھا۔ اسی لیے اوّاہ لقب تھا۔ سخی، باوقار، حلیم و شجاع تھے۔ رائے نہایت سدید و صائب تھی۔ اس کا جوہر وہ نورِ ایمانی تھا جس کا نام اصطلاحِ شرع میں فراستِ مومن ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفأ میں لکھتے ہیں:

> (خلاصۃً) حضرت ابوبکرؓ علمِ کتاب و سنّت میں مثل دیگر علمائے صحابہؓ تھے، جس صفت میں سب سے ممتاز تھے وُہ یہ تھی کہ جب کوئی مشکل مسئلہ یا مشورہ پیش آتا وُہ اپنی فراست کو اس پر غور کرنے میں صرف کرتے۔ خداوند تعالیٰ غیب سے ایک شعاع اُن کے دل پر ڈالتا جس سے حقیقتِ حال روشن ہو جاتی۔ اِس شعاع کا ظہور لطیفۂ قلبیہ سے ہوتا۔ لہٰذا حقیقتِ حال بصورتِ عزیمت ظاہر ہوتی، نہ برنگِ تخیل۔"

اصولِ حکومت بنیادِ حکومت قرآن و حدیث تھی۔ جب کوئی معاملہ پیش آتا اوّل قرآن کی طرف رجوع کرتے۔ اگر کلامِ مجید میں نہ ملتا حدیث کی طرف توجہ کرتے۔ اگر خود حدیث نہ معلوم ہوتی مجمع میں آکر دریافت کرتے

کہ فلاں معاملہ میں کسی کو حدیث یاد ہے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ بہت سے آدمیوں کو حدیث معلوم ہوتی اس پر شکر کرتے کہ میری مدد کے واسطے اس قدر سنتِ رسولؐ کے جاننے والے موجود ہیں۔ جب حدیث بھی نہ ملتی تو صحابہؓ میں جو اہل الرائے اور منتخب بزرگ تھے اُن کو جمع کر کے مشورہ کرتے جس رائے پر اجماع ہو جاتا اُسی پر کاربند ہوتے۔ اسلام نے جو مساوات کی رُوح پھونکی تھی اُس کو آخر عہد تک نہایت اہتمام سے قایم رکھنے کی کوشش کی۔ بیت المال کی آمدنی مساوی طور پر تقسیم کی جاتی تھی، اُس میں جوان، بُوڑھے، مرد یا عورت کا کچھ امتیاز نہ تھا۔ اُن کا قول تھا:

لا یحقرن احدکم احداً من المسلمین	تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھے اس لیے
فان صغیر المسلمین عند اللہ اکبر۔	کہ چھوٹا سا مسلمان (بھی) اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔

ایک مرتبہ مجمع میں بیٹھے تھے ایک شخص نے آ کر کہا:

"السلام علیکم یا خلیفۃ رسولؐ اللہ!"

سُن کر کہا:

"تمام مجمع میں خصوصیت کے ساتھ مجھ کو سلام کیوں کیا؟"

خلافت کے بعد جب اوّل مرتبہ ادائے عُمرہ کے واسطے مکّہ گئے تو لوگ ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے سب کو علٰحدہ کر دیا اور کہا اپنی اپنی راہ چلو۔ شانِ تکبر سے ہمیشہ احتراز رکھا۔

ایک مرتبہ ایک فاتح امیر نے نامۂ فتح کے ساتھ دشمن کا سر بھیجا تو بہت ناخوش ہُوئے۔ لانے والے نے عذر کیا کہ ہمارے دشمنوں کا یہی طرزِ عمل ہے۔

فرمایا کہ ہم روم و فارس کے مقلد نہیں۔

اس کے بعد عام ہدایت کی کہ آیندہ صرف فتح کی خبر بھیجی جائے دشمن کا سر نہ بھیجا جائے۔ عُمّال کی بابت یہ اصول تھا کہ جو عامل حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تھے وہ بدستور قایم و برقرار رہے۔ سادگی اسلام کو ہمیشہ اپنا شعار رکھا۔ اُس سادگی و وقار پر ہزار تکلف اور شان و شوکت نثار تھے۔ اہلِ ارتداد کے مقابلے سے جب اسلام کے لشکر لوٹے تو اُن کے ہمراہ ذوالکلاع حمیری بھی یمن سے آئے یہ اس شاہی خاندانِ حمیر کی یادگار تھے جو مدتوں یمن پر جاہ و جلال کے ساتھ فرمانروا رہ چکا تھا۔ شاہی خاندان کے دورِ آخر کے تکلفات و ناز و نعمت کا پُورا جلوہ ذوالکلاع میں نظر آتا تھا۔ سر پر جواہر نگار تاج تھا، بدن میں زرّیں پوشاک، طلائی پیٹی کمر میں، ہمراہی بھی زرق برق لباس میں تھے۔ مدینہ آ کر خلیفہ کو دیکھا تو گیروا چادریں ایک باندھے ایک اوڑھے، اسلامی وقار و تمکین کا رفتہ رفتہ یہ اثر ہُوا کہ ذوالکلاع نے لباسِ شاہی چھوڑ کر دلق درویشی اختیار کر لی۔

ایک روز مدینہ کے بازار میں نکلے تو کمر سے چمڑے کی معمولی پیٹی بندھی تھی، ایک ہمراہی نے دیکھ کر حسرت سے کہا کہ یہ کیا شکل بنا لی؟ جواب دیا کہ اسلامی اثر سے لایعنی تکلفات بے لطف ہو گئے۔

عُمّال وکاتب

حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح خزانہ کے مہتمم تھے اور جزیہ کی آمدنی کا حساب اُن کے سپرد تھا۔ بیعت کے بعد اُنھوں نے کہا کہ مال کا کام خلیفہ کی طرف سے میں انجام دوں گا۔ خزانہ جب تک حضرت ابوبکرؓ سُنح میں رہے وہاں رہا، قفل پڑا رہتا تھا، پہرہ نہ تھا، لوگوں نے کہا کہ پہرہ رکھئے۔ تو جواب دیا: قفل کافی ہے۔ جب مدینہ کی سکونت اختیار کی تو خزانہ مدینہ چلا آیا۔

قاضی حضرت عمرؓ تھے۔ اُس عہد کی صفائیِ معاملات کا یہ عالم تھا کہ ایک سال تک ایک مدعی بھی حضرت عمرؓ کے سامنے نہ آیا۔ کاتب حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت عثمانؓ تھے۔ معمولی خط و کتابت کا کام جو حاضر ہوتا اُس سے لے لیا جاتا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُس زمانے میں اِن خدمات کا معاوضہ لینا سخت بُرا سمجھا جاتا تھا۔ جو کام کرتے محض حسبۃً للہ۔

عُمّال

مقامِ حکومت	نام عامل	مقامِ حکومت	نام عامل
مکہ (حجاز)	عتاب بن اُسید	طائف (حجاز)	عثمان بن ابی العاص
صنعاءُ (یمن)	مہاجر	حضرموت (یمن)	زیاد بن لبید انصاری
خولان "	یعلیٰ بن منبہ	زبید و زمع "	حضرت ابوموسیٰ اشعری
جند "	حضرت معاذ بن جبل	بحرین "	علأ حضرمی
نجران "	جریر بن عبداللہ	دومۃ الجندل (عراق)	عیاض بن الغنم
عراق	مثنیٰ بن حارثہ	ثور (بلاد مزینہ)	جرش

علمی کمالات و علمی خدمات

قرآن: قرآن شریف بطور وحی تیئیس برس تک تھوڑا تھوڑا حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ بہت سے صحابہ کرامؓ ایسے تھے جن کو کلام مجید پورا حفظ تھا۔ نہایت کثرت سے ایسے جن کو مختلف حصے یاد تھے جب وحی نازل ہوتی تھی تو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کاتبانِ وحی میں سے کسی کو طلب فرماتے اور لکھوا دیتے۔ حضرت زید بن ثابت کو یہ سعادت اکثر حاصل ہوتی۔ کاغذ نایاب تھا اس لیے علاوہ کاغذ کے وحی چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کی چھال، بکری کے شانہ کی ہڈی، سپید پتھر کے ٹکڑوں پر بھی لکھی جاتی اور یہ لکھے ہوئے اجزا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس محفوظ رہتے۔ ؏

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

یمامہ کے پُرشر معرکہ سے یہ نتیجہ خیز نکلا کہ کلامِ مجید ایک جگہ تحریر ہو کر بشکل کتاب محفوظ ہو گیا۔ اُوپر سُن چکے ہو کہ معرکہ مذکور

میں کس کثرت سے مہاجرین و انصار شہید ہوئے ان میں کثرت سے ایسے تھے جو کُل یا جزء قرآن کے حافظ (قراء) تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ مسلمانوں کو ابھی بہت سے معرکے سر کرنے ہیں۔ اگر ہر معرکے میں اسی کثرت سے حافظ شہید ہوئے تو قرآن کا خدا حافظ ہے۔ آپ حکم دیجئے کہ کلام مجید ایک جگہ ضبط تحریر میں آجاوے۔ اوّل حضرت صدیقؓ نے اس بنیاد پر تامل کیا کہ جو فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا کس طرح کریں۔ مگر بحث کے بعد حضرت ابوبکرؓ پر منکشف ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کی رائے صحیح ہے۔ حضرت زید بن ثابت کو طلب کر کے اوّل اپنی اور حضرت عمرؓ کی گفتگو کا اعادہ کیا۔ پھر کہا تم جوان ذی ہوش ہو کوئی الزام تم پر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وحی لکھا بھی کرتے تھے۔ لہٰذا تم کلام مجید لکھ کر ایک جگہ جمع کر دو۔ اوّل حضرت زید بن ثابت کو بھی وہی تامل ہوا جو حضرت صدیقؓ کو ہوا تھا۔ لیکن مباحثہ کے بعد اطمینان ہو گیا اور انہوں نے خدمت قبول کی۔ حضرت زیدؓ کا مقولہ ہے کہ :

اگر پہاڑ کو اٹھا کر ایک جگہ سے دُوسری جگہ رکھ دینا میرے سپرد کیا جاتا تو وہ آسان ہوتا بمقابلہ اس کے جمع قرآن کا بوجھ میرے سر پر رکھا گیا۔

اِس سے اُس احساس کا اندازہ ہو سکتا ہے جو حضرت زید بن ثابت کو خدمتِ مفوضہ کی ذمہ داری کا تھا۔ کاشانۂ نبوت سے تحریر شدہ اجزاء برآمد کیے گئے۔ مزید احتیاط و غایت اہتمام صحت کے لحاظ سے حضرت زید بن ثابت اُن اجزاء کا مقابلہ بار بار اُن صحابہ سے کرتے جن کو کل یا جزء کلام مجید یاد تھا۔ اور جب کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہتا تب کاغذ پر نقل کرتے۔ غرض اسی جانفشانی و تحقیق کے ساتھ حضرت زید بن ثابت نے تمام کلام مجید کاغذ پر لکھ کر ایک جگہ جمع کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کا نام "مصحف" رکھا۔ یہ نسخۂ خاص حضرت ابوبکرؓ کی تحویل میں رہا۔ حضرت ابوبکرؓ خود بھی حافظ قرآن تھے اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کاتبانِ وحی کے زُمرہ میں شامل۔ لکھنا اُس زمانہ میں اِس قدر کم یاب تھا کہ قریش کے اتنے بڑے قبیلے میں بقول علامہ بلاذری آغازِ اسلام میں صرف سترہ آدمیوں کو لکھنا آتا تھا۔ زمانۂ خلافت میں جو اشکال معانی کلام مجید کے متعلق پیش آیا اُس کو حل کیا۔

حدیث : متعدد احادیث ایسی ہیں جو حضرت ابوبکرؓ کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوئیں۔ اس طرح وُہ ان کے عالمِ وجود میں آنے کے باعث ہُوئے۔ ایک سو بیالیس حدیثیں بہ روایت حضرت صدیقؓ مروی ہیں۔ ان کو امام سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ قلتِ روایت کے اسباب شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ لکھے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت کم زندہ رہے، وہ تھوڑا زمانہ بھی اور قسم کی مہمات کے طے کرنے میں گزر گیا۔ اُن کے معاصر قریباً سب صحابہؓ تھے۔ جو خود عالمِ حدیث و روایتِ حدیث سے مستغنی تھے۔ تابعین بہت ہی کم تھے۔ واقعات بھی زیادہ پیش نہیں آئے۔ باوجود قلتِ روایت کے اُمہاتِ مسائل میں حضرت ابوبکرؓ کی روایتیں سند ہیں۔ مثلاً طریقۂ نماز حضرت ابوبکر سے ابنِ زبیر نے حاصل کیا۔ اُن سے امام عطا نے، ان سے ابن الجریج نے۔ ابن الجریج کی نسبت یہ قول ہے کہ اُن کے زمانہ میں ان سے بہتر نماز کا ادا کرنے والا نہ تھا۔ اہلِ مکہ ادائے نماز میں طریقۂ صدیقیہ کے پابند تھے۔ زکوٰۃ کی مقادیر کی بابت سب سے زیادہ مستند

روایت حضرت صدیق رضؓ کی ہے۔

فقہ : فقہ کے متعلق اجتہاد کا قاعدہ مقرر کیا جو سارے مجتہدوں کا دستور العمل بن گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ :

"وے رضی اللہ عنہ، شیخ واستاد جمیع مجتہدین شد بوضع ایں قاعدہ"

فقہ کے جو مشکل مسائل پیش آئے ان کو حل کیا۔ مثلاً میراث جدہ، میراث جد، تفسیر کلالہ، حدِ شرب خمر، مہم شام کی روانگی کے وقت جو احکام اُمرائے لشکر کو دئے وُہ صدیوں تک اُمرائے اسلام کا دستور العمل رہے۔

تعبیر رؤیا : یہ بھی ایک علمِ الٰہی ہے جس کا ادراک جدید روشنی میں مشکل ہے۔ وجہ یہ کہ جو لوگ نہیں سمجھتے یا نہیں سمجھا سکتے وہ نور وصفائی باطن سے محروم ہیں جس کی ضرورت اِس فن کے لیے ہے بہرحال فنِ تعبیر کے امام ابنِ سیرین کا قول ہے :

کان ابوبکر اعبر ہذہ الامۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں ابوبکر فنِ تعبیر میں سب سے زیادہ ماہر تھے۔

تصوف : سب سے اوّل تصفیہ وتزکیۂ باطن کے واسطے کلمۂ طیّبہ کا طریقہ ذکر حضرت ابوبکرؓ نے تلقین کیا۔ حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ توحید میں بزرگ ترکلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ مقولہ ہے :

سبحان من لم یجعل لخلقہ سبیلا الا بالعجز۔	پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کے لیے سوائے عجز کے کوئی رستہ نہیں بنایا۔

کشف المحجوب میں ہے طریقۂ تصوف کے امام ابوبکرؓ ہیں انقطاع عن الاغیار جو جانِ تصوف ہے اُن کے اس خطبے سے عیاں ہے :

اِلاَّ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا۔ الخ

محبتِ دنیا سے پاک وصاف ہونے کا شاہد غزوۂ تبوک کا وہ واقعہ ہے :

ما خلقت لعیالک، قال اللہ ورسولہٗ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا : اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑ آئے ؟ کہا : اللہ اور اس کا رسول۔

شاہ ولی اللہؒ نے تصوّفِ صدیقی کے ذیل میں حضرت صدّیقِ اکبرؓ کے اُن تمام اوصاف کی تفصیل کی ہے جو اساسِ تصوّف ہیں۔ مثلاً :

توکل، احتیاط، تواضع، خدا کی مخلوق پر شفقت، رضا، خوفِ الٰہی۔

جو صاحب شایقِ تفصیل ہوں ازالۃ الخفاء دیکھیں۔ ہم مضمون کے عام فہم نہ ہونے کے سبب زیادہ تفصیل سے نہیں لکھتے۔ صرف خوفِ الٰہی کی ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز درخت پر ایک چڑیا دیکھی تو حسرت سے کہا :

طوبٰی لک یا طیر تاکل من شجرۃ و تستظل من شجرۃ و تصیر الی غیر	اے پرندے! خوشحال ہے تُو پھل کھاتا ہے۔ درخت کے سایہ میں بسر کرتا ہے۔ حساب کتاب کا کچھ کھٹکا

حساب یالیت ابا بکر مثلك۔ نہیں۔ کاش! ابوبکرؓ تجھ سا ہوتا۔

نماز میں خشیتِ الٰہی کا یہ عالم ہوتا کہ ایک چوبِ خشک کی طرح کھڑے ہوتے۔ طریقۂ نقشبندیہ جو آج تک عالم میں فیض رساں ہے اُس کا سلسلہ بواسطۂ حضرت امام جعفر صادق حضرت ابوبکر صدیق تک پہنچتا ہے۔

عقائد: عقائد کے متعلق حضرت ابوبکرؓ نے سب سے اوّل توحید رسالت کا امتیاز علی الاعلان اُس وقت ظاہر کیا جبکہ خود صحابۂ کرامؓ متحیر تھے۔ یعنی بعد وفات حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع کا خطبہ قیامت تک یادگار رہے گا۔ بعد بعیت رسالت وخلافت کے حدود صاف صاف علٰحدہ قایم کر دیے۔ خلیفہ ہونے کے بعد ایک خطبہ خاص اس مبحث کے متعلق دیا۔ اُس میں بوضاحت بیان کیا کہ دو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھیں وہ مجھ سے طلب نہ کرنا۔ ایک وحی دوسری عصمت۔ اس کو اس کثرت کے ساتھ خطبوں میں ظاہر کیا کہ سامعین کے ذہن میں راسخ ہو گیا۔ علاوہ خطبوں کے اور مواقع پر بھی اُس کا لحاظ اہتمام کے ساتھ رکھا۔ کسی نے ان سے کہا "خلیفۃ اللہ" تو کہا:

انا خلیفہ رسول اللہ وانا بہ راض۔ میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور اسی سے خوش ہوں۔

ایک بار کسی پر غصّے ہو رہے تھے ایک شخص نے کہا حکم ہو تو اُس کی گردن اڑا دوں۔ فوراً کہا کہ یہ رتبہ خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ واقعاتِ وفات میں پڑھ چکے ہو کہ شدّتِ سکرات میں جب ایک مدحیہ شعر اُن کی شان میں پڑھا گیا تو آنکھیں کھول کر کہہ دیا کہ یہ شان رسول اللہ کی تھی۔ زکوٰۃ اور نماز میں جو تفریق قایم کرنے کی کوشش کی گئی اُس کو آغازِ خلافت میں کس شدّت سے روکا۔

علمِ انساب شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ آج انسابِ قریش کے متعلق جس قدر علم ہے وُہ بروایت زبیر بن بکار محفوظ ہے۔ انھوں نے مصعب زبیری سے حاصل کیا۔ مصعب نے بہ یک واسطہ مطعم بن جبیر سے مطعم نے حضرت ابوبکر سے۔

بلاغتِ خطب مورخین کا قول ہے کہ صحابۂ کرام میں فصاحت خطبہ میں دو صحابی سب سے ممتاز تھے، ایک حضرت ابوبکرؓ، دوسرے حضرت علی مرتضیٰ۔

بعض مقولے:

لا یحقرن احد کم احداً من المسلمین فان	تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر خیال نہ کرے
صغیر المسلمین عند اللہ اکبر وجدنا	اس لیے کہ چھوٹا سا مسلمان بھی خدا کے نزدیک بڑا ہے
الکرم فی التقویٰ والغناء فی الیقین و	ہم نے بزرگی تقویٰ میں اور بے نیازی یقین میں اور
الشرف فی التواضع۔	عزّت تواضع میں دیکھی۔

ایک خطبے میں حدیث کے یہ الفاظ بیان کیے تھے جو آجکل ہر مسلمان کا دستور العمل بننے چاہئیں۔

ولا تقاطعوا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا باہم قطع تعلق مت کرو، بغض نہ رکھو، حسد مت کرو

وکونوا عباد اللہ اخوانا کما امرکم۔ | اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ جیسا کہ تم کو حکم ہے۔

حضرت خالد بن ولید کو ایک موقع پر نصیحت کی :

فرمن الشرف یتبعك الشرف و احرص علی الموت توھب لك الحیوٰة۔ | جاہ وعزت سے بھاگو عزت تمہارے پیچھے پھرے گی موت پر دلیر رہو تم کو زندگی بخشی جائے گی۔

محبتِ رسولؐ حضرت صدیق اکبر محبتِ رسولؐ میں غرق تھے۔ حضرت عروہ نے روایت کی ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوسرے سال حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز خطبہ دیا اُس میں یہ الفاظ زبان سے نکلے :

انی سمعت نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم عام الاوّل۔ | یعنی میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پارسال سنا ہے۔

پارسال کے لفظ سے حادثۂ وفات یاد آگیا، بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بیتاب ہو گئے۔ سنبھل کر پھر خطبہ کا سلسلہ درست کیا۔ پھر ان الفاظ سے دل پر چوٹ لگی اور مضطرب ہو گئے۔ تیسری دفعہ ضبط کی کوشش کی اور خطبہ ختم کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اَنّا حضرت اُمّ ایمن کے پاس تشریف لیجایا کرتے تھے۔ بعد خلافت حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز حضرت عمرؓ سے کہا :

انطلق بنا الی ام ایمن نزورھا کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزورھا۔ | چلو سنّتِ نبویؐ کی پیروی کریں اور ام ایمن سے مل کر مل لیں۔

وہاں پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ دونوں نے کہا :
روتی کیوں ہو! اللہ کا تقرب اُس کے رسول کے واسطے بہتر ہے۔
کہا : یہ میں بھی جانتی ہوں، صدمہ اس کا ہے کہ وحی آسمانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔
یہ سُن کر دونوں صاحب رونے لگے۔

امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا اصلی سببِ وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تھی۔ اسی صدمے سے گھُلتے رہے یہاں تک کہ انتقال ہو گیا۔

ازواج و اولاد حضرت ابوبکرؓ نے چار شادیاں کیں، دوؔ زمانۂ جاہلیت میں دوؔ بعد از اسلام۔ ایامِ جاہلیت کی بیبیاں قتیلہ اور ام رومان تھیں۔ قتیلہ قبیلۂ بنی عامر سے تھیں۔ اسلام سے مشرف نہیں ہوئیں۔ ام رومان مالک بن کنانہ کی اولاد سے تھیں، اسلام لائیں۔ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ ان کو مکہ میں چھوڑ گئے تھے۔ چند روز کے بعد مدینہ بُلا لیا۔ ذیحجہ ۶ھ میں بمقام مدینہ رحلت کی۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے دفن کیا۔ زمانہ اسلام

میں ایک شادی اُمِ رومان کی وفات کے بعد اسمآ بنت عمیس سے ۸ھ میں کی۔ دُوسری شادی حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ سے۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے وقت یہ دونوں بیبیاں زندہ تھیں۔ اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ اولاد میں سب سے بڑے حضرت عبدالرحمٰن اُمِ رومان کے بطن سے ۵۳ھ میں وفات پائی۔ دُوسرے لڑکے عبداللہ قتیلہ کے بطن سے۔ غزوۂ طائف میں حضرت سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب شریک تھے۔ تیر کا زخم پاؤں میں لگا۔ اُس کے صدمہ سے شوال ۱۱ھ میں انتقال ہوا۔ تیسرے لڑکے محمدؒ ہیں۔ یہ مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کی والدہ اسمآ بنت عمیس تھیں۔ قاسم ان کے صاحبزادے تھے جو فقہائے سبعہ میں ہیں۔ لڑکیوں میں سب سے بڑی حضرت اسمآء تھیں۔ اُن کی والدہ قتیلہ۔ حضرت زبیر کے ساتھ شادی ہوئی۔ سترہ آدمیوں کے بعد دائرۂ اسلام میں شامل ہوئیں۔ دوسری لڑکی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں، حضرت عبدالرحمٰن کی حقیقی بہن، تمام ازواجِ مطہرات میں حضرت سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھیں، اُن کا علم وفضل مسلّم ہے۔ حافظ ابنِ حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ جو آٹھ بزرگ صحابۂ کرام میں اجتہاد و فقہ میں ممتاز تھے اُن میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں۔ تیسری لڑکی ام کلثوم ہیں، ان کی والدہ بنت خارجہ اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ لڑکوں میں سلسلۂ نسل حضرت عبدالرحمٰن اور محمد سے چلا۔ حضرت عبداللہ کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

بابؒ سوم

فضائل

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس تیرہ سو برس کے عرصے میں کتنی کروڑ مرتبہ خطیبوں نے برسرِ منبر حضرت ابوبکرؓ کے افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ہونے کا اعلان کیا ہے اور اس طرح اُن کی فضیلت کی سچی شہادت علیٰ رؤس الاشہاد ادا کی ہے آج بھی چار دانگِ عالم میں جہاں جہاں اہلِ حق ہیں یہ پُرعظمت صدا ہر جمعہ کو لاکھوں منبروں پر بلند ہوتی ہے۔

فضائلِ صدیقی کی بنیاد تین شہادتوں پر ہے:

۱۔ آیاتِ کلامِ مجید

۲۔ احادیثِ نبویؐ اور

۳۔ اقوالِ صحابہ کرام و اہلبیت اطہار و سلف صالحین رضی اللہ عنہم اجمعین۔

لہ اس باب کا ماخذ کتبِ ذیل ہیں:

(۱) تاریخ الخلفاء امام جلال الدین سیوطیؒ (۲) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی (۳) الصلوٰۃ الماھیہ سید مصطفیٰ بن کمال الدین خلوتیؒ (۴) الاصابہ امام ابن حجر عسقلانیؒ (۵) الاستیعاب حافظ ابن عبدالبر (۶) الریاض النضرۃ محب الدین طبریؒ۔

اسی ترتیب سے ہم فضائل بیان کرتے ہیں،

آیاتِ کلام مجید

(۱) واللیل اذا یغشٰی ۙ والنہار اذا تجلّٰی ۙ وما خلق الذکر والانثٰی ۙ ان سعیکم لشتّٰی ۙ فاما من اعطٰی واتقٰی ۙ وصدق بالحسنٰی فسنیسرہ للیسرٰی ۙ

قسم رات کی جب ڈھانک لے اور دن کی جب روشن ہو۔ نر اور مادہ پیدا کرنے کی ضرور تمہاری کوشش قسم قسم کی ہے۔ جس نے دیا اور پرہیزگار رہا اور سچ مانا اچھی بات کو تو ہم اس کو آہستہ آہستہ آسانی میں پہنچائیں گے۔

وسیجنبہا الاتقی ۙ الذی یؤتی مالہ یتزکّٰی ۙ وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزٰی ۙ الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلٰی ۚ ولسوف یرضٰی ۙ

اور سب سے زیادہ پرہیزگار جہنم کی آگ سے بچایا جائے گا جو دیتا ہے اپنا مال تزکیۂ باطن کے لیے، اور نہیں اس پر کسی کا احسان جس کا بدلہ دیا جائے۔ مگر اپنے رب اعلیٰ کی خوشنودی کے واسطے دیتا ہے اور وہ ضرور آیندہ خوش ہو گا۔

مفسرین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے راہِ خدا میں حضرت بلال وغیرہ کو (جو اسلام لانے کی وجہ سے اپنے کافر آقاؤں کے پنجۂ عذاب میں گرفتار تھے) خرید خرید کر آزاد کیا تو ایک روز ان کے والد ابو قحافہ نے کہا کہ "جانِ پدر! میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور اور حقیر غلاموں کو مول لے کر آزاد کرتے ہو۔ کاش! تم قوی اور کام کے آدمیوں کو آزاد کرتے تو وہ تمہارے کام آتے اور پشت و پناہ بنتے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے یہ سُن کر جواب دیا کہ "اباجان! میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا طالب ہوں۔"

اِس پر آیاتِ بالا نازل ہُوئیں۔

امام ابنِ جوزی نے لکھا ہے کہ:

"اجماعِ اُمت اس پر ہے کہ آیہ وسیجنبہا الاتقی حضرت ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہُوئی ہے۔"

اس موقع پر ایک نکتہ سُن لینا چاہیے۔ آیہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کو "اتقٰی" (سب سے زیادہ پرہیزگار) فرمایا ہے۔

ایک دوسری آیت ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔

اللہ کے نزدیک بالتحقیق تم میں وہ سب سے زیادہ بزرگ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

ان دونوں آیتوں کے مفہوم سے منطق کی شکل اوّل بنی اَبُوْ بَکْرٍ اَتْقٰکُمْ وَکُلُّ اَتْقٰکُمْ اَکْرَمَکُمْ فَاَبُوْ بَکْرٍ اَکْرَمَکُمْ۔ (ابوبکرؓ سب سے زیادہ پرہیزگار رہیں، سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ بزرگ ہے، لہٰذا ابوبکرؓ سب سے زیادہ بزرگ ہیں)

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ،

"احادیث سے حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت کی چار وجہیں معلوم ہوتی ہیں :

اوّل اُمت میں مرتبۂ عُلیا پانا۔ صدیقیت اسی سے مراد ہے۔

دوم ابتدائے اسلام میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت۔

سوم نبوت کے کاموں کو اتمام تک پہنچانا۔

چہارم آخرت میں علوِ مرتبہ۔"

یہ بھی لکھا ہے کہ،

"حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی عملی قوت اور عقلی قوت حضرات انبیاء علیہم السلام کی عملی و عقلی قوت سے مشابہ تھی۔"

جس مال کو راہِ خدا میں صرف کر کے حضرت ابوبکرؓ لطفِ خداوندی سے ممتاز ہوئے اس کی شان دیکھو۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے مال کو مثل اپنے مال کے بے تکلف خرچ فرماتے تھے۔ ارشادِ نبویؐ ہے کہ "ہم پر جس کا احسان تھا اُس کا بدلہ ہم نے دے دیا، صرف ابوبکرؓ کا احسان باقی ہے اُس کا بدلہ قیامت کے دن خداوند تعالیٰ بخشے گا۔" اس حدیث کے ساتھ ایک اور حدیث ملاؤ :

یا ابا بکر عطاك الله الرضوان الاكبر قال و ما رضوانه الاكبر قال ان الله يتجلى للخلق عامة و يتجلى لك خاصة۔	اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے تم کو سب سے بڑی خوشنودی سے سربلند فرمایا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! سب سے بڑی خوشنودی اللہ کی کیا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ مخلوق کے واسطے تجلّی عام فرمائے گا اور تمہارے واسطے تجلّی خاص۔

اب تمہارے ذہن میں عطائے ربّانی کا مفہوم آسکے گا۔ ایک اور امر غور طلب ہے۔ آیاتِ بالا میں حضرت ابوبکرؓ کے خوش ہوجانے کا وعدہ ہے۔ سورہ والضحیٰ میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش فرما دینے کا وعدہ ہے۔ اِس سے بھی حضرت ابوبکرؓ کے علوِ مرتبہ کا پتا چلتا ہے۔

(۲) الا تنصروه فقد نصره الله اذ اخرجه الذين كفروا ثانى اثنين اذ هما فى الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا ؕ	اگر تم رسول کی مدد نہیں کرتے ہو تو (کچھ پروا نہیں) اللہ نے ان کی مدد اُس وقت کی جب کافروں نے ان کو نکال دیا اور وہ دو میں کے ایک تھے جب دونوں غار میں تھے جس وقت وہ اپنے دوست سے کہتے تھے ملول نہ ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اِس آیت میں اُس موقع کا ذکر ہے جب ہجرت کے وقت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں حضرت ابوبکرؓ غارِ حرا میں تھے۔ اُس وقت کا ارشاد "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" اُس قوتِ ایمانی کا جلوہ دکھلاتا ہے جس کے سامنے مخالفین نے بھی

سرِتسلیم و ادب خم کر دیا ہے۔ ایسے موقع پر صدیقِ اکبرؓ کی محبت اُن کے علوِ مرتبہ کی اعلیٰ شہادت ہے رضی اللہ عنہ۔

علوِ مرتبہ کا پایہ بلند تر ہو جاتا ہے بلکہ اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے جس کے آگے صرف رسالت اور نبوت کا رُتبہ ہے جب اس ارشادِ نبویؐ پر غور کیا جاتے :

ماظنك باثنين الله ثالثهما۔ (اے ابوبکر) تمہارا ان دو کی نسبت کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔

جب کفار سرگرمِ تلاش غارِ حرا کے مُنہ پر آکھڑے ہوتے ہیں اور یارِ غار کو ان کے پاؤں نظر آتے ہیں تو اُن کی زبان سے بے اختیار نکلتا ہے :

"اے اللہ کے رسولؐ! ہم تو اب پا لئے گئے۔"

اُس وقت ارشاد بالاصادر ہوتا ہے۔ غور کیجئے قُربِ الٰہی کا یہ وہ مقام ہے جہاں صرف اللہ، رسول اور صدیق ہیں۔ اللہ اکبر۔ ثانی اثنین میں دُوسری شان ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں دُو میں کا ایک فرمایا ہے۔ اس طرح صدیقِ اکبر آپ کے دُوسرے ہوتے ہیں۔ یہ تقربِ نبوی کا جلوہ ہے۔ یہ رفاقت اور اثنینیت محض اتفاقی نہ تھی نتیجہ تھی اس فدائیت اور سرگرمی خدمت کا جس کی سعادت روزِ ازل سے حضرت صدیق کے مقدر میں تھی۔ یارِ غار نے یہ میت جان، مال، اہل، عیال، ریاست و آسائش، غرض جو کچھ ان کی بساط میں تھا سب کچھ آپؐ پر سے قربان کر کے حاصل کی تھی۔

ان الله اشترٰی من المومنین انفسهم بان لهم الجنة۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت دے کر جانیں خرید لی ہیں اہلِ تقرب کی جنت رضائے دوست ہے۔

۵

بمزد یادِ خود باغ بہشتم وعدہ فرمودی
مگر باغ بہشتی بہتر از یادِ تو می باشد

تم حالاتِ صدیقِ اکبرؓ میں پڑھ چکے ہو کہ وہ بعثت سے ایک سال پہلے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور دوسرے ہوئے۔ ارشاد ہے: (ابتدائے اسلام میں)

"میں نے کہا کہ میں سارے انسانوں کی جانب خدا کا رسول ہُوں، تم نے کہا جھُوٹ ہے ابوبکر نے کہا سچ ہے۔"

آنحضرت آغازِ اسلام میں حرمِ محترم میں خانہ کعبہ کے قریب مشغولِ عبادت ہیں۔ کفار حملہ آور ہوتے ہیں اور گلوئے مبارک میں چادر ڈال کر گھونٹتے ہیں۔ کسی نے صدیقِ اکبرؓ سے جا کر کہا،

اَدْرِكْ صَاحِبَكَ۔ اپنے دوست کی خبر لو۔

یہ سُن کر بے تابانہ آئے اور کفار کے نرغے میں گھس گئے اور یہ کہہ کر حملہ کیا،

ویلکم اتقتلون رجلا ان یقول ربی الله تم پر افسوس ہے کیا تم ایک شخص کو اس کہنے پر قتل کرتے ہو

وقد جاءکم بالبیّنات من ربکم۔ — کہ میرا رب اللہ ہے۔ اور حال یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس خدا کی جانب سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔

کافروں نے جو سلوک ان کے ساتھ کیا وہ تم پڑھ چکے ہو۔

جب ہجرت کا حکم آیا اور مدینہ کا ستارا چمکا یارِ غار سب کو چھوڑ کر ہمرکاب تھے۔ غرض وہ کون سا معرکہ اور موقع تھا جہاں صدیقِ اکبرؓ پروانہ وار شمعِ رسالت پر (بابی و امی) نثار نہ تھے۔ اس جاں نثاری و جاں بازی نے قلبِ اقدس میں وہ جگہ پائی تھی کہ ہر موقع پر ارشاد ہوتا تھا:

انا و ابو بکر و عمر۔ — میں اور ابوبکر اور عمر۔

ایک موقع پر جب نطقِ حیواں کا ایک واقعہ آپ نے بیان فرمایا تو سامعین نے تعجب کیا۔ ارشاد ہُوا:

"میرا اور ابوبکر و عمر کا اس پر ایمان ہے۔"

حالانکہ یہ دونوں جلیل القدر صحابی اُس وقت حاضر نہ تھے۔ غزوۂ بدر میں نشستگاہِ نبویؐ کی پاسبانی حضرت صدیقؓ کے سپرد ہُوئی یہ ایسا معرکہ خیز وقت تھا کہ اس کے لحاظ سے حضرت شیرِ خدا نے حضرت ابوبکرؓ کو "اشجع الناس" (سب آدمیوں سے زیادہ بہادر) فرمایا ہے۔ حیاتِ نبویؐ میں احکامِ دین بتانے میں ثانی ہوئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک کے زمانہ میں سوائے صدیقِ اکبر کے کسی نے فتویٰ نہیں دیا۔ ناسازیِ مزاجِ مبارک میں امامتِ نماز میں ثانی ہوئے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفۂ رسول اللہ کی حیثیت سے ترقیِ دین کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ اس وقت جس عزم اور قوتِ ایمانی کا ظہور ہوا وہ صدیقِ اکبر کا حصّہ تھا۔ اُس کا حال حالات و واقعات آپ کو سنا چکے ہیں مفارقتِ محبوب کا صدمہ جان لے کر گیا۔

امام سیوطیؒ کا قول تم نے پڑھا کہ "اُن کا اصل مرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت تھی"۔ جب تک زندہ رہے اس صدمے سے گھلتے رہے۔ حیاتِ ظاہری ختم ہوئی تو پہلوئے مبارک میں جگہ ملی اور دوسرے ہوئے۔

ارشادِ نبویؐ ہے کہ قیامت کے روز سب سے اوّل میری قبر کشادہ ہوگی پھر ابوبکر کی پھر عمر کی۔ میری امت میں سب سے اوّل ابوبکر داخلِ جنّت ہوں گے۔

دعا فرمائی کہ الٰہی! ابوبکر کو جنت میں میرے درجہ میں جگہ دینا۔

اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں کہ سلوکِ رفاقت کن مقاماتِ عالیہ تک پہنچا ہے۔ صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت صدّیق کو ضنیتِ کبریٰ کا مرتبہ حاصل تھا اور اُن کی نسبت ابراہیمی تھی۔ کلامِ مجید میں حضرت ابراہیم کا لقب اوّاہ (دردمند) ہے۔ صحابہ کرامؓ حضرت صدّیق کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے۔

(۳) ھوالذی یصلی علیکم وملٰئکتہ — وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے
لیخرجکم من الظلمات الی النور ط — تاکہ نکالے تم کو تاریکیوں سے روشنی میں،

وکان بالمومنین رحیماً[۱] اور ہے ایمان والوں پر مہربان۔

جب یہ آیت انّ اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ! اللہ تعالیٰ جو فضل و کرم آپ پر فرماتا ہے اُس میں ہم نیازمندوں کو بھی شریک فرماتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

(۴) ووصینا الانسان بوالدیہ احساناً ط[۲] اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۵) وَشَاوِرْھم فی الامر ج[۳] اور ان سے مشورہ لو ہر کام میں۔

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میرے دو وزیر اہلِ آسمان میں سے ہیں: جبرئیل اور میکائیل۔ اور دو اہلِ زمین میں سے ہیں۔ ابوبکر اور عمرؓ"

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

"ابوبکر اور عمر میرے سمع و بصر ہیں۔"

(۶) وان تظٰھرا علیہ فان اللہ مولٰہ و جبریل وصالح المؤمنین والملئکۃ بعد ذٰلک ظھیراً[۴] اگر تم دونوں چڑھائی کرو ان پر (رسول پر) تو اللہ ان کا کارساز ہے اور جبریل اور صالح اہلِ ایمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ مفسرین کے سوادِ اعظم کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ صالح مومنین سے وہی مراد ہیں۔

(۷) ولمن خاف مقام ربہ جنتان۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

آیاتِ بالا کے سوا جس قدر آیتوں میں صحابۂ کرام، سابقون اولون، مہاجرین، مجاہدین اور مومنین وغیرہ کے اوصاف و فضائل ہیں اُن میں حضرت ابوبکرؓ بطریقِ اولیٰ شریک ہیں۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ بکثرت آیاتِ قرآنی سے فضائلِ صدیقی ثابت ہیں۔

احادیثِ نبویؐ خاص حضرت ابوبکر کے فضائل میں ایک سو اکیاسی (۱۸۱) حدیثیں مروی ہیں۔ اٹھاسی (۸۸) حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت کا بیان ہے۔ سترہ (۱۷) حدیثیں ایسی ہیں جن میں مجموعی طور پر خلفائے ثلاثہ کے فضائل ہیں۔ چودہ (۱۴) حدیثوں میں خلفائے اربعہ کے ساتھ اور صحابہ کرام

---

[۱] سورۂ احزاب۔ رکوع ۵

[۲] سورۃ الاحقاف۔ رکوع ۲

[۳] سورہ آل عمران۔ رکوع ۱۷

[۴] التحریم۔ رکوع ۱۱

بھی شریکِ فضائل ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اس طرح (۱۸۱ + ۸۸ + ۱۷ + ۱۴ + ۱۶ = ۳۱۶) تین سو سولہ حدیثیں حضرت ابوبکرؓ کے فضائل میں روایت کی گئی ہیں۔ یہ تعداد تو اُن حدیثوں کی ہیں جو مخصوص نام کے ساتھ ہیں۔ جن ہزاروں حدیثوں میں مہاجرین، مومنین وغیرہ اہلِ ایمان وصلاح کے فضائل مذکور ہیں وُہ بھی حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں صادق آتی ہیں۔ چند حدیثیں بطور نمونہ اور تبرک کے یہاں نقل کی جاتی ہیں:

(۱) ما دعوت احداً الی الاسلام الا کانت له عنه کبوة وتردد ونظر الا ابابکر ما عتم عنه حین ذکرته وما تردد فیه۔ (ابن اسحٰق)	میں نے کسی کو اسلام کی دعوت نہیں دی۔ مگر اُس میں اُس کی طرف سے ایک گونہ کراہت، تردّد اور فکر پائی۔ لیکن ابوبکر سے جب میں نے اسلام کا ذکر کیا تو انھوں نے بلا توقف و تردد اس کو قبول کر لیا۔
(۲) هل انتم تارکون لی صاحبی انی قلت ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعاً فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدقت۔ (بخاری)	کیا تم میرے دوست کا ستانا میری خاطر سے چھوڑ دو گے۔ میں نے کہا کہ اے لوگو! میں تم سب کے پاس اللہ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں۔ تم نے کہا جھوٹ۔ ابوبکر نے کہا سچ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکر فوراً نادم ہوئے اور معافی چاہی۔ فاروق اعظم نے معاف کرنے سے انکار کیا۔ حضرت ابوبکر نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

یا ابابکر! یغفر الله لك، یا ابابکر یغفر الله لك۔	اے ابوبکر! تمھاری خطا اللہ بخشے، اے ابوبکر! تمھاری خطا اللہ بخشے۔

اِس عرصے میں حضرت عمر کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور حضرت ابوبکر کے مکان پر پہنچے۔ وہاں نہ ملے تو کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو دیکھا تو چہرۂ مبارک غصے سے متغیّر ہو گیا۔ حضرت ابوبکر یہ کیفیت دیکھ کر ڈر گئے اور گھٹنوں کے بل گر کر دوبارہ عرض کی:

انا کنت اظلم منه۔	زیادتی میری جانب سے ہوئی۔

اُس وقت حدیثِ بالا ارشاد فرمائی گئی۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر کسی نے حضرت ابوبکرؓ کو کبھی ایذا نہیں پہنچائی۔

(۳) ما طلعت الشمس ولا غربت علیٰ احد افضل من ابی بکر الا ان یکون نبی۔ (ابونعیم، عبدالرحمٰن بن حمید وغیرہما)	سوائے نبی کے آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع یا غروب نہیں ہوا جو ابوبکر سے زیادہ بزرگ ہو۔
(۴) ابوبکر خیر الناس الا ان یکون نبی۔ (طبرانی)	سوائے نبیوں کے ابوبکرؓ سب آدمیوں سے بہتر ہیں۔

(۵) ان اللّٰہ یکرہ فوق السماء ان یخطاء ابوبکر۔ (طبرانی، ابونعیم وغیرہما)

اللّٰہ تعالیٰ آسمان پر اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ ابوبکر غلطی کریں۔

(۶) عن عمرو بن العاص قال قلت یا رسول اللّٰہ من احب الناس الیک، قال عائشۃ۔ قلت من الرجال، قال ابوھا قلت ثم من قال عمر بن الخطاب۔ (بخاری، مسلم)

عمرو بن العاصؓ نے کہا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب آدمیوں میں کون زیادہ محبوب ہے۔ فرمایا: عائشہؓ میں نے کہا: مردوں میں؟ فرمایا: ابوبکرؓ۔ پھر عرض کی، اُن کے بعد؟ فرمایا: عمرؓ بن الخطاب۔

اِس حدیث کو حضرت انسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی روایت کیا ہے۔

(۷) عن علی بن ابی طالب کنت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذ طلع ابوبکر وعمر فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لابی بکر وعمر ھذان سیدا ھؤلاء اھل الجنۃ من الاولین والآخرین الا النبیین والمرسلین۔ لا تخبرھما۔ (ترمذی وغیرہ)

حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ میں آنحضرتؐ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرتؓ ابوبکر اور عمرؓ نمایاں ہوئے۔ آپ نے ان کی نسبت فرمایا کہ یہ دونوں انبیاء اور مرسلین کے سوا سارے اگلے پچھلے ادھیڑ عمر والے جنتیوں کے سردار ہیں ان کو خبر نہ کرنا۔

حضرت شیرِ خداؓ سے اس حدیث کے راوی حضرت امام زین العابدین ہیں۔ رضی اللّٰہ عنہ۔ یہ حدیث حضرتؓ ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابوسعید خُدریؓ اور جابر بن عبداللّٰہؓ نے بھی روایت کی ہے۔

(۸) ارحم امتی بامتی ابوبکر۔ (ترمذی، امام احمد)

میری اُمت میں میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکرؓ ہیں۔

(۹) قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما من نبی الا ولہ وزیران من اھل السماء ووزیران من اھل الارض۔ فاما وزیرای من اھل السماء فجبریل ومیکائیل واما وزیرای من اھل الارض فابوبکر وعمر۔ (ترمذی)

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کے دو وزیر اہلِ آسمان میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے نہ ہوں: میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے جبریلؑ اور میکائیلؑ ہیں اور اہلِ زمین سے ابوبکرؓ اور عمرؓ۔

(۱۰) ابوبکر فی الجنۃ۔ (اصحاب سنن وغیرہ)

ابوبکر جنتی ہیں۔

(۱۱) ان اھل الدرجات العلیٰ لیراھم من

بلند مرتبہ (جنتیوں) کو نیچے درجے والے اس طرح

تحتهم كما ترون النجم الطالع فى افق السماء وان ابابكر وعمر منهم۔ (ترمذی۔ طبرانی)

دیکھیں گے جس طرح تم کنارۂ آسمان پر روشن ستارے کو دیکھتے ہو ابوبکرؓ اور عمرؓ انہی میں ہیں۔

(۱۲) ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخرج على اصحابه من المهاجرين والانصار وهم جلوس فيهم ابوبكر وعمر فلا يرفع اليه احد منهم بصره الا ابوبكر وعمر فانهما كانا ينظران اليه وينظر اليهما ويتبسمان اليه ويتبسم اليهما۔

(ترمذی)

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام مہاجرین اور انصار کے مجمع میں تشریف لاتے تھے جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ہوتے تھے۔ اہلِ جلسہ میں سے کوئی صاحب آپ کی جانب نگاہ نہیں اٹھاتے تھے سوائے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے۔ یہ دونوں صاحب آپؐ کی جانب دیکھتے تھے آپؐ ان کی طرف۔ اور یہ دونوں صاحب آپ کی جانب دیکھ کر مسکراتے تھے اور آپؐ ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے تھے۔

(۱۳) ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج ذات يوم فدخل المسجد وابوبكر وعمر احدهما عن يمينه والآخر عن شماله وهو آخذ بايديهما وقال هكذا نبعث يوم القيامة۔

(ترمذی، حاکم، طبرانی)

ایک روز حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ سے مسجد میں اس شان سے تشریف لائے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپؐ کے دائیں بائیں تھے اور آپ ان کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور فرمایا ہم اسی طرح قیامت کے دن اٹھیں گے (دیکھو اسی کا انتظام کہ دونوں صحابی روضۂ اقدس میں پہلوئے مبارک میں دفن ہیں)

(۱۴) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا اول تنشق الارض عنه ثم ابوبكر ثم عمر۔

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (قیامت کے دن) سب سے اول میرے اوپر سے زمین کشادہ ہوگی، پھر ابوبکرؓ کے پھر عمرؓ کے۔

(۱۵) ان النبی صلى الله عليه وسلم راى ابابكر وعمر فقال هذان السمع والبصر۔ (ترمذی، حاکم، طبرانی)

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ دونوں سمع و بصر ہیں۔

(۱۶) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انت صاحبی على الحوض وانت صاحبی فی الغار۔

(ترمذی)

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابوبکرؓ سے) فرمایا کہ تم میرے رفیق حوض (کوثر) پر ہو اور میرے رفیق غار میں۔

(۱۷) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، ان من امن الناس علی فی صحبته وماله

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن شخصوں کا میرے اوپر صحبت اور مال میں سب سے زیادہ احسان ہے

ابابکر ولوکنت متخذ اخیلا لاتخذت ابابکر خلیلا ولکن اخوۃ الاسلام ۔ (بخاری ومسلم)

اُن میں ابوبکرؓ ہیں اور اگر میں کسی کو اپنا خلیل (دلی دوست) بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا ۔ لیکن اخوۃ اسلام ہے۔

یہ حدیث تیرہ صحابیوں نے روایت کی ہے اور امام سیوطی نے اس کو متواتر حدیثوں میں داخل کیا ہے۔

(۱۸) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالاحد عندنا یدًا الاوقد کافاناہ الا ابابکر فان لہ عندنا یدًا یکافیہ اللہ بہا یوم القیامۃ وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر۔ (ترمذی)

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ ہم نے نہ دیا ہو۔ مگر ابوبکرؓ کہ اُن کا جو احسان ہمارے ذمہ ہے اُس کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دے گا۔ اور کبھی کسی کے مال نے وہ نفع مجھ کو نہیں دیا جو ابوبکرؓ کے مال نے دیا۔

حضرت ابوبکرؓ اس ارشادِ مبارک کو سُن کر رو ئے اور کہا یا رسولؐ اللہ! کیا میرا مال آپ کا مال نہیں ہے۔

(۱۹) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحسان بن ثابت ھل قلت فی ابوبکر شیئا قال نعم فقال قل وانا اسمع فقال:

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) حضرت حسانؓ بن ثابت سے فرمایا کہ تم نے ابوبکرؓ کی شان میں کچھ کہا ہے۔ جواب دیا کہا ہے فرمایا مجھکو پڑھ کر سناؤ۔ انہوں نے یہ شعر پڑھے:

اشعار

(۱) وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو بہ اذ صعد الجبلا

اور بلند غار میں وہ دو میں کے ایک تھے۔ جب دشمن پہاڑ پر چڑھ کر گرد گھوم رہے تھے۔

(۲) وکان حب رسول اللہ قد علموا من البریۃ لم یعدل بہ احدا

وہ رسولؐ اللہ کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق کے ساتھ اس کا علم ہے کہ ساری مخلوق میں آپ کے نزدیک ان کے برابر کوئی نہیں ہے۔

فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی بدت نواجذہ ثم قال صدقت یا حسان ھو کما قلت۔ (ابوسعید، حاکم)

یہ سن کر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک نمایاں ہو گئے اور فرمایا: اے حسان! تم نے سچ کہا وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے کہا۔

(۲۰) عن ابی الاروی الدوسی کنت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل ابوبکر وعمر فقال الحمد

حضرت ابی اروی سے روایت ہے کہ میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آئے۔ ان کو دیکھ کر آپ نے فرمایا: اُس

لله الذی ایدنی بکما۔ (بزاز، حاکم)

خدا کا شکر ہے جس نے تم دونوں کے ذریعہ سے میری تائید کی۔

(۲۱) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ابوبکر صاحبی فی الغار و مونسی فی الغار سدوا کل خوخة فی المسجد غیر خوخة ابی بکر۔ (عبداللہ ابن احمد)

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکرؓ غار میں میرے رفیق تھے اور غار میں میرے مونس تھے۔ مسجد میں جس قدر کھڑکیاں ہیں سب بند کر دو مگر ابوبکرؓ کی کھڑکی۔

جب مسجد نبویؐ تعمیر ہوئی تھی تو اس کے گرد مکانات تعمیر ہوئے تھے۔ صحابۂ کرام کے مکانوں کی کھڑکیاں مسجد کی جانب تھیں۔ رحلت کے قریب ارشاد ہوا کہ سب کھڑکیاں بند کر دی جائیں' ابوبکرؓ کی کھڑکی مستثنیٰ رہے۔ (جزو ثانی اس حدیث کا مسلم و ترمذی نے بھی روایت کیا ہے)

(۲۲) اللّٰھم اجعل ابا بکر فی درجتی فی الجنة یوم القیامة۔ (حاکم)

(ارشاد مبارک ہے) الٰہی! ابوبکر کو قیامت کے دن جنت میں میرے ہی درجہ میں جگہ دینا۔

(۲۳) یا ابا بکر انت عتیق الله من النار۔ (حاکم - ابن عساکر)

(ارشاد مبارک ہے) اے ابوبکر! تم کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے۔

(۲۴) یا ابا بکر اعطاك الله الرضوان الاکبر قال وما رضوانه الاکبر قال ان الله یتجلّی للخلق عامة و یتجلی لك خاصة۔ (حاکم)

(ارشاد مبارک ہے) اے ابوبکر! بارگاہِ الٰہی سے تم کو سب سے بڑی خوشنودی عطا ہوئی۔ دریافت کیا سب سے بڑی خوشنودی کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے لیے تجلی عام فرمائے گا اور تمہارے لیے تجلی خاص۔

(۲۵) ابی الله والمؤمنون ان یختلف علیك یا ابا بکر۔ (امام احمد - ابونعیم)

اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ اور مومنین کو اس سے سخت انکار ہے کہ تمہارے متعلق اختلاف ہو۔

(۲۶) ان لم تجدینی فاتی ابا بکر۔ (تاریخ بخاری)

اگر تو مجھ کو نہ پاوے تو ابوبکرؓ کے پاس آنا۔

ایک صحابی بی بی نے مدینہ میں آکر مسئلہ دریافت کیا۔ جب رخصت ہونے لگیں تو عرض کی کہ یا رسول اللہ! اگر آیندہ میں آؤں اور آپ نہ ملیں تو مسئلہ کس سے دریافت کروں؟ ان کے جواب میں آپؐ نے ارشادِ بالا صادر فرمایا۔

(۲۷) مروا ابابکر فلیصل بالناس۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)

ابوبکرؓ کو حکم دو کہ نماز پڑھائیں۔

جب مرضِ وفات میں آپ مسجد میں تشریف لیجا کر امامت نہ فرما سکے تو ارشادِ بالا صادر ہوا۔

(۲۸) نعم وارجوان تکون منهم۔ (امام احمد، بخاری، مسلم)

ہاں اور میں امید کرتا ہوں کہ تم ان میں سے ہوگے۔

ایک بار حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے دروازوں اور ان میں ہو کر داخل ہونے والوں کا ذکر فرما رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کوئی ایسا بھی ہوگا جو سب دروازوں سے داخل ہو۔ اس کے جواب میں حدیث مذکورہ بالا ارشاد ہوئی۔

(۲۹) ما اوحی الی شئ الا صببتہ فی صدر ابی بکر۔ (ریاض)

جو وحی مجھ پر نازل فرمائی گئی میں نے اُس کو ابوبکرؓ کے سینہ میں نچوڑ دیا۔

صوفیائے کرام نے اس حدیث کو بہ کثرت روایت فرمایا ہے۔

(۳۰) ما فضلکم ابوبکر بفضل صوم ولا صلوٰۃ ولکن بشئ وقر بصدرہ۔ (ریاض)

ابوبکر کو تم پر نماز روزے کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہے بلکہ ایک باوقار چیز کی وجہ سے ہے جو اُن کے سینہ میں ہے۔

اقوال صحابہ کرام و اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم اجمعین

(۱) قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لابی بکر یا خیر الناس بعد رسول اللہ۔ (ترمذی)

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر سے کہا اے سب آدمیوں سے بہتر رسول اللہ کے بعد۔

(۲) قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابوبکر سیدنا۔ (بخاری)

فاروق اعظمؓ کا یہ بھی قول ہے کہ ابوبکر ہمارے سردار ہیں۔

(۳) قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لو وزن ایمان ابی بکر بایمان اھل الارض لرجح بھم۔ (بیہقی)

حضرت عمر کا یہ بھی قول ہے کہ اگر ابوبکر کا ایمان سارے زمین کے اہلِ ایمان سے تولا جائے تو اس کا پلہ بھاری رہے گا۔

(۱) قال علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ خیر ھٰذہ الامۃ بعد نبیھا ابو بکر و عمر۔ (امام احمد وغیرہ)

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، کہ اس اُمت میں اُس نبی کے بعد ابوبکر اور عمر سب سے بہتر ہیں۔

امام سیوطی کا قول ہے کہ امام ذہبی نے اس حدیث کو متواتر لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا قول ہے کہ اسیؔ بزرگوں نے اس حدیث کو حضرت شیرِ خداؓ سے روایت کیا ہے۔

(۲) قال علی رضی اللہ عنہ والذی نفسی بیدہ ما استبقنا الیٰ خیر قط الا سبقنا ابوبکر۔ (طبرانی اوسط)

حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ہم کسی نیکی کی طرف نہیں جھپٹے، مگر یہ کہ ابوبکر اُس میں ہم سے سبقت لے گئے۔

حضرت عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔

(۳) قال علی رضی اللہ عنہ خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر وعمر لا یجتمع حبی و بغض ابی بکر وعمر فی قلب مومن۔ (طبرانی)

حضرت شیرِ خدا کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر اور عمر سب آدمیوں سے بہتر ہیں۔ میری محبت اور ابوبکر و عمر کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔

(۴) قال علی رضی اللہ عنہ فھو اشجع الناس۔ (البزاز)

لہٰذا وہ سب سے زیادہ شجاع ہیں۔

پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے: ایک بار حضرت علیؓ نے اپنے ہمنشینوں سے دریافت کیا کہ:

"بتاؤ سب میں زیادہ کون بہادر ہے؟"

سب نے کہا: "آپ۔"

فرمایا: "میں تو جس سے لڑا میں نے اس سے حق کا بدلہ لے لیا۔ سب سے زیادہ شجاع آدمی کا نام لو۔"

عرض کی: "ہم کو نہیں معلوم۔"

فرمایا: "ابوبکر۔ غزوہ بدر کے معرکے میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک سایہ دار نشستگاہ بنا دی تھی اس کے بعد پوچھا گیا کہ کون شخص یہاں پاسبانی پر رہے گا جو کفار کو آپ کے پاس نہ آنے دے۔ یہ سن کر واللہ کوئی شخص آپ کے قریب نہ آیا، مگر ابوبکر۔ وہ تلوار کھینچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہو گئے۔ جب کوئی مشرک آپ کے قریب آتا تو وہ شمشیر بکف اُس پر حملہ کرتے۔ لہٰذا وہ سب سے زیادہ شجاع ہیں۔"

(۵) عن ابی یحیٰی قال لا احصی کو سمعت علیا یقول علی المنبر ان اللہ عزوجل سمّی ابا بکر علیٰ لسان نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیقا۔ (دارقطنی فی الافراد (اصابہ))

ابو یحییٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ حضرت علیؓ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ "اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ابوبکر کا نام صدیق رکھا ہے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات کی خبر سنی تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر ان کے مکان پر یہ فرماتے ہوئے تشریف لائے:

(۶) الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ۔

آج خلافت نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔

جس مکان میں حضرت ابوبکرؓ کی لاش تھی اُس کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ذیل کا بلیغ خطبہ دیا جو فی الحقیقت صدیق اکبرؓ کے اوصاف باطنی اور ظاہری اور اُن کے مراتب و فضائل کا پورا تبصرہ ہے۔ اس خطبہ سے اندازہ ہو گا کہ حضرت شیرِ خداؓ کے دل میں حضرت ابوبکرؓ کی عظمت اور محبت کس قدر تھی۔

خُطبہ

يرحمك الله يا ابابكر، كنت الف رسول الله صلى الله عليه وسلم وانسه ومستراحه وثقته وموضع سره ومشاورته كنت اول القوم اسلاماً واخلصهم ايمانا واشدهم يقينا واخوفهم لله واعظمهم عناءً في دين الله واحوطهم على رسول الله صلى الله عليه وسلم واحدبهم على الاسلام ايمنهم على اصحابه واحسنهم صحبة واكثرهم مناقب وافضلهم سوابق وارفعهم درجة واقربهم وسيلة و اشبههم برسول الله صلى الله عليه وسلم هديا وسمتا ورافة وفضلا و اشرفهم منزلة واكرمهم عليه واوثقهم عنده فجزاك الله عن الاسلام وعن رسوله خيرا كنت عنده بمنزلة السمع والبصر صدقت رسول الله صلى الله عليه وسلم حين كذبه الناس فسماك الله عز وجل في تنزيله صديقا فقال والذي جاء بالصدق وصدق به الذي جاء بالصدق محمد و صدق به ابوبكر واسيته حين بخلوا وقمت به عند المكاره حين عنه قعدوا وصحبته

اے ابوبکر! تم پر خدا کی رحمت، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب، مونس، سرور، معتمد، رازدار اور مشیر تھے تم مسلمانوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ تمہارا ایمان سب سے زیادہ خالص اور تمہارا یقین سب سے استوار تھا۔ تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور سب سے بڑھ کر دین کو نفع رساں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب سے زیادہ حاضر باش، اسلام پر سب سے زیادہ شفیق، اصحابِ رسول اللہ کے لیے سب سے زیادہ بابرکت، رفاقت میں سب سے بہتر، سب سے زیادہ صاحبِ مناقب، فضائل کی دوڑ میں سب سے آگے، درجہ میں سب سے بلند، سب سے قریب وسیلہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ سیرت میں ہیئت میں مہربانی اور فضل میں قدر و منزلت میں سب سے بلند اور آپ کے نزدیک سب سے بڑھ کر معتمد اللہ تعالیٰ تم کو اسلام کی جانب سے جزائے خیر دے اور اپنے رسول کی جانب سے۔ تم آپ کے نزدیک بمنزلہ سمع و بصر تھے۔ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت سچا جانا جب سب نے آپ کو جھوٹا کہا۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے اپنی وحی میں تمہارا نام صدیق رکھا۔ چنانچہ فرمایا اور وہ جو سچ کو لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی، لانے والے محمد اور تصدیق کرنیوالے ابوبکر، تم نے آپ کے ساتھ اُس وقت غمخواری کی جب اوروں نے تنگ دلی کی۔ جب لوگ مصائب کے وقت مدد سے بیٹھ رہے تھے تم آپ کی مدد پر قائم رہے

فی الشدۃ اکرم الصحبۃ ثانی اثنین و صاحبہ فی الغار والمنزل علیہ السکینۃ و رفیقہ فی الھجرۃ وخلیفتہ فی دین اللہ و امتہ احسن الخلافۃ حین ارتد الناس وقمت بالامر ما لم یقم بہ خلیفۃ نبی فنھضت حین وھن اصحابک و برزت حین استکانوا وقویت حین ضعفوا لزمت منہاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذھوا کنت خلیفۃً حقا لم تنازع ولم تصدع برغم المنافقین وکبت الکافرین وکرہ الحاسدین وغیظ الباغین وقمت بالامر حین فشلوا وثبت اذ تنعتعوا ومضیت بنور اللہ اذ وقفوا فاتبعوك فھدوا وکنت احفضھم صوتاً واعلاھم فوقا واقلھم کلاماً واصوبھم منطقا واطولھم صمتاً وابلغھم قولاً واشجعھم نفساً و اعرفھم بالامور واشرفھم عملاً کنت واللہ للدین یعسوبا اولاً حین نفر عنہ الناس واخرا حین اقبلوا کنت للمؤمنین ابًا رحیماً حتی صاروا علیك عیالاً

سختی میں تم نے آپ کی بہترین رفاقت کی تم دو میں کے ایک تھے اور غار میں رفیق اور وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ نے سکینہ (تسکین قلب) نازل فرمائی اور آپ کے ساتھی ہجرت میں تھے اور آپ کے خلیفہ دینِ الٰہی میں اور اُمت میں۔ جب لوگ مرتد ہوئے تو تم نے بہترین خلافت کی اور امرِ الٰہی کی تم نے وہ حفاظت کی جو کسی نبی کے خلیفہ نے نہیں کی تھی۔ جب تمہارے ساتھی سستی کرنے لگے تو تم اُٹھ کھڑے ہوئے اور جب وہ دب گئے تو تم دلیر ہو گئے۔ اور جب وہ کمزور ہو گئے تو تم قوی رہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے اس وقت چمٹے رہے جب لوگ مضطرب ہو گئے۔ اگرچہ اس سے منافقین کو غصہ کفار کو رنج حاسدوں کو کراہت اور باغیوں کو غیظ و غضب تھا، تاہم تم بلا نزاع و تفرقہ خلیفہ برحق تھے۔ تم دینِ الٰہی پر قایم رہے اور جب وہ رک گئے تو تم نورِ الٰہی کی روشنی میں رواں رہے پھر انہوں نے (بھی) تمہاری پیروی کی اور منزل پر پہنچ گئے تمہاری آواز سب سے پست تمہارا تفوق سب سے اعلیٰ تمہارا کلام سب سے زیادہ باوقار تمہاری گفتگو سب سے زیادہ باصواب تمہاری خاموشی سب سے زیادہ طویل تمہارا قول سب سے زیادہ بلیغ تھا تمہاری ذات سب سے زیادہ شجاع اور معاملات سے زیادہ واقف اور عمل میں سب سے زیادہ بزرگ تھی واللہ تم اہلِ دین کے سردار تھے۔ جب لوگ دین سے ہٹے تو تم آگے بڑھے اور جب وہ دین پر جھکے تو تم ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ تم اہلِ ایماں کے مہرباں باپ تھے اس مہرِ پدری سے وہ تمہاری اولاد بن گئے، جن

فحملت اثقال ما ضعفوا و رغبت ما احملوا وحفظت ما اضاعوا وعلمت ما جهلوا وشمرت اذ خضعوا وصبرت اذ جزعوا فادركت اوتار ما طلبوا وراجعوا برشدهم برايك فظفروا ونالوا بك ما لم يحتسبوا كنت على الكافرين عذاباً صباً و لهباً وللمؤمنين رحمة وانساً وحصناً فطرت والله بفضائها وفزت بحبائها و ذهبت بفضائلها وادركت سوابقها لم تفلل حجتك ولم تضعف بصيرتك ولم تجبن نفسك ولم يزغ قلبك ولم يحر كنت كالجبل الذي لا تحركه القواصف ولا تزيله العواصف وكنت كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم امن الناس علينا في صحبتك وذات يدك وكنت كما قال ضعيفاً في بدنك قوياً في امر الله متواضعاً في نفسك عظيماً عند الله جليلاً في اعين الناس كبيراً في انفسهم لم يكن لاحد فيك مغمز ولا لقائل فيك مهمز ولا لاحد فيك مطمع ولا لمخلوق عندك هوادة الضعيف الذل عندك قوى عزيز حتى تاخذ بحقه والقوى عندك ضعيف ذليل حتى تاخذ منه الحق

بھاری بوجھوں کو وہ نہ اٹھا سکے اُن کو تم نے اٹھایا جو اُن سے فروگزاشت ہوئی اس کی تم نے نگہداشت کی جو چیز اُنھوں نے کھو دی اُس کی تم نے حفاظت کی۔

جو انہوں نے نہ جانا وہ تم نے سکھایا۔ تم نے جانبازی کی جب وہ عاجز ہو گئے تم ثابت قدم رہے۔ جب وہ گھبرا گئے تو تم نے دادخواہوں کی دادرسی کی۔ وُہ اپنی راہنمائی کے لیے تمہاری رائے کی جانب رجوع ہوئے۔

اور کامیاب ہوئے۔ تمہارے ذریعہ سے ان کو وہ ملا جس کا ان کو گمان نہ تھا۔ تم کافروں کے لیے بارشِ عذاب اور آتشِ سوزاں تھے اور مومنوں کے لیے اُنس رحمت و پناہ، تم نے اوصاف کی فضا میں پرواز کی، اُن کا خلعت پا لیا اُن کے محاسن لے لیے اور فضائل کی بازی جیت لی۔ تمہاری دلیل کو شکست نہیں ہُوئی تمہاری بصیرت کمزور نہیں ہوئی اور تم نے بزدلی نہیں کی، تمہارا دل نہ کج ہوا اور نہ پھرا۔ تم اُس پہاڑ کی مثل تھے جس کو نہ شدائد ہلا سکتے ہیں اور نہ ہوا کے طوفان ہٹا سکتے ہیں۔

تم بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رفاقت اور مال میں زیادہ منت افزا تھے اور بقول آپ کے بدن کے ضعیف تھے

حکم الٰہی میں قوی، خود اپنے ذہن میں ناچیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک گرامی قدر، انسانوں کی نگاہوں میں با اجلال اور دلوں میں باوقعت تھے۔ تمہاری نسبت کسی کو آنکھ مارنے کی مجال نہ تھی اور نہ کوئی طعن کا موقع پا سکتا تھا۔ کسی کے لیے تم محلِ طمع نہ تھے اور نہ مخلوق میں کسی کی رعایت بیجا کر سکتے تھے عاجز اور ذلیل تمہارے نزدیک قوی اور معزز تھا کہ تم اس کا حق لے کر مانتے تھے اور زبردست تمہارے سامنے کمزور اور ناچیز تھا کہ تم اس سے حق

القریب والبعید عندک فی ذالک سواءٌ اقرب الناس الیک اطوعھم للہ واتقاھم لہ شانک الحق والصدق والرفق قولک حکم حتم وامرک حلم حزم ورایک علم وعزم فاقلعت وقد نھج السبیل وسھل العسیر واطفیت النیران واعتدل بک الدین وقوی بک الایمان وثبت الاسلام والمسلمون وظھر امر اللہ ولو کرہ الکافرون فسبقت واللہ سبقاً بعیداً وتعبت من بعدک اتعاباً شدیداً وفزت بالخیر فوزاً مبیناً فجللت عن البکاء وعظمت رزیتک فی السماء وھدت مصیبتک فی الانام فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ورضینا عن اللہ قضاءہٗ وسلمنا لہ وامرہ فو اللہ لن یصاب المسلمون بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمثلک ابداً کنت للدین عزا وحرزا وکھفا وللمؤمنین فئۃ وحصناً وغیثاً وعلی المنافقین غلظۃ وغیظا فالحقک اللہ نبیک صلی اللہ علیہ وسلم ولا حرمنا اجرک ولا اضلنا بعدک فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

لے کر رہتے تھے اس معاملہ میں قریب و بعید سب تمہاری نظر میں برابر تھے۔ تمہارا سب سے زیادہ مقرب وہ تھا جو خدا کا سب سے زیادہ فرمانبردار اور سب سے زیادہ پرہیزگار تھا تمہاری شان حق راستی اور نرمی تھی تمہارا قول حکم اور امر قطعی تھا۔ تمہارے حکم میں حلم تھا اور حزم۔ رائے میں دانائی تھی اور عزم تھا۔ اِن اوصاف اور فضائل کی قوت سے تم نے باطل کو اکھیڑ کر پھینک دیا اس کے بعد راستہ صاف تھا، مشکل آسان تھی اور (فتنہ و فساد کی) آگ سرد۔ دین تمہاری مدد سے اعتدال پر آگیا۔ ایمان تمہاری وجہ سے قوی ہوگیا اور اسلام اور مسلمان مضبوط ہو گئے اور فرمانِ الٰہی غالب آگیا۔ اگرچہ کفار کو یہ سخت ناگوار تھا۔ اس حسنِ خدمت میں واللہ تم بہت آگے نکل گئے اور اپنے جانشین کو سخت دشواری میں ڈال دیا اور علانیہ خیر کے مراتب پا لئے تمہاری شان آہ و بکا سے ارفع ہے اور تمہارا ماتم آسمان پر عظیم ہے اور تمہاری مصیبت نے لوگوں کی کمر توڑ دی تمہاری مصیبت پر ہم اناللہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں قضائے الٰہی پر رضا مند ہیں اور اس کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمہاری وفات سے بڑھ کر مسلمانوں پر کبھی کوئی مصیبت نہیں پڑے گی۔ تم دین کی عزت حفاظت اور پناہ تھے۔ مسلمانوں کی جمعیت، قلعہ اور جائے پناہ اور منافقین کے حق میں سختی اور غصہ۔ اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا دے اور ہم کو تمہارے اجر سے محروم اور تمہارے بعد گمراہ نہ فرمائے ہم پھر اناللہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ جب تک حضرت علیؓ خطبہ دیتے رہے سب آدمی خاموش رہے۔ جب خطبہ ختم ہوا تو اس قدر کہ آواز بلند ہوگئی اور بالاتفاق کہا کہ اے رسول اللہ کے خویش! آپ نے سچ فرمایا۔ (الریاض النضرہ)

قال عبد الله بن جعفر رضی الله عنهما ولينا ابوبکر فکان خير خليفة الله وارحمه وارضاه علينا۔

(الحاکم)

حضرت عبداللہ ابن جعفر طیارؓ نے فرمایا ہے کہ ابوبکر ہم پر والی ہوئے تو اس شان سے کہ مخلوقِ الٰہی میں سب سے بہتر تھے اور ہم پر سب سے زیادہ مہربان اور سب سے زیادہ ہم سے خوش۔

قال ابو مريم کنت بالکوفة فقام الحسن بن علی خطيبا فقال يايها الناس رايت البارحة فی منامی عجبا رايت الرب تعالیٰ فوق عرشه فجاء رسول الله صلی الله عليه وسلم حتی قام عند قائمة من قوائم العرش فجاء ابوبکر فوضع يده علی منکب رسول الله صلی الله عليه وسلم ثم جاء عمر فوضع يده علی منکب ابوبکر ثم جاء عثمان فکان بيده راسه فقال رب سل عبادك فيم قتلونی فانبعث من السماء ميزابان من دم فی الارض قال فقيل لعلی الا تری ما يحدث به الحسن قال يحدث بما رای۔

(ابو العلی)

ابو مریمؓ کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں تھا۔ امام حسن بن علی نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ اے لوگو! رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا، میں نے رب کریم کو عرش پر دیکھا اسی عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور عرش کے ایک پایہ کے پاس قیام فرمایا۔ پھر ابوبکر آئے اور دوش مبارک پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر عمر آئے اور ابوبکر کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر عثمان آئے۔ اُن کے ہاتھ میں اُن کا سر تھا عرض کی: الٰہی! اپنے بندوں سے پوچھ کہ انہوں نے مجھ کو کس قصور میں قتل کیا۔ اس کہنے پر آسمان سے دو خون کے پرنالے زمین میں بہنے لگے۔ یہ خطبہ سُن کر لوگوں نے حضرت علی سے کہا کہ "آپ دیکھتے ہیں حسن کیا کہتے ہیں"۔ فرمایا: "جو دیکھا وہ کہتے ہیں"۔

قال ابو جعفر ما رأيت احداً من اهل بيتی الا وهو يتولیٰ بهما۔

(امام محمد)

حضرت امام باقر کا قول ہے کہ میں نے کسی کو اپنے اہل بیت میں سے نہیں دیکھا جو اُن دونوں (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر) سے محبت نہیں رکھتا تھا۔

عن ابی حفصة قال سالت محمد بن علی وجعفر بن محمد عن ابی بکر و عمر فقال اما ما عدل نتولهما و نتبرء من عدوهما ثم

ابی حفصہ سے روایت ہے کہ میں نے محمد بن حنفیہ اور امام جعفر صادق سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی نسبت رائے طلب کی۔ دونوں نے کہا کہ وہ دونوں امام عادل تھے ہم ان کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے

التقت ابی جعفر بن محمد فقال یا سالم
یسب الرجل جدہ ابوبکر الصدیق
جدی لا تنال بشفاعۃ جدی محمد
صلی اللہ علیہ وسلم یوم القیامۃ ان لم اکن
اتولھما واتبرء من عدوھما۔
(امام محمد)

دشمن سے بیزار ہیں۔ پھر امام جعفر صادق نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اے سالم! کیا کوئی انسان اپنے جد کو گالی دے سکتا ہے۔ ابوبکر صدیق میرے جد ہیں مجھ کو میرے جد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب نہ ہو۔ اگر میں اُن دونوں سے محبت نہ رکھتا ہوں اور اُن کے دشمنوں سے بیزار نہ ہوں۔

وعن ابی جعفر من جھل فضل ابی بکر وعمر
جھل السنۃ۔ (امام محمد)

حضرت امام باقر سے روایت ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی فضیلت کو نہیں جانتا وہ سنّت کو نہیں جانتا۔

وعنہ قال بغض ابی بکر وعمر نفاق و
بغض الانصار نفاق انہ کان بین بنی
ھاشم وبین بنی عدی وبنی تیم شحناء فی
الجاھلیۃ فلما اسلموا انزع اللہ ما فی
قلوبھم حتی ان ابا بکر اشتکی خاصرتہ
فکان علی یسخن یدہ بالنار ویکمد بھا
خاصرۃ ابی بکر و نزلت فیھم و نزعنا
ما فی صدورھم من غل اخوانا علی
سرر متقابلین۔ (امام محمد)

حضرت امام باقر سے روایت ہے کہ ابوبکر اور عمر سے بغض نفاق ہے اور انصار سے بغض نفاق ہے۔ بنی ہاشم، بنی عدی (قبیلۂ حضرت عمر) اور بنی تیم (قبیلہ حضرت ابوبکر) میں زمانۂ جاہلیت میں عداوت تھی۔ جب یہ قبیلے مسلمان ہو گئے تو ان کے دل میں جو کچھ (عداوت) تھی۔ اللہ تعالیٰ نے نکال لی۔ اب نوبت یہ پہنچی کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر کے پہلو میں درد ہوا تو حضرت علی اپنا ہاتھ آگ سے گرم کر کے حضرت ابوبکر کا پہلو سینکتے تھے۔ اُنھیں بزرگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) اُن کے دلوں میں جو کچھ عداوت تھی ہم نے کھینچ لی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوئے۔

جاء رجل الی علی بن الحسین فقال ما کان
منزلۃ ابی بکر وعمر من رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم قال کمنزلتھما منہ
الساعۃ۔ (امام احمد)

ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا کیا مرتبہ تھا۔ فرمایا: وہی مرتبہ تھا جو اس وقت بھی ہے (یعنی روضۂ اقدس میں سب سے قرب حاصل ہے)

قال الزبیر بن العوام انا نری ابابکر احق الناس بها بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لصاحب الغار وثانی اثنین وانا لنعلم شرفہ وکبرہ ولقد امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالصلوٰۃ بالناس وھو حیٌّ۔ (الحاکم)

حضرت زبیر کا قول ہے کہ ہم سب سے زیادہ خلافت کا مستحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر کو جانتے ہیں وہ بالتحقیق رفیق غار تھے اور دو میں کے ایک تھے اور ہم کو ان کا شرف اور ان کی بزرگی خوب اچھی طرح معلوم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاتِ مبارک میں اُن کو امامت کا حکم فرمایا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک یہ بھی فضیلتِ خاص ہے کہ اُن کی چار نسلیں صحابی تھیں وہ خود اُن کے والد حضرت ابوقحافہ، ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عبدالرحمٰن کے بیٹے حضرت ابوعتیق محمد رضی اللہ عنہم اجمعین (الاستیعاب، پر مسند امام بخاری ذکر محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہم اجمعین)

بابؔ چہارم

اولیاتِ صدیقی

۱۔ مردوں میں سب سے اوّل اسلام قبول کیا۔

۲۔ سب سے اوّل قرآن شریف کا نام مصحف رکھا۔

۳۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے قرآن شریف کو جمع کیا۔

حضرت شیرِ خدا کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو ترتیب مخصوص کے ساتھ جمع کیا جو تمام اُمت کے نزدیک مقبول ہے اور جس پر ساری اُمت کا اتفاق ہے۔

۴۔ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کفار سے لڑے، اس لیے وہ دینِ الٰہی اور دعوتِ نبوّت کے سب سے پہلے مجاہد ہیں۔

۵۔ سب سے پہلے خلیفۂ راشد ہیں۔

۶۔ سب سے پہلے وہ خلیفہ ہیں جن کو باپ کی حیات میں خلافت ملی۔

لہ اس باب کا ماخذ (باستثناء نمبر ۴ اور ۱۶ کے) کتاب محاضرۃ الاوائل مؤلفہ شیخ علاء الدین سکنوارسی ہے جو امام سیوطی کی کتاب محاضرۃ الاوائل سے ماخوذ ہے۔ نمبر ۴ کا ماخذ صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی سنہ ۱۲۶۲ھ کا صفحہ ۵۴۳ ہے۔ نمبر ۱۶ کا ماخذ رسالہ مناقب الخلفا مؤلفہ سید نور الحسن خاں مرحوم بھوپالی ہے جو تاریخ الخلفا سیوطی کا خلاصہ ہے۔

۷۔ سب سے پہلے انہوں نے خلافت کے لیے ولیعہد مقرر کیا۔
۸۔ سب سے پہلے بیت المال قائم کیا۔
۹۔ سب سے پہلے صدر اسلام میں اجتہاد کیا۔
۱۰۔ صحابۂ کرام میں سب سے اول اجتہاد کیا۔
۱۱۔ سب سے پہلے ان کا لقب خلیفہ ہوا۔
۱۲۔ اسلام میں سب سے پہلے ان کا لقب عتیق ہوا۔
۱۳۔ اُمتِ محمدیہ میں سب سے پہلے داخل جنت ہوں گے۔
۱۴۔ سب سے پہلے اسلام میں مسجد انہوں نے بنائی۔
۱۵۔ سب سے پہلے یہ مقولہ انھوں نے فرمایا:
"البلاء موکل بالمنطق"۔
۱۶۔ اسلام میں سب سے اول لقب ان کو ملا۔ یعنی عتیق۔

خاتمہ

حضرت ابوبکرؓ کی زندگی کے معتبر اور مستند حالات و واقعات آپ نے پڑھے۔ اُن کی زندگی کے دو حصے ہیں، ایک قبل اسلام، دوسرا بعد اسلام۔

مسلمان ہونے سے پہلے بھی وہ رئیس قریش تھے اور دولتمند تاجر، ریاست اور دولت کے ساتھ ساتھ حُسنِ اخلاق، ہمدردی، وسعتِ معلومات، دانشمندی اور معاملہ فہمی میں صاحبِ امتیاز تھے۔ ان ہی صفات کے اثر سے قوم میں محبوب اور معتمد تھے۔ گزشتہ واقعات سے واقف تھے۔ حال کے حالات کا سفر اور تجارت کے ذریعہ سے تجربہ حاصل تھا۔ اُن کی صفات کی شہرت نواح مکہ تک محدود نہ تھی بلکہ ابن الدغنہ کا قول ثابت کرتا ہے کہ ان کی اخلاقی خوبیاں دُور دُور تک مسلّم تھیں۔ شراب کبھی نہیں پی۔ شعر پر پُوری قدرت تھی۔ یہ اوصاف اور حالات بتاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر زمانۂ جاہلیت میں بھی ایک سلیم الطبع، غمخوار، دانشمند اور زندہ دل انسان تھے۔ جس انسان میں یہ صفات ہوں وہ بہترین ہمدم و رفیق ہو سکتا ہے۔

آفتابِ رسالت کے طلوع ہونے سے ایک سال پہلے سے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُن کی آمد و رفت تھی۔ جس طرح طلوعِ آفتاب سے قبل نور کا ظہور ہو جاتا ہے اسی طرح قربِ وحی کے زمانہ میں انوارِ رسالت کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ خلوت گزینی و عبادت مزاجِ اقدس کو بہت زیادہ مرغوب ہو گئی تھی۔ رؤیاء صادقہ (سچے خواب) نظر آتے تھے۔ غرض بیداری و خواب دونوں حالتوں میں ظہورِ نور تھا۔ ظاہر ہے کہ اس زمانہ کی صحبت بھی بے اثر نہ رہ سکی تھی۔ اس طرح حضرت صدیقِ اکبرؓ نزولِ وحی سے پہلے قبولِ اسلام اور رفاقت و خلافت کی قابلیت و استعداد سے مشرف ہو چکے تھے۔

اِسی کا اثر تھا کہ جب اسلام کی صدا کان میں آئی مانوس محسوس ہوئی۔ ادھر حضرت صادق امین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تبلیغ اسلام ہوئی۔ ادھر بے تامل حضرت صدیقِ اکبرؓ نے اٰمنّا کہا اور تصدیق کی اُس قوت کے ساتھ کہا جو صدیقیت کے خلعت سے مشرف ہوئی۔

شرفِ اسلام کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی زندگی اطاعت و استقامت کا مرقع ہے اور ارشادِ ربانی:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۔ اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ۔

کی تابحدِ بشر تعمیل، جسم جان شان عقل و فراست اولاد مال جائداد، آرام و آسائش غرض جو کچھ اُن کی بساط میں تھا اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم پر قربان تھا۔ اِسی لیے فاروقِ اعظم اور حضرت شیرِ خدا کی شہادت ہے:

"ما استبقنا الی خیر قط الا سبقنا ابوبکر۔" ہم جس نیکی کی طرف جھپٹے اس میں ابوبکر ہم سے سبقت لے گئے۔

اپنی وجاہت کے اثر سے سابقین اوّلین کے اعلیٰ افراد کو خدمتِ مبارک میں قبولِ اسلام کے واسطے لاکر پیش کیا۔ مال خدمتِ اسلام کے لیے وقف تھا۔ مالی سرمایہ آخر عمر تک تجارت کے ذریعے سے بڑھایا اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں صرف کیا۔ کمزور مسلمانوں کو خرید کر ظالم آقاؤں کے پنجے سے چھڑایا۔ مجاہدین کی خدمت میں بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جو کچھ تھا سب لاکر حاضر کر دیا۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ کر فرماتے ہیں:

اے ابوبکر! بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا؟

جواب میں عرض کرتے ہیں:

اللہ اور اس کے رسول کو رکھ چھوڑا ہے۔

اللہ اکبر! کیسا پاکیزہ سرمایہ رکھا۔ صدیقِ اکبرؓ کی اُن دس اشرفیوں کی قیمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو مسجد نبویؐ کی زمین کا زرِ ثمن تھیں۔ اس پاک سرزمین کا ایک ٹکڑا روضۂ جنت ہے۔ یہ منبر شریف اور قبرِ مبارک کے درمیان میں ہے۔ دوسرا عرش سے بھی افضل ہے جو جسمِ اطہر کو مس کر رہا ہے۔ جان و مال کی اصل طہارت یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے مال اور اپنے نفس کو اپنی ملکیت نہیں جانتے تھے بلکہ دونوں کو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت جانتے اور مانتے تھے۔ جب ارشادِ مبارک ہوا:

ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر۔ کسی کے مال نے مجھ کو وہ نفع نہیں دیا جو ابوبکر کے مال نے دیا۔

تو یارِ غار نے روکر عرض کی:

یا رسولؐ اللہ! کیا میں اور میرا مال آپ کے نہیں ہیں؟

اِسی تسلیم و رضا کا اثر تھا کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مال مثل اپنے مال کے بے تکلف صرف فرماتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ جب تک زندہ رہے خدمتِ دین کے واسطے کماتے رہے۔ جب زندگی کے ساتھ خدمت کا سلسلہ قطع ہوا تو

مال بھی ختم ہوا۔ وفات کے بعد نقد ایک حبّہ پاس نہ تھا اور کفن کے لیے کوڑی نہیں چھوڑی۔

اولاد بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی مرضی پر قربان تھی۔ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات سے خاطرِ اقدس ملول تھی تو اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے عقد میں دے دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن جب تک کافر رہے اُن کو دشمنِ جانی کی طرح دیکھا۔ تعلق کیا۔ بعد ازیں جب ان کو لشکرِ کفار میں دیکھا تو نہایت خشمگیں ہو کر کہا:

این مالی یا خبیث ؟ اے پلید! میرے حقوق کیا ہوئے؟

دیکھو حقوق یہی تھے کہ لشکرِ اسلام کی صف میں لڑیں اور اسلام پر قربان ہوں۔ غزوۂ اُحد میں تلوار میان سے لے کر اُن کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے تھے مگر دربارِ رسالت سے میدان میں جانے کی اجازت نہیں ملی۔ جب انہوں نے مسلمان ہو کر ایک مرتبہ کہا کہ ابا جان! ایک موقع پر غزوۂ بدر میں آپ میری زد پر آگئے تھے مگر میں نے بچا دیا۔ سُن کر فرمایا کہ بیٹا! اگر تم میری زد پر آجاتے تو میں ہرگز نہ چھوڑتا۔

ایک دُوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ غزوۂ طائف میں کام آئے اور خلعتِ شہادت سے سُرخرو ہُوئے رضی اللہ عنہ۔ دو صاحبزادیوں نے باپ سے حدیث روایت کی۔ یعنی حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما۔

فتحِ مکّہ کے وقت اپنے نوّے سالہ بوڑھے اور نابینا باپ کو خدمت میں لا کر حاضر کیا کہ شرفِ اسلام سے مشرف ہوں۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ ابوبکر بڑے میاں کو کیوں تکلیف دی میں خود اُن کے پاس چلتا۔ عرض کی کہ انہی کو حاضرِ خدمت ہونا چاہیے تھا۔

ہجرت کے واقعات پر غور کرو۔ خونخوار دشمنوں کا نرغہ ہے۔ بارہ منزل دُور مدینہ طیبہ ہے۔ مکّہ مکرمہ میں اہل و عیال اور مال و جائداد کا کوئی ظاہری محافظ نہیں۔ گھر میں بال بچّوں کے حلقے میں بیٹھے ہیں کہ اسی اثنا میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر ارشاد فرماتے ہیں:

"ابوبکر! ہجرت کا حکم آگیا۔"

بے اختیار مُنہ سے نکلتا ہے:

"اور میری رفاقت کا؟"

ارشاد ہوتا ہے:

"اس کی بھی اجازت ہے۔"

یہ مژدۂ جانفزا سُن کر جوشِ مسرت سے بیتاب ہو جاتے ہیں اور نہایت شوق سے سامانِ سفر کا اہتمام کرتے ہیں۔ بی بی، بچّے، مال اور مکان سب آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اُن کی مصیبت اور تباہی بھی شاید ذہن میں آئی ہو گی۔ لیکن ہمدمی حبیب (روحی فداہ) کے ذوق کے مقابلہ میں کسی کی پروا نہیں۔ کوئی سیرت یا تاریخ اِس کا پتا ہی نہیں دیتی کہ مژدۂ ہجرت اور ہجرت کے درمیان جو وقت ملا اُس میں اُنھوں نے اپنی اولاد یا جائیداد کی آسائش و حفاظت کا کچھ بھی بندوبست کیا ہو۔

انتہا یہ کہ باپ کو بھی خبر نہ کی۔ جو سرمایہ نقد تھا وہ خدمت کے لیے ساتھ لے لیا اور خونخوار کفار کے نرغے میں سب کچھ چھوڑ کر رکاب سعادت میں باطمینانِ قلب روانہ ہو گئے۔ اُن کی تسلیم و رضا کا پرتو اُن کے گھر والوں پر بھی اس قدر تھا کہ بجائے پریشان ہونے کے دوسروں کی پریشانی رفع کرتے تھے۔ جب بوڑھے دادا مضطرب ہو کر آئے تو پوتی نے تدبیر سے اُن کی تسکین کر دی حالانکہ اسی پوتی کو بیکسی میں ابوجہل کی شقاوت کا صدمہ پہنچا تھا۔ شرفِ اسلام کے بعد سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک پروانہ وار شمعِ رسالت (بابی و امی) پر قربان و نثار رہے۔ تمام جانفروشی کے موقعوں پر یعنی غزوات میں شمشیر بکف ہمرکاب رہے بدر میں جو شانِ شجاعت دکھائی اس نے حضرت شیرِ خدا کی زبانِ مبارک سے "اشجع الناس" کا خطاب دلوایا۔ اُحد کے حوصلہ فرسا ہنگامے میں سب سے اوّل حضرت سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالتِ مجروحی شہدا کی لاشوں میں دیکھ کر شناخت کیا۔ جب ان کے بیٹے عبدالرحمٰن نے کفار کی طرف سے میدان میں آکر حریف طلب کیا تو تلوار میان سے نکال کر مقابلے کے لیے تیار ہو گئے اور اجازت طلب کی۔

فرمانِ رسالت، ہوا "شم سیفك وامتعنابك" (تلوار میان میں کر لو اور ہم کو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو)۔ یہ فرمان سنا تو قصد ملتوی کر دیا۔ لڑائی اور صلح سب میں آپ ہی کی خوشنودی مطلوب تھی۔

غزوۂ خندق میں ایک دستہ حضرت صدیقؓ کے ماتحت تھا، دیکھو صداقت کی برکت، جس موقع پر یہ دستہ متعین تھا وہاں ایک مسجد بنی جو صدیوں تک قایم رہی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اُن کے زمانہ تک موجود تھی یعنی بارھویں صدی ہجری میں حُدیبیہ کے معرکے میں جو وقت معرکہ کا تھا اُس میں حضرت فاروقِ اعظم تک بیتاب تھے مگر حضرت صدیق اکبر کی تسلیم و رضا کا یہ جلوہ تھا کہ اضطراب کجا۔ جب حضرت فاروق اعظم نے جا کر ماجرا بیان کیا تو صرف اس قدر کہا کہ رکابِ سعادت تھامے رہو۔

تبوک میں جائزۂ فوج امامت اور بڑا نشان یہ سب خدمات حضرت صدیق اکبرؓ کے سپرد تھیں۔ اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا وقت کیسا ہوش ربا وقت تھا۔ دُنیا میں ایسے اشخاص کی وفات سے جو سرگروہ اور کارفرما ہوتے ہیں ایک تلاطم برپا ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اس ذاتِ پاک کی رحلت جو دونوں عالم کی مرکز تھی، جس پر صحابہ کرام جان سے قربان تھے اور جس کے وجود باجود کی برکت سے وحی کا سلسلہ قائم تھا۔ انوارِ قدس کی بارش اس عالم خاکدان پر ہو رہی تھی اور اس فیض و برکت کو اُس قدسی گروہ کا ہر فرد محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ اپنی خلافت کے دور میں جب حضرت صدیقِ اکبر فاروقِ اعظم کو ساتھ لے کر حضرت ام ایمن کے پاس باتباعِ سنتِ نبویؐ گئے تو وہ روئیں اور رونے کی وجہ یہ بتائی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا۔ اس حادثہ کا یہ اثر تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وقفِ حیرت تھے مسجد میں صحابہ کرام کا مجمع تھا اور حضرت عمرؓ اس مجمع میں یہ تقریر فرما رہے تھے کہ منافق کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ واللہ وفات نہیں پائی ہے بلکہ وہ اپنے رب کے پاس موسٰیؑ کی طرح گئے ہیں جو چالیس روز غائب رہ کر واپس آ گئے تھے حالانکہ اُن کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پا گئے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراجعت فرمائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں کہ آپؐ نے وفات پائی۔ اب حضرت ابو بکرؓ کی حالت پر نظر ڈالیے جب اُن کو

اس سانحہ ہوش ربا کی خبر پہنچی تو گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور سیدھے حجرۂ مبارک پر پہنچے، چہرۂ اقدس سے چادر اٹھائی۔ پیشانی کو بوسہ دیا اور رو کر کہا:

"آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ کی حیات اور وفات دونوں پاک ہیں جو موت خدا تعالیٰ نے آپ کے لیے مقدر فرمائی تھی اس کا ذائقہ آپ نے چکھ لیا۔ اب اس کے بعد آپ کبھی وفات نہ پائیں گے۔"

اس کے بعد مسجد نبویؐ میں آئے تو حضرت عمرؓ کو کلام بالا کہتے سنا۔ اُن سے کہا سنبھلو اور خاموش ہو جاؤ۔ وہ خاموش نہ ہوئے تو خود سلسلۂ کلام شروع کر کے حاضرین کو اپنی طرف مخاطب فرمایا اور کہا:

"اے لوگو! جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا تو (وہ سمجھ لے کہ) محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو پوجتا تھا تو (وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا (اللہ تعالیٰ کا ارشاد) اور نہیں محمدؐ مگر ایک رسول ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا وہ اگر مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا تو وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب جزا دے گا۔"

اس کلام کو سن کر آنکھوں کے سامنے سے حیرت کا پردہ اُٹھ گیا اور حقیقتِ واقعہ منکشف ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکشاف ہوا تو فرطِ غم سے بیٹھ گئے۔ اہلِ معرفت نے اس خطبہ کو توحید کا اعلیٰ مظہر مانا ہے۔ غور کرو اگر حضرت ابوبکرؓ کی قوتِ ایمانی اس وقت اس حیرت کو رفع نہ کر دیتی تو مسیح اور انبیاؑ کے آپ کی رحلت کا واقعہ چیستاں بن کر رہ جاتا۔ دین و ملت کا سارا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا۔ بنی ساعدہ کے سقیفہ کا حال تم پڑھ چکے ہو۔ وہ چند گھنٹے ایسے خطرناک اور قیمتی تھے کہ اُن کے فیصلے نے اُمت کو تباہی سے بچا لیا۔ خود حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ واقعہ سقیفہ دفعۃً ہوا مگر اُس نے مسلمانوں کو تباہی سے بچا لیا۔ یہ بھی دیکھو کہ اُس جدوجہد سے صدیقِ اکبرؓ کا مقصد ذاتی رفعت نہ تھی بلکہ محض اُمت کی خدمت کی۔ جب انتخاب اور بیعت کا وقت آیا تو حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کو پیش فرما دیا کہ ان میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو۔ دونوں خلافت کے اہل ہیں۔ خلیفہ ہونے کے بعد صاف کہہ دیا کہ نہ خلافت کی مجھ کو کبھی تمنا تھی نہ میں نے پوشیدہ اس کے لیے دعا کی۔

خلافت کا زمانہ قوتِ ایمانی کے اعلیٰ ظہور کا زمانہ ہے۔ اُس عہد کے واقعات بلند آہنگی سے یہ شہادت دے رہے ہیں کہ شانِ صدیقیت اور ایمانی قوت میں وہ مبارک ذات ممتاز تھی۔ واقعاتِ خلافت کہہ رہے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا یہ قول بالکل صحیح تھا کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کی قوتِ عالمہ و عاملہ انبیاؑ و رسل کے مشابہ تھی۔ خلافتِ صدیقی کا زمانہ قوتِ عملی کا کارنامہ تھا۔ ابتدائی خطبہ دیکھو، اُس میں یہ الفاظ ہیں:

"جو تم میں کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ ان شاء اللہ اُس کا حق دلواؤں گا اور تم میں جو قوی ہے وہ میری نظر میں کمزور ہے اُس سے ان شاء اللہ حق لے کر چھوڑوں گا۔"

اس کے ساتھ وہ فقرہ ملائیے جو ہنگامہ ردّت کے وقت فرمایا تھا:

انہ قد انقطع الوحی وتم الدین اینقص — ظاہر ہے کہ وحی کا سلسلہ قطع ہو گیا۔ دین کمال کو پہنچ گیا

وانا حیٌّ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میری زندگی میں اُس کی قطع و برید کی جائے۔

ان دونوں مقولوں سے واضح ہے کہ خلافت سے حضرت ابوبکرؓ کا مقصود حفاظتِ دین او خدمتِ خلق تھی۔ عملاً یہ ثبوت ہے کہ ان دو خدمتوں کے سوا کوئی تیسرا کام اُنھوں نے خلافت میں نہیں کیا۔

آغازِ خلافت میں جھُوٹے مدعیانِ نبوت کی وجہ سے عرب میں ارتداد خانہ جنگی و بغاوت کا طوفان ہر طرف بپا تھا۔ مورخ ابنِ اثیر کا قول ہے کہ چوبیس قبیلے مرتد ہو کر میدانِ جنگ میں سرگرمِ کارزار تھے۔ سرحد کی دو جانب قیصر و کسریٰ مسلمانوں کی تاک میں تھے۔ اس حالت کا نقشہ عبداللہ بن مسعود نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"اُس وقت مسلمان بکریوں کے اُس گلّے سے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سرد رات میں بحالتِ بارش میدان میں بے گلہ بان کے رہ جائے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے غایت تدبّر سے ان تمام مشکلات کا صحیح اندازہ فرمایا اور اس کی کامل تدبیر فرمائی اور یہی ایک بڑا کمال ہے۔ دیکھو خلافت کے دسویں دن جو قاصد ارتداد کی خبریں لے کر مدینہ طیبہ میں آئے اُن سے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ:

"صبر کرو، اِس کے بعد جو خط آئیں گے اُن میں اس سے زیادہ سخت خبریں ہوں گی۔"

مسلمانوں کو قیصر و کسریٰ کے شر سے محفوظ رکھنے کا یہ اہتمام تھا کہ فتنۂ ارتداد سے فارغ ہوتے ہی ان کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو گئے اس زمانہ میں ایک صحابی نے اپنے قبیلے کے ایک معاملے کی جانب توجہ دلائی تو غصہ ہو کر فرمایا کہ میں تو ان دو شیروں کے زیر کرنے کی فکر میں ہوں جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور تم میری توجہ معمولی کاموں کی طرف مائل کرتے ہو۔ خلافتِ صدیقی کا زمانہ صرف سوا دو سال ہے۔ اسی قلیل عرصہ میں ارتداد کا وہ فتنہ فرو کیا جاتا ہے جس کی آگ یمن سے لے کر نواحِ مدینہ طیبہ تک مشتعل تھی۔ اس حالت پر غور کرو کہ یمن سے لے کر مدینہ طیبہ تک مرتدوں کے لشکر پڑے ہوئے ہیں۔ خود مدینہ طیبہ مرتدوں کے نرغے میں ہے۔ اِس ہنگامۂ قوت کے ساتھ مرتد خلیفۂ رسول اللہ کو پیام دیتے ہیں کہ ہم سے نماز پڑھوا لو مگر زکوٰۃ معاف کر دو۔ گویا بنیادِ اسلام کا ایک پایہ ڈھا دینا چاہتے ہیں۔ اس طرف یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کا چیدہ لشکر حضرت اسامہؓ کی سرداری میں رومیوں کے مقابلہ میں روانہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے ہیں جن میں فاروقِ اعظمؓ بھی شریک ہیں۔ سب کی رائے ہوتی ہے کہ نرمی مناسب وقت ہے۔ حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ تھے:

یا خلیفۃ رسول اللہ تالف الناس و ارفق بھم۔	یعنی اے خلیفۂ رسول اللہ! ان لوگوں کے ساتھ تالیفِ قلوب اور نرمی کا برتاؤ کیجئے۔

اس مشورے کو سُن کر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

اجبارٌ فی الجاھلیۃ و خوارٌ فی الاسلام	یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو بڑے سرکش تھے۔ مسلمان ہو کر
انہ قد انقطع الوحی و تمّ	ذلیل و خوار ہو گئے۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور دین
الدین اینقص وانا حیٌّ و اللہ لاُجاھدھم	کمال کو پہنچ گیا کیا میری حیات میں اس کی قطع و برید

ولو منعونی عقالا۔ کی جائے گی۔ واللہ اگر لوگ ایک رسّی کا ٹکڑا بھی (فرض زکوٰۃ میں سے) دینے سے انکار کریں گے تو میں ان پر جہاد کروں گا۔

یہ فرما کر مرتدوں کے ایلچی اسی جواب کے ساتھ واپس کر دئے جاتے ہیں۔ اُن کے جانے کے بعد باوجود ظاہری بے سروسامانی کے مدینہ منورہ کی حفاظت فرمائی جاتی ہے اور حملہ آوروں کے حملے نہ صرف روکے جاتے ہیں بلکہ اُن پر حملہ کرکے شکست دی جاتی ہے اور سیلابِ ارتداد کے فرو کرنے کی قوت کے ساتھ تدبیر کی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۱ھ کے ختم تک یعنی صرف نو ماہ میں یہ ہنگامہ فرو ہو گیا اور اس قوت کے ساتھ کہ پھر آج تک نہیں برپا ہوا۔ ۱۲ھ میں کسریٰ کی قوت کا کسر و انکسار شروع ہوا۔ اختتام سنہ مذکور سے قبل مجوزہ مہم عراق ختم ہو گئی اس کے ختم ہوتے ہی قیصر کی نوبت آئی۔ اسلام کے لشکر شام پر بڑھے اور معرکۂ یرموک کے سر ہونے سے رومیوں کو قوتِ اسلام کا اندازہ ہو گیا۔ اسی واسطے خطبۂ وفات میں حضرت شیرِ خداؓ نے فرمایا تھا

"اِن اوصاف وفضائل کی قوت سے تم نے باطل کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ اُس کے بعد راستہ صاف تھا۔ مشکل آسان تھی اور فتنہ وفساد کی آگ سرد۔"

جنگی معرکوں کے ساتھ ملکی انتظام بھی تھے۔ عراق فتح بھی ہوا، اُس میں خراج کا بندوبست بھی ہوا اور خراج وصول ہو کر اسلام کے مقاصد کی تکمیل میں صرف بھی ہونے لگا۔ لشکر کو یہ ہدایتیں تھیں؛

"خیانت نہ کرنا۔ دھوکہ نہ دینا۔ سردار کی نافرمانی نہ کرنا۔ کسی شخص کے اعضاء نہ کاٹنا۔ کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا۔ کھجور اور میوہ دار درخت نہ کاٹنا نہ جلانا۔ اُونٹ، بکری یا گائے کو سوا غذا کی ضرورت کے نہ مارنا۔ عیسائیوں کے گوشہ گیر اہلِ عبادت کو نہ ستانا۔ نعمتیں کھا کر خدا کو نہ بھول جانا۔"

دیکھو عین معرکۂ کارزار میں دین واخلاق کا سبق یاد رکھنے کی تاکید ہے۔ ترحم وکرم کا دائرہ انسان، حیوان، نباتات سب کے لیے وسیع ہے۔ مورخ ابنِ اثیر نے (جن کی وفات ۶۳۰ھ میں ہے) لکھا ہے کہ خلافتِ صدیقی کے احکام با آج تک مسلمانوں کے لشکر کے دستور العمل ہیں۔ یورپ کی حالیہ جنگِ عظیم کے ہولناک مناظر دیکھ کر قدرتی طور پر یہ تمنا قلب سلیم میں پیدا ہوتی ہے کہ کاش تعلیمِ صدیقی کا فیض مغرور یورپ نے حاصل کر لیا ہوتا تو بنی نوع انسان پر یہ مصیبت نازل نہ ہوتی۔

اِس موقع پر ذرا شانِ صدیقی کا مرقع دل کی نگاہ کے سامنے لے آؤ۔ مسیلمہ کذاب سے معرکہ ہے۔ روم وایران کے شہ سے مقابلہ ہے۔ محلہ کی لڑکیوں کی فرمائش سے بکریاں دوہی جا رہی ہیں۔ راستہ میں بچے بابا بابا کہہ کر لپٹ رہے ہیں نواحِ مدینہ میں ایک اپاہج اندھی بڑھیا کی خدمت اس اہتمام سے ہو رہی ہے کہ حضرت عمرؓ بھی سبقت نہیں لیجا سکے۔ کاندھے پر کپڑے کی گٹھڑی ہے اور مدینہ کے بازار میں خرید وفروخت کرکے اہل وعیال کی روزی کا سامان کرتے ہیں۔ مدینہ پر حملہ ہوتا ہے تو فوج کی کمان بھی کرتے ہیں۔ میدانِ جنگ کا پورا خاکہ تیار کرکے امیرانِ لشکر کے حوالے فرماتے ہیں۔ عراق کی مہم میں یہ بھی اہتمام ہے کہ ملک کی آبادی میں فرق نہ آئے۔ زراعت واہلِ زراعت تباہ نہ ہوں۔ بندوبست اراضی کی ہدایتیں جاری ہوتی ہیں

کلام مجید اور حدیث کی خدمت ہو رہی ہے۔ فقہ کے اصول مرتب ہوتے ہیں۔ دین کے مشکل مسئلے حل کیے جاتے ہیں۔ ذکر کی تلقین ہوتی ہے۔ غرض ایک ہی وقت میں بادشاہ اور درویش، مفسر، محدث، فقیہ، اولوالعزم اور مسکین، سپہ سالار اور مالیات کے حاکم، تاجر سب کچھ ہیں، اور جب دنیا سے جاتے ہیں تو دنیا سے بالکل پاک صاف، نہ ملک و رثا کے لیے چھوڑتے ہیں۔ نہ روپیہ نہ جائیداد' پرانی چادریں دھوئی جاتی ہیں اور خلیفۂ رسول اللہ اُن میں دفنا دیے جاتے ہیں اور دیکھو یہ سب کچھ محض اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کے لیے ہے۔

علمی خدمات

قرآن مجید بہ شکل کتاب ایک جا لکھوا کر محفوظ فرما دیا اور اس کا نام "مصحف" رکھا۔ معانیِ کلام مجید کے متعلق جو مشکلات پیش آئیں اُن کو حل کیا۔ حدیث کی روایت کی۔ زکوٰۃ کی مقادیر کی بابت سب سے زیادہ معتبر روایت حضرت صدیق رضؓ کی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس دیگر اہمات مسائل میں حضرت ابوبکرؓ کی روایتیں سند ہیں۔ فقہ میں قاعدہ اجتہاد مقرر کیا جو سارے مجتہدوں کا دستور العمل بنا۔ مشکل مسائلِ فقہ کو حل کیا۔ تعبیر رؤیا میں ان کی شان جلالت مسلّم ہے۔

تصوف میں ذکر کلمہ طیبہ کا طریقہ سب سے اوّل تلقین کیا۔ کشف المحجوب میں صدیق اکبرؓ کو امام تصوّف لکھا ہے۔ طریقہ نقشبندیہ کا سلسلہ بواسطۂ حضرت امام جعفر صادق حضرت صدیق تک پہنچتا ہے۔ اہلِ معرفت کا قول ہے کہ نسبت صدیقی نسبتِ ابراہیمی تھی اسی لیے غلبۂ توحید علیٰ وجہ الکمال تھا۔ کلام مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لقب "اوّاہٌ منیب" ہیں۔ یعنی دردمند اور اللہ پاک کی طرف رجوع کرنے والے۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوبکرؓ کا لقب "اوّاہ" (دردمند) تھا۔ یہ بھی نسبتِ ابراہیمی کا اثر تھا۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مرتبۂ ضمنیتِ کبریٰ حاصل تھا لہٰذا کمالات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہرِ اتم حضرت ابوبکرؓ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے حضرت صدیقؓ کے قلب پر شعاعِ غیبی کا ظہور لطیفۂ قلبیہ سے ہوتا تھا لہٰذا حقیقتِ حال بصورتِ عزیمت ظاہر ہوتی نہ بہ رنگِ تخیل۔ حدیث شریف:

ما صب اللہ فی صدری شیئاً الا صببتہ فی صدر ابوبکر۔ — جو کچھ اللہ نے میرے سینہ میں ڈالا میں نے ابوبکرؓ کے سینہ میں ڈال دیا۔

واقعۂ وفات پر غور کیجیے۔ ایک انسان کی اصل حالت کا معیار غالباً اُس زمانہ سے بڑھ کر دوسرا نہیں ہو سکتا جو موت کے قریب ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر جسمانی حیثیت سے کبھی قوی نہ تھے۔ اس ضعف کے ساتھ تریسٹھ برس کی عمر میں علیل ہوتے ہیں۔ پندرہ روز بخار آتا ہے۔ انتہا یہ کہ مسجد جانے کی قوت نہ رہی حالانکہ گھر کی کھڑکی مسجد میں تھی۔ اس سے تمام جسمانی ضعف کا اندازہ کر سکتے ہو۔ اس شدتِ ضعف و مرض میں عزیمت کا کیا حال ہے۔ بعض ہمدرد طبیب کے بلانے کا مشورہ دیتے ہیں تو فرماتے ہیں، طبیب دیکھ چکا۔ استفسار کرتے ہیں دیکھ کر کیا کہا۔ فرماتے ہیں یہ کہا ہے،

اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ — میں جو ارادہ کرتا ہوں کر ڈالتا ہوں۔

دیکھو حضرت صدیق کی نبض کس کے ہاتھ میں تھی۔ یہ تسلیم و رضا کا بہترین سبق ہے۔ ایام مرض اس گھر میں بسر کرتے ہیں جو دربار نبویؐ سے مرحمت ہوا تھا۔ جب مرض نے زیادہ زور پکڑا تو جانشین کی فکر ہوئی۔ سوچا۔ مشورہ کیا۔ بالآخر حضرت

فاروقِ اعظمؓ کو منتخب فرمایا۔ اس انتخاب پر اُن فیوض و برکات نے آفریں کہی جو عالم پر دَورِ فاروقی میں عدلِ فاروقیؓ سے نازل ہوئے۔ منشاءِ انتخاب کیا تھا، وہ بھی سُن لو۔ جب ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو سخت مزاج خیال کر کے اعتراض کیا تو نہایت جوشِ صداقت کے ساتھ جواب دیا:

ابالله تخوفني اذا لقيت الله قلت استخلفت علیٰ اهلك خير اهلك۔

کیا تم مجھ کو خدا سے ڈراتے ہو۔ میں جس وقت اللہ کے روبرو جاؤں گا تو کہوں گا کہ میں تیری مخلوق پر سب سے بہتر آدمی کو جانشین مقرر کر کے آیا ہوں۔

اِس کی تشریح اُس دعا کے الفاظ میں بھی ہے جو حضرت عمرؓ کے حق میں بعد وصیت فرمائی:

اللهم انی لم ارد بذلك الا اصلاحهم وخفت عليهم الفتنة فعملت فيهم بما انت اعلم به واجتهدت لهم رأيا وليت عليهم خيرهم واقويهم واحرصهم علیٰ ما ارشدهم۔

اے اللہ! میں نے یہ انتخاب مسلمانوں کی بہتری کے ارادے سے کیا ہے اور اس اندیشہ سے کہ اُن میں فساد نہ ہو۔ میں نے وہ عمل کیا جس کو تو بہتر جانتا ہے میں نے خوب غور و فکر کے بعد بہترین اور قوی ترین شخص کو ولی عہد کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہشمند ہے۔

عین وفات کے قریب حضرت مثنیٰؓ عراق سے فوجی کمک حاصل کرنے مدینہ آتے ہیں تو خلیفہ کو بسترِ وفات پر پاتے ہیں۔ اس پر بھی حضرت ابوبکرؓ اُن سے مفصل حالات سنتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو بلا کر فرماتے ہیں:

"جو میں کہتا ہوں اُس کو سُنو اور عمل کرو۔ مجھ کو توقع ہے کہ آج میری زندگی ختم ہو جائے گی دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے اور رات میں نکلے تو صبح ہوتے ہوتے مسلمانوں کو ترغیب دے کر مثنیٰؓ کی مدد پر آمادہ کرنا۔ کسی مصیبت کی وجہ سے دین کی خدمت اور حکمِ ربانی کی تعمیل سے نہ رُکنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھ کر کیا مصیبت ہو سکتی ہے تم نے دیکھا ہے کہ اُس روز میں نے کیا کیا تھا۔ قسم ہے رب کی اگر میں اُس روز حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا، اور مدینہ میں آگ بھڑک اُٹھتی۔ اگر خداوند تعالیٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالدؓ کے لشکر کو عراق بھیج دینا اس لئے کہ وہ کار آزمودہ اور وہاں کے حالات سے واقف ہے۔"

اُسی دورانِ مرض میں یہ محاسبہ ہوتا ہے کہ بیت المال سے وظیفہ کیا ملا۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ ملا واجبی ملا۔ حق المحنۃ تھا جو صحابہ کرام کی تجویز سے ملا، تاہم صفائی محاسبہ پیشِ نظر تھی اس لیے اپنی ایک جائداد فروخت کرا کر کل رقم بیت المال کی بیباق کر دی۔ بعد بیعت کے جو اضافہ مال میں ہوا تھا (یعنی ایک حبشی غلام جو بچوں کو کھلاتا تھا اُسی کے ساتھ مسلمانوں کی تلوار پر صیقل کرتا تھا۔ ایک چادر سوا روپے کی قیمت کی اور ایک اونٹنی، جس پر پانی آتا تھا) اُس کی نسبت حکم ہُوا کہ بعد وفات سب چیزیں خلیفہ کے پاس پہنچا دی جائیں۔ جب اس حکم کی تعمیل ہُوئی تو حضرت عمرؓ بہت روئے اور فرمایا: "اے ابوبکرؓ! تم اپنے

جانشینوں کیلئے کام بہت سخت کر گئے۔"

اتباعِ سنّت دیکھو۔

قریب وفات حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کو کتنے پارچہ کا کفن دیا گیا۔"

کہا "تین پارچہ کا۔"

فرمایا "میرے کفن میں بھی تین ہی کپڑے ہوں۔ دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھولی جائیں۔ ایک چادر نئی لی جائے۔" (مسلمانو! تمہارے خلیفہ کے توشہ خانہ میں صرف دو چادریں تھیں)

ایثار ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سُن کر کہا کہ "ہم ایسے تنگدست نہیں کہ نیا کپڑا نہ خرید سکیں۔"

فرمایا: جانِ پدر! نئے کپڑے مُردوں سے زیادہ زندوں کیلئے موزوں ہیں۔ کفن تو پیپ اور لہو کے واسطے ہے۔"

قدرتی اتباعِ سنّت دیکھیے۔

انتقال کے روز فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دن رحلت فرمائی۔"

لوگوں نے کہا: "دوشنبہ کو۔"

فرمایا: "مجھے اُمید ہے کہ میری موت بھی آج ہی ہوگی۔" (یہ دوشنبہ کا دن تھا)

سنو ادبِ محبوب۔

عین سکرات کے وقت جب دم سینہ میں آچکا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حسرت سے یہ شعر پڑھا: ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ	یعنی "وہ نورانی صورت جس کی تازگی سے ابر سیراب ہو،
ثمال الیتامٰی عصمۃ للارامل	یتیموں کی پناہ، بیواؤں کی محافظ۔"

سُن کر آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"یہ شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، ابوبکر اس کا مستحق نہیں۔" رضی اللہ عنہ۔

خدارا اِن واقعات پر غور کرو اور کہو کہ حضرت صدیقؓ کے دل میں سوائے اللہ اور اس کے رسولؐ کے کسی کی بھی محبت تھی! واللہ نہ تھی، ہرگز نہ تھی ؎

بہ پردہائے دل و چشم من نہاں حسرت
من وخدائے کہ جُز جلوۂ نگارم نیست
رضی اللہ عنہ

وجزاہ عنا خیر الجزاء، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

عمرِ فاروق رضؓ کے عہد میں نظامِ حکومت

محمد حسین ہیکل

حضرت عمرؓ کا دَور غزوات و فتوحات کا دَور تھا، جس میں فتح و نصرت نے اسلامی پرچموں سے پیمانِ وفا باندھ رکھا تھا۔ ان کی حکومت مشرق میں افغانستان اور چین، شمال میں اناطولیہ اور قزوین، مغرب میں تیونس اور اس سے آگے بڑھ کے شمالی افریقہ اور جنوب میں بلادِ نوبہ سے جا ملی تھی۔

ان فتوحات نے اس زمانے کی دُنیا اور اُن مورخین کو حیرت میں ڈال دیا، جنھوں نے واقعات کی تفصیل بیان کرنے کے بعد اُن کے اسباب کی چھان بین کرنی چاہی (ان فتوحات میں غازیانِ اسلام اور اُن کے ایرانی و رومی دشمنوں کی نفسیات کو تو دخل تھا ہی، لیکن ایک سبب جس نے فتوحات کی وسعت پر غیر معمولی اثر ڈالا، وہ جزیرۃ العرب کا نظامِ حکومت تھا۔ یہ نظام ہجرتِ رسولؐ کے بعد کے بیس سال میں ایک ایسے انقلاب سے گزرا جس نے عربوں کو یہ قوت بخشی کہ وہ سکون و اطمینان کے ساتھ اُن عظیم الشان تاریخی حوادث کا مقابلہ کر سکیں۔ اس سکون و اطمینان نے ان کے جذبۂ خود داری کو بڑھایا۔ اُن میں اپنی قوت کا شعور بیدار کیا اور ان کے اس یقین میں پختگی پیدا کی کہ جس پیغام کے وُہ حامل ہیں اسے ساری دُنیا تک پہنچانا اُن کا اور اُسے سُننا ساری دنیا کا فرض ہے۔ چنانچہ کوئی طاقت اُن کی راہ کا بھاری پتھر بنی، نہ کوئی قوت انھیں اپنے پیغام کی اشاعت سے روک سکی۔

یہ نظام نہ کسی منطقی فکر آرائی کا نتیجہ تھا نہ فقہا کی قانون سازی کا کارنامہ، جنھوں نے مل بیٹھ کر اور اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے اسے مرتب کیا ہو اور اُس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے خلفاء نے اس کو نافذ کر دیا ہو! نہیں! ہرگز نہیں! یہ نوزائیدہ سلطنت اپنی طفولیت سے لڑکپن اور لڑکپن سے شباب تک کے ارتقائی مرحلے بڑی تیزی سے طے کر رہی تھی۔ اس لیے والیٔ سلطنت کا اوّلین فرض تھا کہ اُن حالات کا لحاظ رکھے، جو ارتقائی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اس کی سلطنت میں رونما ہو رہے تھے اور سب سے پہلے اُس مرکزی قوت کو منظم کرے، جو اس انقلاب و ترقی کے پسِ پردہ کام کر رہی تھی اور مملکت کے مختلف حصوں کو ایک مضبوط لڑی میں پرو کر انھیں ناقابلِ شکست بنا دے۔ بلادِ عرب میں اتحاد یا کسی قسم کا باقاعدہ نظمِ حکومت قائم ہونے سے پہلے ہی یہ مرکزی قوت اُبھرنی شروع ہو گئی تھی اور اس سے پہلے کہ عرب کسی نظمِ حکومت سے آشنا ہوں، آس پاس کے ملکوں میں اپنے اپنے مستقل نظام قائم تھے۔ عراق پر ایرانی اور شام پر بیزنطینی نظامِ حکومت مسلط تھا، لیکن مدینہ والوں نے ان دونوں میں سے کسی نظام کا چربہ اتارنے اور ایک مکمل عربی یا اسلامی دستورِ حکومت کو کاغذ پر ثبت کرنے کی کوشش نہ کی، جو مملکت کے نزدیک و دُور میں نافذ کیا جائے۔ اگر کوئی اس قسم کی کوشش کرتا بھی ، تو اس کی تحریر اور اصلاح و ترمیم ہی میں کئی سال لگ جاتے جب کہیں مملکت کے مختلف حصوں کے لیے ایک متحدہ دستور وجود میں آتا، لیکن وسیع و برق رفتار فتوحات کے دَور میں تدوینِ دستور کی گنجائش ہوتی ہے، نہ وہ اسے برداشت کرتا ہے۔ چنانچہ

حات کا دور بالطبع اجتہاد کا دور ہوتا ہے، جس میں ہنگامی حالات اور ان کے مقتضیات کو دیکھ کر ہی کوئی حکم دیا جاتا ہے۔ پھر جب فتوحات
، برق رفتاری کا وہ عالم ہو، جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں تھا، تو اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ دستورِ حکومت منطقی
ولوں سے زیادہ والیٔ سلطنت کے بدیہی فیصلوں پر موقوف ہو اور والیٔ سلطنت فتوحات کے ساتھ ساتھ چلتا رہے۔ نہ ایک قدم آگے
ھے نہ ایک قدم پیچھے رہے۔

اِس میں شک نہیں کہ جن بزرگ ہستیوں نے جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کی جڑیں مضبوط کیں، وہی اپنی طاقتور شخصیتوں، اپنی
لیمات اور اپنے کردار کی بنا پر اس وحدت کا محور تھیں۔ نبی عربی علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی ذات والاصفات اور آپ کی رسالت اس وحدت
سر چشمہ اور اساس تھی، اور خلیفۂ اوّل نے اُن محرکات و عوامل پر کاری ضرب لگائی جو اس وحدت پر حملہ کرکے اس کا کام تمام کر دینا
ہتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو خلافت اس وقت سونپی گئی، جب جزیرہ نمائے عرب کی وحدت پردوں میں سے جھلک رہی تھی اور
ب اس کے لیے تکمیل کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا تھا کہ مبادا وہ شانے کمزور ہو جائیں جنہیں آئندہ اُس کا بوجھ سہارنا ہے۔

حضرت عمرؓ ضعف کا شکار ہونے والوں میں سے نہ تھے۔ اُن کی شخصیت کی توانائی اور اس کے قوتِ ظہور کی روشن مثالیں
اریخ کے صفحات پر ثبت ہیں اور اس کا جو نمایاں اثر اسلام سے پہلے اور اس کے بعد کی عربی زندگی پر مترتب ہوا تھا، وہ بھی کسی سے
شیدہ نہیں۔ مدینہ کی ہجرت کے بعد اُن کی یہ خصوصیات اور بھی نکھر گئی تھیں، جہاں حضرت ابوبکرؓ کی طرح وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
سلم کے مشیرِ خاص تھے۔ حضرت عمرؓ بعض معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف بھی کرتے تھے، جن میں سے اسیرانِ بدر
جیسے دو چار مواقع پر قرآن نے ان کی تائید بھی کی اور چونکہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر سچا ایمان رکھتے تھے، اس لیے جب وحی ان کی
ائے کے خلاف فیصلہ کرتی تھی، تو وہ سب سے پہلے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت
ی پیروی میں بھی انہیں ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔ اُن کی رائے کے اختلاف کا یہ سلسلہ عہدِ صدیقی میں بھی جاری رہا۔ جب حضرت ابوبکرؓ
پنی رائے پر اصرار فرماتے، حضرت عمرؓ اسے تسلیم کر لیتے کہ صدیقِ اکبرؓ مسلمانوں کے امیر تھے، لیکن ان کی اطاعت نے ان کی شخصیت کو کبھی
محو نہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ایمان ہونے کے باوجود انہوں نے وقت کی ضرورت اور سنّتِ ثابتہ کا فرق کبھی فراموش نہ
ہونے دیا بلکہ کبھی کبھی تو وہ سنّت پر نظرِ ثانی کو بھی ممکن سمجھتے تھے اور اپنے اس یقین کے تحت کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت
موجود ہوتے تو اپنے فیصلے سے رجوع فرما لیتے، اسے سنّت سے انکار پر محمول نہ کرتے تھے۔ (حالات کی تبدیلی سے خاص پس منظر
میں دیئے جانے والے احکامات تبدیل ہو جاتے ہیں)

حضرت صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمرؓ جن مسائل سے دلچسپی رکھتے تھے، ان میں بلاد عرب کی سیاسی وحدت بھی
شامل تھی۔ لیکن ان کی اس دلچسپی نے انہیں حضرت ابوبکرؓ کی اعانت سے کبھی غافل نہ کیا اور وہ صدیقی سیاست کے نفاذ میں پورے
خلوص سے کوشاں رہے۔ اس کے بعد جب وہ خود مسند آرائے خلافت ہوئے، تو سب سے پہلے انہوں نے اپنی توجہ اسی وحدت
کے استحکام پر مبذول فرمائی۔ ان کے غور و فکر نے انہیں اس نتیجے پر پہنچایا کہ یہ وحدت اس وقت تک محفوظ و مامون نہیں رہ سکتی
جب تک وہ ہر قسم کے شائبے سے بالکل پاک نہ ہو جائے اور اس کی یہی ایک صورت ہے کہ جس طرح عربوں کی زبان ایک ہے،

اسی طرح اُن کا وطن اور اُن کے عقاید بھی مکمل طور پر ایک ہو جائیں، لیکن یہودی اور عیسائی ابھی جزیرۂ عرب میں موجود تھے، تو کیا کتاب اور سنّت سے اختلاف کیے بغیر حضرت عمرؓ انہیں وہاں سے نکال سکتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی یہودیوں سے دوستی کا معاہدہ فرمایا، لیکن وہ عہد شکنی کر کے غدّاری پر اتر آئے اور مدینہ سے نکال دیے گئے۔ اس کے بعد بھی انہوں نے اپنی دشمنی کا سلسلہ جاری رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جزیرہ نمائے عرب کی اکثر یہودی بستیوں سے جلاوطن فرمادیا۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہودیوں کا اپنی آبادیوں میں رہنا کوئی ایسا حق نہ تھا، جس کا احترام ضروری ہو۔ اُن کے ساتھ دوستی کا معاہدہ صرف ایک سیاسی قدم تھا، جو مدینہ کے ابتدائی دور میں حکومت کی کسی مصلحت کے پیشِ نظر اٹھایا گیا تھا، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس فرمایا کہ حکومت کی اعلیٰ مصلحت اسے درست نہیں سمجھتی تو اسے چھوڑ کر دوسرا طریق عمل اختیار کر لیا۔ حضرت عمرؓ کی رائے میں حکومت کی اسی اعلیٰ مصلحت کا تقاضا تھا کہ تمام جزیرہ نمائے عرب میں صرف ایک عقیدہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عہدِ خلافت کا آغاز ہی اس سے کیا کہ نجران کے عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا۔ یعلیٰ بن اُمیّہ کو ان کا حکم تھا کہ عیسائیوں پر دین کے معاملے میں زبردستی نہ کی جائے، لیکن جو عیسائی اپنے مذہب پر قائم رہے، اُسے نکال دیا جائے اور جیسی اور جتنی زمین اس نے نجران میں چھوڑی ہو، ویسی اور اتنی ہی زمین اُسے عراق میں دے دی جائے اور اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا جائے۔ یہی کچھ اُن یہودیوں کے ساتھ کیا گیا جو خیبر اور فدک میں باقی رہ گئے تھے۔ انہیں وہاں سے جلاوطن کر کے شام بھیج دیا گیا۔ ان کی زمینوں کی قیمت انہیں دے دی گئی اور ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کی گئی۔ اس طرح جزیرۃ العرب، اسلام کے سوا ہر عقیدے سے خالی ہو گیا اور اس وحدت کی بنیادیں وہاں استوار ہو گئیں، جو امیرالمومنینؓ کا مطمحِ نظر تھی۔

یہ ہے اس سبب کی واضح تصویر جس کی بنا پر حضرت عمرؓ نے یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکالا تھا اور اپنے اس اقدام میں سُنّت سے اختلاف و تجاوز کیا تھا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ سے جو عہد فرمایا تھا، وُہ کوئی ایسی سنّت نہ تھا، جسے حکم کہا جاسکے بلکہ وُہ ایک سیاست تھی، جو عہدِ رسالتؐ ہی میں بدل گئی تھی، تو پھر بعد کو اس کی تبدیلی میں کیا قباحت تھی۔ بدلتے ہوئے حالات، فتوحات کی وسعت اور جزیرۃ العرب میں وحدتی رشتوں کے استحکام کی شدید خواہش اس کی متقاضی تھی کہ اسے بدلا جائے۔ آخر حضرت عمرؓ اس عہدنامے پر کیوں جمے رہتے، جو اپنی اصل کے اعتبار سے ایک خاص وقت تک کے لیے تھا، جو اپنی مدّت ختم ہو جانے کے بعد خود بخود ختم ہو جاتا تھا اور جس کی تجدید اس وقت تک نہ ہو سکتی تھی، جب تک امیرالمومنینؓ ہی نہ چاہیں۔

بلادِ عرب میں وحدت کی بنیادیں استوار کرنے کے لیے تنہا یہی کافی نہ تھا کہ وہاں اسلام کے سوا کوئی مذہب نہ رہے، جب تک اس کے باشندوں میں وُہ تمام امتیازات نہ مٹ جاتے، جن کی بنا پر کچھ لوگ اپنے آپ کو عزّت و آزادی کا دوسروں سے

ؔ اس کا جواز خود یہودیوں نے فراہم کیا تھا۔ اسلامی حکومت کے رویّے کی تبدیلی کا سبب یہودیوں کی عہد شکنی تھی۔ ایک عہد شکن گروہ کے ساتھ معاہدہ باقی ہی کہاں رہتا ہے؟ کوئی بھی معاہدہ یکطرفہ نہیں ہوتا، جب ایک فریق اس کے مطابق ذمہ داری ادا نہ کرے تو دوسرا اس کا طوق کیوں گلے میں ڈالے رہے۔ (ایڈیٹر)

زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور جب تک ان میں یہ شعور پیدا نہ ہو جاتا کہ صحیح مساوات ہی ہماری سلامتی کی ضامن ہے۔ اس وقت تک یہ خواب حقیقت نہ بن سکتا تھا۔ ارتداد اور ارتداد سے پیدا ہونے والی لڑائیوں نے عربوں میں بعض امتیازات پیدا کر دیے تھے، لیکن حضرت عمرؓ چونکہ صحیح وحدت کے خواہشمند تھے، اس لیے اُن تمام امتیازات کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنا اُن پر فرض تھا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین پر جو پابندی لگائی تھی کہ وہ مسلمانوں کی صف میں شامل ہو کر نہیں لڑ سکتے، حضرت عمرؓ نے اُسے ختم کر دیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ عرب غلاموں کو آزاد کر کے اُن کے رشتہ داروں کے ساتھ بھیج دیا جائے۔ اس لیے کہ وہ (عربوں میں) غلامی کے رواج کو ناپسند فرماتے تھے۔ اس طرح فاروقِ اعظمؓ نے ایک نئے دَور کا افتتاح کیا اور تمام عربوں کے دل میں عرب کے سب سے ہوشمند انسان کی روح سرایت کر گئی۔ وہ جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو ایک قوم سمجھنے لگے، جس کا نصب العین مشترک تھا اور اس نصب العین کی طرف انھیں لے جانے والی ایک عمومی سیاست اور ایک اعلیٰ مصلحت تھی، جس کی نگرانی امیرالمومنینؓ فرما رہے تھے۔

یہ اعلیٰ مصلحت، جس نے حضرت عمرؓ کو اسلام کے سائے میں قومی وحدت تک پہنچنے کی راہ دکھائی، اسی نے انہیں بتایا کہ وہ تاریخ و سنین کا نقطۂ آغاز رسولؐ اللہ کی ہجرت کو قرار دیں۔ اس وقت تک عرب تاریخوں کا حساب کبھی عام الفیل سے لگاتے تھے اور کبھی عرب کی دوسری بڑی بڑی جنگوں سے یہ جنگیں چونکہ سب کی سب جاہلیت سے تعلق رکھتی تھیں اور اسلام آیا ہی تھا جاہلیت کے آثار و رسوم مٹانے، اس لیے حضرت عمرؓ نے عہدِ رسالت کی اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ اس ہجرت کو قرار دیا، جو نبیِّ عربی علیہ التحیۃ والتسلیم نے مکّہ سے مدینہ کی طرف فرمائی تھی کیونکہ اسی ہجرت کے بعد سے اللہ نے اپنے رسول کو نصرت و کامرانی سے نوازنا شروع کیا تھا اور یہی ہجرت اللہ کے دین کی عزّت و سربلندی کا سبب بنی تھی۔ اِس کامیاب انتخاب سے وحدت کو بڑی تقویت پہنچی اور اس کی اہمیت اس لیے اور بڑھ گئی کہ اس کی تکمیل ۱۶ھ میں ہوئی، جب اسلامی فوجیں کسریٰ اور قیصر کے ملکوں میں فاتحانہ پیش قدمی کر رہی تھیں اور مدائن میں گھُس کر ایوانِ اعظم کے پرخچے اُڑا رہی تھیں۔ اِدھر بیت المقدس کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھُل رہے تھے اور وہ کلیسائے قیامت کے پہلو میں مسجدِ اقصیٰ کی بنیاد ڈال رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب اِس شاندار اسلامی سنِ تقویم کو ایرانی و رومی سنِ تقویم کے سامنے رکھ کر دیکھا، تو یہ ان سے کہیں زیادہ روشن ثابت ہُوا، اس لیے کہ اس سے دُنیا کی تاریخ کا ایک بہت بڑا واقعہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

فطری بات تھی کہ حضرت عمرؓ سیاست کے اصول مرتّب کرنے میں اپنی طاقت ورشخصیت اور خداداد بصیرت کا سہارا لیں۔ اِس لیے کہ حکومت ابھی نشو و ارتقا کے ابتدائی مراحل میں تھی اور عراق و شام کی لڑائیاں انتہائی احتیاط اور ہوش مندی کی متقاضی تھیں۔ جن حالات سے حضرت عمرؓ کو اس زمانے میں دوچار ہونا پڑا تھا، اگر وہی حالات ہمارے یا کسی اور زمانے میں پیش آجائیں، تو جنگی ضروریات کا تقاضا یہی ہوگا کہ حکومت کی باگ ڈور کسی ایسے ذمہ دار شخص کو سونپ دی جائے، جو تمام تر اختیارات کا مالک ہو تاکہ جنگی کوششوں کی تنظیم اور اس کی دشواریوں کا مقابلہ کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

کیا تیزی سے بدلتے ہوئے ان حالات کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کے لیے ممکن تھا کہ وہ آغازِ خلافت ہی میں ایک مفصل نظام مرتّب کر کے تمام بلادِ عرب میں نافذ کر دیتے یا عراق میں جو ایرانی نظام رائج اور شام پر جو بیزنطینی نظام مسلّط تھا، ان سے جزیرہ نمائے عرب کے لیے کوئی نظام اخذ کر لیتے؛ میں نہیں سمجھتا، ان میں سے ایک بات بھی حضرت عمرؓ کے ذہن میں آئی ہو۔ جزیرۃ العرب اپنے

جغرافیائی محلِ وقوع کے پیشِ نظر عراق وشام سے جوہری اختلاف رکھتا تھا اور عرب جس زندگی سے مانوس تھے وہ ایران و روم کے نظاموں سے میل نہ کھاتی تھی۔ پھر اگر فاروقِ اعظمؓ کی تمام تر توجہ اور کوششیں جنگ پر مرکوز نہ ہوتیں، تو شاید وہ اس مسئلے پر غور فرماتے، لیکن عہدِ فاروقیؓ کی ابتدا میں اسلامی لشکر، عراق کے محاذ پر نہایت نازک صورتِ حال سے دوچار تھا اور شام میں اُن کی فوجیں رومی قوتوں سے نبرد آزما تھیں جو سامان و تعداد کے لحاظ سے ان سے دگنی اور چوگنی تھیں۔ اِن حالات میں اُن کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ وہ جزیرہ نمائے عرب کو ایک آزاد اسلامی عربی وحدت میں ضم کر دیتے، جس سے عوام میں خود اعتمادی پیدا ہوتی اور خود اعتمادی فاتحانہ قوتوں کو مہمیز کرتی اور اس کی تنظیم زمانے کے سپرد فرما دیتے کہ وہ کتاب و سنّت کی حدود میں اُسے آہستہ آہستہ پختہ کرتا رہتا۔

اگر حضرت عمرؓ جزیرۃ العرب کے مختلف حصوں میں کوئی ایک نظام نافذ کرنے کی کوشش کرتے، تو اس کے نتائج نہ اُن کے لیے خوشگوار ثابت ہوتے، نہ مسلمانوں کے لیے۔ شہریوں کو بدویانہ نظام خوش نہ آتا اور بدوی شہری نظام قبول نہ کرتے۔ حضرت عمرؓ نے غلاموں کو واپس کرنے اور مرتدین پر سے پابندیاں اٹھانے کا جو حکم دیا تھا، اس سے لوگ بہت خوش تھے۔ فاروق اعظمؓ کا یہ اقدام بالکل صحیح تھا کہ انہیں اسی طرح خوش رہنے دیا جائے تاکہ اُن میں تعاون کا جذبہ پیدا ہو اور وُہ جنگ کی دعوت پر بہ طیبِ خاطر لبیک کہہ کر اسلامی فوج کا بوجھ ہلکا کریں۔ اس اثنا میں کوئی حرج نہیں، اگر جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشوں مثلاً یمن وغیرہ میں ان کا سابقہ نظام بحال رہے اور حضرت عمرؓ بس یہی کریں کہ ہر ریاست میں اپنا ایک والی بھیج دیں، جو وہاں مدینہ کی حکومت قائم کر کے لوگوں سے صدقات وصول کرے۔ ان میں اللہ کی حدود قایم کرے اور انہیں دین کی تعلیم دے تاکہ وُہ اپنی زندگی کو اس کے احکام کے سانچے میں ڈھال لیں۔ اس کے سوا باقی تمام معاملات میں ہر قوم اور ہر قبیلے کی شخصی آزادی برقرار رکھی جائے، جس کے وہ برسوں سے عادی چلے آرہے ہیں اور اُن ریاستوں کے باہمی روابط کو مملکت کے مجموعی مفاد پر اثر انداز نہ ہونے دیا جائے۔ اب کہ بلادِ عرب کا نظام یہ تھا ہمیں حق پہنچتا ہے کہ آج کل کی ایک دستوری اصلاح مستعار لے کر ان روابط کو ایک ایسے وفاق سے موسوم کریں، جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ یا سوئٹزرلینڈ کی ریاستوں کے وفاق سے مشابہ تھا۔

مدینہ اس وفاق کا دارالسلطنت تھا۔ اُس کے اِس تقدم کی تنہا یہی وجہ نہ تھی کہ اُس نے مرتدین پر فتح پائی تھی۔ اگر ارتداد کا فتنہ سر نہ اُٹھاتا تو بھی فطری طور پر مدینہ ہی اسلام کا سب سے پہلا دارالسلطنت ہوتا اور اسے تمام شہری اور بدوی آبادیوں پر فوقیت دی جاتی، کیونکہ یہی شہر تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی تھی۔ آپؐ کی بزرگداشت اور آپ کی سازداری کی تھی۔ یہیں قرآن کی مکہ سے زیادہ آیتیں نازل ہوئی تھیں اور یہیں وہ مہاجرینؓ و انصارؓ جمع تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سُنتے اور آپؐ کی سنّت کو جانتے تھے اور جنہوں نے اللہ کے دین کی عزت و نُصرت کے لیے اپنی جانیں لڑا دی تھیں۔ چنانچہ مدینہ وحیِ محمدی کا مقامِ نزول، اسلامی قانون سازی کا سرچشمہ اور دین کی طرف سب سے پہلے سبقت کرنے والوں کا مستقر تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو اپنا دارالحکومت بنایا اور دینِ الٰہی کی دعوت کے لیے یہیں سے ملوک و امرا کے پاس اپنے ایلچی بھیجے تھے۔ جس شہر کی شان یہ ہو، عجب کیا اگر وہ دارالسلطنت بنایا جائے اور حیرت کیوں اگر ہر چہار طرف سے نگاہیں اُس کی طرف اُٹھیں!

عہدِ فاروقیؓ میں مدینہ کا نظامِ حکومت اُسی بنیاد پر قائم تھا جو عہدِ رسالتؐ اور اس کے بعد عہدِ صدیقیؓ میں اُس کے لیے مقرر کی گئی تھی

یہ بنیاد شوریٰ تھی جس میں اللہ کے اس حکم سے استنباط کیا گیا تھا کہ، وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ اور آپس کے مشورے سے کام کرتے ہیں اور اس ارشادِ خداوندی سے جو اپنے نبیؐ سے خطاب فرماتے ہوئے کیا گیا تھا کہ، وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ اور معاملات میں ان سے مشورہ لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ سے مشورہ فرماتے تھے، جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سب سے مقدم تھے۔ آپؐ ان دونوں سے فرمایا کرتے تھے :

"خدا کی قسم! اگر تم دونوں کسی مسئلے پر متفق ہو جاتے ہو، تو میں تمہارے مشورے سے کبھی نہیں ہٹتا !"

حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے :

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔"

اس کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ نے عنانِ خلافت سنبھالتے ہی حضرت اسامہ بن زیدؓ کو روم کی جنگ کے لیے بھیجا، تو اُن سے اجازت چاہی کہ حضرت عمرؓ کو وہ مدینہ ہی میں رہنے دیں تاکہ حضرت ابوبکرؓ دوسرے رفقا کے ساتھ حضرت عمرؓ کے مشوروں سے بھی مستفید ہو سکیں۔ یہی طریقِ کار حضرت عمرؓ نے بھی اختیار کیا اور "شوریٰ" کو اپنی حکومت کی بنیاد قرار دیا۔

مہاجرینؓ و انصارؓ صحابہ میں سے ممتاز شخصیتیں اُن کے پاس تھیں۔ جس مسئلے کے متعلق وہ کتاب و سنت میں کوئی حکم نہ پاتے ان حضرات کی رائے کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرتے۔ یہ بزرگ شوریٰ کے خصوصی ارکان تھے، جن میں حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور اسی مرتبے کے دوسرے صحابہ نمایاں حیثیت رکھتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ اکثر و بیشتر عام مجلسِ شوریٰ منعقد کرتے تھے۔ چنانچہ لوگوں کو مسجدِ نبویؐ میں بلاتے یا مدینے سے باہر ہوتے، تو انہیں نماز کے لیے جمع ہونے کا حکم دیتے، اور مشورہ طلب بات ان کے سامنے رکھ دیتے۔ اس مجلس میں ہر شخص کو اپنی اپنی رائے پیش کرنے کا حق ہوتا تھا۔ اِس کے بعد بھی اگر مسئلہ حل نہ ہوتا تو نوجوانوں کو بلا کر اُن کی رائے دریافت فرماتے کہ نوجوانی کی عقل تیز ہوتی ہے۔ جب عام مجلس شوریٰ میں اس کا کوئی حل نکل آتا، تو اُسے نافذ فرما دیتے، ورنہ وہ مسئلہ خاص مجلسِ شوریٰ کے سامنے پیش کرتے تا آنکہ بحث و تمحیص کے بعد اُس کے کسی بہتر حل پر مطمئن ہو جاتے۔

عراق میں ابو عبید کی شہادت کے بعد انہوں نے لوگوں سے مشورہ کیا اور پوچھا کہ وہ کیا کریں ؟ اُن سب نے کہا :

"آپ ہمیں اپنے ساتھ لے کر خود چلیں !"

لیکن خواص نے یہ رائے دی کہ :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابیؓ کو عراق کا امیرِ لشکر بنا کر بھیج دیجئے اور خود مدینہ میں رہ کر اُن کی مدد کیجئے !"

اس پر فاروقِ اعظمؓ نے اِن لوگوں کو دوبارہ جمع کر کے فرمایا :

"مسلمانوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ ان کے معاملات مشورے سے طے ہوں۔ میرا بھی وہی خیال تھا، جو تم لوگوں کا ہے، لیکن تمہارے اہل الرائے نے مجھے جانے سے روک دیا ہے اور اب میری بھی یہی رائے ہے کہ میں خود مدینہ میں رہوں اور عراق کسی اور شخص کو بھیج دوں !"

اس کے بعد جب وہ شام روانہ ہوتے اور سپہ سالارانِ عساکرِ اسلام نے اُن سے مل کر یہ کہا کہ شام کی سرزمین فسادزدہ ہو گئی ہے اور وہاں نہایت شدید طاعون پھیلا ہوا ہے، تو انہوں نے لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ انہیں وبا کے باوجود شام کا سفر جاری رکھنا چاہیے یا مدینہ واپس ہو جانا چاہیے؟ لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک گروہ کی رائے تھی کہ سفر جاری رکھنا چاہیے اور دوسرا گروہ کہتا تھا کہ واپس ہو جانا چاہیے۔ بالآخر دوسرے گروہ کی رائے سے اتفاق کیا گیا اور حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ واپس ہو گئے۔

اُن کے نزدیک شوریٰ کی حیثیت ایک بنیادی نظام کی تھی، جس پر مملکت کے تمام گوشوں میں عمل ہونا ضروری تھا۔ وہ اپنے امرائ اور والیوں کو بھی مشورے کا حکم دیتے تھے۔ ابو عبید کو عراق روانہ کرتے وقت انہوں نے فرمایا تھا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی بات سننا اور انہیں اپنے معاملے میں شریک رکھنا۔ فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام نہ لینا کیونکہ جنگ میں وہی شخص کامیاب ہوتا ہے جس کے مزاج میں تحمل ہو اور جو موقع سے فائدہ اٹھانا جانتا ہو۔"

وہ اپنے تمام والیوں کو اسی طرح ہدایت کرتے تھے، چاہے انہیں محاذِ جنگ کی نگرانی کے لیے بھیجا جا رہا ہو یا کسی علاقے کے انتظام و انصرام کے لیے۔

حضرت عمرؓ نے بنو ہاشم، کبار صحابہؓ اور رؤسائے قریش کو مدینہ میں اس لیے روکا تھا کہ ان کی غیر معمولی عقل و حکمت اور تجربہ لیاقت سے فائدہ اٹھائیں اور انھیں اپنا مشیر بنائیں۔ اس لیے کہ شوریٰ حکومت کی بنیاد تھی اور چونکہ آخری رائے خلیفہ کی ہوتی تھی، ہر معاملے میں قولِ فیصل اسی کی بات سمجھی جاتی تھی، اس لیے ان اختیارات کے بدلے حکومت کی تمام سیاسی ذمہ داریاں بھی اُسی کو اٹھانی پڑتی تھیں۔ چنانچہ سارا اقتدار خلیفہ ہی کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ وہ کتاب و سنت کی حدود میں رہ کر قانون بناتا اور اسے نافذ کرتا تھا۔ وہی قاضی بھی ہوتا تھا اور وہی کمانڈر انچیف بھی۔ حضرت عمرؓ نے یہ تمام ذمہ داریاں بطریقِ احسن اٹھائیں اور تاریخ نے ان کے نام کو بقائے دوام بخش کر اس کے گرد عظمت و جلال کا ایک تابناک ہار بنا دیا۔

یہ دیکھ کر، کہ حضرت عمرؓ نے یہ تمام ذمہ داریاں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سنبھالیں، دل حیرت و استعجاب میں ڈوب جاتے ہیں اور اُن میں سے اکثر فاروقِ اعظمؓ کی اس عجیب و غریب مقدرت کا راز تلاش کرنے لگتے ہیں۔ اگر کوئی سچے دل سے اس راز کو معلوم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے کہ یہ راز فاروقِ اعظمؓ کی بے نفسی اور اس خلوص میں مضمر تھا، جو فرض کی اہمیت کا پورا پورا احساس کرتے ہوئے وہ ادائے فرض میں برتتے تھے۔ فرض کا یہ احساس اُن میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ تاریخ اپنے کسی دَور میں اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس احساس کی تصویر کھینچنے کے لیے حضرت عمرؓ کے اس قول سے بہتر الفاظ ہمیں کہیں مل سکتے ہیں کہ:

"میں رعایا کی دیکھ بھال کیسے کر سکتا ہوں جب تک مجھ پر بھی وہ کچھ نہ بیتے جو اس پر بیتتی ہے۔"

غرور و نمائش سے وہ اتنا ڈرتے تھے کہ بعض روایات اس خوف کو حیرت ناک ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"میں عمرؓ کے ساتھ تھا کہ وہ ایک احاطے میں داخل ہو گئے اور دیوار کے پیچھے سے میں نے انہیں یہ کہتے سنا، خطاب کے

بیٹا عمرؓ اور امیر المومنینؓ! سبحان اللہ! خدا کی قسم! خطاب کے چھوکرے! خدا سے ڈر، ورنہ وہ تجھے ضرور اس کی سزا دے گا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنی پیٹھ پر پانی کا مشکیزہ لادے جا رہے تھے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا، میرے نفس نے مجھے مبتلائے غرور کرنا چاہا تھا، میں اسے ذلیل کر رہا ہوں۔

عہدِ فاروقیؓ میں مملکت کو جو وسعت ہوئی، وہ حضرت عمرؓ کو اپنی راہ سے بھٹکا نہ سکی اور انہوں نے انتظامِ حکومت کے لیے مسجدِ نبویؐ کو چھوڑ کر کوئی الگ ایوان نہیں بنایا۔ اس خصوص میں ان کی شان وہی رہی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تھی۔ عہدِ فاروقیؓ کے ابتدائی زمانے میں مسجدِ نبویؐ بالکل ویسی ہی تھی، جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بنایا تھا۔ کچی اینٹوں کی دیواریں اور کھجور کی ٹہنیوں کی چھت۔ فاروقِ اعظمؓ اگر چاہتے تو اُسے ڈھا کر از سرِ نو ایسی شاندار مسجد بنوا سکتے تھے، جیسی ان کے جانشینوں کے عہد میں بنوائی گئیں تاکہ ان کی نشست گاہ اُن کے وقارِ سلطنت کے شایانِ شان ہو جاتی، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی چار سال میں مسجد کو ہاتھ تک نہ لگایا، مگر جب مدینہ کی آبادی بڑھی اور مسجد نمازیوں پر تنگ ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سند بنا کر "ہمیں مسجد کی توسیع کرنی چاہیے" اس کی توسیع کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

"اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سُنتا کہ ہمیں اپنی مسجد کو وسیع کرنا چاہیے، تو ہرگز اس کی توسیع نہ کراتا۔"

مسجد کی توسیع کا حکم دیتے وقت حضرت عمرؓ نے اُسے نماز اور معاملاتِ حکومت کے لیے مخصوص کرنا چاہا، کیونکہ اہلِ مدینہ نے اسے اپنا دار الندوہ بنا رکھا تھا۔ وہیں بیٹھ کر تجارتی مسائل پر گفتگو کرتے اور اسی کو اپنی افسانہ گوئی اور تفاخر کا میدان بناتے۔ بعض اوقات تو یہاں تک ہوتا کہ امیر المومنینؓ وہاں بیٹھے مہاتِ امور پر غور فرما رہے ہیں اور لوگوں کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ چنانچہ مسجد کی توسیع کے بعد اس کے ایک طرف "بطیحا" کے نام سے فاروقِ اعظمؓ نے ایک جگہ مخصوص کر دی اور فرمایا:

"جو کوئی شور مچانا یا اونچی آواز سے بات کرنا یا شعر پڑھنا چاہے، وہ اس طرف چلا جائے۔"

مسجد کی عمارت میں حضرت عمرؓ نے جو ترمیم کی، وہ اس سے زیادہ نہ تھی کہ صحن وسیع کرا دیا اور دروازوں کی تعداد بڑھوا دی۔ باقی مسجد اُسی طرح رہی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے تعمیر فرمایا تھا۔ وہی پتھروں کی بنیادیں اور وہی کچی اینٹوں کی دیواریں، وہی لکڑی کے ستون اور وہی کھجور کی ٹہنیوں کی چھت اور اسی سادہ وضع کی مسجد سے حضرت عمرؓ اپنے سپہ سالاروں کو احکام صادر فرماتے تھے۔ دیکھیے! یہ کسریٰ کا ایوان اُس کے سر پر گر رہا ہے، یہ قیصر شام سے قسطنطنیہ کی طرف بھاگ رہا ہے اور یہ عظیم اسکندریہ۔ یہ اُس دور کی عالمی تہذیب کا پایۂ تخت اپنی کنجیاں مسلمانوں کے حوالے کر رہا ہے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے جو سادہ زندگی اختیار کی تھی اور اُن کے ایمان نے دنیا کو اُن کی نگاہوں میں جو بے اصل بنایا تھا، فتوحات کی وسعت نے اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ مسلمانوں نے اُن کی خلافت کے آغاز میں حضرت ابوبکرؓ کی طرح بیت المال میں اُن کا اور اُن کے اہل و عیال کا بھی حق مقرر کر دیا تھا، لیکن جس وقت مدینہ میں مالِ غنیمت کے انبار لگے، اس وقت بھی حضرت عمرؓ نے اس میں سے اتنا ہی حصہ لیا، جتنا ایک عام مسلمان کا ہوتا تھا، کیونکہ خلافت کی بنا پر وہ اپنا حق دوسروں کے حق سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ ایک دن اُن سے کسی نے پُوچھا کہ اللہ کے مال میں سے آپ کے لیے کیا جائز ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس میں سے میرے لیے

کیا جائز ہے۔ کپڑوں کے دو جوڑے، ایک جاڑے کا اور دوسرا گرمی کا، حج اور عمرہ کے لیے ایک احرام اور میرے اور میرے اہل و عیال کے لیے فی کس اتنا کھانا جو قریش کے ایک آدمی کی خوراک ہے، نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔ اس کے بعد میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں، جو اُن کا حال سو میرا حال۔"

وہ فرمایا کرتے تھے :

"اللہ کا مال میرے لیے ایسا ہے، جیسا کسی یتیم کا مال۔ ضرورت نہیں ہوتی، تو اسے ہاتھ نہیں لگاتا اور حاجت مند ہوتا ہوں، تو بقدرِ احتیاج لے لیتا ہوں۔ بیت المال سے کچھ لینے میں وہ اس قدر احتیاط برتتے تھے کہ بعض اوقات یہ احتیاط تکلیف دہ ہو جاتی تھی۔ ایک دن انھیں کوئی شکایت ہو گئی، جس کے لیے شہد تجویز کیا گیا۔ بیت المال میں شہد کا ایک کُپا تھا۔ منبر پر خطبہ دینے آئے تو کہا :

"اگر تم اجازت دو تو میں بیت المال سے شہد لے لوں، ورنہ وہ مجھ پر حرام ہے۔"

اور لوگوں نے اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ نے خلافت سے اپنے لیے کچھ نہ چاہا، بلکہ جس طرح وہ مسلمانوں کے اتحاد و آزادی کے امانت دار نگراں تھے، اسی طرح اپنے آپ کو اُن کے مال کا بھی امانت دار نگراں سمجھتے تھے۔ اس چیز نے انہیں سب کا محبوب بنا دیا تھا عوام ان سے یُوں اور بھی محبت کرتے تھے کہ فاروقِ اعظمؓ کے نزدیک خلافت کو پدرانہ حیثیت حاصل تھی، یعنی جس طرح ایک باپ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے، اسی طرح خلیفۃ المسلمینؓ کو مسلمانوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ شفقت و دردمندی کو پدرانہ جذبات میں سب سے مقدس اور سب سے بلند مقام حاصل ہے اور حضرت عمرؓ محتاجوں کے ساتھ سب سے زیادہ شفقت و دردمندی سے پیش آتے تھے۔ اس لئے کہ وہ شفقت و دردمندی کو اقامتِ عدل اور تحفظِ امن کی طرح حکومت کا ایک فرض سمجھتے تھے۔

ہمدردی اور اس مہربانی نے اُن کی حکومت کو لوگوں کے نزدیک محبوب بنا دیا تھا اور وُہ خلیفہ کو ہر کمزور، ہر یتیم اور ہر محروم کا باپ سمجھنے لگے تھے۔ پھر لوگ حضرت عمرؓ کے بھی گرویدہ تھے۔ اس لیے کہ فاروقِ اعظمؓ کو عدل و انصاف سے فطری لگاؤ تھا اور وہ آزادی و مساوات سے بے انتہا محبت کرتے تھے، جس کا آسان سا ثبوت یہ تھا کہ وُہ اپنی ذات کو کمزوروں اور محتاجوں کی سطح پر رکھتے تھے۔ ایک دن مسلمانوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا :

"میں نے تم پر عمّال اس لیے مقرر نہیں کیے ہیں کہ وُہ تمہاری کھالیں اُدھیڑیں، تمہیں رُسوا کریں اور تمہارا مال چھینیں، بلکہ انہیں اس لیے عامل بنایا ہے کہ وہ تمہیں کتاب و سنّت کی تعلیم دیں۔ پس اگر کسی پر اس کا عامل ظلم کرے گا اور اس کی شکایت مجھ تک پہنچے گی، تو بدلہ لیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔"

اور سپہ سالارانِ افواج کو لکھا :

"مسلمانوں کو نہ مارنا کہ وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ انھیں محروم نہ کرنا کہ وہ بے دینی اختیار کرلیں گے، انہیں آپس میں شیر و شکر نہ ہونے دینا کہ وہ راہ سے بھٹک جائیں گے اور انھیں گھنے جنگل میں لے کر نہ اُترنا کہ وُہ ہلاکت میں پڑ جائیں گے۔"

یہ حکم انہوں نے سپہ سالارانِ افواج کو اس لیے دیا کہ براہِ راست اِن معاملات کو اپنے ہاتھ میں نہ لے سکتے تھے ورنہ جو کام وہ خود کر سکتے تھے، ہرگز کسی دُوسرے کے سپرد نہ فرماتے تھے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ انہوں نے اپنی خلافت کے آغاز میں کہا تھا :

"خدا کی قسم! تمہارا جو معاملہ میرے سامنے پیش ہوگا، میں اپنے سوا کسی دُوسرے کے ذمّے نہ کروں گا۔"
اور اپنے اس قول کو انہوں نے سچ ثابت کر دکھایا کیونکہ وہ ہر چھوٹے بڑے معاملے کو خود طے کرتے تھے جس طرح فوجی معاملات کی تنظیم، عمّال کا تقرر، مملکتی سیاست کی تعیین اور لوگوں کے درمیان منصفانہ فیصلوں جیسے اہم کام وہ خود انجام دیتے تھے۔ اس کے علاوہ جہاں تک ممکن ہوتا تھا' چھوٹے چھوٹے کاموں کو بھی نظرانداز نہ کرتے تھے۔ ایک دن حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے دیکھا کہ وُہ مدینہ کے باہر دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ پُوچھا:

"امیرالمومنین کہاں ہیں؟"

فرمایا:

"صدقے کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھاگ گیا ہے اُسے ڈھونڈنے جا رہا ہوں!"

حضرت علیؓ نے کہا:

"آپ نے اپنے جانشینوں کو تھکا دیا۔"

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فاروقِ اعظمؓ سے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے پُوچھا:

"اس وقت آپ کیسے تشریف لائے؟"

فرمایا:

"ایک قافلہ بازار کے پہلو میں آکر اُترا ہے۔ مجھے ڈر ہے' مدینہ کے چور اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دیں، آؤ اس کی حفاظت کریں!"
اپنی خلافت کے آخری دَور میں انہوں نے چاہا کہ لوگوں کے معاملات کا بطورِ خود مطالعہ کریں اور سلطنت کے ہر حصّے میں جاکر دیکھیں کہ وہاں کی عمومی حالت کیا ہے اور عمّال اپنے فرائض کس طرح انجام دے رہے ہیں۔ اُن سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ فتحِ مصر کے بعد انہوں نے فرمایا:

"اگر میں زندہ رہا تو اِن شاءاللہ پُوری رعایا کا دَورہ کروں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگوں کی بعض ضرورتیں بالا ہی بالا قطع کر دی جاتی ہیں نہ عمّال انہیں میرے سامنے پیش کرتے ہیں نہ حاجت مند مجھ تک پہنچتے ہیں۔ چنانچہ میں شام جاؤں گا اور وہاں دو مہینے ٹھہروں گا پھر جزیرے جاؤں گا اور وہاں دو مہینے ٹھہروں گا۔ پھر مصر جاؤں گا اور وہاں دُو مہینے ٹھہروں گا۔ پھر بحرین جاؤں گا اور وہاں دو مہینے ٹھہروں گا پھر کوفہ جاؤں گا اور وہاں دو مہینے ٹھہروں گا۔ پھر بصرہ جاؤں گا اور وہاں دو مہینے ٹھہروں گا۔ بخدا میرا یہ دَورہ بہت مفید و بہتر رہے گا۔"
لیکن موت نے اُن کا یہ ارادہ پُورا نہ ہونے دیا۔

حضرت عمرؓ کا عدل آج تک ضرب المثل ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ اور اس کے حساب سے ڈرنے والے تھے۔ اور لوگوں پر حکومت کرنے میں جس بے لاگ سُوجھ بُوجھ، باریک بینی اور محاسبۂ نفس کی ضرورت ہوتی ہے اسے خُوب جانتے تھے۔ ایک دفعہ دُو جھگڑنے والے ان کے پاس آئے، تو فاروقِ اعظمؓ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور فرمایا:

"یا اللہ! ان کے بارے میں مجھے روشنی عطا فرما! ان میں سے ہر ایک میرا دین چاہتا ہے!"

عدل قائم کرنے میں وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ کوئی نرمی نہ برتتے تھے، بلکہ ایک بار جب انہوں نے لوگوں کو کسی بات سے روکنا چاہا تو اہل وعیال کے پاس گئے اور فرمایا :

" میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا، جسے میں نے کسی کام سے روکا ہو، اور پھر اس نے وہی کام کیا ہو۔ سوائے اس شخص جسے سزا دینے میں مجھ سے کمزوری ظاہر ہوئی، ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن مصر میں تھے۔ ایک دن انہوں نے ابو سروعہ کے ساتھ نبیذ اور اُن پر نشہ طاری ہوگیا۔ وہ دونوں حضرت عمروؓ بن عاص کے پاس پہنچے کہ وہ ان پر حد جاری کریں۔ ابنِ عاصؓ کہتے ہیں کہ" میں نے انہیں جھڑک کر نکال دیا۔"

اس پر عبدالرحمٰن بولے :

" اگر آپ نے حد جاری نہ کی، تو جب میں والد کے پاس جاؤں گا یہ بات اُن سے کہوں گا۔"

میں جانتا تھا کہ اگر میں نے ان دونوں پر حد نہ لگائی تو عمرؓ ناراض ہوں گے اور مجھے معزول کر دیں گے، اس لیے میں انھیں گھر کے صحن لایا اور ان پر حد لگائی۔ عبدالرحمٰن بن عمرؓ گھر کی کوٹھڑی میں گھس گئے اور اپنا سر مونڈا۔ خدا کی قسم! اس واقعے کے متعلق میں نے عمرؓ کو ایک حرف نہیں لکھا، یہاں تک کہ اُن کا یہ خط مجھے ملا :

" اللہ کے بندے امیرالمومنین عمرؓ کی طرف سے عاصی بن عاصی کے نام۔ ابنِ عاصؓ تمہاری جرأت اور بدعہدی پر مجھے حیرت ہے اور میں تمہیں معزول کر کے چھوڑوں گا۔ تم نے عبدالرحمٰن کو اپنے گھر میں تازیانے لگائے اور وہیں اس کا سر مونڈا، حالانکہ تم جانتے تھے کہ یہ کام میری مرضی کے خلاف کر رہے ہو۔ عبدالرحمٰن تمہاری رعایا کا ایک فرد ہے، تمہیں اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے تھا جو تم دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہو، لیکن تم نے کہا وہ امیرالمومنین کا بیٹا ہے، حالانکہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے نزدیک کسی شخص سے حق وصول کرنے میں رعایت و نرمی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس وقت میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے، اُسی وقت اُسے ایک اُونی عبا پہناؤ اور کاٹھی پر بٹھا کر فوراً میرے پاس بھیج دو، تاکہ وہ بدکرداری کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے۔"

جیسا کہ ان کے والد نے کہا تھا، میں نے اسی طرح انہیں بھیج دیا اور عمرؓ کو معذرت نامہ لکھا کہ میں نے انہیں اپنے گھر کے صحن میں ہ اور خدا کی قسم! جس سے بڑی کوئی قسم نہیں، میں ہر ذمی اور مسلمان کو اپنے گھر ہی میں حد لگاتا ہوں۔ اور یہ خط عبدالرحمٰن بن عمرؓ کے روانہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن اپنے والد کے پاس لے جائے گئے۔ جب وہ ان کے سامنے پہنچے تو اُونی عبا ان کے جسم پر تھی اور سواری سے وہ چل نہ سکتے تھے۔ ان کے والد نے پوچھا :

" عبدالرحمٰنؓ! تم نے یہ حرکت کی ہے؟"

عبدالرحمٰن بن عوف نے اُن کی سفارش کی اور کہا :

" امیرالمومنین! ان پر حد لگائی جا چکی ہے۔"

لیکن عمرؓ نے اُن کی بات پر دھیان نہ دیا اور عبدالرحمٰن بن عمرؓ چلانے لگے :

"میں بیمار ہوں، آپ مجھے قتل کر رہے ہیں۔"
روایت میں ہے اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے اُن پر دوبارہ حد لگوائی۔

محمد بن عمروؓ بن عاص نے ایک مصری کے تازیانے مارے، وہ مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

"میں بڑوں کی اولاد ہوں۔"

حضرت عمروؓ بن عاص نے اس مصری کو قید کر دیا کہ مبادا وہ امیر المومنینؓ سے ان کے بیٹے کی شکایت کر دے۔ جب وہ قید سے چھوٹا تو سیدھا مدینہ پہنچا اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے اُسے تو اپنے پاس ٹھہرا لیا اور ابنِ عاصؓ اور ان کے بیٹے کو مصر سے بلا کر مجلسِ قصاص میں طلب کیا۔ جب دونوں باپ بیٹے مجلسِ قصاص میں پیش ہوئے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز میں فرمایا:

"مصری کہاں ہے؟ لے یہ دُرّہ اور بڑوں کی اولاد کو مار!"

مصری نے محمد کو دُرّے مارنے شروع کیے، یہاں تک کہ وہ بے دم ہو گئے۔ مصری انہیں مارتا جاتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے جاتے تھے:

"بڑوں کی اولاد کو مار!"

جب وہ جی بھر کے انھیں مار چکا اور دُرّہ امیر المومنینؓ کو واپس کرنے لگا، تو حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا:

"عمروؓ کی چندیا پر مار۔ خدا کی قسم! بیٹا تجھے ہرگز نہ مارتا، اگر اسے باپ کے اقتدار کا گھمنڈ نہ ہوتا۔"

ابنِ عاصؓ نے کہا:

"امیر المومنینؓ! آپ بھرپور سزا دے چکے ہیں۔"

اور مصری نے کہا:

"امیر المومنینؓ! جس نے مجھے مارا تھا، میں نے اس سے بدلہ لے لیا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"قسم ہے خدا کی، اگر تو ابنِ عاصؓ کو مارتا تو ہم اس وقت تک بیچ میں نہ آتے، جب تک خود ہی اپنا ہاتھ نہ روک لیتا۔"

اور عمرو کی طرف مخاطب ہو کر غضب ناک لہجے میں فرمایا:

"عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنایا، اُن کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔"

فاروقِ اعظمؓ کا قول ہے کہ "عوام میں اس وقت تک ٹیڑھ پیدا نہیں ہوتی جب تک اُن کے پیشوا اور رہنما ان سے سیدھے رہتے ہیں۔"

ایک اور جگہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

"جب تک راعی اللہ کی راہ میں چلتا رہتا ہے، رعایا اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہے، لیکن جہاں اس نے پاؤں پھیلائے رعایا

اس نے پہلے پاؤں پھیلا دیتی ہے۔"

اسی لیے جو حیثیت وہ رعایا کے مقابلے میں عمال کی سمجھتے تھے، وہی حیثیت عمال کے مقابلے میں اپنی سمجھتے تھے، یعنی جس طرح عامل اپنے محکوموں کا ذمہ دار تھا، اسی طرح وہ اپنے عمال کے ذمہ دار تھے۔ پس اگر عمال اپنی رعایا پر ظلم کریں، تو ان سے بھی اسی طرح بدلہ لیا جانا چاہیے جس طرح مدینہ کے ایک آدمی سے، جو کسی پر ظلم کرے، لیا جاتا ہے۔ ذمہ داری کے احساس کو حضرت عمرؓ نے اپنے اس فقرے میں واضح کیا ہے:

"اگر کوئی عامل کسی کو ہدفِ ستم بناتے اور اس کی اطلاع مجھ تک پہنچ جائے لیکن میں اس کے بعد بھی اس عامل کو تبدیل نہ کروں، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس شخص پر ظلم میں نے کیا ہے۔"

حضرت عمرؓ زہد و اتقا کے مرتبۂ کمال پر فائز تھے۔ پھر فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ بھی انتہائی شفقت و ہمدردی اور انصاف و احسان سے پیش آتے تھے، اس لیے ان کی حکومت عوام کے دلوں میں گھر کر گئی تھی اور اُن کی درشتیٔ مزاج، اُن کے رُعب و جلال کا وہ بار بہت ہلکا پڑ گیا تھا، جس کی وجہ سے لوگ ان کے پاس جاتے ڈرتے تھے۔ اپنی درشتیٔ مزاج کے تحت حضرت عمرؓ دُرّہ لے کر مدینہ کا گشت فرماتے تھے کہ جہاں کوئی جماعت کے مروجہ آداب و اخلاق کی خلاف ورزی کرتا نظر آئے، چھوٹے بڑے کا لحاظ کیے بغیر اُس کی تادیب کریں۔ اس دُرّے نے لوگوں کے دلوں میں اور بھی ان کی ہیبت بٹھا دی تھی اور وہ اُن کے انصاف و احسان اور شفقت و ہمدردی کا یقین رکھتے ہوئے بھی اُن سے کانپتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کہیں جمع ہوتے۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ ان سب میں نسبتاً حضرت عمرؓ سے بے تکلف تھے، اس لیے ان حضرات نے اُن سے کہا:

"عبد الرحمٰنؓ! امیر المومنینؓ سے لوگوں کی سفارش کرو۔ ایک شخص ان کے پاس حاجت لے کر جاتا ہے، لیکن ہیبت اس کی زبان پکڑ لیتی ہے اور وہ بغیر کچھ کہے سُنے واپس آ جاتا ہے، اس بیچارے کی حاجت پُوری نہیں ہوتی۔"

حضرت عبد الرحمٰنؓ فاروقِ اعظمؓ کے پاس پہنچے اور کہا:

"امیر المومنینؓ! لوگوں سے نرمی اختیار فرمایئے۔ آنے والا آپ کے پاس آتا ہے، لیکن آپ کی ہیبت اس کے ہونٹ سی دیتی ہے اور وہ اپنی حاجت کا اظہار کیے بغیر ناکام واپس ہو جاتا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"تمھیں خدا کی قسم ہے عبد الرحمٰن! کیا علیؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور سعدؓ نے تم سے یہ بات کہلوائی ہے؟"

ابنِ عوفؓ نے کہا:

"بخدا یہی بات ہے!"

حضرت عمرؓ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"میں لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آیا، یہاں تک کہ اس نرمی نے مجھے خدا سے ڈرا دیا۔ پھر میں نے ان پر سختی کی، یہاں تک کہ اس سختی نے مجھے خدا سے ڈرا دیا۔ اب جایئے تو کہاں جائیے؟"

ضرت عبدالرحمٰنؓ اس جواب پر رو دیے اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے اُٹھ آئے:

" افسوس ہے آپ کے بعد اُن کے حال پر! افسوس ہے آپ کے بعد اُن کے حال پر!"

آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی ذمہ داریاں کیسے سنبھالیں؛ اور فاروقِ اعظمؓ کی اُس بے مثال مقدرت کا راز ہی آپ پر منکشف ہو گیا ہوگا، جس کے بل پر حکومت کا غیر معمولی بوجھ انہوں نے اس شان سے اٹھایا کہ دل آج بھی ان کے حضور حیرتؓ حرام کا خراج پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی آپ نے سمجھ لی ہوگی کہ عہدِ فاروقیؓ کے نظامِ حکومت کے وہ کون سے پہلو تھے نہوں نے فتوحات کی وسعت کا سامان فراہم کیا اور مسلمانوں کے دل میں کامرانی و سربلندی کا شوق بھڑکایا؛ مسلمان امیر المومنینؓ کو پنے اور اپنے اہل و عیال کے حقوق کا بہترین ضامن سمجھتے تھے، جنہیں گھروں میں تنہا چھوڑ گئے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ فاروقِ اعظمؓ ہر صاحبِ حق کا ق ادا کرتے اور اس کی ضرورت کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت پر مقدم رکھتے ہیں ان حالات میں ان سب کا اپنے مستقبل اور اپنی اولاد و اقارب کے انجام کی رف سے مطمئن ہو کر جنگ کے میدانوں میں کود جانا ایک لازمی امر تھا۔ ان میں سے ایک بھی اللہ اور اسلامی سلطنت کی راہ میں قتل ونے سے نہ گھبراتا تھا، کیونکہ اسے یقین تھا کہ اگر وُہ شہید ہو گیا تو اس کی اولاد کو اس سے بہتر معاوضہ ملے گا، جو اس کے زندہ رہ جانے ی صورت میں اسے ملتا اور وہ اس پر ایمان رکھتا تھا کہ جو کوئی اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے جان دے گا، اُس کے لیے جنت کے روازے کھل جائیں گے۔

مغربی مورخین نے حضرت عمرؓ کی ان صفات کا ذکر کر کے اُن پر تعریف و تحسین کے پھول نچھاور کیے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض یال بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اگر ان صفات کے پیشِ نظر کسی نظامِ حکومت کا تصور کیا جائے، تو وہ اس دَور کا مشہور عربی نظام ہوگا، جو لی نظام سے مکمل مشابہت رکھتا تھا۔ قبائلی نظام میں حکومت کا تاج اُس شخص کے سر پر رکھا جاتا تھا، جو اپنی قوت سے اپنے قبیلے ے حامیوں کو حفاظت و صیانت کے بازوؤں میں سمیٹ کر یا دُور اندیشی سے اپنے قبیلے کا انتظام چلا کر، یا حُسنِ تدبر سے اپنے قبیلے کے لقات دوسرے قبائل سے استوار کر کے دُوسروں پر اپنی عظمت و فوقیت ثابت کر دیتا تھا۔ چنانچہ اقتدار کی تمام کنجیاں، حضرت عمرؓ طرح، قبیلے کے سردار کے ہاتھ میں ہوتی تھیں۔ یہ سردار رواج سے اپنا قانون بناتا تھا اور اس قانون کی بنیاد پر اپنے قبیلے کے میان قصاص یا دیت کا فیصلہ کرتا تھا بلکہ جب کسی دُوسرے قبیلے کا کوئی مظلوم یا اُس کا وارث اس سردار کے پاس دعویٰ لے کر تا تھا کہ آپ کے قبیلے کے فلاں آدمی نے مجھ پر ظلم کیا ہے، تو اس کے خُوں بہا یا قصاص کا فیصلہ بھی اسی قانون کے تحت کیا جاتا تھا۔ ن مورخین کا خیال ہے کہ قرآن نے اس رواج کی تنظیم و تہذیب تو کی جس سے عرب مانوس تھے، لیکن عربوں کو اس نظام کے دائرے ے باہر نہ نکالا، جس پر وُہ پہلے سے عمل پیرا تھے، یعنی حضرت عمرؓ اور ان سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کی حکومت اسی عربی نظام پر ئم تھی اور اس کے اصول و قواعد سے متجاوز نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ دونوں حکومتیں —— حکومتِ صدیقیؓ اور حکومتِ فاروقیؓ —— ن متمدن نظام کے مقابلے میں، جو اُن دنوں ایران و روم میں رائج تھا، بدوی نظام سے قریب تر تھیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی خالص عربی حکومت تھی، جو روم و ایران کے نظاموں سے نہ زیادہ متاثر ہوئی نہ کم، اور ی لیے وہ اُس بدوی نظام کی طرح سادہ تھی جو اُن دنوں جزیرہ نمائے عرب کے اکثر گوشوں میں رائج تھا، لیکن یہ حکومت اپنی م تر سادگی کے باوجود عہدِ رسالت کو عہدِ سلطنت سے ملانے والی ایک مضبوط کڑی اور اُس نظام کی فطری پیش رفت تھی، جو عہدِ رسالت

ہی میں اُبھرنا شروع ہو گیا تھا۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں نزولِ اجلال فرمایا ہے، عرب کے دوسرے علاقوں کی طرح وہاں بھی ایسے قبائل آباد تھے جو اپنے اوپر کسی دُوسرے قبیلے کا اقتدار تسلیم نہ کرتے تھے۔ اس لیے کبھی تو اوس و خزرج میں کشت و خون کا بازار گرم ہو جاتا اور کبھی مدینہ کے عربوں اور یہودیوں میں جنگ کے شعلے بھڑکنے لگتے اور جب تک کوئی بیرونی خطرہ ہی انہیں اچانک آکر نہ گھیر لیتا، باہمی اتفاق و اتحاد کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قیام فرما کر پہلے مہاجرینؓ و انصارؓ میں مواخاۃ قائم کی اور اس کے بعد یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا تو شعوب و قبائل کے تمام تفرقے مٹ گئے اور مدینہ اس یک جہتی کے بعد ایک ایسی مدنی وحدت میں تبدیل ہو گیا، جس کی شریعت قرآن تھا اور جس کے فرمانروا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ انظامِ حکومت کے اس انقلاب سے اہلِ حجاز ناآشنا تھے، لیکن فتح مکہ کے فوراً بعد وہ مدینہ سے اُمّ القریٰ — مکہ — میں منتقل ہو گیا اور غزوۂ حنین کے بعد اُس نے طائف کو بھی اپنے سایۂ رحمت میں لے لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال پہلے جب مختلف بستیوں اور قبیلوں کے وفد مدینہ آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کیا، تو سرکارِ رسالتؐ نے اپنے چند صحابہؓ کو اُن بستیوں اور قبیلوں میں بھیجا کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور اُن سے صدقات وصول کریں۔ یہ حضرات گویا ہراول تھے اس انقلاب کے، جس کی طرف جزیرۃ العرب آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد جب ارتداد کی لڑائیاں شروع ہوئیں، تو دُوسرے مسلمانوں کی طرح ان حضرات نے بھی ارتداد کا سر کچلنے کے لیے غیر معمولی شجاعت و سرفروشی کا مظاہرہ کیا اور اس طرح فتح و نصرت کا وہ حق مدینہ کے قدموں میں لاکر ڈال دیا، جس سے کوئی عرب انکار نہ کر سکا۔ ارتداد کی آگ ٹھنڈی پڑ جانے کے بعد اُن عاملوں اور والیوں کے اقتدار میں اضافہ ہو گیا، جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے مختلف علاقوں میں مقرر فرمایا تھا۔ اب ان کے اختیارات صرف لوگوں کو دین کی تعلیم دینے اور ان سے صدقات وصول کرنے ہی تک محدود نہ رہے بلکہ اپنی اپنی عملداریوں میں انہیں بھی وہی حاکمانہ حقوق حاصل ہو گئے، جو قبیلے کے سردار یا مدینہ کے امیر کو حاصل تھے، چنانچہ احکام کا نفاذ، قضا اور فوج کے عہدے، یہ سب کچھ اب ان کے ہاتھ میں تھا، لیکن ان تمام اختیارات کے استعمال میں وہ خلیفہ کے سامنے ہر طرح جواب دہ تھے۔

حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں زمامِ خلافت اس وقت آئی، جب تمام مرتدین عرب صدقِ دل سے دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، اس لیے اب اُن سے محتاط رہنے یا ان کی بغاوت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ خلیفہ کے عمّال آخر ان پر جبر و تشدد کرتے بھی کیسے؛ جب تمام قبیلوں کے سورما جہاد کے میدانوں میں پہنچ گئے تھے اور وہاں اللہ کی راہ میں مر بھی رہے تھے اور مار بھی رہے تھے۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے محسوس فرمایا کہ ان کی وحدت کو اور مستحکم کر دیا جائے اور اپنے عمّال کو حکم دیا کہ وُہ بھی شیوۂ فاروقیؓ کے اتباع میں انصاف و دُور اندیشی اور لطف و مرحمت سے کام لیں۔

حضرت عمرؓ عمّال کو لوگوں پر اس لیے حاکم بنا کر نہ بھیجتے تھے کہ وہ ان کو ذلّت و حقارت کے گڑھے میں دھکیلیں، بلکہ اس لیے بھیجتے تھے کہ اُن کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کی حدود قایم کریں۔ عمّال کو اُن کا حکم تھا کہ: "سب کو ایک نظر سے دیکھو! قریب و بعید میں کوئی امتیاز روا نہ رکھو! اگر تم نے رشوت لی، حکومت میں ذاتی غرض شامل کی یا غصّے میں لوگوں کو ستایا تو اس کی سزا تمہیں بھگتنی

پڑے گی۔ حق اگر دن کی روشنی میں قائم کرنا پڑے تو اسے قائم کرو!' وہ مملکت کے ایک ایک گوشے میں عدل قائم کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں اپنے آپ کو، اپنے ضمیر کو اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے، یعنی اگر اُن کے کسی عامل نے کوسوں دُور بھی کسی شخص پر ظلم کیا، تو گویا خود انہوں نے اُس شخص پر ظلم کیا۔ ایک دن حاضرین سے فرمایا :

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر میں نے اپنے علم کے مطابق بہترین آدمی کو تم پر عامل مقرر کرکے اُسے عدل کا حکم دے دیا، تو میں اپنے فرض سے عُہدہ برآ ہو گیا؟"

لوگوں نے کہا : "جی ہاں!"

فرمایا : "نہیں! یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک میں یہ نہ دیکھ لُوں کہ جو کچھ میں نے حکم دیا تھا، اُس پر عمل بھی کیا جا رہا ہے یا نہیں!"

اسی لیے وہ ان عمّال کا محاسبہ اتنی شدت سے کرتے تھے کہ ہمارے لیے حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی اور حضرت عمروؓ بن عاص کے مال کی تقسیم اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ روایات میں حضرت عمرؓ کے اس شدید محاسبے سے متعلق بعض ایسے واقعات ملتے ہیں جن پر یقین کرتے ہُوئے لوگ ہچکچاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے شام میں اپنے اہل و عیال کے لیے راحت و فراغت کے سامان فراہم کر لیے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی، تو ان کے مشاہرے میں کمی کر دی۔ یہاں تک کہ امین الامتؓ کی رنگت بگڑ گئی۔ کپڑوں کی حیثیت بدل گئی اور حالت تباہ ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا :

"اللہ ابو عبیدہ پر رحم کرے! انہوں نے بڑے صبر و تقویٰ سے کام لیا اور ان کی تنخواہ بحال کر دی۔ عمّال کے محاسبے میں حضرت عمرؓ کی شدت کا یہ عالم تھا کہ وہ عامل کو کبھی ایسے شبہے پر معزول کر دیتے تھے، جو دلیل سے ثابت نہ ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات تو ایسے گمان پر بھی اس کی معزولی کا حکم دے دیتے تھے، جسے صحیح معنی میں شبہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے متعلق ایک دفعہ ان سے سوال کیا گیا تو فرمایا :

"اگر قوم کے معمولی سے فائدے کے لیے بھی کسی امیر کو بدلنا پڑے، تو میں اسے بدل دوں گا۔"

کئی بار حضرت عمرؓ نے اپنے عُمّال کو بغیر کسی شبہے کے محض بر بنائے مصلحت ہی ان کے عہدوں سے معزول کر دیا۔ جن میں ایک حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا معاملہ ہے جنہیں حضرت عمرؓ نے کُوفہ کی ولایت سے صرف اس لیے ہٹا دیا تھا کہ اس شہر کے چند لوگ حضرت سعدؓ کے خلاف بھڑک اُٹھے تھے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تھی کہ وہ تقسیم میں مساوات نہیں برتتے۔ رعایا سے انصاف نہیں کرتے اور جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو کُوفہ بھیجا اور باوجودیکہ انہوں نے لوگوں کو حضرت سعدؓ سے خوش پایا لیکن حضرت عمرؓ نے فتنے کے خوف سے حضرت سعدؓ کو معزول کر دیا، کیونکہ ایرانی فوجیں اس وقت حملے کے لیے جمع ہو رہی تھیں۔

حضرت عمرؓ اپنے عمّال کو ہر سال حج کے موقع پر مکہ میں جمع کرتے تھے۔ عمّال سے اُن کے کاموں کے متعلق پوچھتے اور عوام سے عمّال کا رویّہ درست فرماتے تھے۔ اس سے وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اپنے فرائض کے احساس میں عمّال کتنی احتیاط و ہوش مندی سے کام لیتے ہیں اور ادائے فرض کے وقت اپنے یا اپنے کسی رشتہ دار کے مفاد کا لحاظ تو نہیں رکھتے، اس لیے کہ بے غرضی فاروقِ اعظمؓ کے نزدیک ہر چیز پر مقدم تھی۔ چنانچہ جس وقت عمّال مقرر ہوتے تھے، ان کے مال اسباب کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا تھا اور اگر بعد کو اس میں اضافہ ہو جاتا تو ان کی امانت و دیانت مشکوک سمجھی جاتی تھی۔ فاروقِ اعظمؓ ان سے حساب لیتے اور زائد سامان ضبط کر لیتے۔ پھر ان سے فرماتے :

"ہم تمہیں والی بنا کر بھیجتے ہیں، تاجر بنا کر نہیں۔"

والیوں کے اس شدید محاسبے سے یہ غرض نہ تھی کہ ان کی حاکمانہ شان کو نقصان پہنچایا جائے یا ان کا وقار کم کیا جائے، نہیں ! وہ اپنے اختیارات میں آزاد تھے۔ ان کے احکام نافذ ہوتے تھے اور جب تک وہ عدل و انصاف کی راہ سے نہ ہٹتے تھے، اُن کا اقتدار حضرت عمرؓ کے اقتدار کے مساوی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود اگر کوئی خیرہ سر اُن کے ساتھ زیادتی یا کوئی دیدہ دہن ان کی بے عزتی کرتا، تو اسے عبرتناک سزا دی جاتی۔ اہلِ عراق نے از راہِ تحقیر اپنے امام پر کنکریاں پھینکیں۔ اس سے پہلے بھی وہ ایک امام کے ساتھ بدتمیزی کر چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کو غصہ آگیا اور انہوں نے اہلِ شام سے کہا :

"اہلِ عراق کے خلاف تیاری کرو کہ شیطان نے ان میں انڈے بچے دے دیے ہیں۔"

حضرت عمرؓ اپنے عامل کی دلیل بھی سُنتے تھے اور اگر اس دلیل سے مطمئن ہو جاتے تھے، تو اس کے مُنہ پر اپنے اطمینان کا اظہار کر دیتے اور جب وہ چلا جاتا تو اس کی تعریف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ گدھے پر سوار شام جا رہے تھے، دیکھا کہ حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیان ایک شاندار جلوس کے ساتھ چلے آرہے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے گھوڑے سے اُتر کر امیر المومنین کو سلام کیا لیکن فاروق اعظمؓ جواب دیے بغیر آگے بڑھ گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا :

"آپ نے انہیں تکلیف پہنچائی، کم سے کم آپ ان سے بات تو کر لیتے !"

حضرت عمرؓ حضرت معاویہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا :

"یہ شاندار جلوس تمہارا ہے ؟"

حضرت معاویہؓ نے جواب دیا :

"جی ہاں !"

فرمایا :

"دوسری طرف تمہارا یہ حال ہے کہ تم ہر وقت گھر میں گھسے بیٹھے رہتے ہو، حالانکہ جانتے ہو، اہلِ حاجات تمہاری ڈیوڑھی پر کھڑے ہیں ؟"

حضرت معاویہؓ نے کہا : "یہ بھی درست ہے۔"

بولے :

" افسوس ہے تم پر ، ایسا کیوں ہے ؟ "

حضرت معاویہؓ نے جواب دیا :

" ہمارے ملک میں دشمن کے جاسوس بہت ہیں۔ اگر ہم اس شان و شوکت سے نہ رہیں ، تو دشمن ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر ٹوٹ پڑے۔ رہی گھر میں گھسے بیٹھے رہنے کی بات ، سو ہمیں ڈر ہے کہ ہماری فیاضی رعایا کو جری بنا دے گی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں آپ کا عامل ہوں۔ آپ مجھے گھٹائیں گے ، گھٹ جاؤں گا۔ بڑھائیں گے بڑھ جاؤں گا اور روک دیں گے ، رک جاؤں گا۔"

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا :

" میں جب تم سے باز پرس کرتا ہوں ، صاف بچ کر نکل جاتے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو یہ ایک عقلمند آدمی کی رائے ہے اور جھوٹے ہو تو ایک چالباز کا دھوکا۔ میں نہ تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے روکتا ہوں۔"

حضرت عمرؓ جب یہ دیکھتے تھے کہ اُن کے عُمّال محض رعایا کی بھلائی کے لیے کام کر رہے ہیں تو اُن سے بہت خوش ہوتے تھے اور اُن کی بے انتہا تعریف فرماتے تھے۔ عُمیر بن سعد کو انہوں نے حمص کا والی مقرر کیا اور کچھ عرصے کے بعد انہیں لکھا :

" جتنا خراج تم نے وصول کیا ہے وہ سارے کا سارا لے کر میرے پاس پہنچو ! "

جب عُمیر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے تو پوچھا :

" کیا کر آئے ؟ "

انہوں نے جواب دیا :

" آپ نے مجھے بھیجا اور میں وہاں پہنچا۔ میں نے قوم کے نیک لوگوں کو جمع کیا اور خراج وصول کرنے کی خدمت اُن کے سپرد کر دی۔ جب انہوں نے خراج جمع کر لیا ، تو میں نے اُسے موقع موقع سے خرچ کر دیا ، اگر اس میں سے آپ کے لیے کچھ بچتا ، تو میں ضرور آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا :

" اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کچھ لے کر نہیں آئے ؟ "

اور جب عُمیر نے یقین دلا دیا کہ انہوں نے سارا خراج اہلِ حمص پر خرچ کر دیا ہے ، تو کہا :

" عُمیر کو پھر وہیں بھیج دو۔"

یہ وہی عُمیر ہیں جنہوں نے ایک دفعہ حمص کے منبر پر کھڑے ہو کر کہا تھا :

" جب تک اسلام میں حکومت کا زور ہے ، وہ ناقابلِ شکست رہے گا لیکن حکومت کے زور کا مطلب تلوار سے قتل کرنا اور تازیانے سے مارنا نہیں بلکہ حق کے ساتھ فیصلہ اور انصاف کے ساتھ مواخذہ کرنا ہے ! "

ایسی صورت میں کہ یہ حکیمانہ فقرہ اُن کا مدارِ عمل تھا ، کوئی تعجب نہیں اگر حضرت عمرؓ نے اُن کے متعلق یہ فرمایا کہ " کاش ،

عُمیر بن سعد جیسا کوئی آدمی میرے پاس ہوتا، جس سے میں مسلمانوں کے کام میں مدد لیتا۔"

یہ عُمّال عہدِ فاروقیؓ کے آغاز میں وہ تمام خدمات انجام دیتے تھے، جو مدینہ میں حضرت عمرؓ کے ذمے تھیں۔ عدالت، صوبے کا انتظام اور فوج کی امارت یہ سب عہدے انھیں عُمّال کے پاس ہوتے تھے، لیکن اپنی خلافت کے چند ہی روز بعد حضرت عمرؓ نے محسوس فرمایا کہ حکومت کے وسیع معاملات اور اعلیٰ سیاست نے انہیں ان تمام ذمہ داریوں سے غافل کر رکھا ہے جن کے متعلق اپنی بیعت کے دن اُن کا خیال تھا کہ وُہ انہیں خود سنبھالیں گے۔ عراق و شام کے اسلامی لشکروں کی خبریں اُن کی بہت سی توجہ اور ان کا بہت سا وقت لے لیتی تھیں اور مملکت کے مختلف حصّوں میں عمّال کیا کچھ کر رہے ہیں، اس کے متعلق بھی وہ سوچتے رہتے تھے۔ پھر مدینہ کی آبادی بڑھنے اور وہاں روپے کی ریل پیل ہونے سے اہلِ مدینہ کے مفادات میں اُلجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی چلی جا رہی تھیں اور اُدھر فتوحات کی وسعت اور مقبوضہ علاقوں کا نظم و نسق اس امر کا متقاضی تھا کہ حضرت عمرؓ انتظامی معاملات میں اُمرائے لشکر کو مشورے اور ہدایتیں دیتے رہیں۔ ان تمام مصروفیتوں کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ معاون رکھنے پر مجبور ہو گئے، جو عوامی مفاد کے لیے اس طرح کام کریں کہ اس سے حکومت کا مفاد متاثر نہ ہو۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے انہوں نے یہ کیا کہ مدینہ کے عدالتی فرائض سے سبکدوش ہو کر یہ خدمت ابوالدرداؓ کے سپرد فرما دی اور انہیں قاضی کے نام سے موسوم کر دیا کہ لوگ اگر اپنے مقدمے لے کر اُن کے پاس آئیں، تو وہ ان کا فیصلہ کریں۔ پھر جب کوفہ اور بصرہ آباد ہو گئے، عربوں نے وہاں سکونت اختیار کر لی اور لوگوں میں باہمی تنازعات بڑھے تو کوفہ کا قاضی شریحؒ کو بنایا گیا اور بصرہ کا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو۔ اس کے بعد مصر فتح ہوا اور وہاں کے مسلمانوں کا قاضی قیسؓ بن ابی العاص سہمی کو مقرر کیا گیا۔ یہ تمام قاضی کتاب و سُنّت کی حدود میں رہتے ہوئے آزادانہ فیصلے کرتے تھے اور ان کا تقرر اختیارات کی تقسیم و تنظیم کی طرف پہلا قدم تھا۔ لیکن ایک ایسا قدم جو مملکت کے بدلتے ہوئے حالات سے مجبور ہو کر ضرورت کے تحت اٹھایا گیا تھا۔ دنوں یہی صورت رہی اور اس قدم نے ایک ایسے مقررہ اصول کی شکل، جو مملکت کے ہر گوشے میں رائج ہو، عہدِ فاروقیؓ کے برسوں بعد اختیار کی۔

حضرت عمرؓ نے قضاۃ کے انتخاب میں، عُمّال کے انتخاب کی طرح، بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ اپنی وہبی صلاحیتوں کا ثبوت دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فقہ و شریعت کے عالم تھے اور اس باب میں اُن کی نظر اتنی گہری تھی کہ اور کوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ حضرت ابنِ مسعودؓ کا قول ہے:

> "عمرؓ کا علم اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جاتے اور عرب کے تمام قبائل کا علم دُوسرے پلڑے میں، تو بھی عمرؓ کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا!"

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ مسلمان ہونے سے پہلے قریش کے عہدۂ سفارت پر مامور تھے۔ پھر جب انہوں نے اسلام قبول کیا، تو ہر وقت خدمتِ رسالت میں حاضر رہنے لگے۔ اللہ کی طرف سے جو وحی نبی علیہ التحیۃ والتسلیم پر نازل ہوتی، اُسے حضورؐ سے سیکھتے اور آپ کی سنّت و قضائے سے واقفیت بہم پہنچاتے۔ اس کے علاوہ اُن میں لوگوں کے جوہر پہچاننے اور ان کے بعض کاموں سے اُن کی خصوصیات معلوم کرنے کا بڑا ملکہ تھا۔ شریحؒ کے قاضیِ کوفہ بنائے جانے کا واقعہ اس کا بہترین ثبوت ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر گھوڑا خریدا اور امتحاناً اس پر سوار ہوئے۔ گھوڑا چوٹ کھا کر داغی ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا، مالک نے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"کسی کو ثالث بنا لو!"

مالک نے کہا:

"شریحؒ عراقی!"

دونوں شریحؒ کے پاس پہنچے۔ شریحؒ نے فریقین کے دلائل سُن کر کہا:

"امیرالمومنین! یا گھوڑا خرید یئے یا جیسا تھا ویسا واپس کیجئے!"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"فیصلہ یہی ہے!"

اور شریحؒ کو کوفہ کا قاضی مقرر کردیا، جہاں وہ ساٹھ برس تک اس منصب پر فائز رہے۔

حضرت عمرؓ کے مکاتیب و اقوال آج بھی اس امر کی زندہ شہادت ہیں کہ قضا اور اس کے اصول و احکام پر اُن کی نظر کتنی وسیع تھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام اُن کا ایک خط گویا آدابِ قضا کا ایک غیر فانی ٹکڑا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! اللہ کے بندے امیرالمومنینؓ کی طرف سے عبداللہ بن قیس کو سلامٌ علیک! اما بعد قضا ایک اہم فریضہ ہے جسے لوگ ہر زمانے میں انجام دیتے رہے ہیں۔ جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو، اس کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھو اور جب صحیح نتیجے پر پہنچ جاؤ، تو اسے نافذ کردو! کیونکہ زبانی فیصلہ بے سُود ہے، تاوقتیکہ اسے عملاً نافذ نہ کیا جائے۔ مدعی اور مدعا علیہ کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرو۔ کسی فریق سے بات کرنے یا عدالت میں بٹھانے یا انصاف کرنے میں کوئی امتیاز نہ برتو، تاکہ زوردار یہ توقع نہ کرے کہ تم اس سے رعایت برتو گے اور کمزور کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ تم اس کے ساتھ ناانصافی سے پیش آؤ گے۔ جو شخص دعویٰ کرے اُس سے گواہ مانگے جائیں اور جو دعویٰ نہ مانے اس سے قسم لی جائے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانی جائز ہے، بشرطیکہ اس سے حرام، حلال اور حلال، حرام نہ ہوجائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا، آج اس سے بہتر فیصلہ تمہاری عقل نے تمہیں سمجھا دیا تو اپنے پہلے فیصلے کو رد کرسکتے ہو اس لیے کہ حق ازلی ہے۔ اس کی طرف رجوع کرنا غلطی پر اڑے رہنے سے بہتر ہے۔ جس مسئلے میں شبہ ہو اور وہ تمہیں قرآن و حدیث میں نہ ملے تو اس پر غور کرو پھر غور کرو اور اس کے امثال و نظائر کو اچھی طرح ذہن نشین کرکے قیاس و اجتہاد سے کام لو۔ کوئی شخص اگر اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے مہلت مانگے تو اُسے مہلت دو، اور اگر وہ گواہ پیش کردے، تو اس کا حق دلوا دو۔ ورنہ مقدمہ خارج کردو۔ اس سے شک مٹے گا اور ظلم و ستم کی سیاہی دُور ہوگی۔

ہر مسلمان ثقہ ہے۔ سوائے ان اشخاص کے جنہیں کسی سنگین جُرم میں دُرّے لگائے جا چکے ہوں، یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو، یا ولد و نسب میں مشکوک ہوں۔ تمہاری چھپی ہوئی بداعمالیوں کا معاملہ خدا کے ہاتھ ہے۔ دُنیا میں قانونی سزا سے بچنے کے لیے اُس نے گواہی اور حلف ضروری قرار دیا ہے۔ خبردار! تمہارے دل میں اہلِ مقدمہ سے خفگی، اکتاہٹ یا چڑچڑاپن پیدا نہ ہو، کیونکہ جو شخص حق و انصاف کے موقع پر حق و انصاف قائم کرتا ہے، وہ اللہ کے انعام اور اچھی شہرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جس کسی نے اپنی نیت درست رکھی، اس کے اور لوگوں کے درمیان اللہ کافی ہے اور جو ان سے بناوٹی اخلاق سے پیش آیا، اس کے لیے اللہ کے رزق و رحمت کی امید نہ رکھو! والسلام!"

دیکھیے آپ نے یہ اصول جو حضرت عمرؓ نے اس خط میں مقرر فرمائے ہیں۔ کیا انہی اصولوں پر آج کل کی اکثر مہذب قوموں کا نظامِ عدالت قائم نہیں ہے بلکہ کیا یہی وُہ پائدار اصول نہیں ہیں جو زمانے کے ساتھ نہیں بدلے اور جن کے سلسلے میں فقہ و قانون کی کتابوں کی تعلیقات و شروح دسیوں نہیں، سیکڑوں مجلدات میں لکھی گئیں، ان اصولوں کا حضرت عمرؓ کی طرف سے مقرر کیا جانا کوئی حیرت ناک بات نہیں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بعض مقدمات ان کے سپرد فرماتے تھے اور خلافتِ فاروقیؓ کے ابتدائی دَور میں بھی قضا کے فرائض وہ خود ہی انجام دیتے تھے۔ پھر تعجب اس لیے بھی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ بڑے بالغ النظر فقیہہ تھے اور جو مسئلہ ان کے سامنے پیش ہوتا تھا، اپنی بہترین معلومات سے کام لے کر اس کا فیصلہ کرتے تھے۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی، تو مشورے کے بعد اجتہاد فرماتے تھے اور ان کا اجتہاد درست ہی نہیں بلکہ حجت ہوتا تھا، جسے بعد کے لوگ یقین و اطمینان کے ساتھ قبول کرتے تھے۔

کیا کسی متقی اور انصاف پسند قاضی کے سوا کوئی وہ بات کہہ سکتا ہے، جو حضرت عمرؓ نے قاضیوں کو ہدایت کرتے ہوئے فرمائی ہے:

"جب مدعی اور مدعا علیہ تمہارے سامنے پیش ہوں، تو اُن سے منصفانہ شہادت طلب کرو، یا واضح قسم کھلواؤ! کمزور سے اتنے قریب ہو کہ اس کا دل بڑھے اور زبان کھل جائے اور غریب کی دل دہی کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو وُہ اپنا حق چھوڑ کر چلا جائے گا اور اس کا حق ضائع کرنے والا وہ شخص ہوگا' جس نے اس سے لطف و نرمی نہیں برتی۔"

قضاۃ کا تقرر ایک قدم تھا، جو مملکت کے بدلتے ہوئے حالات میں ضرورت کے تحت اٹھایا گیا تھا۔ کوئی عمومی تنظیم نہ تھی، جس سے فی نفسہٖ کسی اصول کی تطبیق مقصود ہوتی۔ چنانچہ جن والیوں پر کام کا غیر معمولی بوجھ نہ تھا اور جو عدالتی فرائض انجام دے سکتے تھے، فصلِ خصومات کی خدمت اُن سے الگ نہ کی گئی اور حضرت عمرؓ نے اُن کے صوبوں میں قاضی مقرر نہ فرمائے بلکہ تمام اختیارات انہی کے ہاتھ میں رہنے دیے لیکن یہ ابتدائی قدم اُٹھائے ابھی چند ہی برس ہوئے تھے کہ وہ حکومت کے دوسرے نظاموں کی طرح ایک نظام بن گیا۔ چنانچہ عدالت کو انتظامیہ سے الگ کر دیا گیا اور قاضی کی ایک خاص حیثیت ہو گئی جسے ہر قسم کی عزت و احترام کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ کی توجہ جزیہ و خراج کے اموال نے اپنی طرف جذب کر لی جو اُن کے عُمّال بھیجتے تھے اور انہوں نے محسوس فرمایا کہ اُن اموال کی جمع و تقسیم کے لیے ایک نظام کا ہونا ضروری ہے۔ یہ وہ اموال نہ تھے جو زکوٰۃ و صدقات کے سلسلے میں جزیرہ نمائے عرب کے مسلمان ادا کرتے تھے، اس لیے کہ وہ تو ان لوگوں میں تقسیم کر دیے جاتے تھے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا :

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا..... (الخ) صدقات تو صرف فقیروں، مسکینوں اور عمال صدقات کے لیے ہیں۔

ان صدقات کا بیشتر حصہ مدینہ نہیں بھیجا جاتا تھا، بلکہ ان اقوام و قبائل کے مسکینوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، جن سے یہ رقم وصول ہوتی تھی۔ اس میں سے جو کچھ مدینہ پہنچتا تھا اور اس کا بڑا حصہ اونٹوں اور مویشیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اور جو کچھ ان اہلِ حاجت پر تقسیم کر دینے کے بعد بچتا تھا، جن کا ذکر صدقات کی آیت میں کیا گیا ہے، اُن پر ایک خاص نشان لگا کر مدینہ کے قریب ایک جگہ رکھ دیا جاتا تھا جس کا نام "حمیٰ" تھا۔ جب مسلمان کسی ملک پر چڑھائی کرتے اور کسی کے پاس سواری کے لیے جانور یا لڑنے کے لیے ہتھیار نہ ہوتے، تو وہ ان اونٹوں اور اس سامان سے مدد لیتا تھا اور اگر اس کے بعد بھی کچھ بچ رہتا تھا، تو وہ غریب و محتاج مسلمانوں پر صرف کر دیا جاتا تھا۔

غزواتِ نبویؐ میں مسلمانوں کو جو مالِ غنیمت ملتا تھا، وہ لڑائی کے بعد ان میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ نہ بچتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید فرمائی۔ چنانچہ عراق سے جتنا مالِ غنیمت آیا، اہلِ مدینہ میں تقسیم کر دیا اور کوئی چیز اس میں سے باقی نہ رہنے دی۔ عہدِ فاروقیؓ کے آغاز میں بھی یہی طریقہ رہا۔ لیکن فتوحات کی وسعت نے ایک طرف تو مالِ غنیمت میں بے پناہ اضافہ کر دیا اور دوسری طرف جزیہ و خراج کی بے شمار رقمیں مدینہ پہنچنے لگیں۔ مسلمان عراق و ایران اور شام و مصر کے جس علاقے پر قبضہ کرتے، اُس کے باشندوں سے جزیے کی شرط پر صلح کر لیتے جو بالاوسطاً دو دینار فی کس ہوتا تھا۔ یہ آمدنی اس خراج کے علاوہ تھی، جو زمیندار اپنی زمینوں کے بدلے ادا کرتے تھے۔ خراج کا ایک حصہ ملکی اصلاح و انتظام پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد جو رقم بچتی تھی مدینہ بھیج دی جاتی تھی۔ اس سے پہلے ہی کہ ایران کی فتح مکمل اور مصر پر حملے کا آغاز ہو، آمدنی کے اس شعبے میں دولت کی وہ ریل پیل ہوئی کہ امیر المومنینؓ نوزائیدہ سلطنت کے لیے ایک مالی نظام مرتب کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے۔

مورخین نے اس سبب کی توضیح میں بہت سی روایات درج کی ہیں، جس نے حضرت عمرؓ کو اس موضوع پر سوچنے کے لیے مجبور کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ بحرین سے آئے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کا حال دریافت کرنے کے بعد ان سے پوچھا :

"کیا لائے ہو؟"

جواب دیا :

"پانچ لاکھ درہم!"

حضرت عمرؓ سمجھے کہ وہ مبالغے سے کام لے رہے ہیں اس لیے پھر وہی سوال کیا۔ اور جب ان سے وہی پہلا جواب سنا تو فرمایا :

"تمہیں نیند آ رہی ہے اپنے گھر جا کے سو رہو، کل صبح میرے پاس آنا"

دوسرے دن جب ابوہریرہؓ پہنچے اور انہیں یقین دلایا کہ وُہ واقعی پانچ لاکھ درہم لائے ہیں، تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے فرمایا:
"یہ ہمارے پاس بڑی دولت لے کر آئے ہیں، اگر تم کہو تو گن گن کر تم میں تقسیم کی جائے اور کہو تو وزن کر کے۔"
ایک شخص بولا:
"امیر المومنین! میں نے ان ایرانیوں میں دیوان ــــ رجسٹر ــــ کا رواج دیکھا ہے، وہ رجسٹروں کے اندراج کے مطابق لوگوں میں رقمیں تقسیم کرتے ہیں۔"
چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔
کہا جاتا ہے دیوان ــــ رجسٹر ــــ مرتب کرنے کے سلسلے میں حضرت عمرؓ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا:
"جتنا مال آپ کے پاس جمع ہو، سال کے سال تقسیم کر دیا کریں اور کوئی چیز باقی نہ رہنے دیں!"
حضرت عثمانؓ بن عفان نے فرمایا:
"میں دیکھتا ہُوں کہ لوگوں میں بڑی دولت پھیلتی جا رہی ہے۔ اگر اس کا شمار نہ کیا گیا اور آپ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے کس کس کو ملا ہے اور کس کس کو نہیں، تو سارا نظام اتھل پتھل ہو جائے گا۔"
ولید بن ہشام بن مغیرہ نے عرض کی:
"امیر المومنینؓ! میں شام گیا تھا، وہاں مَیں نے دیکھا کہ سلاطینِ شام رجسٹروں میں نام درج کرتے ہیں۔ آپ بھی ایسا ہی کیجئے!"
اور حضرت عمرؓ نے اُن کی بات مان لی۔ چنانچہ عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جُبیر بن مُطعم کو بلایا، جو عرب کے مشہور ماہرین انساب تھے اور ان سے کہا:
"حیثیت اور مرتبے کے مطابق لوگوں کی فہرست تیار کریں۔"
ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے دیوان ــــ رجسٹر ــــ کی تدوین اور وظیفوں کی تعیین کے متعلق مہاجرینؓ و انصارؓ سے مشورہ کیا اور انہوں نے اُن کے حق میں رائے دی۔ پھر فاتحینِ اسلام سے مشورہ کیا اور انہوں نے بھی اس سے اتفاق کیا، سوائے حکیم بن حزام کے جو مکہ کے سرداروں اور صائب الرائے لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ انہوں نے کہا:
"امیر المومنینؓ! قریش اہل تجارت ہیں۔ اگر آپ اُن کے وظیفے مقرر کریں گے، تو وہ تجارت چھوڑ بیٹھیں گے۔ پھر آپ کے بعد کوئی ایسا فرمانروا آئے گا، جو ان کے وظیفے بند کر دے گا اور تجارت ان کے ہاتھ سے نکل چکی ہو گی۔"
حکیم کے ان فقروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا غیب کے پردے اُن کی نگاہوں سے ہٹا دیے گئے تھے اور یہ بات اُن کے دل میں القا کی گئی تھی، وظائف نے عربوں کو کاہل بنا دیا اور وہ روزی کے لیے دوڑ دھوپ کرنے سے بے پروا ہو گئے۔
اس کے بعد جب حالات بدلے، فتوحات کا سلسلہ رُکا اور غیر عرب اسلامی حکومت میں شامل ہو گئے۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے

جب اسلام کا دار السلطنت مدینہ سے دمشق اور دمشق سے بغداد منتقل ہُوا تو جزیرۃ العرب کے باشندوں کے وظائف بند کر دیے گئے۔ آسائش و بے عملی کی گود میں پرورش پانے والی نسل نہ تجارت کی طرف لَوٹ سکی، نہ روزی کے لیے جدوجہد کر سکی، جس کے نتیجے میں حجاز ایسا ویران اور بنجر ہوا کہ آج تک نہیں پنپ سکا۔

یہ نتیجہ حضرت عمرؓ کی نگاہوں سے کیسے اوجھل رہ گیا؟ انہوں نے اس کا اندازہ کیوں نہ کیا اور اس سے بچنے کی تدبیر کیوں نہ سوچی؟ بالخصوص جب انھیں یہ بات جتا دی گئی تھی اور اس کے نتائج اُن کے سامنے پیش کر دیے گئے تھے؟ یہ ہے ایک اعتراض جو جزیرہ نمائے عرب کے مفلس و قلاش ہو جانے کے بعد بظاہر دل میں ابھرتا ہے! معلوم ہوتا ہے حضرت عمرؓ کو اِس بات کا اندازہ تھا اور وُہ اِس کی توقع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ عوام کو محنت و مشقت کرنے اور زیادہ سے زیادہ روزی کمانے کی تاکید فرماتے رہتے تھے اور دُوسری طرف اُن لوگوں کو شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جو نمائشی زہد و عبادت کے زیرِ اثر دنیا سے بے تعلقی ظاہر کرتے تھے۔ ایک دن اُنہوں نے ایک زاہدِ مرتاض کو دیکھا، اس کے پاس گئے اور ایک دُرّہ مار کر بولے:

"خدا تجھے موت دے! ہمارے دین کا گلا کیوں گھونٹتا ہے؟"

وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے:

"جس کے پاس دولت ہے اسے دولت کو مفید کاموں میں لگانا چاہیے، اور جس کے پاس زمین ہے اُسے زمین کو آباد کرنا چاہیے، کیونکہ عنقریب ایسا شخص آنے والا ہے، جو اسی کو دے گا جسے چاہے گا۔"

ان کا اس پر ایمان تھا کہ انسان اپنی دُنیا کے لیے اس طرح کام کرے گویا وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اپنی عقبیٰ کے لیے اس طرح کام کرے گویا کل ہی مر جائے گا۔

حضرت عمرؓ نے رجسٹر مرتب کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جُبیر بن مُطعم کو بلا کر کہا:

"حیثیت اور مرتبے کے لحاظ سے لوگوں کی فہرست تیار کرو!"

ان لوگوں نے سب سے پہلے بنو ہاشم کے نام لکھے پھر حضرت ابوبکرؓ کے قبیلے بنو تیم کے اور اس کے بعد حضرت عمرؓ کے قبیلے بنو عدی کے۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا تو فرمایا:

"خدا کی قسم! چاہتا تو میں بھی یہی تھا۔ کاش ایسا ہوتا۔ لیکن تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے شروع کرو، جو حضورؐ سے قریب تر ہیں۔ سب سے پہلے وہ، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں یہاں تک کہ عمرؓ کو وہاں رکھو، جہاں اللہ نے اسے رکھا ہے۔"

روایت ہے کہ بنو عدی کو حضرت عمرؓ کی یہ بات معلوم ہُوئی تو وہ ان کے پاس آئے اور کہا:

"آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے اپنا نام وہیں کیوں نہ رہنے دیا، جہاں اُن لوگوں نے لکھا تھا۔"

حضرت عمرؓ نے غضب ناک نگاہوں سے انہیں دیکھا اور فرمایا:

"واہ اے بنو عدی! چاہتے ہو کہ میری کمائی کھاؤ اور تمہاری وجہ سے میری نیکیاں برباد جائیں۔ نہیں، خدا کی قسم!

تم اسی ترتیب سے آؤ گے، جس ترتیب سے تمہارے پاس دعوت پہنچی تھی، چاہے تمہارے ناموں پر رجسٹر ختم ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔"

یہ ایک نیا مسئلہ تھا جس سے لوگوں کی طبقاتی درجہ بندی مقصود تھی یہ نیا مسئلہ جو حضرت عمرؓ نے پیدا کیا تھا، صرف رجسٹر میں ناموں کی ترتیب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے آغاز کرنے ہی تک محدود نہ رہا، بلکہ اس سے گزر کر وظیفوں تک پہنچا جس کے نتیجے میں مستقل گروہ پیدا ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے وظیفوں میں مسلمانوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی اور اس باب میں حضرت ابوبکرؓ کی روش سے ہٹ گئے۔

جتنی بے چینی حضرت عمرؓ کو وظیفے تقسیم کرنے کی تھی، اتنی ہی بے چینی جزیرۃ العرب اور مفتوحہ ممالک کے عربوں کو وظیفہ وصول کرنے کی تھی اور کیوں نہ ہوتی جب حضرت عمرؓ ان کے دلوں میں اس کا شوق بھڑکاتے تھے اور وظیفے کی رقم کو منفعت بخش کاموں میں لگانے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے تھے کہ سواد عربوں میں سے جس کسی کو وظیفہ ملے اُسے چاہیے کہ بکریاں خرید کر اپنے سرمائے میں شامل کرلے اور جب دوبارہ وظیفہ ملے، تو مویشی خرید لے۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے بعد ایسے لوگ تمہارے والی بنیں گے، جو اپنے دور میں وظیفے جاری نہیں کریں گے۔ اگر تم میں سے کوئی اس وقت تک زندہ رہا، تو اس کے پاس اتنی جمع جکڑی ہوگی کہ وہ اس کے سہارے زندگی بسر کرلے۔" اور اکثر لوگ حضرت عمرؓ کی اس نصیحت پر عمل کرتے تھے۔

جن حضرات کو حضرت عمرؓ نے وظائف میں امتیازی حیثیت دی تھی، اُن میں سے کچھ بزرگ اس رقم کو صدقے کے طور پر دے دیا کرتے تھے۔ لیکن بیشتر لوگ وظیفہ لے کر تجارت کرتے تھے۔ اس لیے جو وظیفہ یاب ہزاروں درہم وصول کرتے تھے، اُن کی دولت دُگنی اور چوگنی ہو گئی۔ اس سے طبقاتی امتیازات نے جنم لیا اور اجتماعی نظام پر ان امتیازات کا اتنا واضح اثر پڑا کہ حضرت عمرؓ اپنی پالیسی پر نظرِ ثانی کرنے کے لیے مجبور ہو گئے۔ انتہائی سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں حضرت صدیقؓ نے مسلمانوں کے درمیان جو مساوات رکھی تھی، وہی بہتر تھی اور وظائف کے معاملے میں انہیں بھی اسی روش پر چلنا چاہیے تھا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو آخری آدمی کو پہلے آدمی سے ملا کر ایک وجود بنا دوں گا۔"

اور کہا:

"اگر میں ایک سال زندہ رہ گیا تو سب سے پست آدمی کو سب سے بلند آدمی سے ملا دوں گا۔"

لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں کو ایک سطح پر لانے کے لیے اگر امتیازی وظیفوں میں کمی کی گئی، تو اس سے ایک ایسی ناراضی پھیل جانے کا اندیشہ ہے جس کے نتائج ناخوشگوار ہوں گے۔ چنانچہ ان کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ چھوٹے وظیفہ یابوں کے وظیفوں میں اضافہ کرکے انہیں بڑے وظیفہ یابوں کی سطح پر پہنچا دیا جائے۔ اُن کا ارشاد تھا:

"اگر میں دولت کی فراوانی تک زندہ رہا، تو ہر مسلمان کا وظیفہ تین ہزار درہم کر دوں گا۔ ایک ہزار اُس کے جانوروں اور ہتھیاروں کے لیے، ایک ہزار خود اُس کے لیے اور ایک ہزار اس کے اہل و عیال کے لیے۔" لیکن وہ سال بھر زندہ نہ رہے اور آنے والے سال سے پہلے ہی شہید کر دیے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طبقات باقی رہ گئے اور اُن طبقات کا آگے چل کر ملتِ اسلامیہ

کی زندگی پر جو اثر پڑا اس کی تفصیل ہمارے دائرۂ بحث سے خارج ہے۔

حضرت عمرؓ نے صرف وظیفہ خواروں کا رجسٹر نہیں بنایا، بلکہ کہا جاتا ہے اسلام میں سب سے پہلے مراسلت کا رجسٹر وجود میں آیا۔ شام، عراق اور مصر کے جو رجسٹر تھے، وہ علی الترتیب رومی، فارسی اور قبطی زبان میں لکھے جاتے تھے اور اُن کی ترتیب تحریر مسلمانوں کے نہیں۔ ایرانیوں، رومیوں اور قبطیوں کے ہاتھ میں تھی۔ مراسلت کا یہ رجسٹر بھی خراج کے رجسٹر، سکّہ ڈھالنے کےلیے ٹکسال کی تعمیر اور مختلف شہروں میں بیت المال کے قیام کی طرح انہی برق رفتار تبدیلیوں کا مرہون تھا' جو اسلامی فتوحات اور مسلمانوں کے ایرانی و رومی سلطنتوں کے مختلف گوشوں میں پھیل جانے کی وجہ سے ظہور میں آئی تھیں۔ اس سے پہلے اسلامی مملکت میں اس قسم کے رجسٹر کہیں نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط آپؐ کے صحابہؓ لکھتے تھے اور ان خطوط کی نقل اور ان کے جواب کاشانۂ نبوت میں محفوظ رکھے جاتے تھے۔ سرکارِ رسالتؐ نے کوئی بیت المال بھی قائم نہیں فرمایا تھا اس لیے کہ آپؐ غنیمت اور صدقات کی رقم وصول ہوتے ہی مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ حضرت صدیقؓ نے بھی اسی سنت پر عمل کیا۔ چنانچہ جو خطوط مرتدین اور اُن سے لڑنے والے امرائے لشکر کو لکھے اور عراق و شام کے محاذوں پر جانے کے لیے، جو دعوت نامے فوج اور اس کے سپہ سالاروں کو بھیجے جاتے، وہ حضرت صدیقؓ ہی کے مکان میں جمع رہتے تھے۔ امرائے لشکر کا بھی یہی طریقہ تھا' وہ خلیفۃ المسلمینؓ کی خدمت میں جو عرضداشتیں بھیجتے' اپنے لشکر کو جو احکام دیتے، دشمن کو جو خطوط لکھتے اور مفتوحہ علاقوں کے باشندوں سے جو معاہدے کرتے، وہ سب انہی کے پاس محفوظ رہتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے پاس غنیمت کا جتنا مال آتا' سب کا سب تقسیم فرما دیتے، اور اس میں سے کوئی چیز باقی نہ رکھتے تھے۔ اس کے بعد جب عہدِ فاروقیؓ میں مملکت کی حدود وسیع ہوئیں اور اس کی وجہ سے حکومت کا کام بڑھا، سرحدی چوکیاں قایم کی گئیں اور جزیہ و خراج وغیرہ کی رقمیں پے در پے مدینہ آنے لگیں، تو اس نئی صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اُن وسائل سے کام لینا ناگزیر ہوگیا' جو ان تمام معاملات کی تنظیم اس طرح کریں کہ ساتھ کے ساتھ مملکت کی اصلاح و فلاح کی راہیں بھی کھلتی جائیں اور لوگوں میں عدل و انصاف بھی قائم ہوتا جائے۔ پھر مفتوحہ علاقوں میں ایک ایسی حکیمانہ سیاست بروئے کار لائی جائے کہ وہاں کے باشندے اس حکومت سے خوش ہو جائیں، جو قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی جگہ قائم ہوئی تھی۔

ایران اور روم کے شہنشاہوں کو یہ زعم تھا کہ اُن کے اقتدار کا سرچشمہ ان کا خداداد حقِ شاہی ہے، لیکن امیرالمومنینؓ اپنے اقتدار کو اُن لوگوں کے تعاون کا نتیجہ سمجھتے تھے، جنہوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ان دونوں شہنشاہوں کے زور و جبر کی کوئی حد و نہایت نہ تھی اور وہ اپنی رعایا کا خُون چُوستے، اُس کی آزادی کا ہر طرح گلا گھونٹنے میں بالکل آزاد تھے۔ اس کے برعکس امیرالمومنینؓ کتاب و سنّت کے پابند تھے اور اہلِ الرائے کے مشوروں کو پورا پورا وزن دیتے تھے۔ ان کے یہ مشیر نہایت آزادی و بے باکی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے، لیکن حد سے آگے قدم نہ بڑھاتے تھے اور یہ حد قایم کرنے والے اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اُس رسالت پر اُن کا سچا ایمان تھا' جو اللہ نے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانے کے لیے عربوں کے سپرد فرمائی تھی۔

اربابِ شوریٰ اور دوسرے تمام مسلمانوں کی آزادی اس بنیاد پر قائم تھی کہ اللہ اور اس کے اوامر و نواہی کے سامنے سب مسلمان برابر ہیں۔ کوئی امیر کسی عام آدمی پر اور کوئی عرب کسی عجمی پر نیکوکاری و پرہیزگاری کے سوا کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ اس مساوات اور اس آزادی پر ان کا یہ ایمان ہی تھا' جس نے انہیں اخوت کے اس بلند مقام پر پہنچا دیا جہاں ہر مسلمان اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ چاہتا تھا' جو وہ اپنے لیے پسند کرتا تھا۔

عہدِ فاروقیؓ میں تمدّنی ترقّی

علامہ شبلی نعمانی

حکومت کے نظم ونسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے، یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور ا ہوں اور یہی ترقیِ تمدّن کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ض کے لیے کافی ہوتا ہے۔ پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے پڑھنے اور دیگر ضروریات کے لیے جُدا جُ کمرے بنتے جاتے ہیں۔ یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے۔ ابتدائے تمدن میں انتظام کے تمام صیغے ملے جُلے رہتے ہیں۔ جو شخص صوبہ کا ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے۔ مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے جرائم کی تعزیر وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے حضرت عمرؓ کے عجیب وغریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں اور سلسلۂ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے، تاہم انھوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے، الگ کر کے جداگانہ محکمے قائم کیے۔

ملک کی تقسیم، صوبجات اور اضلاع

نظامِ حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہیں، ملک کا مختلف حصّوں میں تقسیم ہونا ہے۔ جن کو صوبہ، ضلع، پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام میں حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی ابتدا کی اور اُس زمانے کے موافق نہایت موزو تناسب سے اس کی حدود قائم کیں۔ تمام مورخین نے اس کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے ممالکِ مقبوضہ کو ۸ صوبوں میں تقسیم کیا۔

حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صُوبے

مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین۔ مورخ یعقوبی نے آٹھ کے بجائے سات صُوبے لکھے ہیں اور لکھا کہ "یہ انتظام حضرت عمرؓ نے ۲۰ھ میں کیا تھا" مورخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال ہے، جس تفصیل بتا دینا ضروری ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی، اس کے لحاظ سے صرف یہ آٹھ صوبے کافی نہیں ہو سکتے۔ فارس، خوزستان، کرمان وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہُوئے ان کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلعے تھے، اکثر جگہ حضرت عمرؓ نے اُسی طر رہنے دیے، اس لیے مؤرخین نے ان کا نام نہیں لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمرؓ نے قائم کیے، ان کا ذکر ضروری تھا اور وہ یہی آٹھ

لیکن یہ امر بھی بلحاظِ اغلب صحیح ہے ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی تصرفات کیے تھے۔ فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا اور اس میں دس ضلعے شامل تھے۔ ۱۵ھ میں جب حضرت عمرؓ نے خود فلسطین جا کر معاہدۂ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن مجزز کو الگ الگ دونوں صوبوں میں متعین کیا۔ مصر کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اس کی کیا حالت تھی۔ لیکن عمرؓ نے اس کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جس کو عربی میں صعید کہتے ہیں اور جس میں ۲۰ ضلعے شامل تھے، ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور نشیبی حصہ جس میں ۱۵ ضلعے شامل تھے، اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمروؓ بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

نوشیروانی عہد کے صُوبے

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمرؓ نے تقریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیے تھے۔ اس لیے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ نوشیرواں کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے۔

مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ نوشیرواں کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی:

خراسان: اس میں مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے:

نیشاپور، ہرات، مرو، مرورود، فاریاب، طالقان، بلخ، بخارا، باذغیس، باورد، غرشستان، طوس، سرخس، جرجان۔

آذربائیجان: اس میں مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے:

طبرستان، رے، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، ہمدان، نہاوند، دینور، حلوان، ماسبذان، مہرجان، قذق، شہرزور، صامغان، آذربیجان۔

فارس: اس میں مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے:

اصطخر، شیراز، نوبندجان، جور، کازرون، فسا، دارابجرد، اردشیرخرہ، سابور، اہواز، جندیسابور، سوس، نہرتیری، مناذر، تستر، ایذج، رام ہرمز۔

صوبوں کے افسر

صوبوں کے مفصلۂ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے:

والی یعنی حاکمِ صوبہ، کاتب یعنی میر منشی، کاتبِ دیوان یعنی دفتر فوج کا میر منشی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر، صاحبِ الاحداث یعنی افسر پولیس، صاحبِ بیت المال یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی صدر الصدور و منصف؛ چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر والی، عثمان بن حنیف کلکٹر، عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ، شریح قاضی، عبداللہ بن خلف الخزاعی کاتبِ دیوان تھے۔

ہر صوبے میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی، جہاں تک ہم کو معلوم ہے، ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا۔ مثلاً عمار بن یاسر جس وقت کوفہ کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا بحرین میں قدامۃ بن مظعون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے۔ والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اس کے ممبر خود دربارِ خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے۔ عمار کو جب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو دس معزز آدمی ان کے اسٹاف میں دیے جن میں ایک قرظہ خزرجی بھی تھے۔

میر منشی قابل اور تقریر اور تحریر میں یکتا ہوتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے، ان کا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا، جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمرؓ حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا، تو تمام عرب اس کے علَم کے نیچے آجاتا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی، ملکی عہدہ داروں کا انتخاب اور ان کی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو، لیکن جب تک حکومت کے اعضا و جوارح یعنی عہدہ دارانِ ملکی قابل، لائق، راست باز اور متدین نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے، ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق اُلٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی

اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ ان کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی، یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے۔ اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی یہی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لیے اس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے جن کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا، یعنی جو فنِ سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ۔ حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیے، اور چونکہ یہ لوگ صاحبِ ادّعا بھی تھے اس لیے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خود سری نہ کرنے پائیں۔ زیاد ان کے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا اس لیے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا، لیکن اس کی قابلیت اور استعداد کی بنا پر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کر کارو بارِ حکومت میں اس کو مشیرِ کار بنائیں۔ فنِ حرب میں عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے، لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا، لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا، کیونکہ ہر شخص اپنا فن خوب جانتا ہے۔ عبد اللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی، آپ نے فرمایا، "اس کا جواب کون لکھے گا؟" عبد اللہ بن ارقم نے عرض کی کہ "میں"۔ یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔ آنحضرتؐ

نے سُنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ ان کی اس قابلیت پر ان کو خاص خیال ہوا، اور جیسا کہ علامہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے، یہ اثر ان کے دل میں ہمیشہ قایم رہا۔ یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو میر منشی مقرر کیا۔

عامل

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا، اس کے پاس جس قدر مال و اسباب ہوتا تھا، اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی، تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔

اب ہم عمالانِ فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پُرزے استعمال کیے تھے :

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابوعبیدہؓ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں۔
یزید بن ابی سفیانؓ	"	"	تمام بنوامیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص لائق نہ تھا۔
امیر معاویہؓ	"	"	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمروؓ بن العاصؓ	مصر	"	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاصؓ	کوفہ	"	آنحضرتؐ کے ماموں تھے۔
عتبہ بن غزوانؓ	بصرہ	"	مہاجرین میں سے ہیں، بصرہ انہی نے آباد کرایا۔
ابوموسیٰ اشعریؓ	"	"	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسیدؓ	مکہ معظمہ	"	آنحضرتؐ نے ان کو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبدالحارثؓ	"	"	فضلائے صحابہؓ میں سے ہیں۔
خالد بن العاصؓ	"	"	ابوجہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
عثمان بن ابی العاصؓ	طائف	"	آنحضرتؐ کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھاما تھا۔
یعلیٰ بن اُمیہؓ	یمن	"	صحابہؓ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرتِ عام رکھتے تھے۔
علاء بن الحضرمیؓ	"	"	بڑے صاحبِ اثر تھے، آنحضرتؐ نے ان کو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔
نعمانؓ	مدائن	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیفؓ	اضلاعِ فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمائش کے کام میں نہایت ماہر تھے۔

عیاض بن غنمؓ	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا تھا۔
عمر بن سعدؓ	حمص	"	حضرت عمرؓ ان کی نہایت عزت کرتے تھے۔
حذیفہ بن الیمانؓ	مدائن	"	مشہور صحابیؓ اور آنحضرتؐ کے رازدار تھے۔
خالد بن حرث دہمانیؓ	اصفہان	افسر خزانہ	
سمرۃ بن جندبؓ	سوق الاہواز		اکابر صحابہؓ میں ہیں۔
نعمان بن عدیؓ	میسان		صحابہؓ میں سے اوّل انہی کو وراثت کا مال ملا۔
عرفجہ بن ہرثمہؓ	موصل	کمشنر مالگذاری	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی۔

صیغۂ محاصل

خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا

خراج کا نظم و نسق عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا۔ اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان تاج و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قایم کر دیے تھے، لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں۔ اس لیے زمین ہمارے ہی قبضے میں چھوڑ دی جائے۔ جناب رسول اللہؐ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔ اس کے سوا، جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے ان کی زمین پر عشر مقرر کر دیا، جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے، لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔

حضرت عمرؓ کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی ۱۶ھ میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا اور اُس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا، تو خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلۂ فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کیے جائیں اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن وقاصؓ کو وہاں کی مردم شماری کے لیے حکم دیا تھا۔ سعدؓ نے نہایت جانچ پڑتال کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا، تو ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اُسی وقت حضرت عمرؓ کی یہ رائے قایم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے اور اُن کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اکابر صحابہؓ میں سے عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ اہل فوج کے ہم زبان تھے۔ حضرت بلالؓ نے تو اس قدر کد کی کہ حضرت عمرؓ نے دِق ہو کر فرمایا، "اللّٰھم اکفنی بلالا"۔ یعنی "اے خدا! مجھ کو بلال سے نجات دے۔"

حضرت عمرؓ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالکِ مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی حفاظت، ملک کے امن وامان قایم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے؟ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے، انہی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آیندہ نسلیں منفعت کیونکر پا سکتی ہیں؛ چونکہ حضرت عمرؓ کی حکومت کا طریقہ جمہوری تھا، یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا، کثرتِ رائے پر ہوتا تھا۔ اس لیے عام اجلاس ہوا، جس میں تمام قدما مہاجرین اور انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے سردار، وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا؛ تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔

حضرت عمرؓ کا استدلال

حضرت عمرؓ کو دفعۃً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی، جو بحث کے لیے نصِ قاطع تھی یعنی لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ الخ اس آیت کے اخیر فقرے وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ سے حضرت عمرؓ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے، لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے، تو آنے والی نسلوں کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔

حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نہایت پُر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اُٹھے کہ بے شبہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے۔ اس استدلال کی بنا پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کیے جائیں وہ فوج کی مِلک نہیں ہیں، بلکہ حکومت کی مِلک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو بے دخل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمرؓ نے ممالکِ مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

عراق کا بندوبست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا، سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمرؓ کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ہر ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم ورواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت مال گزاری کا جو طریقہ جاری تھا، یہ تھا کہ ہر ایک قسم کی مزروعہ زمین پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے، جو تین قسطوں میں ادا کیے جاتے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا اور نوشیرواں نے اس کی تکمیل کی تھی۔ نوشیرواں تک لگان کے تعین میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پاتے، لیکن خسرو پرویز نے اس پر اضافہ کیا اور یزدگرد کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ حضرت عمرؓ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا۔ اس کام کے لیے چونکہ دیانت کے ساتھ فنِ مساحت سے واقف ہونا ضروری تھا، اور عرب میں اس قسم کے فنون اُس وقت تک رائج نہ تھے، اس لیے فی الجملہ دقت پیش آئی۔ آخر دو اشخاص انتخاب کیے گئے۔ عثمانؓ بن حنیف اور حذیفہؓ بن الیمان، یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمانؓ بن حنیف کو

اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔

افسرانِ بندوبست

قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے دستِ مبارک سے تیار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ کام جاری رہا۔

عراق کا کُل رقبہ

کُل رقبہ طول میں ۳۷۵ میل اور عرض میں ۳۲۰ یعنی کل ۰۰۰۰۰ ۳ میل مکسّر ٹھہرا اور پہاڑ، صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابلِ زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ خاندانِ شاہی کی جاگیر، آتش کدوں کے اوقاف، لاوارثوں، مفروروں اور باغیوں کی جائداد وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لیے مخصوص تھیں، دریا برآورد جنگل ان تمام زمینوں کو حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دے کر ان کی آمدنی، جس کی سالانہ تعداد ستر لاکھ درہم (۰۰۰۰۰۰۰ ۷) تھی رفاہ عام کے کاموں کے لیے مخصوص کر دی کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی، تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو دے دی گئی۔

عراق کا خراج

اُفتادہ زمین پر بشرطیکہ قابلِ زراعت ہو۔ دو جریب پر ایک درہم مقرر ہوا، اس طرح کُل عراق کا خراج ۸ کروڑ ۶۰ لاکھ درہم ٹھہرا، چونکہ پیمائش کے مہتمم مختلف لیاقت کے تھے، اس لیے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا؛ تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی، اُس سے زیادہ مالکانِ اراضی کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمرؓ کو ذمّی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ نہیں، بلکہ ابھی اسی قدر اور گنجائش ہے۔

زمیندار اور تعلقہ دار

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی حالت اسی طرح قایم رہنے دی اور اُن کے جو اختیارات اور حقوق تھے، سب بحال رکھے۔

جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شرحیں نوشیرواں کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد تھیں؛ تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور دفعتہً زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گئی۔

پیداوار اور آمدنی میں ترقی

بندوبست کے دُوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالہا سالِ مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس پر بھی حضرت عمرؓ کو یہ احتیاط تھی کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفے سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مالگذاری کسی ذمّی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔

ہر سال مالگذاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا، لیکن جس قدر مالگذاری اُن کے عہد میں وصول ہوئی زمانۂ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ حجاج پر خدا لعنت کرے، کمبخت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دُنیا کی۔ عمرؓ بن الخطاب نے عراق کی مالگذاری دس کروڑ ۲۰ لاکھ درہم وصول کی، زیاد نے دس کروڑ ۱۰ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر و ظلم کے صرف ۲ کروڑ ۸۰ لاکھ وصول کیے۔ مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لیے مشہور ہے، لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد پانچ کروڑ ۴۸ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان میں تھا

جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی، یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا، حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارسی، یونانی اور قبطی ملازم تھے، بدستور بحال رہے؛ تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقۂ انتظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اُس کی اصلاح کر دی۔

مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعدِ مالگذاری

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہُوا تھا، پٹالومیز (بطالمہ) نے بھی وہی قائم رکھا اور رومن ایمپائر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمائش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقۂ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیے تھے:

۱۔ خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقے سے وصول کیا جائے۔

۳۔ چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔
۴۔ بندوبست چار سالہ ہو۔

رومیوں کا اضافہ

رومیوں نے اپنے عہدِ حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے تھے۔ لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلہ کی ایک مقدارِ کثیر پائے تخت قسطنطنیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لیے یہیں سے غلہ جاتا تھا، جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیے۔

حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی

یورپ کے مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی؛ چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا، اسی اصول کے موافق بھیجا گیا، لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قایم ہو کر مدتوں تک جاری رہی۔ لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا۔ کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے۔ اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تھا، تو غلہ خرید کر کے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لیے غلے کے کھتوں کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلہ تھا۔

مصر میں وصولِ مالگزاری کا طریقہ

حضرت عمرؓ نے مالگذاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونوں ملکوں کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کا مدار دریائے نیل کی طغیانی پر ہے اور چونکہ اس کی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا ہے، اس لیے پیداوار کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لیے مفید نہیں کہ جاہل کاشت کار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط حساب کے لحاظ سے ان کا کام چل سکے۔

بہرحال حضرت عمرؓ کے زمانے میں مالگذاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مالگذاری کی قسطیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور عراف طلب کیے جاتے تھے اور وہ پیداوارِ حال کے لحاظ سے کُل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا، جس میں مقامی زمیندار اور مکھیا شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینی رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں میں پھیلا دی جاتی۔ پیداوار جو ہوتی تھی، اس میں سے اوّل گرجاؤں اور حماموں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ باقی جو بچتا تھا، اس میں سے جمع شخصیہ ادا کی جاتی تھی۔ ہر گاؤں پر جمع تشخیص ہوتی تھی، پڑتے

سے ایک حصہ گاؤں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔

اس طریقے میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر کے حالات کے حساب سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضیٰ تھا۔ مصر میں یہ طریقہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ قرار دی گئی اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

مصر کا کل خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا، اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی، جس کے تقریباً ۵ کروڑ ۴ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی، خراج اس کے علاوہ تھا — ابو حوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیے میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے۔ خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کیے، تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پچھلے سال بیس کروڑ وصول کیے تھے۔ عمرو بن العاص سے باز پرس کی۔ یہ مسلّم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیے کا دستور نہ تھا۔ اس لیے عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مورخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے، اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی، زمانۂ مابعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی۔

مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں

بنو امیہ اور العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوا۔ ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی اراضیات کی پیمائش کرائی، جو تین کروڑ فدان ٹھہری، تو ۳۰ لاکھ سے ۴۰ لاکھ ہو گئے، البتہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں عبد اللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار وصول کیے تھے لیکن جب حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا "ہاں! لیکن بچے بھوکا رہا۔" امیر معاویہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے۔ ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد ۹۰ لاکھ دینار تھی۔ فاطمیین کے عہد میں خلیفہ المعز الدین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دوگنی کر دی، تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے۔

شام

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالکِ مقبوضہ میں قائم کیا تھا۔ اس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کیے تھے۔

یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا، اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری تھا۔ قرائن اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اُس کی کل رقم ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار یعنی ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ روپے تھی۔

عراق، مصر اور شام کے سوا اور ممالکِ مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیہ وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مورخین ان ملکوں کے حالاتِ فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے، تو اس کی تعداد لکھ دی ہے، باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں، اس لیے ہم بھی اس کی چنداں پروا نہیں کرتے۔

قانون مالگذاری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحاتِ فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں، اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمرؓ نے اس صیغے میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی دفعۃً نہایت ترقی کر گئی، یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیتِ زمین کا جو قدیم قانون تھا اور بالکل جابرانہ تھا، مٹا دیا گیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسرانِ فوج اور کچھ ارکینِ دربار کو دے دیں۔ کچھ شاہی جاگیریں قرار پائیں، کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دی گئیں۔ اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی، وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے، اور اگر مالکِ زمین ان کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ ذمہ داریاں ملنے لگیں، لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس سے متمتع ہونے کے لئے رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی۔ اس بہانے سے زمیندار خود زمین پر متصرف ہو جاتے تھے اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا۔ یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے، تمام دُنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسرانِ فوج یا ارکانِ دولت کی جاگیر میں دے دیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے اور جو رہ گئے تھے ان کے قبضہ سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمرؓ نے ان تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھیں، یا جن پر رومی افسر قابض تھے، باشندگانِ ملک کے حوالے کر دیا اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں، قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے، یعنی مالکانِ اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے۔ یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا؛ چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی، تو بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب مثلاً امام مالک، نافع بن یزید بن البیعہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اہلِ عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے، زراعت کی ممانعت کر دی؛ چنانچہ تمام فوجی

افسروں کے نام احکام بھیج دیے۔ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیے گئے ہیں۔ اس لیے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک غطفی ایک شخص نے مصر میں زراعت کر لی، تو حضرت عمرؓ نے اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اُس عدل و انصاف کا نمونہ قایم کیا جس کی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی، کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دُوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی، اس لیے کہ اصلی باشندے، جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے۔ عرب کے خانہ بدوش بدو ان کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے: "یہ بات مسلّم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مالگذاری کے معاملے کو بہت دخل ہے۔ رومن سلطنت میں باشندگانِ ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا، اس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا۔ مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا، وہ اہلِ ملک کی طرف سے نہ تھا، بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی۔ دمشق اور حمص میں عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہر پناہ کے دروازے بند کر دیے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

بندوبست مالگذاری میں ذمیوں سے رائے لینا

اس معاملے میں ایک اور نہایت منصفانہ اصول جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برتا تھا، یہ تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذمی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمّال کو لکھا کہ عراق کے دو رئیسوں کو ہمارے پاس بھیجو، جن کے ساتھ مترجم بھی ہوں۔ پیمائش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اور ان کے اظہار لیے۔

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے میں طلب کیا اور اس کا اظہار لیا یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا، اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ اُن اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیے جن کا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

ترقیِ زراعت

بندوبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی، عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں، جو شخص ان کو آباد کرے گا اس کی ملک ہو جائیں گی، لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی

غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے، تو زمین اس کے قبضے سے نکل جائے گی۔ اس طریقے سے افتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی اس کے لیے اشتہار دے دیا کہ واپس آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے۔ زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے آکر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج اُدھر سے گزری اور اس کو برباد کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے۔

محکمہ آبپاشی

تمام ممالکِ مفتوحہ میں نہریں جاری کیں اور بند باندھنے، تالاب تیار کرانے، پانی کی تقسیم کرنے کے دہانے بنانے، نہروں کے شعبے نکالنے اور اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔ خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جزر بن معاویہ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں، جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سیکڑوں نہریں تیار ہوئیں جن کا پتا جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

خراجی اور عشری

نوعیتِ قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی یعنی خراجی اور عشری۔ خراجی کا بیان اوپر گزر چکا۔ عشری اس زمین کا نام تھا، جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھی اور جس کے اقسام حسبِ ذیل ہوتے تھے۔

۱۔ عرب کی زمین، جس کے قابضین اوائلِ اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

۲۔ جو زمین کسی ذمّی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی۔ مثلاً لاوارث مر گیا، یا مفرور ہو گیا، یا بغاوت کی، یا استعفاً دے دیا۔

۳۔ جو افتادہ زمین، کسی حیثیت سے کسی کی مِلک نہیں ہوتی تھی اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا، وہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا، اس لیے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی، جس کی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی قائم رہی۔ حضرت عمرؓ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں، اگر وہ ذمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کر دیا؛ چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعودؓ و خباب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اگر خود مسلمان نئی نہر یا نیا کنواں کھود کر اس کی آبپاشی کرتے تھے تو اس پر رعایتہً عشر مقرر کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیاں

خراج و عشر کے سوا آمدنی کی جو اور اقسام تھیں وہ حسبِ ذیل تھیں :

زکوٰۃ ، عشور ، جزیہ ، مالِ غنیمت کا خمس ، زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی ، اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائداد یا آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی ، یہاں تک کہ بھیڑ بکری ، اونٹ سبھی پر زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے ۔

گھوڑوں پر زکوٰۃ

حضرت عمرؓ کے عہد میں جو اضافہ ہوا ، یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی ؛ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا ، لیکن اس سے عیاذاً باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے جناب رسول اللہؐ کی مخالفت کی ۔ آنحضرتؐ نے جو الفاظ فرمائے تھے ، اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے تھے اور حضرت عمرؓ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا آنحضرتؐ کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے ۔ اس لیے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی ، بہرحال زکوٰۃ کی مد میں یہ ایک نئی آمدنی تھی ، اور اوّل حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں شروع ہوئی ۔

عشور

عشور خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے ۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے موافق مالِ تجارت پر فی صد دس روپیہ ٹیکس لیا جاتا تھا ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی ۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجر جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے ۔ منبج کے عیسائیوں نے جو اس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے ، خود حضرت عمرؓ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے ۔ حضرت عمرؓ نے منظور کر لیا ، اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے تمام ممالکِ مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے ایک خاص محکمہ قایم کر دیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی ۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا اور اس کی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے ۔ اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا ۔

صیغۂ عدالت

محکمۂ قضا

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا ۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغۂ عدالت ، انتظامی

صیغے سے علٰحدہ قائم کیا جاتے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے، مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی، لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند سال بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک خود خلیفۂ وقت اور افسرانِ ملکی قضا کا بھی کام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ابتدا میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضروری تھا۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا، ہر صیغے کا اجرا رعب و داب کا محتاج رہتا ہے۔ اس لیے فصلِ قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصلِ قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسٰی اشعریؓ کو لکھا کہ جو شخص بااثر اور صاحبِ عظمت نہ ہو، قاضی نہ مقرر کیا جائے، بلکہ اسی بنا پر عبداللہ بن مسعودؓ کو فصلِ قضایا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا، تو حضرت عمرؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔ تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، اور قاضی مقرر کیے۔ اس کے ساتھ قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابوموسٰی اشعریؓ گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس میں صیغۂ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے، ہم اس کو بعینہٖ اس مقام پر نقل کرتے ہیں[1]۔ رومن امپائر کے دوازدہ گانہ قواعد جو

---

[1] ۴۵۱ قبل مسیح رومن امپائر نے یونان میں سفرا بھیجے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئین اور سلطنت کے لیے ایک مستقل قانون بنائیں۔ یہ سفرا یونان گئے اور وہاں سے واپس آکر ایک دستور العمل تیار کیا جس میں بارہ امور انتظامی پر بارہ قاعدے تھے۔ یہ تمام قواعد سیسے کی تختی پر کندہ کیے گئے اور مدت تک رومن امپائر کا وہی قانون رہا، اس میں صیغۂ قضا کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہیں :

۱۔ جب تم عدالت میں طلب کیے جاؤ تو فوراً فریقِ مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔
۲۔ اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کرو، تاکہ وہ جبراً حاضر کیا جائے۔
۳۔ مدعا علیہ بھاگنا چاہے، تو تم اس کو پکڑ سکتے ہو۔
۴۔ مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو، تو تم اس کو سواری دو، ورنہ اس پر حاضری کے لیے جبر نہیں کیا جا سکتا۔
۵۔ مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو تم اس کو چھوڑ دو۔
۶۔ دولت مند کا ضامن، دولت مند ہونا چاہیے۔
۷۔ جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیے۔
۸۔ جج صبح سے دوپہر تک مقدمہ سُنے گا۔
۹۔ فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی حاضری میں ہوگا۔
۱۰۔ مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی۔
۱۱۔ فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو ان کو ضامن دینا چاہیے۔
۱۲۔ جو شخص گواہ نہیں پیش کر سکتا مدعا علیہ کے دروازے پر دعوے کو پکار کر کہے۔

یہ قواعد ہیں جن کو یاد کر کے یورپ رومن امپائر پر ناز کرتا ہے۔

رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کیے جاتے ہیں اور جن کی نسبت سیسرو، روم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفروں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔

ان دونوں کا موازنہ کرکے ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتا لگتا ہے۔

قواعدِ عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر

حضرت عمرؓ کا فرمان بعبارتہا ذیل میں درج ہے:

خدا کی تعریف کے بعد، قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو، تاکہ کمزور، انصاف سے مایوس نہ ہو اور زور دار کو تمہاری رُو رعایت کی اُمید نہ پیدا ہو، جو شخص دعویٰ کرے، اُس پر بارِ ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اُس پر قسم، صلح جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے حرام، حلال اور حلال، حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا، تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کرسکتے ہو۔ جس مسئلے میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو، تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو۔ پھر قیاس لگاؤ۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لیے ایک میعاد مقرر کرو، اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں۔ باستثنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں دُرّے لگائے گئے یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں۔

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔

۲۔ بارِ ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

۳۔ مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی۔

۴۔ فریقین ہر حالت میں صلح کرسکتے ہیں، لیکن جو امر خلافِ قانون ہے اس میں صلح نہیں ہوسکتی ہے۔

۵۔ قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس میں نظرِ ثانی کرسکتا ہے۔

۶۔ مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہیے۔

۷۔ تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو، تو مقدمہ یک طرفہ فیصل کیا جائے گا۔

۸۔ ہر مسلمان قابلِ ادائے شہادت ہے، لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو، وہ قابلِ شہادت نہیں۔

صیغۂ قضا کی عمدگی یعنی فصلِ خصومات میں پورا عدل و انصاف چار باتوں پر موقوف ہے:

۱۔ عمدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔

۲۔ قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔

۳۔ وہ اصول اور آئین جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصلِ خصومات میں رُو رعایت نہ کرنے پائیں۔

۴۔ آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی ہونا، تاکہ مقدمات کے انفصال میں ہرج نہ ہونے پائے۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام اُمور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید موجود تھا، البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لیے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی۔ قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اوّل قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو، قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث، اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتا نہ لگے، تو خود اجتہاد کرو۔

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکامِ عدالت کو مشکل اور مبہم مسائل کے متعلق فتاوے لکھ کر بھیجتے رہتے تھے آج اگر ان کو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعۂ قانون بن سکتا ہے۔

قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا

قاضی، اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا، اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا، تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے، انتخاب کے لیے، اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی، لیکن حضرت عمرؓ اس پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ اکثر علمی امتحان اور ذاتی تجربے کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لیے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری پر چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کیے گئے۔ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی، تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے؛ ورنہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے۔ اس کے بعد انہیں کوفے کا قاضی مقرر کر دیا۔ کعب بن سور الازدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گزرا۔ ناجائز وسائلِ آمدنی کے روکنے کے لیے بہت سی بندشیں کیں۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

۱۔ تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی اور یہ رقم اُس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

۲۔ قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ کہ "دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہوگا۔"

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربے

کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی دیوان عدالت میں شاہ و گدا، امیر و غریب، شریف و رذیل سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لیے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ ان میں اور اُبی بن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر ابی کے برابر بیٹھ گئے۔ زید کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ اُبی نے قاعدے کے مطابق حضرت عمرؓ سے قسم لینا چاہی لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں، تم منصبِ قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔

قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمرؓ نے جس قسم کے اصول اختیار کیے، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہدِ خلافت میں بلکہ بنو امیہ کے دَور تک عموماً قضاۃ ظلم و ناانصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے 'جس قاضی نے خلافِ انصاف عمل کیا' وہ بلال بن ابی بردہ تھے (یہ بنو امیہ کے زمانے میں تھے)۔

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہ تھا، اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کریں اس لیے اسلامی عدالتوں میں اُن کے مقدمات کم آتے تھے اور اسی بنا پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہرحال کافی تھا۔

ماہرینِ فن کی شہادت

صیغۂ قضا اور خصوصاً اصولِ شہادت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو نادر باتیں ایجاد کیں، ان میں ایک ماہرینِ فن کی شہادت تھی۔ یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا، اس میں خاص اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا، مثلاً حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ زبرقان نے حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمہ رجوع کیا، چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرزِ ادا عام بول چال سے الگ ہیں، حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور اُن کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتباہ نسب کی صورت میں قیافہ شناسوں کے اظہار لیے۔

فصلِ خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کیے لیکن یہ سب وہیں تک تھا، جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا تھا۔ ورنہ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا، وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور دادرسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے کہ داد خواہوں کو دعویٰ سے باز آنا، اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے لیکن حضرت عمرؓ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی تھی اور حضرت عمرؓ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔

محکمۂ افتاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغازِ اسلام میں قائم ہوا، اور جس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیے کہ قانون سے واقف ہے یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عذر کام نہیں آسکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلّم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔ بے تماشہ قاعدہ صحیح ہے، لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اس کے لیے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی۔ یورپ میں تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اس کے لیے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جس کا نام محکمۂ افتاء تھا، اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان یعنی فقہا ہر جگہ موجود رہتے تھے، اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا، اُن سے دریافت کر سکتا تھا اور اس لیے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغازِ اسلام میں خود بخود پیدا ہُوا اور اب تک قائم ہے، لیکن حضرت عمرؓ کے دور میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا، زمانۂ مابعد بلکہ اُن سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔

تاریخوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتوے کی اجازت نہ تھی، انہوں نے فتوے دیے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو منع کر دیا؛ چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گزرا، بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتویٰ دیا؟ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتویٰ کے مجاز نہ ہوتے۔

دُوسرا امر جو اس طریقے کے لیے ضروری ہے، یہ ہے کہ مفتیوں کے ناموں کا اعلان کر دیا جائے۔ اس وقت گزٹ اخبار تو نہ تھے لیکن مجالسِ عام میں جن سے بڑھ کر اعلانِ عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا، حضرت عمرؓ نے بارہا اس کا اعلان کیا۔

فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے، مقدماتِ فوجداری کے لیے حضرت عمرؓ نے کوئی جدا محکمہ نہیں قائم کیا۔ بعض قسم کے مقدمات مثلاً

زنا اور سرقہ قضاۃ کے ہاں فیصل ہوتے تھے اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیاں پولیس سے متعلق تھیں۔ پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہوگیا تھا؛ چنانچہ افسرانِ پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ بحرین پر حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعونؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کو مقرر کیا تو قدامہ کو تحصیل مالگزاری کی خدمت دی اور حضرت ابو ہریرہؓ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دکاندار ترازو میں دھوکہ نہ دینے پائیں۔ کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور اس کے لیے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے، لیکن یہ پتا نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قایم ہوگیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں جہاں ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کے لیے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے جیل خانے کی ایجاد کا یہ فعل عہدۂ احتساب کا ماخذ ہے۔

جیل خانے کی ایجاد

اس صیغے میں حضرت عمرؓ کی ایجاد یہ ہے کہ جیل خانے بنوائے، ورنہ اُن سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام و نشان نہ تھا، اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اوّل مکہ معظمہ میں صفوان بن اُمیّہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیل خانہ بنایا، پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ علّامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کوفے کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا، اُس وقت صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے اور جیل خانے میں بھجوائے جاتے تھے۔

جیل خانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاؤں میں تبدیلی ہُوئی۔ مثلاً ابو محجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جُرم میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو حد کے بجائے قید کی سزا دی۔

جلاوطنی کی سزا

جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے؛ چنانچہ حضرت ابو محجن کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔

بیت المال (یا) خزانہ

بیت المال پہلے نہ تھا

یہ صیغہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی، لیکن آنحضرتؐ نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت

میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا، بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا، اُسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا، چنانچہ پہلے سال دس دس درہم اور دوسرے سال بیس بیس درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاوائل اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دُوسری روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا، لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا، کیونکہ جو کچھ آتا اُسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے بعد بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۵ھ میں ابو ہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا۔ وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے مجلسِ شوریٰ کا اجلاسِ عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے؟

بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا؟

حضرت علیؓ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کی سال تقسیم کر دی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے خلاف رائے دی ——— ولید بن ہشام نے کہا، "میں نے سلاطینِ شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جُدا جُدا محکمہ قائم ہے۔"

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دارالخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ اس کی نگرانی اور حساب کتاب کے لیے نہایت قابل اور دیانتدار آدمی کی ضرورت تھی۔

بیت المال کے افسر

عبداللہ بن ارقمؓ کو جو نہایت معزز صحابی تھے، اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے، خزانہ کا افسر مقرر کیا، اس کے ساتھ اور لائق لوگ اُن کے ماتحت مقرر کیے جن میں سے عبدالرحمٰن بن عبید القاریؓ اور معیقب بھی تھے۔ معیقب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہؐ کے انگشتری بردار تھے اور اسی وجہ سے اُن کی دیانت داری اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

دارالخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کیے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حرثؓ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ خاص خزانے کے افسر تھے۔

بیت المال کی عمارتیں

حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں۔

کوفے میں بیت المال کے لیے اوّل ایک محل تعمیر ہوا جس کو روزبہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جس کا مصالحہ خسروانِ فارس کی عمارت سے آیا تھا۔ لیکن جب اس میں نقب کے ذریعے سے چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سعد وقاصؓ کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملا دی جائے، کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہتی ہے اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا؛ چنانچہ سعد وقاصؓ کے حکم سے روزبہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

پبلک ورکس یا نظارتِ نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانۂ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے عربی زبان میں اس کے لیے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں، مصر و شام میں اس کا ترجمہ نظارات نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغے میں مفصلۂ ذیل چیزیں داخل ہیں:

سرکاری عمارات، نہریں، سڑکیں، پل، شفاخانے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کے لیے کوئی مستقل صیغہ نہیں قایم ہوا تھا۔ لیکن شفاخانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں، سب موجود تھیں اور نہایت منظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لیے حضرت عمرؓ نے جس قدر نہریں تیار کرائیں، ان کا مختصر حال ہم صیغۂ محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغے سے مخصوص نہ تھیں۔

حضرت عمرؓ نے جو نہریں تیار کرائیں

نہرِ ابی موسیٰ یہ نہر ۹ میل لمبی تھی جس کی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ ان میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے نہایت پُر اثر تقریر میں جو کتابوں میں بالفاظہا منقول ہے، اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی ۶ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لیے نہر کھدوا دی جائے۔ چنانچہ دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں ملائی گئی جس کے ذریعے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔

نہرِ معقل یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے، اِذَا جَآءَ نَهْرُ اللّٰہِ بَطَلَ نَهْرُ مُعْقِلٍ۔ یہ نہر بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسار کے سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے، اس لیے انہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہرِ سعد اس نہر کے لیے انبار والوں نے پہلے شہنشاہِ فارس سے درخواست کی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد وقاصؓ (گورنرِ کوفہ) سے خواہش ظاہر کی۔ سعد نے سعد بن عمرو کو مامور کیا۔ انہوں نے بڑے اہتمام سے کام کرایا لیکن کچھ

دُور تک پہنچ کر ایک پہاڑ بیچ میں آگیا اور وہیں چھوڑ دی گئی، پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر بقیہ کام پُورا کیا؛ تاہم نہر سعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

نہرِ امیر المومنین سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمرؓ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحرِ قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸ھ میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلّہ اور اناج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہُوئی لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا اس لیے غلّے کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی۔ حضرت عمرؓ نے ان دقتوں پر خیال کر کے عمرو بن العاص (گورنرِ مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر دار الخلافہ میں حاضر ہوں۔ وُہ آئے، تو فرمایا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے، تو عرب میں قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہوگا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلّے کا آنا دقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحرِ قلزم تک نہر تیار کرائی اس ذریعے سے جہاز دریائے نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جدّہ پہنچ کر لنگر کرتے تھے جو مدینہ منورہ کی بندرگاہ تھی۔ یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے میں بن کر تیار ہو گئی۔ چنانچہ پہلے ہی سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلّہ بھرا ہوا تھا، اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کی بندرگاہ میں آئے۔ یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز کے بعد عمّالوں نے بے پروائی کی اور وُہ جا بجا سے اَٹ گئی یہاں تک کہ مقام ذنب التمساح تک آکر بالکل بند ہو گئی۔ ۱۵۰ھ میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اس کو بند کر دیا لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتوں تک جاری رہی۔

ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحرِ روم و بحرِ قلزم کو براہِ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے لیے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحرِ روم و بحرِ قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے، نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے لیکن جب حضرت عمرؓ کو ان کے ارادے سے اطلاع ہُوئی تو ناراضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت مل ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

جو عمارتیں تیار کرائیں

عمارات جو حضرت عمرؓ نے تعمیر کرائیں تین قسم کی تھیں:

۱۔ مذہبی، جیسے مساجد وغیرہ۔ یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

۲۔ فوجی، جیسے قلعے، چھاؤنیاں، بارکیں۔

۳۔ ملکی، مثلاً دار الامارۃ وغیرہ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن ان کی اقسام کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) دارالامارۃ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں اُن کا دفتر رہتا تھا، کوفہ و بصرہ کے دارالامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

دفتر

(۲) دیوان یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے۔ فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

خزانہ

(۳) بیت المال یعنی خزانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفے کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گزر چکا ہے۔

قید خانے

(۴) مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال صیغۂ پولیس کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا، وہ دارالامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔

مہمان خانے

(۵) یہ مکانات اس لیے تعمیر کئے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لیے شہر میں آجاتے تھے، وُہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے، کوفے میں جو مہمان خانہ بنا اس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کا مہمان خانہ ۱۷ھ میں تعمیر ہوا؛ چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں۔ اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانۂ مابعد میں جو کچھ ہُوا ہُوا لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا، اور حضرت عمرؓ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونا پتھر کے بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی، تو عام ناراضی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپے کا یہ مصرف نہیں ہے بہرحال حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں، وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوانِ حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا، البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہِ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا، اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پُل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائیں گی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے شام فتح کیا، تو شرائط صلح میں یہ امر بھی داخل تھا۔[1]

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہ خلائق تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمرؓ ۱۷ھ میں جب مکہ معظمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لے کر مکہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار ہوئے۔

شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو شہر آباد ہوئے، وہ جن جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں اُن کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جا سکتا ہے ان میں سے بصرہ کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے، عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی۔ نحو کے اصلی دار العلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، اُس کا سنگِ بنیاد کوفہ ہی میں رکھا گیا۔

فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لیے حضرت عمرؓ نے ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان کو متعین کیا کہ بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں بحرِ فارس کی خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے، ایک شہر بسائیں۔ زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمرؓ نے بتایا تھا۔ عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے۔

بصرہ

یہاں پہلے کف دست میدان پڑا ہوا تھا، چونکہ زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان نہ تھا۔ عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عتبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لیے الگ الگ احاطے کھینچ کر گھاس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن ولف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو آتارنا مناسب ہو آتاریں۔ خاص سرکاری عمارتیں جو

---

[1] کتاب الخراج ص ۸۰ میں ہے: وعلى ان عليهم ارشاد الضال وبناء القناطر على الانهار من اموالهم۔ تاریخ طبری ۱۶ھ صفحہ ۲۴۰۴ میں سڑک اور پل دونوں کا ذکر ہے۔

تعمیر ہوئیں، ان میں سے مسجد جامع اور ایوانِ حکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانے کی عمارت بھی شامل تھی، زیادہ ممتاز تھا۔ ۱۷ھ میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے جو اس وقت کوفے کے گورنر تھے، حضرت عمرؓ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔ بصرہ[1] سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی، یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمانِ حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے، ۸۰ ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔

کوفہ

دُوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کُوفہ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہلِ عرب کا رنگ و روپ بالکل بدل گیا ہے۔ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو، چنانچہ سلمان و حذیفہؓ نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے، کوفے کی زمین انتخاب کی۔ یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اس کا نام کُوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا۔ ان کا پائے تخت یہی مقام تھا، اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اس کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہلِ عرب اس مقام کو خدُّ العذرا یعنی عارضِ محبوب کہتے تھے، کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقحوان، شقایق، قیصوم، خزامی کا چمن زار تھا۔ غرض ۱۷ھ میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جُدا جُدا قبیلے جُدا جُدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰ - ۴۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰ - ۳۰ ہاتھ اور ۲۰ - ۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷ - ۷ ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی، اس قدر وسیع تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آ سکتے تھے۔ اس کے ہر چہار طرف دُور دُور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ عمارتیں اوّل گھاس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا، تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینٹ گارے

---

[1] بصرہ کی وجہ تسمیہ عموماً اہلِ لغت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پتھریلی زمین کو کہتے ہیں، اور یہاں کی زمین اسی قسم کی ہے۔ لیکن معجم البلدان میں ایک مجوسی فاضل کا جو قول نقل کیا ہے وہ زیادہ قرینِ قیاس ہے، اس کے نزدیک اصل میں یہ لفظ "بس راہ" تھا۔ جس کے معنی فارسی میں "بہت سے راستوں" کے ہیں، چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو تھیں، اس لیے اہلِ عجم اس کو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس کی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ آس پاس شاہانِ عرب نے جو عمارتیں تیار کرائی تھیں اس کے نام بھی دراصل فارسی رکھے تھے۔ مثلاً خورنق جو دراصل خورنگاہ ہے اور سدیر جو دراصل سہ دز ہے۔

کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا، جو دو سو ہاتھ لمبا تھا اور سنگِ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ نوشیروانی عمارت سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ در اصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصولِ سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفۂ وقت ہو تا لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی، یعنی ان کی تخمینی جو قیمت ٹھہری وہ ان کے جزیے میں مجرا کی گئی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلے پر ایوانِ حکومت تعمیر ہُوا جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانۂ خاص بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانۂ عام بھی تعمیر کیا گیا۔ اس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور اُن کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ اس کو راس الاسلام فرماتے تھے اور در حقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا۔ زمانۂ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی لیکن یہ خصوصیت قایم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے۔ ۵۵ھ میں مردم شماری ہُوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلۂ ربیعہ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے اور اہلِ یمن کے ۶ ہزار گھر اُن کے علاوہ تھے۔

فسطاط

عمرو بن العاص نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ ان کے مکانات خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اسی کو مستقرِ حکومت بنائیں، چنانچہ دربارِ خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسروں کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے، چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا، اس لیے اس کو مستقرِ ریاست بنانا حضرت عمرؓ نے ناپسند کیا۔

عمرو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصرِ الشمع میں آئے، یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت سے کھڑا تھا جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے، چنانچہ اسی خیمے میں اُترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لیے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج، شریک بن سمی، عمرو بن مخزم، حیویل بن ناشرہ کو متعین کیا کہ جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلّے اس وقت تھے، اور جو قبائل ان میں آباد ہُوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہؓ نے جمع ہو کر اس کے قبلے کی سمت متعین کی۔ ان صحابہ میں زبیرؓ، مقدادؓ، عبادہؓ، ابو دردا‌ؓ اور بڑے بڑے اکابر صحابہؓ شریک تھے۔ یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی، تین دروازے تھے جن میں سے ایک دار الحکومت کے مقابل تھا اور عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔

عمروؓ بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمرؓ کے لیے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا یہ میرے کس کام کا ہے، تو وہاں بازار آباد کرایا گیا؛ چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لیے اس کا نام فسطاط پڑا جس کے معنی عربی میں خیمے کے ہیں آبادی کا سن ۲۱ ہجری ہے۔

موصل

یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائلِ عرب کے متعدد محلے آباد کیے۔ ایک خاص مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے؛ اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔

جیزہ

یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمرو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کے لیے کہ رومی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں۔ تھوڑی سی فوج اس مقام پر متعین کر دی جس میں حمیر اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لیے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتے۔ عمرو بن العاص نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی۔ وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ ان کی حفاظت کے لیے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ سنہ ۲۱ھ میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور سنہ ۲۲ھ میں بن کر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلۂ ہمدان نے کہا: "ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے، ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے۔" چنانچہ اس قبیلے اور اس کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعے سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ حضرت عمرؓ کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے آخری لمحات

مولانا ابوالکلام آزاد

۲۳ھ میں کرمان، سجستان، مکران اور اصفہان کے علاقے فتح ہوئے، گویا سلطنت اسلامی کی حدود مصر سے بلوچستان تک وسیع ہوگئیں۔ اسی سال آپ نے آخری حج فرمایا۔ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے، راہ میں ایک مقام پر ٹھہر گئے اور بہت سی کنکریاں جمع کرکے ان پر چادر بچھائی، پھر چت لیٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا کرنے لگے:

"خداوندا! اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے میرے قویٰ کمزور پڑ گئے ہیں اور میری رعایا ہر جگہ پھیل گئی ہے، اب تو مجھے اس حالت میں اٹھا لے کہ میرے اعمال برباد نہ ہوں اور میری عمر کا پیمانہ اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔"

کعب بن احبار نے کہا:

"میں تورات میں یہ دیکھتا ہوں کہ آپ شہید ہوں گے۔"

آپ نے فرمایا:

"یہ کیسے ممکن ہے کہ عرب میں رہتے ہوئے شہید ہو جاؤں!"

پھر دعا فرمائی:

"اے خداوندا! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا کر اور اپنے محبوب کے مدینہ کی حدود کے اندر پیغامِ اجل ارزانی فرما۔"

ایک دن خطبۂ جمعہ میں ارشاد فرمایا:

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مرغ آیا ہے اور مجھ پر ٹھونگیں مار رہا ہے۔ اس کی تعبیر یہی ہوسکتی ہے کہ اب میری موت کا زمانہ قریب آگیا۔ میری قوم مطالبہ کررہی ہے کہ میں اپنا ولی عہد مقرر کروں۔

یاد رکھو کہ میں موت کا مالک ہوں نہ دین اور خلافت کا، اللہ تعالیٰ اپنے دین اور خلافت کا خود محافظ ہے۔ وہ انھیں کبھی ضائع نہ کرے گا۔"

زہری کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ کوئی مشرک جو بالغ ہو مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ گورنر کوفہ نے آپ کو لکھا کہ یہاں کوفہ میں فیروز نامی ایک بہت ہوشیار نوجوان ہے اور وہ نقاشی، نجاری اور آہن گری میں بڑی مہارت رکھتا ہے اگر آپ اسے مدینہ میں داخلے کی اجازت عطا کریں تو وہ مسلمانوں کے بہت کام آئے گا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اسے بھیج دیا جائے۔ فیروز نے مدینہ پہنچ کر شکایت کی "مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت زیادہ ٹیکس لگا رکھا ہے،

آپ کم کرا دیجئے۔"

حضرت عمرؓ: "کتنا ٹیکس ہے؟" فیروز: "دو درہم روزانہ (سات آنے)"۔ حضرت عمرؓ: "تمہارا پیشہ کیا ہے؟" فیروز: "نجاری، نقاشی اور آہن گری۔" حضرت عمرؓ: "ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔"

فیروز کے لیے یہ جواب ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ عناد سے لبریز ہوگیا اور دانت پیستا باہر چلا گیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ امیر المومنینؓ! میرے سوا ہر ایک کا انصاف کرتے ہیں۔ چند روز کے بعد حضرت موصوفؓ نے اُسے پھر یاد فرمایا اور پوچھا: "میں نے سُنا ہے کہ تم ایک چکی تیار کر سکتے ہو، جو ہوا سے چلے؟" فیروز نے ترشروئی سے جواب دیا کہ میں تمہارے لیے ایک ایسی چکی تیار کروں گا، جسے یہاں کے لوگ کبھی نہیں بھُولیں گے۔

فیروز رخصت ہوگیا تو آپ نے فرمایا: یہ نوجوان مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے۔

دوسرے روز ایک دو دھارا خنجر جس کا قبضہ وسط میں تھا آستین میں چھپایا اور صبح سویرے مسجد کے گوشے میں آ بیٹھا۔ مسجد میں کچھ لوگ صفیں سیدھی کرنے پر مقرر تھے۔ جب وہ صفیں سیدھی کر لیتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے اور امامت کراتے تھے۔ اس روز بھی اسی طرح ہُوا۔ جب صفیں سیدھی ہوچکیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لیے آگے بڑھے اور جونہی نماز شروع کی، فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کیے جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا۔ دُنیا نے اس دردناک ترین حالت میں خدا پرستی کا ایک عجیب نظارہ دیکھا، اس وقت جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قدموں پر گر رہے تھے، آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا اور خود وہیں زخموں کے صدمہ سے زمین پر گر پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ امیر المومنین حضرت فاروقِ اعظمؓ سامنے تڑپ رہے تھے۔ فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن آخر وہ پکڑا گیا اور اسی وقت اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت فاروقؓ کو اٹھا کر گھر لایا گیا، آپ نے سب سے پہلے یہ دریافت فرمایا کہ میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے عرض کیا "فیروز"۔ اس جواب سے چہرۂ انور پر بشاشت ظاہر ہوئی، اور زبانِ مبارک سے فرمایا: "الحمدللہ! میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا۔" لوگوں کا خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں، اس لیے شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اس نے نبیذ اور دودھ پلایا۔ مگر یہ دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر آگئیں۔ اس سے تمام مسلمانوں پر افسردگی طاری ہوگئی اور وہ سمجھے کہ اب حضرت عمرؓ جانبر نہ ہوسکیں گے۔

حضرت عمرؓ تنہا زخمی نہیں ہُوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، پُورا مدینہ زخمی ہوگیا ہے، خلافتِ اسلامیہ زخمی ہوگئی ہے، اس سے بھی زیادہ یہ کہ خود اسلام پاک زخمی ہوگیا ہے۔ غم میں ڈوبے ہوئے لوگ آپ کی عیادت کے لیے آتے تھے اور بے اختیار آپ کی تعریفیں کرتے تھے۔ حضرت ابنِ عباسؓ آئے اور بے اختیار آپ کے فضائل و اوصاف بیان کرنے لگے۔ ارشاد فرمایا: "اگر آج میرے پاس دنیا بھر کا سونا بھی موجود ہوتا تو میں اسے خوفِ قیامت سے رُستگاری حاصل کرنے کے لیے قربان کر دیتا۔"

جب تک حضرت فاروقِ اعظمؓ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے تھے، انہیں نئے انتخاب کا تصور تک نہیں ہوا، وہ یُوں سمجھتے تھے شاید اسلام کا یہ سب سے بڑا خادم یونہی عرصۂ دراز تک اُمّتِ رسولؐ کی حفاظت کرتا رہے گا۔ جب عمر فاروقؓ ناگہاں

بستر پر گر پڑے، تو مسلمانوں کو اب پہلی دفعہ اپنی بے بسی اور اسلام کی تنہائی کا احساس ہوا۔ اب ہر مسلمان کو سب سے پہلا فکر یہی تھا کہ اب حضرت عمرؓ کے بعد اس اُمت کا محافظ کون ہوگا؟ جتنے بھی لوگ خبر گیری کے لیے آتے تھے، یہی عرض کرتے تھے: "امیرالمومنین! آپ اپنا جانشین مقرر کرتے جائیے۔" آپ مسلمانوں کا یہ تقاضا سُنتے تھے اور چُپ ہو جاتے تھے۔ آخر ارشاد فرمایا:

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ موت کے بعد بھی یہ بوجھ میرے ہی کندھوں پر رہے؟ یہ نہیں ہو سکتا، میری آرزو صرف یہی ہے کہ میں اس مسئلہ سے اِس طرح الگ ہو جاؤں کہ میرے عذاب و ثواب کے دونوں پلڑے برابر رہ جائیں۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے انتخابِ خلافت کے مسئلہ پر مدّتوں غور فرمایا تھا اور وُہ اکثر اسی کو سوچا کرتے تھے۔ لوگوں نے متعدد مرتبہ ان کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا جاتا تو ارشاد فرماتے، "میں خلافت کے معاملے میں حیران ہُوں، کچھ نہیں سُوجھتا۔" بارہا کے غور و فکر کے بعد بھی ان کی نظر کسی ایک شخص پر جمتی نہیں تھی۔ بارہا ان کے مُنہ سے ایک بے ساختہ آہ نکل جاتی تھی۔ افسوس، مجھے اس بار کا کوئی اُٹھانے والا نظر نہیں آتا۔

ایک شخص نے کہا: "آپ عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ کیوں نہیں مقرر کر دیتے؟" فرمایا: "اے شخص! خدا تجھے غارت کرے، واللہ میں نے کبھی خدا سے یہ استدعا نہیں کی۔ کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ بنا دوں، جس میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کی بھی صحیح قابلیت موجود نہیں ہے۔"

اسی سلسلہ میں فرمایا: "میں اپنے ساتھیوں کو خلافت کی حرص میں مبتلا دیکھ رہا ہُوں۔ ہاں، اگر آج سالم مولیٰ ابو حذیفہ یا ابو عبیدہ بن جراح زندہ ہوتے، تو میں ان کے متعلق کہہ سکتا تھا۔" اِس ارشادِ مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ بہت زیادہ پسند تھا کہ انتخابِ خلافت کے مسئلہ کو چھوئے بغیر اِس دُنیا کو عبور کر جائیں۔ لیکن مسلمانوں کا اصرار روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ آخر آپ نے فرمایا کہ میرے انتقال کے بعد عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن وقاصؓ، تین دن کے اندر جس شخص کو منتخب کر لیں۔ اسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔

آخری گھڑیوں میں اپنے صاحبزادے عبداللہ کو طلب کیا۔ وہ حاضر ہو گئے تو ارشاد فرمایا: "تم ابھی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے التماس کرو، عمرؓ چاہتا ہے اسے اپنے دو رفیقوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔"

عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کا یہ پیغام حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پہنچایا، تو وہ بے حد دردمند ہوئیں اور فرمایا: "میں نے یہ جگہ اپنے لیے محفوظ رکھی تھی، مگر آج میں عمرؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔" جب بیٹے نے آپ کو حضرت عائشہؓ کی منظوری کی اطلاع دی، تو بے حد خوش ہُوئے اور اس آرزو کی قبولیت پر بہ صد خلوص و نیاز شکر ادا کرنے لگے۔

اب کرب و تکلیف کی حالت شروع ہو چکی تھی۔ اِسی حالت میں لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: "جو شخص خلیفہ منتخب ہو وہ پانچ جماعتوں کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ مہاجرین کا، انصار کا، اعراب کا، اُن اہلِ عرب کا جو دُوسرے شہروں میں جا کر آباد ہوئے ہیں اور اہلِ ذمّہ کا۔ پھر ہر جماعت کے حقوق کی تشریح فرمائی اور اہلِ ذمّہ کے متعلق ارشاد فرمایا: "میں خلیفۂ وقت کو وصیت کرتا ہُوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمّہ داری کا لحاظ رکھے، اور اہلِ ذمّہ کے تمام معاہدات پورے کیے جائیں۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور انھیں طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔"

انتقال سے تھوڑا عرصہ پہلے اپنے بیٹے عبداللہ سے ارشاد فرمایا: "میرے کفن میں بے جا صرف نہ کرنا۔ اگر میں اللہ کے ہاں بہتر ہوں تو مجھے از خود بہتر لباس مل جائے گا، اگر بہتر نہیں ہوں، تو بہتر کفن بے فائدہ ہے۔"

پھر فرمایا: "میرے لیے لمبی چوڑی قبر نہ کھدوائی جائے، اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحقِ رحمت ہوں تو از خود میری قبر حدِ نگاہ تک وسیع ہو جائے گی، اگر مستحقِ رحمت نہیں ہوں تو قبر کی وسعت میرے عذاب کی تنگی کو دُور نہیں کر سکتی۔"

پھر فرمایا: "میرے جنازہ کے ساتھ کوئی عورت نہ چلے، مجھے مصنوعی صفات سے یاد نہ کیا جائے، جب میرا جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے جلد سے جلد قبر میں پہنچا دیا جائے۔ اگر میں مستحقِ رحمت ہوں تو مجھے رحمتِ ایزدی تک پہنچانے میں جلدی کرنی چاہیے، اگر مستحقِ عذاب ہوں تو ایک بُرے آدمی کا بوجھ جس قدر جلد کندھوں سے اتار پھینکا جائے اُسی قدر بہتر ہوگا۔"

ان دردانگیز وصایا کے تھوڑا ہی عرصہ بعد فرشتۂ اجل سامنے آگیا اور آپ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ یہ ہفتہ کا دن تھا ۲۳ھ۔ اس وقت عمر ۶۳ برس کی تھی۔ حضرت صہیبؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اتارا اور دنیائے اسلام کے اس درخشندہ ترین آفتاب کو آقائے انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے سُلا دیا گیا۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

عثمانؓ امامِ صُوفیہ

حضرت شیخ علی ہجویری ثمّ لاہوریؒ

[حضرت شیخ علی ہجویری ثمّ لاہوری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" میں خلفائے اربعہ کا ذکرِ جمیل ائمۂ تصوف کی حیثیت سے کیا ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ انبیاءِ کرامؑ کے بعد اہلِ تصوف کے پیش رو اور ان کے پیشوا یہی حضرات گزرے ہیں۔ حضرت موصوف نے حضرت عثمانؓ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ بطور تبرک ذیل میں من وعن درج کیا جاتا ہے]

"حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے ایک ہیں۔ حیا کا خزانہ، اہلِ صفا میں زیادہ عبادت گزار۔ درگاہ رضائے الٰہی سے تعلق رکھنے والے اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے آراستہ۔ حضرت ابوعمر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جن کی فضیلتیں تمام امور میں بالکل آشکارا اور اوصاف ظاہر ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رباح و ابوقتادہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ "حربُ الدار"[1] کے روز ہم آپ کے پاس تھے، جب فسادی لوگ آپ کے دروازے پر جمع ہوگئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھالیے۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جو شخص (غلام) ہتھیار نہ اٹھائے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد ہے۔" اور ہم لوگ خوف کی وجہ سے جب باہر نکلے تو حضرت حسن ابنِ علی رضی اللہ عنہما ہمیں راستہ میں ملے۔ چنانچہ ہم ان کے ساتھ واپس لوٹ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تاکہ معلوم کریں کہ حسنؓ بن علی کرم اللہ وجہٗ آپ کے پاس کس مقصد کے لیے آرہے ہیں۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ اندر آئے تو سلام کے بعد پہلے آپ سے اس مصیبت پر افسوس اور ہمدردی کا اظہار کیا اور پھر یہ عرض کیا:

اے امیرالمومنین! آپ امام برحق ہیں، آپ کے حکم کے بغیر میں مسلمانوں پر تلوار نہیں اٹھاسکتا، اس لیے آپ مجھے حکم دیجیے تاکہ میں یہ مصیبت آپ پر سے ہٹادوں۔

تو حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا:

"یا ابن اخی ارجع واجلس بیتك حتی یاتی اللہ بامرہٖ فلا حاجۃ لنا فی اھراق الدماء۔

(اے میرے برادر زادے! واپس جاکر اپنے گھر بیٹھو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے، ہمیں خون گرانے کی حاجت نہیں)

---

[1] حضرت عثمانؓ کے مکان کے محاصرہ اور ان کی شہادت کے واقعہ کو "حرب الدار" کہتے ہیں۔

اور یہ بات مقامِ خُلّتؐ[1] میں بلا کے وارد ہونے کے وقت تسلیم و رضا کی علامت ہے، جیسا کہ نمرود علیہ اللعنۃ نے آگ بھڑکائی اور ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے پلڑے میں رکھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر فرمایا:

"هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ۔"

(کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟)

تو آپ نے فرمایا:

"أَمَّا إِلَيْكَ فَلَا۔"

(تیری طرف مجھے کوئی حاجت نہیں)

اس پر حضرتِ جبرائیلؑ نے کہا کہ "پھر خدا تعالیٰ سے مدد طلب کیجیے۔" تو آپ نے فرمایا:

"حَسْبِيْ سُؤَالِيْ عِلْمُهٗ بِحَالِيْ۔"

(اس کا میرے حال کو جاننا میرے سوال کے لیے بس ہے)

یعنی وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ مجھ پر کیا مصیبت آرہی ہے اور وہ میرے حال کو مجھ سے بہتر جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ میری بہتری کس چیز میں ہے!

پس حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی اس مقام پر بالکل وہی حیثیت تھی جو حضرت خلیل اللہؑ کی منجنیق میں تھی اور فسادیوں کا اجتماع بعینہٖ آتشِ نمرود اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے قائم مقام تھے۔ لیکن ان دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بلا میں نجات ملی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس مصیبت میں ہلاکت (شہادت) اور ظاہر ہے کہ نجات کا تعلق بقا سے ہے اور ہلاکت کا فنا سے[2]۔ اور اس کے متعلق اس سے پیشتر ہم بیان کر چکے۔ پس صوفیہ کی جماعت مال و جان کو راہِ مولا میں خرچ کرنے اور اپنے تمام امور خدا تعالیٰ کے سپرد کرنے اور عبادت میں اخلاص کے اندر آپ ہی کی اقتدا کرتی ہے۔ آپ درحقیقت شریعت و حقیقت میں سب کے امام برحق ہیں اور اس سے آپ کی محبت ظاہر ہے۔" (بتغیر قلیل از بیان المطلوب ترجمہ کشف المحجوب صفحہ ۱۱۱، ۱۱۲)

حضرت شیخ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

---

[1] دوستی آزمانے کا مقام

[2] "جو شخص اپنی جان حضرت باقی سبحانہٗ کے حوالے کر دیتا ہے تو جب اس کا نفس فنا ہو جاتا ہے یعنی اس کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے تو وہ بقائے دوام سے (بغیر تعلق جسم) باقی رہتا ہے۔ جو فعل حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو پہنچتا ہے وہ سب کا مل ہوتا ہے۔ پس جب بندہ اپنے متعلقات سے فانی ہو جاتا ہے تو جمالِ حق تعالیٰ سے باقی رہتا ہے۔ بندگی کا صحیح ہونا فنا و بقا میں مضمر ہے۔" (کشف المحجوب) مسئلہ فنا و بقا کو سمجھنے کے لیے کتبِ تصوف خصوصاً کشف المحجوب کا مطالعہ ضروری ہے۔

"روایت کرتے ہیں، امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک دن خلافت کے زمانہ میں اپنے کھجوروں کے باغ سے آ رہے تھے اور ایندھن کا گٹھا سر پر رکھا تھا، حالاں کہ آپ کے چار سو غلام تھے۔ لوگوں نے پوچھا:

"اے امیر المؤمنین! یہ کیا حال ہے!"

تو آپ نے فرمایا:

"اُرِیۡدُ اَنۡ اُجَرِّبَ نَفۡسِیۡ۔"

(میں اپنے نفس کو آزمانا چاہتا ہوں)

یعنی میرے پاس غلام تو ہیں جو یہ کام کر سکتے ہیں۔ لیکن میں اپنے نفس کا تجربہ کرنا چاہتا ہوں کہ خلقت کے نزدیک میرا مرتبہ اس کو کسی کام کے خود کرنے سے روک نہ سکے۔" (صفحہ ۹۸)

مآثر و اوصافِ عثمانؓ

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

[حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی نہایت قابلِ قدر کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" کے مقصد دوم میں حضرت عثمانؓ کے اوصاف و مآثر شرح و بسط سے رقم فرمائے ہیں، اس کی تلخیص ملاحظہ فرمائیے]

"بعض لوگوں نے آپ (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ذوالنورین ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپؓ میں دو سخاوتیں تھیں، ایک اسلام سے قبل، دوسری بعد اسلام۔

آپؓ کی فطرت انبیاء کی فطرت سے بہت مشابہ تھی۔ آپ کا یہ قول 'ریاض' میں مندرج ہے کہ "میں نے جاہلیت و اسلام میں کبھی زنا اور چوری نہیں کی۔"

بخاری میں حضرت عثمانؓ سے ایک طویل روایت ہے، جس کا آخری حصہ یہ ہے:

"..... خدا کی قسم میں نے کبھی آپؐ کی نافرمانی نہیں کی اور آپؐ سے منافقانہ برتاؤ نہیں کیا، یہاں تک کہ آپؐ کی وفات ہوگئی۔ پھر ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ ایسا ہی کیا۔"

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں ضعفائے مکہ کو تسکین دینی چاہی تو عثمانؓ کے سوا کسی کو اس کام کا اہل نہ پایا۔ پس عثمانؓ کو اس کام پر مامور کیا۔

عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلوا پکایا۔ آپؓ کے پاس اونٹوں پر آٹا اور شہد لد کر آیا۔ آپؓ نے حلوا پکا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اُمِّ سلمہؓ کے مکان پر بھیجا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، اُمِّ سلمہؓ نے حلوا آپؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ نے اس کو پسند کیا۔ پوچھا:

"کس نے بھیجا؟"

انہوں نے کہا:

"عثمانؓ نے۔"

فرمایا:

"اے اللہ! عثمانؓ تیری رضا چاہتا ہے تُو اس سے راضی ہوجا!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر اوقات عثمانؓ کے لیے دُعا کی اور اس بارے میں بہت کوشش کی۔

ابوسعید خُدری کہتے ہیں: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوّل شب سے صبح تک عثمانؓ کے لیے دُعا کرتے

دیکھا ہے کہ :

"اے خدا ! میں ان سے راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا !"

اللہ تعالیٰ نے ذوالنورینؓ کو اعمالِ مقربہ سے پُورا حصّہ عنایت کیا تھا۔ آپؓ نے قرآنِ کریم رسول اللہؐ کے زمانے میں یاد کر لیا تھا۔ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ عثمانؓ تمام رات ایک رکعت میں کھڑے قرآن پڑھا کرتے تھے۔

بے نفسی حضرت عثمانؓ لوگوں کو امیروں ایسا کھانا کھلاتے تھے اور خود سرکہ و روغنِ زیتون پر گزارا کرتے تھے۔

تواضع حسنؓ راوی ہیں کہ میں نے عثمانؓ کو مسجد میں چادر سر کے نیچے رکھے سوتے دیکھا۔ لوگ آپ کے پاس آ آ کر بیٹھتے جاتے معلوم ہوتا تھا گویا انھی میں سے ایک شخص ہے۔

حضرت عثمانؓ قیلولہ کر کے اُٹھتے اور چٹائی کا نشان آپ کے پہلو میں ہوتا، اور لوگ کہتے : "یہ امیر المومنین ہیں۔"

صبر عبدالرحمٰن بن مہدی راوی ہیں کہ عثمانؓ میں دو چیزیں ایسی تھیں جو ابوبکرؓ و عمرؓ میں نہ تھیں : ایک آپ کا صبر، یہاں تک کہ آپ مظلوم شہید ہوئے۔ دوسرے سب لوگوں کو ایک مصحف پر متفق کر دینا۔

حیاؔ (حیا کی شرح میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :)

حیا کے معنی (حدیثِ عثمانؓ میں) یہ ہیں کہ طبیعت و قلب کا نورِ ایمان کے مطیع ہو جانا۔ جب کبھی غضب و خواہش کے جوش کا وقت آیا یا کوئی فتنہ کھڑا ہوا، حضرت عثمانؓ اُس (غضب) کے نافذ کرنے سے باز رہے۔ اور یہ بات جوش و خروش پر نورِ ایمانی کے غالب آنے سے پیدا ہوتی ہے۔

رفیقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"عثمانؓ جنت میں میرے رفیق ہوں گے۔"

(شاہ صاحبؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں :) یہاں رفیق سے مراد وہ شخص ہے جو اعمالِ مُقرّبہ و اخلاقِ مرضیہ میں رسولِ خدا سے مشابہ ہو۔ حواریّت کا مدار معرکوں میں پُوری مدد کرنے پر ہے اور رفاقت کا مدار اعمال و اخلاق کی موافقت پر ہے۔

مشابہتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنتِ رسولؐ رقیہؓ حضرت عثمانؓ کی اہلیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضورؐ کے بالوں میں کنگھی کی، حضورؐ نے پُوچھا :

"عثمانؓ کا برتاؤ کیسا ہے ؟"

میں نے کہا : "اچھا ہے۔" حضورؐ نے فرمایا :

"ان کی تکریم کیا کرو، وہ اخلاق میں سب صحابہؓ سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہیں۔"

بنتِ رسولؐ، اُمّ کلثومؓ اہلیہ عثمانؓ فرماتی ہیں کہ :

"میں نے عرض کیا : یا رسول اللہؐ ! میرا شوہر بہتر ہے یا فاطمہؓ کا ؟" آپ نے کچھ دیر سکوت کیا۔ اس کے بعد کہا : "تمہارا شوہر ان لوگوں میں سے ہے جو خدا تعالیٰ اور رسول اللہؐ کو دوست رکھتے ہیں اور خدا و رسولؐ ان کو دوست رکھتے ہیں۔" الخ

(شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :)

رسولِ خدا نے آپؓ کے واسطے ان مقامات کی تصریح اس وجہ سے کی کہ یہ اوصاف آپ کے نفس میں راسخ ہو گئے تھے۔ آپ بالکل ان اوصاف (رفاقت ، مشابہت ، صبر ، حیا وغیرہ) میں سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے تھے ، جیسا کہ آپ کے روزمرہ کے واقعات اس کی کافی شہادت دے رہے ہیں۔

(شاہ صاحبؒ نے آپؓ کے حکیمانہ اقوال نقل کیے ہیں ، ان میں سے بعض دیکھیے :)

۱۔ خدا سے تجارت کرو ، نفع پاؤ گے۔

۲۔ احکام و حدود کی محافظت کرنا اور عہدوں کو پورا کرنا اور موجود پر راضی ہونا اور معدوم پر صبر کرنا شانِ عبودیت ہے۔

۳۔ موت سے پہلے جو کچھ نیکی کرنی ہو کر لو۔

۴۔ خبردار ! دنیا باطل ہے ، لہٰذا تم دنیا اور شیطان کے دھوکے سے بچو۔

۵۔ دنیا کی خواہش تاریکی ہے اور آخرت کی خواہش نور ہے۔

۶۔ عامل سے عزل کے وقت ہدیہ قبول کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مقرر کرتے وقت۔

۷۔ لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو پرہیز کرے اور کتاب اللہ پر عمل کرے۔

۸۔ عارف کی علامت یہ ہے کہ اس کا دل امید و بیم میں ہو ، اور اس کی زبان حمد و ثنا میں مشغول ہو ، اور اس کی آنکھوں میں

۹۔ متقی کی علامت یہ ہے کہ لوگوں کو ناجی اور اپنے آپ کو ہلاکت میں جانے۔

۱۰۔ سب سے رائیگاں وہ ہے ، جس کو بڑی عمر ملے اور وہ آخرت کا سامان نہ کرے۔

۱۱۔ جس کے واسطے دنیا قید خانہ ہوتی ہے قبر اس کے لیے راحت ہے۔

۱۲۔ اگر تمہارے دل پاک صاف ہوتے تو قرآن سے نہ آسودہ ہوتے۔[1]

(آپ کی قرآنی خدمات کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں :)

آپؓ نے اشاعتِ قرآن کے متعلق پانچ باتیں ایسی کیں جو خاص اہمیت کی حامل ہیں :

۱۔ لوگوں نے اپنے اپنے تلفظ اور طبعزاد ترتیبوں سے قرآن اور اس کے اجزا کو لکھ رکھا تھا ، آپ نے ان کو منگوا کر مٹا دیا۔ شیخین کا مصحف جس کی فاروقِ اعظمؓ نے سالہا سال تصحیح کی تھی ام المؤمنین حفصہؓ کے پاس سے منگوایا اور اس کی چند نقلیں کرا کر اطرافِ عالم میں بھجوا دیں۔ قریش کے لغت پر لکھنے کی بہت تاکید فرمائی۔ ہر طرف احکام نافذ کر دیے کہ اسی قرآن کے موافق لوگ لکھیں۔ آپ کی اس کوشش سے امت کا تفرقہ اٹھ گیا اور قرأۃ مشہورہ و شاذہ میں امتیاز

---

[1] شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے وعید و تخویف سے خائف ترساں اور لرزاں رہتے

ظاہر ہوگیا اور تمام مسلمان ایک مصحف پر جمع ہوگئے۔ اگر آپ ایسا انتظام نہ کرتے تو کتاب اللہ میں اگلی اُمتوں کا سا جھگڑا پیدا ہو جاتا۔

۲۔ آپ نے قرأ تابعین کی ایک جماعت کو قرآن سکھایا اور آپ کی قرأت کا سلسلہ اس وقت تک باقی ہے۔

۳۔ نماز میں مثل شیخین کے قرأت طویل کرتے تھے تاکہ لوگ آپ سے سُن کر اپنا تلفظ درست کر لیں۔

۴۔ آپ ابتدائے نزولِ قرآن سے اس کو لکھتے تھے۔

۵۔ تفسیر قرآن اور اوقات و مواقع نزول میں آپ بہت ماہر تھے۔

حمادؒ بن سلمہ کہتے ہیں کہ عثمانؓ جس دن خلیفہ بنے، اس دن وہ سب سے افضل تھے۔ اور جس دن شہید ہوئے، اس دن وہ خلافت والے دن سے بھی زیادہ اشرف تھے۔ اور مصحف کے بارے میں آپ ویسے ہی سخت تھے جیسے ابوبکرؓ قتال مرتدین میں۔

جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی کا جنازہ آیا، آپؐ نے اس پر نماز نہیں پڑھی۔ لوگوں نے پوچھا، "یارسولؐ اللہ! ہم لوگوں نے آپؐ کو اس سے پہلے کسی جنازے کی نماز سے انکار کرتے نہیں دیکھا۔" آپؐ نے فرمایا: "یہ شخص عثمانؓ سے بغض رکھتا تھا، اس واسطے خدا نے اس سے بغض کیا۔ (رواہُ الترمذی)

ابوامامہ بن سہل کہتے ہیں کہ جب عثمانؓ محصور ہوئے تو ہم بھی ان کے ساتھ تھے، آپ اپنی چھت پر چڑھے، جس وقت آپ وہاں سے بات کرتے، جو لوگ مقام بلاط (ایک جگہ مسجد نبویؐ اور بازار کے درمیان) میں ہوتے، آپ کی آواز سُن لیتے۔ آپؓ وہاں جا کر ہمارے پاس واپس آتے اور کہا:

"یہ لوگ مجھے اس وقت قتل کی دھمکی دیتے ہیں۔"

ہم (راوی) نے کہا:

"خدا آپ کو کافی ہے۔"

فرمایا: "مجھے کس وجہ سے قتل کریں گے؟ میں نے رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے، تین صورتوں کے سوا اور کسی صُورت میں مسلمان کا خُون مباح نہیں ہے:

۱۔ اسلام کے بعد کافر ہو جاتے۔

۲۔ شادی کے بعد زنا کرے۔

۳۔ قصاص میں۔

خدا کی قسم، جب سے مجھ (عثمانؓ) کو خدا نے دینِ اسلام کی ہدایت کی ہے میں نے اس (اسلام) کو کسی دین سے بدلنے کی خواہش نہیں کی، اور نہ جاہلیت اور اسلام میں کبھی زنا کیا، اور نہ کسی کو قتل کیا۔ پھر یہ لوگ کس وجہ سے مجھے قتل کریں گے!

آخری نکتہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں صراحۃً وکنایۃً فرمایا ہے کہ "خلافتِ خاصہ عثمانؓ کے بعد منعقد نہ ہوگی۔" اور یہ معنی متعدد سندوں اور مختلف طریقوں سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئے ہیں، جن میں کسی طرح کا شک شبہ باقی نہیں رہا اور یہ بات خارج میں بھی ظاہر ہوگئی۔ اس لیے کہ حضرت علیؓ باوجود اوصافِ خلافت خاصہ سے متصف ہونے اور خدمات سابقہ میں راسخ القدم ہونے کے خلافت پر متمکن نہ ہو سکے اور ہر طرف آپ کا حکم نافذ نہ ہوا اور ہر دن خلافت کا دائرہ تنگ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آخر زمانہ میں صرف کوفہ اور اس کے اردگرد حکومت رہ گئی اور معاویہؓ پر اگرچہ سب لوگ متفق ہوگئے اور لشکرِ اسلام کا تفرقہ اُٹھ گیا۔ لیکن خلافتِ خاصہ کے اوصاف ان میں نہ تھے اور خدمات سابقہ میں تمام انصار ومہاجرین سے کم تھے۔

عثمانؓ پر لکھے گئے مراثی کا ذکر

مرتب و مترجم: غلام قادر نجار

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو اس دور کے مختلف عرب شعراءؑ نے آپ کے قتل اور آپ پر ظلم و ستم نیز آپ کے مصائب سے متعلق عینی و غیر عینی واقعات کو اشعار کا جامہ پہنایا۔ ان میں وہ شعراء بھی ہیں جنہوں نے آپ کو مظلوم اور شہید سمجھ کر آپ کی مدح کی اور آپ کے واقعاتِ قتل کو مراثی کی شکل میں ڈھال دیا، وہ بھی ہیں جنہوں نے آپ کی ہجو میں اشعار کہہ کر عرب کی بے باکی مگر دریدہ دہنی کا ثبوت دیا، وہ بھی ہیں جنہوں نے آپ کے بہیمانہ قتل پر گریہ و بکا کے ساتھ اپنے جذبات اور ان دردناک واقعات کو فنی عروج کے ساتھ نظم کیا اور وہ بھی ہیں جو اپنی کمینہ فطرت کی بنا پر آپؓ کے دردناک قتل سے خوش ہوئے اور انہوں نے اپنے سفلی جذبات کو اشعار کے سانچے میں ڈھالا۔

ہم ذیل میں عرب کے ان مخصوص نامی گرامی شعراء کی ایک مختصر فہرست دے رہے ہیں جنہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے دردناک قتل پر بڑے پرسوز انداز میں مراثی کہے اور جو برسوں زبان زد خاص و عام رہے۔ ان مراثی کے کچھ چیدہ چیدہ اشعار بھی یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان شعراء میں حسان بن ثابت سرِفہرست ہیں جن کے مراثی کچھ اہلِ دل اور اہلِ حقیقت گریہ و بکا کے ساتھ اظہارِ جذبات کے لیے بار بار اعلانیہ پڑھتے رہے:

۱۔ حسان بن ثابت[1]

۲۔ کعب بن مالک انصاری[2]

۳۔ ولید بن عقبہ

۴۔ نضر بن حارث سہمی

۵۔ حنظلہ بن ربیع تمیمی[3]

۶۔ خالد بن عقبہ بن ابی معیط (انہوں نے حسان بن ثابت سے اجازت لے کر ان کے اشعار کا اضافہ بھی اپنے کلام میں کیا۔

---

[1] ملاحظہ ہو دیوان حسان بن ثابت طبع لیدن

[2] ان کے کچھ اشعار دیوان حسان بن ثابت میں بھی چھپ گئے ہیں۔

[3] ان کے کچھ اشعار حسان بن ثابت نے تضمین بھی کیے ہیں۔

۷۔ مغیرہ بن اخنس

ان شعراء کے علاوہ عرب کے ایک غیر معروف شاعر اور کچھ جنوں کو بھی مراثی پڑھتے سُنا گیا۔

مذکورہ بالا شعراء کا نمونۂ کلام یہ ہے۔

حسانؓ بن ثابت کہتے ہیں: (ترجمہ)

کیا تم نے غزوہ دروب اس لیے چھوڑا تھا — کہ قبرِ محمد (صلعم) کے نزدیک لڑائی میں شرکت کی تمنا رکھتے تھے

کیا تم مدینے کے اطراف میں اس لیے آئے تھے — کہ وہاں آکر بدترین فعل کے مرتکب ہو؟

اگر تم غور کرو تو سمجھو گے کہ امیر قوم[1] — کے سلسلے میں جو کچھ تم کر گزرے وُہ نہایت بُرا فعل تھا

وہ بھی اصحابِ نبیؐ تھے جنہیں تم نے — رات کے اندھیرے میں مسجد نبویؐ میں قتل کیا

میں ابا عمر (عثمانؓ) اور ان کے شدید مصائب پر — جنت البقیع میں ٹھہر کر برسوں روتا رہوں گا۔

کعب بن مالک انصاری:

کیا یہ مناسب ہے کہ لوگ میرے رونے اور جس پر میں رو رہا ہوں

اسے بُرا سمجھیں، مجھے تعجب ہے کہ میں صحرا میں (تنہا) رو رہا ہوں!

(اے لوگو!) میں نے ایک امین کے جسم کے ٹکڑے دیکھے!

وہ شخص عثمان تھا جسے کفن میں لے جایا جا رہا تھا!

(سمجھ لو) کہ اللہ نے اس قوم کو قتل کر دیا

جس نے ایک ذکی، فطین اور عمدہ امام کو پُرفتن انداز میں قتل کیا

(سمجھ لو کہ) تم نے اس کے ساتھ جملہ اصحابِ نبیؐ کو قتل کر دیا

جس کے اعمالِ نیک کے پیشِ نظر اللہ بھی اس پر درود و سلام بھیجتا ہے

اس میں خلافت کے ساتھ حلم، تقویٰ اور جملہ نیک اعمال

جمع تھے جن کی مثال ملنا امرِ محال ہے!

یہ وہ شخص تھا جس کی صحبت میں رہ کر میں نے دیکھا

کہ اسے دُنیا کی کسی شے کی تمنا تھی نہ اس کی طرف توجہ۔

ولید بن عُقبہ:

کیا تم انصار کی بدقسمتی نہیں دیکھتے! — ان کے سامنے دن کے وقت شخص قتل کر دیا گیا

---

[1] دیوان (طبع لیدن) میں 'امیر' کی جگہ 'امام' مرقوم ہے۔

جس کے بعد (رات کو) آسمان پر ! ستارے نہیں چمکیں گے !
اور قریش کو دیکھو کہ انہوں نے عصبیت کی بنا پر اس کا خون دیکھا (جبکہ) وہ اس کے قرابت دار اور اصحاب تھے
عثمانؓ کو ان مشیروں نے قتل کیا جو اس کے عزیز یہ اقارب اب روز عقارب کی طرح ہماری طرف لپک رہے ہیں۔
وہ لائق ملامت ہیں جو عثمانؓ کے عیب بیان کرتے ہیں کیا وہ (گریبان میں منہ ڈال کر) اپنے عیب نہیں دیکھتے ؟
(اور تو اور) یہ دیکھیے کہ کعب، زید بن ثابت، طلحہ و نعمان مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ میں واویلا نہ کروں !

نضر بن حارث سہمی :

ان کے آبا کی قسم جو کچھ انہوں نے کیا (قیامت تک) اس کی تلافی نہیں ہو سکتی
جب خون بہا چکے تو اب اس پر روتے ہیں کیا اس طرح وہ خون جائز ہو جائے گا
انہوں نے اس کے گھر کو لوٹ کر منہدم کیا جس کی وجہ سے شمس و قمر گہنا گئے۔
انہوں نے ہمیں بھی مشتبہ سمجھ کر ہم پر (ہماری نیکی کے باوجود) فساد کے ساتھ ہم پر حملے کیے گئے۔

خُلید بن زفر سے مروی ہے کہ مغیرہ بن اخنس جب حج سے لوٹے تو آپ (عثمانؓ) کو محاصرے میں دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے باغیوں کے ساتھ لڑائی کی اجازت ان الفاظ میں مانگی :

وہ مغیرہ کی ضرب کی تاب نہیں لا سکتے (آپ دیکھ لیں گے) وہ میدان چھوڑ کر بھاگ لیں گے

اور جب دشمنوں کے سامنے گئے تو انہیں للکار کر کہا :

میری طرف سے بنی سعد سے کہہ دو کہ آج ان کا مکر و فریب کام نہیں آئے گا۔
اے میرے بنی عم ! بھاگ جاؤ ! کہ بھاگ جانے ہی میں سلامتی ہے اور یہی بہتر ہے۔

عثمانؓ نے چھت سے اتر کر مغیرہ سے کہا :

"اللہ ان سے بدلہ لے گا، میں نے انہیں (مرورِ ایام کے ساتھ) عبرت کے لیے چھوڑ دیا ہے

حنظلہ بن ربیع تمیمی :

بنو عمرو بن عوف کا وہ عہد[1] کہاں گیا بنو نجار بھی بدل کر غدار ہو گئے !
ان کے پڑوسی بھی کمینے ہو گئے، ان سے غداری کر کے اس گھر سے منہ موڑا جو پڑوس میں تھا
آج حفاظت کا خیال بھول کر ایسے بن گئے جیسے[2] وہ تمہارے پسندیدہ نہ ہوں
محمد (صلعم) کی وصیت بھول کر پڑوس کی عزت سے رُوگردانی کی !

---

[1] دیوان (ص ۹۸) میں 'عہد' کی جگہ 'نذر' مرقوم ہے۔ [2] دیوان میں 'تلون' کی جگہ 'تلوث' استعمال ہوا ہے۔
[3] دیوان میں 'تبدلوا' کی جگہ 'تخاذلت' مرقوم ہے۔

تم نے اسے (تنہا) مصیبت اور حالتِ جنگ[1] میں چھوڑا — اور اہلِ امصار[2] شور مچا رہے تھے!
تم غائبانہ خود کو انصار کہتے ہو! — اے گروہِ انصار! تم پر خرابی ہو!
تم نے اس سے بدعہدی کی! — صرف اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں سے وفا کی!

جب حنظلہ نے سُنا کہ اہلِ شام علیؓ پر عثمانؓ کے قتل کی تہمت لگا رہے ہیں تو اس نے مندرجہ بالا اشعار میں مندرجہ ذیل شعر کا بھی اضافہ کر دیا:

کاش! میرے بال و پر میں اتنی قوت ہوتی — کہ میں تمہیں علیؓ اور عثمانؓ بن عفان کے مراتب کی خبر کر سکتا!

حنظلہ کے یہی اشعار حسان بن ثابت نے مشتہر کیے ہیں۔

خالد بن عُقبہ بن ابی مُعیط نے ازہر بن سیحان محاربی کو جو اصحابِ عثمانؓ میں سے تھا اور قتل کے روز غائب ہو گیا تھا یُوں مخاطب کیا:

تیری جان کی قسم تُو نے چُپ سادھ لی اور دیکھتا رہا — کہ وُہ اپنے وسیع گھر میں حالتِ محاصرہ میں ہیں

محاربی نے اس کا یہ جواب دیا:

لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے بُلایا اور میں خاموش رہا — وہ دعائے خلیل میرے لیے نہیں تھی
اگر میں ان کی آواز سُن لیتا اور (پھر بھی) — میرے ہاتھ (مدد سے) رکتے تو میں انھیں کاٹ ڈالتا۔

مغیرہ بن اخنس:

(تم نے) ان کے ہاتھ کاٹ کر ان کا دروازہ بند کیا — (سمجھ لو) اللہ تمہاری حرکات سے غافل نہیں ہے
وہ کہہ رہے تھے "مجھے قتل نہ کرو"، "اللہ — قتل کے سوا سب گناہ معاف کر دے گا"
میں نہیں سمجھ سکتا کہ دوستی کے بعد ان پر دشمنی کس طرح غالب آ گئی[3]

کسی گمنام شاعر کے اشعار ہیں:

ہائے عثمانؓ! جن کے دروازے پر — حسرت عجب انداز میں رو رہی ہے!
بخشش رو کر کہہ رہی ہے کہ — انہیں پر ظلم کیا جن سے عطیات لیے تھے۔

عثمانؓ کے قتل پر جنات کا نوحہ

محمد بن حسین آجری اپنی کتاب الشریعۃ میں لکھتے ہیں: جب عثمانؓ قتل کیے گئے تو اکثر اصحاب رسول اللہ صلعم نے گریہ و زاری کی، کچھ لوگ

---

[1] دیوان میں "مجدلاً" کی جگہ "مفرداً" مرقوم ہے۔ یہ مفہوم قوسین ( ) میں بڑھا دیا گیا ہے۔
[2] دیوان میں یہاں "من" کی جگہ "فی" مرقوم ہے۔
[3] مغیرہ کا یہ قول شعر نہیں ہے۔

جو اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے وہ بعد از قتل باہر نکلے اور جنازے کی نماز میں شرکت کے لیے قبرستان پہنچے۔ اس اثنا میں جنات تک نوحہ پڑھتے رہے۔

عثمان بن مُرّہ کہتے ہیں کہ ان سے ان کی والدہ نے بیان کیا :

" جب عثمانؓ کو قتل کیا گیا تو میں نے تین جنوں کو مسجدِ نبویؐ میں یہ نوحہ پڑھتے سنا :

رات کو یہ لوگ مسجد میں ۔۔۔ رکوع و سجود میں مصروف تھے
(مگر) صبح ہوتے شہاب کی طرح ۔۔۔ (گرم رفتاری سے) ان پر ٹوٹ پڑے
یہ لوگ (کل تک) تیری مجلس ۔۔۔ کی زینت بنے ہوئے تھے
اور (ہائے افسوس) آج ۔۔۔ اس دوستی کی گردن کاٹ ڈالی

عثمان بن مُرّہ کہتے ہیں کہ دُوسرے لوگوں نے بھی ان کی والدہ کے اس بیان کی قسم کھا کر تصدیق کی۔

آجری کہتے ہیں کہ ان سے ابو داؤد نے بیان کیا، ابو داؤد نے عبداللہ بن سعید سے روایت کی، عبداللہ بن سعید نے ابو نُمیلہ سے سُن کر بیان کیا اور ابو نمیلہ کی روایت یہ ہے :

" مجھ سے محمد بن اسحٰق نے ذکر کیا کہ انہوں نے ایک جن کو یہ نوحہ پڑھتے سنا :

آج آپ پر عورتیں رو رہی ہیں ۔۔۔ (اور) عمر بھر روتی رہیں گی !
انہوں نے اپنے چہرے (نوچ کر) ۔۔۔ زخمی کر لیے ہیں !
(اور) زیب و زینت کے لباس اتار کر ۔۔۔ سیاہ کپڑوں میں ملبوس ہو گئی ہیں

حضرت علیؓ اور رسولِ خدا

- علیؓ دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں۔
- علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے ہوں۔ میری طرف سے اداۓ فرائض یا تو میں کر سکتا ہوں یا علیؓ۔
- علیؓ میری اصل ہیں۔
- علیؓ میرے علوم کا ظرف ہے۔
- علیؓ میرے لیے ایسے ہیں جیسے میرا سر میرے بدن کے لیے۔
- علیؓ مجھ سے ہے اور میں علیؓ سے ہوں اور وہ ہر مومن کا ولی ہے۔
- علیؓ میرے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کریں گے اور میرے قرضوں کو ادا کریں گے۔
- علیؓ میرے رازوں کے خزینہ دار ہیں۔
- علیؓ مجھ سے ہے اور میں علیؓ سے ہوں اور علیؓ ہر مومن کا دوست اور مددگار ہے۔ (بروایت عمر بن حصین)
- علیؓ کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو مجھے اپنے پروردگار سے ہے۔
- علیؓ ابن ابی طالب کو مجھ سے ایسا رشتہ ہے جیسے میری روح کو میرے بدن سے۔
- علیؓ باب حطہ جیسے ہیں جو شخص اس میں داخل ہوا وہ مومن، اور جو اس سے باہر نکلا وہ کافر۔
- علیؓ جنت میں یوں درخشاں ہوں گے جیسے ستارۂ صبح دنیا والوں کے لیے۔
- علیؓ مومنین کے سردار ہیں۔
- علیؓ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؓ کے ساتھ۔ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہنچیں۔
- علیؓ تمام انسانوں میں سب سے بہتر ہیں۔ جس نے شک کیا وہ کافر ہوا۔
- علیؓ کی ہڈیوں تک میں ایمان بھرا ہوا ہے۔
- علیؓ بروزِ قیامت میرے حوض کے مالک ہوں گے۔
- علیؓ ہم سب میں بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔
- علیؓ کی شکایت نہ کرو کہ خدا کی قسم خدا کے بارے میں یا راہِ خدا میں علیؓ بہت سخت ہے۔
- علیؓ کی محبت نفاق سے مُعدی ہے۔

- علیؓ کی محبت گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔
- علیؓ کی محبت وُہ نیکی ہے کہ اس کے ہوتے کوئی بدی ضرر نہیں پہنچاتی۔
- علیؓ کی دشمنی وُہ بدی ہے جس کے ہوتے کوئی نیکی فائدہ بخش نہیں۔
- علیؓ کی محبت آتشِ جہنّم سے رہائی ہے۔
- علیؓ کا اس اُمت پر بعینہٖ ایسا ہی حق ہے جس طرح باپ کا حق بیٹے پر۔
- علیؓ سے منافق محبت نہیں کرتے اور مومن علیؓ سے بُغض و عداوت نہیں رکھتا۔
- علیؓ جنت کے لوگوں پر اس طرح چمکے گا جس طرح صبح کا ستارہ دنیا کے لوگوں پر چمکتا ہے۔ (بروایت حضرت انسؓ)
- علیؓ سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے اور سب سے پہلے مجھ سے حوض پر قیامت کے روز مصافحہ کرے گا۔
- میں حکمت کا گھر ہُوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔
- جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے: علیؓ اور عمارؓ اور سلمانؓ۔
- اے خدا! علیؓ کی جو عزت کرے تُو بھی اُسے عزت دے۔
- تمہارے ناموں میں سزاوار تر نام ابُو تراب ہے۔
- میں شہرِ علم ہُوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ جو شخص مدینہ میں آنا چاہے وہ پہلے دروازے پر آئے۔
- اے علیؓ! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہُوں۔
- خداوندِ عالم ہر روز و شب ملائکہ پر علیؓ کے ذریعہ فخر و مباہات کرتا ہے۔
- میرے بعد تمام اُمت میں سب سے بڑھ کر عالم علیؓ ابنِ ابی طالب ہیں۔
- تمام صحابہؓ میں بہتر فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔
- اے علیؓ! تم میرے داماد ہو اور میرے جگر گوشوں کے باپ ہو اور میں تم سے ہُوں تم مجھ سے ہو۔
- خداوندا! مدد کر اس کی جو علیؓ کی مدد کرے اور ذلیل و خوار کر اسے جو علیؓ کی مدد سے گریز کرے۔
- خداوندا! حق کو اُدھر گردش دے جدھر علیؓ گردش کریں۔
- خداوندِ عالم نے ہر نبی کی ذرّیت اس کے صلب میں ودیعت کی ہے اور میری ذریت علیؓ کے صلب میں قرار دی۔
- حق اس کے ساتھ ہے یعنی علیؓ کے ساتھ۔
- میں نبیوں کا خاتم اور علیؓ وصیوں کے خاتم ہیں۔
- میں اور علیؓ بندگانِ خدا پر خدا کی حُجت ہیں۔
- میں اور علیؓ ایک درخت سے ہیں۔
- سب سے پہلے میرے ساتھ علیؓ نے نماز پڑھی۔

- جو شخص علیؓ کو دوست رکھے اس سے کہہ دو کہ جنت میں جانے کے لیے تیار رہے۔
- اگر علیؓ نہ پیدا ہوئے ہوتے تو فاطمہؓ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔
- خداوندا! علیؓ کی زبان کو استواری دے اور اس کے دل کی ہدایت فرما۔
- جس نے علیؓ سے حسد کیا اس نے مجھ سے حسد کیا اور جس نے مجھ سے حسد کیا وہ کافر ہوا۔
- اے علیؓ! جنت میں تمہارے لیے ایک خزانہ ہے اور تم اس کے دونوں کنارے لو گے۔
- اے علیؓ! ہم اور تم ایک ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جنت میں داخل ہوں گے۔
- اے علیؓ! اگر تم نہ ہوتے تو میرے بعد کے مومنین پہچانے نہ جاتے۔
- جس شخص کا میں دوست ہوں، علیؓ اس کا دوست ہے۔ (بروایت زید بن ارقم)
- جس شخص نے علیؓ کو بُرا کہا مجھ کو بُرا کہا۔ (بروایت اُمّ سلمہ)
- رسول اللہ نے (مسجد نبوی کے اندر) تمام لوگوں کے گھروں کے دروازوں کو بند کرا دیا مگر علیؓ کا دروازہ مسجد کی طرف باقی رہا۔
- اے علیؓ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہاری منزل جنت میں میری منزل کے برابر ہوگی۔
- اے علیؓ! تم میرے داماد، میرے فرزندوں کے باپ ہو، میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔
- جنت چار شخصوں کی مشتاق ہے: علیؓ، سلمانؓ، ابوذرؓ اور مقدادؓ۔
- حوضِ کوثر پر روزِ قیامت پیغمبرؐ کے پاس سب سے پہلے پہنچنے والے حضرت علیؓ ہیں جو پیغمبرؐ پر سب سے پہلے اسلام لائے۔
- تمہارے بارے میں دو شخص ہلاک و برباد ہوں گے، محبت میں حد سے گزر جانے والا، دوسرے جھوٹا اور بہتان باندھنے والا۔
- آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب کے درمیان فرمایا: "میرے اصحاب میں سب سے زیادہ جچا تُلا فیصلہ کرنے والے علیؓ بن ابی طالب ہیں۔"
- رسولِ اکرمؐ نے لوگوں سے فرمایا: "تم اگر علیؓ کو امیر و حاکم بناؤ تو انہیں ہدایت یافتہ پاؤ گے۔"
- اے علیؓ! تم پہلے وہ شخص ہو جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ گے اور میرے بعد بغیر حساب کے داخلِ جنت ہو گے۔
- میرا ہاتھ اور علیؓ کا ہاتھ عدل میں برابر ہے۔
- ہر نبی کے لیے ایک وصی اور وارث ہُوا کرتا ہے اور علیؓ میرے وصی اور وارث ہیں۔
- رسولِ مقبولؐ نے فرمایا: "اے علیؓ! تیرے لیے جنت میں وہ چیز ہے کہ اگر تمام روئے زمین کے لوگوں پر تقسیم کی جائے تو بچ رہے۔" (بروایت ابو سعید خُدری)
- قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے خلیل ہونے کے باعث لباس پہنایا جائے گا، پھر میری برگزیدگی کی وجہ سے مجھے اور پھر علیؓ کو۔ (بروایت ابنِ عباسؓ)
- حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسالتمآبؐ نے فرمایا: اے علیؓ! میں تمہارے لیے بھی وہی پسند کرتا ہُوں جو اپنے لیے اور تمہارے لیے بھی وہی باتیں مجھے ناپسند ہیں جنہیں مَیں خود اپنے لیے پسند نہیں کرتا۔

- حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علیؓ سے کہا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ (بروایت حضرت ابراہیم بن سعد)
- علیؓ نیکوکاروں کے امام اور بدکاروں کو موت کے گھاٹ اتارنے والے ہیں۔ جس نے علیؓ کی مدد کی وہ کامیاب و فتحیاب ہوا اور جس نے علیؓ کی مدد سے گریز کیا وہ بے یار و مددگار رہا۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: اے میرے اصحاب! معراج کی رات مجھے سب گھر دکھائے گئے (جنت میں) کہ میرے گھر سے کس قدر فاصلہ رکھتے ہیں۔ اے علیؓ! تو راضی نہیں ہوتا کہ تیرا گھر میرے گھر کے مقابل ہو گا۔ (طبرانی بروایت عبداللہ بن ابی اوفی)
- تین باتیں جس کسی میں ہوں گی وہ نہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں۔ علیؓ کی دشمنی، اہلِ بیت کی عداوت اور یہ کہنا کہ ایمان محض زبانی اقرار ہے۔
- خداوندِ عالم نے جس مومن کے دل میں بھی علیؓ کی محبت راسخ کر دی ہے وہ بروزِ قیامت پُل صراط پر ثابت قدم ہو گا اس کا قدم کبھی بھی پھسلے گا نہیں۔
- علیؓ تم میں عیسیٰؑ کا نمونہ ہے کہ یہودیوں نے ان سے عداوت برتی یہاں تک کہ ان کی ماں کو متہم کیا اور نصاریٰ نے دوست رکھا تو اس دوستی میں اتنے بڑھ گئے کہ ان کو اس درجہ تک پہنچا دیا جس درجے پر وہ واقعتاً فائز نہ تھے۔
- حبشی بن جیادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "علیؓ مجھ سے ہے اور میں علیؓ سے ہوں اور میری جانب سے کوئی عہد نہ کرے اور نہ کوئی معاہدہ کرے مگر میں خود یا میری جانب سے علیؓ۔
- رسول اللہ نے ایک لشکر کہیں بھیجا جس میں حضرت علیؓ بھی تھے۔ اُمّ عطیہؓ کا بیان ہے کہ علیؓ کے چلے جانے کے بعد رسول اللہؐ نے ہاتھ اٹھا کر دُعا کرتے ہوئے کہا: "اے اللہ! مجھ کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ تُو مجھے علیؓ کو نہ دکھا دے۔"
- آنحضرتؐ نے فرمایا حضرت علیؓ سے: "اے علیؓ! بتحقیق خدا تعالیٰ نے تجھے اور تیری اولاد کو اور تیرے اہل کو اور تیرے دوستوں کو بخش دیا ہے۔ پس تو خوش ہو کہ تو انزع اور بطین ہے۔" (بروایت حضرت ابوایوب انصاریؓ)
- جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرتؐ کی خدمت میں بیٹھے اصحابِ جنت کا ذکر کر رہے تھے آنحضرتؐ نے فرمایا: "جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والا (آنحضرتؐ کے بعد) علیؓ ابن ابی طالب ہے۔"
- آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے: علیؓ ابن ابی طالب قیامت کے روز میرے حوض کے صاحب ہوں گے۔ اس پر آسمان کے ستاروں کی تعداد کے موافق پیالے ہوں گے۔ میرے حوض کی وسعت جابیہ سے صنعا تک ہو گی۔ (دیلمی بروایت ابو ہریرہؓ)
- ابوسعید خُدری سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے: "اے علیؓ! تیرے پاس قیامت کے روز جنت کے عصاؤں میں سے ایک عصا ہو گا تو اس سے منافقوں کو حوض سے ہانکے گا۔"
- آنحضرتؐ فرماتے تھے: "اے میرے اصحاب! معراج کی رات مجھے سب کے گھر دکھائے گئے (جنت میں) کہ میرے گھر سے کس قدر فاصلہ رکھتے ہیں۔ اے علیؓ! تو راضی نہیں ہوتا کہ تیرا گھر میرے گھر کے مقابل ہو گا؟"

- آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "عنقریب تمہارے ایک فرزند پیدا ہوگا، میں اسے اپنا نام اور کنیت دونوں عطا کرتا ہوں، یہ دونوں چیزیں اس کے علاوہ کسی اور کے لیے (بیک وقت) جائز نہیں۔"
- خداوند عالم نے مجھے چار شخصوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ وہ بھی ان چار شخصوں سے محبت رکھتا ہے ان چاروں میں سے ایک علیؓ ہیں اور باقی ابوذر، مقداد اور سلمان ہیں۔
- اے علیؓ! جس نے مجھ سے جُدائی اختیار کی اس نے خدا سے جُدائی اختیار کی اور جس نے تم سے جدائی اختیار کی اس نے مجھ سے جدائی اختیار کی۔
- حضرت علیؓ کی نسبت فرمایا: "تو میرے لیے ایسا ہے جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ تھے۔ اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔" (بروایت سعد بن ابی وقاصؓ)
- اللہ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے، جیسے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا تھا اور تحقیق میرا محل جنت میں حضرت ابراہیمؑ کے محل کے مقابل ہوگا اور علیؓ ابن ابی طالب کا محل میرے محل اور حضرت ابراہیمؑ کے محل کے درمیان میں ہوگا۔ پس مبارک ہے وہ حبیب جو دو خلیلوں کے درمیان ہوگا۔ (بروایت حذیفہؓ)
- آنحضرتؐ نے چند صحابہؓ کو کپڑے پہنائے، اس وقت حضرت علیؓ موجود نہ تھے۔ جب وہ آئے ان کے چہرے پر خفگی پائی جاتی تھی۔ پس آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا: "اے علیؓ! کیا تم راضی نہیں کہ جب مجھے لباس پہنایا جائے گا تمہیں بھی دیا جائے گا۔" (بروایت ابوسعید خُدری)
- پیغمبر خدا نے اپنے اصحابؓ کے درمیان بھائی چارہ قایم کیا۔ حضرت علیؓ آنکھوں میں آنسو بھرے خدمت پیغمبر میں حاضر ہوئے، عرض کی: "یا رسول اللہ! آپ نے اصحاب کے درمیان بھائی چارہ قایم کیا، ایک کو دُوسرے کا بھائی بنایا اور میرا کسی کے ساتھ بھائی چارہ نہ کیا۔" رسالتمآبؐ نے فرمایا: "تم میرے بھائی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہو۔"
- نبی کریمؐ نے حضرت فاطمہؓ سے پُوچھا: "اپنے کو کیسا پا رہی ہو؟" انہوں نے کہا: "خدا کی قسم میرا رنج بہت زیادہ، میری فاقہ کشی بہت سخت اور بیماری بہت طویل ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں نے تمہارا بیاہ ایسے شخص سے کیا جو میری اُمت میں سب سے پہلے ایمان لایا، سب سے بڑھ کر عالم اور سب سے بڑھ کر حلم والا ہے۔"
- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ کے پاس ایک بھُنا ہوا پرندہ رکھا تھا کہ آپؐ نے یہ دعا فرمائی: "اے اللہ! تو میرے پاس اس شخص کو بھیج جو تجھ کو اپنی مخلوقات میں بہت پیارا ہو تاکہ وہ میرے ساتھ اس پرندکو کھائے۔" اس دُعا کے بعد آپؐ کی خدمت میں حضرت علیؓ حاضر ہُوئے اور آپ کے ساتھ پرند کا گوشت کھایا۔
- طائف کے دن رسولؐ اللہ نے علیؓ کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی۔ جب ان باتوں میں دیر ہوگئی تو لوگوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے بیٹے سے دیر تک سرگوشی کی۔ رسولؐ اللہ نے یہ سُن کر فرمایا: "میں نے سرگوشی نہیں کی خدا نے ان سے سرگوشی کی ہے۔" (بروایت حضرت جابرؓ)

○ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپؐ پر وحی نازل ہونے لگی۔ جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو آپؐ نے فرمایا: "اے انس! جانتے ہو جبریل کیا وحی لے کر آئے تھے خداوندِ عالم کے پاس سے؟" میں نے عرض کیا میرے ماں باپ قربان، جبریل کیا وحی لے کر آئے؟ آپؐ نے فرمایا کہ خداوندِ عالم نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں فاطمہؓ کو علیؓ سے بیاہ دُوں۔"

○ حضرت علیؓ کو چار خصوصیتیں ایسی حاصل ہیں جو کسی کو نصیب نہیں ہُوئیں۔ آپ اہلِ عرب و اہلِ عجم دونوں میں پہلے وہ شخص ہیں جس نے پیغمبر کے ساتھ نماز پڑھی۔ ہر جنگ میں عَلمِ لشکر آپ کے ہاتھ میں رہا، اور اس موقع پر جبکہ سبھی پیغمبر کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے بس آپ ہی پیغمبر کے پاس موجود رہے اور آپ نے پیغمبر کو غسل وکفن دیا اور قبر میں اتارا۔

○ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب سرورِ کائناتؐ نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ اے انسؓ! جو شخص سب سے پہلے میرے پاس آئے گا وہ مومنوں کا امیر اور مسلمانوں کا سردار اور وصیوں کا خاتم اور سفید ہاتھ اور منہ والوں کا پیشوا ہو گا۔ اچانک جنابِ امیر تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت نے پوچھا: انسؓ! یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا، علیؓ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: دروازہ کھول دے۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ جناب امیر علیہ السلام حضرتؐ کے پاس تشریف لائے۔

○ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: پیغمبرِ خدا ایک روز سیاہ بالوں کی منقش چادر اوڑھے باہر سے تشریف لائے۔ پھر حسنؓ بن علیؓ آئے۔ پیغمبرؐ نے انہیں اپنی چادر میں لے لیا۔ پھر حسینؓ آئے وُہ بھی چادر میں داخل ہو گئے۔ پھر فاطمہؓ آئیں پیغمبرِ اکرمؐ نے انہیں بھی چادر میں لے لیا۔ پھر علیؓ آئے، آپ نے ان کو بھی چادر میں لے لیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی: "اے پیغمبر کے اہلِ بیت! خدا تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی بُرائی سے دُور رکھے اور جو پاک پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا ہی پاک و پاکیزہ رکھے۔"

○ میں تمہیں بتاؤں کہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت شخص کون ہیں؟ ہم نے عرض کیا "ارشاد فرمائیں"۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا "قومِ ثمود کا سُرخ رنگ کا آدمی جس نے ناقۂ صالحؑ کو قتل کیا۔ دُوسرا وہ جو تمہیں تلوار کی ضرب لگائے گا" یہ کہہ کر آپؐ نے حضرت علیؓ کے سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ رکھا "یہاں تک کہ اس کے خون سے اس ڈاڑھی کو (آپ نے حضرت علیؓ کی داڑھی ہاتھ میں لے کر کہا) تر کرے گا۔"

○ اے علیؓ! تمہارے لیے مَیں نے خداوندِ عالم سے پانچ باتوں کا سوال کیا ایک سوال قبول نہ ہوا باقی چار باتیں خداوندِ عالم نے مجھے عطا فرمائیں، مَیں نے خدا سے سوال کیا کہ میری اُمت کو میرے بعد تمہارے اُوپر متفق و متحد کر دے تو خدا نے یہ سوال قبول نہ کیا اور جو باتیں قبول فرمائیں وُہ یہ کہ سب سے پہلے بروزِ قیامت ہم اور تم زمین سے ایک ساتھ برآمد ہوں گے۔ تم تو اپنے میرے آگے آگے رہو گے اور اولین و آخرین سب سے آگے اور یہ بات مجھے عطا کی کہ تم میرے بعد مومنین کے حاکم و امیر ہو گے۔

○ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جب میرے والد (حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) زخمی ہو گئے اور انہوں نے مشورت کے لیے حکم دیا، ام المومنین حضرت حفصہؓ سے کہنے لگے: "مجھ کو تکیہ لگا دو"۔ پھر فرمایا: "رسولِ خدا حضرت علیؓ سے فرماتے تھے، اے علیؓ! اپنا ہاتھ میرے میں دے اور داخل ہو جا قیامت کے دن میرے ساتھ جہاں میں داخل ہوں۔"

○ حج سے فارغ ہو کر واپس ہوتے ہوئے آنحضرتؐ راستہ میں ایک مقام پر ٹھہر گئے اور آپ نے نماز باجماعت کا اعلان فرمایا۔ نماز کے بعد حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور لوگوں سے خطاب کر کے کہا کیا میں تمام مومنین کی جانوں پر ان سے زیادہ مالک و متصرف نہیں ہوں؟" لوگوں نے کہا "بے شک۔" پھر آپؐ نے پوچھا" کیا میں ہر مومن کی جان پر اس سے زیادہ حکومت و اختیار نہیں رکھتا؟" لوگوں نے کہا "بے شک آپؐ زیادہ مالک و حاکم ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "جس کا میں مالک و حاکم ہوں علیؓ بھی اس کے حاکم ہیں۔ خداوندا! تو دوست رکھ اُسے، جو علیؓ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُسے جو علیؓ کو دشمن رکھے۔"

○ ابُو بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا خداوند عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں چار شخصوں کو دوست رکھوں، اور خداوند عالم نے مجھے یہ بھی خبر دی ہے کہ خود وہ ان چاروں کو دوست رکھتا ہے۔ لوگوں نے کہا: یا حضرتؐ! ان چاروں کے نام ہمیں بھی بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا: "علیؓ ان میں سے ہیں" یہ جملہ آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا" اور ابو ذرؓ ہیں، مقدادؓ ہیں اور سلمانؓ ہیں، خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان سے محبت رکھوں اور خداوند عالم نے مجھے اس کی بھی خبر دی ہے کہ وہ ان چاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

○ اے علیؓ! خداوند عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ اپنے سے تمہیں قریب کروں اور تمہیں علوم تعلیم کروں تاکہ تم یاد رکھو۔ اور یہ آیت نازل ہوئی: "یاد رکھتے ہیں اسے یاد رکھنے والے کان۔" تو تم ہی میرے علوم کے لیے یاد رکھنے والے کان ہو۔ ارشادِ خداوند عالم کہ "یاد رکھتے ہیں اسے یاد رکھنے والے کان" کے متعلق حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے پیغمبرِ خدا نے ارشاد فرمایا: "میں نے خداوندِ عالم سے سوال کیا کہ اسے تمہارے کان قرار دے۔" چنانچہ پیغمبرؐ ہی کی دُعا کا یہ نتیجہ ہے کہ میں نے پیغمبرؐ سے جو کچھ بھی سُنا بھولا نہیں۔

○ آنحضرتؐ جب غدیرِ خم میں قیام پذیر ہوئے (غدیرِ خم ایک مقام کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے) تو علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: "کیا تم کو معلوم ہے کہ مومنوں کے نزدیک میں اُن کی جانوں سے زیادہ عزیز اور بہتر ہوں؟" لوگوں نے عرض کیا "ہاں"۔ پھر آپ نے فرمایا: "جس شخص کا میں مولا ہوں علیؓ اس کا مولا ہے۔ اے اللہ! تُو اس شخص کو دوست رکھ جو علیؓ کو دوست رکھے اور اس شخص کو اپنا دشمن خیال کر جو علیؓ سے دشمنی رکھے۔" اس واقعہ کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی، عمرؓ نے ان سے کہا: "ابو طالب کے بیٹے! خوش رہو، تم صبح اور شام ہر وقت ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کے دوست اور محبوب ہو۔" (بروایت براؓ بن عازب و زید بن ارقم)

○ اے علیؓ! بروزِ قیامت تم اور تمہاری اولاد موتی و یاقوت کے رنگ برنگے گھوڑوں پر سوار آؤ گے۔ خدا تمہیں جنت میں جانے کو کہے گا اور لوگ دیکھتے رہیں گے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں اور علیؓ رسولِ کریمؐ کے ہمراہ مدینہ کے اندر چلے ہمارا گزر ایک باغ سے ہوا حضرت علیؓ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کتنا اچھا باغ ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: جنت میں تمہارا باغ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ یہاں تک کہ ہم لوگ سات باغوں سے گزرے۔ ہر باغ کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا اچھا باغ ہے اور ہر مرتبہ

پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جنت میں تمہارا باغ اس باغ سے کہیں بہتر ہے۔

○ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے پاس سیدِ عرب کو بلاؤ۔" مطلب یہ تھا کہ حضرت علیؓ کو بلا دو۔ حضرت عائشہؓ نے کہا "یا رسول اللہ! کیا آپ خود سیدِ عرب نہیں؟" فرمایا: "میں تو جملہ بنی آدم کا سردار ہوں۔" جب حضرت علیؓ آئے تو آپؐ نے انہیں انصار کو بلانے کے لیے بھیجا۔ جب انصار پہنچے تو آپؐ نے فرمایا: "اے گروہِ انصار! میں تمہیں ایسے شخص کی نشان دہی نہ کروں جس کا دامن اگر تم مضبوطی سے پکڑو تو کبھی گمراہ نہ ہو؟" لوگوں نے کہا "ضرور یا رسول اللہ!" آپ نے فرمایا: "وہ شخص یہ علیؓ ہے جس طرح مجھے محبوب رکھتے ہو اسی طرح اس علیؓ کو بھی محبوب رکھو اور جیسی میری عزت کرتے ہو اسی طرح علیؓ کی بھی عزت کرو۔ یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے جبریلؑ یہ سب باتیں کہہ گئے ہیں۔"

○ براؓ بن عازب سے روایت ہے حضرت سرورِ کائناتؐ نے دو لشکر روانہ کیے، ایک کا سردار حضرت علیؓ کو مقرر کیا دوسرے کا خالدؓ بن ولید کو۔ اور ارشاد فرمایا کہ جب جنگ چھڑ جائے تو دونوں لشکروں کے سردار علیؓ ہی ہوں گے؛ چنانچہ حضرت علیؓ نے ایک قلعہ فتح کیا اور مالِ غنیمت سے ایک کنیز اپنے لیے لے لی۔ خالدؓ نے حضرت سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں میرے ہاتھوں شکایتی خط لکھ بھیجا۔ میں خط لے کر خدمتِ رسالتؐ میں حاضر ہوا۔ آنحضرتؐ نے وہ خط ملاحظہ فرمایا تو آپؐ کے چہرے کا رنگ متغیّر ہو گیا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص کو خدا اور رسولؐ دوست رکھتے ہوں اور وہ بھی خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہو، اس کے متعلق تم کیسا خیال رکھتے ہو؟" میں نے عرض کی: "میں خدا اور اس کے رسولؐ کے غضب سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ حضورؐ! میں تو پیامبر ہوں۔" یہ سُن کر آپ خاموش ہو گئے۔

○ اے علیؓ! میں نے اپنے پروردگار سے تمہارے لیے پانچ باتوں کا سوال کیا اور خداوندِ عالم نے میرے پانچوں سوال پورے کیے۔ پہلا سوال تو یہ کیا، جب زمین فنا ہونے کے بعد دوبارہ قائم ہو اور میں سر سے خاک جھاڑتا برآمد ہوں تو تم میرے ساتھ ہو۔ یہ سوال خداوندِ عالم نے پورا کیا۔ دوسرا سوال یہ کیا، خداوندِ عالم مجھے میزان کے پلڑوں کے پاس ٹھہراتے اور تم بھی میرے پاس ہو۔ یہ سوال بھی خدا نے پورا کیا۔ تیسرا سوال یہ کہ تمہیں کو میرے جھنڈے کا اٹھانے والا قرار دے۔ خداوندِ عالم نے یہ درخواست بھی منظور کی۔ چوتھا سوال یہ کیا کہ میری اُمّت کو میرے حوضِ کوثر سے سیراب کرو۔ خدا نے اسے بھی منظور کر لیا۔ پانچواں سوال یہ کہ خداوندِ عالم تمہیں میری اُمّت کو جنت کی طرف لے جانے والا قرار دے۔ خداوندِ عالم نے یہ سوال بھی قبول کیا پس خداوندِ عالم کا حمد و شکر کہ میری التجائیں منظور فرما کر مجھے ممنونِ کرم فرمایا۔

○ اے علیؓ! بروزِ قیامت ہم لوگوں کے سوا کوئی سوار نہ ہو گا بس ہم ہی چار سوار ہوں گے۔ انصار میں سے ایک شخص کھڑا ہو اور اس نے سوال کیا "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں وہ چار آدمی کون ہیں؟" آپ نے فرمایا کہ "میں براق پر سوار ہوں گا اور میرے بھائی صالحؑ پیغمبر اپنے ناقہ پر سوار ہوں گے جسے قتل کیا گیا تھا اور میرے چچا حمزہؓ میرے ناقہ پر سوار ہوں اور میرے بھائی علیؓ جنت کے ناقوں میں سے ایک ناقہ پر سوار ہوں گے اور ان کے ہاتھ میں لواءِ حمد ہو گا اور وہ اعلان کرتے جائیں گے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ علیؓ کو دیکھ کر بنی آدم کہیں گے یہ یقیناً مقرب فرشتہ یا نبی مرسل

یا حاملِ عرش ہے۔ اس پر عرش سے فرشتے کہیں گے: "اے بنی آدم! یہ نہ تو مَلکِ مقرب ہے نہ نبیِ مُرسل نہ حاملِ عرش بلکہ یہ علیؓ ابنِ ابی طالب ہیں۔"

○ سرورِ کائنات نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا سردار علیؓ بن ابی طالب کو مقرر کیا۔ آپؓ فوج کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ آپؓ نے ایک کنیز حاصل کی۔ لوگوں نے اس بات کو ناپسند کیا اور چار شخصوں نے آپس میں معاہدہ کیا کہ جب پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو علیؓ کی اس حرکت سے انہیں آگاہ کریں گے۔ مسلمانوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر سے پلٹتے تو سب سے پہلے پیغمبرؐ کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوتے اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو جاتے۔ جب یہ لشکر پلٹ کر آیا تو حسبِ دستور مسلمان لشکری پیغمبرؐ کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ جن چار شخصوں نے آپس میں علیؓ کی شکایت کرنے کے متعلق معاہدہ کیا تھا، ان میں سے ایک اُٹھ کر کھڑا ہوا اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! آپ علیؓ کو نہیں دیکھتے کہ انہوں نے ایسا ایسا کیا۔" آنحضرتؐ نے یہ سُن کر اُس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر دُوسرا شخص اُٹھا اُس نے بھی وہی بات دُہرائی اور اس مرتبہ بھی آں حضرتؐ نے منہ پھیر لیا۔ پھر تیسرا اُٹھا اُس نے بھی پہلے دونوں کی طرح شکایت کی۔ اس مرتبہ بھی آں حضرتؐ نے منہ پھیر لیا۔ چوتھا اُٹھا اُس نے بھی وہی شکایت کی۔ اس مرتبہ رسول اللہ مڑے اور برہمی کے آثار آپؐ کے چہرے سے ہویدا تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "تم لوگ علیؓ کے متعلق کیا چاہتے ہو، علیؓ کے متعلق تمہارا کیا ارادہ ہے، علیؓ کے متعلق تم کیا خیال کرتے ہو؟ یقیناً علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے ہوں، اور وہ میرے بعد ہر مومن کے حاکم ہیں۔"

○ علیؓ کے متعلق پانچ خواہشیں میری ایسی پوری ہوئیں جو دنیا و مافیہا سے بڑھ کر مجھے محبوب ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ قیامت میں خداوندِ عالم کے حضور علیؓ میرا سہارا ہوں گے۔ میں ان پر فراغتِ حساب تک تکیہ کیے رہوں گا۔ دُوسری بات یہ کہ عَلم ان کے ہاتھوں میں ہوگا۔ آدمؑ اور اولادِ آدم سب کے سب اس کے سایہ تلے ہوں گے۔ تیسری بات یہ کہ علیؓ حوضِ کوثر کے بیچوں بیچ ہوں گے اور میری اُمت میں سے جسے پہچانتے ہوں گے اسے سیراب کریں گے۔ چوتھی بات یہ کہ کفن و دفن میرا علیؓ ہی کریں گے اور حضوریِ پروردگار کی پہلی منزل تک پہنچائیں گے۔ پانچویں بات یہ کہ علیؓ کے متعلق مجھے یہ قطعی خوف نہیں کہ وہ عفت کے بعد بدکاری اور ایمان کے بعد کفر کو اختیار کریں گے۔

○ نبی کریمؐ نے علیؓ کو کلیجہ سے لگایا، ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رخساروں تک بہہ رہے تھے۔ پھر آپؐ نے علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بلند آواز سے فرمایا: اے مسلمانو! یہ مہاجرین و انصار کا رئیس ہے - یہ میرا بھائی ہے، میرے چچا کا بیٹا، میرا داماد ہے۔ یہ میرا گوشت ہے، میرا خون ہے، میرا پوست ہے - یہ میرے جگر گوشوں حسنؓ و حسینؓ کا باپ ہے۔ یہ مصیبتوں کا مجھ سے دُور کرنے والا ہے۔ یہ خدا کا شیر ہے اور اس کی زمین پر اس کی تلوار ہے دشمنوں کے لیے۔ جو لوگ اسے دشمن رکھیں ان پر خدا کی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی لعنت۔ خداوند عالم اس کے دشمن سے بیزار اور میں بھی اس سے بری۔ پس اب جو شخص خدا سے اور مجھ سے بری رہنا چاہتا ہو وہ علیؓ سے بیزار رہے۔ میرا یہ پیغام موجود و غیر موجود لوگوں کو پہنچا دیں۔

۵ عامر بن سعد کہتے ہیں کہ میرے والد سعد بن ابی وقاص کو حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ حضرت علیؓ کو بُرا کہیں۔ جب انہوں نے انکار کیا تو حضرت امیر معاویہؓ نے کہا "کیا چیز تمہیں روک رہی ہے حضرت علیؓ کو بُرا کہنے سے؟" سعدؓ نے جواب دیا، جب تک تین باتیں جو خود رسول اللہؐ نے حضرت علیؓ کے بارے میں ارشاد فرمائی ہیں مجھے یاد رہیں گی میں ہرگز انہیں بُرا نہیں کہہ سکتا۔ اگر ان تین باتوں سے ایک بات بھی مجھے حاصل ہوتی تو میرے لیے سُرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی (میں نے خود پیغمبرِ خدا کو حضرت علیؓ سے ارشاد فرماتے سنا جب آپ کسی جنگ (تبوک) میں تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام چھوڑے جا رہے تھے) اور حضرت علیؓ نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ تو پیغمبرِ خدا نے حضرت علیؓ سے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہ منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی سوائے اس کے کہ نبوت کا سلسلہ میرے بعد ختم ہے۔

۲۔ خیبر کے دن سرورِ کائنات، فخرِ موجوداتؐ نے فرمایا "میں ایسے مرد کو علَم دُوں گا جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور جسے خدا اور رسولؐ دوست رکھتے ہیں۔" اس پر ہم لوگوں نے دراز ہو کر اپنے کو دکھانا شروع کیا مگر پیغمبرؐ نے فرمایا: میرے علیؓ کو بلاؤ۔ علیؓ آئے حالانکہ انہیں آشوبِ چشم کی تکلیف تھی۔ آپ نے اپنا لعابِ دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور انھیں علَمِ لشکر مرحمت فرمایا اور خداوندِ عالم نے ان کے ہاتھوں پر فتح عنایت کی۔

علیؓ! تم کو تین باتیں ایسی ملیں کہ کسی کو بھی نہیں ملیں یہاں تک کہ خود مجھے بھی نہیں ملیں: تمہیں میرے جیسا خُسر دیا گیا اور یہ بات مجھے نصیب نہیں ہوئی، مجھے تمہارے ایسا خُسر نہیں ملا۔ تمہیں میری بیٹی ایسی صدیقہ بیوی ملی اور مجھے نہ ملی۔ حسنؓ و حسینؓ تمہارے صلب سے پیدا ہوئے، مجھے ایسے فرزند نصیب نہیں ہوئے لیکن تم سب مجھ سے ہو اور میں تم لوگوں سے۔

علم، باب العلمؓ کے الفاظ میں

۱۔ اَلْعِلْمُ یُنْجِدُ، اَلْحِکْمَۃُ تُرْشِدُ۔

علم (عالم کو) بلند کر دیتا ہے اور حکمت (اس کے لیے) باعثِ رُشد و ہدایت ہوتی ہے۔

۲۔ اَلْعِلْمُ بِالْفَھْمِ۔

علم، فہم کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی علم اس سے حاصل ہوتا ہے کہ صاحبِ علم کسی چیز کو اچھی طرح سمجھ لے اور اس کی تہ تک پہنچ جائے

۳۔ اَلْعِلْمُ کَنْزٌ۔

علم ایک خزانہ ہے۔

۴۔ اَلْعِلْمُ عِزٌّ، اَلطَّاعَۃُ حِرْزٌ۔

علم غلبہ اور عزت ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں دنیا و آخرت کے مہالک و شدائد سے پناہ ملتی ہے۔

۵۔ اَلْعِلْمُ دَلِیْلٌ۔

علم رہنما ہے یا حق تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے۔

۶۔ اَلْعِلْمُ یُنْجِیْکَ، اَلْجَھْلُ یُرْدِیْکَ۔

علم تجھے نجات دیتا ہے اور جہالت تجھے تباہ کرتی ہے۔

۷۔ اَلْعِلْمُ جَلَالَۃٌ، اَلْجَھَالَۃُ ضَلَالَۃٌ۔

علم بزرگی ہے اور جہالت گمراہی۔

۸۔ اَلْعِلْمُ حَیَاۃٌ، اَلْاِیْمَانُ نَجَاۃٌ۔

علم زندگی ہے اور ایمان نجات۔

۹۔ اَلْعِلْمُ مَجَلَّۃٌ، اَلْجَھْلُ مَضَلَّۃٌ۔

علم بزرگی کا محل ہے اور جہالت گمراہی کی جگہ؛ یا علم بزرگ کرنے والا ہے اور جہالت گمراہ کرنے والی ہے۔

اَلْعِلْمُ بِالْعَمَلِ۔

۱۰۔ علم عمل کے ساتھ ہوتا ہے۔

۱۱۔ اَلْعِلْمُ حِرْزٌ۔

علم پناہ ہے۔ یعنی علم ایک ایسی پناہ ہے جو عالم کو دنیا اور آخرت کی آفات سے پناہ دیتی ہے۔

۱۲۔ اَلْعِلْمُ مُمِیْتُ الْجَھْلَ۔

علم جہالت کو مار دیتا ہے۔ یعنی علم سے جہالت جاتی رہتی ہے۔

۱۳۔ اَلْعِلْمُ زَیْنُ الْحَسَبَ۔

علم حسب کی زینت ہے۔ اور حسب اس امر کو کہتے ہیں جو کسی شخص کے لیے سرمایۂ شرف و افتخار ہوتا ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ علم جس حسب میں ہوگا اس کو زینت دے گا اور دوسرے شرفوں سے اس کو بلند و بالا کر دیتا ہے۔ اور اگر حسب سے مراد کرم ہو جیسا کہ بعض اہلِ لغت نے کہا ہے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ علم جس وقت کرم کے ساتھ جمع ہوگا تو وہ اس کو زینت بخشے گا۔

۱۴۔ اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ شَرَفٍ۔

علم سب سے زیادہ فضیلت والا شرف ہے اور کوئی شرف و فضیلت اس کی برابری نہیں کرتی۔

۱۵۔ اَلْعِلْمُ مِصْبَاحُ الْعَقْلِ۔

علم عقل کا چراغ ہے۔ یعنی علم ایسا چراغ ہے کہ عقل نے اس کو روشن کیا ہے اور اس سے جہالت کی تاریکی کو زائل کیا ہے۔

۱۶۔ اَلْعِلْمُ خَیْرُ دَلِیْلٍ۔

علم ایک بہترین رہنما ہے۔ یا مطلب تک بہترین (طور پر) پہنچانے والا ہے۔

۱۷۔ اَلْعِلْمُ اَجَلُّ بِضَاعَۃٍ۔

علم بہترین سرمایہ ہے۔ کیونکہ اُخروی سعادت کا سرمایہ ہے۔

۱۸۔ اَلْعِلْمُ اَعْظَمُ کَنْزٍ۔

علم سب سے بڑا خزانہ ہے۔ اور ایسا خزانہ پایا نہیں جا سکتا۔

۱۹۔ اَلْعِلْمُ حَیَاۃٌ وَ شِفَاءٌ۔

علم زندگی ہے اور شفا ہے۔ یعنی علم حقیقی زندگی ہے اور معنوی امراض کے لیے شفاء۔

۲۰۔ اَلْعِلْمُ حِجَابٌ مِّنَ الْاٰفَاتِ۔

علم آفات کو روکنے والا ہے۔ یعنی آخرت کی آفات اور بہت سی دنیاوی آفات کو۔

۲۱۔ اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ قِنْیَۃٍ۔

علم وہ بہترین چیز ہے جو انسان کسب کرتا ہے۔

۲۲۔ اَلْعِلْمُ مَرْکَبُ الْحِلْمِ۔

علم، حلم اور بُردباری کی سواری ہے۔ یعنی جس کے پاس علم ہوگا وہ صاحبِ حلم بھی ہوگا۔

۲۳ - اَلْعِلْمُ اَصْلُ کُلِّ خَیْرٍ۔
علم ہر نیکی اور خیر کی جڑ ہے اور تمام نیکیاں علم کی شاخیں ہیں۔ کیونکہ علم ہی تمام نیکیوں کا مصدر و ماخذ ہے۔

۲۴ - اَلْعِلْمُ عُنْوَانُ الْعَقْلِ۔
علم عقل کی نشانی ہے۔ جس کے پاس علم ہوگا وہ صاحبِ عقل ہوگا اور امور میں اس سے مشورہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۵ - اَلْعِلْمُ لِقَاحُ الْمَعْرِفَۃِ۔
علم سے معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

۲۶ - اَلْعِلْمُ یُنْجِدُ الْفِکْرَ۔
علم فکر کو قوت و جلا بخشتا ہے۔ لہذا مشورے میں صاحبِ علم کی رائے کو بے علم کی رائے پر ترجیح دینی چاہیے۔

۲۷ - اَلْعِلْمُ نِعْمَ دَلِیْلٌ۔
علم اچھا رہنما ہے۔ یعنی سعادت و نیک بختی تک لے جانے والا ہے۔

۲۸ - اَلْعِلْمُ قَائِدُ الْحِلْمِ۔
علم حلم کا قائد ہے۔ یعنی حلم کا باعث بنتا ہے۔

۲۹ - اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ ھِدَایَۃٍ۔
علم سب سے اچھا رہنما ہے یا مطلب تک پہنچانے والا ہے۔

۳۰ - اَلْعِلْمُ اَصْلُ الْحِلْمِ والحلم فرعہ۔
علم حلم کی جڑ ہے اور حلم اس کی شاخ ہے۔

۳۱ - اَلْعِلْمُ اَشْرَفُ ھِدَایَۃٍ۔
علم سب سے برتر ہدایت ہے۔

۳۲ - اَلْعِلْمُ قَاتِلُ الْجَھْلِ۔
علم جہالت کو مٹا دیتا ہے۔

۳۳ - اَلْعِلْمُ دَاعِیُ الْفَھْمِ۔
علم، فہم کو دعوت دینے والا ہے۔ یعنی عالم ہمیشہ تحصیلِ علم میں لگا رہتا ہے جیسا کہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے: ایک دُنیا کا طالب، دُوسرا علم کا طالب۔

۳۴ - اَلْعِلْمُ لَا یَنْتَھِیْ۔
علم کی انتہا نہیں۔

۳۵۔ اَلْعِلْمُ كَثِيْرٌ وَالْعَمَلُ قَلِيْلٌ۔
علم کثیر ہے اور عمل قلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عمل کے ساتھ علم کم ہے اور وہ علم جو کار آمد ہے عمل کے ساتھ ہوتا ہے اور بغیر عمل علم کسی کام نہیں آتا۔

۳۶۔ اَلْعِلْمُ كَنْزٌ عَظِيْمٌ لَا يَفْنىٰ۔
علم ایک ایسا عظیم خزانہ ہے جو خرچ کرنے سے ختم نہیں ہوتا بلکہ زیادہ ہوتا ہے۔

۳۷۔ اَلْعِلْمُ رُشْدٌ لِمَنْ عَمِلَ بِهٖ۔
علم اس کے لیے ایک رُشد ہے جو اس پر عمل کرتا ہے

۳۸۔ اَلْعِلْمُ كُلُّهٗ حُجَّةٌ اِلَّا مَا عُمِلَ بِهٖ۔
علم سب کا سب حجت ہے مگر وہ جس پر عمل کیا جاتا ہے۔

۳۹۔ اَلْعِلْمُ جَمَالٌ لَا يَخْفىٰ وَنَسِيْبٌ لَا يَجْفىٰ۔
علم ایک ایسا حُسن ہے جو پوشیدہ نہیں رہتا اور ایسا اپنا ہے جو قربت کے تعلق کو قطع نہیں کرتا۔ اس کو "خویش" کہنا بر سبیلِ مجاز ہے اور جمال خُلق و خلق کے حُسن کا نام ہے۔

۴۰۔ اَلْعِلْمُ زَيْنُ الْاَغْنِيَاءِ وَغِنَى الْفُقَرَاءِ۔
علم اُمرا کی زینت ہے اور فقرا کے لیے امارت ہے۔

۴۱۔ اَلْعِلْمُ يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ۔
علم حق کی طرف ہدایت کرتا ہے، یعنی حق تک پہنچاتا ہے یا راہنمائی کرتا ہے۔

۴۲۔ اَلْعِلْمُ مِصْبَاحُ الْعَقْلِ وَيَنْبُوْعُ الْفَضْلِ۔
علم عقل کا چراغ ہے اور مرتبہ کی بلندی کا چشمہ ہے۔

۴۳۔ اَلْعِلْمُ بِلَا عَمَلٍ وَبَالٌ۔
بغیر عمل کے علم وبال ہے۔ اور وبال کا معنیٰ سختی ہے۔ یعنی علم بغیر عمل اس امر کا باعث ہوگا کہ ایسے شخص پر سختی کی جائے اور اس کے گناہ گراں ہو جائیں۔

۴۴۔ اَلْعِلْمُ اَحَدُ الْحَيَاتَيْنِ۔
علم دُو زندگیوں میں سے ایک ہے۔ ایک حقیقی زندگی ہوتی ہے اور دُوسرے علم بھی زندگی کا درجہ رکھتا ہے اگرچہ عالم کی وفات کے بعد ہو۔

۴۵۔ اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ الْاُنْسَيْنِ۔
علم ان دو رفیقوں میں سے افضل ہے جن سے انسان محبت کرتا ہے۔ ان میں سے ایک علم ہوتا ہے اور دوسرا ہر رفیق۔

۴۶۔ اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ الْجَمَالَیْنِ۔

علم دو جمالوں میں سے افضل ہوتا ہے۔ یعنی دوسری تمام خوبیوں سے یا ہر اس جمال سے جس کے ساتھ اس کا وزن کیا جاتا ہے۔ اور جمالِ خُلق و خلق کے حُسن سے عبارت ہوتا ہے۔

۴۷۔ اَلْعِلْمُ بِاللّٰہِ اَفْضَلُ الْعِلْمَیْنِ۔

اللہ کے ساتھ علم دو علموں میں سے افضل ہے۔ دو میں سے ایک اسی معنیٰ میں مستعمل ہے جو پہلے فقروں میں مذکور ہوا ہے۔

۴۸۔ اَلْعِلْمُ وِرَاثَۃٌ کَرِیْمَۃٌ وَنِعْمَۃٌ عَمِیْمَۃٌ۔

علم ایک گرانبہا وراثت ہے کیونکہ جو صاحبِ علم ہوتا ہے، درحقیقت اس نے انبیاؑ، اولیاؒ اور تمام علماؒ سے وراثت پائی ہے۔

۴۹۔ اَلْعِلْمُ یُنْجِیْ من الاء دتباكِ فِی الْحَیْرَۃِ۔

علم حیرانی میں ڈوب جانے سے نجات دیتا ہے۔

۵۰۔ اَلْعِلْمُ یَدُلُّ عَلَی الْعَقْلِ فَمَنْ عَلِمَ عَقَلَ۔

علم عقل پر دلالت کرتا ہے پس جو کوئی علم رکھتا ہے عقل بھی رکھتا ہے۔

۵۱۔ اَلْعِلْمُ ثَمَرَۃُ الْحِکْمَۃِ وَالصَّوَابُ مِنْ فُرُوْعِهَا۔

علم حکمت کا ثمر ہے اور صواب یعنی راست روی ۔ یا راست گوئی اس کی شاخیں ہیں۔

۵۲۔ اَلْعِلْمُ مُحْیِی النَّفْسِ وَمُنِیْرُ الْعَقْلِ وَمُمِیْتُ الْجَهْلِ۔

علم نفس کو زندہ کرنے والا ہے اس اعتبار سے کہ جاہل مُردہ کے حکم میں شمار ہوتا ہے، اور عقل کو روشن کرنے والا ہے، اور جہالت کو ختم کرنے والا ہے۔

۵۳۔ اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ شَرَفٍ مَنْ لَا قَدْ یُعَدُّ لَہٗ۔

علم اس کے لیے افضل شرف ہے جس کے لیے پہلے سے (کوئی شرف) نہ ہو۔

۵۴۔ اَلْعِلْمُ اَکْثَرُ مِنْ اَنْ یُّحَاطَ بِہٖ فَخُذُوْا مِنْ کُلِّ عِلْمٍ اَحْسَنَہٗ۔

علم اتنا وسیع ہے کہ اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ تمام علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پس ہر علم کا بہترین حصہ لے لو۔ یعنی اتنی مقدار جو نہایت ضروری ہو اور اس کا فائدہ بھی زیادہ ہو۔

۵۵۔ اَلْعِلْمُ حَاکِمٌ وَالْمَالُ مَحْکُوْمٌ عَلَیْهِ۔

علم حاکم ہے اور مال اس کا محکوم ہے۔

۵۶۔ اَلْعِلْمُ یُرْشِدُكَ اِلٰی مَا اَمَرَكَ اللّٰہُ بِہٖ وَالزُّھْدُ یُسَهِّلُ لَكَ الطَّرِیْقَ اِلَیْهِ۔

جس کا اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے، علم اس کی جانب تیری رہنمائی کرتا ہے اور زُہد و ترکِ دنیا تیرے لیے اس طرف جانے والے راستے کو آسان اور ہموار کرتا ہے۔

۵۷۔ اَلْعِلْمُ خَیْرٌ مِّنَ الْمَالِ، اَلْعِلْمُ یَحْرُسُكَ وَ اَنْتَ تَحْرُسُ الْمَالَ۔

علم مال سے بہتر ہے، علم تیری حفاظت کرتا ہے، لیکن مال کی تُو حفاظت کرتا ہے۔

۵۸۔ اَلْعِلْمُ مَقْرُوْنٌ بِالْعَمَلِ فَمَنْ عَلِمَ عَمِلَ۔

علم، عمل کے ساتھ ہوتا ہے، پس جو عالم ہو جاتا ہے وہ عمل بھی کرتا ہے۔

۵۹۔ اَلْعِلْمُ یَهْتِفُ بِالْعَمَلِ فَاِنْ اَجَابَهٗ وَ اِلَّا ارْتَحَلَ۔

علم عمل کو آواز دیتا ہے۔ اگر اس نے اس پر کان دھرا اور اس کے پاس چلا گیا تو خوب، ورنہ علم بھی اس کے پاس سے رخصت ہو جاتا ہے۔

۶۰۔ اَلْعِلْمُ یُرْشِدُكَ وَ الْعَمَلُ یَبْلُغُ بِكَ الْغَایَةَ۔

علم تجھے راہ دکھاتا ہے اور عمل منتہائے مقصود تک پہنچاتا ہے۔

۶۱۔ اَلْعِلْمُ اَوَّلُ دَلِیْلٍ وَ الْمَعْرِفَةُ اٰخِرُ نِهَایَةٍ۔

علم پہلا رہنما ہے اور معرفت یعنی خدا شناسی آخری حد ہے۔

۶۲۔ اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ مَطْبُوْعٌ وَ مَسْمُوْعٌ وَ لَا یَنْفَعُ الْمَطْبُوْعُ اِذَا لَمْ یَكُ مَسْمُوْعٌ۔

علم دو ہیں، مطبوع اور مسموع۔ مطبوع اس وقت تک فائدہ نہیں دیتا جب تک مسموع نہ ہو۔ مطبوع سے مراد ایسا علم ہے جو طبیعت اور سلیقہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور اس کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً علومِ عربیت۔ اور مسموع سے مراد یہ ہے کہ اسے پیغمبر یا امام سے بالواسطہ طور پر سُننا چاہیئے۔ مثلاً علومِ شرعیہ۔ ظاہر ہے کہ علومِ شرعیہ مطلوب نہ ہوتے تو علومِ مطبوعہ کا کوئی فائدہ نہ ہوتا کیونکہ ان کا فائدہ یہ ہے کہ وہ علومِ مسموعہ (شرعیہ) کے کام آئیں۔

اقتباسات نہج البلاغہ

سیّد عبد اللہ یٰسین حسنی

تعارفِ کتاب حاجی سیّد علی نقی ایرانی اپنی شرح نہج البلاغہ (مطبوعہ تہران ۱۳۶۹ھ) کے جزء پنجم کے دیباچے میں کتاب کی مدح میں لکھتے ہیں:

عصارہ گفتار پیغمبران و بیان کنندہ اسرار حقائق قرآن کریم و نجات دہندہ گمراہان وگرفتاران است. خونریزی و تبہ کاری ستم گری و دو روئی خودخواہی بدبختی از جہانیاں دور نمی شود۔ آشتی، آسائش، دادگری، یگانگی، نیک بختی در جہاں پائیدار نمی گردد مگر بہ پیروی گفتار و کردار امیر المومنین (علیہ السلام) کہ نمونہ از آنرا سید شریف (علیہ الرحمۃ) در کتاب مقدس نہج البلاغہ گرد آوردہ و چوں در آں از آنچہ مربوط بزندگی و آسائش بشر است چیزے فروگذار نشدہ۔ بزرگواری و نیک بختی عمل کنندہ راضامن است۔ ایں گفتار استوار روی پایہ ہائے علم و عقل بودہ لاف وگزاف نیست ..... ہر کہ طالب خیر و نیکوئی و آسائش و خوشی است بایستی نہج البلاغہ را سرمشق قرار دہد۔

مفہوم: کلام انبیاءؑ کا نچوڑ، قرآن کریم کے حقائق و اسرار کو بیان کرنے والی، گمراہوں اور گرفتاروں کو نجات دینے والی کتاب ہے۔ خوں ریزی، تباہی، ظلم، منافقت، خود غرضی اور بدبختی دنیا والوں سے دُور نہیں ہو سکتی۔ دوستی، آسائش، انصاف، اتفاق اور نیک بختی دنیا میں پائیدار نہیں ہو سکتی۔ مگر امیر المومنین (علیہ السلام) کی گفتار و کردار کی پیروی سے۔ جس کا نمونہ سید شریف رضی (علیہ الرحمۃ) نے مقدس کتاب نہج البلاغہ میں فراہم کیا ہے اور چونکہ اس میں انسانی زندگی اور آسائش بشر کے متعلق کوئی بات چھوڑی نہیں گئی۔ اس لیے وہ اپنے عامل کی بزرگی اور نیک بختی کی ضامن ہے —— یہ پختہ کلام علم و عقل کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہے، لغو و بیہودہ نہیں ہے ..... جو شخص خیر و نیکی اور آسائش و خوشی کا طالب ہے اُسے چاہیے کہ نہج البلاغہ کو اپنا دستور العمل بنائے۔

حمد و نعت میں شہادت دیتا ہوں کہ اس کی ذاتِ برتر و اعلیٰ کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ ہم جب تک زندہ ہیں اسی کی ذات سے متمسک ہیں۔ ایمان کی تکمیل اس کے بغیر ہو نہیں سکتی۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے بندے

اقتباس عربی — نہج البلاغہ عربی مصری مطبعۃ الرحمانیہ

اقتباس اردو — نیرنگِ فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ اردو

مترجم — سیّد ذاکر حسین صاحب اثنا عشری مطبوعہ مطبع یوسفی دہلی

اور اُس کے رسول ہیں اور پروردگارِ عالم نے انھیں ایسے دین کے ساتھ بھیجا ہے جو مشہور و معروف ہے انہیں معجزات اور شریعت عطا ہوئے ۔ وہ کتابِ مسطور لے کر آئے اور نور بلند اور ضیاء درخشندہ ۔ وہ اس امر کے ساتھ تشریف لائے جو حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے ۔

ان کی تشریف آوری کی علت غائی کیا تھی ؛ شبہاتِ باطلہ کا ازالہ کرنا ، منکرین کے سامنے بیّن اور واضح دلیلیں پیش کرنا ، خداوند عالم کی نشانیوں سے ڈرانا اور آنے والے نتایج و عواقب سے خبردار کرنا ۔

زمانۂ بعثت جس وقت آپ مبعوث ہوئے اُس وقت یہ کیفیت تھی کہ انسانی گروہ فتنہ و فساد میں مشغول تھا اور دین و شریعت کی رسّی قطع ہوگئی تھی ۔ اصل (دین) میں ہزاروں اختلافات تھے اور احکامِ دین بالکل پراگندہ ہو رہے تھے ۔ کفر سے نکلنے کی راہیں سخت و تنگ و شکستہ ہوئی تھیں ۔ رہائی کا چشمہ نگاہوں سے غائب تھا اور روشن ضمیر بالکل گمنام (مفقود) تھے ۔ اندھا پن اور جہالت اطرافِ عالم میں شائع تھیں ۔ خدا کی نافرمانیوں پر عملدرآمد تھا ۔ شیطان کی نصرتیں دل و جان سے کی جا رہی تھیں اور ایمان بالکل مخذول تھا چھوڑ دیا گیا تھا ، اس کے ستون گر چکے تھے ، اس کی روشن اور چمکدار راہیں ہٹ چکی تھیں ، شیطان کی اطاعت کا دم بھرا جا رہا تھا ، شیطانی راستے اختیار کر لیے گئے تھے اور سب کے سب اسی کی آماجگاہوں میں چلے آ رہے تھے اس شیطانی لشکر کے سبب سے ابلیسی جھنڈے گڑے ہوئے تھے اور اسی خبیث کے پھریرے ہوا میں اُڑ رہے تھے ۔ (اُردو صفحہ ۱۰ ۔ عربی صفحہ ۲۲)

خدا رسیدہ ہونے کے کام پروردگار حق سُبحانہٗ کا تقرب ڈھونڈنے والے جس چیز کو اپنے تقرب کا وسیلہ بناتے ہیں ۔ ان وسائل میں سے سب سے افضل امور یہ ہیں : خدا اور رسولؐ پر ایمان لانا ، جہاد فی سبیل اللہ ۔ کیونکہ جہاد رکنِ اعلاء اسلام اور کلمۂ خلاصی ہے ۔ اور ایمان انسان کی فطرت میں داخل کیا گیا ہے ۔ نماز کا قایم کرنا ، یہ رکنِ اعظم ملت و دین ہے ۔ زکوٰۃ کا ادا کرنا ، یہ فریضہ واجبہ ہے ۔ ماہِ رمضان کے روزے رکھنا ۔ یہ عذابِ خداوندی کے لیے سپر ہے ۔ خانہ کعبہ کا حج و عمرہ بجا لانا ۔ کیونکہ یہ فقر و فاقہ کو دُور کرتے ہیں ۔ گناہوں کو محو کر دیتے ہیں ۔ صلۂ رحم بجا لانا ، کیونکہ اس سے مال زیادہ ہوتا ہے ۔ مرگ میں تاخیر ہوتی ہے ۔ پوشیدہ صدقہ دینا ، یہ گناہوں کو ڈھانک لیتا ہے ۔ علانیہ صدقہ دینا ، بُری حالت کی موت کو دُور کرتا ہے ۔ خلقت کے ساتھ احسان و نیکی کرنا ۔ یہ ذلت و خواری میں مبتلا ہونے سے بچاتا ہے ۔ (اُردو صفحہ ۱۲۳ ۔ عربی صفحہ ۲۲۳)

ایمان

ایمان اصلی و عارضی ایمان کی دو قسمیں ہیں :
ایک تو وہ جو قلب میں راسخ اور ثابت ہو ۔
دُوسرا ایمان وہ ہے جسے ایک وقت معلوم تک عاریتاً قلب و سینہ کے درمیان رکھ لیا جائے ۔ (اردو صفحہ ۴، ۲ ۔ عربی صفحہ ۱۴۱)

ایمان کے تین رکن آپ (علیؑ) سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ معرفتِ قلب ، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے ۔ (اردو صفحہ ۲۰۴ ۔ عربی صفحہ ۱۹۴/۴)

اوصافِ ایمان حضرت سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کے اوصاف بیان کیجئے۔ فرمایا کہ ایمان چار ستونوں پر قائم ہے۔ اور چار ستون یہ ہیں:

(۱) صبر (۲) یقین (۳) عدل (۴) جہاد

اب صبر کی چار شاخیں ہیں:

(۱) شوق (۲) خوف (۳) زُہد و تقویٰ (۴) انتظار

جو شخص جنّت کا مشتاق ہوا اس نے لذاتِ دنیا کو فراموش کر دیا۔ جو آتشِ دوزخ سے ڈرا اس نے محرمات سے دُوری کی۔ جس نے مالِ دنیا سے پرہیز کیا مصیبتیں اس پر آسان ہوگئیں۔ اور جس شخص نے موت کا انتظار کیا اس نے کارِ خیر کی بجاآوری میں عجلت کی۔

یقین کی بھی چار شاخیں ہیں:

۱۔ عقل کی بینائی ۲۔ حکمت کی تاویل و تفسیر ۳۔ آزمائش سے نصیحت حاصل کرنا اور ۴۔ طریقۂ اوّلین پر چلنا۔

جس شخص نے اپنی عقل کو روشن کیا حکمت اس کے واسطے ظاہر ہوگئی۔ اس کا علم و عمل مکمل ہوگیا۔

جس شخص کے واسطے حکمت ظاہر ہوئی اس نے اپنی آزمائش کو پہچان لیا (سمجھ لیا کہ دار الامتحان میں ہو) اور اس سبب سے گویا وہ انبیاءِ اوّلین کے زمرہ میں شامل ہوگیا۔

عدل کے بھی چار شعبے ہیں:

۱۔ عقل میں پیر جانا۔
۲۔ علم کی تہ کو پہنچ جانا۔
۳۔ حکم کو روشن کرنا۔
۴۔ حلم اور بُردباری کو قائم رکھنا۔

بس جس شخص نے عقل و فہم سے کام لیا اس نے علم کی تہ کو پا لیا۔ جس نے علم کی تہ کو پا لیا اس نے شریعت کے موافق حکم صادر کر دیا۔ اور جس نے حلم اختیار کیا وہ اپنے کام میں کوئی تقصیر نہیں کرے گا، اور لوگوں میں رہ کر اس طرح زندگی بسر کرے گا کہ سبھی اس کے مداح ہوں گے۔

جہاد کی بھی چار قسمیں ہیں:

۱۔ امر بالمعروف
۲۔ نہی عن المنکر
۳۔ مقام راستی میں راست گوئی سے کام لینا۔
۴۔ فاسقوں کو دشمن سمجھنا۔

جو شخص امر بالمعروف کا عامل ہوا، اچھی باتوں کا حکم دیا اس نے مسلمانوں کی کمر مضبوط کر دی۔ جس نے منہیات سے منع کیا اس نے

فاسقین کی ناک زمین پر گھس دی۔ اور جس شخص نے صداقت میں استقامت دکھائی اس نے حکم کو ادا کر دیا جس کا ادا کرنا اس پر واجب تھا۔ جس شخص نے فاسق و فاجر کو دشمن سمجھا اور محض خوشنودیِ خدا کے لیے ان پر غضب ناک ہوا تو قیامت کے دن خداوند عالم فاسق پر غضب ناک ہوتا ہوا اس شخص پر خوشنودی کی نظر ڈالے گا۔ (اردو صفحہ ۳۸۱ - عربی صفحہ ۱۴۸)

محمد صلعم پروردگارِ عالم نے محمدؐ کو ایک روشن نور، ایک ظاہر برہان، ایک واضح دین اور ایک ہدایت کرنے والی کتاب کے ساتھ ظاہر فرمایا۔ خداوندِ عالم نے آپ کو حجتِ کافی، موعظت شافی اور تلافیِ مافات کرنے والی دعوت کے ساتھ بھیجا۔ آپ کے سبب سے ان راستوں کو ظاہر کر دیا جو ناواقفیت کی حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ آپ کے واسطے ان بدعتوں کا قلع قمع کر دیا، جو دینِ الٰہی میں داخل ہوگئی تھیں۔ حق و باطل میں فیصلہ کرنے والے احکامات کو آپ کے سبب آشکارا کر دیا۔ اب جس کسی نے اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین طلب کیا اس کی شقاوت ثابت ہوگئی۔ اس کی نجات کے حلقے توڑ دیے گئے۔ اس کی ذلتیں اور خواریاں نہایت عظیم ہوگئیں۔ ایک طویل و دراز ہلاک کرنے والا عذاب اس کا مرجع بن گیا ہے۔ (اردو صفحہ ۱۸۳ - عربی صفحہ ۳۱۵)

دنیا میں ہر طرف فساد برپا تھا اب سنو! خداوندِ عالم نے محمدؐ کو حق کے ساتھ اس وقت مبعوث فرمایا جب کہ انقطاع (وقتِ موت) دنیا سے قریب ہوگیا تھا اور وہ آخرت (انجام) کی طرف مشرف ہونے کے لیے رُخ کر رہی تھی۔ اس کی زیبائش درخشندگیوں کے بعد تاریک ہوچکی تھیں اور اہلِ دُنیا درد و شدت کے پنڈلیوں پر قائم تھے اس کے نرم و نازک فرش درشت اور کھردرے ہوگئے تھے۔ اس کی مدتوں میں بربادی، اس کی نیستی کی علامتوں کے نزدیک ہونے، اس کی نشانیوں کے مٹ جانے، اس کی بوسیدگی کے اظہار، اس کی درازی کے کوتاہ ہونے کے وقت میں اس کی بندشیں کھلنے ہی کے قریب تھیں۔ پروردگارِ عالم نے آپؐ کو اپنی رسالت پہنچانے والا، آپؐ کی اُمت کے لیے کرامت و رحمت و بہار اور مددگاروں کے لیے باعثِ رفعت و بلندی آپ کے انصار کے لیے باعثِ شرف قرار دیا۔ (اردو صفحہ ۲۲، عربی صفحہ ۴۴۶)

قرآن میں پروردگارِ عالم سے ان جماعتوں کی شکایت کرتا ہوں جو جہالت و نادانی کی زندگی بسر کر کے گمراہی اور ضلالت کی حالت میں مرجاتے ہیں۔ ان لوگوں میں اس سے زیادہ تر کوئی امر ناروا تر نہیں ہے کہ کلام اللہ کی کما حقہٗ تلاوت اور تفسیر کی جائے۔ کسی جنس کی خریداری اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ کلامِ خدا کی تحریف کی جائے۔ کوئی شے اس سے بیش بہا نہیں ہے کہ کلامِ خدا کے مقامات کو تبدیل کر دیا جائے اور کوئی رسم اس سے زیادہ بیش بہا نہیں ہے کہ کلامِ خدا کی اپنی ہوا و ہوس کے مطابق تفسیر کی جائے۔ ان لوگوں کے نزدیک نیکی اور احسان سے زیادہ کوئی امر ناشائستہ نہیں ہے اور نہ قبح و برائی سے زیادہ کوئی امر مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ (اردو صفحہ ۲۵ - عربی صفحہ ۶۱)

مجموعۂ عجائب و غرائب کیا ایسا تو نہیں کہ پروردگارِ عالم نے اسلام کو تمام و کمال طریقہ سے نازل کیا۔ مگر رسولِ خدا اس کی تبلیغ باحسن وجوہ کرنے سے قاصر رہے؟ قسم خدا کی پروردگارِ عالم فرماتا ہے بے شک یہ کتاب، کتابِ خدا ہے۔ ظاہر میں نہایت خوب ہے، خوش آیند ہے اور اس کا باطن نہایت عمیق اور گہرا ہے۔ اس کے عجائب و غرائب نہ فنا ہونے والے ہیں نہ ناقص ہیں۔ تاریکیوں کے پردے اسی کتاب کی مدد سے اُٹھ سکتے ہیں۔ (اردو صفحہ ۴۴ - عربی صفحہ ۶۲)

افضل ترین حدیث تم قرآن کا علم حاصل کرو کیونکہ افضل ترین حدیث یہی ہے۔ اس میں غور و فکر کرو۔ کیونکہ یہ قرآن پژمردہ قلوب کے لیے بادِ بہاری کا کام دیتا ہے۔ اپنے مرض ظلم و جہل کے لیے اسی قرآن کے نور سے شفا طلب کرو کیونکہ یہ سینوں کو شفا دینے والا ہے۔ اس کی عمدہ طریقوں سے تلاوت کرو۔ اسے سمجھو اور اس سے نصیحتیں سیکھو۔ قرآن سب قصوں سے زیادہ نفع دینے والا ہے۔ (اردو صفحہ ۱۲۲۔ عربی صفحہ ۲۳۲)

بولنے والی کتاب خدا کی کتاب تمہارے درمیان ہے۔ وہ ایسی بولنے والی ہے کہ کبھی اس کی زبان نہیں تھکتی۔ وہ ایسا مکان ہے کہ اس کے ارکان منہدم نہیں ہوتے۔ وہ ایسی غالب ہے کہ اس کے دوست اور مددگار کبھی مغلوب نہیں ہوتے۔ (اردو صفحہ ۱۴۸۔ عربی صفحہ ۲۷۰)

قرآن سراپا حکمت ہے اور اس کی آیتیں ایک دوسرے کی تفسیر و تصدیق ہیں یہ جو کچھ بیان کیا بمنزلہ حکمت ہے اور ایسی حکمت ہے کہ مُردہ قلوب کو جلا دے اور کور آنکھوں کو روشن کر دے۔ یہ حکمت بہرے کانوں کو شنوا کر دیتی ہے اور یہ تشنگانِ علم کو سیراب کرنے والی ہے۔ اس حکمت میں دنیا سے بے نیاز ہوجانے کے جوہر ہیں اور یہی عذاب آخرت سے سلامتی بخشنے والی ہے۔ وہ حکمت کیا ہے؟ وہ کتاب اللہ ہے جس کے سبب سے امرِ حق پر تمہاری قوتِ ناطقہ رواں ہوتی ہے۔ تم اس کی وجہ سے امرِ حق کو سُنتے ہو اور اس کتاب کے بعض مقام بعض کے مفسر ہیں، ایک دُوسرے کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ وہ احکام و معارفِ الٰہی میں مختلف نہیں اور وُہ اپنے پیرو کو خداوندِ عالم سے جُدا نہیں کرتے۔ (اردو صفحہ ۱۴۹۔ عربی صفحہ ۲۷۱)

خدا کی تجلّی قرآن میں دیکھو اس مرسلؐ برحق کو قرآن عطا کیا جس نے اس کے اعجاز ظاہر کئے۔ اس کی حقیقت کو محکم اور استوار کر دیا تاکہ جاہل بندے اپنے پروردگار کو پہچانیں۔ منکرینِ وجودِ باری اور دہریہ اس کے وجود کا اقرار کریں اور اعتقاد رکھنے والوں کے دلوں میں اس کی ہستی کا نقشہ قایم ہوجائے۔ وُہ خدا جو ہر ایک نقص و عیب سے مبرا و منزّہ ہے۔ اپنی کتاب کے ذریعے اپنے بندوں پر ظاہر اور آشکارا ہوا بغیر اس بات کے کہ اس کو ظاہری آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ ہاں! اس نے قرآن کے ذریعے سے بھی تجلّی دکھا کر اپنی قدرتیں دکھا دیں۔ (اردو صفحہ ۱۵۹، عربی صفحہ ۲۴۴)

راہِ نجات، جنّت کی کُنجی تمہیں لازم ہے کہ کتاب اللہ کو اپنا شعار بناؤ کیونکہ یہ حبل المتین ہے۔ ایک روشن اور ظاہر نمود ہے، نفع پہنچانے والی شفا ہے، پیاس کو بجھانے والی اور سیراب کرنے والی ہے۔ اس سے تمسک کرنے والا لغزشوں اور خطاؤں سے دُور ہے۔ جو اس سے ربط پیدا کرے اس کے لیے نجات ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں جس کو سیدھا کیا جائے۔ اس میں کوئی انحراف نہیں جس سے منہ پھیرا جائے۔ اس کا کثرت سے زبانوں پر جاری اور کانوں میں داخل ہونا (تلاوت و سماعت) اسے کہنہ نہیں کرتا۔ جو اس کا معتقد ہوا۔ وہ صادق ہے۔ جس نے اس پر عمل کیا اس نے جنت کی طرف سبقت کی۔ (اردو صفحہ ۱۷۶۔ عربی صفحہ ۳۰۲)

قرآن میں سب ہے وُہ ایسا نور اپنے ہمراہ لایا جس کے ساتھ اقتدا کی جاتی ہے اور جسے قرآن کہتے ہیں۔ اب تم اس

قرآن سے گویائی طلب کرتے ہو۔ وہ (ہماری طرح) بولنے والا نہیں۔ لیکن میں تمہیں اس کے احکام سے خبردار کرتا ہوں۔ آگاہ رہو۔ اس میں آیندہ واقعات کا علم ہے۔ گزرے ہوئے لوگوں کے حالات ہیں۔ اس میں تمہارے درد کی دوا۔ تمہارے امور کا انتظام۔ یہ سب باتیں ہیں۔ (اردو صفحہ ۱۷۷ - عربی صفحہ ۳۰۸)

کتابِ ناطق اور شقی ازلی پروردگارِ عالم نے ہدایت کرنے والے رسولؐ کو کتابِ ناطق (قرآن) اور امرِ قائم (دین) کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اس سے تجاوز کرنے سے کوئی شخص ہلاک نہیں ہوتا۔ مگر وہ شخص جس کی استعدادِ ہلاکت انتہا درجہ کو پہنچ گئی ہو۔ (اردو ص ۱۹۴ - عربی صفحہ ۳۳۶)

ناصحِ صادق، ہادیِ کامل تم سمجھ لو کہ یہ قرآن ایسا ناصح ہے کہ جس میں ذرا بھی خیانت کی بُو نہیں ہے۔ یہ ایسا ہادی ہے کہ ہرگز گمراہ نہیں کرتا۔ یہ ایسا خبر دینے والا ہے کہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ کوئی شخص قرآن کا جلیس نہیں مگر یہ کہ وہ ایسی حالت میں اُٹھے کہ یا تو اس کے کمال میں زیادتی ہو گئی ہو یا نقص آگیا ہو۔ زیادتی تو ہدایت کی وجہ سے ہوتی ہے اور نقص اندھے پن سے۔

ہر درد کی دوا، ہر مرض کی شفا جان لو کہ علمِ قرآن حاصل کرنے کے بعد پھر انسان کو کسی علم کی احتیاج نہیں اور نہ کوئی شخص علمِ قرآن حاصل کرنے سے قبل تحصیلِ علوم سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ تم اپنے دردوں کے لیے اسی سے شفا طلب کرو اور اپنے نادانی آمیز اقوال سے بچنے کے لیے اسی قرآن سے مدد مانگو۔ اس میں بڑے بڑے امراض کی دوا ہے وہ درد کیا ہے؟ وُہ ہے کفر، نفاق، ضلالت اور گمراہی۔ تم اسی قرآن کے خدا سے سوال کرو اور نہایت محبّت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ مگر تم اس کے وسیلے سے خلقِ خدا سے سوال نہ کرو۔ کیونکہ یہ قرآن ایسی چیز ہے جس کے علم کے وسیلے سے بندے اپنے خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

شافعِ برحق خُوب جان لو کہ قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جو شفاعت کردہ شدہ ہے وہ کہنے والا ہے کہ اس کے قول کی تصدیق کی جا چکی ہے اور بروزِ قیامت جس شخص کی اس قرآن نے شفاعت کی تو اس کی شفاعت اس کے بارے میں قبول کی جائے گی۔ جس شخص کی نادانیوں اور جہالتوں کو بروزِ قیامت اس نے ظاہر کیا، تو بیشک اس شخص کے ضرر پہنچانے پر اس کی تصدیق کی جائے گی۔ سُن لو! قیامت کے دن ایک منادی یہ ندا کرے گا: آگاہ و خبردار ہو جاؤ کہ ہر ایک زراعت کرنے والا اپنی زراعت کے حساب اور اعمال کے انجام میں گرفتار ہے۔ مگر زراعت قرآن اس سے مستثنیٰ ہے۔ اب تم اس قرآن کے کاشت کار اور اسی کے متابعت کرنے والے بن جاؤ۔ اس سے اپنے پروردگار کے وجود پر دلیلیں قایم کرو۔ اپنے نفسوں کے لیے اس سے نصیحت حاصل کرو۔ اپنی رائے اور اپنے اجتہادات کو اس کے ساتھ قائم کرو۔ اس کے بارے میں اپنی ہوا و ہوس کو بالکل جنس ناقص خیال کرو۔

ایمان، عمل، صبر، زہد بندگانِ خدا! عمل کرو، عمل کرو۔ پھر اپنے انجام کو سوچو، اپنی عاقبت کا خیال کرو۔ راستی طلب کرو۔ ایھا الناس! صبر، صبر۔ زہد، زہد۔ خوب جان لو تمہارا ایک منتہی ہے۔

تم اس کی طرف منتہی ہو جاؤ۔ بالتحقیق پروردگارِ عالم نے کسی شخص کو اس قرآن کی مانند نصیحت نہیں کی۔ یہ خدا کی حبل المتین ہے۔ یہ نہایت با امن راستہ ہے۔ پژمردہ دلوں کی بہاریں اسی میں ہیں۔ یہ علم و معرفت کا سرچشمہ ہے۔ آئینۂ دل کی جلا اس کے کسی دوسری چیز سے ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ (اردو صفحہ ۲۰۱ ۔ عربی صفحہ ۳۴۷)

کتاب ناطق کی تشریح

قرآن (معروف کا) حکم کرنے والا ہے، منکرات سے منع کرنے والا ہے (بلحاظ زبان) خاموش ہے (برائے بیان حجت الٰہی) ناطق ہے۔ خلق اللہ کے لیے حجت ہے۔ ان سے اس کا اقرار و عہد لیا گیا ہے۔ لوگوں کے نفوس اس کے بدلے گروی رکھے ہوئے ہیں۔ اگر وہ اس عہد پر قایم نہ رہیں گے تو انھیں عذاب نصیب ہوگا۔ اس نے معارفِ قرآنی کو تمام کر دیا۔ اس دین کو جو اس (قرآن) سے منسوب ہے۔ گرامی قدر سمجھا اور ایسی حالت میں پیغمبر کی روح قبض فرمائی جب کہ ہدایت قرآنی کے احکام کو خلق اللہ تک پہنچانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ اب تم انہیں اوصاف بزرگی کے ساتھ خدا کو جن کے ساتھ خود اس نے اپنے نفس کو یاد کیا ہے۔ خدا کو مانو۔

دین میں راز نہیں اسلام ظاہر ہے

اس نے اپنے دین میں سے کوئی شے پوشیدہ نہیں رکھی۔ نہ کوئی شے ایسی چھوڑی ہے جس سے وہ راضی ہو یا اسے مکروہ سمجھے۔ مگر یہ کہ اس کے واسطے ایک ظاہر نشان مقرر کر دیا ہے اور ایک محکم نشانی مقرر فرما دی ہے۔ جو یا تو مکروہات سے باز رکھتی ہے یا اس کی مرضی کی طرف بندوں کو بلاتی ہے۔ پس اس کی رضا، اس کا غضب ہر زمانہ میں ایک ہی اصول پر رہے گا۔ (اردو صفحہ ۲۱۴ ۔ عربی صفحہ ۳۶۸)

فضائل و اوصاف بے شمار

پھر آپؐ پر ایک کتاب نازل کی جو ایک نور ہے۔ جس کے چراغ گل نہیں ہو سکتے۔ وہ ایک چراغ ہے جس کا بھڑکنا موقوف نہیں ہوتا۔ ایک سمندر ہے جس کی تہ نہیں ملتی۔ ایک رستہ ہے جس پر چلنے والا گمراہ نہیں ہوتا۔ ایک شعاع ہے جس کی روشنی تاریک نہیں ہوتی۔ ایک فرقان ہے جس کی دلیلوں کی چنگاریاں بجھائی نہیں جا سکتیں۔ وہ ایک ایسی بنیاد ہے جس کے ارکان منہدم نہیں ہو سکتے۔ ایک شفا ہے جس کو امراض کا خوف نہیں ہوتا۔ وہ ایک ایسا غلبہ ہے جس کے انصار مغلوب نہیں ہوتے۔ وہ ایک ایسا حق ہے جس کے مددگار کبھی معزول نہیں ہو سکتے۔ وہ معدن ایمان اور وسط ایمان ہے۔ اس میں علم کے چشمے ہیں، علم کے دریا ہیں۔ عدل و انصاف کے باغ ہیں۔ حوض ہیں۔ وہ اسلام کی بنیاد ہے۔ اس میں حق کی سیرگاہیں ہیں اور سبزہ زار ہیں۔ ایک ایسا بحر ہے کہ پانی نکالنے والے خالی نہیں کر سکتے۔ ایسے چشمے ہیں کہ کھینچنے والے اس میں سے ایک قطرہ کم نہیں کر سکتے۔ پنگھٹ ہیں کہ وارد ہونے والے جنہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ منزلیں ہیں جن کے رستے مسافروں کو گمراہ نہیں کرتے۔ خداوند عالم نے اسے علماؑ کے لیے تسلی قلب۔ فقہاؑ کے واسطے بہار۔ صلحاؑ کی خاطر نہایت عمدہ مقصد بنا دیا۔ وہ ایک ایسی دوا ہے جس کے بعد کوئی درد باقی نہیں رہتا۔ ایک ایسا نور ہے جس کے ساتھ ظلمت کا ذرہ بھر ملاپ نہیں ہے۔ پروردگار عالم نے اسے ایک ایسی زنجیر قرار دیا ہے جس کے حلقے نہایت مضبوط ہیں۔ ایک ایسی پناہ گاہ بنایا جس کی چوٹی بلند ہے۔ جو شخص اس کی طرف متوجہ ہو یا جو شخص اس میں داخل ہو، جو اس کی پیروی کرے۔ جو شخص اسے اپنے اوپر لازم کرے۔ جو شخص اس کے ساتھ کلام کرے۔ جو شخص اس کے ساتھ دعویٰ کرے۔ ان سب شخصوں

کے لیے عزت ہے۔ سلامتی دینے والا ہے۔ راہ نما ہے ——— برہان ہے۔ زبردست شاہد ہے۔ جو شخص اسے اٹھائے، اس کا اٹھانے والا ہے۔ جو شخص اس کی مدد سے مجادلہ جنگ کرے اس کے لیے فتح و فیروزی ہے۔ جو اس پر عمل کرے اس کے واسطے سہارا ہے۔ جو شخص فہم و فراست کے ساتھ نظر رکھے اس کی خاطر ایک نشانی ہے۔ جو پہن لے اس کے لیے ڈھال ہے۔ جو شخص اس کی بات کان میں رکھے اس کے واسطے علم ہے۔ روایت کرنے والے کے لیے حدیث ہے، اور حاکم کے لیے زبردست حکم ہے۔ (اردو صفحہ ۲۲۸ ۔ عربی صفحہ ۴۳۸)

جماعت کی تعریف، تفرقہ کی مذمت

اے ایمان والو! تم خدا، رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو، جو تم میں سے ہو۔ اگر کسی حکم میں تم تنازعہ کرو تو خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ اب یہ بھی سمجھ لو کہ رسول کی طرف رجوع کرنا یہی ہے کہ اس کی جمع کرنے والی، نہ کہ تفرقہ پیدا کرنے والی سنت کو اختیار کیا جائے۔ (اردو صفحہ ۳۵۱ ۔ عربی صفحہ ۹۶)

قرآن بس ہے

پیغمبر برحق نے تمہارے درمیان اس چیز کو چھوڑا جسے انبیأ سلف اپنی اُمتوں میں چھوڑتے چلے آئے ہیں کیونکہ کسی نبی نے اپنی اُمت کو حیران اور واضح و صاف راستہ بتانے والی نشانی کے بغیر نہیں چھوڑا۔ اب تمہارے درمیان جو چیز چھوڑی گئی ہے وہ خدا کی کتاب (قرآن) ہے جو حلال و حرام اور فرائض و فضائل کو بیان کرنے والی ہے اور ناسخ و منسوخ اور وہ احکام جن میں رخصت ہے اور جن میں پابندی ہے اور احکام خاص و عام ماضی کے عبرت انگیز واقعات و ہر قسم کی مثالیں اور وہ کلمات جو مقید ہیں اور جو مقید نہیں ہیں۔ وہ آیات محکمات جن کے معنی میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں اور وہ متشابہات جن کے معنی میں شبہ دامن گیر ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں کو خدا نے کتاب میں ظاہر کر دیا ہے۔ یہ کتاب اپنے مجمل کی تفسیر کرنے والی ہے۔ عوارض و مشکلات کی مظہر ہے۔ یہ کتاب ان آیات کو لیے ہوئے ہے جن کا جاننا خدا نے بندوں پر واجب کر دیا ہے۔ جن کے بارے میں وہ لاعلمی کا عذر نہیں کر سکتے۔ اس کتاب میں محض ایسی آیات و حروفِ مقطعات بھی ہیں جن کے نہ جاننے میں خدا نے بندوں کو وسعت دی ہے۔ (اردو صفحہ ۷ ۔ عربی صفحہ ۲۹)

قرآن کو مضبوطی سے پکڑو

قرآن کی حبل المتین سے تمسک کر۔ اس سے نصیحت حاصل کر۔ اس کے حلال کو حلال سمجھ اور حرام کو حرام۔ اور جو حق پر گزر گئے ان کی تصدیق کر۔ (اردو صفحہ ۳۷۱ ۔ عربی ۲ صفحہ ۱۳۴)

ایک ایک لفظ سند ہے

عہد نامہ جو اہل یمن اور بنی ربیعہ کے درمیان حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا اور ہشام ابن کلبی کے خط سے نقل کیا گیا۔

یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر اہلِ یمن اور بنی ربیعہ کے حاضرین جو شہر میں موجود ہیں اور غائبین جو صحرا میں مقیم ہیں۔ عہد اس بات پر ہے کہ یہ لوگ کتاب اللہ پر قایم رہیں گے۔ لوگوں کو اس کی طرف بلائیں گے۔ اسی کے ساتھ حکم کریں گے۔ جو شخص اس کی طرف بلائے گا اس کے ساتھ حکم دے گا۔ اس کی آواز کو قبول کریں گے۔ کسی قیمت پر اس کو فروخت نہ کریں گے (مال دنیا کے لالچ میں اس سے تجاوز نہ کریں گے) اس کی تبدیلی پر راضی نہ ہوں گے۔

یہ بھی عہد ہے کہ اس شخص کو دُور کرنے کے لیے جو کتاب اللہ کی مخالفت کرے گا یا اسے ترک کرے گا آپس کی متفقہ قوت سے کام لیں گے. وقت پر ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ ان کی دعوت متحد ہے۔ کسی عتاب کرنے والے کے عتاب اور غضب کرنے والے کے غضب، کسی جماعت کے دُوسری جماعت کے ذلیل کرنے، کسی گروہ کے دوسرے گروہ کو گالی دینے کے سبب اپنے اس عہد کو نہ توڑیں گے۔ ان دونوں گروہوں کے حاضر و غائب، عالم و جاہل اس عہد پر متفق ہو گئے ہیں اور اس عہد کے سبب خدا کا عہد و میثاق بھی ان پر واجب ہو گیا ہے۔ بیشک عہدِ خداوندی کے بارے میں ضرور باز پرس ہو گی۔ اس عہد نامہ کو علی ابن ابی طالب نے تحریر کیا۔ (اردو صفحہ ۳۷۶، عربی ۲ صفحہ ۱۴۰)

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے مردوں کو حاکم نہیں کیا بلکہ ہم نے قرآن کو حاکم مقرر کیا۔ اور یہ قرآن میان دفتین[1] ایک خط نوشتہ شدہ ہے یہ اپنی زبان (گوشت کی زبان) سے گویا نہیں ہوتا، اس لیے ترجمان اور مترجم کا ہونا ضروری ہے۔ اس کی طرف سے مرد ہی بولتے ہیں اور جب قوم نے ہم کو اس کی طرف بلایا کہ قرآن کو ہمارے درمیان قایم کر دے تو ہم وہ گروہ نہیں بنیں گے جو قرآن سے روگردانی کرتا ہو۔ خدا نے فرمایا ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ اگر تم کسی شے میں تنازعہ کرو تو اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو۔ (اردو صفحہ ۱۴۰۔ عربی صفحہ ۲۵۸)

اسلام

بے شک پروردگارِ عالم نے تمہیں اسلام کے لیے مخصوص کیا ہے اور اسی کے لیے تم سے خلوص کا طالب ہے۔ اسلام سلامتی اور نجات کا نام ہے۔ کرامتوں کا جمع کرنے والا۔ پروردگار نے اس کے طریقہ کو برگزیدہ کیا۔ علم ظاہری و احکام باطنی کے سبب اس کی دلیلوں اور برہانوں کو ظاہر کر دیا۔ اس کے آثار نہایت عمدہ ہیں جو فانی نہ ہوں گے۔ اس کے عجائبات کبھی منقضی نہ ہوں گے۔ اس اسلام پر نعمتوں کی بارش برستی رہی ہے۔ اس میں تاریکیوں کو دُور کرنے والے روشن چراغ ہیں۔ اسلام کی کنجیوں کے بغیر سعادت کا دروازہ و خزانہ کھل نہیں سکتا اور نہ اس کے چراغوں کے بغیر جہالت کی تاریکیوں کے پردے اُٹھ سکتے ہیں۔ پروردگارِ عالم اسے اس لیے عرصۂ شہود میں لایا ہے کہ منہیات و محارم سے پرہیز کیا جائے اور اس لیے مہیا کیا ہے کہ اس کے محل رعایت کی رعایت مدِ نظر رکھی جائے۔ اس میں طالبانِ شفا کے لیے شفا ہے اور خواستگارانِ کفایت کے لیے کفایت ہے۔ (اردو صفحہ ۱۷۰۔ عربی صفحہ ۲۹۵)

اسلام ظاہر ہے

اس نے اپنے دین میں سے کوئی شے تم پر پوشیدہ نہیں رکھی نہ کوئی شے ایسی چھوڑی ہے جس سے وہ راضی ہو یا اسے مکروہ سمجھے۔ مگر یہ کہ اس کے واسطے ایک ظاہر نشان مقرر کر دیا ہے اور ایک محکم نشانی مقرر کر دی ہے۔ یا تو مکروہات سے باز رکھتی ہے یا اس کی مرضی کی طرف بندوں کو بلاتی ہے۔ پس اس کی رضا اس کی مرضی۔

---

[1] دفتی: پٹھا، گتہ، وہ موٹا کاغذ جو کتاب کے دونوں طرف اس کی حفاظت کے لیے لگاتے ہیں۔

ایک اصول

اسلام ہر زمانہ میں ایک ہی اصول پر رہے گا۔ یاد رکھو! وہ چیزیں جو تم سے پہلے تھیں اور جنہیں خداوندِ عالم دشمن سمجھتا ہے۔ اگر تم کرو گے تو وہ تم سے کبھی راضی نہ ہوگا اور وہ امور جو تم سے پہلے جنہیں وہ درست رکھتا ہے اگر تم ان پر عمل کرو گے تو پھر کبھی غضب ناک نہ ہوگا۔ (اردو صفحہ ۲۱۴ - عربی صفحہ ۳۶۸)

خدا کا دین

یہ دین اسلام خدا کا دین ہے۔ اور ایسا دین ہے جسے خدا نے اپنے نفس کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ پھر اسلام کو ایسا بنایا کہ جس شخص نے اس سے تمسک کیا اس کے لیے ذلت و خواری نہیں۔ اسلام کیا ہے؟ ایسے ستون ہیں جن کی جڑوں کو اس خالق اکبر نے طریقۂ حق پر پیوست کر دیا ہے۔ ان کی بنیادیں ان کے واسطے قائم اور ثابت کر دی ہیں۔ ایسا چشمہ ہے جس سے ہزاروں چشمے نکل رہے ہیں۔ ایسا چراغ ہے جس کی لو برافروختہ ہے۔ ایسا منارہ ہے کہ جو اپنے مسافروں کے لیے مقتدا بنا ہوا ہے۔ ایسی نشانیاں ہیں کہ ان کے سبب ان کے وسعتوں کا قصد کیا جاتا ہے۔

ہمہ صفت دین

ایسی سیراب گاہ ہے جو تشنہ کاموں کو سیراب کر دیتی ہے۔ پروردگار نے اسلام کو اپنی خوشنودی کا منتہا اپنے ستون کی بلندی اور اپنی اطاعت کا رکن قرار دیا ہے۔ یہ دین اسلام خداوندعالم کے نزدیک مضبوط ارکان والا، بلند بنیاد والا، روشن دلیل، آتش شعلہ آور، صاحبِ قہر و غلبہ بادشاہ، بلند نشانی اور گرد و غبار سے پاک ہے۔ تم اس سے مشرف ہو جاؤ، سعادت حاصل کرو، اس کا اتباع کرو، اس کے حقوق کو بجا لاؤ، اور اسے اس کے مقام ہی میں رکھو۔ (اردو صفحہ ۲۲۷ - عربی صفحہ ۴۳۶)

اصحابِ رسولؐ

میں نے اصحابِ محمدؐ کو دیکھا ہے۔ تم میں کوئی بھی تو ان کا نظیر نہیں۔ وہ اس حالت میں صبح کرتے تھے اُلجھے ہوئے بال، غبار آلود چہرے۔ ان کی راتیں قیام و سجود میں گزرتی تھیں۔ کبھی ان کی پیشانیاں صرفِ سجود ہوتی تھیں کبھی رخسارے۔ وہ اپنی معاد (آخرت) کے ذکر سے ایسے ہو جاتے تھے جیسے بقیہ تنہٖ خرما۔ سجدوں کے طول سے ان کی آنکھوں کے درمیان (پیشانیوں پر) گٹھے پڑ پڑ کے ایسے ہو گئے تھے جیسے بکریوں کے زانو۔ جب خدا کا ذکر ہوتا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہوئی جیب و دامن تربتر کر دیتی تھیں۔ وہ خوفِ عقوبت اور اجر و ثواب سے ایسے لرزتے تھے جیسے سخت آندھی سے درخت جنبش کیا کرتے ہیں۔ (اردو صفحہ ۱۰۵ - عربی صفحہ ۲۰۶)

یادِ رفتگاں

اب تو میری دعا یہ ہے اور میں یہی چاہتا ہوں کہ پروردگارِ عالم میرے اور تمہارے درمیان تفرقہ اندازی کر دے۔ مجھے اُن لوگوں سے ملا دے (یعنی دوسرے عالم میں) جو تم سے زیادہ میرے لیے موافق و مناسب ہیں۔ اور وہ ایسے لوگ تھے قسم خدا کی اُن کی رائیں اور تدبیریں عمدہ و مبارک تھیں۔ وہ دانشمندانہ اور حکیمانہ بُردباری کے مالک تھے۔ وہ راست گفتار تھے۔ وہ بغاوت و جور و ستم کے ترک کرنے والے تھے گزر گئے حالانکہ ان کے پاؤں طریقۂ اسلام پر مستقیم تھے۔ وہ واضح راہ پر چلے اور ہمیشہ رہنے والی سرائے عقبیٰ میں فتح و فیروزی حاصل کی۔ نیک اور لائق کرامتوں سے فیضیاب ہو گئے۔

(اردو صفحہ ۱۳۳ - عربی صفحہ ۲۴۵)

اصحابِ رسولؐ کہاں ہیں وہ گروہ جنہیں اسلام کی طرف بلایا جاتا تھا اور وہ اسے قبول کر لیتے تھے۔ وہ قرآن کو پڑھتے تھے اور اپنے اعتقادات کو اس کے ساتھ مضبوط کرتے تھے۔ جہاد کے لیے برانگیختہ ہوتے تھے۔ ان کی آنکھیں روتے روتے تباہ ہوگئی تھیں۔ ان کے شکم روزہ رکھتے رکھتے لاغر ہو گئے تھے۔ دُعائیں کرتے کرتے ان کے ہونٹ سُوکھ گئے تھے۔ شب بیداریوں سے ان پر زردیاں چھا گئی تھیں۔ سجدوں کا غبار اُن کے چہروں پر موجود رہتا تھا۔ وہ لوگ میرے بھائی تھے جو چلے گئے۔ (اردو ص۱۳۵ - عربی ص۲۵۲)

علیؓ اور عثمانؓ آپ (حضرت علیؓ) خلیفۂ ثالث (حضرت عثمانؓ) کے پاس گئے اور فرمایا کہ لوگ میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں اور مجھے اپنے اور آپ کے درمیان سفیر بنا کر بھیجا ہے۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ آپ سے کیا کہوں۔ میں اس چیز کو نہیں جانتا جسے آپ نہ جانتے ہوں اور نہ کسی ایسی چیز میں راہنمائی کر سکتا ہوں جسے آپ نہ پہچانتے ہوں۔ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں۔ ہم نے آپ سے کسی چیز پر سبقت نہیں کی جس سے آپ کو مطلع کریں۔ ہم آپ سے کسی امر میں جُدا نہیں جسے آپ تک پہنچائیں۔ بے شک جو ہم نے دیکھا یا سنا ہے وہ آپ نے بھی دیکھا اور سنا ہے۔ جیسا میں نے رسولؐ کی متابعت کی ہے ویسی ہی آپ نے بھی کی ہے۔ ابن خطاب (عمرؓ) ابن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) عملِ حق میں آپ سے اولیٰ اور افضل ہیں۔ رسول اللہؐ سے ازروئے وصلت و خویشی بہ نسبت ان دونوں کے آپ قریب تر ہیں۔ آپ دامادیٔ پیغمبرؐ کے اس مرتبہ پر پہنچے ہوئے ہیں جس تک یہ دونوں نہیں پہنچے۔ اب آپ اپنے نفس کے بارے میں ڈریئے اور خوفِ خدا سے کام لیجئے۔ قسم خدا کی آپ ایسے نہیں ہیں کہ اندھے پن سے آپ کو بینا کیا جائے اور جہالت سے آپ کو دانا بنایا جائے۔ آپ امامِ مقتول نہ بنئے۔ (اردو ص۱۸۶ - عربی ص۳۲۲)

اگلی امتوں سے عبرت و نصیحت ؛ رازِ عمل وُہ عقوبتیں جو بدکرداری اور زشتیِ اعمال کے باعث تم سے پہلی امتوں پر نازل ہوئی ہیں۔ ان سے ڈرو۔ یاد کرو! خیر و شر میں ان کی کیا حالتیں تھیں؟ تم حذر کرو اس بات سے کہ ان جیسے ہو جاؤ۔ تم اس امر کو اپنی ذات سے لازم کر لو جس کے سبب سے دشمن ان سے دُور ہو گئے۔ عافیت ان کی طرف جاری ہوئی۔ نعمتیں ان کی مطیع و منقاد ہوئیں۔ تفرقہ سے بچنے، باہم الفت و محبت کو لازم کر لینے، اسی الفت کی ترغیب دینے اور اسی کی وصیت کرنے کے سبب سے کرامت اور بزرگی ان کی جماعت کی رسیوں سے پیوست ہو گئی۔

اس کام سے پرہیز کرو جس نے ان کی پشت کے مُہروں کو توڑ ڈالا۔ دلوں میں کینہ رکھنے، سینوں میں دشمنی اٹھائے رہنے، ایک دوسرے سے (پیٹھ) منہ پھیر لینے اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرنے کے سبب سے ان کی قوت ضعیف اور سُست ہو گئی۔ (اردو صفحہ ۲۷۸ - عربی صفحہ ۴۱۰)

خوبیاں اب تم دیکھو کہ اشراف و بزرگانِ قوم کیوں کر آپس میں جمع تھے۔ خواہشیں متفق، دل راستی کی طرف مائل، ہاتھ ایک دوسرے کے معاون اور تلواریں ایک دُوسرے کی مددگار تھیں۔ نگاہیں انجام کو دیکھ لیتی تھیں نیتیں

واحد تھیں۔ کیا وہ اطرافِ زمین میں پرورش کنندہ نہ تھے؟ اور کیا وہ اہلِ دنیا کی گردنوں پر حاکم و بادشاہ نہ تھے؟

خرابیاں تم ان امور کو دیکھو جو نتیجتاً واقع ہوئے ہیں جب کہ ان میں فرقہ پرستی ہوگئی۔ الفتیں پراگندہ ہوگئیں۔ دل اور زبانیں مختلف ہوگئیں۔ ایک دوسرے کے مخالف ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ جنگ کر کے منتشر ہو گئے۔ پروردگارِ عالم نے اپنی کرامت کا لباس ان پر سے اتار لیا۔ اپنی نعمت کی خوشنودی کو ان سے سلب کر لیا۔ اور ان کی خبروں کے قصے تم لوگوں میں عبرت کے لیے باقی چھوڑ دیے تاکہ تم میں عبرت حاصل کرنے والے لوگ عبرت حاصل کریں۔ (اردو صہ ۲۸۴ ۔ عربی صہ ۴۱۲)

اس نیک طریقہ کو نہ توڑ جس پر اس امت کے اگلے لوگوں نے عمل کیا ہے جس کے سبب سے الفت اور محبت جمع ہوئی اور جس کے سبب رعیت کی اصلاح ہوئی۔ (اردو صہ ۴۹ ۔ عربی ۲ صہ ۹۲)

حضرت علیؓ کا خط معاویہؓ کے نام بے شک مجھ سے اس قوم نے بیعت کی ہے جس نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ سے بیعت کی تھی اور اسی امر پر بیعت کی جس پر ان سے بیعت کی تھی۔ اب کسی شخص حاضر کو حق نہیں ہے کہ وہ رد کر دے اور نہ شخص غائب کو۔ فی الحقیقت شوریٰ مہاجرین اور انصار کا حق ہے۔ پس جس شخص کے حق میں انہوں نے اجتماع کیا اور اس کو نامزد کر دیا۔ تو ان کا یہ اجتماع خوشنودیٔ خدا ہے۔ (اردو صہ ۲۹۹ عربی ۲ صہ ۲)

حضرت عمرؓ کے حق میں دعائے خیر فلاں شخص کے شہروں کی آبادی خدا کے لیے ہو کہ جس نے ٹیڑھے کو سیدھا کیا اور علت کا علاج کیا، فتنے کو پیچھے کیا اور سنت کو قائم کیا، پاک دامن کیا۔ کم عیب نہایت عمدہ دین میں پہنچا۔ شر سے بالا رہا۔ خدا کے احکام کی پیروی کی کما حقہٗ تقویٰ کیا۔ رحلت کی تو آپ کے بعد لوگ شاخوں میں بٹ گئے۔ نہ بے خبر کو راستہ سوجھتا تھا نہ باخبر ہی مطمئن تھے۔ (اردو صہ ۲۵۶ ۔ عربی صہ ۲۸۵)

مشورہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ بوقت جنگِ فارس دین اسلام کا غالب آنا یا مغلوب ہو جانا کچھ سپاہ کی کثرت و قلت پر منحصر نہیں ہے۔ یہ اسلام اسی خدا کا دین ہے۔ جس نے اس کو تمام ادیان و مذاہب پر غالب کیا ہے اور سپاہ اسلام اس خدا کی فوج ہے جس کی اس نے ہر جگہ مدد و اعانت کی ہے اسے ایک بلند مرتبہ پر پہنچا دیا۔ ان کا آفتاب وہاں طالع ہو گیا جہاں اس کا ہونا لازم تھا۔ ہم اس وعدۂ خداوندی پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ بے شک وہ اپنے وعدوں کا وفا کرنے والا ہے اور وہ اپنی سپاہ کا مددگار ہے۔

مدارِ قوم دینِ اسلام کے امیر کی حیثیت رشتہ مروارید کی سی ہے جو موتیوں کے دانوں کو ایک سلسلہ میں پرو کر باہم پیوست کر دیتا ہے۔ اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو تمام دانے بکھر جائیں گے۔ پھر کبھی اجتماعِ کامل نصیب نہ ہو گا۔ آج کے دن عرب قلیل ہیں۔ لیکن اسلام کی شوکت انہیں کثیر ظاہر کر رہی ہے۔ یہ اپنے اجتماع کی وجہ سے یقیناً دشمن پر غالب ہوں گے۔ آج آپ عمرؓ، ان کے قطبِ آسیا (مدار)[1] بن جائیے اور آسیائے جنگ کو گروہِ عرب کے ساتھ گردش دیجئے اور اپنے سوا کسی اور کے ماتحت بنا کر لڑائی کی آنچ سے انہیں گرم کیجئے کیونکہ اگر آپ مدینے سے باہر چلے گئے تو

---

[1] دھری، لوہے کی وہ کیلی جس پر چکی چلتی ہے۔

رب کے قبیلے اطراف واکناف سے ٹوٹ پڑیں گے۔ (اردو صفحہ ۱۵۸ - عربی صفحہ ۲۰۳)

حضرت عمرؓ کے ساتھ خیر خواہی اور مشورہ بوقت جنگِ روم

اگر آپ خود دشمن کی طرف کوچ کریں، اور خدانخواستہ مغلوب و مخذول (شکست خوردہ) جائیں تو یہ سمجھ لیجیے کہ پھر مسلمان کو ان کے اقصائے بلاد تک پناہ نہ ملے گی اور آپ کے بعد کوئی ایسا مرجع نہ ہوگا جس کی طرف وہ رجوع کریں۔ لہٰذا دشمنوں کی طرف اس شخص کو بھیجیے جو آزمودہ کار ہو۔ اور اس کے ماتحت ایسے لوگوں کو روانہ کریں جو جنگ میں سختی کے متحمل ہوں۔ اپنے سردار کی نصیحت قبول کریں۔ اگر خدا نے غلبہ نصیب کیا تب تو وہی چیز ہے جسے آپ پسند فرماتے ہیں اور اس کے خلاف ظہور میں آیا تو اس حالت میں بھی آپ لوگوں کے ملجا اور مسلمانوں کے مرجع ہوں گے۔ (اردو صفحہ ۱۵۰ - عربی صفحہ ۲۶۷)

امام کی نیت

ہر ایک ذلیل میرے نزدیک عزیز ہے یہاں تک کہ میں اس کے غیر سے اس کا حق لے لوں۔ اور ہر ایک قوی میرے نزدیک ضعیف ہے۔ حتیٰ کہ مستحق کا حق اسے دلایا جائے۔ ہم رضائے الٰہی کے پابند ہو کر اس کی قضا پر راضی ہیں اور ہم نے اس کے حکم کو تسلیم کیا ہے۔ اس حکم کو اسی سے مختص سمجھتے ہیں۔ قسم خدا کی میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے رسولؐ کی تصدیق کی ہے اور اب میں کیوں کر اس کا اوّل تکذیب کرنے والا ہو سکتا ہوں۔ جب میں نے اپنے امور پر نظر کی تو ناگاہ میں نے دیکھا کہ میرا خدا کے لیے اطاعت کرنا اپنے لیے بیعت لینے سے مقدم ہے۔ (اردو صفحہ ۴۵ - عربی صفحہ ۹۵)

تسلیم خلافتِ عثمانؓ

جب لوگوں نے عثمانؓ سے بیعت کی اس وقت حضرت نے فرمایا تم خوب جانتے ہو کہ میں اپنے غیر سے زیادہ حکومت و بیعت کے لیے قابل اور مستحق ہوں۔ اور خدا کی قسم میں تسلیم کرتا ہوں جب تک امور مسلمین سلامت رہیں اور اس کے امام خلافت میں کھلم کھلا ظلم و جور نہ ہو۔ گو خاص مجھ پر ظلم و ستم ہوتے رہیں[1] (اردو صفحہ ۹۶ - عربی صفحہ ۱۲۵)

امام کے دل میں اجماع کا احترام

قتلِ عثمانؓ کے بعد لوگوں نے حضرت سے بیعت کا ارادہ کیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو اور میرے غیر سے التماس کرو۔ ہم ایک ایسے امر کی طرف رُخ کر رہے ہیں۔ جس کی مختلف صورتیں ہیں جس کے مختلف رنگ ہیں دل اس کے لیے ابھی قائم نہیں ہوئے۔ اور عقلیں اور رائیں اس پر ثابت و قائم نہیں ہوتیں۔ ابرِ جہالت آفاق پر چھایا ہوا ہے۔ شاہراہیں متروک اور ناپید ہو گئی ہیں اور خوب جان لو کہ اگر میں تمہاری التماس کو قبول کروں اور تم سے بیعت لے لوں تو تمہیں احکامِ خداوندی کا متحمل بناؤں گا نہ لومۃ لائم اور نہ کسی اطاعت کرنے والے کی اطاعت کا مجھے خوف ہوگا اور تم مجھے ترک کر دو گے تو اس وقت میں تمہیں میں سے ایک فرد ہوں۔

---

[1] اس فقرے سے ظلم و ستم کا وقوع ثابت نہیں بلکہ یہ وثوق و تائید ظاہر ہے کہ اگر بالفرض میری ذات کی حق تلفی بھی ہو تو میں خلافتِ عثمانؓ کو اس وجہ سے تسلیم کرتا ہوں کہ اس میں عامۃ المسلمین کی سلامتی اور بھلائی کی توقع ہے۔ چنانچہ اگلی سطور میں ہماری اس تعبیر کی تائید پائی جاتی ہے۔

اور اُمید ہے کہ تم سے زیادہ سننے والا اور مطیع بن جاؤں۔ اس شخص کے لیے جسے تم اپنے امر کا والی قرار دو۔ اور میں تمہارے لیے بحیثیت ایک وزیر کے اس سے بہتر ہوں کہ تمہارا امیر بنوں۔ (اردو ص۹۱۔ عربی ص۱۹۶)

احترامِ کثرتِ رائے مجھے اپنی جان کی قسم اگر اس وقت امامت و خلافت منعقد نہ ہو جب تک عامۃ الناس (تمام لوگ) اس پر حاضر و متفق نہ ہو جائیں۔ تو پھر تحققِ امامت (انتخاب خلیفہ) کی کوئی سبیل ہی نہیں ہو سکتی۔ کسی طرح امامت (خلافت) متحقق (طے) ہو ہی نہیں سکتی۔

لیکن انعقاد و امامت (انتخاب خلیفہ و امیر و امام) کرنے والے اس پر بھی حکم لگا دیتے (فیصلہ کر دیتے) ہیں۔ جو (وقت پر) حاضر نہ ہو۔ اب نہ تو اس شخص کے لیے اپنے قول سے پلٹنے کے لیے موقع ہے جو حاضر تھا اور نہ شخص غائب اپنا مختار ہے۔ جو اپنے لیے دُوسرا راستہ اختیار کرے۔ (اردو ص۱۹۷۔ عربی ص۳۴۲)

اختلاف کی جڑ ہماری اس ملاقات کی ابتدا جو اہلِ شام کے ساتھ واقع ہوئی۔ کیا تھی؟ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا اور اُن کا خدا ایک، رسولؐ ایک، دعوتِ اسلام ایک۔ ہم خدا پر ایمان لانے، اس کے رسولؐ کی تصدیق کرنے میں کسی فضیلت کے خواہاں نہیں ہیں۔ نہ وُہ ہم پر فضل و زیادتی کے طلبگار ہیں۔ ہماری حالتیں بالکل یکساں ہیں مگر وہ ابتدا اس طرح ہوئی کہ خونِ عثمانؓ میں اختلاف ہو گیا۔ (اردو ص۳۶۳۔ عربی ۲ ص۱۱۹)

قسم خدا کی نہ مجھے خلافت کی رغبت تھی نہ اس ولایت کی۔ لیکن تم لوگوں نے مجھے اس کی طرف دعوت دی اور مجھے اس پر سوار کر دیا۔ (اردو ص۳۳۔ عربی ص۴۴۵)

شیرِ خدا کی شان قسم خدا کی اگر تمام عرب بھی مجھ سے لڑنے پر آمادہ ہو جائے تو میں کبھی پشت نہ دکھاؤں گا۔ (اردو ص۲۳۹۔ عربی ص۸۰)

آپ کے ساتھی اب میں نے دیکھا اور چاروں طرف نظر کی تو سوائے اہل بیت کے کسی کو اپنا معین و مددگار نہ پایا۔ پس میں نے ان کی موت سے بخل کیا اور ان کے قتل ہو جانے پر راضی نہ ہوا۔ (اردو ص۳۲۔ عربی ص۲۷)

نامراد و خود غرض ساتھی اے مرد صورتو! حالاں کہ تم میں مرد کوئی نہیں ہے۔ اے خوابہائے اطفال! اے عقولِ زنانِ حجلہ نشیں! تم نے بے سمجھے میری بیعت نہیں کی۔ میرا تمہارا معاملہ واحد نہیں ہے کیونکہ میں تو محض خدا کے لیے تمہاری اعانت کا ارادہ کرتا ہوں اور تم اپنے نفسوں کے منافع کے واسطے میری مدد کا ارادہ کرتے ہو۔ (اردو ص۱۵۔ عربی ص۲۷۳)

متفرق ساتھی خوب جان لو کہ تم ہجرت کے بعد بیابانِ جہالت کے ساکن ہو گئے اور دوست ہونے کے بعد گروہ گروہ اور فرقہ فرقہ ہو گئے۔ تم فقط اسلام کے نام سے تعلق رکھتے ہو، ایمان سے تمہیں کوئی واسطہ نہیں۔ تم کہتے ہو کہ عار کے مقابلہ میں نار قبول ہے۔ اور بے شک اگر تم غیر اسلام کی طرف پناہ لے جاؤ

اور کفار تم سے جنگ کریں، تو پھر نہ جبرائیل و میکائیل تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ مہاجرین و انصار سوائے اس کے کہ تم اپنی شمشیروں کو کوفتہ کر لو، حتّٰی کہ پروردگارِ عالم تمہارے درمیان حکم صادر کرے۔ (اردو ص ۸۹ - عربی ص ۲۱۴)

نافرمان ساتھی اے حاضرین! جن کے بدن ان سے غائب ہیں، جن کی عقلیں مختلف ہیں، جن کی خواہشوں نے ان کے بزرگوں کو فتنہ و فساد میں مبتلا کر دیا ہے۔ تمہارا صاحب، تمہارا امیر اطاعتِ خداوندی کی طرف بلاتا ہے اور تم نافرمانی اور عصیان سے کام لیتے ہو۔ (اردو صفحہ ۱۰۴ - عربی صفحہ ۲۰۵)

ایکؔ اور دسؔ قسم خدا کی میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ معاویہ مجھ سے اس طریقے سے تمہارا معاوضہ کرے کہ دینار کے عوض درہم مجھے میسر ہو اور دس مرد تم میں سے لے لے اور ایک شامی مرد میرے حوالے کر دے۔ (اردو ص ۱۰۱ - عربی ص ۲۰۵)

صُمٌّ بُکمٌ عُمیٌ ساتھی اے اہلِ کوفہ! میں تو تمہاری تین خصلتوں کے سبب سے مصیبت میں مبتلا ہوں۔ تم صاحبِ گوش ہو۔ مگر امرِ حق کے سننے سے تمہارے کان بہرے ہیں۔ سچی بات میں تمہاری زبان گنگ ہے حالانکہ تم زبان رکھتے ہو۔ تم آنکھوں والے ہو مگر اندھے بنے ہو۔ نہ تم دوستوں کی ملاقات کے وقت مردانِ راست گو اور آزاد ہو اور نہ بلاؤں کے وقت موثق اور معتمد بھائی۔ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں (تم ہمیشہ فقیر رہو) تمہاری مثال ان اونٹوں کی سی ہے جن کے ساربان ان سے غائب اور دُور ہوں۔ ایک طرف سے جمع ہوتے ہیں تو دُوسری طرف سے متفرق ہو جاتے ہیں۔ خدا کی قسم تمہیں عالمِ خیال میں دیکھ رہا ہوں۔ اگر حرب و ضرب کی سختی ہو اور تلوار کی لڑائی گرم ہو جائے تو مقابلہ سے ہٹ جانے والی عورت کی طرح ابن ابی طالب سے علٰحدہ ہو کر پیٹھ دکھا کر بھاگنے والے ہو جاؤ گے۔ (اردو ص ۱۰۱ - عربی ص ۲۰۵)

مایوسیِ امام افسوس جو کچھ تم نے یاد کیا تھا بالکل بُھلا دیا۔ جس سے تم کو ڈرایا گیا تھا تم اسی سے اپنے آپ کو امن میں سمجھنے لگے۔ اب تمہاری تدبیر تم سے سرگرداں ہو گئی اور تمہارے امور منتشر اور پراگندہ ہو گئے۔ اب تو میری دعا ہے اور میں اسی بات کو پسند کرتا ہوں کہ پروردگارِ عالم میرے اور تمہارے درمیان تفرقہ اندازی کر دے۔ (اردو ص ۱۳۳ - عربی ص ۲۴۵)

جہاد سے جان چرانے والے جب حضرت نے لوگوں کو بُلا کر جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دلائی۔ تو لوگ یہ سن کر تھوڑی دیر کے لیے بالکل خاموش ہو گئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ "کیا چیز ہے جس نے تمہیں گونگا بنا دیا؟ تمہاری زبانیں لال ہو گئیں" یہ سُن کر ایک جماعت نے کہا: "یا امیر المومنین! اگر آپ جہاد کے لیے روانہ ہوں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہوں گے" حضرت نے فرمایا کہ "کیا ہو گیا تم تو سعادت و رشادت کے لیے بالکل سچائی کی حد سے گزر گئے تم تو کسی مقصد میں بھی راہ یافتہ نہیں ہو۔ کیا یہ بات مناسب حال ہے کہ اس سفر میں مَیں باہر نکلوں؛ نہیں نہیں اس سفر میں وُہ جائے گا جسے میں پسند کروں۔ خدا کی قسم میرے سفر کرنے کی رائے نہایت

بُری ہے۔ میں تم میں سے کسی کو مصاحبت کے لیے طلب نہ کرتا جب تک بھی بادِ شمال و جنوب کا اختلاف باقی ہے کیونکہ تم لوگ ناحق کرنے والے ہو۔ عیب لگانے والے ہو۔ حق سے منہ پھیرنے والے ہو۔ نہایت ہی ڈرپوک اور بزدل ہو۔ (اردو ص۱۴۲۔ عربی ص۲۵۱)

لفظ ائمہ ضلالت مجلسِ شوریٰ میں آپ نے فرمایا: "کہیں ایسا نہ ہو کہ آج کے دن تم اس امر خلافت کو ایسی حالت میں دیکھو کہ اس میں تلواریں کھنچ جائیں۔ عہد شکنی ظہور میں آئے۔ حتیٰ کہ تم میں سے بعض لوگ اہلِ ضلالت و گمراہی کے امام کہلائیں۔ اہلِ جہالت و نادانی کے پیرو ہو جائیں۔ (اردو ص۱۵۳۔ عربی ص۲۰۶)

امام کے ساتھیوں کی تصویر اے میرے حکم کی اطاعت نہ کرنے والو! اور میری دعوت کو قبول نہ کرنے والے گروہ! اگر تمہیں تمہارا دشمن سے مہلت دی جاتی ہے تو تم لہو و لعب، ہوا و ہوس میں مشغول ہو جاتے ہو۔ اور تمہیں ساتھ لے کر دشمن سے جنگ کی جاتی ہے تو مقابلے میں ضعیف اور سست ہو جاتے ہو۔ اگر لوگ اپنے امام کے پاس جمع ہوں تو تم میں تفرقہ پڑ جاتا ہے اگر مشقت و محنت کی طرف بلانے والی آواز کو قبول کرتے ہو تو پھر بہت ہی جلد رجعتِ قہقری (پھر جانا) کر جاتے ہو (بددعا) تمہارے دشمن کے لیے کوئی تمہارا مربی باقی نہ رہے۔ وہ جہاد جو تمہارے ذمہ واجب ہے اس میں نصرت حاصل کرنے کے لیے جس چیز کا تم انتظار کر رہے ہو وہ تمہاری موت و ذلت ہو (یعنی تمہاری ان حرکتوں کا انجام موت اور خواری ہے)

فریقین میں تفاوت قسم خدا کی اگر میرا روزِ موعود (موت) آ جائے اور وہ بے شک ضرور آ جائے گا۔ تو وہ ایسی حالت میں میرے اور تمہارے درمیان تفرقہ اندازی کرے گا کہ میں تمہاری مصاحبت کے لیے دشمن ہوں گا اور تمہارے سبب سے کسی قسم کی قوت و شوکت مجھے حاصل نہ ہو گی۔

خدا کے بندو! کیا (تمہارے) دین میں اتنی بندش کی قوت نہیں ہے جو تمہیں ایک جگہ جمع کر دے۔ کیا تمہیں اپنے امثال و اقران کو دیکھ کر بھی حمیت و غیرت نہیں آتی جو تمہیں تیز و طرار کر سکے۔ کیا یہ مقامِ تعجب نہیں کہ معاویہ نہایت سفید ستم گاروں کو بلاتا ہے اور وہ بغیر کسی قسم کے احسان و انعام و بخشش کے اس کی متابعت کرتے ہیں اور تمہیں احسان و انعام کے ٹکڑوں کی طرف بلا رہا ہوں حالانکہ تم اہلِ اسلام کے خلف ہو۔ معقول انسانوں کی اولاد ہو۔ مگر پھر بھی مجھ سے متفرق ہوتے ہو اور برابر مجھ سے اختلاف کیے جاتے ہو۔ میرا کوئی حکم تمہارے لیے ایسا صادر نہیں ہوتا جو موجبِ خوشنودی ہو۔ اور تم اس پر رضا مند ہو جاؤ۔ (اردو ص۲۰۵۔ عربی ص۳۵۷)

امام کے ساتھیوں کا نقشہ قسم اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ قوم تم پر غلبہ حاصل کرے گی۔ اس لحاظ سے نہیں کہ وہ اولیٰ بالحق اور حق دار ہے بلکہ اس سبب سے کہ وہ قوم اپنے امیر کی نہایت سرعت کے ساتھ اطاعت کرتی ہے اور تم میری دعوتِ حق کو بھی آہستگی کے ساتھ قبول کرتے ہو۔

میں نے تم کو جہاد کے لیے کُوچ کرنے کا حکم دیا، تم نے کُوچ نہ کیا۔ میں نے امرِ حق کو تمہارے کانوں تک پہنچایا تم نے سُنی ان سُنی کر دی۔ میں نے تمہیں آشکارا اور پنہاں طریقوں سے بلایا تم نے جواب بھی نہ دیا۔ میں نے تمہیں نصیحتیں کیں، مگر تم نے قبول ہی نہ کیں۔ تم میرے پاس مثلِ غائب کے حاضر ہو (تمہاری حاضری و غیر حاضری دونوں برابر ہیں)۔ تم مثلِ آقا کے بندے ہو (ہو تو بندے مگر مزاج آقا جیسا رکھتے ہو۔ مجھ سے بیعت کر رکھی ہے پھر بھی مجھ ہی پر حکومت کرنا چاہتے ہو) میں کلمات اور نصائح کو تم پر تلاوت کرتا ہُوں تم اس سے بھاگتے ہو۔ میں تمہیں اہلِ بغاوت و ضلال کے ساتھ جہاد کی ترغیب و تحریص دیتا ہوں۔ مگر ابھی میرا قول تمام نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ میں تمہیں اولادِ سبا (اس کی اولاد دس فرقوں میں متفرق ہوگئی تھی) کی مانند متفرق و پراگندہ دیکھتا ہوں۔ تم اپنی مجلسوں کی طرف رجوع کرتے اور ایک دُوسرے کو اپنی نصیحت سے فریب دیتے ہو۔ میں تمہیں صبح کے وقت سیدھا کرتا ہُوں اور شام کے وقت پھر ٹیڑھی کمان کی پشت کی مانند ہو کر میرے پاس آتے ہو۔ (اردو ص۱۰۴ ۔ عربی ص۲۰۵)

حسب و نسب پر فخر بے جا ہے آگاہ ہو جاؤ! ڈرو! اور اپنے بزرگوں اور بڑوں کی اطاعت و حکم برداری سے ڈرو! جو اپنے حسب پر تکبر کرتے ہیں اور اپنی نسبی فوقیت پر برتری کے خواہاں ہیں، جو اپنے پروردگار کے کام پر قباحت اور زشتی کو ڈال رہے ہیں، اس کے احکام کو رد کرتے ہیں، اس کے احسانات کی ناشکری کرتے ہیں، اس شے کا انکار کر رہے ہیں جو پروردگارِ عالم نے انھیں عطا کی ہے۔ بے شک یہ لوگ تعصب کی بنیادوں کے قاعدے ہیں۔ ارکانِ فتنہ و فساد کے ستون ہیں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح باپ اور دادا پر فخر کرنے والی تلواریں ہیں۔ (اردو ص۲۸۲ ۔ عربی ص۴۰۱)

حسب و نسب کام نہ آئے گا، عمل کام آئیں گے اپنے حسبی و نسبی فخر و مباحات کو چھوڑ! اپنے کبر و بزرگی کو الگ الگ ڈال! اپنی قبر کو یاد کر! یہی تیری گزرگاہ ہے۔ اور یاد رکھ جو کچھ بوئے گا وہی کاٹے گا۔ اور آج کے روز جو کچھ تُو نے ذخیرہ آگے روانہ کر دیا بروزِ قیامت اسی پر وارد ہوگا۔ (اردو ص۱۶۸ ۔ عربی ص۲۹۲)

فرقہ بندی کی مذمت مسلمانوں کا خدا ایک، نبی ایک، کتاب ایک۔ کیا خداوندِ عالم نے انھیں اختلاف کا حکم دیا ہے؟ (اردو ص۲۵ ۔ عربی ص۶۲)

محب مفرط، مبغض مفرط تحقیق میری شان پر نظر کر کے دو گروہ ہلاک ہوں گے:
ایک تو محبِ مفرط، جس کو بے اندازہ اور بیجا محبت اسے غیرِ حق کی طرف لے جاتی ہے۔
دوم مبغضِ مفرط، جس کا میرے ساتھ بڑھا ہُوا بغض اسے حق پر قائم نہیں رہنے دیتا۔ میرے بارے میں بہترین لوگ وُہ ہیں جو درمیانی راستہ اختیار کر رہے ہیں اور تم بھی اپنے لیے اسی طریقہ کو لازم کر لو۔ اور اس جماعت (سوادِ اعظم) کے ساتھ ہو جاؤ کیونکہ اِس گروہ پر خُدا کا ہاتھ ہے لہٰذا اس جماعت کی مفارقت سے حذر کرو۔ اس گروہ سے الگ ہو جانا

جو شیطان کا غلام بنا دیتا ہے، جیسا کہ بھیڑ بکری گلہ سے جُدا ہو کر بھیڑیے کا شکار ہو جاتی ہے۔

فرقہ پرستی گردن زدنی ہے

آگاہ رہو جو شخص لوگوں کو اس (تفریق کی) خصلت کی طرف بلائے اس کو قتل کر ڈالو۔ اگرچہ میرے اس عمامہ کے نیچے ہی کیوں نہ چھپا ہو۔ اور حکم تو اسی لیے مقرر کیے گئے تھے کہ اس شے کو زندہ کریں جسے قرآن نے زندہ کیا ہے۔ اور اسے مار ڈالیں جس کی موت کا حکم قرآن نے دیا ہے۔ زندہ کرنا یہی تھا کہ قرآن پر متفق ہو جانے اس سے علیحدہ ہو جانا اور افتراق کر لینا ہی موت ہے۔ (اردو ص۱۴۲ - عربی ص۲۶۱)

اسلام میں فرقہ بندی نہیں

خبردار! تم خود کو دین میں فرقہ بندی سے دُور رکھو کیونکہ برسرِ حق جماعت جسے تم مکروہ سمجھ رہے ہو بہتر ہے باطل فرقہ بندی سے، جسے تم پسند کرتے ہو۔ بے شک پروردگارِ عالم نے اگلوں اور پچھلوں میں سے کسی (فرقہ پرست) کو بہتری نہیں بخشی۔ (اردو ص۲۰۳ - عربی ص۳۵۱)

ارشادات

وصیت کرتا ہوں کہ کسی شے کو اس پروردگار یکتا کا شریک نہ بنانا، محمدؐ کی سنّت کو ضائع نہ کرنا۔ ان دونوں عمودوں کو قایم رکھنا، ان دونوں چراغوں کو روشن کیے رہنا۔ مذمت اور عیب سے تم دور رہو گے جب تک ان دونوں چراغوں سے دُور نہ بھاگو۔ (اردو ص۱۶۱ - عربی ص۲۸۶)

اگلوں کو گالیاں دینے والے اپنا عیب تو دیکھ

اے بندۂ خدا! کسی گناہ کے سبب کسی کی عیب جوئی نہ کر۔ شاید وہ بخش دیا گیا ہو۔ تو اپنے نفس سے صغیرہ (گناہ) پر بھی بے خوف نہ رہ۔ کیا عجب اسی سبب سے عذاب دیا جاوے۔ بہتر یہی ہے کہ تم میں سے جو شخص کسی کے عیب پر مطلع ہو تو اپنے عیبوں پر نظر کر کے اس کی عیب جوئی سے باز رہے۔

لاکھ کی ایک بات

خبردار ہو جاؤ کہ حق و باطل کے درمیان چار انگل کا فرق ہے۔ حضرت سے اس کلام کے معنی پُوچھے گئے تو آپ نے اپنی چار انگلیوں کو آنکھوں اور کانوں کے درمیان رکھا اور فرمایا: باطل تو یہ ہے کہ تو کہے کہ میں نے ایسا سُنا، اور حق یہ ہے کہ تیرا قول ہو کہ میں نے یہ امر بچشم خود دیکھا ہے۔ (اردو ص۱۵۴ - عربی ص۲۷۰) "شنیدہ کے بود مانند دیدہ"

توحید و اخلاص اور احترام مسلمان

ہر مسلمان کی عزت و حرمت کو تمام احترامات پر فضیلت دی ہے۔ توحید و اخلاص کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق کو وابستہ کر دیا ہے۔ اب مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو اذیت پہنچانے کو جائز نہیں کیا، مگر جسے خدا نے واجب کیا۔ (اردو ص۱۹۳ - عربی ص۳۳۴)

دوسروں کو چھوڑ، پہلے اپنا عیب دیکھ

خوشا حال اس شخص کا جسے اپنے عیب دوسرے لوگوں کے عیب کی طرف نظر کرنے سے منع کر دے۔ اور خوشخبری ہے اس شخص کیلیے جو اپنی خطاؤں پر گریاں ہو اور لوگ اس کی ذات سے راحت و آرام میں رہیں۔ (اردو ص۲۰۴ - عربی ص۳۵۲)

اسلامی شرافت اور گالیاں؟ ایک گروہ اہلِ شام کو سب وشتم (گالی گلوچ) کرتا تھا۔ آپ نے یہ خبر سنی تو فرمایا: میں تمہارے لیے اس امر کو برا سمجھتا ہوں کہ تم دشنام دینے والے بن جاؤ۔ (اردو صـ۲۳۳ ۔ عربی صـ۲۴۶)

ترکِ دنیا کی مذمّت

آپ سے حضرت..... نے اپنے بھائی عاصم کی شکایت کی کہ اس نے دنیا ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کی ہے۔ آپ نے فرمایا: ہمارے پاس لاؤ۔ جس وقت عاصم حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

اے اپنی جان کے دشمن! تجھے خبیث شیطان نے حیران کر رکھا ہے، تُو اپنے اہل وعیال و اولاد پر رحم نہیں کرتا۔ کیا تُو دیکھتا ہے کہ خدا نے طیباتِ دنیا کو حلال کیا ہے؟ اور اس بات کو بھی سمجھتا ہے کہ تُو ان سے کچھ نہ حاصل کرے۔ تو اس ترکِ دنیا کے باعث پروردگار کے پاس نہایت ذلیل ہے۔ (اردو صـ۲۳۵ ۔ عربی صـ۲۴۸)

نماز کی کسوٹی اعمال ہیں وقت معین پر نماز پڑھ اور جلدی سے فارغ ہونے کے لیے وقت سے پہلے نماز نہ پڑھ۔ نہ کسی امرِ غیر میں مشغول ہونے کے سبب سے نماز میں تاخیر کر۔ اور خوب جان لے کہ تیرے اعمال تیری نماز کے تابع ہیں۔ (اردو صـ۳۱۳ ۔ عربی ۲ صـ۳)

زندگی برائے بندگی اب تم سمجھ لو کہ ہم اور تم دونوں بندے ہیں۔ دونوں اس پروردگار کے غلام ہیں جس کے سوا کوئی پروردگار نہیں ہے۔ (اردو صـ۲۴۳ ۔ عربی صـ۲۶۳)

احادیث کی نسبت رائے ایک سائل نے سوال کیا کہ یا حضرت! یہ جھوٹی اور مختلف حدیثیں جو لوگوں میں مشہور ہیں ان کی نسبت کچھ ارشاد فرمائیے۔ فرمایا کہ لوگوں کے ہاتھوں میں حق ہے، باطل ہے، صدق ہے، کذب ہے اور موہوم ہے۔

جھوٹی حدیثیں بالتحقیق جب آپؐ کے زمانے میں بھی آپؐ پر جھوٹ بولا گیا آپؐ نے اسی وقت خطبہ دیا کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے گا تو لازماً اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے گا۔

اقسامِ محدثین اب یہ جان لے کہ حدیث کو تجھ تک پہنچانے والے چار قسم کے لوگ ہیں:

اوّل منافق جو ظاہراً ایمان کو ظاہر کرتا ہے بطور نمائش اسلام کے ساتھ آراستہ ہے۔ گناہ سے پرہیز نہیں کرتا، گناہ میں کسی قسم کا ہرج دیکھتا ہے۔ دانستہ رسولِ خدا پر جھوٹ بولتا ہے۔ اب اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ منافق ہے کاذب ہے تو اس کی بات کو قبول نہ کریں۔

دوم وہ ہے جس نے رسولؐ سے کسی بات کو سنا مگر اسے اسی طرح یاد نہ رکھا جیسا کہ رسولِ خدا نے فرمایا تھا۔ اب اس نے اس حدیث کے بیان کرنے میں غلطی کی، مگر دانستہ جھوٹ بولا۔ سنانے اور سننے والوں کو غلطی کا علم ہو جائے

تو اُس حدیث کو ترک کر دیں۔

سوم وہ شخص ہے کہ جس نے رسولِ خدا سے کسی حکم کو سنا مگر پھر اس نے مانعتِ حکم نہیں سنا یا ممانعت سنی مگر اس کا حکم نہ سُن سکا۔ جب اس ناسخ و منسوخ کا علم ہو جائے تو ویسا عمل کریں۔

چہارم وہ شخص ہے جس نے کبھی رسولؐ خدا پر جھوٹ نہیں بولا۔ جیسا سُنا تھا ویسا ہی یاد رکھا۔ ہر بات کو اس کے مقام میں رکھا۔ اس کی روایت مانی جائے۔

یہ ہیں وہ وجوہات جن کے سبب لوگ اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ ہیں ان کی روایتوں کے مختلف ہو جانے کے اسباب۔ (اردو ص ۲۳۶۔ عربی ص ۴۹)

وقتی احکام

جناب رسولِ خدا کی ایک حدیث ہے کہ:

"بڑھاپے کی علامت (ریش سفید) کو متغیر کر دو۔ (یعنی خضاب لگاؤ) اور یہود کے مشابہ نہ ہو جاؤ۔"

اس حدیث کے معنی جناب امیر علیہ السلام سے دریافت کیے گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ رسولِ خدا نے یہ فرمان اس وقت نافذ فرمایا تھا جب کہ اہلِ اسلام نہایت قلیل تھے اور اب تو اسلام کا کمر بند (پٹکا) وسیع ہے۔ اس نے اپنے سینے کو زمین پر ٹیک دیا ہے۔ بالکل ثابت اور قایم ہے۔ اب ہر شخص کو اختیار ہے اور ہر ایک اپنے ارادے کا مالک ہے۔ (اردو ص ۳۷۹۔ عربی ۲ ص ۱۴۶)

صبر کی تلقین، ماتم کی ممانعت

جب آپ (علیؑ) رسولِ خدا کو غسل دے کر کفن پہنانے لگے تو فرمایا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، بے شک آپ کی وفات سے نبوت، وحی، آسمان کی خبریں منقطع ہو گئیں جو آپ کے غیر کے مرنے سے نہ ہوئی تھیں۔ آپ (اپنی رحلت سے) مصیبت پہنچانے کے لیے مخصوص ہُوئے حتیٰ کہ اپنے غیر کی مصیبت سے ہمیں مطمئن کر دیا (یعنی آپ کی وفات کی مصیبت کے مقابلہ میں ساری مصیبتیں بالکل ہیچ ہیں) آپ کی مصیبت ایک عام (ہمہ گیر) مصیبت ہے۔ حتیٰ کہ لوگ آپ کی مصیبت سے یکساں دلگیر ہو رہے ہیں۔

اگر آپ صبر کا حکم نہ دیتے۔ جزع فزع (آہ و بکا، ماتم اور بین) سے منع نہ فرماتے تو ہم اس مصیبت پر آنسوؤں کا دریا بہا دیتے۔ اس مصیبت کا رنج دائمی ہے۔ (اردو ص ۷۲۶۔ عربی ص ۴۹۱)

امام کی آخری وصیت

جب ابنِ ملجم نے سر مبارک پر ضرب لگائی تو حضرت (علیؑ) نے دونوں صاحبزادوں (حسنؑ و حسینؑ) کو طلب فرما کر یہ وصیت فرمائی: میں تم دونوں کو (خصوصاً) اور تمام بیٹوں اور اہل و عیال اور جس شخص کو بھی یہ نوشتہ ملے اس کو (عموماً) وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ الٰہی اختیار کرو۔ اپنے دین کے کام کا انتظام کرو۔ آپس میں (تمام مسلمین) صلح و آشتی رکھیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ باہمی صلح و صفائی، نماز و روزے سے بھی افضل ہے۔ (اردو ص ۳۴۴۔ عربی ۲ ص ۹۰)

اس امت کے اگلے لوگ اس نیک طریقہ کو نہ توڑ جس پر اس اُمت کے اگلے لوگوں نے عمل کیا ہے جس کے سبب سے الفت اور محبت جمع ہوئی اور جس کے سبب رعیت کی اصلاح ہوئی ہے۔

(اردو ص۴۹ - عربی ۲ ص۹۲)

کرّار بن آگاہ رہو کہ درخت صحرائی (جسے پانی کم نصیب ہوتا ہے) کی شاخیں سخت ہوتی ہیں اور باغ کے درختوں (جنھیں ہر وقت پانی سے سینچا جاتا ہے) کی جلد نہایت نازک ہوتی ہے۔ بارانی زمین کی نباتات لکھتے لکھتے نہایت قوی ہوتی ہیں اور بہت دیر میں مرجھاتی ہیں (ایسا ہی انسان کا حال ہے جس کی غذا سادہ ہوگی کم ہوگی وہ جہاد میں نہایت سخت ہوگا اور ناز و نعم کے پلے ہوئے یوں ہی دہل کر رہ جائیں گے۔ (اردو ص۳۳۹ - عربی ۲ ص۵)

شیعہ سُنّی ملاپ اس موقع پر حضور اکرمؐ کی وفات کا مختصر حال لکھ دینا مناسب و ضروری معلوم ہوتا ہے جب حجۃ الوداع (آخری حج رسولؐ) کے بعد آپ نے مکہ سے مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینے کی طرف مراجعت فرمائی۔ راہ میں ایک مقام "خم" پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے۔ یہاں ایک تالاب ہے، عربی میں تالاب کو "غدیر" کہتے ہیں۔ اس لیے اس مقام کا نام عام روایتوں میں "غدیر خم" آتا ہے۔ آپ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا:

اما بعد الا ایہا الناس فانما انا بشر۔ یوشك ان یاتی رسول ربی فاجیب وانا تارك فیکم الثقلین۔ اولہما کتاب اللہ۔ فیہ الھدٰی والنور۔ فخذوا کتاب اللہ واستمسکوا بہ واھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی (ثلاثہ مرتبہ عادہا)

یعنی حمد و ثنا کے بعد، اے لوگو! میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں:

ایک خدا کی کتاب، جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوط پکڑو۔

اور دوسری چیز میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

(آخری جملے کو آپؐ نے تین بار مکرر فرمایا)

یہ ایک حدیث کی کتاب میں (مناقب علیؓ کی) روایت ہے۔ دوسری حدیثوں کی کتابوں میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علیؓ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ (جس کو میںؐ محبوب ہوں علیؓ بھی اس کو محبوب ہونا چاہیے۔ الٰہی! جو علیؓ سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علیؓ سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ)

آخری حج سے واپسی پر کوئی دو ڈھائی مہینے کے بعد ایک دن ماہِ صفر سلہ میں آدھی رات کو جنت البقیع

(عام مسلمانوں کا قبرستان) میں تشریف لے گئے۔ وہاں سے جب واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا۔ یہ حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا اور روز چہارشنبہ تھا۔ پانچ دن تک آپؐ اس حالت میں بھی ازراہِ عدل و انصاف و کرم باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ دوشنبہ کے دن مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہراتؓ سے اجازت لی کہ حضرت عائشہؓ کے گھر قیام فرمائیں۔ سب سے آخری نماز جو آپؐ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی۔ عشاء کی نماز کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی کہ سب کو حضورؐ کا انتظار ہے۔ لگن میں پانی بھرا کر غسل فرمایا۔ پھر اٹھنا چاہا کہ غش آ گیا۔ اسی طرح تین دفعہ پوچھا، تین دفعہ غسل کیا، تین دفعہ غش آیا۔ آخر میں جب افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔ کوئی کہتا ہے سترہؐ نمازیں ابوبکرؓ نے پڑھائیں۔ کوئی کہتا ہے جمعہ، سنیچر، اتوار تین دن نمازیں پڑھائیں تا وفات حضور صلعم۔

وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آپ نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ۔ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ بعض صحابہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ رسول اللہ صلعم کو مرض کی شدت ہے (غلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے جو ہمارے لیے کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض نے کہا: اھجر استفھموا ہ (خود آپؐ سے دریافت کر لو) لوگ جب پوچھنے لگے تو آپؐ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو، میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ اس کے بعد تین وصیتیں فرمائیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ کوئی مشرک عرب میں رہنے نہ پائے۔"

یہ روایت (حدیث قرطاس) شیعہ سنی کا بڑا معرکہ آرا میدان بن گئی ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ سنی کہتے ہیں کہ آں حضرتؐ کو واقعی تکلیف شدید تھی اور یہ معلوم تھا کہ شریعت کے مطابق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔ خود قرآن مجید میں یہ آخری آیت نازل ہو چکی تھی: الیوم اکملت لکم دینکم۔ اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آں حضرتؐ کسی کے روکنے سے کیونکر رک سکتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپؐ زندہ رہے اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا، اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپؐ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ اس اختلاف کے بعد آپؐ نے لوگوں کو زبانی تین وصیتیں فرمائیں۔ جو ضروری بات آپؐ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی وصیتیں ہوں۔ یا اگر وہ ان کے علاوہ تھی تو آپؐ اس کو ان عام وصیتوں کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے۔ اس کے بعد مجمع عام میں جو خطبہ دیا اس کا اظہار فرما سکتے تھے۔ سنی یہ بھی کہتے ہیں کہ آ[illegible] بکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔

دونوں فریق (شیعہ سنی) کی باتوں کا دار و مدار قیاس و گمان، اٹکل اور اندازہ پر ہے۔ ان میں کسی کو علم غیب تو تھا نہیں۔ پھر محض قیاس و خیال کو یقین کا درجہ دینا گویا ہوا پر قلعہ بنانا اور ریت پر مکان تعمیر کرنا ہے۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ حضورؐ اس کے بعد چار دن تک زندہ رہے مگر آخری دم تک نہ شیعوں کی بات کہی نہ سنیوں کی بات کہی۔ کئی وصیتیں کیں، خطبہ دیا۔ خطبہ میں یہ بھی فرمایا کہ حلال و حرام کی نسبت میری نسبت نہ کی جائے۔

میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے، اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ:

"اے پیغمبر کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبر کی پھوپھی صفیہ! خدا کے ہاں کے لیے کچھ کر لو، میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔"

عین کرب کی شدت میں جبکہ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر اُلٹ دیتے تھے۔ آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سُنے گئے:

لعنۃ اللہ علی الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیائھم مساجدًا۔

(یہود و نصارٰی پر خدا کی لعنت، انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا)

اور ایسی حالت میں آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ بھی ادا ہوتے رہے:

مع الذین انعم اللہ علیھم۔

(ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا)

اور کبھی یہ فرماتے:

اللھم الرفیق الاعلٰی۔

(اللہ تعالیٰ بڑے رفیق ہیں)

اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا۔ سہ پہر تھی۔ سینہ میں سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ اتنے میں لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سُنے:

الصلٰوۃ وما ملکت ایمانکم۔ (نماز اور غلام)

پاس پانی کی لگن تھی اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر ملتے۔ اتنے میں ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا:

بل الرفیق الاعلٰی۔

(اب اور کوئی نہیں بلکہ وہ بڑا رفیق کار ہے)

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے اور روح پاک عالمِ قدس میں پہنچ گئی۔ اللھم صل علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ صلٰوۃ کثیراً کثیراً۔

اب کسی کا یہ کہنا کہ آپؐ یہ کہنا چاہتے تھے۔ اور پھر آپؐ نے مصلحتاً نہ کہا، یا وہ کہنا چاہتے تھے اور کسی کے دباؤ کے سبب کہنے سے رُک گئے۔ یہ آپؐ کی ذاتِ والاصفات پر کس قدر سنگین الزام ہے کہ آپؐ نے معاذ اللہ فرض رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کی۔ اور ایسی ضروری بات بھی کسی وجہ سے نہ بتائی جس کے بغیر اُمت کے گمراہ ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ جب آپؐ تن تنہا تھے اور سارا زمانہ آپؐ کے خلاف تھا۔ اُس وقت آپؐ نے

اعلائے کلمۃ الحق میں پس و پیش نہیں کیا۔ تو اس وقت جب کہ پورا عرب آپ کے صرف اشارے پر جان دینے کے لیے تیار تھا کس کی مجال تھی کہ آپؐ کو اظہارِ حق سے روک سکتا۔ اس ذاتِ اقدس کے متعلق ایسی باتوں کو اس آیت کی روشنی میں خالی الذہن ہو کر غور فرمائیے۔

یٰایہا الرسول بلغ ما انزل من ربك و ان لم تفعل فما بلغت رسالته و الله یعصمك من الناس۔

(اے پیغمبر! تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو کچھ نازل ہوا ہے اسے (خدا کے بندوں تک) پہنچا دو۔ اور دشمنوں کی مخالفت کی پروا مت کرو) اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (پھر) خدا کا پیغام نہیں پہنچایا (یعنی فرض میں کوتاہی کی) اور اللہ تمہیں انسانوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ $\frac{5}{67}$ قرآن)

یہ امر سب کو تسلیم ہے کہ جو بات قرآن کے خلاف ہو وہ ناقابلِ قبول ہے اور جس حدیث سے حضورِ اقدسؐ کے دامنِ عصمت پر حرف آتا ہے وہ بھی ناقابلِ قبول ہے خواہ وہ کسی کتاب کی ہو اور اس کا راوی کوئی بھی ہو۔ حدیثوں کے نام سے دشمنانِ اسلام اور منافقوں نے جو حضورِ اکرمؐ کی زندگی میں آپؐ کے خلاف بدنام کرنے والی باتیں اور افواہیں پھیلایا کرتے تھے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے خلاف کیا کچھ سازش نہ کی ہو گی۔